شہرِ دل کے دروازے

سردیوں کی جاتی رتوں کی ایک نرم روسی شام کا خنک سماں تھا۔
دھوپ کھڑکیوں دیواروں اور چوکھٹ سے لوٹ کر سمٹتی سی جارہی تھی۔
دفتروں میں چھٹی ہوچکی تھی اس لیے بسوں ویگنوں کے اسٹاپ پر ریکارڈ رش دیکھنے میں آرہا تھا۔
ہر طرف لوگ ہی لوگ بھرے تھے ریڑھی چھابے والوں کے اسٹالوں پر جمگھٹا سا لگا ہوا تھا فٹ پاتھ پر راہ چلنے والوں کی جان ضیق کرڈالنے والے فقیر اپنے بیوی بچوں سمیت "کمائی اور دھندے" کے لئے سرگرم عمل نظر آرہے تھے۔ بازاروں میں دکانوں پر بھی لوگوں کی بھیڑ تھی۔
غرضیکہ ہر جگہ اک ہنگامہ آرائی اور مصروفیت دیکھنے میں آرہی تھی۔
پروفیسر دانیال مہدی اپنے آرٹ اینڈ آرٹ ریسرچ سینٹر کے آفس سے نکل کر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے گھر کی جانب رواں دواں تھے۔
گھر جہاں ان کی خوبصورت بیوی اور حسین بچی شدتوں سے ان کی آمد کی منتظر تھیں۔
آج سے قبل انہیں بھی گھر جانے کی بہت جلدی ہوا کرتی تھی وہ جانثار قسم کے شوہر اور بہت محبت کرنے والے باپ واقع ہوئے تھے۔ مگر آج ان کا دل گھر جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔
پہلے آفس سے واپسی پر ڈرائیونگ کے دوران اپنی عزیز از جان بیوی اور بیٹی کے چہرے تصور میں جھلملایا کرتے تھے مگر آج۔
آج "ارشین بخاری" کا چہرہ دھیان کی اسکرین پر کچھ اس طرح چھایا تھا کہ باقی سب کچھ پس پردہ چلا گیا تھا۔
ارشین بخاری جس نے آج ہی ان کے آفس سے استعفیٰ دیا تھا اسے لیکچرر شپ مل گئی تھی ایک کالج میں اور اب وہ ان کے ساتھ جوائن نہیں کرسکتی تھی اپنی مرضی سے آفس سے استعفیٰ دے کر جارہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے شام کے اسی پراسرار خوابناک سمے وہ ان کے کمرے میں آئی تھی۔
"اچھا مہدی صاحب اجازت دیں آپ کا تعاون اور اخلاق مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔"
بیگ کا اسٹیپ کندھے پر ڈال کر ہاتھ میں پکڑا شاپر ایک سے دوسرے میں منتقل کرتے ہوئے وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔
دانیال نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا وہ اتفاقاً ان کی طرف ہی متوجہ تھی۔ اور بس وہی ایک عام سی چھچلتی ہوئی نگاہ لوٹ کر واپس نہ آسکی تھی۔
وہ لمحوں میں اس کے اسیر ہوگئے تھے۔
"کتنی عجیب بات ہے گزشتہ ڈیڑھ سال سے وہ میرے آفس میں کام کرتی رہی ہے میں نے کبھی اس کو ایسی ویسی نظر سے نہیں دیکھا کبھی دل پہ یہ کیفیت طاری نہیں ہوئی پھر آج؟۔ آج اچانک مجھے انکشاف ہوا ہے کہ میں اس کی محبت میں مبتلا ہوگیا ہوں اس کے بغیر زندگی بے رنگ اور بے مقصد محسوس ہونے لگی ہے۔ یا خدا یہ کیا ہوگیا ہے ایک پل میں ایک لمحے میں میں میں نہیں رہا میرا دل میرے جذبے میری سوچیں کسی اور کی امانت بن

گئی ہیں۔
گھر کے پورچ میں گاڑی کھڑی کرتے ہوئے وہ ذہنی طور پر بری طرح الجھاؤ کا شکار تھے۔
کیسا طلسم پھونکا ہے' اس ساحرہ نے مجھ پہ کہ میرے شہر دل کے دروازے اس کے نام کی دستک پر پلک جھپکتے میں وا ہو گئے ہیں۔
گاڑی بند کر کے اندر کی سمت بڑھے تو لاؤنج میں کوئی نظر نہیں آیا۔
"مہوش کہاں ہے رؤف بابا۔!"
انہوں نے ملازم سے استفسار کیا' نازش تو سامنے والے کمرے میں فون اٹینڈ کرتی دکھائی دے گئی تھی مگر ان کی مہوش غائب تھی۔
"وہ جی آدھ گھنٹہ پہلے سوئی ہیں کہہ رہی تھیں بابا آئیں تو مجھے جگا دیجئے گا" ملازم نے ادب سے جواب دیا۔
"رہنے دیں ابھی مت جگائیں نیند پوری کر لینے دیں۔"
وہ ہاتھ کے اشارے سے فون پر ان کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی نازش سے ہائے ہیلو کرنے کے بعد اپنے بیڈروم میں آ گئے۔
اندر کی گھٹن نکالنے کے لئے انہوں نے سگریٹ سلگایا اور صوفے پر دھنس کر سوچوں میں گم ہو گئے اب تو سوچیں بھی اپنی نہیں رہی تھیں۔
وہ بڑی شان سے ان کے دل و دماغ اور روح و فکر پہ چھا گئی تھی۔
"ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔" انہوں نے بے قراری سے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بڑبڑانے سے انداز میں کہا۔
"اب اس عمر میں' اس دور میں اس پوزیشن میں۔"
وہ چالیس برس کے سنجیدہ مرد تھے ایک بچی کے باپ تھے شادی کو بارہ برس گزر چکے تھے اور پھر نازش سے ان کی میرج ہوئی تھی بڑی جان جوکھوں میں ڈال کے سر دھڑ کی بازی لگا کر حاصل کیا تھا اس کو' اس پر جان دیتے تھے اب بھی وہ انہیں روز اول کی طرح عزیز تھی۔
پھر یہ نئی گنجائش کیسے نکل آئی' یوں اچانک اس طرح بارہ برس بعد؟ وہی تڑپ وہی بے قراری وہی جوش اور ولولہ دل میں کروٹیں لینے لگا تھا۔
وہ خود اپنی کیفیت پر ہراساں بیٹھے تھے۔
"دانی! ارے آپ ابھی تک یونہی بیٹھے ہیں چینج نہیں کریں گے کیا؟۔"
نازش چائے کا کپ ہاتھ میں لیے کمرے میں داخل ہوئی یوں ہی بیٹھا دیکھ کر کہنے لگی اور اس کی حیرت بجا تھی پروفیسر دانیال کو آفس سے واپس آئے آ کر بیڈ روم میں بند ہوئے پون گھنٹہ گزر چکا تھا' اور وہ ہنوز صوفے پر سر ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے ہوئے تھے۔
"ہوں۔" انہوں نے آہستگی سے پوزیشن بدلتے ہوئے خالی خالی نظروں سے اپنی محبوب بیوی کی سمت دیکھا ہلکے نیلے جارجٹ کے لباس میں اس کی سرخ و سفید رنگت اور دراز قامتی نمایاں ہو رہی تھی۔ وہ پٹھان تھی نین نقوش میں وہی تیکھا پن سرخی اور چمک تھی۔ سبز آنکھیں سرخ لب گورا گلابی روپ سروپ بارہ سال بعد اسی طرح سحر طراز اور فتنہ ساماں تھا ہاں' چھریرا بدن اب قدرے بھاری ہو گیا تھا' بھورے گھنے بالوں کی موٹی چٹیا پہلے کے مقابلے میں تھوڑی کم ہو گئی تھی۔ مگر یہ بات طے تھی کہ وہ آج بھی دلکشی اور خوبصورتی کا مرقع تھی اور ارشین بخاری اس کے مقابلے میں بظاہر کچھ خاص نہیں تھی۔
سیاہ چمکدار شفاف آنکھیں گندمی مائل سنہری رنگ' درمیانہ سا قد کندھوں تک آتے سیدھے کالے بال اکثر چہرے کے اردگرد ہالہ کیے رہتے تھے عام سے انداز' عام سی ڈریسنگ اور سادہ طرز نشست و برخاست ا چوبیس گھنٹے بس اپنے کام سے کام رہتا تھا وہ اپنے آپ میں مگن رہنے والی لڑکی تھی۔ کسی کی پروا نہ کرتے ہوئے

سب کی پروا کرنا دوسروں کے کام آنا' ان کے مسائل سن کر اظہار ہمدردی کرنا' اور اپنی حد میں رہتے ہوئے اپنے مخصوص تساہل بھرے ہوئے مخلصانہ انداز میں دلجوئی کرنا' ارشین بخاری کی شخصیت کا خاصا تھا۔
مگر آج جانے اس کی کون سی بے ضرر ادا انہیں لوٹ کے لے گئی تھی۔ وہ اس کی نکھری ستھری سنجیدہ سوچوں کی حامل بھرپور شخصیت کے معترف تو پہلے سے تھے مگر آج اس کی سوچ نہیں سراپا انہیں متاثر کر گیا تھا باتوں پر دھیان نہیں گیا تھا' بس ایک نظر تھی جو لاپروائی کے عالم میں اس پر اٹھی تھی اور وہ اسی نظر کے قیدی بن گئے تھے اسی روپ کے اسیر ہو کر رہ گئے تھے' باقی سب پس منظر میں چلا گیا تھا' یاد رہا تھا تو بس ایک چہرہ' ان دو آنکھوں کی بے تحاشا چمک' اور ان خوبصورت لبوں کا دلکش تبسم۔
"کمال ہے میں نے تو کبھی کسی عورت کے بارے میں اس طرح نہیں سوچا تھا نازش کے بعد کبھی کسی کو اس نظر سے دیکھنے یا کھوجنے کی جسارت نہیں کی تھی پھر اچانک یہ سب کیا ہو گیا؟۔" وہ سر تھامے حیران پریشان بیٹھے تھے۔
"کیا بات ہے' آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔" نازش کچھ اور ہی سمجھ کر گھبرا گئی' اور بے چینی سے پاس آ کر پیشانی چھو کر دیکھنے لگی۔ "میں ٹھیک ہوں یار!" انہوں نے اس کے ہاتھ تھام کر ہلکے سے تھپکتے ہوئے الجھے انداز میں تسلی دی۔ مگر نازش کی تشفی نہیں ہوئی۔
"کیا ہوا ہے' کوئی بات ہو گئی ہے کوئی آفیشل پرابلم ہے۔" وہ ان کی رگ رگ سے واقف تھی۔ ان کے مزاج کے اتار چڑھاؤ سے آگاہ تھی۔ اس کا متوحش ہونا لازمی تھا۔
"ارے نہیں میری جان۔" وہ نازش کی فکرمندی دور کرنے کے لئے زبردستی مسکرائے۔
"شکر ہے۔" نازش نے طویل سانس لی۔ "میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی آپ کو تکلیف میں دیکھنا میرے لئے سب سے کٹھن امتحان ہوتا ہے۔"
اس کے انداز میں وفا کے رنگ جھلک رہے تھے۔ ایک لمحے کو وہ لب بستہ بیٹھے اسے تکتے رہ گئے۔
نازش کا شمار ان بیویوں میں ہوتا تھا' جو اپنے شوہروں کی باتوں کو اپنا ایمان اور ان کی خدمت کو عبادت کا درجہ دیتی ہیں' نازش گزشتہ بارہ برس سے ان کا سایہ بنی ہوئی تھی۔ ایک دیوانی کی طرح ان کی پرستش کرتی تھی ان پر واری صدقے ہوتی تھی۔ اس نے آج تک انہیں شکایت کا موقع نہیں دیا تھا جو کہتے بلاچون و چرا مان لیتی وہ سراپا ان کے مزاج کے سانچے میں ڈھل گئی تھی۔ کوئی ایک خامی بھی تو نہیں تھی اس میں' وہ شرمسار تھے کہ اتنی جانثار اطاعت گزار بیوی کی موجودگی میں وہ ایک غیر عورت کے عشق میں مبتلا ہو گئے تھے۔

◆◆◆

سہ پہر کی خاموش سی فضا میں دادی کی پکارتی ہوئی آواز ہلچل مچا گئی تھی۔
"ارے۔۔۔ امبر بچی! تین بجنے کو ہیں کب روٹیاں پکائے گی' اب تو ارشی آنے ہی والی ہو گی۔ وہ ہی آدم بو آدم بو کی طرح بھوک بھوک چلانا شروع کر دے گی۔ خیر تو ہے کہ بھوک کی بہت کچی ہے۔ چل چھوڑ اب اس قمیص کا پیچھا پھر سل جائے گی' کوئی بھاگی تو نہیں جا رہی سلائی مشین لاؤنج سے اٹھا لے' راستے میں ساری نلکیاں دھاگے کپڑے بکھرے ہوئے ہیں۔ ارشی دیکھتے ہی بگڑ جائے گی۔ کپڑے سینا' اور کپڑے دھونا دونوں کاموں سے چڑتی ہے جانے کیسے گزارا ہو گا' آگے چل کر اب بھلا کپڑے سینا اور دھونا بھی عورت کو جی کا جنجال لگنے لگے تو پھر گھر بس گئے۔"
دادی لمبے پیرائے میں بات کرنے کی عادی تھیں امبرین اپنے ازلی ٹھنڈے مزاج کا مظاہرہ کرتی ہوئی چپ چاپ ان کی "تیون" بدلنے کا انتظار کرتی رہی۔
"آ تو لینے دیں انہیں وہ سوا تین تک گھر پہنچتی ہیں اور ابھی تو تین بجنے میں بھی دس منٹ باقی ہیں۔"
اس سے پہلے کہ دادی اسے خاموش پا کر پھر اسٹارٹ لیتیں' اس نے بالآخر بیزاری چھپانے کے سے انداز میں پیش بندی کے طور پر تسلی کر دی۔

یکایک سب گھر والے اسے یوں ڈی آئی پی ٹریٹ منٹ دینے لگے ہیں جیسے کہیں سے "شی" بن کر آگئی ہو۔ حالانکہ یہ وہی ارشی آپی ہیں جس سے کبھی گھر بھر حلق تک بیزار رہا کرتا تھا، اسے "عذاب اور مصیبت خانہ" کہتے تھے، القاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ جس کی ایکٹیویٹیز کو بابا جان خاندان کی ناک کٹوانے اور پیسہ اجاڑنے کا سبب سمجھ کرتے تھے۔ جس کی زبان درازی اور گستاخی سے سب پناہ مانگتے تھے۔ جس پر بی بی جان نے کبھی مہر و محبت کی نگاہ ڈالی گوارا نہیں کیا، جس کو کبھی دادا بگڑی ہوئی نسل سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ آج وہ سب کے لیے اہمیت کا باعث بن گئی ہے، آرٹ کی دنیا میں اس کا ایک نام ہے جو اپنی منفرد طرز مصوری کی بدولت محض تین سالوں میں وہ مقام حاصل کر چکی ہے جس تک ایک تخلیق کار تمام زندگی ریاضت کے بعد بمشکل تمام پہنچ پاتا ہے اس کی پینٹنگز ہاتھوں ہاتھ بکتی ہیں اور ان سے حاصل کردہ زر کثیر وہ گنے بغیر سعادت مندی سے بی بی جان کی ہتھیلی پر رکھ دیتی ہے۔
اور بابا جان کے اچانک ایکسیڈنٹ میں ایک بازو سے محروم ہو جانے کے بعد سے وہ ایک دم کتنی بڑی بڑی لگنے لگی ہے، یا پھر گھر والوں نے بنا دیا ہے بابا جان پہلے بزنس کے کام دھندوں میں الجھ کر گھر والوں سے غافل رہتے تھے اور اب بیماری کے باعث بزنس ٹھپ ہو جانے کے بعد سے بالکل ہی گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ سارا سارا دن لائبریری میں بند خود کو کتابوں کی دنیا میں دفن کیے رکھتے تھے۔ بالکل اچانک سے انہیں قدیم طبی علوم سیکھنے اور انہیں استعمال کرنے کے طریقے جاننے کا مرض لاحق ہو گیا جانے کدھر کدھر کی جڑی بوٹیاں اور بوسیدہ نسخے جانچتے رہتے تھے۔

"ثمراوہ ثمر! اللہ کی مار ہو تجھ پر کدھر دفعان ہو گئی تھی تو۔"
بی بی جان نے آٹھ سالہ ثمرین کے گال تھپڑوں سے لال ٹماٹر کر دیئے تھے وہ ابھی ابھی بیرونی گیٹ سے سیدھی اندر لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ اور حسب سابق جی بھر کر کیچڑ مٹی اور دھول میں اٹی ہوئی تھی۔ سو بی بی جان سے تواضع لازم تھی۔
"اے بس بھی کرو بہو! پھول سی بچی کو دھنک کے رکھ دیا، چھوٹی ہے وہ ابھی۔"
دادی کے کلیجے پر ضرب لگی تھی۔ وہ بلبلا کر رہ گئیں صبر نہ ہو سکا تو بہو کو لتاڑ بیٹھیں۔
"کھیل میں، دوڑ بھاگ میں بچے اسی طرح کپڑوں کا ناس مارتے ہیں ایسی کیا انوکھی حالت بنا بیٹھی ہے وہ غریب۔"
دادی، ثمرین کا کیچڑ میں لت پت گول مٹول گلابی وجود خود میں سموتی ناراضگی بھرے انداز میں صباحت کو دیکھ رہی تھیں۔ جو ساس کی بے جا حمایت پر دل ہی دل میں کھول رہی تھیں، ثمرین دادی کی حمایت پا کر فل والیوم سے منہ کا بھونپو کھول کر رونے لگی۔
"اے کہا کس نے تھا کھیلنے کو، کنٹی نے پتا بھی نہیں چلنے دیا اور چل دے کے گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ بہت شوق ہے باہر پھرنے پھرانے کا آوارہ گردی کرنا تو یوں بھی سب کو ہی بہت اچھا لگتا ہے یہاں شرافت سے گھر میں ٹکنے کو کب دل مانتا ہے۔"
صباحت کی زہر میں بجھی برفیلی آواز نے لاؤنج کا بیرونی دروازہ کھول کر اندر آتی ارشین کے جیسے قدم زمین سے پیوست کر دیئے تھے۔
لمحہ بھر کو وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت و صامت کھڑی رہ گئی چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا جانتی تھی کہ ان کا درپردہ "مخاطب" کون ہے۔
دن بھر کی تھکان اور ذہنی مشقت سے لبریز مصائب کی گرد سے اٹا ٹوٹا ہوا وجود زمین کے سینے پر بے وزن اور بے توازن سا محسوس ہونے لگا۔ پھر اس نے اپنی ازلی سیلف کنٹرول کی طاقت استعمال کرتے ہوئے سر جھٹکا اور جاندار قدموں سے اندر آگئی۔
"اسلام علیکم۔" اس نے پر جوش سلام داغنے کے بعد ہاتھ میں پکڑی دو کتابیں بیگ اور شاپر صوفے کے ایک سائیڈ پر ڈالتے ہوئے وہیں بیٹھنے کی جگہ بنالی تھی۔

صباحت اسے دیکھ کر چپ ہو گئیں البتہ ان کے چہرے کے جامد کشیدہ تاثرات ان کے برہم موڈ کا پتا دے رہے تھے۔
"وعلیکم السلام بچے! جگ جگ جیو اللہ تمہیں خوش رکھے، نیک بختی عطا کرے۔" دادی نہال ہو کر بے اختیار کیفیت میں اسے دعاؤں سے نواز رہی تھیں۔ ان کا ہمیشہ کا شفیق، والہانہ لہجہ ارشین کے آس پاس جیسے شبنم کی بوندیں سی برساتا چلا گیا۔
"اے ثمی! جا بہن کو ٹھنڈا پانی لا کے دے فرج سے بھاگ کے جا۔"
دادی نے فون سے چمٹی ساتویں کلاس کی طالبہ شاہین کو بعجلت دوڑایا تھا۔
"جب دیکھو فون سے لگی رہتی ہے، جانے کہاں کہاں کے "سہیل پنے" شروع کر رکھے ہیں اس نے۔"
صباحت نے قہر بھری نگاہ جھٹ پٹ ٹھنڈا یخ پانی بوتل سے انڈیل کر ارشین کو پکڑاتی شاہین پر ڈالی تھی۔
"کیوں بھئی کیا مسئلہ ہے۔"
ارشین نے ایک گہری کھوجتی ہوئی نگاہ شاہین کے نوخیز چہرے پر ڈال کر بظاہر سرسری سے ٹھنڈے لہجے میں پوچھ گچھ کی تھی مگر اس غیر اہم سے لہجے میں چھپی برفیلی سی رعب دار پر تمکنت کیفیت شاہین کو ٹھنڈے پسینے میں نہلا گئی تھی۔ اس کا یہی 'خاص لہجہ' تو سب بچوں کو قابو کرتا تھا۔ صباحت کوئی چارہ کار نہ پا کر بالآخر ارشین کا ڈراوا ہی دیا کرتی تھیں، بچوں کو اس کے سامنے سب سیدھے ہو جاتے تھے بے شک وہ صباحت کی طرح چیخ چیخ کے یا مار پیٹ سے کام نہیں لیتی تھی مگر اس کے سپاٹ ہموار لہجے میں پوشیدہ تحکم خود بخود مخاطب کو حد میں رہ کر بات کرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔
"وہ آپی! میں اپنی کلاس فیلو سارہ سے کام پوچھ رہی تھی۔" اس نے قدرے سہمے ہوئے انداز میں صفائی پیش کی۔
"خیر سے محترمہ! چھٹیوں سے ایک روز قبل ہی چھٹی منا بیٹھی تھیں اس دن ٹیچر نے چھٹیوں کا کام لکھوایا اور سمجھایا تھا کہ کیا کیا کرنا ہے یہ گئیں نہیں اور اب ہر کام شروع کرنے سے پہلے سارہ کی جان کھاتی ہے۔"
امبرین نے چھوٹی بہن کی مشکل حل کرتے ہوئے اکتا کر وضاحت کر ڈالی۔
"بیٹے! ضرورت کی چیز کو تفریح کا ذریعہ نہیں بنایا کرتے۔ تم بے شک بات کر لیا کرو مگر کام کی مختصرا" لازم اور مطلب کی بات ٹھیک ہے۔"
اس نے چھوٹی بہن کے گھبرائے ہوئے چہرے پر نظر ڈال کر حلاوت بھرے انداز میں سمجھایا۔
"جی آپی۔" شاہین نے جان بچی سو لاکھوں پائے کے مصداق فورا" سر ہلا دیا اور مزید جرح سے بچنے کے لئے لپک جھپک سیڑھیاں چڑھ گئی۔
"ارے میرا شیر آ گیا۔" ادھر سے سیڑھیاں اترتے دادا نے اسے لاؤنج میں بیٹھے دیکھ کر مسرت بھرا نعرہ مارا تھا۔
"بہت خوب، میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا، خیر ہے آج عدنان میاں تین بار ہارے ہیں مجھ سے یہ امبر بی بی تو کچن سے چمٹی ہوئی تھیں، اور شمی فون سے جڑ گئیں مجبورا" ہم دونوں ہی شروع ہو گئے مگر اصل مزا تو زور آور کے ساتھ کھیلنے میں ہی آتا ہے۔"
دادا کے چہرے پر بچوں کا سا جوش تھا، ارشین بے ساختہ مسکرا دی۔
"شاباش ہے حاجی صاحب۔" دادی نے جل بلا کر پہلو بدلتے ہوئے اپنے "روایتی حریف" یعنی دادا کو گھورا۔
"خود تو زمانے بھر کے نکمے اور نکھٹو ہیں ہی، بچوں کو بھی اس راہ پہ ڈال رہے ہیں، سارا دن لوڈو کھیل کھیل کے جی نہیں بھرتا، میں کہتی ہوں اسی لیے بھاگ کے چلے آئے تھے یہاں رہنے کو!!۔ تاکہ آ کر بچوں کی پڑھائی اور کام کاج میں رخنہ ڈالو"
"ارے نہیں دادی! ایسی کوئی بات نہیں ہے بچوں کی چھٹیاں ہیں، فارغ ہی تو پھرتے ہیں اچھا ہے دادا ان کا دل لگائے رکھتے ہیں۔"
ارشین نے جھٹ دادا کی حمایت میں آواز بلند کی۔

"اب دیکھیں ناں عدنان میٹرک کا امتحان دے چکا ہے اور امبرین فرسٹ ایئر کے پیپرز سے فارغ ہو چکی۔ شاہین اور ثمرین کے اسکول میں چھٹیاں ہیں' بے کار گھر میں بیٹھ بیٹھ کر بچے بور ہو جاتے ہیں اور پھر گھر سے جانے کی راہیں ڈھونڈنے لگتے ہیں دادا نے تو ایک طرح سے گھر میں ہی بے ضرر قسم کی تفریح کا انتظام کر دیا ہے بچی لگا رہتا ہے اور بچہ بری صحبت سے بھی بچا رہتا ہے۔"

اس کی دلیل پر دادی کچھ ٹھنڈی پڑ گئیں اب کے دادا مقابل کو پسپائی اختیار کرتے دیکھ کر چڑھائی کرنے لگے۔

"ارے اسے کیا سمجھاتی ہو تم' یہ عورت میرے ساتھ پچاس برس گزار کے کچھ نہ سیکھ سکی' ہر کام میں ہر بات پہ روک ٹوک' جہاں کہیں مجھے ذرا سا خوش دیکھا اس کے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔ یہ تو میری ہی ہے جو ایسی بد مزاج' سڑیل اور خرد دماغ عورت سے نبھا رہا ہوں اب تک ورنہ......" دادی کے تو سر سے لگی تلووں پہ بجھی۔

"ورنہ کیا" وہ ہاتھ نچا کر بہ بہک کر بولیں۔

"شرم تو نہیں آتی بہو بیٹیوں کے درمیان ایسی باتیں کرتے ہوئے اپنے کرتوت بھی دیکھو تمہیں تو کوئی منہ برداشت نہ کرتا میرا ہی حوصلہ ہے جواب تک سہہ گئی۔"

حسب معمول دونوں جانب سے "گولہ باری" شروع ہو چکی تھی۔ جنگ اپنے عروج پر تھی۔

"کیا سہہ گئیں ہاں' سہنے والی ہوتیں تو اور چاہیے ہی کیا تھا یہ تو میں ہوں جو اب تک تمہارے پردے رکھے ہوں۔"

دادا تن فن کرنے لگے تھے۔

"ہاں ہاں تم نے ہی تو سارے کا سارے مسئلے سلجھائے ہیں۔ میں تو ڈنگر ہوں بے عقل ہوں جاہل ہوں۔"

"چلو شکر ہے خود ہی تسلیم کر لیا۔" دادا نے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ کر اطمینان ظاہر کیا۔

دادی دانت کچکچا کر رہ گئیں۔

"اس سے تو بہتر ہے اللہ میرا پردہ ڈھک لے۔ اٹھا لے مجھے' ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔" دادی پر طاری ہونے لگی۔

"ارے اوپر بہتیرے جہنمی ہیں ایسی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے ابھی تمہارے اللہ اپنے نیک بندوں کو بلاتا ہے' تمہارے جیسوں کو عبرت کا نمونہ بنانے کے لئے زمین پر ہی گاڑے رکھتا ہے۔"

دادا مقابل کے دانت کھٹے کرتے ہوئے مسرور لہجے میں اطلاع دے رہے تھے۔

"تم تو کہیں کے ولی ہو ناں۔" دادی لال بھبھو کا ہو گئیں۔

"ولی نہ سہی خوشیاں بانٹنے والا تو ہوں ناں' تمہاری طرح سارا دن پلنگ پہ بیٹھے جلنے بھننے اور دوسروں کے خلاف انتقامی منصوبے بنانے کا کام تو نہیں کرتا ناں۔"

ارشین کے لائے ہوئے شاپر سے برگر نکال کر کھاتے ہوئے دادا بے فکری سے بولے۔ دادی کے صبر و ضبط کی ہو گئی۔

"دیکھ رہی ہو' دیکھ رہی ہو صباحت۔" انہوں نے دانت پیستے ہوئے ہار مان کر بہو کو بھی ساتھ ملا لیا۔

"پھر تم مجھے کہتی ہو کہ میں بولتی ہوں' انہیں ذرا برابر بھی خیال ہے میری عزت کا' ہر جگہ مجھے بری بنا کے انہیں خوشی ملتی ہے۔"

"جو چیز ہو ہی بری اسے مزید کیا بنانا۔" دادا نے جیسے کان پر سے مکھی اڑائی۔

"اور تمہارے تو جیسے ہیرے موتی جڑے ہوئے ہیں ناں۔" دادی نے شعلے اگلتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اچھا بھئی' بس سیز فائر۔" ہنس ہنس کر بے حال ہوتی ارشین نے بالآخر درمیان میں کودتے ہوئے جنگ بندی کی اپیل دائر کر دی۔

عدنان' امبرین اور شاہین پیٹ پکڑے ہنس ہنس کر دوہرے ہو رہے تھے جب کہ آٹھ سالہ ثمرین جو ابھی ابھی جان سے "تواضع" کے بعد کپڑے بدل کر آئی تھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے محض شریک محفل بننے کے لئے بلا توقف قہقہے لگانے لگی تھی۔ اس کا مزاج ایسا ہی تھا' ہنسنے اور شور مچانے کے لئے ہر آن تیار رہتی تھی۔ ہلہ گلہ کرنے کی شوقین تھی' اسی لیے اس کی ارشین سے زیادہ بنتی تھی ارشین کے مزاج میں بہت بشاشت چلبلا پن اور جوش و ولولہ تھا ہر آن پھرکی کی طرح ادھر ادھر گھومتی' شور مچاتی ہنگامہ بپا رکھنے کی جستجو میں رہتی تھی۔

دادی کہتی تھیں کہ مزاج میں وہ بالکل اپنے دادا پر گئی ہے اور دادا بھی فخریہ ارشین کے کندھے تھپک کر کہتے "ہاں بھئی میرا شیر ہے یہ' مجھ پہ گیا ہے۔ وہ تو فرشتوں کی معصومانہ غلطی کے سبب لڑکی بن گئی ورنہ ظاہری روپ کے علاوہ اندر سے پورا مرد ہے' وہی بہادری' نڈری حوصلہ مندی اور جفاکشی۔ قدرت کا انعام ہے یہ بچی۔"

"مجھے کھانا تو دے دو اللہ کے واسطے۔"

خدا خدا کر کے "پاک بھارت" روایتی جنگ اختتام پذیر ہوئی تو ارشین کے خالی پیٹ نے اسے واویلا مچانے پر آمادہ کر دیا۔

"بچی کو ابھی تک کھانا ہی نہیں دیا۔ شاباش ہے تم پر امبر بیٹے۔"

دادا نے شدید ناراضگی سے امبرین کی طرف دیکھا۔ وہ ارشین کے کھانے پینے سونے جاگنے اور آرام و کام کرنے کے اوقات کا بہت دھیان رکھتے تھے۔ "آپی آتے ہی یہاں بیٹھ گئیں۔ میں نے سوچا کپڑے بدل کر لائیں پھر لاتی ہوں۔"

امبرین نے سنجیدگی سے صفائی پیش کی مگر دادا کی برہمی دور نہ ہوئی۔

"کچھ تو خیال کر لیا کرو' اتنی بے حسی بھی اچھی نہیں ہوتی' وہ غریب تم لوگوں کے لئے صبح سے رات تک اپنی جان ہلکان کیے رکھتی ہے' تمہاری آسانی کے لئے خود کو مشکل میں ڈالا ہوا ہے اور تمہیں پروا بھی نہیں ہے اتنا کام تو لوہے کا بنا ہوا انسان کرے تو وہ بھی پگھل جائے' صباحت کیا تمہیں بھی کچھ خیال نہیں ہے۔"

ان کی توپوں کا رخ بی بی جان کی طرف ہو گیا۔

"سالن تیار ہے' آٹا گوندھا ہوا ہے' بس پھلکے دو اتارنے ہیں امبر اٹھ ہی رہی تھی۔" جز بز ہونے لگیں پھر ٹیڑھی نظر سے ارشین کو دیکھا۔

"یہ بھی تو آتے ہی ادھر ڈیرہ جما کر بیٹھ گئی ہے منہ ہاتھ دھو کے کپڑے بدل کے آؤ تب تک روٹیاں بن جائیں گی۔"

ان کے کہنے پر ارشین بیگ اور کتابیں سنبھالتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگی اس کا کمرہ اوپر تھا۔

"وہ تو ازلی لاپروا ہے' تم ماں ہو' خود دھیان رکھا کرو' ارے وہ گھر کا کماؤ پوت ہے دیکھتیں نہیں کتنی جان ماری کرتی ہے گھر بھر کے لیے صبح آٹھ بجے کی نکلی تین بجے تک کالج میں سر کھپا کے آتی ہے' پھر ایک آدھ گھنٹے بعد اپنے اس "قید خانے" جیسے کمرے میں جا گھستی ہے اور رنگوں اور برش سے کھیل کر تصویریں بناتی رہتی ہے' پھر آئے گئے سے ملنا ادھر ادھر کا دینا دلانا' اس بچے کے جوتے کپڑے اس کا داخلہ اس کا مسئلہ اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے' کبھی تو اس کو فلاں شے خرید کے دینی ہے' گھر بھر کا حساب' بچوں کے مستقبل کا خیال' یہ سب فکریں اس اکیلی جان کو ہی تو ہیں۔"

دادا جان بہت سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے۔

"قدر کرو اس لڑکی کی تمہیں سدا سے دکھ رہا ہے کہ بیٹیاں چار اور بیٹا صرف ایک دیا ہے خدا نے اب دیکھ لو بیٹی ہی دھوپ کے دنوں میں ہاتھ بٹا رہی ہے' بیٹے صاحب کو تو خیر سے کرکٹ اور دوستوں کے علاوہ گھر کے کسی مسئلے سے کوئی دلچسپی نہیں حالانکہ بچہ تو نہیں رہا اب سولہ سترہ برس کا ہے میٹرک کر چکا ہے یہ عقل تو اسے آنی چاہیے۔"

"اللہ رکھے بچوں کا باپ سلامت ہے' میں ابھی موجود ہوں اسے ان فکروں کی ضرورت ہی کیا ہے اتنا ہی اسے ہمارا بوجھ ہلکا کرنے کا شوق چرا رہا ہے تو شادی کے لئے ہاں کیوں نہیں کرتی ہمیں اس کی کمائی سے کیا غرض' اپنی

مرضی سے ایسی آزادیوں کا انتخاب کیا ہے۔"

بی بی جان کے دل میں کبھی اس کے لئے نرم گوشہ نہیں جاگ سکتا تھا۔

وہ شوہر اور بیٹے کے علاوہ کسی کی دست نگر ہونا گوارا نہیں کر سکتی تھیں یہ الگ بات تھی کہ حالات کی وجہ سے مجبور ہو گئی تھیں، ورنہ انہیں ارشین کی یہ "آزادیاں" بہت کھٹکتی تھیں۔

"ہوش کے ناخن لو بہو۔" بہو کی رکھائی پر دادا کی سنجیدگی ناراضگی میں ڈھلنے لگی۔ "آدھے سے زیادہ بوجھ باندھ رکھا ہے اس نے۔"

"بخاری صاحب نے اچھے وقتوں میں بینک میں جو پیسہ جمع کرایا تھا وہ کافی ہے گزارے کے لئے اس کا منافع ہر ماہ ملتا رہتا ہے کچھ شیئرز پڑے ہیں پھر میرے زیورات بھی موجود ہیں ہمیں روپے پیسے کی تنگی نہیں ہے۔" وہ تنک گئیں۔

"مگر کب تک؟" دادا چڑ کر بولے "بینک میں پڑی رقم کب تک ساتھ دے سکتی ہے اور پھر ماہانہ ملنے والی رقم سے گھر کا بجٹ کب پورا پڑتا ہے اپنے ایمان سے کہو اگر ارشی کی تنخواہ اور لوگوں کے پورٹریٹ بنا کر ملنے والے پیسوں کو نکال کر اگر تم صرف بخاری کے دیئے ہوئے پیسوں سے گھر چلاؤ تو کتنے دن نبھتے ہیں؟"

دادا کی حقائق پر مبنی بات پر صباحت نے خاموشی اختیار کرلی کہ بات تو بہرحال سچ ہی تھی یہ الگ بات ہے کہ سچی بات تسلیم کر لینا ہمارے ہاں کی روایات میں شامل نہیں ہے سچ کو سمجھ لینے کے باوجود ہم اسے ماننے پر آمادہ نہیں ہوتے اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے لیے۔

"آپی۔۔۔ او آپی۔۔۔" وہ ابھی اوپر ہی تھی جب لاؤنج کا بیرونی دروازہ بجا تا عدنان نیچے سے چیخنے لگا تھا۔

"وہ کوئی مسز طارق آئی ہیں اپنے بیٹے کو لے کر اس کا پورٹریٹ بنوانا چاہتی ہیں۔"

"انہیں اسٹوڈیو میں بٹھاؤ میں آ رہی ہوں پانچ منٹ میں۔"

الماری سے دوپٹہ کھینچ کر شانوں پر برابر کرتے ہوئے وہ دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔

"لو ابھی سانس بھی نہیں لیا آ کر اور کام شروع۔" دادا نے ہمدردانہ نگاہ ارشین پر دوڑائی جو بالوں کو پونی میں کستے ہوئے تیزی سے نیچے آ رہی تھی۔ انداز میں عجلت بھری مصروفیت تھی۔

"کھانا تو کھا لیں پہلے پھر ٹھنڈا ہو گیا تو دوبارہ گرم کرنا پڑے گا۔"

لاؤنج سے کچھ فاصلے پر بنے ڈرائننگ روم میں کھانے کی ٹیبل پر پلیٹ رکھتے ہوئے امبرین نے حد درجہ کوفت سے اسے دیکھا تھا۔

"رہنے دو یار اب نہ موڈ رہا ہے اور نہ بھوک، بس اچھی سی چائے بنا کر بھجوا دو اسٹوڈیو میں، یہ کباب ساتھ ہی رکھ دینا بسکٹ عدنان یا ثمرین کو بھیج کر مارکیٹ سے منگوا لو، نمکو وغیرہ تو پڑے ہوں گے گھر میں، میرا بھی گزارا ہو جائے گا اور مہمانداری بھی نبٹ جائے گی۔"

وہ خوشگوار لہجے میں کہہ کر گھر کے عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگی۔ اسٹوڈیو گھر کے عقبی گیٹ سے قریب ترین کمرے کو بنایا گیا تھا۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ ایک تو وہ تنہائی میں آرام سے بغیر ڈسٹرب ہوئے کام کر سکتی تھی کہ باقی کمروں سے قدرے الگ تھلگ واقع تھا۔ دوسرا آنے والے مہمانوں کے گھر کے ماحول کو منتشر کیے بغیر براہ راست گیٹ سے اندر کمرے میں آسکتے تھے۔

بی بی جان کو سخت ناپسند تھا کہ ہرا یرا غیرا گھر کے لاؤنج یا ڈرائننگ روم میں گھسا چلا آئے اس طرح پورے گھر کی روٹین اور پرائیویسی ڈسٹرب ہوتی تھی۔ اسی کے پیش نظر مہمانوں کی بڑھتی ہوئی آمد و رفت کو مد نظر رکھتے ہوئے ارشین نے صلاح مشورے سے عقبی گیٹ کے قریب واقع بابا جان کی لائبریری کو اوپر منتقل کر دیا اور اپنا سامان لائبریری والے کمرے میں سیٹ کر کے اسے اسٹوڈیو کی شکل دے دی۔ لائبریری کی جگہ بدلنے پر شروع شروع میں بابا جان چیں بہ جبیں ہوئے مگر پھر اس کے کام سے ہونے والی آمدنی کا حساب کر کے خاموش ہو گئے۔ انہیں ایک سہولت یہ بھی حاصل ہو گئی تھی کہ اوپر بغیر کسی کی مداخلت کے گھنٹوں لائبریری میں بند ہو کر اپنے پسندیدہ طبی تجربات کر سکتے تھے سو وہ خوش تھے۔

البتہ صباحت نے حسب معمول اعتراض کیا۔

"گھر کے دو دو کمرے تمہارے قبضے میں ہوں گے تو باقی لوگ کہاں جائیں گے۔ ایسا کون سا اٹھارہ بیس کمروں کا محل ہے جہاں ہر ایک دو چار کمرے اپنے مصرف میں رکھ سکتا ہے۔"

"مجبوری ہے بی بی جان۔ دراصل میں ایزل اور برش وغیرہ نیچے ڈرائنگ روم میں نہیں لا سکتی۔ وزیٹرز کو اوپر اپنے بیڈ روم میں لے جا کر ان کی پورٹریٹ بنانی پڑتی ہے تو اس طرح ایک تو امبر ڈسٹرب ہوتی ہے کہ وہ میرے ساتھ بیڈ روم شیئر کرتی ہے۔ دوسرے گھر کی پرائیویسی متاثر ہوتی ہے۔ آنے والا ڈرائنگ، ڈائننگ اور لاؤنج پھلانگ کر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتا ہے اسی طرح مردوں کو تو کمرے میں نہیں گھسایا جا سکتا۔ مگر اب میرے کام کی مانگ بڑھ گئی ہے۔ کئی مرد گاہک آتے ہیں بہت سوں کو ٹالا ہے اب تک، مگر پھر سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ کام کو محدود نہیں کرنا چاہیے۔ ایسا کرنا گویا آمدنی محدود کرنے کے مترادف ہو گا، اس لیے نیچے عقبی گیٹ سے منسلک کمرے کو اسٹوڈیو بنا رہی ہوں۔ بابا جان سے میں نے تفصیلی ڈسکس کر لیا ہے۔"

وہ جانتی تھی ماں شوہر اور بیٹے کی رضا کے لئے کچھ بھی کر سکتی تھیں۔ اسی لیے پہلے بابا جان سے "منظوری" لینے کے بعد یہ "پراجیکٹ" ارینج کیا تھا۔

"اوپر دادا نے اپنی دنیا بسا رکھی ہے اور نیچے صاحبزادی نے نگار خانہ کھول رکھا ہے۔ دونوں کو "تنہائی چاہیے" اے میں کہتی ہوں جنگلوں میں کیوں نہیں نکل جاتے دونوں۔"

صباحت کی تیز آواز میں بڑبڑاہٹ اسٹوڈیو کا اندرونی دروازہ کھولتی ارشین کے کانوں تک بخوبی پہنچ چکی تھی۔ مگر وہ ضبط کی خوگر تھی۔ مسکرا کر اندر داخل ہوتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔

اسٹوڈیو کا بیرونی دروازہ کھولتے ہی سامنے دو کرسیاں اور ایک چھوٹی ٹیبل نظر آتی تھی۔ یہ وزیٹرز کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ اس کے مقابل دیوار کے ساتھ ایزل اسٹول اور لکڑی کا بوسیدہ سا ریک تھا۔ جس میں برش اور رنگوں کی طشتریاں رکھی ہوئی تھیں کچھ کاغذات اور رجسٹر وغیرہ بھی نچلے خانے میں پڑے نظر آ رہے تھے۔ اسٹوڈیو کے اندرونی دروازے کے سامنے والی دیوار کے پاس ایک پرانا دھرانا زمانہ قدیم کا کاؤچ رکھا ہوا تھا۔ جس پر نرم سرخ ویلوٹ کا کور ڈال کر امبرین نے اس کا "بڑھاپا" چھپانے کی کوشش کی تھی۔ امبرین تو اس آؤٹ ڈیٹ سڑے بسے کاؤچ کو اسٹوڈیو میں ڈالنے کے حق میں نہیں تھی۔

سلام دعا اور مدعا بیان کرنے کے بعد اسٹول کھینچتے ہوئے وہ کرسی پر براجمان مسز طارق سے پوچھ رہی تھی۔ اب وہ کاروباری انداز سے گفت و شنید کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔

"اس کے علاوہ یہ بھی واضح رہے کہ ماڈل کو بلوانے کے لئے میں عموماً شام چار بجے سے سات بجے تک کے اوقات رکھتی ہوں۔"

"دو ہفتے بعد بچے کی برتھ ڈے ہے۔ اس کے پاپا کی خواہش ہے کہ برتھ ڈے پر اس کا پورٹریٹ نمایاں طور پر ہال کمرے میں لگا ہوا ہو ٹائم بالکل مناسب ہے۔ شام کو یہ فارغ بھی ہوتا ہے میں روزانہ چار بجے بچے کو آپ کے پاس چھوڑ جایا کروں گی۔ اندازاً "کتنے دن لگ جائیں گے؟"

"یہ تو ماڈل کی ہمت اور برداشت پر منحصر ہے۔" اس نے نرمی سے پانچ سالہ بچے کے گال چھوتے ہوئے "رسماً" مسکرا کر کہا۔

"میرا خیال ہے۔ ایک ہفتہ تو لگ ہی جائے گا، چار سے چھ بجے تک میرے پاس رہا کرے گا۔ اس کے بعد مجھے دیگر تصاویر پر کام کرنا ہوتا ہے۔"

پے منٹ وغیرہ کا قصہ نپٹا کر بالآخر مسز طارق رخصت ہو گئیں۔

امبرین چائے کے برتن لینے کے لئے اسٹوڈیو کا اندرونی طرف کا دروازہ کھول کر اندر آئی تھی۔

"اف کتنا تاریک سا کمرہ ہے۔ جانے کیسے رہ لیتی ہیں آپ، مجھے تو ہول آتا ہے۔ کتنی گھٹن اور ویرانی سی ہے یہاں۔"

امبرین کمرے کی اکلوتی کھڑکی سے پردے سرکاتے ہوئے جھرجھری لے کر کہہ رہی تھی۔ اس کمرے میں سورج کی

روشنی بہت کم آتی تھی۔ اکثر دن کے وقت بھی لائٹ جلا کر کام کرنا پڑتا تھا' مسز طارق کے جانے کے بعد ارشین نے لائٹ آف کردی تھی۔ جس کے باعث کمرہ ملگجی تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

"یہی کمرہ تو میرا ہمراز ہے۔" وہ جیسے خواب کے سے عالم میں چھت کو تکتی بے ساختہ کہہ گئی تھی۔ پھر ایک دم چونک کر اٹھ بیٹھی۔

"اوہ میں بھی جانے کہاں پہنچ گئی تھی' ابھی تو اتنا سارا کام کرنا ہے میں چاہتی ہوں۔ اگلے ماہ نمائش کرواڈالوں خاصا منافع ہوجائے گا گو کہ پورٹریٹ بنانے سے بھی پیسے مل جاتے ہیں مگر جو مزہ پینٹنگ بنانے میں ہے' وہ کسی اور میں نہیں۔"

"ابھی تین چار ماہ قبل ہی تو نمائش کروائی تھی آپ نے۔ اتنی جلدی اتنی ڈھیر ساری تصاویر کیسے بن پائیں گی۔" امبرین کا تعجب فطری تھا۔

"دن رات ایک کردوں تو ممکن بھی ہوسکتا ہے۔" وہ سوچتے ہوئے لہجے میں حساب لگاتے ہوئے کہنے لگی۔

"اب تو کالج سے بھی جلدی واپسی ہوجاتی ہے۔ پہلے ریسرچ سینٹر سے پانچ ساڑھے پانچ لوٹا کرتی تھی۔ اب اتنا ہی ٹائم بچ جاتا ہے' تین بجے کالج سے آکر اگر چار سے چھ بجے تک کا ٹائم پورٹریٹ بنوانے والے کلائنٹ کو دے دیا جائے تو اس کے بعد ایک گھنٹہ ریسٹ اور ڈنر کے بعد رات کو نو بجے سے لے کر دو بجے تک کام باآسانی کیا جاسکتا ہے' اللہ کا شکر ہے کہ میرا کام سراہا جاتا ہے۔ لوگ خریدنے میں دلچسپی لیتے ہیں میرے ریٹ فی تصویر آٹھ ہزار روپے ہیں۔ فرض کرو سات آٹھ تصاویر بھی نمائش میں بک جائیں تو کتنا فائدہ ہوجائے گا' گھر میں ٹرانسپورٹ کا سب کو پرابلم ہے۔ کچھ پیسے جمع ہیں باقی کے اس نمائش سے مل جائیں تو ایک عدد گاڑی لی جاسکتی ہے۔ میری کولیگ بتا رہی تھی اس کے بھائی اپنی سوزوکی کار بیچنے کا ارادہ رکھتے ہیں' چھ سال پرانا ماڈل ہے مگر بہترین کنڈیشن میں ہے۔ اندازاً" ایک لاکھ بیس ہزار تک بات بن جائے گی۔ میری دلی خواہش ہے کہ گھر میں ایک عدد گاڑی آجائے۔ آنے جانے کی کتنی پرابلم ہوتی ہے میری تو خیر ہے' پبلک ٹرانسپورٹ سے آنے جانے کی عادت پڑ گئی ہے مگر تم لوگوں کو زیادہ مسئلہ پڑتا ہے۔"

وہ ایزل سے پردہ ہٹا رہی تھی۔

"آپی.....؟" امبرین نے سوچ میں گم لہجے میں پکارا۔

"ہوں..... کہو.....؟" ارشین نے پلٹ کر ایک نظر ڈالتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ یہاں تمہاری موجودگی میں' میرا کام جلدی نپٹ جاتا ہے۔ تم سے بات کرکے دل ہلکا پھلکا ہوجاتا ہے۔ کوئی پردہ جو نہیں ہے' تم تو میرا اپنا آپ ہو۔ میرا عکس ہو۔"

یہ سچ بھی تھا' دونوں میں انتہا درجے کی انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ شروع سے ارشین نے اسے اپنے ساتھ رکھا تھا' اپنا دکھ' درد' تجربہ' واقعہ اور احساس وجذبات اس سے شیئر کیے تھے۔ وہ کہتی تھی امبرین کی موجودگی میں مجھے کسی دوست کسی غم خوار کی ضرورت نہیں میرا سب سے بڑا اعتماد امبرین کی ذات ہے۔

"آپ اپنے لیے کب سوچیں گی۔ خبر ہے بی بی جان آپ کی شادی کے معاملے میں کتنی پریشان رہتی ہیں۔" ارشین عجیب سے انداز میں ہنس دی۔

"میری جان اگر میں صرف اپنی ذات تک سوچنے کا فن جانتی ہوتی تو آج یہاں ہوتی۔"

یہ تو وہ صحیح کہہ رہی تھی اس کی مثال ان لوگوں کی مانند تھی جو دوسروں کے لئے اپنی ذات کی نفی کرڈالتے ہیں۔

"میری اپنی ذات میرے لئے مسئلہ نہیں ہے میرا کیا ہے میں تو ہر حال میں ہر قسم کے ماحول اور افراد کے درمیان ایڈجسٹ کرسکتی ہوں' میری ضروریات بڑی محدود سی ہیں اور خواہشات تو نہ ہونے کے برابر ہیں' اپنے لیے میں نے کیا سوچنا اور پھر میرے لئے سوچنے کو تم جو موجود ہو۔"

اس نے نثار ہوجانے والے لہجے میں کہا' امبرین عجیب سے احساسات میں گھر کر بڑی بہن کو دیکھنے لگی۔ ہر طرح کے حالات میں وہ کتنی مضبوط' مستحکم اور پر اعتماد رہتی تھی۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ شادی کرلیں اپنا گھر بسالیں' آپی یہ جواب آپ کے اندر اتنی تنہائی اور سناٹا ہے ان وحشتوں کا خاتمہ اسی صورت میں ممکن ہے' جب آپ کو ایک مضبوط سہارا مل جائے گا۔"

"مضبوط سہارے باہر نہیں تلاش کیے جاتے امبر جانو! سہارا خدا کی ذات کے بعد اپنی مضبوط قوت ارادی اور نفس کا ہوا کرتا ہے' اگر تم اندر سے مضبوط ہو تو بیرونی عوامل تمہیں کبھی بھی نہیں ہلا سکیں گے۔ بس دل مضبوط رکھنا چاہیے' حوصلہ اور عزم وہمت جواں ہے تو سب خیر ہے' دل کا سکھ جان کا سکھ ہے۔ اسی میں امان ہے اور اسی میں بقا ہے۔" وہ قلندرانہ لہجے میں کہتی چلی گئی۔

"پھر شادی ہر مسئلے کا حل نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ بسا اوقات مزید مسائل کا نقطہ آغاز بنا جاتی ہے۔ اگر مجھے ادراک ہوجاتا کہ میرے مسائل شادی کرنے سے حل ہوسکتے ہیں تو میں ضرور شادی کرلیتی مگر میں جانتی ہوں' اس میرا مقدر اور بھنور میں سفر کرنا میری "جاب" میں شامل ہے۔ کچھ لوگوں کی زندگی میں تاعمر ساحل اور جزیرے نہیں آتے۔ ایسے لوگ پھر طوفان سے دوستی کرلیا کرتے ہیں۔ میرا حال بھی انہی لوگوں جیسا ہے وہ کیا بخوبصورت شعر ہے کہ

نہ پوچھ حال ہمارا ہے ان پرندوں سا
جو شام ہوگئی' پہنچے نہ ہوں ٹھکانوں پر

عجیب شکستگی کے عالم میں ہنس دی تھی۔

"کیا اب تک چلے گا آپی؟" امبرین کچھ بے چین ہوکر بولی۔

"ایک روز آپ تھک جائیں گی بالآخر....."

"جب تھک جاؤں گی تو بسیرا کرلوں گی کسی درخت پر۔" وہ پھر ہنسی تھی۔ کانچ سی چھنک والی ٹوٹتی بکھرتی ہنسی۔

"ابھی تو بڑا لمبا سفر طے کرنا ہے' تم ایف اے کرلو تو تمہاری کہیں بات طے کرتے ہیں۔ شادی بی اے کے بعد ہوجائے گی۔ شاہین میٹرک کرلے کھینچ تان کے تو اسے کسی سلائی سینٹر میں ایڈمیشن دلا دیں گے پڑھائی سے تو محترمہ کو رتی بھر لگاؤ نہیں ہے' عدنان کو ایف ایس سی کے بعد آرمی لائن میں لگا دیں گے۔ تب میں اپنے بارے میں سوچنے کی کوشش کروں گی۔

ثمرین کی مجھے زیادہ فکر نہیں ہے' وہ ابھی بہت چھوٹی ہے پھر جب تک وہ بڑی ہوگی۔ عدنان ماشاء اللہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوچکا ہوگا' وہ گھر بار دیکھ لے گا سب.....'' وہ ایزل پر کسی غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے خوش کن خیالوں میں مگن بول رہی تھی۔

"جیسے ہم سب کی ذمہ داری آپ پر ہی تو ہے۔" امبرین اس کے اس قدر ذمہ دارانہ نقطہ نظر سے چڑ سی گئی'

"آپ کو اتنی دور تک سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔ آخر اللہ رکھے بابا جان اور بی بی جان سلامت ہیں۔ وہ موجود ہیں ان باتوں کے بارے میں سوچنے کے لئے۔ آپ خواہ مخواہ خود کو ہلکان کرتی رہتی ہیں۔"

امبرین اس معاملے میں کچھ کچھ بی بی جان کی ہم خیال بنتی جارہی تھی۔ اس کی شاید ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ آج کل بی بی جان سے بہت قریب تھی۔ فرسٹ ائیر کے پیپرز کے بعد اچانک جنون چڑھا تھا' کوکنگ' اور سلائی کڑھائی سیکھنے کا' سو سارا دن بی بی جان کی معیت میں گزرتا تھا۔ اس سے پہلے دونوں بہنیں آتے ہی سر جوڑ کر بیٹھ جاتی تھیں۔ ایک دوسرے کو پورے دن کی رپورٹ سناتی تھیں۔ اب تو یہ ہوتا تھا کہ اکثر ارشین اس سے بات کرنے کے لئے اوپر بیٹھی یا اپنے اسٹوڈیو میں بلاتی رہ جاتی اور وہ ہانڈی چولھے کے چکروں میں وہیں سے "میں مصروف ہوں" کا نعرہ لگا کر کنی کترا جاتی تھی' اس کے طور اطوار ملاحظہ کرتے ہوئے بی بی جان نے اسے ارشین کے مقابلے میں خصوصی توجہ اور رعایت دینا شروع کردی تھی۔ وہ امبرین کی کارکردگی سے خاصی مطمئن نظر آتی تھیں وہ حتی الوسع کوشش کرتی تھیں کہ وہ ارشین کے "شر" سے بچی رہے۔

"محسوس کرنے کی بات ہے ساری۔ بابا جان کی حالت تمہارے سامنے ہے۔ بی بی جان اپنی کم علمی کے سبب باہر کے چکروں سے نابلد ہیں۔ انہیں کاروبار دنیا سے چنداں واقفیت نہیں' حالانکہ اپنا گوٹھ چھوڑے مدتیں گزر

چکی ہیں مگر وہ ابھی تک شہری ماحول میں رچ بس نہیں سکیں‘ عدنان کی ایک تو عمر نہیں ہے۔ ابھی دوسرے درجہ لاپروا اور حال مست مال مست ٹائپ بندہ ہے‘ ایسے میں میں کس طرح خود غرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں کو تمہارے حال پر چھوڑ کر اپنا گھر بسا سکتی ہوں‘ بی بی جان ماں ہیں۔ وہ تو میری شادی کے لئے یقیناً کریں گی کہ مائیں جوان بیٹیوں کو جلد از جلد اپنے گھروں میں آباد دیکھنا چاہتی ہیں۔ مگر میں کیسے جان بوجھ کر کبھی حالت سے چشم پوشی کر سکتی ہوں۔ ذمہ داری کسی کے احساس دلانے سے نہیں لاگو ہوتی یہ تو خود بخود سوچ رکھنے والا شخص محسوس کر لیتا ہے۔ اور پھر یوں بھی میں بھرائی شادی سے۔ اپنے والدین کی ازدواجی زندگی کا نمونہ سامنے ہے‘ اردگرد کے ملنے جلنے والے لوگوں کی زندگیوں کے مشاہدے الگ نظروں تلے آگئے ہیں۔ میں جس کی لڑکی ہوں‘ ایسی لڑکیوں کو کوئی مرد زیادہ دیر تک برداشت نہیں کیا کرتا‘ میرے گھر والے مجھے بمشکل برداشت کرتے ہیں تو کوئی غیر اتنی اعلا ظرفی اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کیسے کر سکتا ہے۔"

اس نے سنجیدگی سے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنا موقف بیان کیا تھا۔

امبرین اس سے الجھنا نہیں چاہتی تھی‘ جانتی تھی باتوں میں اس سے نہیں جیت سکتی۔ سو چپ چاپ برتن اٹھا جانے لگی۔

"ارے یار! بیٹھو ناں کچھ دیر تم سے گپ شپ لگانی ہے۔"

ارشین نے اسے جاتے دیکھ کر جلدی سے روکا۔

"ابھی بالکل بھی ٹائم نہیں ہے‘ بی بی جان کہہ رہی تھیں سویٹ ڈش بنالو۔ رات کو راشد انکل کے گھر میں سے کوئی آرہا ہے۔"

"کون آرہا ہے؟ کیا سعدی تو نہیں آرہا۔"

ارشین نے پوچھا لہجے میں اشتیاق سا تھا۔

"نہیں راشد انکل اور رقیہ آنٹی کی آمد متوقع ہے۔ نازو باجی بتا رہی تھیں‘ ابھی دیوار پر سے بات ہوئی تھی۔"

راشد صاحب واحد شخص تھے جن کے گھرانے سے بابا جان کے قریبی و قلبی تعلقات تھے۔ پڑوس میں رہتے تھے بچپن کا ساتھ تھا خصوصاً ان کے جڑواں بیٹا اور بیٹی سعد اور نازو کا تو روز کا آنا جانا تھا میٹرک تک ارشین سعد اور نازو اکٹھے ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ نازو نے بی اے کرنے کے بعد پڑھائی چھوڑ دی تھی۔ اور سعد نے ایف ایس سی کے بعد پاک آرمی جوائن کر لی تھی آج کل کیپٹن تھا۔ اس کی پوسٹنگ کراچی میں تھی۔ پہلے تو ہر دو موجود ہوتا تھا مگر اب دور ہونے کے باعث تقریباً دو تین ماہ سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ نازو کا نکاح اپنے چچا زاد سے ہو چکا تھا جو امریکا میں کوئی کورس کر رہا تھا۔ سو رخصتی اس کی واپسی تک مشروط ہو گئی تھی۔

"نازو باجی بتا رہی تھیں۔ ایک دو دن میں آنے والے ہیں سعدی بھائی۔" امبرین نے خاصے خوشگوار موڈ میں بتایا۔

سعد نے بڑی چونچال اور شوخ و شنگ طبیعت پائی تھی۔ آتے ہی گھر بھر میں ہلچل مچا دیتا۔ مزاج میں ایسی جولانی کہ ہر چھوٹے بڑے سے گھل مل جاتا تھا حتی کہ سرد مزاج بی بی جان کو بھی ہنسا دیتا تھا۔

"مجھے یقین ہے کیپٹن بن کے بھی اس کی مسخریاں نہیں چھوٹی ہوں گی۔" ارشین کلاس فیلو اور ہم عمر ہونے کے ناتے سعد کی رگ رگ سے واقف تھی۔ سو ہنس کر فقرہ کستے ہوئے کہہ گئی۔

"آپی! ارشی آپی آپ کا فون ہے۔"

ثمرین آندھی طوفان کی طرح اسٹوڈیو میں داخل ہوئی تھی۔

"کس کا ہے۔" اس نے ہاتھ پونچھتے ہوئے پلٹ کر پوچھا۔

"کوئی کلائنٹ ہی ہوں گے۔ میں نے نام نہیں پوچھا۔" ثمرین نے سر کھجایا۔

"آپی آپ ایک ایکسٹینشن۔ ادھر اسٹوڈیو میں کیوں نہیں لگوا لیتیں؟ یہاں سے اتنے فاصلے پر ہے لاؤنج۔ جا کر فون کرنے والا انتظار میں سوکھ جاتا ہو گا۔" امبرین نے کئی بار کی کہی ہوئی بات پھر دہرائی تھی۔

ارشین کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ چہرے پر تذبذب کے آثار تھے۔

"بی بی جان شاید پسند نہ کریں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"کیوں‘ اس میں حرج ہی کیا ہے۔" امبرین کو اچھنبا ہوا۔ "آپ خوامخواہ بی بی جان کی طرف سے بدگمان رہتی ہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ وہ اندر سے اتنی نرم اور محبت کرنے والی ہیں۔"

امبرین کی بات پر ارشین نے بے اختیار آنکھیں پھیلا کر اس کی سمت دیکھا تھا‘ اس کی آنکھوں میں تحیر اور بے یقینی تھی۔

کمرے میں لمحہ بھر کو معنی خیز سناٹا چھا گیا۔

"تم نے اپنی عمر کے حساب سے سیدھی بات کی ہے۔" بالآخر وہ تھکے تھکے انداز میں مسکرا دی۔ "مصیبت یہ ہے کہ تم سطح تک دیکھنے کی عادی ہو‘ اور میں پس پردہ حقائق سے آگہی حاصل کرنا پسند کرتی ہوں اپنی طرف سے تو میں نے پوری کوشش کی تھی کہ تمہاری نظر اور نقطہ نظر کو وسیع اور ہمہ جہت بنا سکوں۔ ہرچند فطرت کے عنصر کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا جو تربیت اور تعلیم کی بساط کو الٹ کے اپنی من مرضی کے عکس چھوڑتی ہے۔"

اس نے گہری سانس لی پھر اندرونی دروازے سے لاؤنج کی سمت بڑھ گئی۔

"خوامخواہ انہوں نے اپنی زندگی کو مشکل بنایا ہوا ہے اب ایسی بھی کیا قنوطیت۔" امبرین کو پہلی مرتبہ ارشین کی سوچ سے اختلاف ہوا تھا۔

◆◆◆

"بی بی جان‘ کیا خیال ہے فون کا تار لمبا نہ کر لیں۔ اوپر اسٹور میں فالتو تار پڑا ہوا ہے۔ عدنان چھوٹے موٹے تار تو جوڑ ہی لیتا ہے‘ یا پھر کل کسی الیکٹریشن کو بلوا لیتے ہیں۔"

رات کے کھانے کے بعد جب راشد انکل وغیرہ رخصت ہو گئے تو وہ ٹیبل صاف کرتی بی بی جان سے مخاطب ہوئی تھی۔

"اس کی کیا ضرورت ہے؟" ان کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں پڑ گئیں۔ لہجہ سپاٹ اور حسب معمول جا

"میں چاہتی ہوں بوقت ضرورت فون لاؤنج سے اسٹوڈیو تک لایا جا سکے۔" اس نے مدعا بیان کیا۔ ساتھ ساتھ بغور ان کا چہرہ جانچ رہی تھی۔

"اس کے بجائے اپنے فون ہی کم کر دو تو بہتر نہیں ہے‘ کیا ضروری ہے‘ ہر آئے گئے کو نمبر دیا جائے‘ ابھی تم گھر آتی نہیں ہو کہ ہر دو منٹ بعد تمہارا فون آجاتا ہے۔"

"بزنس تو بزنس ہوتا ہے بی بی جان اب کیا کیا جائے‘ رابطہ اور واسطہ رکھے بغیر کام کیسے چل سکتا ہے۔ آج کے دور میں تعلقات ہی تو سب سے زیادہ کاؤنٹ ہوتے ہیں کامیابی کے میدان میں۔ اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ بجائے اس کے کہ پہلے لاؤنج میں بیٹھا کوئی بندہ فون سنے پھر میری کھوج میں پکارتا ہوا آئے۔ اس زحمت سے بہتر یہ ہے کہ فون کا تار لمبا کروا لیا جائے۔ تاکہ اپنے اوقات کار میں‘ میں اسٹوڈیو میں رکھ لوں‘ اور اگر گھر کے کسی اور فرد کا فون ہو تو بہ سہولت باہر اس تک لے جاؤں۔"

اس نے حتی الوسع لہجہ نرم رکھا تھا گو کہ اندر ہی اندر ان کے بے جا اعتراضات پر جھلا رہی تھی۔

"کر لو جو جی میں آتا ہے۔" وہ ناگوار سے لہجے میں کہہ کر کچن کی طرف مڑیں سیدھے انداز میں تو کبھی بھی اس سے بات کرتی ہی نہیں تھیں۔

"شاید تمہیں ناگوار گزرتا ہے کہ ماں کیوں میرے فون سنتی ہے‘ پھر لاؤنج میں بیٹھ کے تم اپنی مرضی سے تنہائی میں کسی سے بات جو نہیں کر سکتیں۔" ان کی بڑبڑاہٹ ارشین کی رگ رگ میں آتشیں مادہ دوڑا گئی۔

اس کو یہی خدشہ تھا یہی خیال تھا کہ ماں اس کی فرمائش پر ایسی ہی سوچ کا اظہار کرے گی پھر بھی خیال اور خدشے کو حقیقت کے روپ میں سامنے پا کر وہ یوں تڑپی تھی جیسے ریشم کی ڈور سے اچانک انگلی کٹ جائے۔ یا جیسے کوئی ساز کے تار ایک جھنجھناہٹ کے ساتھ ٹوٹ جائیں یا جیسے کوئی دل کو ہتھوڑے سے ٹھوک دے۔

بڑی سخت گھڑی تھی اور اس سے سوا تر اس گھڑی سے نچوڑی گئی اذیت، مگر وہ سدا کی حوصلہ مند اور ضبط و برداشت کی خوگر لڑکی یہ وار بھی سہہ گئی چپ چاپ اوپر چلی آئی۔
خیال تھا کہ امبرین کے ساتھ مل کر احساس کے ٹوٹتے بکھرتے دھاگوں کو سلجھائے گی مگر کمرے میں داخل ہو کر دل پہ ضرب سی لگی۔
شاہین کے ساتھ ساتھ امبرین بھی بے سدھ سو رہی تھی۔
حالانکہ وہ کہہ کر گئی تھی کہ میرا انتظار کرنا، میں ابھی بی بی جان سے بات کر کے اوپر آ رہی ہوں کچھ باتیں کرنی ہیں۔
"تھک گئی ہوگی۔" اس نے ٹوٹے پندار کو سہارا دیتے ہوئے خود کو یقین دلایا، یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ امبرین کے دل میں اٹھنے والا جوار بھاٹا شیئر کیے بغیر بے حسی سے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتی۔ وہ جانتی تو تھی کہ اُس کی ہر شے، ہر رویہ برداشت کر سکتی ہے۔ مگر بدگمانی اور بے حسی کے مظاہرہ بالکل بھی نہیں سہہ سکتی۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے اس گھر سے آج تک بدگمانی اور بے حسی کے ماسوا کچھ اور ملا بھی نہ تھا۔
پھر بھی وہ خوش تھی یا کم از کم خوش ہونے کی کوشش ضرور کرتی تھی بقول شاعر

یہ تھا میرا ہی، حوصلہ محسن
حال کو حسب حال رہنے دیا

"یہ محترمہ تو سو گئیں۔ اب میں کیا کروں۔ کیسے وقت گزاروں۔" وہ سوچنے لگی۔ اسٹوڈیو میں کام کرنے کا موڈ نہیں رہا تھا۔
"چلو ایسا کرتی ہوں کچھ مطالعہ کر لیتی ہوں۔"
اس کے پاس شاعری کی کتابوں کا اچھا خاصا انتخاب موجود تھا کچھ دیر الماری میں الٹ پلٹ کرنے کے بعد چغتائی کی "زنجیر ہمسائیگی" لے کر بیڈ پر آن بیٹھی۔
ایک غزل اسے خصوصیت سے بہت اچھی لگی۔

میں نے سوچا تھا اس اجنبی شہر میں
زندگی چلتے پھرتے گزر جائے گی
یہ مگر کیا خبر تھی تعاقب میں ہے
ایک نادیدہ زنجیر ہمسائیگی

بہت خوبصورت غزل تھی بڑی گہری اور معنویت لیے ہوئے اسے بے ساختہ اچھی لگی۔ دو تین بار پڑھا پھر پڑھتے پڑھتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

◆◆◆

"اندازاً کتنا عرصہ لگ جائے گا تمہیں کراچی میں۔"
وہ تولیے سے سر رگڑتے ہوئے باتھ روم سے برآمد ہونے کے بعد زور و شور سے تیاریوں میں مگن نازش سے مخاطب ہوئے تھے۔
"ایسا ہے کہ شادی کی ڈیٹ تو دو ماہ بعد کی طے پائی ہے مگر آپ جانتے ہی ہیں، یاسر اور سحرش دونوں کی ایک دن کے وقفے سے آگے پیچھے کی تاریخ پکی ہوئی ہے، امی تو شوگر کی مریض ہیں، دو دو شادیاں نپٹانا ان کے لئے تقریباً "ناممکن" ہے، اسی لئے مجھے دو ماہ قبل بلوا بھیجا ہے پھر گھر بھر کی بڑی بھی ہوں، پاپا تو اپنے بزنس ٹور زپر رہتے ہیں۔ کم کم ہی پاکستان آتے ہیں، ایسے میں سب کچھ مجھے ہی دیکھنا اور سنبھالنا ہوگا۔"
نازش اپنے محبوب شریک سفر کے موڈ کے پیش نظر بہت سچ ــــ محتاط شیریں انداز میں کہہ رہی تھی۔ جانتی تھی کہ میاں جانی اس کا نظر سے اوجھل ہونا برداشت نہیں کر پاتے تھے۔ جب بھی میکے جانے کا تذکرہ چھڑتا ان کا موڈ خراب ہو جاتا تھا نازش کی مسمسی صورت دیکھ کر اجازت تو بالآخر دے ہی دیتے تھے۔ مگر دل پہ پتھر رکھ کر رخصت کرتے تھے اکثر ایسا ہوا نازش ایک ہفتے کی اجازت لے کر کراچی آتی اور وہ دوسرے تیسرے دن ہی فون کر کے واپس بلوا لیتے یا چین نہ پڑتا تو خود ہی اسلام آباد سے کراچی چلے آتے۔
نازش ان کے بے پایاں محبتوں پر سراپا ان کی بجارن بن جاتی تھی خود اس کا دل بھی تو نہ لگتا تھا ان کے بغیر، وہ جو اس کے محبوب بھی تھے ہمراز بھی تھے اور شریک زندگی حالانکہ کہاں آفریدی قبیلہ اور کہاں پنجاب کے ملکوں کا بیٹا بس قسمت نے ساتھ دیا اور ان کی محبت جیت گئی۔
"یاسر اور سحرش میرے بھی بھائی بہن ہیں ظاہر ہے ان کی خوشیاں ان کے کام میرے لئے مقدم اور اہمیت کے حامل ہیں۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ، دو ماہ کی رخصت کی اجازت دی جاتی ہے مگر خبردار دو سے چار ماہ نہیں ہونا چاہئیں۔"
وہ شریر انداز میں متبسم ہوئے تھے۔
انہیں خوشگوار موڈ میں دیکھ کر نازش ایک دم ہلکی پھلکی ہو گئی جیسے سر سے کوئی بوجھ سرک گیا تھا۔
"فون تو خیر میں باقاعدگی سے کرتا ہی رہوں گا۔ کوشش کروں گا بیچ میں کراچی کا ایک آدھ چکر لگانے کا اور شادی سے ٹھیک ایک ہفتہ قبل کراچی پہنچ جاؤں گا۔ اس کے علاوہ بھی درمیان میں اگر ضرورت پڑے تو کال کر کے مجھے بلوا لینا۔"
وہ ملازم کے ذریعے سامان ڈکی میں رکھواتے ہوئے ذمہ دار شوہر کے تمام تر فرائض بخوبی سرانجام دے رہے تھے۔
"پاپا! آپ کب تک آجائیں گے نانو کے ہاں۔" چھ سالہ مہوش جاتے سمے باپ کے گلے سے لپٹ کر پیار کرتے ہوئے بے تابی سے دریافت کر رہی تھی۔
دانیال مہدی نے اسے بھینچ کر سینے سے لگا لیا۔
"بہت جلد پاپا کی جان! میں روز فون کروں گا اپنی جانو کو۔" وہ بیٹی پر جان دیتے تھے۔ یہی تو بچی تھی ان کی چار اولادوں میں سے۔ یہ قدرت کا عجیب فیصلہ تھا، نازش چار بار ماں بنی مگر تینوں بار مردہ بیٹیوں کو جنم دیا۔ چوتھی بار مہوش پیدا ہوئی تھی بڑی منتوں مرادوں کے بعد اور خدا کا شکر تھا کہ زندہ بچ گئی تھی۔
نازش اور مہوش کے چلے جانے کے بعد دانیال گھر میں بہت تنہائی محسوس کرنے لگے تھے۔ امی جان اور ابا جان کو وہ دو ہفتے قبل حج کے لئے روانہ کر چکے تھے۔ ان کا کم از کم تین ماہ تک واپس لوٹنا ممکن نہیں تھا دانیال سے دو سال چھوٹے بلال اور ان کی فیملی سعودیہ میں رہائش پذیر تھی۔ امی اور ابا جان کا ارادہ تھا کہ حج کی ادائیگی کے بعد کچھ عرصہ بیٹے کے پاس رہیں گے۔
مہوش اور نازش کو کراچی گئے ایک ہفتہ گزر چکا تھا جب اس روز اچانک انہیں "لوک ورثہ" میں وہ نظر آ گئی اور جیسے دل کا شہر تاروں سے سجتا چلا گیا۔ وہ تو دل سے یہ امید ہی خارج کر بیٹھے تھے کہ دوبارہ اس محبوب سحر انگیز چہرے کو دیکھ پائیں گے، نارسائی اور محرومی کو وہ اپنا مقدر سمجھ بیٹھے تھے۔ کیا خبر تھی آنکھ کا آنگن دیدار کے پھولوں سے بھر جائے گا۔
انہیں پتا چلا تھا کہ "لوک ورثہ" میں ان دنوں تصویری نمائش لگی ہوئی تھی شام کو سپر مارکیٹ کی طرف سے گزرتے ہوئے یونہی انہوں نے "لوک ورثہ" کی عمارت کے سامنے گاڑی روک لی۔ اندر بڑھے تو سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ہال میں لگی نمائش کے ہنگامے میں اچانک ان کی بینائی چمک اٹھی۔
وہ اپنی شکل سے کچھ ملتی جلتی مگر کم عمر سی لڑکی کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھیں۔
"السلام علیکم۔" انہوں نے دل کی بے تاب دھڑکنوں کو سنبھال کر آہستگی سے پاس آ کر دونوں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔
دونوں اس غیر متوقع مداخلت پر یوں اچھلیں جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔
"ارے آپ، مہدی صاحب"۔ ارشین نے پہچان کر جس مسرت بھرے پرجوش لہجے میں کہا وہ انہیں سرشار کر گیا۔
"ان سے ملو، امبر، آرٹ اینڈ آرٹ ریسرچ سینٹر کے آنر پروفیسر دانیال مہدی اور یہ میری بہن امبرین

بخاری۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

امبرین نے دلچسپی سے ان کا لمبا قدرے بھاری سا مگر پرکشش سراپا جانچا۔

"آپی اکثر آپ کا ذکر کرتی رہتی ہیں۔"

اس نے اخلاق سے مزید کہا۔ ان کی شخصیت کی نفاست' ان کی آنکھوں سے جھلکتی متانت اور چہرے کی باوقار سنجیدگی اسے اچھی لگی تھی۔

"میری عزت افزائی ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔"

انہوں نے ہلکا سا سر خم کرتے ہوئے مہذبانہ انداز اختیار کیا۔ وہ شعوری طور پر کوشش میں مصروف عمل تھے کہ ان کی نگاہ کی بے تابیاں دونوں لڑکیوں سے پوشیدہ رہ سکیں۔

"مجھے تو خبر ہی نہیں تھی کہ آپ اتنی زبردست اور معروف مصورہ بن گئی ہیں۔"

وہ اس کی تصاویر دیکھتے ہوئے دل کھول کر سراہ رہے تھے دو تصاویر خریدنے کے لئے بھی منتخب کر چکے تھے۔

"ارے نہیں مہدی صاحب! بس ایسے ہی رنگوں کا کھیل رچا لیتے ہیں۔" ارشین نے انکساری کا مظاہرہ کیا۔

حقیقت یہ تھی کہ وہ اس کے اس خفیہ فن سے پہلی بار آگاہ ہوئے تھے' ان کے علم میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنا نام کما چکی ہے اس فیلڈ میں انہیں کئی اخباروں کے رپورٹرز اس نمائش کی کوریج کے لئے ادھر ادھر پھرتے دکھائی دیے تھے۔ ایک دو نے ارشین کو پکڑ لیا تھا انٹرویو کے لیے۔

"آپ نے دوبارہ رابطہ ہی نہیں کیا ارشین بی بی۔"

امبرین اپنی کسی دوست کو ہاتھ ہلاتی ہوئی دوسری طرف بڑھی تو انہوں نے سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ بس کیا بتاؤں مہدی صاحب! مصروفیات ہی جان نہیں چھوڑتیں یہ بات نہیں ہے کہ خدانخواستہ آپ کو بھلا دیا تھا۔ اکثر ہی فون کرنے کا سوچتی تھی۔ مگر پھر سوچ کے رہ جاتی بلکہ ایک بار شام کو کیا بھی تھا آپ کے گھر' آپ تو نہیں تھے۔ نازش آپا سے بات ہوئی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ آپ رات دس بجے سے پہلے کبھی نہیں لوٹتے اور آپ کو خبر ہی ہے رات کو دیر سے اس طرح فون کرنا مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا' اس لیے رک گئی۔" وہ سادگی سے مسکرا دی۔

"ارے ہاں نازش نے چند ہفتے قبل بتایا تو تھا کسی فون کے بارے میں' اتفاق یہ کہ وہ آپ کا نام بھول گئی تھی۔" انہوں نے یادداشت پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

"آپ نے مجھے چیچ کر لیا تھا۔" انہیں اپنی عدم موجودگی کا افسوس ہو رہا تھا۔

"دراصل میرے پاس آپ کے گھر کا نمبر نہیں تھا ورنہ یہ زحمت میں خود کر لیتا۔" وہ جانتے تھے اس نے آفس کے کسی شخص کو ذاتی نمبر نہیں دیا تھا۔ خود انہوں نے بھی ایک دو بار دبے انداز میں کانٹیکٹ نمبر مانگا تھا مگر ارشین نے سلیقے سے معذرت کرکے بات بدل دی تو وہ چپ ہو گئے تھے۔

"گھر کا نمبر دینے میں یوں تو کوئی قباحت نہیں مہدی صاحب کہ نمبر کے ذریعے ہی میرے کلائنٹ مجھ تک پہنچتے ہیں' میں با آسانی کسی بھی شخص کو دے سکتی ہوں مگر بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں کا ماحول کچھ مختلف ہے۔ میرے والدین بظاہر شہر میں رہ رہے ہیں مگر ان کے ذہن ابھی تک گوٹھ کی اقدار و روایات سے بھرے ہوئے ہیں۔ خصوصاً" میری مدر اس سلسلے میں خاصی محتاط ہیں۔ وہ زیادہ تر کالز خود اٹینڈ کرتی ہیں بلاجواز اور بے مقصد فون کرنے کی نہ مجھے اجازت ہے اور نہ ہی عادت ہے' اس لئے میں نمبر دینے میں احتیاط سے کام لیتی ہوں۔ یہ بات نہیں ہے کہ میرے دل میں چور ہے یا خدانخواستہ میں گھر میں "انڈر کسٹڈی" رہتی ہوں' بس میرے والدین اپنی روایات اور دل کے موہوم وسوسوں سے مجبور ہیں اور میں ان کی خوشی کا حتی الوسع خیال رکھنا اپنا ایمان سمجھتی ہوں' خوامخواہ انہیں بے کار کے خدشوں میں دھکیلنا پسند نہیں کرتی' اسی لیے نہ تو بے تکلفانہ مردوں سے میل جول

بڑھانے کی عادت و خواہش پالی ہے اور نہ کسی کی اس درجہ حوصلہ افزائی کی ہے کہ وہ جان کو آجائے۔"

"بہت خوب۔" انہیں اس کا صاف کھرا لہجہ بہت اچھا لگا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ بے شک نمبر نہ دیں۔" انہوں نے برا مانے بغیر خوشدلی سے کہا۔

"نہیں بھئی اب مجھے شرمندگی ہو رہی ہے بھلا جب ایرے غیرے رنگ برنگے لوگ مجھے کال کر سکتے ہیں تو پھر آپ جیسا نفیس طبع اور تہذیب یافتہ شخص کیوں نہیں کر سکتا' آپ احتیاطاً" نمبر نوٹ کر لیں۔"

پھر آخر کار اس نے نمبر لکھوا ہی دیا جسے دو تین بار دہرانے سے انہیں ازبر ہو گیا تھا۔

"آپ سے کہتے ہوئے شرمساری سی محسوس ہو رہی ہے' مگر اپنے حالات کے پیش نظر مجھے یہ احتیاط ملحوظ رکھنا ہی ہو گی۔" ہتھیلیاں مسلتے ہوئے سر جھکائے دھیمے انداز میں بولتی ہوئی وہ ان کے دل میں گھبی جا رہی تھی۔ کیسے کیسے طریقے سے خود پر جبر کیے بیٹھے تھے۔

"پلیز میرے علاوہ کوئی آواز سنیں تو بنا کچھ کہے خاموشی سے ریسیور رکھ دیجئے گا۔" وہ نادان نہیں تھے جو اس کا اشارہ نہ سمجھتے۔ لڑکیوں کو اس قسم کے مسائل تو پیش آتے ہی رہتے ہیں۔

"آپ فکر نہ کریں۔ اول تو میں آپ کو زحمت نہیں دوں گا اور اگر کیا بھی تو براہ راست آپ سے ہی بات کروں گا' کسی تھرڈ پرسن سے آپ کو بلوانے کی غلطی نہیں کروں گا۔"

اس وقت تو بڑے دھڑلے سے کہہ دیا مگر وہ محض دو دن ہی مزید صبر کر پائے تھے' پھر اگلی رات ضبط میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ انہوں نے رات گیارہ بجے کے قریب اس کا نمبر گھما دیا۔

نمبر ڈائل کرتے سمے ان کی انگلیاں' دل اور ہاتھ مشترکہ لرز رہے تھے۔

○○○

"تم دو دن پہلے آجاتے تو کیا تھا سعدی۔ میری نمائش لگی ہوئی تھی۔ کل شام کلوزنگ ہوئی ہے۔" ارشین اس کی جھاڑ جھپاڑ کر رہی تھی۔ آرمی کی یونیفارم میں ملبوس سانولا سلونا، چمکتے چہرے والا ہنستا مسکراتا سعد پورے گھر میں ہلڑ مچاتے ہوئے تھا۔

"بہت اچھا کیا میں نے۔ میری جیب دعائیں دے رہی ہے۔ اور جو تمہاری محبت میں نمائش میں چلا جاتا تو مروت میں ایک آدھ تصویر بھی خریدنا پڑتی۔ مجھے قطعی گھاٹا نہیں ہوا۔"

سعد حد درجے طمانیت سے جیب تھپتھپاتے ہوئے گویا ہوا۔

"بدتمیز۔" ارشین نے حسب عادت زیر لب اسے نفیس سی گالی دی۔

"بھلے سے نہ خریدتے۔ دیکھ تو لیتے۔ اس بار میں نے بالکل مختلف سبجیکٹ پہ کام کیا ہے۔"

"میری پورٹریٹ کب بناؤ گی۔ مجھے یہ بتاؤ تم۔ گزشتہ تین سالوں سے تین ہزار مرتبہ یہ سوال کر چکا ہوں۔" اس نے اس کی سنی ان سنی ایک کرتے ہوئے سوال داغا۔

"میں انسانوں کی پورٹریٹ بنایا کرتی ہوں گدھوں کی نہیں۔"

وہ ہمیشہ اس موضوع سے کنی کترا جایا کرتی تھی۔ سو اب بھی شرارت سے مسکرا کر بات ٹال گئی۔

"ارے۔ بنا دے ارشی بیٹا! کتنے عرصے سے بچہ کہہ رہا ہے۔"

دادی نے محبت سے منہ بولے پوتے کو دیکھتے ہوئے سفارش کی۔

"دادی! یہ اس قابل نہیں ہے۔" ارشین اپنے موقف پر ڈٹی رہی۔

"دادی! اسے بتا دیں' میں ناراض ہونے لگا ہوں۔" سعد نے ازحد اشتعال کے عالم میں اعلان کیا۔

ارشین کو ہنسی آنے لگی۔

"نہ بھئی' اتنی مدت بعد آئے ہو۔ لڑائیاں ناراضگیاں لے کر نہ بیٹھ جانا۔ یہ کام تمہاری دادی پر ہی سوٹ کرتا ہے۔" دادا بھی اخبار اور عینک سنبھالتے ہوئے لاؤنج میں چلے آئے تھے۔

دادی نے ایک نگاہ نیم باز ان پر ڈالی اور پھر پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے بولیں۔

"کس نے درخواست کی تھی آپ سے لاؤنج میں تشریف لانے کی۔ خبر نہیں یہاں میں بیٹھی ہوئی ہوں۔" ابھی کل ہی تصفیہ ہوا تھا کہ جہاں ایک فریق بیٹھا ہوگا وہاں دوسرا ہرگز نہیں بیٹھے گا۔ تاکہ لڑائی کا امکان نہ رہے۔

"کیوں۔ تم کوئی خون آشام بلا ہو جو دیکھتے ہی کھا جاؤ گی۔"

دادا نے حد درجے معصومیت سے پوچھا۔

"دیکھیے۔ اب خود ہی شروع ہو رہے ہیں۔ پھر میں جواب میں شروع ہوگئی تو اپنی یہ مصنوعی بتیسی سنبھالتے رہ جائیں گے۔" دادی کا دل جل کر راکھ ہوگیا۔

"میں تو سعد بیٹے کی آواز سن کر چلا آیا۔ کیا خبر تھی ایک خونخوار بلی میری منتظر ہے۔ آتے ہی پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جائے گی۔"

دادا پر دھیرے دھیرے سلگنے کی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔

"ناظرین! اب کچھ ہی لمحے بعد فریقین کا روایتی مقابلہ گولہ باری شروع ہو جائے گا۔ آپ لوگ احتیاطاً مورچہ بند ہو جائیں تاکہ اس مقابلے کو بخیر و عافیت پوری دلچسپی کے ساتھ ملاحظہ کر سکیں۔ شکریہ!"

سعد نے بڑے اخلاق و تمیز سے اناؤنسمنٹ کی۔

جواب میں ادھر اُدھر سے دبی دبی ہنسی بکھرنے لگی۔ دادی اور دادا بیک وقت دونوں خفیف سے ہو کر دھیمے پڑ گئے۔

"بہت شیطان ہو تم لوگ۔ ہم دونوں کو لڑوا کے تماشا دیکھتے ہو۔" دادا نے سعد کے کندھے پر دھپ رسید کرتے ہوئے مصنوعی خفگی سے سب کو گھورا۔

"ہاں بھئی، تو بات ہو رہی تھی سعد کا پورٹریٹ بنوانے کی۔"

دادی نے سلسلۂ کلام پھر وہیں سے جوڑا۔

"ارے بچی! آخر کیا قباحت ہے اس میں۔"

وہ اپنے معصوم سے پوتے کے حق میں مسلسل ارشین کو ہموار کر رہی تھیں۔

"مسئلہ یہ ہے دادی کہ موصوف نچلا بیٹھنا نہیں جانتے۔ پورٹریٹ بنوانے کے لیے بہت صبر و برداشت کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ اور گھنٹہ بھر تک چپ چاپ ساکن بیٹھنا ان صاحب کے لیے اتنا ہی ناممکن ہے جتنا کہ اپنی شاہین کا کالج لیول کی تعلیم حاصل کرنا۔ میں ایک بار تجربہ کر چکی ہوں۔ میری اتنے دنوں کی محنت بھی ضائع ہوئی۔ وقت بھی برباد ہوا اور کچھ بن بھی نہ پایا۔ مسلسل ایک ہی پوز میں بیٹھنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"آپ خود انصاف کریں دادی! بندہ ایک نحوست مارے قبر جیسے کمرے میں الوؤں کی طرح خاموش بیٹھ کر سامنے کی خالی دیوار کو کب تک دیکھ سکتا ہے۔ یا تو سامنے کوئی دلچسپ سا سین ہو۔ اسے چاہیے کہ کمرے میں وڈیو لگا دے۔ ماڈل سکون سے بیٹھ کر مناظر سے لطف اندوز ہوتا رہے گا اور اس کا کام بھی نپٹ جائے گا۔ آرٹسٹوں کو ماڈل کی بوریت کا احساس بھی کرنا چاہیے۔"

سعد نے جیسے بڑے پتے کی بات کی تھی۔

"ماشاءاللہ۔" ارشین کو اس کی عقل پر شبہ ہونے لگا۔

"آرٹسٹ بے چارہ بھی تو بور ہو سکتا ہے ایک ہی وحشت زدہ شکل دیکھ دیکھ کر۔ پھر تو اس کی بوریت دور کرنے کا سامان بھی ہونا چاہیے۔"

"مجھے دیکھ دیکھ کر بور نہیں ہوگی۔ شرطیہ کہہ سکتا ہوں۔"

اس نے نظر بچا کر اس کے قریب جھکتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ لہجہ دھیما تھا۔ ارشین نے دھیان دینے کی زحمت نہیں فرمائی۔

"جوکروں کو دیکھ کر کون بور ہوتا ہے۔" اس نے جواباً شرارت کی۔

"کیا خیال ہے ایک بازی نہ ہو جائے۔ آج تو سعد میاں بھی موجود ہیں۔ خوب جمے گی بساط۔"

"ماشاءاللہ۔ آپ ادھر بیٹھے ہیں اور امی سارے محلے میں نشر کرتی پھر رہی ہیں کہ کسی نے میرا اینا نکور پیپش بیٹا تو نہیں دیکھا۔"

نازو اپنے گھر کی دیوار سے ادھر جھانک کر سعد کی موجودگی کی تصدیق کرنے کے بعد بولی تھی۔

"اسے کہتے ہیں بچہ بغل میں، ڈھنڈورا شہر میں۔"

شاہین کو اپنی تازہ تازہ رٹی گئی گرامر کی مہارت دکھانے کا زریں موقع ہاتھ لگا تھا۔

"آجاؤ تم بھی۔ روایتی حریف حسب سابق پوری فارم میں ہیں۔"

ارشین نے ہنستے ہوئے اپنی پڑوسن سکھی کو دعوت دی۔

"شام کو ماموں لوگ آ رہے ہیں کھانے پر۔ بہت مصروفیت ہے۔ تم چلی آؤ ناں۔ باتیں بھی ہو جائیں گی اور کام بھی جلدی نپٹ جائے گا۔ آج تو تمہارے کالج کی چھٹی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔" ارشین نے کچھ دیر سوچ کر اپنے معمولات کا حساب کتاب لگانے کے بعد ہامی بھری۔

نازو، سعد کو گوشت لانے کا کہہ کر دیوار سے غائب ہوگئی تھی۔

"اے بچے! یہ ناصر کب تک آ رہا ہے کورس مکمل کر کے۔" دادی کو کھوج ہوئی تو نازو کے شوہر کے بارے میں پوچھنے لگیں۔

"اس ماہ کے آخر میں ان کی آمد متوقع ہے۔" سعد نے حساب لگا کر بتایا۔

"امی کہہ رہی تھیں، ناصر بھائی کے آتے ہی نازو کی رخصتی کر دیں گی تاکہ میرے سہرے کے پھول کھلنے کے امکانات پیدا ہو سکیں۔" ایک دزدیدہ نگاہ ارشین پر ڈال کر اس نے شرمانے کی ایکٹنگ کی۔

"تمہارے سہرے کے پھول۔" ارشین کو گدگدی ہونے لگی۔

"مشکل ہے کیپٹن صاحب۔ ابھی بندروں کی شادیوں کا قانون پاس نہیں ہوا۔"

"خدا ادب۔" سعد نے بڑے پرجلال انداز میں ڈانٹا۔

"اے۔ اللہ خیر سے وہ دن لائے۔ رقیہ کے جی کے ارمان پورے ہوں۔ دودھوں نہاؤ۔ پوتوں پھلو۔ بیٹی اس طرح نہیں کہا کرتے۔ یہ تو خدائی فریضہ ہے۔"

دادی نے ٹھنڈی سانس لے کر ارشین کو دیکھا۔ ارشین ان کی نگاہ کا مطلب جان کر بھی انجان بن گئی۔

"شادی تو ایک نہ ایک دن سب کو ہی کرنی ہوتی ہے۔"

دادی نے دوبارہ اسٹارٹ لیا۔ وہ ہر ممکن کوشش میں رہتی تھیں کہ پوتی کو شادی کے لیے آمادہ کر سکیں۔

"آپ تو یوں کہہ رہی ہیں جیسے کوئی آہ بھر کر کہے کہ موت تو ایک دن سب کو ہی آنی ہوتی ہے۔" ارشین بات پلٹنے میں حد درجہ کمال رکھتی تھی۔

"دادی! صرف شادی ہی دنیا کا واحد غم نہیں ہے۔ اور بھی بہت مسئلے مسائل ہوتے ہیں۔ یہاں تو جینے کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ شادی یعنی شادمانی کی کس کا فکر کو فرصت ہے۔ جب دیگر مسائل حل ہو جائیں گے تو یہ رسم بھی پوری ہو جائے گی۔"

وہ اکتائی ہوئی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

"اے بچی۔ میں کون سا کہتی ہوں کہ آج ہی ڈولی میں جا بیٹھو۔ بھلے سے ایک دو سال بعد کر لینا مگر تم ہامی تو بھرو۔"

اسے نیم آمادہ دیکھ کر دادی کا ــــــ ڈھیروں خون بڑھ گیا۔ وہ خوشامدی لہجے میں بولی تھیں۔

"دیکھا جائے گا دادی۔ وقت سے بہت پہلے سوچ رکھنا بھی بسا اوقات مصیبت کا باعث بن جاتا ہے۔" وہ چپلیں ڈھونڈتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور تم کیا کان لگائے غور سے سن رہے ہو؟"

اس نے انتہائی انہماک سے اپنے اور دادی کے مابین مکالمے کو سماعت میں اُنڈیلتے سعد کی سنجیدہ شکل پر نظر ڈالتے ہوئے ہنس کر چوٹ کی تھی۔

"تمہاری شادی تو ہو جانے کی۔ تمہیں کاہے کی فکریں ہیں۔ ہم جو ہیں تمہارے ساتھ۔ رقیہ آنٹی کو بھرپور طریقے سے کنوینس کریں گے۔"

اس نے اپنی طرف سے اس کی تسلی کرائی۔ اس کا خیال تھا وہ اپنی شادی نہ ہونے پر رنجیدہ ہے۔

"مجھے ہی تو فکریں ہیں۔" اس نے سیدھا ارشین کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کنوینس تو اصل میں تم کو کرنا ہے پہلے۔" اس کی نگاہ پُرمعنی تھی مگر کوئی سمجھتا تب ناں۔

"او بابا۔ یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ میں شادی کے موضوع پر کسی کی بھی نہیں سنتی سوائے اپنے دل کے۔" وہ اس کی بولتی نظروں سے قطعی بے خبر لاپروائی سے بولی۔

"تو مجھے اپنا دل بنا لو ناں۔"

سعد نے بڑی مشکل سے اس بے ساختہ فقرے کا دل ہی دل میں گلا گھونٹا تھا۔ ورنہ لبوں سے پھسل ہی تو پڑتا۔

"دادی! بی بی جان کو بتا دیجیے گا میں نازو کے ہاں جا رہی ہوں۔"

وہ دوپٹا سر پر جما کر لاؤنج کے بیرونی دروازے پر پہنچ کر احتیاطاً دادی کو مطلع کرنے لگی۔ بی بی جان اس کا کہیں جانا آنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ اسی لیے ان لوگوں کا کبھی محلے میں نکلنا نہیں ہوا تھا۔ ماسوائے راشد انکل کے گھرانے کے۔ کہ یہ گھرانہ باباجان اور بی بی جان دونوں کو یکساں محبوب تھا۔

رقیہ آنٹی اور مہمانوں سے سلام دعا کے بعد وہ سیدھی کچن میں چلی آئی تھی۔

"اچھا ہوا تم آگئیں۔ لو یہ بکھیڑا سنبھالو۔ میں لاؤنج میں بیٹھ رہی ہوں فون کے پاس۔"

نازو اسے دیکھتے ہی سکھ کا سانس لیتے ہوئے کچن سے چمپت ہونے لگی۔

"ہائیں۔" وہ خاک بھی نہ سمجھی۔ "فون کی طبیعت خراب ہے کیا۔" اس نے خوشدلی سے مذاق کیا۔

"طبیعت نہیں موڈ خراب ہے۔ اور وہ بھی فون کا نہیں میرے ساجن کا۔" نازو نے منہ بسور کر اطلاعاً کہا۔

"اُن کا فون آنا ہے اور مجھے سزا کے طور پر سننے کے لیے 'دھیان' رکھنا پڑے گا فون کا۔ جانتی ہو۔ وہ کتنے زود رنج ہیں۔ میرے علاوہ کوئی فون اُٹھاتا ہے تو فیل مچا دیتے ہیں۔ جھٹ تہ اور لٹھ لیتے ہیں۔ خفگی کا لبادہ پہن لیتے ہیں۔ اب تم خود سوچو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ جب فون کریں میں ہی ریسیو کروں۔ بھئی گھر میں اور لوگ بھی تو ہوتے ہیں اور پھر مجھے الہام تو نہیں ہوتا کہ کس وقت، کون سا فون اُن کا ہوگا۔

اور ابھی تین دن پہلے والی کال پہ تو باقاعدہ دھمکی دی ہے کہ اب کی بار تم نے فون نہ اُٹھایا تو کبھی بھی دوبارہ نہیں کروں گا۔ اسی لیے دوپہر سے چکر کاٹ رہی ہوں لاؤنج کے۔ عموماً چار بجے چھ بجے کے درمیان کرتے ہیں۔ اوپر سے ماموں لوگوں نے شام کے کھانے پہ ہمارے ہاں آنے کا کہا۔ اس لیے دُہری مصیبت کا سامنا ہے۔ سسرالی رشتے داروں کے پاس بھی بیٹھو، چولہا چوکی بھی دیکھو اور صاحب بہادر کی کال کا دھیان بھی رکھو۔" نازو کے پاس ایک لمبی لسٹ تھی اپنی مجبوریوں اور مصیبتوں کی۔

"اچھا ٹھیک ہے بابا۔ تم اطمینان سے لاؤنج میں بیٹھ کر ناصر بھائی کی کال کا انتظار کرو۔ میں کچن دیکھتی ہوں۔"

ارشین کی تسلی پر نازو نے پھوٹ لینے میں دیر نہیں لگائی۔

"کتنی عجیب بات ہے ہمارے یہاں تعلقات کا استحکام بھی مشروط ہوتا جا رہا ہے۔"

وہ کوفتے بنانے کے لیے قیمہ پیستے ہوئے آزردگی سے سوچ رہی تھی۔

اگر اب ایسا ہوا تو یوں ہو جائے گا۔

تم ملنے نہ آئے تو میں تم سے ہمیشہ کے لیے ناراض ہو جاؤں گی۔

تم نے میری بات نہ مانی تو اچھا نہیں ہوگا۔

اگر تم اتنے ہی بیزار ہو تو میں یہاں سے چلی جاتی ہوں۔

اگر تم نے گھر سے قدم باہر نکالا تو دوبارہ واپس لوٹنے کی زحمت نہ کرنا۔

اگر تم مجھے نہ ملیں تو میں خودکشی کر لوں گا۔

اگر تم نے مجھے فون نہ کیا تو دوبارہ میری آواز نہیں سن سکو گی۔

تم نے خط کا جواب نہ دیا تو میں سمجھوں گا تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی۔

اگر تم نے اپنی ضد نہ چھوڑی تو ہمیشہ کے لیے مجھے کھو دو گی۔

یہ زندگی میں اتنے سارے اگر مگر، ورنہ وگرنہ کہاں سے آجاتے ہیں۔

اسے اجیرن اور دشوار تر بنانے کے لیے

اتنے قریب دلی تعلقات اس اگر مگر چونکہ چنانچہ کے چکروں میں پھول کی پتیوں کی طرح بکھر کر رہ جاتے ہیں۔

محبتوں کو مشروط ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ کہ شرائط، عہد نامے، دھمکیاں، ڈراوے اور چیلنج جذبوں کی لطافت، گہرائی اور معنویت کو مجروح کر ڈالتے ہیں۔ ان میں کھردرا پن اور دراڑیں پیدا کر دیتے ہیں۔ پھر اعتماد کی جگہ خوف بسیرا کرنے لگتا ہے۔ خوشی کی جگہ واہمے من آنگن میں لہرانے لگتے ہیں۔ طمانیت کی چھاؤں کے بجائے بے سکونی کی دھوپ رقص کرنے لگتی ہے۔ اعتبار ٹوٹ جاتا ہے اور دھڑکے جی کا جنجال بنتے چلے جاتے ہیں۔

محبت کو آزاد ہونا چاہیے۔ ہر شرط سے، ہر خدشے کی زنجیر سے۔

جتنی محبت زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی محبت کرنے والے شخص کا ظرف اور دل کشادہ ہوتا ہے۔ وہ معاف کرنے اور معافی طلب کرنے میں کبھی تاخیر نہیں کرتا۔ چھوٹی انا کے خول میں لپٹ کر دوسری جانب سے "پہل" کا انتظار نہیں کرتا۔ اس کے بجائے خود صلح اور امن کا ہاتھ بڑھاتا ہے۔

البتہ محبتوں کو محدود کرنے والا شخص ڈراوے، دھمکی اور حاکمیت پسندی سے کام لیتا ہے

چھوٹا ظرف، چھوٹا دل اور چھوٹی محبت۔

وہ جذباتی بلیک میلنگ اور بے حسی دکھا کر مقابل کو اپنے دام میں کسنے کی سعی کرتا ہے۔

◆◆◆

وہ رات گئے گھر لوٹی تھی۔ سعد گیٹ تک اسے چھوڑنے آیا تھا۔ اسے خدا حافظ کہہ کر لاؤنج کا بیرونی دروازہ کھول کر اندر آئی تو شاہین کو بی بی جان کے زیرِ عتاب پایا۔ غالباً رات گئے ٹی وی پر فلم دیکھنے پر شامت بلائی گئی تھی۔

"بہت شوق ہے آزادیاں برتنے کا۔ سمجھ لیا ہے کہ باوا معذور ہو کے ایک کونے میں پڑا ہوا ہے اور ماں پاگل جاہل ہے۔ کون سا کسی نے کچھ کہنا ہے۔ سو جی بھر کے من مرضیاں کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔"

بی بی جان کی سخ بستہ طنز و تمسخر اور تحقیر میں ڈوبی آواز میں چھپی کاٹ ارشین کو اندر تک آگ میں نہلا گئی۔

خون کی جگہ جیسے رگ رگ میں انگارے دوڑنے لگے تھے۔

وہ جانتی تھی کہ دراصل کس کو سنایا جا رہا ہے۔ اُسے دیکھتے ہی بی بی جان کی ٹون بدل گئی تھی۔ لہجے

میں خود بخود تلخی اور چبھن در آئی تھی۔

"میں بند ہی کرنے والی تھی بی بی جان۔"

خفت زدہ گھبرائے ہوئے چہرے سمیت چپل پہن کر اوپر جانے کو پر تولتی شاہین منمنا کر صفائی دے رہی تھی۔

"بند کیوں کرتی ہو۔ دیکھو اور دیکھو۔ اور سیکھو وہی ادائیں۔ گھر نے عنقریب سینما ہال جو بننا ہے"

وہ زہر بھرے انداز میں ہاتھ جھٹکتی اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھیں۔

ارشین سن سی کھڑی رہ گئی۔

اس طرح کا برفیلا تغافل کیسے ذات کے اعتماد کو لخت لخت کر دیتا ہے۔

◆◆◆

امبرین آج کالج گئی ہوئی تھی۔ کچھ انفارمیشن وغیرہ درکار تھی۔ کلرک آفس سے۔ سہ پہر کو لوٹی تو حسب عادت آ کر سو گئی تھی۔ ارشین اس دوران میں نازو کے ہاں چلی گئی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ امبرین اس کے انتظار میں جاگ رہی ہوتی۔ آخر پورے دن کی روداد بھی تو سنانی تھی۔ مگر خلافِ توقع وہ سو چکی تھی۔

"نہ اپنی بات شیئر کرتی ہے اور نہ میرے رنج و غم پوچھتی ہے۔ ہمارے درمیان یہ کیسے ان دیکھے فاصلے پیدا ہونے لگے ہیں۔ ایسی تو نہیں تھی امبرین۔ یہی تو ہے میری کل متاعِ حیات۔ میرا شاہکار۔ میری عمر بھر کی پونجی۔ اس نے ہر مشکل گھڑی میں میرا دکھ بانٹا ہے۔ مجھے حوصلہ اور مان عطا کیا ہے۔ کتنا لازم بن گیا ہے اس کا وجود میری بقا کے لیے۔ میں تو خود کو اس کی ہمراہی کے بغیر ادھورا محسوس کرتی ہوں۔ حد سے زیادہ عادی ہو گئی ہوں اس کے شیئرنگ اینڈ کیئرنگ اسٹائل کی۔ مگر اب اس کے رویوں میں پہلے جیسی بے ساختگی نہیں رہی۔ ایک انجانی سی تبدیلی واقع ہوئی ہے اس کے خیالات میں۔ کیا واقعی ایسا ہے یا میں ان دنوں کچھ زیادہ ہی قنوطیت کا شکار ہوتی جا رہی ہوں۔ ہش۔"

وہ کتنی ہی دیر خود سے الجھتی رہی۔ شاہین دو چار اختتامی جملے کہہ کر کب کی خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔

بیڈ روم کا دروازہ بند کرنے کے ارادے سے اٹھی تو یوں محسوس ہوا جیسے نیچے لاؤنج میں فون کی بیل بج رہی ہو۔

"بی بی جان کا بیڈ روم نزدیک ہی ہے۔ یقیناً وہ آواز سن کر اٹھ گئی ہوں گی۔ میں جب تک سیڑھیاں طے کر کے فون تک پہنچوں گی تب تک آٹھ دس دفعہ بج کر بھی چپ ہو چکا ہوگا۔"

اس نے اس خیال سے نیچے جانے کا ارادہ نہیں باندھا مگر جب تین گھنٹیاں بجنے کے باوجود فون کی کوئی شنوائی نہ ہوئی تو تنگ آ کر اس نے دوپٹہ اور چپل کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر دوڑائیں اسی اثنا میں بی بی جان نے پانچویں بیل پر فون اٹھا لیا تھا۔

وہ اطمینان کا سانس لے کر دروازہ بند کرنے لگی۔ بی بی جان کی ہیلو یہاں تک سنائی دے رہی تھی۔

اس نے تجسس نہیں کیا کہ کس کا ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے اس کا تو اس ٹائم قطعی نہیں ہو سکتا تھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔ اتنی لیٹ گھر میں کسی کا اور وہ بھی مخصوصاً ارشین کا فون آنا بی بی جان کو سخت ناگوار گزرتا تھا۔

شاید عدنان یا بابا جان میں سے کسی کا ہوگا۔

اس نے سوچتے ہوئے دروازہ لاک کیا۔ اسی لمحے ریسیور کریڈل پر ڈالنے کی آواز آئی تھی۔

"غلط کال مل گئی ہوگی۔"

وہ دن بھر کی تھکن کے بعد جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گئی تھی۔

◆◆◆

"تو بھئی ناظرین و حاضرین اور سامعین۔ ہمیں رخصت کرو۔ ہم جانے کو ہیں واپس کراچی۔"

سعد فل یونیفارم میں اپنا سفری بیگ سنبھالے الوداعی ملاقات کرنے آیا تھا۔

"ارے۔ اس بار اتنی جلدی جا رہے ہو۔ ابھی پرسوں شام تو تم آئے تھے۔" دادی اس کے جانے کے خیال سے افسردہ ہو گئیں۔

"بس دادی! اتنا ہی دانہ پانی تھا اپنا اس بے درد شہر میں۔"

اس نے مصنوعی رقت خود پہ طاری کرتے ہوئے بطورِ خاص ارشین کو دیکھا۔

"بس کرو۔ جوکروں کا دانہ پانی ہر جگہ نکل آتا ہے۔ دیہاتوں میں بھی لوگ دے دلا دیتے ہیں تم تو پھر شہر جا رہے ہو۔"

ارشین کے لطیف سے تنگ کرنے والے انداز پر سعد نے ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔ سیاہ اور سبز پرنٹ کے گھریلو سے لباس میں خاصا دلچسپ حلیہ بنا ہوا تھا۔ بالوں کی سیاہ چمکدار لٹیں گالوں اور شانوں کے آس پاس سلامی دے رہی تھیں۔ وہ اس روپ کو نگاہ میں سمو کے "زادِ راہ" اکٹھا کر کے نکلنے کو تھا جب امبرین نے اوپر کی ڈسٹنگ کرنے کے بعد سیڑھیاں طے کرتے لاؤنج میں قدم رکھا تھا۔

"کیسی ہو امبر بی بی۔ تم سے تو اس بار ملاقات ہی نہیں ہوئی۔"

وہ سفری بیگ ایک سے دوسرے کاندھے پر منتقل کرتا ہوا رواداری سے مسکرا کر خیر خیریت دریافت کرنے لگا۔ کل جب وہ آیا تھا تو امبرین گھوڑے بیچ کر دوپہر کی نیند لے رہی تھی۔

"ارے سعدی بھائی! یہ کیا ابھی آئے اور ابھی چل دیے۔"

وہ جھاڑو اور برش باہر صحن میں رکھ کے آئی تو جانے کو بالکل تیار سعد پر حیرت بھری نگاہ ڈالی تھی۔

آرمی کی یونیفارم میں ملبوس صحت مند شاداب سراپا، چمکتی ہوئی سانولی رنگت اور ہنستا مسکراتا موڈ۔ وہ ایک دم سے حواسوں پر چھا جانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ امبرین بے ساختہ دیکھتی رہ گئی۔ پہلی بار اسے سعدی بھائی نئے نئے سے لگے۔

ایک دم سے مختلف اور جاذبِ نظر۔ احساسات کے رنگ بدلنے سے نظر کا زاویہ بھی یکلخت تبدیل ہو گیا۔ اس کی نظریں بے اختیار جھک گئیں۔ دل عجب بدتمیز طریقے سے دھڑکا تھا۔ اس وقت اور کچھ احساس نہیں تھا۔ بس وہ اسے اچھا لگا تھا۔

رات کو اسے بستر پر جلد جانے کی شدت سے خواہش محسوس ہو رہی تھی۔ آنکھ میں پہلا پہلا انوکھا خواب سجا تھا۔

اس کے فرشتوں کو بھی یاد نہیں رہا تھا کہ شام کو ارشین نے تاکید سے اسٹوڈیو میں آنے کو کہا تھا۔ غالباً اس کے ساتھ کوئی کاروباری مسئلہ ڈسکس کرنا چاہتی تھی۔

وہ ارشین کی تاکید و تحکم نظر انداز کرتے ہوئے بستر پر چلی آئی۔ ارشین نیچے اسٹوڈیو میں تادیر اس کا انتظار کرتی رہی۔ جھلا کر خود اوپر آئی تو دل پر گھونسہ سا آن لگا۔

امبرین بستر پر محوِ خواب تھی۔

وہ کچھ سوچ کر اسے ڈسٹرب کیے بغیر دوبارہ اسٹوڈیو میں چلی آئی اور سر پکڑ کر کاؤچ پہ دراز ہو گئی۔

آنکھوں میں صدیوں کی تھکن اتر آئی تھی اور دل رنج سے بوجھل ہو رہا تھا۔ اسٹوڈیو کا اندرونی اور

بیرونی دروازہ بند کیے زیرو پاور کا بلب جلائے وہ دونوں بازوؤں پر سر رکھے کاؤچ پر چت پڑی پنکھے کے گردش کرتے پروں کی حرکت پر نگاہ جمائے بے حس و حرکت پڑی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا جیسے کنپٹی کے پاس ایک گرم سیلن کا سا احساس ہو رہا ہے۔ انگلی کی پور کنپٹی کے پاس پھیری تو وہ پانی کے قطرے سے تر ہو گئی۔ اس نے حیران ہو کر پور پر چمکتے آنسو کے قطرے کو آنکھ کے سامنے لا کر قریب کیا۔ پھر ایک مضمحل سا تبسم اس کے لبوں پر کھلنے لگا۔ بے ساختہ ایک حسبِ حال شعر ذہن کے دریچے میں جگمگایا تھا۔

مجھے ضبطِ غم پہ غرور تھا، سرِ بزم آج یہ کیا ہوا
مری آنکھ کیسے چھلک پڑی، مجھے رنج ہے یہ بُرا ہوا

یہ وہی تو تھی جو بلند بانگ کہا کرتی تھی۔

"آنسو قابلِ رحم تو بنا سکتے ہیں مگر قابلِ اثر نہیں۔ زندگی کے معاملات رونے دھونے سے حل نہیں ہوا کرتے۔ اگر انسان رونے بیٹھ جائے تو ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اس طرح ہمت اور طاقت کمزور پڑ جاتی ہے۔ آگے چلنا ہے تو رو کر عمر کیوں گزاری جائے۔"

"امبرین میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہے؟" یہ سوال تقریباً ہر گزرتی رات کو اس کے سامنے لمبی کا ناگ بن کر لہرانے لگتا تھا۔ اس کے اس گریز پا، انجان، سپاٹ اور کترائے رنگ برنگے رویوں کو دو ماہ گزر گئے تھے۔

پہلے پہل تو وہ اپنا وہم اور امبرین کی مصروفیت سمجھ کر خود کو تسلی دے لیا کرتی تھی۔ مگر اب کچھ دنوں سے وہ محسوس کر رہی تھی کہ یہ جھوٹی تسلی زیادہ دیر تک نہیں چلنے والی۔

امبرین واضح طور پر اس سے بدکنے لگی تھی۔

اور جو کبھی اس کے اصرار پر پاس بیٹھ جاتی تو جلد ہی چہرے سے بیزاری اور کوفت کے تاثرات جھلکنے لگتے۔ کبھی وہ بیچ میں بے وجہ اختلاف کرنے لگتی۔ کبھی اس کے اصول و ضوابط کی چڑتے ہوئے انداز میں نفی کرتی۔ اور کبھی کسی کام کا بہانہ بنا کر کھسک جاتی۔

ارشین بچی نہیں تھی۔ "آنکھ" رکھتی تھی۔ جہاندیدہ اور زمانے کی سرد گرم چشیدہ تھی۔ اس کے "جان چھڑانے اور بھگتانے" والے بیزار کن رویوں کے پس پردہ جھلکتی اس کی خودسری اور بغاوت کے رنگوں کو پہچان سکتی تھی۔ اسے اس نکتے تک رسائی پانے میں دیر نہیں لگی کہ ہزار ضبط کے باوجود امبرین کے وجود سے وابستہ اعتبار و یقین کی چٹان اپنے مرکز سے سرکنا شروع کر چکی۔ وہ امبرین کو کھونے لگی ہے۔

اور یہ احساس بڑا روح فرسا اور اعصاب شکن تھا۔ دل کو چیر ڈالنے والا، پیس کر رکھ دینے والا، مار دینے والا، ختم کر ڈالنے والا۔

اس صورتحال نے ارشین کے دماغ کو کھولتے ہوئے الاؤ میں بدل ڈالا تھا۔ ذہنی تناؤ کے باعث کام بھی ڈھنگ سے نہیں کر پا رہی تھی۔

دراصل وہ امبرین کے معاملے میں شروع سے بہت حساس رہی تھی۔ شروع سے اپنے تمام تر جذبوں اور محبتوں کا مرکز و محور اسی کو بنایا تھا۔ اسی پر "کھلتی" تھی۔ صرف وہی تھی جو ارشین کی بظاہر مضبوط مگر اندر سے اُلجھی بکھری، لوٹتی ہوئی ذات کے تمام تر حساس پہلوؤں سے مکمل طور پر آشنا تھی۔

"کیا میں نے ایسا کر کے غلط کیا تھا؟"

وہ اگلے روز شام کو نازو کے روبرو قدرے شکستگی کے عالم میں دریافت کر رہی تھی۔

"یار، امبرین عمر کے جس دور سے گزر رہی ہے۔ اس لحاظ سے اس کا ردِ عمل نارمل ہے۔ تم کیوں خواہ مخواہ کا ٹینس ہو رہی ہو۔"

نازو نے ٹھہرے ہوئے انداز میں سمجھایا۔

"عمر کے ساتھ ساتھ خیالات و احساسات اور پسند ناپسند میں بھی تبدیلی آ جاتی ہے۔ پہلے امبرین تمہاری شخصیت کے طلسم میں تھی۔ ساری دنیا سے بے خبر بس تمہاری ذات کی ہمہ گیری میں گم تھی۔ اب وہ اس حصار سے نکل کر اپنی آنکھ سے دنیا دیکھنا چاہتی ہے۔ تمہاری بصارت کا سہارا اُسے درکار نہیں رہا۔ وہ زندگی کے لمس کو بذاتِ خود اپنی پوروں پر محسوس کرنا چاہتی ہے۔ اس عمر میں یہی جذبات ہوا کرتے ہیں۔ دوسروں کی نصیحت و فضیحت اور تجربات و مشاہدات زہر بھی بُرے لگتے ہیں۔ خود سے مشاہدہ کرنے اور تجرباتی عمل سے گزرنے کا جوش رگوں میں بھر جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں ٹھوکر کھا کے وہ اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں جس پر اُن سے پہلے والی نسل پہنچ چکی ہوتی ہے۔ یار یہی تو زندگی کا چکر ہے۔ تم لاکھ اُسے شعور و فہم کی دنیا کی سیر کراؤ، اسے فلسفۂ زندگی پڑھاؤ، مگر فطرت کے بہتے دھارے کی یلغار تو نہیں روک سکتیں ناں!"

ارشین کے برعکس نازو نے اس مسئلے کو بہت ہلکا پھلکا لیا تھا۔

"تم سے بات کر کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔"

ارشین نے ممنونیت سے اس کی طرف دیکھا۔

کبھی یہ انداز صرف امبرین کے لیے مخصوص ہوا کرتے تھے۔ اس نے آہ بھر کر سوچا۔

قبضہ اسی مکان پر ہوا کرتا ہے جو خالی ہو اور اس کے دل کا مکان ویران ہو چکا تھا۔ امبرین ایک طویل عرصے تک اس کے تختِ دل کی مطلق العنان ملکہ رہی تھی۔ اور اب اس شہر کو سنسان کر کے اچانک کسی اور دیس میں اڑان بھر چکی تھی۔

دل کا آنگن خالی تھا۔

"کہہ سن لیا کرو یار۔" نازو نے اسی مخصوص دوست دار انداز میں اس کا کندھا تھپتھپایا۔ "مشکل یہ ہے کہ تمہارا "کام" بہت ہے اور "ہمراہی" کسی کی نصیب نہیں۔ تمام محاذوں پر تنہا سر پیکار ہو۔"

"اسی لیے تو اب تھکنے لگی ہوں۔" ارشین نے ہار کر اعتراف کیا۔

"یوں لگتا ہے چاروں طرف وحشت کا صحرا آسمان کی وسعتوں کی طرح پھیلا ہوا ہے۔"

"پھر کوئی ساتھی چن لو۔" نازو نے دردمندی سے مشورہ دیا۔

"تم تو جانتی ہو۔ پھر بھی ایسی بات کہہ رہی ہو۔" ارشین نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا۔ "مجھے تو اپنی ذات کا اعتبار نہیں رہا۔ مردوں کی تہہ در تہہ پیاز جیسی خصوصیات رکھنے والی صنف سے کیا امید لگاؤں گی۔ اس ضمن میں اپنوں کے دیے ہوئے زخم ہی بہت کافی ہیں۔ ایک نیا تجربہ کرنے سے کیا حاصل۔ اور سچ پوچھو تو اب وہ حوصلہ اور جستجو بھی نہیں رہی۔ کسی کی محبت پرکھنے کی، کسی کا التفات آزمانے کی۔ چھوڑو یار! یہ سب دل کے ولولے تھے عبارت ہیں۔ اور اپنے پاس کہاں؟"

پھر اس نے سر جھٹک کر یکسر موضوع بدل دیا۔

"کل تمہارے ماموں ممانی آئے تھے۔ کیا فیصلہ ہوا؟"

"آج سے ٹھیک ایک ماہ بعد ما بدولت رخصت ہو جائیں گے۔" نازو نے خیالی کالر اکڑاتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"ارے سچ۔ مبارک ہو بھئی۔"

ارشین نے دلی مسرت کا اظہار کیا۔

پھر وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ نازو کی شادی کی تیاریوں میں اس نے ہاتھ بٹا کر حق دوستی ادا کر دیا۔ اس مصروفیت کا یہ فائدہ ہوا کہ امبرین کے دن بدن بدلتے تکلیف دہ رویوں پر کڑھنے جلنے کا موقع نہیں ملا۔

شادی پر سعد بھی آن پہنچا تھا۔

◆◆◆

پختگی اور میچورٹی کی ضرورت جسم سے زیادہ ذہن کو درکار ہوا کرتی ہے۔ کہ جسم تو عمر کے ساتھ ساتھ فطری انداز میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ بات تو تب بنے جب سوچ جسم سے پہلے جوان ہو کر مخصوص عمر سے پہلے شباب کی منزلیں عبور کرے۔

اور ایسا ہو بھی جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کے ذہن ان کے جسموں سے بہت پہلے جوان ہو کر کی انتہائی حدود کو چھو آتے ہیں۔ یہ عمل کچھ اس قدر روانی بھری عجلت سے پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے کہ جب تک جسم بلوغت کے لہلہاتے گلستاں میں پھول کی طرح کھل کے مکمل ہوتا ہے۔ ان کی تک سوچ بوڑھی ہو چکی ہوتی ہے۔ یہ لوگ جوانی میں بڑھاپے سے ملاقات کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔

ہم نے جنم لینے سے پہلے جنم لیا
اور اپنی عمر سے پہلے بالغ ہوئے
بنا محبت، محبت کی۔
اور بن بیاہے بیاہے گئے
ہم نے سورج سے پہلے دن دیکھا۔
اور چاند سے پہلے رات
ہم نے آج دیکھا مگر کل نہیں
ہم زندگی سے پہلے جیئے
اور موت سے پہلے مر گئے۔

اور شاید اس کا شمار بھی ایسے ہی "نایاب" مگر درپردہ انتہائی بدقسمت لوگوں میں ہوتا ہے کہ آگہی اور وہ بھی قبل از وقت۔ تاعمر وجود کو میخوں سے زمین پر گاڑے رکھتی ہے۔

وہ روز بروز تنہا ہوتی جا رہی تھی۔

بظاہر سب کچھ جوں کا توں تھا۔ کالج بھی جاتی تھی۔ اور اسٹوڈیو میں بھی وقت گزارتی تھی مگر کے ہمراہ وہ پہلے جیسی بے تکلف، آرام دہ، پرلطف اور دوستانہ قسم کی رفاقتیں جیسے ہو کر رہ گئی تھیں۔

ابسرین سیکنڈ ایئر میں آچکی تھی۔ پہلے جس ارشین کا "رقیب" تھا تو اب کتابیں اس کی جگہ تھیں۔ ہمہ وقت وہ کتابوں کاپیوں میں سر دیے رکھتی۔ اور ارشین فراغت کے لمحوں میں اِدھر دو گھڑی سکون سے بات کرنے کو ترستی رہ جاتی تھی۔ انہی دنوں کالج میں موسم سرما کی چھٹیاں شروع ہو گئیں۔ ارشین کی بوریت مزید بڑھ گئی۔

حیرت انگیز بات تو یہ تھی کہ جن دنوں وہ اندر باہر کے کاموں میں انتہائی مصروف ہوا کرتی تھی زمانے میں شدید تھکن اور ذہنی کھچاؤ کے باوجود رات گئے تک جوش و خروش سے اسٹوڈیو میں تصویریں بناتی رہتی تھی۔ اس کے برعکس فراغت کے دنوں میں اس کی تخلیقی دلچسپی بھی گویا رخصت پر چلی جاتی تھی۔ برش تھامنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔

کچھ لوگوں کی بہترین اندرونی صلاحیتیں کام کے شدید دباؤ اور اضطرابی صورتحال میں زیادہ بہتر طور سے ابھر کر سامنے آیا کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔

اُس رات بھی وہ تنہائی اور فراغت کے منجمد کر دینے والے خالی پن کے سے احساس سے دوچار تھی۔

اس کا دل کسی سے ہلکی پھلکی، اِدھر اُدھر کی مگر بامعنی قسم کی گفتگو کرنے کے لیے مچل رہا تھا۔

دنوں سے خود پہ طاری چپ کا کچھ توڑ "توڑ" چاہیے تھا۔

مصیبت یہ ٹوٹی تھی کہ دادا جان جائیداد کے کسی تنازعے کے سلسلے میں کچھ روز پہلے اچانک گوجرانوالہ روانہ ہو گئے تھے۔ وہ موجود ہوتے تو گھر میں خود بخود ہنگامہ جاگ اٹھتا تھا۔ اس لیے بھی وہ زیادہ بوریت محسوس کر رہی تھی۔

وہ ٹھنڈی سانس بھر کر عجیب سے ملول احساسات میں گھر کر نیچے اسٹوڈیو میں چلی آئی۔ اور دروازہ بند کر کے حسب عادت زیرو پاور کا بلب جلا کر کاؤچ پر لیٹ کر چھت کو تکنے لگی۔

کچھ دیر بعد کروٹ بدل کے ریک کے پاس رکھے ٹائم پیس پر نگاہ ڈالی۔ ساڑھے گیارہ ہونے کو تھے۔ اور نیند کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔ کام کا بالکل بھی موڈ نہیں بن رہا تھا۔

"یا الٰہی۔ یہ رات کیسے گزرے گی۔ لمحہ لمحہ ٹھہرا ہوا سا لگ رہا ہے۔" وہ پریشان ہو کر کاؤچ سے اٹھ بیٹھی۔ پھر قریب رکھے فون سیٹ پر نگاہ ڈالی۔

اس روز کی بحث کے بعد بی بی جان نے اگلے ہی روز عدنان سے کہہ کر فون کا تار لمبا کروا دیا تھا۔ ارشین ان کے اقدام پر تلخی سے مسکرا کر رہ گئی تھی۔ کیا تھا جو وہ اس کی بات کا مان رکھ لیتیں۔

رات کو وہ اکثر فون اسٹوڈیو میں لے آتی تھی۔ نازو کبھی کبھار سسرال سے اسے رات کو فون کر لیا کرتی تھی۔

"چلو فون کے سہارے ہی رات گزار لیتے ہیں۔" اس نے سوچا کس کو فون کروں؟ نازو کو؟ مگر وہ اپنے سسرال میں جانے کہاں مصروف ہو گی۔؟

"پھر؟"

معاً اس کی آنکھوں میں چمک در آئی۔

پروفیسر دانیال مہدی۔ اُن کی نکتہ رس، میچور ذہنی ابروچ خاندانی شرافت و نجابت لب و لہجے سے جھلکتی انتہا درجے کی محتاط شائستگی اور بے ضرر تعلق کا احساس اُسے ان سے بات کرنے پر راغب کر گیا۔

اُس کے دل میں ہمیشہ سے ان کے لیے ایک احترام کا سچا جذبہ موجود رہا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو کبھی اس وقت کسی مرد سے فون پر بات کرنا گوارا نہ کرتی۔ مگر اُن کو اس نے مردوں کی مخصوص کیٹگری میں شمار ہی نہیں کیا تھا۔ کہ انہوں نے اپنی مردانگی دکھلانے کی کبھی نہ کوشش کی تھی اور نہ خواہش۔ وہ صرف انسانیت کے چلتے پھرتے روشن نمونے سے تبادلۂ خیال کر کے اپنے اُلجھے بکھرے خیالوں کو سلجھانا چاہتی تھی۔

پھر یہ انسانی فطرت ہے کہ ایک سپورٹ سے محروم ہو جانے کے بعد وہ ہر نظر آنے والے عارضی سہارے کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔

دوسری بیل پر فون اُٹھا لیا گیا تھا۔

"ہیلو۔" بالخصوص گمبھیر پُر تاثر دھیما لہجہ سماعتوں کو خوشگواریت عطا کر گیا تھا۔

"السلام علیکم۔" کچھ ساعت کی خاموشی کے بعد وہ تمہیدی انداز میں گویا ہوئی۔

"جی مہدی صاحب سے بات ہو سکتی ہے؟"

"بات کر رہا ہوں۔" لہجے میں وہی ——— متانت اور بردباری تھی مگر انداز میں اس بار تحیر آمیز استفہام رقص کر رہا تھا۔

"مہدی صاحب! میں ارشین عرض کر رہی ہوں۔ ارشین بخاری۔" اس نے قدرے سکون کا سانس لیتے ہوئے بشاش انداز میں کہا۔

"ارے۔ واقعی۔ زبردست بھئی۔" اُدھر سے بے ساختہ اور پُرجوش قسم کی والہانہ پذیرائی ہوئی تھی۔

اُن کا رسمی لہجہ ایک دم مہک اُٹھا تھا۔
"یقین کیجیے۔ میں اس وقت شدت سے آپ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہونا۔"
ان کی روح تک میں سرشاری دوڑ گئی تھی۔
"میں کافی عرصے سے سوچ رہی تھی آپ کو کال کرنے کا۔ مگر بس مصروفیات اور کچھ میری سست مزاجی کے سبب ممکن نہ ہو سکا۔" وہ رواداری سے کہہ رہی تھی۔
"آج فراغت سے لطف اندوز ہونے کو جی چاہ رہا تھا، سو کام نمٹا کر کے بیٹھ رہی۔ ٹائم دیکھا تو خیال گزرا۔ اس وقت آپ گھر پر مل جائیں گے سو آپ کا نمبر ڈائل کر لیا۔ ویسے تو اس وقت میں کال کرنے یا ریسیو کرنے کی عادی نہیں ہوں۔ کچھ مناسب محسوس نہیں ہو رہا تھا کسی شریف آدمی کا وقت تنگ کرنا مگر مسئلہ یہ ہے کہ آپ دس گیارہ بجے سے پہلے گھر پر دستیاب نہیں ہوتے۔ اس لیے زحمت دی ہے۔ ویسے آپ کہیں بزی تو نہیں؟"
"اوّل تو میں بزی نہیں ہوں اور بالفرض ایسا ہوتا بھی تو آپ کی کال ریسیو کرنے سے بڑھ کر میرے لیے کوئی مصروفیت اہمیت نہیں رکھتی۔ آپ نے بہت اچھا کیا جو کال کر لیا۔ میں بارہا آپ سے بات کرنے کا ارادہ باندھ کر پھر فون اسٹینڈ کے پاس سے پلٹ آیا تھا کہ کہیں یہ کال آپ کے لیے کسی ناخوشگوار صورتِ حال یا کوفت کا سبب نہ بن جائے۔ ایک دفعہ ملایا تو کسی خاتون کی آواز سن کر رکھ دیا۔"
وہ بہت مگن سے انداز میں محوِ گفتگو تھے۔
"آپ کا کام کیسا جا رہا ہے؟"
ارشین نے سہولت سے کاؤچ پر نیم دراز ہوتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں بات شروع کی۔ داؤد مہدی کا پُرجوش اور زندگی سے بھرپور نفیس انداز اس کی ذہنی تکان کو معدوم کرنے میں بڑا معاون ثابت ہوا تھا۔
گرم جوش انداز انسان کی فطری کمزوری ہوا کرتا ہے۔ لذتِ پذیرائی سے آشنا ہونے کے بعد انسان میں عجب سا سکون، اعتماد اور بے نیازی در آتی ہے۔ ارشین کی اب اکثر ان سے بات چیت ہونے لگی۔
انہوں نے اس سے اجازت لے کر خود بھی اسے روزانہ گیارہ بجے کے آس پاس کال کرنے کی روٹین شروع کر دی تھی۔
یونہی ادھر اُدھر کی باتیں، ہوتی بحثیں سیاست، کھیل، معاشرتی اقدار، طبقاتی تفاوت، فلسفہ اور تفریحی موضوعات وغیرہ پر تبادلۂ خیالات ہوا کرتا تھا۔ جس نے دونوں کو ایک دوسرے کے مزاج، معمولات اور فکر و عمل کے بارے میں جاننے اور سمجھنے میں بہت معاونت کی۔
دونوں پر ایک دوسرے کے بارے میں بہت کچھ کھل گیا۔ اسی روانی میں کبھی کبھار ذاتیات کے کچھ پہلو بھی زیرِ بحث آنے لگے۔
ذہنی اعتبار سے وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔
ارشین غیر محسوس انداز میں اپنے خیالات، اپنے جذبات و احساسات ان سے شیئر کرنے لگی اور وہ کبھی کبھار بڑے ڈھکے چھپے خوبصورت انداز میں اس سے متعلق کوئی بے تکلف سا اظہار کر جاتے۔ مگر اس اظہار میں بلا کی احتیاط برتتے تھے۔
وہ مدِ مقابل سے کچھ باور کرائے بغیر اپنے جذبوں کو بے مول کرنے کے قائل نہیں تھے۔ جذبات کے ان سچے موتیوں کو مٹی میں رولنے کے بجائے قدر شناس جوہری کی کھوج میں تھے۔
"میں حیران ہوں مہدی صاحب۔ بہت زیادہ حیران۔"

ایک رات یونہی شاعری کے متعلق باتیں کرتے ہوئے وہ اچانک کسی اور رو میں بہہ گئی۔
"کس بات پر حیران ہیں آپ؟"
ان کے لہجے کی شیرینی میں چھپی اپنائیت بندے کو ایک دم سے اپنا اسیر بنا ڈالتی تھی۔ جانے کیا اعجاز تھا۔ اس نفیس و لطیف لب و لہجے کا۔ کہ دوسرا بندہ بات کرتے ہوئے خود کو اہم محسوس کرتا تھا۔ وہ دوسروں کو اس طرح مخاطب کرتے تھے کہ خود پہ ناز کرنے کو جی چاہنے لگتا تھا۔ یہ صلاحیت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔
"گو کہ ایک مدت ہوئی حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔ مگر آج جانے کیوں حیران ہونے اور حیران کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔"
وہ ایک دم سے ہنس دی۔ یونہی بلا وجہ۔ بے معنی انداز میں۔
"یہ کہیں گھنٹیاں سی بجی تھیں ابھی۔ اگر میرے کان دھوکا نہیں کھا رہے تو یہ دلکش موسیقی آپ کی طرف سے سننے کو ملی ہے؟"
کس قدر محتاط و مسحور کن اندازِ ستائش تھا کہ ارشین کو اپنے ناگواری کے تاثرات کا اظہار بے محل لگنے لگا۔
کچھ ساعت بعد وہ یوں بولی جیسے سنی اَن سنی کر دی ہو۔
"میں اپنے وہ محسوسات اور جذبات و خیالات آپ کے ساتھ شیئر کرنے لگی ہوں کہ جو اس سے پہلے شاید اپنے ساتھ بھی نہ کیے ہوں۔ اور یہ بات میرے لیے حد درجے حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین ہے۔ اس سے قبل میں صرف ایک ہستی پر کھلی ہوں۔ وہی جس سے میں دُنیا میں سب سے زیادہ پیار اور اعتبار کرتی ہوں۔"
"اور وہ یقیناً آپ کی بہن امبرین ہوں گی۔"
وہ اتنے عرصے کے تعلق میں اس کی امبرین کے لیے چاہت و الفت کے بارے میں بخوبی جان گئے تھے۔
جواب میں ارشین نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی۔
"مگر ارشین! ایک بات میں ضرور کہنے کی جسارت کروں گا کہ انسان ہر کسی پہ کھلا بھی نہیں کرتا۔ صرف اُسی پہ کھلتا ہے جو اپنے انداز و اطوار سے یہ تاثر دے کہ اس سے بڑھ کر آپ کی کیئر کرنے والا اور آپ کے لیے دل میں نیک نیتی پر مبنی پُرخلوص جذبات رکھنے والا اور کوئی نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ میری بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھ ناچیز پر اس قدر بھروسا کرتے ہوئے مجھے اس قابل جانا کہ اپنی ذہنی کیفیات مجھ سے شیئر کرنا پسند کیا۔"
ان کا مخصوص حلاوت بھرا لہجہ سماعتوں میں رس گھول رہا تھا۔
"شرمندہ نہ کریں مہدی صاحب۔ آپ اتنے اچھے ہیں کہ کوئی بھی آپ کو غمگسار پا کر خود پہ فخر کر سکتا ہے۔"
ارشین نے بڑی تہذیب سے ان کی توصیف کی تھی۔
"میں سمجھتی ہوں نازش آپا اس لحاظ سے بہت لکی ہیں کہ انہیں آپ جیسے بہترین جیون ساتھی کی رفاقت میسر آئی۔" اس نے خلوص سے کہا۔
"میرے ساتھ نباہ میں نازش کی اعلا ظرفی اور محبت بھری طبیعت کا زیادہ ہاتھ ہے۔ اگر ہماری فیملی کو سب سے خوش و خرم فیملی کے طور پر احباب میں یاد رکھا جاتا ہے تو اس کا سہرا نازش کی اطاعت و چاہت کے سر جاتا ہے۔"
ان کی انکساری ارشین کی روح تک کو خوش کر گئی۔

"یہی تو آپ کی بڑائی ہے مہدی صاحب! بہت کم لوگ ایسے ہوں گے اس دُنیا میں جو دوسروں کے سچے جذبات کے دل سے قدر دان ہوں گے۔ وگرنہ تو یہ موتی بے مول ہی رُلتے دیکھے ہیں۔ اور سچ پوچھیں تو میں نے تو کم ازکم یہی اخذ کیا ہے کہ سب سے بڑا غم انسان کو اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اس کے پُرخلوص محبت بھرے جذبات کی ناقدری کرتا ہے! ہاں ناقدر شناسی کے بعد بے وفائی کا دُکھ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔"

وہ دھیمے کھوئے کھوئے مجروح لہجے میں ایک تواتر سے جیسے بولتی چلی جا رہی تھی۔

وانیال پوری توجہ سے اس کو سن رہے تھے۔

"جب کوئی آپ کے دلی جذبات کو سمجھتے ہوئے بھی جان بوجھ کر بے نیازی اور نخوت دکھاتا ہے تو دل ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگتا ہے۔ اپنی ذات پر سے اعتبار اُٹھنے لگتا ہے۔ جذبوں کی بے قدری اور تمسخر اُڑانے والے تحقیر آمیز رعونت زدہ تاثرات ہمارے محبت بھرے چہروں کا سارا اعتماد، فخر اور مان ختم کر ڈالتے ہیں۔ ہمیں ہماری اپنی نگاہوں سے گرا دیتے ہیں۔ ساری دُنیا صحیح اور اپنا آپ غلط، کمتر اور بے کار محسوس ہونے لگتا ہے۔ اپنی محبوب ترین ہستی کی جانب سے آنے والے نظر اندازی کے تیر ہمارے سینے چھید ڈالتے ہیں۔"

وہ بہت زیادہ ڈپریسڈ ہو رہی تھی۔

"یہ بات تو میں بھی مانتا ہوں۔

صرف موت، بیماری اور دُوری جیسے روایتی دُکھ ہی نہیں ہوتے زندگی میں۔ اس کے علاوہ بھی نادیدہ دُکھ اپنا وجود رکھتے ہیں۔ محسوسات کے حامل ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے دُکھوں پہ تو چند دِلوں کا رونا رُلانا ہوتا ہے مگر چھوٹے چھوٹے دُکھ تا عمر دل کو ستاتے جلاتے رہتے ہیں۔"

حیران کن حد تک اُن کے خیالات ارشین کے دلی احساسات سے قریب تر تھے۔ اس کی آنکھوں میں پانی سا اُترنے لگا۔ حلق میں گولہ سا پھنس گیا تھا۔

"میں نے کبھی زندگی میں آج تک اپنی آنکھوں کو نم نہیں ہونے دیا تھا مگر امبرین نے مجھے اس محاذ پر بھی شکست دے ڈالی۔"

"بُری بات ہے ارشین۔" اس کے بھیگتے لہجے پر انہوں نے نرمی سے ٹوکا۔

"مہدی صاحب! تکلیف انسان کو اس وقت ہوتی ہے جب وہ سرتاپا مخلص ہو مگر مقابل اس کے خلوص کو بدگمان نظروں سے جانچ رہا ہو۔ ایسے میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

وہ خود پر قابو پانے کی جدوجہد کر رہی تھی۔

"دیکھیں ارشین۔ اگر کسی کو کوئی غلط فہمی ہو تو اسے دُور کیا جا سکتا ہے مگر بدگمانی کا کیا علاج ہے۔ غلط فہمی ہو تو مقابل خود ہی وضاحتیں طلب کرنے کو بے چین رہتا ہے مگر بدگمان شخص کبھی دوسرے کی نہیں سنتا۔ وہ اس سے پہلے ہی دل میں خود کو باور کرا چکا ہوتا ہے کہ یہ شخص جو بھی کہے گا۔ جب ایک شخص آپ کی وضاحت اور صفائی دینے سے پہلے ہی یک طرفہ فیصلہ کرتے ہوئے آپ کو مجرم تسلیم کر چکا ہو تو آپ کی صفائیاں اور وضاحتیں وہاں کیا کام آئیں گی۔ بہتر حکمتِ عملی یہی رہ جاتی ہے کہ بندہ خاموش رہے۔ سپاٹ ہو جائے۔ خود کو حالات اور وقت کے دھارے پہ چھوڑ دے۔ وقت خود ہی بدگمان شخص کے دل کے جالے صاف کر ڈالے گا ایک دن۔"

"مجھے اس کا بہت سہارا رہتا تھا۔ زندگی کا ہر طوفان اس کی ہمراہی میں ہنس کے دیکھا سہا تھا۔ مگر اب یوں لگتا ہے جیسے کوئی حفاظتی حصار میرے گرد سے ہٹ گیا ہو۔ آپ کو خبر ہے ہماری فیملی سندھ کے ایک بیک ورڈ ایریے سے تعلق رکھتی ہے — جہاں آج سے پندرہ بیس سال قبل تک صحت، تعلیم اور بجلی پانی جیسی سہولیات ناپید ہوا کرتی تھیں۔ پورے گوٹھ میں واحد تعلیم یافتہ میرے والد صاحب تھے جنہوں نے شہر سے میٹرک کیا تھا۔ لڑکیوں کی پڑھائی لکھائی کا تو سوال ہی نہیں

پیدا ہوتا تھا۔ مگر میری والدہ کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ شہر سے کوئی سوشل ورکر ٹائپ خاتون کسی سروے کے سلسلے میں گوٹھ آئی تو اس سے مل کے بی بی جان کا اشتیاق مزید بڑھ گیا۔ وہ اس خاتون سے متاثر ہو گئیں۔ وہ اسی طرح پڑھ لکھ کے اچھی طرح ڈریس اپ ہو کے آزادی اور اعتماد کے ساتھ نوکری کرنے کے خواب دیکھتی تھیں۔ وہ خواب جن کی تعبیر کم ازکم اس دور میں ملنا ناممکن ہی تھی (مگر خوابوں پر کس کی پابندی چلتی ہے۔)

باباجان کو شہر میں نوکری ملی تو دادا جان نے برادری کی رسم کے مطابق بی بی جان سے ان کا نکاح پڑھوا دیا۔ باباجان کے ہزار انکار کے باوجود۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ساری عمر نہ باباجان بی بی جان کو خوش رکھ سکے اور نہ بی بی جان اپنے خوابوں سے دستبردار ہو کر کبھی باباجان سے لگاوٹ کا اظہار کر پائیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ تشنہ اور ناآسودہ رہے اور یہی تشنگی اور نامکمل احساسات اولاد میں منتقل ہو گئے۔

باباجان جو عورتوں کی تعلیم کے سخت خلاف رہے تھے اور جنہوں نے بی بی جان کو تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کو بُری طرح رد کر دیا تھا۔ جانے کیا سوچ کر اپنی پہلی اولاد اور وہ بھی لڑکی کو اسکول داخل کرا دیا۔ خاندان کی ہزار مخالفتیں مول لے کر۔ بلکہ حیرت انگیز طور پر بی بی جان بھی میری پڑھائی کے خلاف تھیں۔ شاید اس لیے کہ جو سیرابی وہ حاصل نہیں کر پائیں باباجان سے انتقام لینے کے لیے ان کی اولاد کو بھی نہیں دینا چاہتی تھیں۔

مگر باباجان نے پروا نہ کی۔ انہوں نے شاید بی بی جان کی ضد میں میری تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور یونہی اسی ضد ——— میں میں پڑھ لکھ گئی اور دوسرے بہن بھائیوں کے لیے بھی راستہ کھلتی گئی۔ باباجان کو میری اعلیٰ تعلیم اور نوکری سے اگر کوئی دلچسپی نہیں تھی تو کوئی خاص اعتراض بھی نہیں تھا مگر بی بی جان کو سخت شاک پہنچا۔ وہ اب بھی اسی بے حسی، بے دلی اور ناگواری کا اظہار کرتی ہیں میرے معاملے میں۔"

وہ جیسے کسی غیر مرئی طاقت کے زیر اثر اپنے اندرونِ خانہ مسائل و معاملات سے انہیں آگاہ کرتی چلی گئی تھی۔

"ایک بات مانیں۔ آپ شادی کر لیں ارشین۔" بہت دیر تک غور و خوض کرنے کے بعد بالآخر انہوں نے سوچتے ہوئے لہجے میں مشورہ دیا۔

وہ آہستگی سے مسکرا دی۔

"بی بی جان کی بھی یہی خواہش ہے تاکہ وہ جلد از جلد مجھے نظروں سے دُور کر سکیں۔ مگر میں اس عظیم خود غرضی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی مہدی صاحب۔ میرے والد صاحب مریض ہیں۔ بھائی ابھی گھر کی ذمہ داری سنبھالنے کے لائق نہیں ہوا۔ دو آگے پیچھے جوان بہنیں ہیں جن کا بیاہ کرنا ہے۔ پھر گھر بار چلانا ہے۔ یہ سب کچھ مجھے ہی تو دیکھنا ہے۔"

"اس طرح تو وقت بہت آگے نکل جائے گا ارشین! اور آپ کے ہاتھ خالی کے خالی رہ جائیں گے۔" انہوں نے خدشہ ظاہر کیا۔

جواب میں وہ بے اختیار ہنس دی۔

"نہیں مہدی صاحب (جو کچھ بخت میں لکھا ہے مل ہی جائے گا) ہاں۔ مگر۔"

وہ ایک لحظے کو رُکی۔ "اتنی دیر میں ملے گا جب اس سے لطف کشید کرنے کی خواہش مٹی میں مل چکی ہو گی۔ آپ نے امجد اسلام امجد کی نظم "سیلف میڈ" پڑھی ہے؟

؎ روشنی مزاجوں کا کیا عجب مقدر ہے

بہت زبردست ہے۔ بالکل میرے حسبِ حال۔"

"اتنی مایوسی اچھی نہیں ہوتی ارشین۔"

ان کے لہجے کی حلاوت بڑی متاثر کن سی تھی۔

"میں نے آپ کو ہمیشہ پُر جوش، سرگرم عمل اور ہشاش بشاش موڈ میں دیکھا ہے۔ یہ یاسیت پسندی آپ پر سوٹ نہیں کرتی۔" انہوں نے مزید کہا۔

"ارے صاحب! مدت گزری "سوٹ ایبل" چیزوں کا حساب رکھنا چھوڑ دیا ہے۔" اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا تھا۔

"اب تو وہی بات ہے کہ جیسی بھی زندگی ہے گزارا کیے چلو۔"

"کب تک گزارے لائق زندگی بسر کرتی رہیں گی؟" انہوں نے چبھتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔ چند ثانیے تو وہ سنجیدگی سے ان کی بات پر غور کرتی رہی پھر بولی۔

"شادی تو مجھے کرنی ہی ہے کہ آج کے دور میں کنواری لڑکی۔۔۔ کا سروائیو کرنا ایک سوالیہ نشان بن کر رہ گیا ہے۔ میں جانتی ہوں اس عمل سے مجھے ذہنی و جذباتی خوشی یا آسودگی تو خیر کیا ملے گی۔ ہاں یہ ہے کہ شادی معاشرتی تحفظ فراہم کرنے کا ذریعہ ضرور بن جاتی ہے۔ کوئی آپ پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ اعتراضات اور الزامات دم توڑ جاتے ہیں۔ بس اسی نقطہ نظر سے میں نے طے کیا ہے کہ اپنے مسائل و معاملات سے نپٹ کر اس "پراسس" سے بھی گزر جائیں گے۔ لوگوں کا منہ بند کرنے کے لیے۔"

"کمال ہے۔ آپ کے نزدیک شادی محض کا غذی سیکورٹی کا نام ہے؟" انہیں خاصا دھچکا لگا۔

"اور اس میں کیا رکھا ہے؟" وہ اپنے مؤقف پر بدستور قائم تھی۔

"میں لیجر زاور محبت کے ماروں کو شادی کے عمل میں ضرور کوئی "تھرل" یا غیر معمولی ایکسائٹ منٹ نظر آتی ہو گی مگر حقیقت پسندی اور جذباتیت سے دور بھاگنے والوں کو اس بندھن۔۔۔ سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔"

"آپ نے جو کچھ کہا ہے، وہ بات کا صرف ایک پہلو ہے۔ اگر فریقین میں جذبہ اخلاص و رغبت سلامت رہے تو۔"

"شادی تو جسمانی و جذباتی اور معاشرتی ہر طرح کے تحفظات کی ضامن ہوا کرتی ہے۔ بشرطیکہ ساتھ اچھا مل جائے۔"

"اور اچھا ساتھی نصیب والوں کو ملا کرتا ہے۔ جو آپ کے ظاہر کو نہیں باطن کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کی خواہشات و خیالات تک رسائی پاتا ہے۔" ارشین کہے بنا نہ رہ سکی۔

"اللہ سے نیک امید رکھنی چاہیے۔ آپ کو بھی ایک اچھا با اعتبار ساتھی ضرور ملے گا انشاء اللہ۔" انہوں نے بھرپور طریقے سے یقین دلایا۔

"خیر نہیں۔ مجھے کم از کم ایسی کوئی خوش فہمی نہیں۔" وہ بے دلی سے بولی۔

"شاید اس لیے کہ میں خود کو کسی قابل نہیں سمجھتی۔ سچ پوچھیے تو مہدی صاحب شادی نہ کر کے اللہ کی کسی غریب پر احسان ہی کروں گی۔ کیوں خوامخواہ اس کی زندگی تباہ کروں۔"

"ارے۔ یہ کیا بات ہوئی۔" وہ حیران ہونے لگے۔

"آپ میں کس چیز کی کمی ہے۔ جو ایسی مایوس کن بات کہہ رہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں وہ شخص بہت خوش نصیب ہو گا جسے آپ جیسی ایثار پسند، بلا امتیاز محبت کرنے والی اور بلند حوصلہ لڑکی کا ساتھ میسر آئے گا۔"

ارشین کو ان کی باتوں پر ہنسی آنے لگی۔

ان کی باتیں، اس کی یاسیت، احساس تنہائی اور دل کے خالی پن کو مٹا ڈالتی تھیں۔ وہ غیر ارادی طور پر ان کے قریب ہوتی گئی۔ اس پر ان کی بے رخی پہ ان کی اپنائیت اخلاص پر مبنی باتیں جیسے پھاہا رکھ دیا کرتی تھیں۔

◆◆◆

وہ اب ہر روز باقاعدگی سے فون پہ بات کرتے تھے۔ اپنی باتیں بھی سناتے۔ اِدھر اُدھر کے ہلکے پھلکے قصے۔ فلاں خاتون نے ان سے لفٹ مانگی۔

فلاں لڑکی نے ان سے فون پہ باتیں کرنے پہ اصرار کیا۔

فلاں کزن نے فون پر وش کیا۔ فلاں تقریب میں ایک شادی شدہ خاتون اُن کی شخصیت کے طلسم میں گرفتار ہو کر اپنا گھر اجاڑنے کے درپے ہو گئیں۔

وہ اس عمر میں بھی اتنے پُرکشش اور بھرپور نظر آتے تھے کہ صنفِ نازک خود بخود توجہ دینے پر آمادہ ہو جاتی تھی۔

ارشین ان کے قصے سنتی اور ہنستی رہتی۔

"دراصل ساری کشش آپ کے طرزِ تخاطب، لفظوں کی بُنت اور لہجے کے جادو میں ہے۔ آپ اس طرح مخاطب کو اپنے الفاظ سے اپنی آواز اور بھرپور انداز سے اپنے سحر میں جکڑ لیتے ہیں کہ وہ بے چارا آپ کے جال میں پھڑپھڑاتا رہ جاتا ہے۔"

وہ جواباً شرارت سے چھیڑتی تھی۔

"مگر ایک شخص پر یہ طلسم اثر نہیں کرتا۔ اُلٹا ہمیں اس نے سحر زدہ کر رکھا ہے۔" وہ بے ساختہ کہہ گئے۔

"یہ کیسے ممکن ہے بھئی۔ چلیے کوشش جاری رکھیں۔ کچھ پتھر پگھلنے میں ذرا وقت لیتے ہیں۔"

"وہ تو ہم زور و شور سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اور بالآخر ایک نہ ایک روز کامیاب بھی ہو جائیں گے۔" وہ برجستگی سے بولے تھے۔

ارشین نے ہنس کر خدا حافظ کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

◆◆◆

"بی بی جان۔ بی بی جان۔ ادھر آئیں۔" ثمرین کب سے پکار رہی تھی۔

"کیا تکلیف ہے۔ گلا کیوں پھاڑ رہی ہے نامراد۔ کیا میں فارغ بیٹھی ہوں۔ نواب زادی کے نخرے اٹھانے کے لیے۔"

صباحت نے شعلہ بار نظروں سے اپنی طرف بڑھتی ثمرین پہ نگاہ ڈال کے حد درجہ بیزاری سے گھورا۔

"مجھے نیند آرہی ہے بی بی جان!" سوتی جاگتی کیفیت میں ثمرین نے بے چارگی سے انہیں دیکھا تھا۔

"تو جا مر جا کے بستر پر۔ یہاں میرے سر پہ کیوں بینڈ بجا رہی ہے۔"

"مجھے اکیلے میں ڈر لگ رہا ہے۔ آپ بھی آئیں ناں۔" بچی ان کے جھنجھلاتے ہوئے تلخ لب و لہجے پر سہم کر رہ گئی تھی۔

"ہاں باوا نے نوکروں کی فوج جو جمع کر رکھی ہے میرے لیے۔ کام کیا تمہارا باپ کرے گا؟ برتن دھونے ہیں۔ سالن نکال کر فریج میں رکھنا ہے۔ نل سے پانی بھرنا ہے کولر میں۔ سارے کام رہتے ہیں۔ ادھر میں چڑھ کے بستر پہ بیٹھ جاؤں۔ ابھی تیرے بابا نماز پڑھ کے آتے ہوں گے انہیں چائے بھجوانی ہے۔ کون کرے گا یہ سب۔ باقی مہارانیاں تو بس سیر سپاٹے اور آرام کرنے کے لیے ہیں۔"

اپنے لیے کافی بنانے کی غرض سے کچن کی طرف آتی ہوئی ارشین کو دیکھ کر خود بخود ان کے لہجے میں زہر گھلنے لگا تھا۔

وہ جیسے سنی ان سنی کر کے برنر جلا کر دودھ اُبالنے لگی۔
اب تو عادت سی ہو گئی تھی ان کی زبان سے برستے تیر کھانے کی۔

"جاناں۔ اب یہاں کیوں کھڑی ہے۔ جا کے بستر پہ لیٹ۔ آئی ہوں میں کام نپٹا کے۔ کوئی گرم نہیں کھا جائے گا اکیلے میں۔" انہوں نے غضب ناک انداز میں ثمرین کی طرف پلٹ کے رکھائی سے کہا۔

"دادی اماں کہاں ہیں۔ اُن کو بلا لو کمرے میں۔" مگ میں کافی کا آدھا چمچ ڈال کر اوپر سے گرم دودھ انڈیلتے ہوئے ارشین نے نرمی سے چھوٹی بہن کے مسئلے کے پیشِ نظر تجویز دی تھی۔

"وہ تو نماز پڑھ رہی ہیں۔" حوصلہ اور سپورٹ پا کر بچی نے قدرے اعتماد سے جواب دیا۔
"اچھا۔" اس نے لمحے بھر کو سوچا۔
"چلو پھر میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ آجاؤ میرے ساتھ۔"
وہ گزشتہ چار دن سے دن رات ایک کر کے ایک فرمائشی قسم کی پینٹنگ مکمل کرنے میں جتی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی کافی بنا کر تازہ دم ہو کے آخری ٹچز دینے کے ارادے سے اسٹوڈیو کا رُخ کرنا چاہتی تھی مگر ناچار بچی کے ہمراہ اس کے کمرے میں آنا پڑا۔ بی بی جان کو کم از کم دو گھنٹے درکار تھے اپنے معمولات نپٹانے کے لیے۔ اور ثمرین نیند سے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔
"کیا ہی اچھا ہو جو بولتے ہوئے بی بی جان کا زہر اگلتا دہن اور بے رُخی کہیں غائب ہو جائے!" ثمرین پر کمبل ڈالتے ہوئے وہ یاسیت سے سوچ رہی تھی۔
"ہمارے تو دن گزر گئے سو گزر گئے۔ مگر کیا اب اگلی نسل کو بھی یہی "تحفے" ملیں گے؟"
وہ کتنی ہی دیر ثمرین کے پاس بیٹھی سوچتی رہی۔ مگر بھلا سوچنے سے مسئلے کب ختم ہوا کرتے ہیں۔

ہار تھک کے ثمرین کے سو جانے کا یقین کر لینے کے بعد اُٹھ کر اسٹوڈیو میں آگئی۔
وہ کام میں بُری طرح منہمک تھی جب فون کی بیل بجی۔ اس نے بے اختیار ریک پر رکھی اپنی ریسٹ واچ پر جھک کے ٹائم دیکھا۔ رات کے نو بجے تھے۔
ابھی تو ان کے فون کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
اس نے کچھ سوچتے ہوئے ریسیور اُٹھایا۔ امبرین کی کسی دوست کا فون تھا۔
"امبر! یار تمہارا فون ہے۔"
امبرین ادھر اسٹوڈیو میں ہی چلی آئی۔ فون اٹینڈ کرنے کے بعد خاموشی سے جانے کو مڑی تو ارشین نے یونہی پکار لیا۔
"سنو۔" وہ مڑ کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔
"کہاں ہوتی ہو آجکل۔" اب وہ زیادہ تر اوپر کمرے میں ہی بند رہتی تھی۔ پہلے تو بڑے زور و شور سے کچن میں بی بی جان کے ہمراہ ہاتھ بٹایا کرتی تھی۔ مگر اب شاید اس کام سے بھی دل بھر گیا تھا۔ پھر کالج بھی کھل چکا تھا۔ وہ سیکنڈ ایئر کے کورس کو دیکھ دیکھ کے بیزار ہو جاتی تھی۔
"یہیں ہوتی ہوں۔ کہاں جانا ہے مجھے۔" قدرے اُلجھے ہوئے مختصر سے انداز میں جواب دے کر وہ خاموش ہو گئی تھی۔
"تم آجکل کچن میں نظر نہیں آ رہیں؟ بی بی جان کو شاید تمہاری بہت عادت ہو گئی تھی۔ آج کل خود کام کرنا پڑ رہا ہے۔ ان کا موڈ بھی آف رہنے لگا ہے۔"
ارشین نے اس کے گریزپا انداز کو کمالِ ضبط سے نظرانداز کر کے بشاشت سے بات آگے بڑھائی۔
مگر دوسری طرف اس کی اس درجہ برداشت کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا تھا۔ وہ اسی بے نیازی

اور کترائے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔ "میں کیا کروں۔ میری کلاسز شروع ہو چکی ہیں۔ اتنے کام ہوتے ہیں۔ ٹائم ہی نہیں نکلتا۔ شاہین کو کہہ دیا کریں ناں۔"
"مگر بی بی جان سے زیادہ قریب تو تم ہو، تمہاری اُن سے زیادہ بنتی ہے۔" ارشین حیرت چھپا کر قدرے جتانے والے انداز میں اسے دیکھ کے بولی۔
امبرین کی پیشانی پر بل پڑنے لگے۔
"آپ کی بھی تو سب سے بنتی ہے۔ اتنی ہمدردی ہے تو خود ٹائم نکال لیا کریں اُن کے لیے۔"
وہ کھٹ کھٹ کرتی چلی گئی۔ ارشین کے ہاتھ سے برش چھٹ کر نیچے جا پڑا۔ انتہا درجے کے تحیر سمیت وہ دروازے کو دیکھتی رہ گئی، جہاں سے امبرین غائب ہوئی تھی۔
"مجھ سے تو جو گریز ہے سو ہے، یہ تو ساری دنیا سے آدم بیزار ہوتی جا رہی ہے۔ آخر مسئلہ کیا ہے۔ کیوں اتنی اُلجھی اُلجھی اور الگ الگ سی نظر آتی ہے۔ گھر کے کاموں میں بھی دلچسپی نہیں لیتی۔ شام میں جب سب لوگ لاؤنج میں دادا دادی کے ہمراہ بیٹھے گپ شپ کر رہے ہوتے ہیں تو بھی یہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے اوپر جا بیٹھتی ہے۔ کس چکر میں رہنے لگی ہے۔"
ارشین کو قدرتی طور پر تشویش لاحق ہونے لگی۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے والی دوشیزاؤں کے مزاج و عادات اور رویوں کے اتار چڑھاؤ پر مائیں اسی طرح ہول کھانے لگتی ہیں۔ واہمے اندیشے اور خدشات عجب عجب طریقوں سے جی دھڑکاتے ہیں۔
وہ بہت فکرمندی سے امبرین کے بدلتے رویوں پر غور کرتے ہوئے تہہ تک پہنچنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ ادھوری پینٹنگ کو مکمل کرنے کا خیال گویا خواب ہو گیا تھا۔ اس وقت۔

◆◆◆

"بابا جان! یوں تو مجھے ان معاملات میں کسی دوسرے فریق کو دخل اندازی کا حق نہیں پہنچتا۔ میں مانتی ہوں آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ مگر دیکھیے، یہی لاجک آپ دوسرے فریق پر بھی لاگو کریں۔ اگر آپ جیسے انٹلیکچوئل شخص کو بے جوڑ ساتھ ملا تو بی بی جان کے ساتھ بھی تو ظلم ہوا کہ ان جیسی سادہ طبیعت خاتون کو آپ جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پیچیدہ شخصیت رکھنے والے جیون ساتھی سے نتھی کر دیا گیا جس نے ہمیشہ اسے تحقیر بھرے سرد رویے سے نوازا۔ آپ بھی تو ان کے ساتھ ذہنی معیار سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ مگر انہوں نے پھر بھی آپ کے ساتھ نباہ کیا۔ اور آج جبکہ آپ کی بے تاج بادشاہی نسبتاً زوال پذیر ہو رہی ہے تو بی بی جان نے اپنے اختیارات میں اضافہ پا کر اپنے اندر دبے برسوں کے احساسِ محرومی اور جارحیت کو واضح کر دیا ہے۔"
ارشین کو قسمت نے موقع فراہم کیا تھا۔ باپ کے روبرو کھلنے کا۔
"مجھے صرف یہ کہنا ہے بابا جان کہ پلیز ماضی سے باہر آجائیں۔ جو ہو چکا ہے وہ واپس پلٹ نہیں سکتا۔ اتنے برس گزر گئے مگر آپ آج بھی اسی خاندانی ناانصافی پر ساری دنیا سے خفا بیٹھے ہیں۔ اس انتقام میں خود اپنی ذات کو بھی جھونک ڈالا۔ آپ کو خبر ہے جو شخص انتقام لینے کے ذرائع پر غور کرتا رہتا ہے، اس کے زخم ہمیشہ ہرے رہتے ہیں۔ معاف کر دیں لوگوں کو۔ بھلا دیں اس بات کو کہ ماضی میں آپ کے ساتھ ایک عظیم زیادتی ہوئی ہے۔ کچھ ہمارا ہی خیال کریں بابا جان۔ آپ نے ضد میں برادری سے قطع تعلق کر کے ہمیں فطری قریبی رشتوں کی اپنائیت سے محروم کرتے ہوئے ہماری زندگی میں بہت سے ان دیکھے خلا پیدا کر دیے ہیں۔ ہم تو ہر طرف سے تشنہ ہی رہے ہیں۔ نہ خون کے رشتوں کی چاہت نصیب ہوئی۔ نہ والدین کا پُر اعتماد ساتھ ملا اور نہ یاروں دوستوں سے رفاقتیں حاصل ہو پائیں۔ آخر آپ لوگ کیوں نہیں سوچتے کہ ہمارے یہ ٹوٹے پھوٹے بے جان وجود اس معاشرے میں کہاں جگہ پائیں گے؟"

"تم کیا چاہتی ہو۔ جب دیکھو لمبی لمبی تقریریں کرنے کو تیار کھڑی ملتی ہو۔ تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے دنیا میں؟"

باباجان بربہی سے سر جھٹک کر جاتے کے سپ لیتے ہوئے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اب وہ محض بیٹی نہیں تھی۔ گھر بھر کی ضروریات اور مسائل و معاملات دیکھنے نپٹانے کی ذمہ دار بھی تھی۔ اسی لیے غصے کی شدید لہر کو دبا کر نسبتاً پرسکون انداز میں بات کر رہے تھے۔

یوں بھی وہ اس کے ضرورت سے زیادہ دوٹوک، کھرے اور نڈر انداز سے خائف رہتے تھے۔ جو مخاطب کا ساتھ دینے میں وہ ہمیشہ اسی طرح منہ پھٹ اور بدلحاظ رہی تھی۔ وہ اسی صورت اس پر حاوی ہو کر رعب دبدبے سے کام لے کر، گرج چمک کر اسے خاموشی سے میدان چھوڑ کر جانے پہ مجبور کرتے تھے جب ہمراہ — بی بی جان یا دادا دادی میں سے کوئی ایک منظر میں موجود ہوتے تھے۔

اکیلے میں وہ اس کی وزنی دلائل پر مشتمل حقیقت پسندانہ باتوں پر غور و خوض کرنے اور خاموشی سے سنتے رہنے پر بادل نخواستہ آمادہ ہو جاتے تھے کہ جوان اولاد سے وہ بھی کماؤ پوت سے بات کرتے ہوئے والدین خود بخود لہجے کی تیزی کو قابو میں کر لیا کرتے ہیں۔

کل گوجھ سے اطلاع آئی تھی کہ بی بی جان کے قریبی رشتہ داروں میں سے ان کے رشتے کے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا۔ بی بی جان سے اطلاع سن کر رہا نہیں گیا وہ گوٹھ جانے کے لیے بے چین تھیں مگر باباجان نے اجازت نہیں دی۔

"ٹھیک ہے آپ کے نزدیک آپ کے رشتہ دار یا بہن بھائی کچھ نہیں لگتے۔ آپ انہیں چھوڑ چکے ہیں۔ مگر بی بی جان کو تو ایسا کرنے پہ مجبور نہ کریں۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے انہیں گوٹھ گئے ہوئے اپنا کے موڈ کے پیش نظر وہ ہر بار دل مار کر رہ جاتی ہیں مگر دیکھیے۔ اب کے انہیں نہ روکیں۔"

"کیوں اب کیا خاص وجہ پیدا ہو گئی ہے؟"

"برادری کا معاملہ ہے۔ افسوس کا موقعہ ہے۔ انہیں جانے دیجیے۔ آپ کو کوئی سروکار نہیں۔ چلیں مان لیا مگر کم از کم انہیں تعزیت کے لیے جانے دیں۔ ہماری طرف سے نمائندگی بھی ہو جائے گی۔"

"جا کر کیا کرنا ہے۔ کون سا مردہ زندہ ہو جائے گا؟" وہ ہٹ دھرمی سے بولے۔

"مردہ تو زندہ واقعی نہیں ہوتا۔ مگر دستور زمانہ بھی کوئی چیز ہوا کرتا ہے۔ دکھ سکھ میں اپنے شریک نہ ہوں تو پھر اپنائیت کہاں رہی۔ یہ ایک معاشرتی رسم ہے۔ دنیاداری کے تقاضے نبھانے کے لیے دوسروں کی خوشی غمی میں شریک رہنا چاہیے۔ خدانخواستہ کل کو ہمارے اوپر بھی اچھا برا وقت آسکتا ہے۔"

جو باتیں ان لوگوں کے سوچنے کی تھیں اس کا احساس وہ دلا رہی تھی۔

"دنیاداری کے تقاضے ہی تو نبھائے ہیں اب تک۔ بھگت رہے ہیں اپنا بھگتان۔" اس کے حد درجہ زہریلے لہجے کے پیچھے ماضی کی ہونے والی عظیم زیادتی کا شدید ردعمل تھا۔

"باباجان پلیز۔" وہ سخت بے بسی سے انہیں کہہ رہی تھی۔

"اس موضوع کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔ آگے کا سوچیں۔ اپنی اولاد کے مستقبل کے بارے میں فکر کریں۔ ماضی میں کی جانے والی زیادتیوں کا بدلہ اپنا حال تباہ کر کے نہ لیں۔ پلیز بی بی جان کو جانے دیں۔" وہ منت سے بولی۔ اسی لمحے دروازے پر کھڑی بی بی جان اندر آگئی تھیں۔

"ناں مجھے یہ بتاؤ مجھے گوٹھ بھیج کے تم کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتی ہو؟ تم نے کیا گل کھلانے ہیں میرے پیچھے؟"

ان کا لہجہ بلا کی بے رحمی لیے ہوئے تھا۔

○○○

بی بی جان کسی بھی معاملے میں ارشین کا احسان ماننے کی قائل نہیں تھیں۔ ہر چند کہ وہ ان کے فائدے کے لیے ہی کہہ رہی تھی۔ ان کی بھلائی کے لیے باپ سے لڑ رہی تھی۔ مگر وہ اس سے کچھ اس درجے بدگمان تھیں کہ اس کی سفارش سے حاصل کی جانے والی اجازت نے کی بھی روادار نہیں تھیں۔ اسی لیے کڑے تیوروں سے اسے دیکھتے ہوئے زہریلے انداز میں مخاطب ہوئی تھیں۔

"بی بی جان!" وہ صدمے کی انتہا پر گنگ سی کھڑی رہ گئی۔ "میں تو آپ کی خواہش کے پیش نظر کہہ رہی تھی۔ ورنہ۔"

اس کا لہجہ اس قدر مدھم تھا کہ بمشکل بات سماعت تک پہنچ سکی تھی۔ پھر اس سے کمرے میں ٹھہرا نہیں گیا۔ لڑکھڑاتے ہوئے شکستہ قدموں سے نیچے اسٹوڈیو میں چلی آئی۔ فی الحال یہیں "تنہائی کا جشن" منا سکتی تھی۔ بیڈروم میں شاہین اور امبرین کی موجودگی میں شہر دل پہ بپا ہونے والی قیامت پر ماتم کرنا ممکن نہیں تھا۔

ہم نہ اس صف میں تھے اور نہ اس صف میں ہیں۔

راستے میں کھڑے سوچتے ہی رہے۔

اور یونہی گھڑی بیت جانے کے بعد۔

لوٹ کر آ کے دیکھا تو پھولوں کا رنگ

جو کبھی سرخ تھا زرد ہی زرد ہے

اپنا پہلو ٹٹولا تو ایسا لگا

دل جہاں تھا وہاں درد ہی درد ہے۔

"ارشین! ایک بات پوچھوں؟"

رات کو پروفیسر دانیال مہدی کا فون آیا تو چند رسمی باتوں کے بعد انہوں نے اچانک اپنے مخصوص ٹھہرے لہجے میں بہت اپنائیت سے دریافت کیا تھا۔ کتنا جان کھینچ لینے والا دلربا طرز تخاطب تھا کہ گلے بندے کا ہر زخم پھول بن کر مہکنے لگتا تھا۔

"جی پوچھیے۔ آپ سے کیا چھپا ہے مہدی صاحب۔" وہ طویل سانس کھینچ کر اداسی سے گویا ہوئی۔

"اونہوں۔ اس طرح مایوس نہیں ہوا کرتے۔" لہجے کی حلاوت میں بڑا سحر تھا۔

"یہ آپ کے لہجے میں ٹوٹتے پتوں کی سی صدائیں کیوں اٹھ رہی ہیں۔ بتائیں ناں ارشین۔ مجھے اپنے غم میں شریک کیجیے۔ یوں اکیلے دکھی ہو کر آپ مجھ سے بہت زیادتی کر رہی ہیں۔ کیا مجھے اپنا نہیں سمجھتیں؟"

"میرا مسئلہ میرے اندر کی تنہائی ہے مہدی صاحب۔" وہ گالوں کو بھگوتے بے آواز آنسوؤں کو ہاتھ کی پوروں سے صاف کرتے ہوئے ٹوٹتی ہوئی آواز میں بالآخر وہ گویا ہوئی تھی۔

کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔

"ارشین!" ان کے گمبھیر طرز تخاطب میں عجب بے چین سی کیفیت در آئی تھی۔ ان کے لہجے میں رسانیت تھی۔

"اگر آپ سمجھ سکیں تو میں آپ کو بتاؤں کہ آپ دوسروں کی خوشیوں کے لیے اپنے اندر کی لڑکی کا گلا گھونٹ کر اپنے آپ سے زیادتی کر رہی ہیں۔ اس زیادتی کے نتیجے میں آپ کے اندر احتجاج ابھرتا ہے تو آپ گھبرا کر اپنی ذات سے فرار کے لیے خود کو مصوری میں یا درس و تدریس کے کاموں میں کھپا دیتی ہیں۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ احتجاج اس قدر زور پکڑتا جا رہا ہے کہ اب ان کاموں میں کھپ اٹھ کر بھی دل نہیں بہلتا۔ اسی لیے آپ ٹوٹی بکھری کیفیات کا شکار ہو رہی ہیں۔ اچھا برا نہ مانیے

تو اپنی عمر بتانا پسند کریں گی؟" اچانک ہی وہ پوچھ بیٹھے تھے۔
"کبھی حساب کتاب کی فرصت نہیں ملی۔ اندازاً پچیس چھبیس سال تو ہو گی۔"
وہ حیران حیران سی بتا رہی تھی۔
"آپ جانتی ہیں۔ نفسیات کی رو سے بیس سے پچیس یا چھبیس سال کی عمر نوجوان لڑکی (لڑکے) کی جذباتی عمر ہوتی ہے۔ اس عمر میں انسان کو ایک مخلص ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ بھی میں ... ہوا احساسِ تنہائی، خالی پن اور مزاج کی یاسیت کا سبب بھی یہی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ ... ترذہنی و جذباتی مسائل کا حل آپ کی بروقت شادی ہے۔ اپنے رفیقِ حیات کا بھرپور عمل ... جائے گا تو خود بخود دل کی ویرانی دور ہو جائے گی۔"
آج تک بے شمار لوگوں نے اسے شادی کا مشورہ دیا تھا۔
اس کی عزیز ترین دوست نازمہ نے اپنی خوشگوار ازدواجی زندگی کی جھلک دکھا کر ... للچانے کی پوری کوشش کی تھی۔
دادی اماں تو اس سلسلے میں ہمہ وقت پیش پیش رہتی تھیں۔
مگر ان کی تلی بندھی مخصوص نصیحتیں اور مشورے سن کر کبھی بھی اس کے دل میں شادی سے ... مثبت سوچ نہیں ابھری تھی۔ کیونکہ لاشعوری طور پر شادی کے نام سے اس کے تصور میں اپنے ... کی ناکام ازدواجی زندگی کا نقشہ گھوم جاتا تھا۔
آج زندگی میں پہلی بار پروفیسر دانیال مہدی کے توسط سے یہ احساس ملا تھا کہ واقعی شادی ... کا ایک معاشرتی فریضہ ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کے جذباتی تحفظ کی ضامن بھی ہوا کرتی ... ان کا تجزیہ درست لگ رہا تھا۔ اس نے تو اپنی ذات کو اپنے مستقبل کو قریباً قریباً فرا... ڈالا تھا۔ اپنے اندر جھانک کر دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی تھی کہ وہ اندر سے کتنی مطمئن ا... ہے۔ ہمیشہ دوسروں کے لیے فکریں اعصاب پر سوار رہتی تھیں۔
عدنان دھیان سے پڑھائی کر رہا ہے یا نہیں۔
شاہین کی کس قسم کی سہیلیاں ہیں۔
امبرین کو آج کل کس قسم کی ذہنی پریشانیاں ہیں۔
ثمر گلی میں خراب بچوں کے ساتھ تو نہیں کھیلتی۔
کیا بابا جان کا علاج ممکن ہو سکتا ہے؟
دادی کو ڈاکٹر کو دکھانے کس دن چلنا ہو گا۔
دادا کی پوریت کے پیش نظر ان سے گپ شپ لگانی چاہیے۔
بی بی جان کے خراب موڈ کی بحالی کے لیے مجھے کچن میں جا کر ان کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔
کل کے لیکچرز کی تیاری کرنا ہے۔
اگر اس بار نمائش ہو جائے تو گھر کی ضرورت کی کتنی چیزیں آ جائیں گی۔
بس کچھ اسی قسم کی سوچوں میں اس کے شب و روز کٹتے تھے۔ اگر کبھی مستقبل کا سوچا ... اور بھائی کے حوالے سے کہ فلاں کو یہ بنانا ہے اور فلاں کا اس جگہ رشتہ کرنا ہے وغیرہ۔
کبھی انفرادی طور پر اپنی ذات کے بارے میں سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اس نے تو ... سے آئینہ بھی نہ دیکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس قسم کی ظاہری کشش کے ہمراہ زمین پر بھیجا ... آج زندگی میں پہلی بار کسی نے اسے اپنی ذات کے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا تھا ... مستقبل کی فکر کرنے پر زور دیا تھا۔
"دیکھیے ارشین! اللہ تعالیٰ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ یقیناً آپ کے بہن بھائیوں کے ... کچھ انتظام کر دے گا۔ فی الحال سب سے پہلے آپ کے مستقبل کا سوال سامنے ہے۔ آپ اتنی ... اتنا پرخلوص دل رکھتی ہیں۔ اپنی اتنی خوبصورت شخصیت کو اداسیوں اور مایوسیوں کے اندھیر... نہ کریں۔ بلکہ اسے اپنی تکمیل کر کے مزید نکھاریں، سنواریں اور یہی مناسب ترین وقت ہے۔" وہ بہت ... سچ سے کہہ رہے تھے۔
"شادی سے مجھے پہلے بھی انکار نہیں تھا اور اب آپ کی باتوں کی بدولت اس کی اہمیت بھی واضح ہو گئی ہے۔ میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ تھوڑے گیپ کے بعد شادی کا فریضہ ادا کیا جائے۔ دادی سے بھی میں یہی درخواست کرتی ہوں کہ آپ بھلے سے آج بات طے کر دیں مگر شادی کے لیے مجھے کچھ وقت درکار ہے۔ کم از کم اتنا جس میں امبرین کی شادی ہو جائے۔ عدنان اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جائے۔ اور شاہین کی کہیں بات پکی کر دی جائے۔"
"اندازاً کتنا عرصہ لگے گا؟"
"امبرین ایف اے میں ہے۔ دو سال بعد بی اے کر لے گی تو فوراً شادی کا پروگرام ہے۔ عدنان ... گریجویٹ ایئر میں ہے۔ اگلے سال ایف ایس سی کر کے آئی آر ایس بی میں اپلائی کرے گا۔ اگر آرمی کے لیے سلیکٹ ہو گیا تو اس کی فکر جاتی رہے گی۔"
ارشین حساب لگا رہی تھی۔
"یعنی کم از کم دو سال تک آپ کا کوئی ارادہ نہیں۔"
"ہاں۔ فی الحال تو یہی سوچا ہے۔ آگے جو خدا کو منظور ہو۔"
"چلیے اب آپ نے سوچ ہی لیا ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ورنہ میرا مشورہ تو یہ تھا کہ وقت ضائع کرنے کے بجائے آپ ابھی شادی کر لیں کہ یہ آپ کی فیملی کے حق میں بھی بہتر ہو گا۔ آپ کے ... فریضے سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ ریلیکس ہو جائیں گے۔"
"نہیں۔" ارشین کا لہجہ اٹل تھا۔
"میں یہ خود غرضانہ فعل سرانجام نہیں دے سکتی۔ میں گھر کی بڑی اولاد ہونے کے ناتے اپنی ذمے داریاں پوری کرنے کے بعد اپنے لیے سوچوں گی۔ وہ کیا ہے کہ تم تو فرائض اپنی جانب سے نبھاتے چلتے۔ سو وہی بات ہے۔"
"خدا نے آپ کو بڑا خوبصورت دل دے کے دنیا میں بھیجا ہے۔ جس کے آنگن میں اتریں گی۔ روشنیاں پھیلا دیں گی۔ میں ابھی سے اس خوش قسمت انسان سے جیلس ہو رہا ہوں۔"
ان کے ستائشی انداز پر اس کے گالوں پر حرارت سی دوڑ گئی تھی۔
"کیوں شرمندہ کرتے ہیں مہدی صاحب۔"
"اگر آپ مجھے دانیال کہہ کر پکاریں گی تو مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔"
وہ اس خواہش کو زیادہ دیر تک دل میں نہیں دبا سکے تھے۔
ارشین جھجک سی گئی۔
"مجھے مہدی صاحب کہنا زیادہ آسان لگتا ہے۔ یوں بھی کیا حرج ہے۔"
"ہو سکتا ہے کسی کے نزدیک حرج ہوتا ہو۔ مگر خیر۔ کیا کہہ سکتے ہیں۔ آپ کی مرضی کے تابعدار ہیں۔" انہوں نے سانس کھینچ کر کچھ اس درجے مسکینی سے کہا کہ بے اختیار اس کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

◆◆◆

"ناظر، ناظر صاحب! جناب ناظرین۔ آپ تشریف لائیں گے یا پھر کوتوال شہر کو بھیجا جائے۔ ایک ذرا سے ... کا سوال ہے بابا۔"
صبح کے پرنور اجالوں میں بادِ صبا کی مہکار اور پرندوں کی چہکار کے ہمراہ ایک نوجوان لڑکے کی فریادی ... پھوٹے سے ہرے بھرے لان میں موتیے کا گجرا پروتے ناظر کے کان پڑی تھی۔
"اے لو جی۔ اٹھ گئے سفیان میاں۔ یقیناً کچن میں انڈوں پر تجربات ہو رہے ہوں گے۔ چائے تو ... جیسے تیسے بنا ہی لیتے ہیں۔"

سر سے کھسکتی ہوئی سفید جالی کی ٹوپی درست کرتے ہوئے ایک ہاتھ میں سوئی دھاگا اور دو نمبر بگیرا لیے ناظر اندر کی طرف بھاگا تھا۔

"السلام علیکم یا عزیزی۔" ہلکی براؤن آنکھوں اور صاف رنگت والا، اونچے۔ قد کا سفید شلوار میں ملبوس سفیان واقعی کوکنگ رینج کے سامنے کھڑا ایک چولہے پہ چائے کا پانی چڑھائے دوسرے پہ فرائی پین میں انڈا ڈالنے کی تیاری میں تھا۔ دبلے پتلے گہرے سانولے رنگ کے اور کم و بیش ہم عمر ناظر کو مڑ کر سلام کیا تھا۔

"آپ نماز پڑھ چکے ہیں یا عزیزی؟" بڑی معصومیت تھی سوال میں۔

"جی ہاں۔" ناظر جل کر بولا۔ "ٹوپی کی علامتی نشانی نظر نہیں آ رہی آپ کو؟"

"اوہ۔" سفیان نے مڑ کر سر پہ جمی علامتی نشانی کو بغور دیکھا۔

"میں بھی کہوں آپ سے افریقی طرز کے کھڑے کھڑے محدود لمبائی کے حامل موئے مبارک کیوں نہیں نظر آ رہے۔"

"آپ میرے بالوں کے بارے میں مذاق نہ کیا کریں۔"

ناظر سچ مچ منہ بنا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بال چھوٹے چھوٹے سخت اور اوپر کی سمت کھڑے تھے۔ وہ جتنا اپنے بالوں کی ہیئت اور افزائش پر شرمندہ رہتا تھا۔ اتنا ہی سفیان اس کی اس بات سے فائدہ اٹھا کر جان جان کر چھیڑتا تھا۔ تاہم دونوں میں دوستی اور ذہنی ہم آہنگی بھی بلا کی تھی اور ایک شوق تو مشترکہ تھا۔ شوق کیا جنون سے بھی آگے کی کوئی چیز تھی۔ دونوں ایف ایم کے دیوانے تھے۔ سفیان کے کمرے میں تو ڈیک موجود تھا۔ ناظر کے شوق کے پیش نظر بھائی جان نے اسے جاپانی ساخت کا جدید اور قیمتی ریڈیو سیٹ گفٹ کیا تھا۔ تب سے دونوں کے خوب مزے ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ سفیان اور ناظر نے اپنی پاکٹ منی ملا کر حال ہی میں واک مین بھی لے لیا تھا تاکہ ہر جگہ ایف ایم کی ہمراہی رہے۔ سفیان تو گاڑی میں ایف ایم آن کیے بغیر بیٹھ ہی نہیں سکتا تھا۔ پہلے پہل تو نینی نے ان کے اس شوق پر خاصا ڈانٹا تھا مگر اب وقت کے ساتھ ساتھ اور اس کی دیوانگی کے پیش نظر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ بھائی جان بھی بہت مصروف اور سنجیدہ مزاج کے بندے تھے۔ بہت کم بولتے تھے۔ اپنی سوچوں کے تانے بانے سلجھانے میں ہی لگے رہتے تھے۔ وہ زیادہ اعتراض کرنے والی عادت رکھتے بھی نہیں تھے۔ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔

"میں نے کافی تگ و دو کے بعد آملیٹ بنا لیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موصوف کی شکل جغرافیے کے نقشے سے زیادہ مماثلت رکھتی ہے۔ کیوں ناظر بن! آپ کا کیا خیال ہے؟"

آملیٹ پلیٹ میں نکالنے کے بعد سفیان بڑے انہماک سے اس کی شکل کا جائزہ لے رہا تھا۔ انداز میں بلا کی سنجیدگی تھی۔

"آپ بجا فرماتے ہیں عالی حضرت۔" ناظر نے بھی گہری نگاہ سے جانچ کر جھٹ رائے ظاہر کر دی۔

"مجھے پراٹھا چاہیے ناظر جی۔" سفیان نے برہمی سے اسے گھور کر کہا۔

"آج ڈبل روٹی پر گزارا نہیں ہو سکتا کیا؟ کل رات بھائی جان واک سے واپسی پر مارکیٹ سے لائے تھے۔"

ناظر نے سر کھجاتے ہوئے سفیان کو جیسے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ چہرے پر مسکینی طاری تھی۔

"جی نہیں۔" سفیان نے ڈھیٹ کرتے ہوئے آنکھیں نکالیں۔ "آپ کام چوری کا عظیم الشان مظاہرہ کرنے کی سعی نہ کریں۔ مجھے ہر صورت پراٹھا چاہیے ورنہ نینی کو میں شکایت لگاؤں گا ان سے تمہاری۔ غضب خدا کا۔ دن دہاڑے قوم کے نوجوانوں کے معاملے میں بدترین غفلت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔"

"اچھا میں ایک سائیڈ کو۔ بنا دیتا ہوں پراٹھا۔" وہ برا سا منہ بنا کر پراٹھے کے لفظ کو جیسے دانتوں میں پیس کر ادا کرتے ہوئے سفیان کو ہٹا کر چولہے پر توا رکھنے لگا۔

"یہ ہوئی ناں بات۔" سفیان نے دانت نکالے اور پیچھے ہٹ گیا۔

"آپ تو کہیں سے صاحب کے چھوٹے بھائی نہیں لگتے۔ وہ کتنے رحم دل اور سادہ مزاج ہیں۔" ناظر پراٹھا بناتے ہوئے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔

"نہ بے جا فرمائش نہ کام پر تنقید۔ ہوا بھی دے دو تو آرام سے کھا لیں گے۔ کبھی کھانا لیٹ ہوتے پر شور نہیں مچاتے۔ حتیٰ کہ یہ تک کہہ گزرتا ہوں صاحب آج کھانا نہیں بن سکا۔ موڈ نہیں ہے۔ اور وہ بے چارے کوئی بات نہیں کہہ کر مارکیٹ سے کھانا لے آتے ہیں۔ کتنا خیال رکھتے ہیں میرا۔ رات کو بھی چائے یا کافی کا کہنا ہو تو پہلے نرمی سے پوچھتے ہیں۔ تمہیں زحمت تو نہیں ہوگی۔ تھکے ہوئے تو نہیں۔ اور ایک آپ ہیں۔ وہ والی مثال صادق آتی ہے آپ پر کہ کھانے کے لیے جیتے ہیں۔"

"جو مرضی کہہ لو۔ پراٹھا تو تم کو بنانا ہی ہوگا۔" کچن سے منسلک ڈائننگ روم میں ٹیبل پر چائے اور آملیٹ رکھتے ہوئے سفیان ساتھ میں گنگنا بھی رہا تھا۔

"بھئی ہمیں تو دنیا میں دو ہی چیزیں پسند ہیں۔ اچھا کھانا اور اچھا گانا۔ جب تک دنیا میں خوراک اور موسیقی ہے۔ ہم ہر طرح سے شاد باد منزل مراد رہیں گے۔ جلنے والے جلیں بے شک۔"

وہ اطمینان سے لاؤنج کا ڈیک آن کرنے کے بعد کرسی پر براجمان ہو چکا تھا۔ ریڈیو ایف ایم ون ہنڈرڈ پر ٹیون کیا تھا۔

"جسم کی غذا ہے کھانا اور روح کی غذا موسیقی۔ لہٰذا ہم اپنی دونوں غذاؤں کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ بھائی جان کا کیا ہے۔ وہ ٹھہرے قلندر منش بندے۔ جنہیں دنیا سے کچھ طلب نہیں۔ تمام تر لذتوں سے کنارہ کش ہو کر ملک و قوم کی خدمت اور نیکی کی اشاعت پر مامور ہیں۔"

"تربیت تو آپ کی بھی نینی جی نے کی تھی مگر جانے آپ کس پر جا پڑے ہیں۔" پراٹھا اس کے سامنے رکھتے ہوئے ناظر جی بھر کر بدلے لے رہا تھا۔

"یوں تو پھر آپ کو بھی ہمارے ساتھ ساتھ نینی جی نے سدھانے اور سدھارنے کی کوشش کی ہے۔ آپ پہ بھی کوئی تربیتی آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ رہے ویسے کے ویسے جاہل اعظم۔" سفیان نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے خاصی کڑی نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ نینی جی میری روحانی ماں ہیں اور بھائی جان روحانی باپ کا درجہ رکھتے ہیں۔"

ناظر دلی عقیدت سے گویا ہوا۔

"آٹھ سال کا تھا جب اس گھر میں آیا تھا۔ اور اب بارہ برس ہو چکے ہیں۔ اس وقت صاحب غالباً چودہ برس کے ہوں گے۔ انہوں نے کبھی مجھے ملازم نہیں سمجھا۔ جو آپ کو کھلایا پہنایا وہی مجھے دیا۔ اسکول میں ڈالا۔ جو ٹیوٹر آپ کو پڑھانے آتا تھا وہی مجھے بھی پڑھاتا تھا۔ انہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے جو مجھ جیسے خرد ماغ اور کم نصیب نے میٹرک تک باقاعدہ پڑھ لیا۔ اور اب پرائیویٹ ایف اے کی تیاری کر رہا ہوں۔ ورنہ اسی طرح جاہل مطلق اور کم عقل رہتا۔ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا ایسے محل جیسے گھر میں اتنے جان نچھاور کرنے والے لوگوں کے درمیان رہنے بسنے کا اور اسکول میں پڑھنے کی عیاشی حاصل کرنے کا۔ بھائی جان اور نینی جی تو کالج میں ایڈمیشن کے لیے بھی بہت زور دیتے رہے ہیں مگر مجھے اس گھر کا نمک حلال بھی تو کرنا ہے۔ اپنی ذمے داریوں کا احساس ہے۔ پھر اتنے اچھے نمبر تھے بھی نہیں کہ کالج میں ایڈمیشن ملتا۔ اگر میٹرک میں اچھے گریڈ سے پاس ہوتا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ بھائی جان مجھے ایڈمیشن نہ دلاتے۔ زبردستی انہوں نے ایسا کر گزرنا تھا۔ جب ہی ایف اے کے کورس کی کتابیں لا دی ہیں کہ چلو ریگولر نہ سہی پرائیویٹ امتحان دے دو۔"

اپنے مالکوں کی مہربانی، محبت اور دریا دلی کا ذکر کرتے ہوئے ناظر کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے

لگے تھے۔ آواز بھرا گئی تھی۔

"اُرے یار! یہ کیا بات ہوئی۔" سفیان ناشتا چھوڑ کر اٹھا اور اسے کھینچ کر اپنے گلے سے لگا کر محبت سے بھینچا۔

"تم اس گھر کے ملازم نہیں ایک فرد کی سی حیثیت رکھتے ہو یہاں۔ بھائی جان اور نیمی کی تو بات ہی کیا ہے۔ خود میں تمہارے وجود کا اتنا عادی ہو گیا ہوں کہ تمہارے بغیر یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ جانتے ہو، دوستوں کی محفل چھوڑ کر میں جلد گھر آنے کے لیے کیوں بے چین رہتا ہوں؟ اس لیے کہ میرا یہاں بہت اچھا سا دوست، میرا بھائی، میرا راز دار اور میرا ہمدمِ دیرینہ میرا منتظر ہوتا ہے۔ جس کی کمپنی میں، میں ساری دُنیا کو فراموش کر بیٹھتا ہوں۔ بھائی جان اور نیمی تو اپنی مصروفیات کے باعث کم کم ملتے ہیں۔ ایک تم ہی تو اس گھر کی رونق ہو جس سے مل کر میں جی بھر کر انجوائے کرتا ہوں۔ اگر تمہیں میرا مذاق برا لگا تو پلیز معاف کر دو۔"

اتنی محبت، اتنی چاہت، اتنی اپنائیت ملی تھی برسوں سے تشنہ ناظر کو، کہ رواں رواں گھر والوں کی لازوال چاہتوں کا مقروض محسوس ہوتا تھا۔ بس نہیں چلتا تھا اپنی کھال کی جوتی بنا کر ان کو پیش کر دے۔ اس وقت بھی یہی احساس غالب تھا۔ اپنی زود رنجی پر وہ سخت نادم ہو گیا۔

"مجھے معاف کر دیجیے سفیان میاں۔" ناظر نے آنسو پونچھ کر سفیان کے ہاتھ ہاتھوں میں لے کر چوم لیے۔ لہجہ جوشِ جذبات سے مرتعش سا تھا۔

"بڑا کم ظرف اور تنگ دل ہوں۔ آپ کے محبت بھرے مذاق پر دل چھوڑ گیا۔"

"چلو یار! بہت ہو گئی ڈائیلاگ بازی۔ میرا خیال ہے ہم دونوں اپنی اپنی اصلیت پر آ آئیں۔ ویسے یہ بات ماننا پڑے گی کہ واقعی نہایت خردماغ اور کم عقل واقع ہوئے ہو۔ بجا کیا؟ کاش میں ریکارڈ کر لیتا۔"

سفیان دوبارہ کرسی پر ڈٹ گیا تھا۔

"ارے سنیے تو۔ یہ تو وہی گانا لگا ہوا ہے۔ 'آئندہ نہ دیکھوں' 'کل سنا تھا ہم نے۔'"

موتیے کا گجرا ٹیبل پر مصنوعی پھولوں کے گلدان پر سجاتے ہوئے ناظر ایک دم چونک گیا۔

"آواز ذرا اونچی کر کے آؤ۔ مجھے صحیح سنائی نہیں دے رہا۔" سفیان بھی متوجہ ہو گیا۔

"ڈانٹ پڑنے کی۔" ناظر نے خدشہ ظاہر کیا۔

"ارے نہیں۔ نیمی جی گھر پر نہیں ہیں اور بھائی جان کچھ نہیں کہتے۔ جانتے ہیں کہ ہم نشے کی حد تک ایف ایم کے متوالے ہیں۔"

سفیان نے لاپروائی سے کہا تو ناظر سر ہلاتے ہوئے ایک منٹ میں سامنے لاؤنج میں بجتے گانے کی آواز تیز کر آیا۔ سفیان گانے کے بولوں کے ساتھ ساتھ سر ہلا رہا تھا۔ دونوں نہایت باادب خاموشی سے اپنا پسندیدہ گانا سننے لگے تھے۔

"نیمی جی کب آئیں گی، سفیان میاں!؟"

گانا ختم ہوا تو ناظر نے نیمی کی کمی شدت سے محسوس کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"ویک اینڈ پہ ہی آئیں گی۔" سفیان نے اداسی سے جواب دیا۔

"انہیں بوجوہ کچھ عرصے کے لیے ہاسٹل وارڈن کی ڈیوٹی سنبھالنا ہے۔ جب تک کہ متبادل انتظام نہیں ہو جاتا۔ پرانی وارڈن کی اچانک فوتگی کے باعث عارضی طور پر نیمی کو یہ عہدہ دیا گیا ہے۔ دو چار ہفتوں میں یقیناً فائنل سلیکشن ہو جائے گا۔"

"ان کے بغیر گھر میں دل نہیں لگتا۔ ان کی پیاری پیاری باتیں، محبت بھری نصیحتیں اور دوستی پر مشتمل گفتگو۔ ان سا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ بھائی جان بالکل ان کا دوسرا روپ ہیں۔ انہی پر گئے ہیں۔"

ناظر کے لہجے سے احترام آمیز ستائش چھلک رہی تھی۔

"لیجیے۔ بھائی جان تشریف لے آئے ہیں ایکسرسائز کر کے۔"

کال بیل پر سفیان نے ناظر کو مطلع کیا۔ ناظر اس کے کہنے سے پہلے ہی دروازہ کھولنے کے لیے بھاگ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد ناظر کے ساتھ نیلے ٹریک سوٹ میں سبز آنکھوں والا دراز قامت نوجوان ڈائننگ روم میں داخل ہوا۔ اس کے کالے چمکدار لہریے دار بالوں کی جڑیں پسینے سے بھیگ رہی تھیں۔ سیاہ گھنی مونچھوں والا سرخ و سفید چہرا ابھی پسینے سے تر بتر تھا جسے وہ ناظر کے ہاتھ سے تولیہ لے کر خشک کر رہا تھا۔

"السلام علیکم بھائی جان۔"

بڑے بھائی کے انتظار میں ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھا سفیان احتراماً سیدھا ہو کر سلام جھاڑنے لگا۔

"وعلیکم السلام۔" ناشتے کی ٹیبل پر سفیان کے آگے رکھے پراٹھے، چائے اور آملیٹ پر ایک نظر ڈال کر اس نے اپنے مخصوص دھیمے، پُرتکلف اور سنجیدہ لب و لہجے کے ساتھ جواب دیا۔

"ناشتا شروع کر لینا تھا۔ میرے انتظار میں ٹھنڈا کیوں کر رہے ہو؟"

"آپ اکثر یہی سوال کر لیتے ہیں اور میں بھی عموماً یہی جواب دیتا ہوں اور دیتا رہوں گا کہ میں اکیلے کھانے پینے کا عادی نہیں ہوں۔ پھر یوں بھی ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ گھر میں موجود ہوں، آنے والے ہوں اور میں بغیر انتظار کیے کھانا شروع کر دوں۔"

سفیان نے بہت محبت سے بہت چاہ سے اپنے بڑے بھائی کو دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کی جھلک دکھائی دی۔

"اوکے۔ ایز یو وش۔ میں پانچ منٹ میں کپڑے تبدیل کر کے آ رہا ہوں۔"

اور واقعی پانچ چھ منٹ بعد وہ پوری طرح ڈریس اپ ہو کے سیڑھیوں سے نیچے اتر رہا تھا۔ پولیس کی وردی میں اس کا کسرتی جسم اور دراز قامتی مزید نمایاں ہو رہی تھی۔ چہرے کے رعب و وقار میں اضافہ ہو گیا تھا۔ پی کیپ سر پر سجائے وہ فرض شناسی، حب الوطنی اور فطانت و متانت کا نمونہ لگ رہا تھا۔ سینے پر نام کا بیج چمک رہا تھا۔

ایس پی مہران آفریدی۔

"کتنے شاندار اور چھا جانے والی شخصیت ہیں میرے بھائی جان۔ ماشاءاللہ!"

سفیان نے دل ہی دل میں بھائی کی نظر اتاری تھی۔ اُسے اپنے بھائی جان پر بہت فخر اور ناز تھا۔ یوں تو خوبروئی اور رنگ روپ میں وہ بھی کم نہیں تھا۔ مگر جو بات مہران میں تھی وہ اسی میں بھی نہیں تھی۔

"بھائی جان اتنے حسین ہیں کہ کبھی کبھی میرا دل چاہنے لگتا ہے ان پر عاشق ہو جاؤں۔ میں سوچتا ہوں صنفِ نازک کا کیا حال ہوتا ہوگا ان کو دیکھ کر۔" وہ اکثر ناظر سے تبادلۂ خیال کرتا رہتا تھا۔

"مگر اپنے صاحب کا دل تو جیسے بے آب و گیاہ وادی کی پتھریلی چٹان کی مانند ہے۔ اتنی خشک طبیعت رکھتے ہیں لڑکیوں کے معاملے میں کہ کبھی کبھی مجھے شک ہونے لگتا ہے۔ کہیں یہ ہارٹ لیس تو نہیں؟"

ناظر جی جان سے اس بحث میں شامل ہو جاتا تھا۔

"اونہہ۔ پاگل، ہارٹ ہولڈر تو وہ ہیں مگر ان کا دل اپنی محبوبہ اپنی گل زمین کے لیے دھڑکتا ہے۔ اسی کی محبت و حفاظت اور سلامتی کے لیے ہمہ دم مصروفِ عمل نظر آتے ہیں۔ اسی کے نام کی تسبیح پڑھتے ہیں۔"

"گل زمین!" ناظر کی حیرانی قابلِ دید ہوتی تھی۔

"یہ کون سی خاتون ہیں۔ میں نے تو آج تک نہیں دیکھا۔"

"اُوہ! ہونّاں اعلا درجے کے جاہل اور کم عقل۔ میٹرک تک جانے کیسے گھسیٹا ہے۔ کہنے کو ناظر ہو

مگر درحقیقت دیدۂ بینا اور چشمِ فراست سے بہرے سے محروم ہو۔ گل زمین ہم سب کا
ہے۔ ہماری سوہنی، ہماری ہستی، ہماری جان، ہماری سرزمین، ہمارا ملک پاکستان!"
"او اچھا اچھا۔ اب سمجھ گیا!" پھر وہ شرمندگی مٹانے کو سفیان کی توجہ بٹا دیتا۔ "وہ ایف ایم
ہے ناں وہ گانا۔ یہی ہماری ہستی ہے یہی ہماری سوہنی ہے۔"
"آؤ ناظر۔ تم بھی آجاؤ فٹافٹ۔"
مہران نے کرسی سنبھالتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں ناظر کو آواز دی۔ یہ ہمیشہ کا معمول تھا
کہ ہزار انکار اور جھجک کے باوجود ناشتے اور کھانے میں اسے ٹیبل پر ہمراہ بلایا اور بٹھایا جاتا
تھا۔ سفیان کے ساتھ تو خیر وہ بے تکلفی سے بیٹھ جاتا تھا۔ نینی کے اصرار پر بھی سہولت سے
تھا مگر مہران سے اسے بہت ڈر لگتا تھا۔ اس کے سامنے تو ویسے بھی اس کے ہاتھ پیر پھولنے
لگتے تھے۔ اوسان خطا ہو جاتے تھے اور بوکھلاہٹ سوار ہونے لگتی تھی۔ پھر ٹیبل پر سامنے بیٹھ کر
کھانے کا عمل تو نہایت دشوار اور بدحواسی طاری کر دینے والا ہوتا تھا۔ حالانکہ مہران کسی
پر معترض نہیں ہوتا تھا۔ نہ کبھی سختی یا درشتی سے بات کی تھی۔ بس یہ تھا کہ اس کا رعب بہت
ناظر تو ناظر سفیان بھی اتنا نینی سے نہیں دبتا تھا جتنا بڑے بھائی سے خائف رہتا تھا۔ پیار
تھا مگر ایک لحاظ، ایک احترام آمیز جھجک درمیان میں حائل رہتی تھی۔
شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ مہران بہت ریزرو اور کم گو تھا۔ وہ جلد بے تکلف نہیں ہوتا تھا
شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو بہت کم کسی پر کھلتے ہیں۔
جبکہ سفیان طبیعت میں مہران کے بالکل اُلٹ تھا۔ بہت جلدی گھل مل جانے والا، ہر وقت
مسکراتا، شوخ طبع، قدرے لاابالی اور سیر و تفریح کا دلدادہ۔ بقول نینی کے اس کی ہڈی کو [illegible]
نہیں تھا۔
بہرحال کچھ خصوصیات دونوں بھائیوں میں مشترکہ طور پر موجود تھیں۔ صاف دلی، صاف [illegible]
انسانیت کی اعلا اقدار کا پاس اور حب الوطنی کا لازوال جذبہ، جو انہیں اپنے والد سے ورثے میں
ملا تھا۔ اور اسی جذبے نے ان کی زندگی میں مقصدیت اور سچائی کے دلکش رنگوں کی آمیزش
کر دی تھی۔

ع اے جواں۔ اے جواں۔ جیت تیرا نشاں۔ منزل ہے آسماں۔

ایف ایم پر نوجوان نسل کا پسندیدہ ٹریک چل رہا تھا۔ آواز ہوا کے دوش پر لہراتی
ڈائننگ روم تک آرہی تھی۔

ع آہا۔ ہا۔ بلے بھئی بلے۔ ٹیں ریساں تیریاں۔ جیو بھائی جی جیو۔

انہماک سے اخبار پڑھتا سفیان ایک دم ہی ترنگ میں آکر اچھلتے ہوئے جوش کا مظاہرہ
کرنے لگا۔
"کیا ہوگیا؟" ناشتے میں مصروف مہران کو اس کی مسرت بھری چیخوں پر دھیان دینا پڑا۔
"بھائی جان! پاکستان کے ایک زرعی سائنس دان ڈاکٹر ظفر الطاف نے سورج کی روشنی سے
چلنے والا واٹر پمپ ایجاد کر لیا ہے۔ شمسی توانائی سے چلنے والے اس ٹیوب ویل پر
روپے کا خرچ بھی نہیں آتا اور اگر دو دن سورج کی روشنی نہ پڑے تب بھی کام کر سکتا ہے۔
تصور کیجیے اس سے زمینداروں کو کتنا فائدہ ہو جائے گا۔"
سفیان کا لہجہ خوشی سے چھلکنے کو تھا۔ "عنقریب یہ سولر پمپ گھریلو اور صنعتی استعمال کے لیے
بھی صارفین میں متعارف کروایا جائے گا۔"
"ادھر دکھاؤ خبر!" وطن کی ترقی و خوشحالی سے متعلق خبر سن کر مہران کی روح تک سرشار ہو
جاتی تھی۔ "یہ تو واقعی بہت اچھی خبر ہے۔ اگر پاکستان زراعت کے میدان میں خود کفالت
کرلے تو صنعتی و معاشی ترقی کا عمل خود بخود شروع ہو جائے گا۔ تم نے بھی اسی طرح زراعت

میدان میں اپنے علم و ہنر کے جوہر دکھانا ہیں۔ میں اسی مقصد کے تحت تمہیں اس فیلڈ میں لایا ہوں۔"
سفیان — زرعی یونیورسٹی میں بی ایس سی آنرز کا طالب علم تھا۔
"انشاء اللہ۔ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا بھائی جان!" وہ سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔
اسی لمحے فون کی بیل ہوئی۔ ناظر نے کارڈلیس اٹھا کر مہران کے حوالے کیا۔ ناظر برتن سمیٹنے
لگا تھا اور سفیان اپنی کتابیں اور فائل لینے اوپر چلا گیا۔ کلاسز کا ٹائم ہونے والا تھا۔ اسے یونیورسٹی
پہنچنا تھا۔ آج اسے مہران کے ساتھ جیپ میں جانا تھا۔
ویسے تو گھر میں ذاتی ایف ایکس کار موجود تھی۔ جو زیادہ تر سفیان کے زیرِ استعمال ہی رہتی تھی
کیونکہ مہران کو محکمے کی جانب سے جیپ ملی ہوئی تھی۔ مگر کل سے سفید ایف ایکس سروس کے لیے
گئی ہوئی تھی۔ اسی لیے آج مہران نے اسے یونیورسٹی ڈراپ کرنا تھا۔
کتابیں لے کر سفیان نیچے آیا تو مہران کو بہ عجلت اپنا بریف کیس اٹھا کر بیرونی دروازے کی
طرف بڑھتے پایا۔ اس کے چہرے پر تشویش آمیز سنجیدگی کی جھلک تھی۔
"بھائی جان خیریت ہے؟"
"دارالحکومت میں ایک اہم سیاسی شخصیت کا قتل ہوگیا ہے۔ مسٹر اے جی درانی۔ ابھی ابھی
اطلاع ملی ہے۔" وہ تیز قدموں سے باہر نکل رہا تھا۔
"معاملہ بہت سنگین ہے۔ اس کیس کو مجھے خود ہینڈل کرنا ہوگا۔ میں فوری طور پر جائے وقوعہ
پر پہنچنا چاہ رہا ہوں۔ آئی ایم سوری تمہیں ڈراپ نہیں کرسکوں گا۔ ایسا کرو، پوائنٹ سے چلے جاؤ
اور واپسی پر ایف مین مرکز میں آٹو ورکشاپ پر ہوتے ہوئے کار کا پتا کرنا۔ شام تک ٹھیک
ہو جائے گی۔ میں رات لیٹ آؤں گا تم گاڑی ورکشاپ سے لاکر نینی کو ہوسٹل سے پک کر لینا۔
آج ویک اینڈ ہے۔ اور ناظر فیکس اور فون کے میسج کا دھیان رکھنا۔ اوکے!"
مہران برق رفتاری سے ہدایات دے کر باہر نکل گیا تھا۔
"معاملہ کچھ زیادہ ہی سیریس لگتا ہے۔" سفیان نے ناظر کو تائید طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے
"ہاں۔ اللہ ہی خیر کرے۔" ناظر بھی پریشان نظر آرہا تھا۔ سفیان اسے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔

◆◆◆

"آپ کو مسز محمود نے بلایا ہے جی۔" وہ جنرل اسٹاف روم میں اردو کی مسز طلعت کی مزاج
پرسی کرکے اٹھنے والی تھی۔ جب آیا اماں نے سائیکالوجی کی سینئر لیکچرر کا پیغام دیا۔
"کہاں ہیں وہ؟"
"وہ جی اپنے ڈیپارٹمنٹ کے اسٹاف روم میں ہیں۔ آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"
وہ سیڑھیاں طے کر کے سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ میں آئی تو مسز محمود کو تنہا پایا۔ ایک بجنے
کو تھا۔ زیادہ تر ٹیچرز جا چکی تھیں۔
"کیا حال ہیں مسز محمود؟" وہ رسمی حال چال دریافت کرنے کے بعد ان کے پاس بیٹھ گئی۔
"بالکل ٹھیک ہوں۔ ارشین بیٹے آپ سنائیے۔" مسز محمود نے مشفقانہ نظروں سے اسے
دیکھا اور نرمی سے گویا ہوئیں۔
مسز محمود اور ارشین کی عمروں میں نمایاں فرق تھا اس لیے مسز محمود کے لب و لہجے میں روایتی
پیشہ ورانہ مروت کے بجائے ممتا کے مہربان رنگ جھلکتے تھے۔ وہ پینتالیس کے پیٹے میں تھیں
مگر ان کی صحت قابل رشک تھی۔ ان میں بہت اسٹیمنا تھا۔ کالج کی انتظامیہ کمیٹی کی ایکٹو ممبر تھیں
اور پرنسپل ان پر بہت بھروسا کرتی تھیں۔
وہ ان لوگوں میں سے تھیں جو کبھی کسی کا برا نہیں سوچ سکتے۔ عرفِ عام میں ایسے لوگوں کو

بے ضرر اور معصوم مزاج کہا جاتا ہے۔
لہجہ میٹھا اور مشفقانہ تھا۔ غصہ تو کبھی آتا ہی نہیں تھا۔ دوسروں کی برائیاں کرنے کے ہنر سے قطعی ناواقف تھیں۔ وہ ہمیشہ اجتماعی مفاد کے لیے سوچتی تھیں۔ وہ شاید کالج کی واحد ٹیچر تھیں جن سے کسی کو کوئی شکایت نہیں تھی۔ ان سے کوئی دشمنی رکھ ہی نہیں سکتا تھا۔

وہ اپنے منہ سے کہتی تھیں کہ میں اڑتالیس برس کی ہو چکی ہوں مگر کوئی یقین نہیں کرتا تھا۔ ان کی جلد کی ملائمت، سرخی اور تازگی جوں کی توں برقرار تھی۔ شاید اس کی وجہ ان کی خوش مزاج، شیریں اور معصومانہ فطرت تھی۔ وہ ہر وقت خوش، پُرامید اور دوسروں کی مدد کے لیے آمادہ رہتی تھیں۔ کبھی حسد نہیں کیا، دشمنی نہیں پالی۔ جیلس نہیں ہوئیں۔ اسی لیے وہ آج بھی جوان اور فریش تھیں۔ ارشین ان کا بہت احترام کرتی تھی۔ ان کے ڈیپارٹمنٹ کی نہ ہونے کے باوجود وہ اکثر فارغ پیریڈ میں سائیکالوجی کے اسٹاف روم میں مسز محمود کے پاس پائی جاتی تھی۔

ان کی گفتگو میں ذات کا حوالہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ شخصیت پر نہیں نظریات اور عوام کے حوالے سے گفتگو کرتی تھیں۔ کوئی ان کی کمپنی میں بور نہیں ہو سکتا تھا۔

"آپ نے مجھ سے گاڑی خریدنے کا تذکرہ کیا تھا ایک بار۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ فرمائیے۔ میں کب چلوں گاڑی دیکھنے؟"

"آج شام ہی چلتے ہیں۔"

"شام کو۔" وہ سوچ میں پڑ گئی۔ بی بی جان کالج سے واپس آنے کے بعد دوبارہ باہر نکلنے پر ناراضگی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔

"چلیں کل صبح چلے جائیں گے۔ میں بارہ سے ایک بجے تک فری ہوتی ہوں۔"

اس کا تذبذب دیکھ کر مسز محمود نے سہولت سے کہا۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔ میرا بھی کل یہ والا پیریڈ فری ہوگا۔" وہ مطمئن ہو گئی۔

گاڑی دیکھنے کے بعد تھوڑی بہت جانچ پڑتال اور سودے بازی کرنے کے تین دن بعد بالآخر دادا کے مشورے سے اس نے رقم دے دی۔

پچھلے سال اس نے یونہی شوق میں شاہین ڈرائیونگ اسکول سے ڈرائیونگ سیکھ لی تھی۔ اس لیے چلانے کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کچھ عرصے بعد امبرین اور عدنان کو بھی چلانا سکھا دے گی تا کہ ایمرجنسی میں ضرورت پڑے تو ارشین کی غیر موجودگی میں مسئلہ نہ ہو۔ بخاری صاحب آنکھوں کے باعث ڈرائیو نہیں کر سکتے تھے۔

گاڑی آنے پر یوں تو سب کو خوشی ہوئی تھی مگر خاص طور پر دادا، ثمرین اور شاہین بہت جوش و خروش کا اظہار کر رہے تھے۔ پورچ میں کھڑی گاڑی کے گرد سب جمع تھے اور اس کے مختلف حصوں کو چھو کر اطمینان، سرشاری اور مسرت کے عالم میں تبصرے ہو رہے تھے۔

"بھئی میں تو فرنٹ سیٹ پر اپنے ٹیسر کے ساتھ بیٹھوں گا۔" دادا کا چہرا خوشی سے چمک رہا تھا۔

"اور میں عین آپی کے پیچھے والی سیٹ پر۔" ثمرین نے اچھلتے ہوئے اپنی خواہش ظاہر کی۔ ان کی معصومانہ مسرتوں پر فرحت سے مسکرا رہی تھی۔ ایک عجیب سا سکون اور سرشاری محسوس ہو رہی تھی۔

"اور میں تمہارے ساتھ۔" شاہین نے بھی کھلکھلا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

"میں تو کچھ عرصے میں ڈرائیونگ سیکھ کر خود چلایا کروں گا۔" گیند ہوا میں اچھالتے ہوئے عدنان نے شاہانہ انداز میں کہا۔

"تمہاری دادی کے لیے تو کوئی جگہ ہی نہیں بچی۔ چلو ایسا کریں گے ان کے لیے ڈگی خالی کر دیں گے۔ سیٹ پر تو یوں بھی پوری نہیں آئیں گی۔"

دادا نے بڑی سادگی سے دادی کا فربہی مائل وجود دیکھ کر نشانہ لیا تھا۔ دادی تلملا کر رہ گئیں۔
"ہاں اور تم خود بونٹ پہ چڑھ کے بیٹھنا، تاکہ سب کو نظر آؤ۔ اچھا تماشا رہے گا لوگوں کے لیے۔"
انہوں نے فٹ سے جوابی وار کیا۔
بی بی جان کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔ البتہ دو چار مرتبہ ناک چڑھا کر گاڑی کی دیدہ و نادیدہ خامیاں ضرور گنوائی تھیں۔
ارشین کو سب سے زیادہ امبرین کی سرد خاموشی چبھ رہی تھی۔ وہ بالکل چپ تھی۔ ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ سرسری سے انداز میں گاڑی دیکھ کر اوپر چلی گئی تھی۔
"ہونہہ۔ اب تو مزید سر پر چڑھ جائیں گی سب گھر والوں کے۔" امبرین کمرے میں بند ہو کر جل کڑھ رہی تھی۔ دادا کے لاڈ پیار، تعریفیں، دادی کی حمایتیں اور بچوں کا جوش و خروش۔ اُسے یہ سب کچھ بہت بُرا لگ رہا تھا۔
"سب ہی اس لاڈلی کے گرد ہیں۔ کسی کو میرا خیال نہیں۔"

◆◆◆

"آؤ امبرین۔ تمہیں تمہارے کالج ڈراپ کر دوں۔"
صبح ناشتے پر ارشین بہت نرم انداز میں امبرین سے مخاطب ہوئی تھی۔
"نہیں شکریہ۔" امبرین ناک چڑھا کر بولی۔ "میں کالج بس پر چلی جاؤں گی۔ دو سال سے اسی پر جا رہی ہوں۔ آج کیا خاص بات ہو گئی ہے۔"
وہ ٹشو پیپر مروڑتی ہوئی ٹیبل سے اٹھ گئی۔
وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کا اس درجہ تلخ اور سرد لہجہ ارشین کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اسے دلی تکلیف ہوئی۔
"آپی! آج ہم سیر کے لیے جائیں گے ناں؟" ثمرین اسکول جانے کی تیاری کرتے ہوئے ارشین سے تصدیق کروا رہی تھی۔
"آپ نے کل کہا تھا آج کار پر باہر جائیں گے۔"
"ہاں ضرور۔" ارشین نے پیار سے اس کے گال تھپتھپائے۔ اسے خود پر قابو پانے کا ہنر آتا تھا۔
"شام کو سب سیر کے لیے جائیں گے۔"
"آپی! میں چاکلیٹ اور آئس کریم بھی کھاؤں گی۔"
ثمر نے لاڈ سے فرمائش کی تھی۔ وہ ارشین کے بازو سے جھول گئی تھی۔
"چلو، ادھر آ کر ناشتا کر لو پہلے۔ سیریں کرتی رہنا بعد میں۔"
بی بی جان نے بیزاری سے ثمر کا ہاتھ کھینچ کر لنچ بکس تھمایا تھا۔
ارشین کو بی بی جان کا بُرا رویہ بہت محسوس ہوا مگر وہ چپ رہی۔ یہ تو روز کا معمول تھا۔
ڈرائیونگ اسکول سے سیکھی گئی ڈرائیونگ اس کے کام آ رہی تھی۔ کل گاڑی گھر میں آئی تھی اور آج وہ مہارت سے چلا رہی تھی۔
بی بی جان کی ہزار ہدایتوں کے بعد وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ ایک عجیب سی سرخوشی اور نیا نیا تفاخر آمیز احساس ہو رہا تھا۔
ریڈ آلٹو جیسے سڑک پر تیرتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔
سیریڈز لے کر وہ اپنے مخصوص وقت پر پارکنگ لاٹ میں آئی۔ گاڑی بیک کرتے ہوئے نکال کر سڑک پر لے آئی۔
وہ اپنی دھن میں مگن ڈرائیو کر رہی تھی جب اچانک ایک سگنل پر پولیس کانسٹیبل کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے پایا۔

"آئی بی ڈی ۲۰۲۸ - او میڈم جی ذرا تھلے تشریف لاؤ۔ گاڑی کے کاغذات چیک کراؤ جی"
پولیس مین بغور گاڑی کا نمبر پڑھتا ہوا اسے نیچے اترنے کا اشارا کر رہا تھا۔
"کیا بات ہے؟" وہ اندر سے پریشان تو ہوئی تاہم اعتماد کا مظاہرہ کرتے ہوئے سکون سے گاڑی بند کر کے باہر نکل آئی۔ گاڑی کے کاغذات پرس سے نکالنے کے بعد پولیس والے کے ہاتھ میں تھما دیے جنہیں وہ گہری نظر سے جانچنے لگا۔
دوسرا پولیس والا ارشین کے پاس یوں چوکس ہو کر کھڑا ہو گیا تھا جیسے اس کے بھاگ جانے کا خدشہ ہو۔
"اوہو۔ ہو۔ اس کا مطلب ہے صحیح اطلاع ملی تھی۔"
کاغذات پر نظر جمائے کھڑے پولیس والے نے جیسے وہ مارا کے سے انداز میں اچھل کر کہا تھا۔
"کیا مطلب؟" وہ الجھے ہوئے پریشان کن انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"کہنے کا مطلب یہ ہے بی بی۔" پولیس والے نے سر سے کھسکتی ٹوپی اچھی طرح جمانے کے بعد تمسخر کا مظاہرہ کیا۔
"کہ آپ کی یہ گڈی دارالحکومت کی ایک بہت اہم شخصیت کے قتل میں استعمال کی گئی ہے۔ اور تو چار دن سے ٹریس کیا جا رہا ہے۔"
"کیا؟" ارشین کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔
"مم۔ میں نے ابھی کل سودا کیا ہے اس گاڑی کا۔ بلیومی۔" وہ چکرا کر رہ گئی تھی۔
"یہ تو تھانے جا کر ہی پتا چلے گا بی بی۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔"
پولیس والے اپنی کامیابی پر بہت شادماں نظر آ رہے تھے۔
"مم۔ میں تھانے جاؤں گی؟" وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ٹکر ٹکر انہیں دیکھ رہی تھی۔ جو فتح مندانہ انداز میں مونچھیں مروڑ رہے تھے۔
"تو اور کیا۔ آپ کی گاڑی قتل کے بہت اہم کیس میں ملوث پائی گئی ہے۔"
"اوہ مائی گاڈ۔" اس کے ہوش اڑ گئے۔
"دیکھیے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں یہ گاڑی چوری کی نہیں ہے۔ میری ذاتی گاڑی ہے۔ ابھی سیکنڈ ہینڈ خریدی گئی ہے۔" اس کے چھکے چھوٹنے لگے تھے۔
"یہ بیان تھانے جا کر سر کے سامنے دینا جی۔ وڈے سر خود اس قتل کی تفتیش کر رہے ہیں۔ ان کو صفائی پیش کر دینا۔ ہمارا جو کام تھا ہم نے مکمل کر لیا ہے۔ چلو نیاز محمد۔ بی بی سے گاڑی کی چابی لے کر انہیں پولیس کی گاڑی میں بٹھاؤ۔ اور ان کی گاڑی چلا کر تھانے لے جاؤ۔"

○ ○ ○

اسے تھانے میں بیٹھے دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ پریشانی کے مارے اس کا برا حال تھا۔ تھانے والوں کے صاحب ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔ اسی لیے اسے انتظار میں بٹھایا ہوا تھا۔
ارشین کو شدید قسم کی وحشت ہو رہی تھی۔ اس نے متوحش ہو کر ٹائم دیکھا۔ ساڑھے چار ہو رہے تھے اور وہ زیادہ سے زیادہ تین بجے گھر پہنچ جاتی تھی۔
"یا خدا۔ بی بی جان اور دادی تو پریشانی سے نڈھال ہو رہی ہوں گی۔" اسے جھٹکا سا لگا تھا۔
"بات سنیے۔ مجھے گھر میں کال کرنے کی اجازت ہے؟" وہ اضطراری کیفیت میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
"ناں جی ناں۔ جب تک وڈے سر سے بات نہیں ہو جاتی۔ آپ کو یہیں پر اسی طرح چپ کر کے بیٹھنا ہو گا۔"
نیاز محمد نے مونچھیں مروڑتے ہوئے انکار میں سر ہلایا۔ وہ بے بسی سے پیر پٹخ کر رہ گئی۔

"وڈے سر آ گئے ہیں۔" معاً ایک سپاہی پھولے سانسوں سے کسی اندرونی کمرے سے برآمد ہوا تھا۔
نیاز محمد اپنے ساتھی کے ساتھ فوراً الرٹ ہو کر کھڑا ہو گیا۔
"ان کو لے چلو ادھر کمرے میں۔" سپاہی ارشین کو اٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے نیاز محمد کی معیت میں اندر کمرے میں لے گیا۔
"اوسر جی! یہ ہیں جی مجرم۔ نہیں مجرمہ زنانی کیس کی۔ ان کی گاڑی قتل کے کیس میں استعمال کی گئی ہے۔" ٹھاکھٹ سیلیوٹ مارنے کے بعد نیاز محمد نے جوش کے سے عالم میں اس کا تعارف کرایا تھا۔
شیشے کی ٹیبل کے مقابل کرسی پر بیٹھا نوجوان مرد فائل پر کچھ لکھتا ہوا سیدھا ہوا تھا۔ اس کی سبز سمندر نما آنکھیں اس کی سرخ و سفید رنگت پر بہت نمایاں ہو رہی تھیں۔ آنکھوں میں ذہانت کے ساتھ ساتھ ایک رعب دار سا ٹھہراؤ اور متاثر کرنے والی چمک نمایاں تھی۔ سیاہ گھنی مونچھوں نے اس کے چہرے اور آنکھوں کے رنگ کو مزید نکھار بخش دیا تھا۔
ارشین کو دل ہی دل میں حیرانی ہوئی۔
پولیس ڈیپارٹمنٹ میں بھی خوبصورت مرد ہوا کرتے ہیں کیا؟ اتنے سارے کرخت چہروں اور عامیانہ سوچ والے مردوں کے درمیان اس کا متین و ذہین اور سنجیدہ چہرا دیکھ کر اسے قدرے تسلی ہوئی کہ وہ انسانوں کے بیچ ہی بیٹھی ہے۔
"کیا مسئلہ ہے؟" پولیس آفیسر نے بھنویں اچکا کر کمرے میں داخل ہونے والے تمام افراد کی جانب دیکھا پھر اس کی نگاہیں اس نووارد لڑکی پر تھم گئیں۔
وہ سیاہ کاٹن کے سوٹ میں سیاہ بڑا سا دوپٹہ سر پر اس طرح لپیٹے ہوئے تھی کہ تقریباً سارے بال چھپ گئے تھے۔ اس کی رنگت سنہری تھی۔ اور آنکھیں ایک دم کالی رات جیسی تھیں۔ چہرے بشرے سے پڑھی لکھی مہذب و معزز خاتون دکھائی دیتی تھی۔
"تشریف رکھیے بی بی۔ اور نیاز! گاڑی کے کاغذات دکھاؤ مجھے۔" اس کا پرتکلف اور بے نیاز سا لہجہ اگلے بندے کو فاصلہ رکھ کر بات کرنے کا اشارا دیتا تھا۔ وہ ہچکچاتے ہوئے بیٹھ گئی۔
"یس سر۔" نیاز محمد نے نیاز مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جھٹ کاغذات پیش کر دیے تھے۔
"کیا کرتی ہیں آپ؟" نام تو وہ کاغذات سے پڑھ ہی چکا تھا۔
"جی میں کالج میں لیکچرر ہوں۔ آفیسر براہ کرم مجھے جلد فارغ کر دیجیے۔ میرے گھر والے بری طرح سے پریشان ہوں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں مجرم نہیں ہوں۔ یہ گاڑی کل میری ملکیت میں آئی ہے جبکہ آپ لوگوں کے بیان کے مطابق قتل کو پانچ روز بیت چکے ہیں۔"
"قتل آپ نے نہ کیا ہو مگر یہ تو ممکن ہے کہ قاتل نے اپنا کام مکمل کرنے کے بعد آپ کے ہاتھ گاڑی بیچ دی ہو۔ آپ نہ سہی اس گاڑی کا پرانا مالک تو مجرم ثابت ہو سکتا ہے۔ تفتیش اسی طرح آگے بڑھتی ہے۔" وہ سابقہ بے تاثر اور خوفناک حد تک سنجیدہ لہجے میں کہہ کر دوبارہ کاغذات کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر ایک دم ٹھٹک سا گیا۔ ماتھے پر تیوریاں پڑ گئیں۔
"نیاز محمد!" کچھ دیر بعد آفیسر کی سرسراتی ہوئی تحکمانہ آواز ابھری۔ جس میں ناگواری عیاں تھی۔ "جو نمبر میں نے تمہیں لکھ کر دیا ہے وہ ذرا دہراؤ اور کاغذ نکال کر مجھے دکھاؤ۔"
"جی سر!" نیاز محمد نے پھرتی سے اوپر کی جیب سے چھوٹی سی تڑی مڑی سفید چٹ نکالی۔
"سر! یہ ہے آئی بی ڈی 2028۔ یہ لیں جی۔"
"اسٹوپڈ۔ دوبارہ غور سے دیکھو۔ میں نے 2026 لکھا ہے۔ اور ان کی گاڑی کے نمبر کا آخری ہندسہ 8 ہے۔" آفیسر نے بری طرح جھلاتے ہوئے اپنے ماتحت کو دیکھا تھا۔ 6 جلدی میں اس طرح لکھا گیا تھا کہ وہ 8 کا تاثر دے رہا تھا۔

"سس۔ سر! دو میں سمجھا۔ 2028 لکھا ہوا ہے۔" وہ ہکلانے لگا۔ غلطی کا اندازہ ہونے پر نیاز
اس کے ساتھی کے چہرے فق ہو گئے تھے۔
"نان سنس۔" آفیسر سخت نظروں سے انہیں گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ پھر ارشین کی طرف متوجہ ہو کر
"مجھے افسوس ہے بی بی۔ آپ کو اتنی تکلیف اٹھانا پڑی۔ نمبروں کی مماثلت کی بنا پر غلط فہمی ہو گئی
ہمیں 2028 نہیں 2026 نمبر پلیٹ والی گاڑی ٹریس کرنا ہے۔ نیاز محمد اپنے ساتھ فتح یار کو لے کر
بی بی کی گاڑی کے پیچھے پیچھے جاؤ اور حفاظت سے انہیں گھر چھوڑ آؤ۔ دوبارہ معذرت خواہ ہوں بی بی
آفیسر اپنی کیپ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ ارشین کی جان میں جان آئی۔ کتنا بڑا بوجھ سر سے
"بی بی جی! معاف کر دو بھو جی۔ پتا ہی نہیں چلا۔" سر سے طبیعت صاف کروا کر نیاز محمد خاصا
گیا تھا۔

ارشین کا دھیان گھر کی جانب تھا۔
"مجھے فون پر گھر اطلاع کرنی ہے۔ براہ کرم اگر۔"
"او جی ضرور کرو۔ یہ لو۔" نیاز محمد نے فوراً بات مکمل ہونے سے پہلے ہی فون اس کی طرف
"اُفوہ! حد ہوتی ہے لاپروائی کی آپی! کہاں سے بول رہی ہیں آپ۔ یہاں سب فکر سے
ہوتے جا رہے ہیں۔" فون اٹھاتے ہی دوسری طرف سے حد سے سوا پریشان ناگوار اور جھلائی ہوئی
کان پڑی تھی۔
"میں تھانے سے بات کر رہی ہوں۔ گاڑی کو مشکوک سمجھ کر پولیس تھانے لے آئی تھی۔ مگر
اب معاملہ نمٹ گیا ہے۔ میں دس منٹ میں گھر آ رہی ہوں۔ بھی بتانا تھا۔"
مختصر ترین الفاظ میں بات کہہ کر اس نے فون رکھ دیا تھا۔ گھر پہنچی تو جیسے ایک طوفان منتظر
اور دادی تو بہرحال فون کال کے بعد مطمئن ہو گئے تھے مگر بی بی جان کا پارہ نیچے نہیں آ رہا تھا۔ ارشین
دے دے کر زچ ہو گئی۔
"میں نے کہا بھی تھا، اتنا پیسہ برباد مت کرو۔ کیا ضرورت ہے گاڑی کی عیاشی کی۔ مگر نہیں۔ جب
میں پیسہ آ جائے تو اولاد کہاں سنتی ہے ماں باپ کی۔ جانے کس سے سودا کیا۔ اگر سچ مچ چوری کی
قتل کیس میں ملوث ہوتی تو کیا بنتا۔ خاندان کی عزت راکھ کا ڈھیر بن جاتی۔ ہر جگہ تھو تھو ہوتی۔
دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ بھلا شریفوں نے کبھی تھانے کچہری کے دروازے دیکھے ہیں۔"
"بی بی جان پلیز۔ آپ معاملے کو غلط اینگل سے دیکھ رہی ہیں۔" ارشین عاجزی سے انہیں سمجھا
"محض غلط فہمی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، اب ہونی کو تو کوئی نہیں ٹال سکتا ناں۔"
"پھر بھی احتیاط لازم ہے۔ مگر تم کیوں ہماری سنو گی۔ خود مختار ہو، مرضی کی مالک ہو۔ اپنے شوق
اور جتنا مرضی اڑاؤ۔ کون پوچھنے والا ہے۔" ان کی بڑبڑاہٹ اور بیزار کن تاثرات ارشین کے
شگاف ڈال رہے تھے۔ مگر وہ ضبط کیے کھڑی تھی۔
"اب بس بھی کرو صباحت! بہت ہو گئی۔ بچی کا اس میں کیا قصور تھا۔" بالآخر دادا نے اس کی
کا علم بلند کیا۔ تب وہ کچھ ٹھنڈی پڑیں۔
بین پیچھے سے آنکھیں گیٹ پر لگی ہوئی تھیں۔ پریشانی کے مارے کھانا پینا بھولا ہوا تھا۔ سانسیں
گی تھیں۔ اور ادھر مہارانی تھانے کی سیریں کرتی پھر رہی تھیں۔ کیسے کیسے وہم نہیں آ رہے تھے مجھے
والدین کی پریشانی کا احساس کس کو ہے۔ ہونہہ۔" وہ بک جھک کر اندر چلی گئیں۔

◆◆◆

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی اس کی بے قرار نظروں نے اسے ادھر اُدھر کھوجا تھا۔ وہ دو ماہ بعد اسلام آ

واپس لوٹا تھا۔ چونکہ کراچی میں پوسٹنگ تھی۔ روز روز آنا بھی تو مسئلہ بن جاتا تھا۔ عنقریب اس کی راولپنڈی
میں پوسٹنگ ہونے والی تھی۔ امی ابو سے مل کر وہ سیدھا بخاری لاج ہی آیا تھا۔
"کیا بات ہے خالہ۔ گھر میں بڑا سناٹا چھایا ہوا ہے۔ دادی دادا لوگ کدھر ہیں اور بچے وغیرہ۔"
صباحت سے مل کر وہ اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔
"اتفاق سے اس وقت سارے ادھر اُدھر ہو گئے ہیں۔ تم بیٹھو۔" انہوں نے شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے
صوفے کی طرف اشارہ کیا تھا۔
"دادا تو گوٹھ گئے ہوئے ہیں۔ زمینوں کے جھگڑوں کے سلسلے میں۔ دادی سو رہی ہیں۔ ثمرین بھی ان کے
ساتھ پڑ کر سو گئی ہے۔ شاہین اسکول گئی ہے۔ عدنان حسب معمول گشت پہ نکلا ہوا ہے باہر۔ ارشین ابھی کالج
سے نہیں لوٹی۔ البتہ امبرین اوپر کمرے میں اپنا لان کا سوٹ سی رہی ہے۔ میں بلاتی ہوں اسے۔ تمہیں
پیاس لگ رہی ہو گی۔ ابھی اسے اسکوائش بنانے کا کہتی ہوں۔"
صباحت خلاف عادت تفصیل سے نرم لہجے میں بتا رہی تھیں۔
وہ سوچ کر رہ گیا۔ کیا کہتا کہ حلق کو پیاس نہیں لگی۔ دل کو دید کی پیاس کھینچ لائی ہے یہاں۔
اس نے لاؤنج میں لگے کلاک پر نظر ڈالی۔ ڈھائی بجے کا ٹائم تھا۔ اس کے واپس لوٹنے میں ابھی آدھا
گھنٹہ باقی تھا۔
اپنی محبوب ہستی کا انتظار جہاں بہت کیف پرور ہوتا ہے۔ وہاں جانگسل بھی ہوتا ہے۔ بے قراری،
بے چینی اور ہر آہٹ پر چونک پڑنے کی ادا چھپانے نہیں چھپتی۔
"ارے۔ سعدی بھائی آپ۔"
امبرین ماں کے بلاوے پر سست قدموں سے نیچے آئی تو اسے لاؤنج میں بیٹھے دیکھ کر حیرت و
مسرت سے گنگ سی رہ گئی تھی۔
"کیا حال ہیں امبرین بی بی۔"
وہ بشاشت سے پوچھ رہا تھا اور امبرین کی نگاہیں اس کے چہرے پر یوں جم گئی تھیں جیسے وہ مقناطیس
ہو۔ کتنی ہی دیر تک اسے یقین نہیں آیا کہ وہی سراپا سامنے ہے جس کا تصور اسے پہروں جگاتا رہتا ہے۔
"ٹھیک ہوں۔" بہت آہستگی سے جواب دے کر وہ سمٹ کر اس کے سامنے سے گزر گئی تھی۔ اسکوائش
بنا کر لائی تو صباحت فون کی گھنٹی پر اندر جا چکی تھیں۔
"اور بھئی، کیا ہو رہا ہے آج کل۔"
وہ گلاس تھام کر خوشدلی سے دریافت کر رہا تھا۔
"ایف اے کے پیپرز دیے ہیں ابھی۔ آج کل فارغ ہوں۔ آپ اب کی بار بہت دیر بعد آئے ہیں
کراچی سے۔"
وہ دل کی بات زبان پر لے ہی آئی تھی۔ یہی انتظار تو تھا جس نے اسے اس قدر جھلاہٹ کا شکار بنا
رکھا تھا۔
"فکر نہیں کرو۔ اب اتنا آیا کروں گا کہ بے زار ہو جاؤ گی۔ عنقریب میری راولپنڈی پوسٹنگ ہو رہی ہے۔"
سعد نے ہنس کر اسے دیکھا۔
"اللہ نہ کرے جو ہم آپ سے بے زار ہوں۔ ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔"
اس کے لہجے میں اس قدر یقین تھا کہ سعد چونک کر اس کا چہرا دیکھنے لگا تھا۔ وہ اس کی ٹرانسفر کی خوشخبری
سن کر مسرت سے گلنار ہو گئی تھی۔
سعد کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ امبرین کے انداز میں ایک نیا پن محسوس ہوا تھا۔ رکا جھجکا شرمایا ہوا
کھلا کھلا انداز اور چہرے کی انوکھی چمک۔ یہ سب کوئی اور ہی داستان سنا رہے تھے۔ جوانی کی منزل
میں قدم رکھنے والی اس دوشیزہ کی نظر کے رنگ بتا رہے تھے کہ وہ البیلی امنگوں کے تقاضے جاننے

پہچاننے لگی ہے۔

سعد کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں سی پڑنے لگیں۔ وہ بغور امبرین کے شاداب بھرپور سراپے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ارشین کب تک آجائے گی؟" معاً وہ بہت سنجیدگی سے دریافت کرنے لگا۔ اس کے لہجے میں در آنے والی بیگانگی اور اجنبیت امبرین سے چھپی نہیں رہ سکی۔

"آنے ہی والی ہیں۔" اس نے قدرے ناگوار سے انداز میں جواب دیا۔

"نازو باجی خوش ہیں ناں اپنی سسرال میں؟" وہ بات پلٹنے کو بولی۔

"ہاں!" وہ غیر متوجہ سے انداز میں بولا۔ اور نظریں سامنے رکھے گلدان پر جما دیں۔ امبرین کو احساس توہین ہوا۔

"میں ذرا انکل بخاری کو سلام کر آؤں۔" وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر لائبریری میں چلا گیا تھا۔

وہ خجالت سے سُن سی ہو گئی۔ گویا اس درجہ بے کشش ہے میری ہستی۔ وہ بُری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔

"ابھی ہوتیں ناں آپی! تو دیکھتی کیسے دو لفظوں میں جان چھڑا کے چلتے۔ جڑ کے بیٹھ جاتا تھا۔" وہ دانت پیس کر سوچ رہی تھی۔ ایک عجیب سی جلن اور حسد محسوس ہو رہا تھا۔ ارشین سے۔ وہ اس وقت یہ فراموش کر چکی تھی کہ وہ ارشین سے کتنا ٹوٹ کر پیار کرتی ہے۔

تھوڑی دیر میں نیچے لاؤنج میں ایک خوشگوار سی ہلچل نظر آنے لگی۔ دادی نیند سے بیدار ہو چکی تھیں۔ ارشین کالج سے واپس آ گئی تھی۔ عدنان اور شاہین بھی منظر پر حاضر نظر آ رہے تھے۔

سعد لائبریری سے نکل کر نیچے لاؤنج میں آیا تو نگاہ سیدھی اسی دشمن جان پر پڑی تھی۔

"او ہو۔ پاک فوج کے جوان تشریف لائے ہیں۔"

پرس اور چادر صوفے پر ڈالے تخت پر آدھی سیدھی نیم دراز تھکن سے چُور ارشین یکدم اُٹھ بیٹھی تھی۔ اور بڑی دلچسپی اور یگانگت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا حال ہیں جناب کے۔ آگئیں قوم کی لڑکیوں کو رنگ سازی "سکھلا کر۔" سعد کی تمام تر لطیف حسیں اچانک بیدار ہو گئی تھیں۔ وہ بہت شوق سے اس کے سراپے کو نظر بھر کر دیکھ رہا تھا۔

"ائے بچے۔ دم بھر کو ٹھہر بھی جایا کرو۔ آتے ہی توپوں کے دہانے کھول دیتے ہو۔"

دادی نے ناراضگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دونوں کو لاڈ بھرے انداز میں ٹوکا۔

"دادی کتنی اداس اور سُونی سُونی دکھائی دے رہی ہیں دادا کے بغیر۔" سعد نے بڑے اہتمام سے اس قسم کی چھیڑ خانی کی۔

"شرم کرو کچھ تو۔" دادی خجالت سے اُبل پڑیں۔ چہرا گلنار سا ہو گیا۔

"ہائے بھئی۔ ہماری دادی شرما رہی ہیں۔" ارشین نے بے ساختہ کہا۔

"فکر نہ کریں دادی۔ اللہ جلد ملائے گا۔" سعد نے تسلی دی۔ انداز میں بھرپور شرارت تھی۔

"میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔"

"میں کہتی ہوں حیا کرو لڑکے۔" دادی کا بس نہیں چل رہا تھا، ان لوگوں کو کیا کر ڈالیں۔ "دادا یاد آ گئے ہیں۔ اتنی عمر کو پہنچ گئے عقل نہ آئی۔ بزرگوں سے مذاق کرتے ہو۔" وہ سخت بے زاری سے کہہ رہی تھیں۔

"ہائے دادی! پھر کچھ آپ ہی خیال کریں۔ عمر ڈھلنے کو ہے۔ میرے سہرے کے پھول کب کھلیں گے۔" سعد نے ایک نعرۂ غم بلند کیا اور دادی کی گود میں گر کر اپنا من پسند موضوع چھیڑ بیٹھا۔

"خبر نہیں کھلیں گے بھی یا بن کھلے مرجھا جائیں گے۔" عدنان نے جیسے ہمدردانہ انداز میں ٹکڑا جوڑا۔ سعد نے سخت خفگی سے اسے گھورا۔

"عزیزی! میرے زخموں پر نمک چھڑک کر میرے غضب کو دعوت نہ دو۔ ہمارے سہرے کے پھول کمزور کھلیں گے بلکہ اتنے کھلیں گے کہ کھل کھل کر گلزار ہونے لگیں گے۔"

سعد نے کن انکھیوں سے ارشین کی طرف دیکھا جو اس کی اوٹ پٹانگ باتوں پر لاپروائی سے ہنس رہی تھی۔

ارشین نے اس ذومعنی بات کو سمجھا ہو یا نہ ہو مگر امبرین نے سعد کی نظروں کی چوری ضرور پکڑ لی تھی۔

اس کے دل میں کبیدگی کی کہر اترنے لگی۔ سعد پر طیش آ رہا تھا۔

آخر کیوں وہ اتنی ہری بھری نازک نوخیز ڈالی کو چھوڑ کر خوشبو اُڑے بے رنگ سے پھول کی طرف متوجہ ہے؟۔

کیا اس کی بینائی درست ہے؟۔

◆◆◆

"ارشین! ایک بات مانیں گی؟" وہ بہت مان بھرے شفیق انداز میں فرمائش کر رہے تھے۔

"ارشاد کیجیے۔" جس نے تا زندگی کبھی مہربان میٹھا لہجہ نہ سنا ہو۔ اتنی بے ساختہ اپنائیت اور چاہت اس کے لیے کتنی قیمتی ہو سکتی ہے۔

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا ایسا ممکن ہے؟" انہوں نے ایک دم کہہ ڈالا۔

وہ سُن کر ایک لمحے کو بھونچکا رہ گئی۔ پھر ہولے سے ہنس دی۔

"ایسی کیا ضرورت آن پڑی ہے مہدی صاحب۔ روزانہ فون پر بات تو ہوتی رہتی ہے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے۔"

"بالکل نہیں۔" وہ بے چین سے ہو کر بولے۔ "آپ روزانہ کالج آتی ہیں۔ گھر سے نکلتی تو ہیں ناں۔ ایک دن مجھ غریب کو بھی عنایت کر دیجیے گا۔"

"میں کبھی نہیں۔" وہ ہکا بکا رہ گئی۔

"بھئی کالج سے آف کر کے میرے ساتھ کسی ریسٹورنٹ میں لنچ کر لیجیے۔"

"نہیں مہدی صاحب۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔ "یہ مناسب نہیں لگے گا۔"

"دیکھیے پلیز۔ میں کہہ رہا ہوں ناں۔" انہوں نے بڑی نرمی سے اصرار کیا۔

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں جتنی آزاد اور بے فکری نظر آتی ہوں اتنی ہوں نہیں۔ مجھے گھر میں جواب دہ ہونا ہوتا ہے۔ میرے آنے جانے کے مخصوص اوقات ہیں۔ جو سب گھر والوں کو زبانی رٹے ہوئے ہوتے ہیں۔"

"چلیں۔ کالج سے کچھ پیریڈ مس کر کے آجائیے۔ میں آپ کو کالج کے گیٹ سے پک کر لوں گا۔" انہوں نے عجلت بھرے انداز میں دوسرا متبادل راستہ دکھایا۔

وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"عمر بھر کبھی اس قسم کی بے ایمانی نہیں کی۔ بھٹکنے والی عمر میں خود کو سنبھالے رکھا ہے۔ پھر اب اس طرح کیسے کر سکتی ہوں۔" وہ اپنی سوچ کو ان سے مخفی نہیں رکھ سکی تھی۔

"میری خاطر کر لیجیے گا ناں۔"

انہوں نے کچھ ایسے انداز میں تیزی سے کہہ ڈالا کہ وہ مطلب پر غور ہی نہ کر سکی۔

"مگر مل کر کرنا کیا ہے؟" وہ بہت متعجب سی پوچھ رہی تھی۔ "باتیں ہی تو کرنا ہیں۔ وہ فون پر بھی ہو جاتی ہیں۔ بلکہ زیادہ سہولت اور سکون سے ہوتی ہیں۔"

"یہ میں آپ کو ملنے کے بعد بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔" ان کے لہجے سے خمار چھلکنے لگا۔

ارشین کو رضامند ہونا ہی پڑا۔

"کل صبح ٹھیک گیارہ بجے میں کالج گیٹ کے باہر گاڑی میں آپ کا منتظر ہوں گا۔"
انہوں نے پروگرام طے کرتے ہوئے بتایا تو وہ ایک لمحے کو متذبذب سی ہو گئی۔ کسی طرح ٹالنے کا موقع نہیں لگ رہا تھا۔
"آپ ملیں گی ناں؟"
فون رکھنے سے پہلے انہوں نے بھرپور انداز میں توثیق کرائی تو کوئی چارہ کار نہ پا کر اس نے ہامی بھر لی۔
"مگر صرف ایک آدھ گھنٹے کے لیے۔"
"وہ تو مل کر دیکھا جائے گا۔" انہوں نے مسرور لہجے میں خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔
ارشین واہموں کے جال میں پھڑپھڑا رہی تھی۔
اگر کسی جاننے والے نے دیکھ لیا؟ — کسی کولیگ کسی اسٹوڈنٹ یا کسی مدّاح نے پہچان لیا تو؟
وہ جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔
"سنو امبر! مجھے تم سے ایک بات کرنی تھی۔"
رات کو سونے کے لیے اوپر آئی تو کپڑوں کی الماری میں سر دیے کچھ تلاش کرتی ہوئی امبرین سے مخاطب ہو کر کشمکش کے عالم میں بولی۔
"کل کہہ لیجیے گا جو کہنا سننا ہے۔ میں بہت مصروف ہوں اس وقت۔"
امبرین کے حد درجے جھلائے ہوئے بیزار لہجے پر وہ ایک لمحے کو جیسے پتھر کی ہو گئی۔

"ایک پریشانی ہے یار۔" اس نے ناگواری کا تاثر دبا کر پھر اپنائیت جگانے والے انداز میں اسے متوجہ کرنا چاہا۔ اتنا اہم قدم اسے بتلائے بغیر وہ کیسے اٹھا سکتی تھی۔
"آپی پلیز!"
امبرین نے سخت عاجز آ جانے والے انداز میں مڑ کر جھنجلائی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر سر جھٹک کر باتھ روم میں گھس گئی۔
ارشین کو لگا جیسے کسی نے بھرے بازار میں اس کی ذات کو دو کوڑی کا بنا کر رکھ دیا ہو۔
وہ دم بخودی باتھ روم کے دھاڑ سے بند ہونے والے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ نظروں میں بے یقینی تھی جیسے اسے اس ردِ عمل کی توقع نہ ہو۔
"کیا امبرین اس درجہ مجھ سے دور ہو چکی ہے۔"
وہ دکھے دل سے سوچ رہی تھی۔ بی بی جان کی پالیسی کامیاب ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ امبرین کی ذات ہی تو اس کے لیے تپتی ہوئی دھوپ میں واحد گھنا سایہ تھی۔ وہی دکھ سکھ کی ساتھی تھی۔ سب راز اسی سے کہے سنے تھے۔ مگر وہ بیگانہ بنی تو ارشین جیسے انتقاماً پروفیسر مہدی کی ذات سے قریب تر ہوتی گئی تھی۔

◆◆◆

شام کا خوشگوار سماں تھا۔
پرندوں کی چہکار اور موتیے اور گلاب کی معطر خوشبوئیں چھوٹے سے لان کو باغ و بہار بنائے ہوئے تھیں۔
ناظر زور و شور سے گوڈی میں مصروف تھا اور سفیان گاڑی کی ڈگی سے پودوں کے گملے نکال رہا تھا۔ ابھی ابھی ٹاؤن کے قریب ایک نرسری سے لے کر آیا تھا۔
"تمہیں پتا ہے ناظر! ایک درخت چھتیس ننھے بچوں کے لیے آکسیجن فراہم کرتا ہے اس لیے پودے لگانے چاہئیں۔ اس سے جگہ کی دلکشی اور تازگی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔"
وہ کام کے ساتھ ساتھ ناظر سے باتوں میں بھی مشغول تھا۔

"آپ کو ایک بات بتاؤں" پسینے پسینے ہوا ناظر اپنے کھڑے بھیگے بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا معرفت کے عالم میں کہہ رہا تھا۔
"ہم لوگ پودے تو شوق سے لگا لیتے ہیں مگر ان کی حفاظت نہیں کرتے۔ ہر سال دو مرتبہ شجر کاری ہوتی ہے۔ ہزاروں پودے لگائے جاتے ہیں مگر اس کے باوجود ہریالی میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ان پودوں کو لگا کر بھلا دیا جاتا ہے۔ جب کھاد پانی اور دیکھ بھال نہیں ملے گی تو پودے کہاں سے پھل پھول کر تناور درخت بنیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ درختوں کے ذخیرے میں اضافہ نہیں ہوتا۔ شجر کاری کے دوران لگائے جانے والے پودے چند دنوں میں مرجھا کر مٹی میں مل جاتے ہیں۔"
"تمہاری فہم و بصیرت پر داد دینے کو جی چاہتا ہے مگر میں دوں گا بالکل نہیں۔ اس لیے کہ مجھے اپنی بھلائی عزیز ہے۔ داد پا کر تم بھول جاؤ گے یہ کپڑے جو تم نے اس وقت پہنے ہوئے ہیں تنگ پڑ جائیں گے۔ اس طرح تمہیں نئے کپڑوں کی خریداری کا بہانا مل جائے گا۔"
گہری سانسیں لیتا ہوا بہ نظر غائر اپنی کارکردگی کا جائزہ لے رہا تھا۔
"مجھے نئے کپڑوں کا کوئی شوق نہیں ہے۔ رہی بات داد نہ دینے کی تو اسے آپ کی تنگ ظرفی اور قبیلانہ سازش کے ماسوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"
ناظر نے بڑی ہوشیاری سے اس کے دانت کھٹے کیے تھے، سفیان آنکھیں نکالتا رہ گیا۔
"تم نے جس نادر بدتمیزی کا مظاہرہ کیا ہے، اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔"
سفیان نے ٹھنڈی سانس لی۔ "جب کسی شخص کو اس کے ظرف اور اوقات سے زیادہ مل جائے تو اس سے سنبھالے نہیں سنبھلتا۔ وہ اوچھے ہتھکنڈوں اور گھٹیا حربوں پر اتر آتا ہے۔ تمہارے ساتھ بھی یہی مسئلہ ہے۔ تم مجھ سے بھولے بھالے، ذہین و فطین اور معزز و محترم شخص کی صحبت کے قابل نہیں تھے مگر۔ آہ میری سادہ دلی کہ میں نے تم پہ اعتبار کیا۔"
"زیادہ ٹھنڈی سانسیں نہ بھریں۔ خوامخواہ فضا کو آلودہ کر رہے ہیں۔" ناظر پر اس کے بھڑکانے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

"تمہارا اور میرا نام
جنگل میں درختوں پر
ابھی لکھا ہوا ہے
تم جا کے مٹا آنا"

ایف ایم ون ہنڈرڈ سے خوبصورت گیت نشر ہو رہا تھا۔ ریڈیو سیٹ لان کے کنارے پر رکھا ہوا تھا۔ پورچ کا ساکٹ اس مقصد کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ اور پودے لان کے کنارے پر سیٹ کرتے ہوئے سفیان دو تین بار تار سے الجھ چکا تھا۔
اسی لمحے فون کی بیل اندرونی کمرے سے سنائی دی۔
ناظر کھرپا چھوڑ کر اندر کی طرف بڑھا تھا۔
"اپیا کا فون ہے سفیان بھیا!"
وہ کارڈلیس اٹھائے باہر آیا تھا۔ اپیا ان کی رشتہ دار تھیں۔ امی کی خالہ زاد بہن تھیں۔ گو رشتے میں تو اپیا نہیں تھیں۔ مگر عمر میں وہ امی سے بارہ چودہ برس چھوٹی تھیں۔ محض بڑی بہن لگتی تھیں، اسی مناسبت سے مہران انہیں اپیا کہتا تھا۔ اور دیکھا دیکھی سفیان بلکہ ناظر نے بھی انہیں اپیا کہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ یہیں اسلام آباد میں اپنے میاں اور بچی کے ہمراہ رہتی تھیں۔ ان کا میکہ کراچی میں تھا۔
"السلام علیکم اپیا!" سفیان نے اپنے مخصوص بشاش لہجے میں کارڈلیس تھام کر بات شروع کی تھی۔
"وعلیکم السلام۔ کیا حال ہیں سفیان۔ اور نینی کیسی ہیں؟"

"نینی تو آج کل کالج ہوسٹل میں قیام پذیر ہیں۔ صرف ویک اینڈ پر آتی ہیں۔ آپ سنائیں، بھائی ٹھیک ہیں اور ہماری گڑیا رانی کیسی ہے؟"

"سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ مہران گھر پر نہیں ہے کیا؟" اپیا کچھ اُلجھی اُلجھی اور بے چین لگ رہی تھیں۔

"وہ سرکاری کام سے پشاور گئے ہوئے ہیں۔ کل آئیں گے۔ خیریت ہے ناں اپیا!"

"ہاں بس۔ مہران سے کچھ کام تھا۔ وہ واپس آئے تو کہنا پہلی فرصت میں مجھے فون کرے۔" مہران اور اپیا میں خاصی انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ اپیا اپنی اکثر باتیں اُس سے شیئر کرتی تھیں۔

"جی بہت بہتر، میں کہہ دوں گا۔ اپیا آپ کبھی آیئے ناں ہمارے گھر۔ صدیاں بیت گئی ہیں۔ پچھلے سال جب بھائی جان بیمار تھے تب آئی تھیں اُن کا پتا کرنے، صرف ایک دفعہ۔" سفیان نے شکوہ کیا۔

"آؤں گی ضرور انشاء اللہ۔ بس کچھ گھریلو مصروفیات ہیں پھر تمہاری لاڈلی گڑیا رانی اور اس کے بچے اُلجھائے رکھتے ہیں۔"

سفیان کو محسوس ہوا جیسے وہ اندر سے بہت پریشان ہوں۔ وہ محض اسے ٹالنے کو ہلکے پھلکے انداز میں بات کر رہی تھیں وگرنہ اُن کا ٹینس لہجہ اور کھوکھلی بشاشت ان کے ذہنی تناؤ کی نشاندہی کر رہی تھی مگر اُس نے اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

"او کے سفیان۔ انشاء اللہ پھر بات ہوگی۔ مہران کو یاد سے پیغام دے دینا۔ نینی کو پیار کہنا۔ اللہ نگہبان۔"

اُنہوں نے فون رکھ دیا تھا۔

ناظر نے گوڈی کا کام مکمل کر لیا تھا۔

"میں چائے بناتا ہوں تم اتنے میں نہا لو ناظر۔ پسینے سے بُرا حال ہو رہا ہے۔" سفیان نے [illegible] سے ناظر کی طرف دیکھا۔ اور پھر اندر کی سمت بڑھ گیا۔

"شکریہ۔ نوازش، کرم، مہربانی۔"

پیچھے سے ناظر کی کھلکھلاتی، گنگناتی آواز نے اس کی سماعت کا پیچھا کیا تھا۔

◆◆◆

"ارے امبرین! اب تک ڈیسک پہ بیٹھی ہو، بھئی کلاس ختم ہو چکی ہے سب لڑکیاں جا چکی ہیں۔ بسیں چلنے والی ہیں۔ گھر نہیں جانا کیا؟"

فاریہ حیرانی سے تنہا اپنی سوچوں میں گم امبرین کو دیکھ رہی تھی جو شاید اپنے آپ میں ہی گم تھی۔

"ہونہہ گھر۔ سرد جہنم میں جانے کو کس کا دل چاہتا ہے۔" امبرین سر جھٹک کر زہریلے انداز میں بولی۔ "میرا جی نہیں چاہ رہا۔"

"پاگلوں والی باتیں نہ کرو۔ اُٹھو جلدی سے ورنہ بس نکل جائے گی۔"

فاریہ اس کی رازدار تھی اور کچھ عرصے سے ہونے والے اس کے ذہنی و جذباتی تغیر سے بخوبی واقف تھی۔

"میں سیکنڈ ٹرپ سے چلی جاؤں گی۔" امبرین حلق تک بیزار بیٹھی تھی۔

"اور جو تمہاری بی بی جان نے دیر سے آنے پر تواضع کی تو۔!"

فاریہ نے اس کا چہرا دیکھا۔ جہاں شدید کھچاؤ اور تنفر کے جذبات ہلکورے لے رہے تھے۔

"ہاں یہی تو مصیبت ہے۔" امبرین بے بسی سے گویا ہوئی۔ "وہ محترم جب چاہیں اور جہاں چاہیں گاڑی لے کر نکل جائیں۔ اور مجھے انتہائی ضروری کام سے بھی گھر نکلنے کی اجازت نہیں ملتی۔ محترمہ

ہے جو مرضی کریں انہیں سب کی اشیرباد حاصل رہتی ہے۔ جتنی پابندیاں ہیں ان کا اطلاق زیادہ تر مجھ پر ہوتا ہے۔" چیخ رہا تھا۔ آنکھوں میں جیسے شعلے مچلنے لگے تھے۔

امبرین کا لہجہ

"جب انسان کسی سے بدگمان ہوتا ہے یا مایوسی اور ڈپریشن کے عالم میں کچھ سوچتا ہے تو وہ ہر عکس کو اُلٹے رُخ سے پرکھتا ہے۔ تمہارے ساتھ بھی یہی مسئلہ ہے۔ تم بہن سے جیلسی میں اس کے ہر عمل کو منفی انداز میں دیکھنے اور جانچنے لگی ہو۔"

فاریہ نے بڑے تحمل سے اسے سمجھاتے ہوئے اس کے ذہنی خلفشار کا تجزیہ کیا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم میں کیا کر رہی ہوں۔ بس اتنا جانتی ہوں کہ خوشی کی ایک کرن کے لیے ترس رہی ہوں۔" وہ سلگ کر بولی۔

"اور تمہیں کیا پتا تمہاری آپی تم سے بھی زیادہ کٹھن اور مشکل مرحلے سے گزر رہی ہوں؟ تم تو پھر بھی خوش قسمت ہو کہ تم پر کسی قسم کا معاشی، سماجی اور خاندانی بوجھ نہیں ہے۔ تمہیں گھر کا خرچہ نہیں چلانا، گھر کے کام دھندے اور بچوں، بڑوں کی ضروریات پوری نہیں کرنا، مرد بن کر نوکری نہیں کرنا، باہر کے مسائل نہیں دیکھنے۔ پھر بھی اس درجے یاسیت پسندی کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ تمہاری اپیا کو بی بی جان اور بابا کے سرد و گرم رویوں کے ساتھ ساتھ اندر باہر کے ہر طرح کے معاملے بھی دیکھنے ہوتے ہیں۔ اور اوپر سے بڑھ کر تمہارے ناروا اور کٹھور رویئے سے وہ آج کل مزید پریشان ہوں گی۔ یار امبر! میں تمہیں اس درجہ خود غرض اور بے حس نہیں سمجھتی تھی۔"

فاریہ کی کھری کھری سچی اور دو ٹوک باتیں امبرین کو پشیمان کیے دے رہی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

"میں کیا کروں فاریہ! میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ ایک طرف بہن کی محبت کھینچتی ہے مگر جب دوسری طرف اپنے خالی دل کا احساس ہوتا ہے تو جی چاہتا ہے ساری دنیا کو آگ لگا دوں۔ وہ اتنی خود سری دکھانے کے باوجود سب کی من چاہی ہیں اور میں! اور سعدی بھائی بھی ان ہی کے گن گاتے ہیں۔"

"زیادہ دُکھ تو تمہیں اسی بات کا ہے۔" فاریہ نے جیسے اس کی چوری پکڑ لی تھی۔ وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔

"اور دوسرے تم اس وقت سے ارشی آپی کے زیادہ خلاف ہوئی ہو جب سے بی بی جان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے بعد تم نے ارشی آپی کو ان ہی کی نظر سے دیکھنا شروع کیا ہے۔ ہو سکتا ہے جس کو تم یا بی بی جان خود سری سمجھتی ہو، وہ اُنہوں نے گھر والوں کی بہتری کے لیے کیا ہو، بہرحال آؤ چلیں ٹرپ نکلنے والا ہے۔"

فاریہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا تھا۔

دونوں کو اتفاق سے بس میں اکٹھی سیٹ مل گئی تھی۔

"میں کیا کروں فاریہ! پلیز میری مدد کرو۔" وہ سر تھامے لاچاری سے بولی۔

"آسان حل یہ ہے کہ ارشی آپی کو ساری پرابلم بتا دو۔ اپنے دل کی کیفیت کہہ ڈالو۔ پہلے بھی تو ان ہی کو اپنے سارے مسائل بتاتی تھیں۔"

"مگر اب بات اور ہے۔" وہ اس حل کے لیے آمادہ نہیں ہوئی۔

"میں نہیں سمجھتی ارشین آپی میرا مسئلہ حل کر سکیں گی۔ ظاہر ہے انہیں تو گھمنڈ ہو گا کہ اتنا اچھا بندہ ان پر مرتا ہے، سو جان سے فدا ہے۔ وہ بھلا کیوں چاہیں گی کہ سعدی بھائی اُن کو نظر انداز کر کے میری طرف متوجہ ہو جائیں۔" وہ حد درجہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔

"یہ تمہاری اپنی سوچ ہے۔ ہوسکتا ہے ایسی کوئی بات نہ ہو۔" فاریہ قائل نہیں ہوئی۔
"تم ان حالات سے نہیں گزریں، جن سے میں گزر رہی ہوں اس لیے تم میری بات [illegible] گی۔" امبرین گردن موڑ کر باہر دیکھنے لگی تھی۔

◆◆◆

"آپ کو مجھ سے کیا بات کرنا تھی؟"
"سمیز برگر" میں ان کے مقابل بیٹھی ہوئی وہ کوشش کے باوجود خود کو نارمل اور پُراعتماد ظاہر کر پا رہی تھی۔ وہ کریم کلر کے شلوار کرتے پر لیمن کلر کا، کاٹن کا بڑا سا دوپٹہ سر پر لیے ہوئے تھی۔ سیاہ چمکیلی زلفیں دوپٹے کی قید سے آزاد ہو کر سنہری گردن پر لپٹی ہوئی نمایاں ہو رہی تھیں۔ دلفریب چہرے پر ہلکا ہلکا پسینہ چمک رہا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ پروفیسر دانیال کی بھرپور جائزہ لیتی نگاہیں، وہ کچھ ایسے انداز میں دیکھ رہے تھے کہ ہزار پُراعتماد اور سنجیدہ ہونے کے باوجود ارشین کی ہتھیلیوں پر پسینہ اتر آیا تھا۔
"سوچا تو بہت کچھ تھا مگر آپ کو سامنے پا کر الفاظ میری گرفت سے پھسل گئے ہیں۔ یوں لگ رہا ہے جیسے کسی خواب کے عمل سے گزر رہا ہوں۔"
ان کی گرمجوش مسکراہٹ اور خوبصورت لب و لہجے کی معنی خیزی ارشین کو گم صم سی کر گئی۔ وہ ہراساں سی ان کی طرف دیکھنے لگی۔
"آپ بہت مشکل زبان استعمال کر رہے ہیں۔"
وہ بمشکل تمام اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر دھیمے سے انداز میں گویا ہوئی۔ اسے ان کے انداز سے بہت اُلجھن سی محسوس ہو رہی تھی۔
"میں نے تو مگر کچھ کہا ہی نہیں ہے۔" وہ معصومیت و سادگی سے کندھے اچکا کر متبسم ہوئے۔
"ہاں اگر نظر کی زبان پر معترض ہیں تو اس سلسلے میں بندہ سخت مجبور ہے کہ یہ مقام لاچاری ہے۔ بڑی مدت سے پیاسی ہیں یہ۔" ان کے لہجے کی گہرائی اسے بُری طرح چونکا گئی۔
"آپ کے انداز میری سمجھ میں نہیں آ رہے مہدی صاحب!" وہ گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔
"اوہنوں مہدی صاحب نہیں دانیال۔ صرف دانیال۔" وہ تھوڑا سا جھک کر اصرار سے بولے۔ ارشین نے کچھ سمجھ میں نہ آنے والے انداز میں ان کی طرف دیکھا۔
گرے پینٹ اور ہلکی آسمانی رنگ کی شرٹ میں ان کا باوقار قامت اور بھرپور توانا گریس فل سراپا مزید نمایاں ہو رہا تھا۔ ان کی کشادہ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک اور ہلکی ہلکی لالی عیاں تھی۔ کنپٹی کے پاس سے تھوڑے تھوڑے گرے ہوتے بالوں نے ان کی سرخ و سفید رنگت کی تابانی میں اضافہ کر دیا تھا۔
بلاشبہ وہ چالیس سال کی عمر میں بھی صنفِ مخالف کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے تمام تر لوازمات سے بھرپور نظر آتے تھے۔
"آپ اتنی گھبرا کیوں رہی ہیں ارشین!" وہ جیسے اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ تمام فلسفے، بحث و تمحیص اور لمبے لمبے سنجیدہ مکالمے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ ان کی گہری بولتی نگاہ کی تپش کے آگے ٹھہر نہیں پائی تھی، پہلے مرحلے میں ہی ان کی نظر کی قیدی ہو کر رہ گئی تھی۔
"نن۔ نہیں تو۔" وہ سٹپٹا کر انہیں دیکھنے لگی مگر پھر دوبارہ نگاہ جھکانی پڑی کہ وہ بہت دلچسپ انداز میں کہنی میز پر ٹکائے ہتھیلی پر تھوڑی رکھ کے دلچسپی سے اس کی طرف متوجہ تھے۔
"آج آپ صحیح معنوں میں ایک عام سی معصوم بھولی بھالی گھبرائی شرمائی مشرقی لڑکی نظر آ رہی ہیں!" وہ بے اختیار ہنس پڑے۔

"اور یقین مانیے، یہ روپ دیکھ کر میرے جذبات بُری طرح بے قابو ہونے لگے ہیں۔ مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا۔ آپ سے مل کر آپ کو روبرو پا کر یوں بے اختیار ہونے لگوں گا۔"
"پلیز مہدی صاحب!" وہ ان کے بے خود انداز پر دم بخود بیٹھی رہ گئی تھی، دل کی دھڑکنوں میں جیسے طوفان بپا ہو گیا تھا۔ وہ بے طرح حواس باختہ ہو گئی تھی۔
"میرا خیال ہے، ہمیں چلنا چاہیے۔"
وہ بُری طرح اپنے آپ کو ان کے سامنے بے بس محسوس کر رہی تھی۔
"ارشین!" وہ اس کی گومگو کی کیفیت نظر انداز کر کے اپنے سابقہ مخمور انداز میں گویا ہوئے۔ "کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ یہ "ہمیں" میری اور آپ کی آئندہ زندگی کے ہر فعل اور ہر سوچ میں شامل ہو جائے۔"
ان کے لہجے کی معنویت اور گہرائی غور طلب تھی۔ انہوں نے ڈھکے چھپے انداز میں بڑی ذہانت سے اپنا مدعا بیان کر ڈالا تھا۔ جسے جان کر ارشین پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔
سیدھے سادے انداز میں ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ اگر ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے حوالے سے سوچیں تو کتنا اچھا ہو۔ انہوں نے کہہ کر بغور اس کا چہرہ پڑھا۔
"آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں مہدی صاحب!" وہ جھٹکا کھا کر بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔ اس کا چہرہ سراسیمگی کا اشتہار بنا ہوا تھا۔ اور لہجے میں سرسراہٹ عیاں تھی۔
"وہی۔ جو آپ سمجھنا نہیں چاہ رہیں۔" وہ مضبوط لہجے میں بولے۔ گویا ایک فیصلے پر پہنچ کر مطمئن ہو چکے تھے۔
"آپ نے ہی کہا تھا ناں کہ آپ شادی کے لیے دو سال تک کا گیپ چاہتی ہیں۔ ٹھیک ہے میں انتظار کر لوں گا۔ آپ کو پانے کے لیے تو دس برس تک انتظار کر سکتا ہوں۔"
اس کے سر پر گویا چھت آن رہی تھی۔
"کک۔ کیا؟" اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ اعصاب پر جیسے کسی نے بم گرا دیا تھا۔
"جی ہاں۔" وہ عین اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے قطعی انداز میں بولے۔
"میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

◆◆◆

"پھر آپ نے کیا سوچا ہے ارشین؟" اس رات ان کا فون آیا تو انہوں نے بے چینی سے استفسار کیا۔
"میں کیا کہوں مہدی صاحب! مجھے یہ سب کچھ بہت عجیب لگ رہا ہے۔" وہ فون پر پورے اعتماد اور سکون کا مظاہرہ کر رہی تھی۔
"سچی بات تو یہ ہے کہ کوئی تُک نہیں بنتی اس پروپوزل کی۔" وہ سخت اُلجھن کا شکار تھی۔
"کیا آپ عمروں کے فرق کی بنا پر کہہ رہی ہیں؟"
"نہیں۔ اتنی معمولی سی بات پر میں کبھی اعتراض نہ کرتی۔ مگر مسئلہ آپ شادی شدہ مرد ہیں پھر بچی کے باپ ہیں۔ آپ کی اپنی ایک فیملی ہے۔ نازش آپا کے ساتھ میں اتنی بڑی زیادتی کیسے کر سکتی ہوں؟"
"یہ آپ کا نہیں میرا ہیڈک ہے۔" وہ اٹل لہجے میں بولے۔ "میں سیکنڈ میرج افورڈ کر سکتا ہوں۔ رہی بات نازش کی تو وہ مجھے پوجنے کی حد تک چاہتی ہے۔ میری خوشی کے لیے وہ کبھی انکار نہیں کرے گی بلکہ ارمانوں سے آپ کو بیاہ کے لائے گی۔ میرے ماما، پاپا مجھ پر جان دیتے ہیں۔ وہ بھی میری خوشی کا خیال رکھتے ہوئے راضی ہو جائیں گے۔ آپ صرف اتنا بتائیے کیا نازش کے ساتھ رہ لیں گی!"
ارشین شدید ترین ذہنی دباؤ کا شکار تھی۔ اوپر سے گھر کی پریشانی، بی بی جان اور امبرین کے تکلیف دہ

رویے اور پھر ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ، وہ خود کو بڑی طرح تنہا اور نا آسودہ محسوس کر رہی تھی
میں اتنا میٹھا، مہربان سایہ دار وجود اسے اپنی لازوال پناہیں بخشنے کو کب سے بے چین و بے قرار
تھا اور بصد شوق اس کی راہوں میں پھول مہکانے کی اجازت چاہ رہا تھا۔ گزشتہ آٹھ ماہ سے وہ
خاموش عبادت کر رہے تھے۔ ارشین کے اندر کی تھکن اور جذباتی تشنگی اسے پگھلا گئی اور جانے کس
میں بے اختیاری کے عالم میں طویل سانس لے کر دھیمے سے بولی۔

"آپ دو سال بعد یہ سوال میرے والدین سے کر سکتے ہیں۔"

"یہ اعزاز بخشنے کا شکریہ۔" وہ سرشاری سے گویا ہوئے۔

"اب میں تاعمر انتظار کر سکتا ہوں بس آپ کی تائید و تعاون ہمراہ ہونا چاہیے۔ ہاں اور اب آپ
مجھے دانیال کہیں گی۔ سمجھیں۔"

چاہت بھرے انداز میں تنبیہ کرتے ہوئے پروفیسر کے لب و لہجے میں عجب شوخ جھنکار در آئی
اور وہ بڑی مدت بعد تازگی سے ہنس پڑی تھی۔

◆◆◆

"صاف گوئی معاف۔ میں آپ کو اتنا بے وقوف نہیں سمجھتا تھا۔"

مہران براؤن شلوار قمیص میں ملبوس نازش کے مقابل بیٹھا برہمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نازش
آسمانی ملگجے سے لباس میں دونوں ہاتھوں سے سر تھامے نڈھال بیٹھی تھی۔ چہرے کی سرخی غائب تھی۔
آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے ہوئے تھے جو سفید رنگت پر مزید نمایاں ہو رہے تھے۔ آنکھوں کا
اور ویرانی اس بات کی غماز تھی کہ نیند بڑی مدت سے آنکھوں سے روٹھی ہوئی ہے۔

"مجھے لڑائی جھگڑے، شور شرابے اور لعن طعن میں لپٹی چیخ و پکار سے بڑی وحشت ہوتی ہے
یوں بھی رشتہ تو مان کا ہوتا ہے۔ ایک بار ٹوٹ جائے تو پھر تعلق کا کفن ہی باقی رہ جاتا ہے
اپنے اور دانی کے مابین تعلق کا یہ مان ختم نہیں کرنا چاہتی۔"

وہ آبدیدہ سی نڈھال آواز میں گویا ہوئی۔

"آپ ان کی بیوی ہیں۔ ان سے پوچھ گچھ اور روک ٹوک کا حق رکھتی ہیں۔"

مہران ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"حق جتا دینے سے حق ثابت نہیں ہو جایا کرتا۔"

نازش نے ٹھنڈی سانس لی۔

"ایسے حقوق بھی خواتین کے پاس تب تک ہی رہتے ہیں جب تک وہ انہیں استعمال نہ کریں
بار اس حق کے ناتے پوچھ گچھ کریں تو اگلے لمحے بے دخل کر دی جاتی ہیں۔ بے توقیری، کم مائیگی
ذلت کے الاؤ میں دھکیل دی جاتی ہیں۔ اور میں دان کے ہاتھوں بے وقعت نہیں ہونا چاہتی۔ جو آنکھیں
آج تک مجھ پر نثار ہونے والے انداز میں اٹھتی ہیں میں ان میں نفرت اور بیزاری نہیں دیکھ سکتی۔"

وہ ہار کر دونوں ہاتھوں میں چہرا چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"چچ چچ۔" مہران نے کوفت سے سر جھٹکا۔

"یہ تو جذباتیت ہے نری جذباتیت۔ آپ کا یہ طرز عمل سراسر ہار کے مترادف ہے۔"

وہ جھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "اگر آپ اپنے شوہر کے بے لگام جذبات کو کنٹرول نہیں کر سکتیں تو
کیجیے اس "محترمہ" سے ہی مل لیجیے۔" اس نے تلخی سے مشورہ دیا۔

"کس محترمہ سے؟" نازش نے جھٹکے سے سر اوپر اٹھایا۔

"وہی۔ جو عورت کے نام پر دھبہ ہے۔" اس کی سبز آنکھوں میں تحقیر و تنفر کے قہر ساماں تاثرات
جھلک آئے۔ پیشانی پر شکنیں اپنا جال بچھا رہی تھیں۔

"خدا جانے ایسی خواتین کا ضمیر کہاں سو جاتا ہے۔ سوچتا ہوں تو کراہیت آتی ہے۔" اس کی رگ
رگ سلگ رہی تھی۔

"ایسی خواتین کا انجام بہت بھیانک اور عبرت ناک ہونا چاہیے۔"

"ایسا نہ کہو مہران! وہ بھی کسی ـــــ کی اولاد ہوگی ـــــ سدا کی رحمدل، ایثار پیشہ اور نرم خو نازش
کی برائی نہیں سن سکتی تھی۔ بے اختیار مہران کو ٹوک گئی۔

"وہ اس ہمدردی کی مستحق نہیں ہے۔" مہران نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر بھنچے ہوئے غضبناک
انداز میں کہا۔

"اگر قسمت سے کبھی میرے سامنے آگئیں تو انشاء اللہ وہ محترمہ میرے ہاتھ سے ہی اپنے آخری انجام
کو پہنچیں گی۔"

نازش اس کی عزیزہ، کزن، بڑی بہن اور راز دار سب ہی کچھ تھی۔ اس کے آنسو مہران کو اپنے دل پر
گرتے محسوس ہو رہے تھے۔

◆◆◆

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں ارشین۔"

انہوں نے ہٹ دھرمی سے بے تابی کا اظہار کرتے ہوئے فرمائش کی تھی۔

"دوبارہ ہم ملے تو تھے اس دن۔" وہ سخت حیران نظر آئی۔

"اس دن، کو ٹھیک ایک ماہ ہو چکا ہے جانم۔"

"پلیز، آپ اس طرح مجھے مخاطب نہ کیا کریں۔" اسے حجاب آمیز کوفت سے دوچار ہونا پڑا۔
درحقیقت اسے یہ انداز تخاطب ناگوار گزرا تھا۔

"کوئی بات نہیں، لگا لو پابندیاں۔ آخر کب تک، جب پورے استحقاق سمیت اپنی پناہوں میں
لے لوں گا تو ضبط و جبر کے سارے بند خود بخود ٹوٹ جائیں گے۔"

"آپ کوئی اور بات نہیں کر سکتے۔"

جب سے دل کی دنیا اور تعلق کی نوعیت بدلی تھی۔ عمومی باتیں غائب ہو کر ذاتی باتوں میں بدل گئی
تھیں۔ اُن کے سرکش کھلے ڈلے اظہار التفات اور ستائش پر وہ بُری طرح بوکھلاہٹ کا شکار ہو جاتی
تھی۔ وہ بہر حال شادی شدہ مرد تھے۔ اس لیے ان کی گفتگو میں جذبات کے حوالے سے غیر ارادی طور پر
خود بخود فطری سی بے باکی در آئی تھی جس کا انہیں خود بھی احساس نہیں ہوتا تھا۔ مگر ارشین حیا سے جھنجھنا
اٹھتی تھی۔ اور تنگ آکر موضوع بدلنے کی کوشش کرتی تھی۔

"ستایش نال۔ پھر کب ہم ملیں کل کا دن رکھ لیتے ہیں۔" وہ ہنوز مصر تھے۔ ارشین کو سنجیدہ ہونا پڑا۔

"دیکھیے مہدی صاحب!" ان کے بارہا اصرار کے باوجود وہ انہیں دانیال کہہ کر مخاطب کرنے پر خود
کو آمادہ نہیں کر پائی تھی۔

"سیدھی سی بات ہے مجھے پارکوں، ہوٹلوں میں ملنا قطعی ناپسند ہے۔ پہلی دفعہ آپ سے صرف
اس لیے ملی تھی کہ اس وقت مجھے آپ کے جذبات اور ملاقات کی نوعیت کا اندازہ نہیں تھا۔ میں ایک
ذمہ دار، میچور، شادی شدہ اور نفیس مزاج کے حامل شخص کی ضروری بات سننے کے لیے آپ کی درخواست
پر ملنے آئی تھی۔ میرے دل میں کوئی چور نہیں تھا۔ ریسٹورنٹ میں آپ سے ملاقات کرنا بھی مجبوری تھی کہ
نہ آپ کو اپنے گھر مدعو کر سکتی تھی اور نہ آپ کے بیوی بچوں کی غیر موجودگی میں آپ کے گھر آکر آپ سے
بات کر سکتی تھی۔ کوئی جگہ تو طے کرنا ہی تھی ملاقات کی۔ سو پیٹزا برگر چلی آئی۔ مگر اب جان بوجھ کر غلطی کرنا
صاف ڈھٹائی کے زمرے میں آئے گا۔ مجھے تو اس دن سے اللہ میاں سے اتنی شرمندگی محسوس ہو رہی
ہے۔"

"غلطی کیا بھئی۔ ازل سے ہوتا آیا ہے کہ محبت زدہ دل ملنے کی سبیلیں نکالا کرتے ہیں۔ یہ تو ایک

نارمل سی بات ہے۔" وہ قائل نہ ہوئے۔

"مگر معاف کیجیے گا۔ میں افیئر لڑانے پر یقین نہیں رکھتی۔" اسے صاف گوئی سے کام لینا ہی [illegible] آگے جا کر بات بگڑ جاتی۔ اسے تو "محبت زدہ دل" کی اصطلاح بھی شاق گزری تھی۔

"غلطی چاہے کسی سے بھی ہو غلطی ہی کہلاتی ہے۔ ہمارے ہاں یہ دستور رائج ہے کہ ہمارے معیار اپنے لیے اور ہوتے ہیں اور دوسروں کے لیے کچھ اور۔ برائی کو محض اس لیے برائی [illegible] نہ دینا کہ یہ ہم سے بذاتِ خود سرزد ہوئی ہے۔ گناہ سے بڑھ کر گناہ ہے۔ ٹھیک ہے آپ [illegible] کے ناتے غلطی کے مرتکب ہو جاتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ببانگِ دہل اس برائی کا نام دینا شروع کر دیں۔"

ارشین نے اتنے مدلل اور محتاط انداز میں اپنا نقطۂ نظر بیان کیا تھا کہ وہ کچھ ثانیے کو [illegible] سے رہ گئے۔ پھر بولے۔

"جہاں جذبات اپنی انتہا کو چھو رہے ہوں وہاں ایسی چھوٹی موٹی بے اعتدالیاں۔ چل جاتی [illegible]

"مگر یاد رکھیے گا۔ تعلقات اور جذبات میں "انتہا" کچھ عرصے بعد "اعتدال" اور پھر زوال [illegible] کی طرف گامزن ہو جاتی ہے۔"

وہ بے ساختہ کہہ گئی تھی۔

"جب تک میں زندہ ہوں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ابھی تو میں نے اپنے جذبوں کو ایک فیصد [illegible] نہیں کیا جو میرے دل میں تمہارے لیے موجود ہیں۔ جب میرے سامنے ہو گی صرف میری ہو گی [illegible] حالِ دل اچھی طرح سناؤں گا۔" وہ پھر حد پار کرنے لگے۔

"نازش آپا اور مہوش کیسی ہیں؟"

وہ بدحواس ہو کر بات پلٹنے کو بولی۔

"وہ بالکل ٹھیک ہیں۔" وہ اس ذکر پر جھنجھلا سے گئے۔

"تم بات کو اس طرح بے دردی سے بے اثر نہ کیا کرو۔"

"آپ مجھے تم نہ کہا کریں۔ پلیز مجھے اچھا نہیں لگتا۔" وہ منت سے بولی۔

"آپ میں بہت فاصلہ آ جاتا ہے۔ "تم" سارے فاصلے سمیٹ لیتا ہے۔ قربت کا احساس دلاتا ہے۔" وہ ترنگ سے گویا ہوئے۔

"مرد کے لیے کٹھن ترین مرحلہ "اظہارِ محبت" ہوتا ہے پھر اس کے بعد وہ دھڑلے سے جوابی محبت طلب کرتا ہے۔" وہ بڑے لطیف انداز میں طنز کر رہی تھی۔

"عورت کے لیے مشکل مرحلہ کیا ہوتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہو جائے ذرا۔" وہ بشاشت سے [illegible] رہے تھے۔

"عورت کے لیے "اعترافِ محبت" کا مرحلہ کٹھن ہوتا ہے۔ اس کے بعد عورت کڑے سے کڑے امتحان سے گزر سکتی ہے۔"

"تو کیا آپ "اعترافِ محبت" کے مرحلے طے کر چکی ہیں۔" انہوں نے اس کی بات سن کر [illegible] اشتیاق سے دریافت کیا۔

"نہیں۔ ابھی نہیں۔ ابھی یہ مرحلہ بہت دور ہے۔" اس کا لہجہ بالکل صاف تھا۔

"اوہ۔۔! "انہیں شاک سا لگا۔" گویا آپ میرے دلی جذبات کی پذیرائی کرنے سے گریزاں [illegible]

"میں آپ کے جذبوں کی قدر کرتی ہوں مہدی صاحب!" اس نے ہموار لہجے میں کہا۔

"مگر میں ایسے افیئرز کی قائل نہیں ہوں۔ مرد کی محبت کی گہرائی اور سچائی کا صحیح پیمانہ شادی کے بعد کا زمانہ ہوتا ہے۔ شادی سے پہلے تو قدرتی بات ہے دونوں اطراف سے شدتوں کا بھرپور [illegible] مکالموں کا تبادلہ ہوا کرتا ہے۔"

"ارشین! میری ایک بات یاد رکھیے گا۔ میرے ساتھ کھیل مت کھیلیے گا۔ میں پاگل پن کی حد تک آپ کو چاہتا ہوں۔ اگر آپ کے دل میں میرے لیے کوئی سوفٹ کارنر نہیں ہے تو براہ کرم ابھی مطلع کر دیجیے ورنہ بعد میں پلٹنا میرے لیے ناممکن ہو جائے گا۔" ان کے لہجے میں بولتی خوفناک سنجیدگی سے وہ دہل سی گئی۔

"میں آپ سے ساتھ کوئی فراڈ نہیں کر رہی۔ آپ نے پرپوز کیا اور میں نے آپ کو آگاہ کر دیا کہ اس سلسلے میں فائنل اتھارٹی میرے والدین ہیں۔ اب آگے جو بھی ان کی مرضی ہو گی، میں اس کی پابند ہوں۔ ان سے یہ وعدہ رہا کہ شادی کے بعد صحیح معنوں میں اپنی محبت کے تمام تر حقوق اور اعترافات آپ کے نام کر دوں گی۔" وہ صاف گوئی سے دو ٹوک کھرے انداز میں بولی۔

"چلیے میں انتظار کر لوں گا۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولے۔ "میں تو ایک ایک دن گن رہا ہوں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ دو سال کی بیچ بیچ میں سے نکل جائے۔" "کیوں نہیں۔" وہ ابھی کہہ رہے تھے۔ انتظار کر لوں گا اور ابھی بے تاب ہوئے جا رہے ہیں۔" وہ ہنس دی۔ "آپ کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔"

"بس کیا کریں، دل کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ خواہشیں اپنی جگہ اور بے بسی اپنی جگہ۔" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"بزرگ کہتے ہیں انسان جانور اور فرشتے کے بین بین کی چیز ہے۔ جانور کے پاس "خواہش" ہوتی ہے۔ مگر عقل نہیں ہوتی۔ فرشتے کے پاس "عقل" ہوتی ہے مگر خواہش نہیں ہوتی۔ جبکہ انسان کے پاس دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔ بس اگر وہ عقل کو دبا کر خواہش کی بات مانے تو جانور بن جاتا ہے۔ اور اگر خواہش کو قتل کر کے عقل سے کام لے تو فرشتے کی صفات اختیار کر لیتا ہے۔ مجھ میں بھی بحیثیت ایک انسان کے کبھی فرشتے کی صفت حاوی ہو جاتی ہے تو کبھی اس فرشتگی پر حیوانیت غالب آ جاتی ہے۔ بس کوشش کرنا مجھے انسان ہی رہنے دو۔ اگر حیوانیت کا روپ دھار لیا تو باقی کچھ نہیں بچے گا۔ انسان ہونے کے ناتے مجھ میں شدت سے محبت کرنے اور شدت سے نفرت کرنے کی دونوں صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔"

ان کا لہجہ ایک بار پھر پُراسراریت کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

"آپ کی باتیں تو مجھے دہلا کر رکھ دیتی ہیں۔" وہ جھرجھری لے کر خفگی سے گویا ہوئی۔ "مجھے آپ سے ڈر لگنے لگتا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ ڈری سہمی عورتیں تو ویسے بھی مرد کو بہت اپیل کرتی ہیں۔ آپ تو یوں بھی قیامت ہیں۔ خوفزدہ روپ گویا سونے پر سہاگہ ہو گا۔"

وہ گویا تصور کی آنکھ سے اسے دیکھ رہے تھے۔ لہجہ بہت دھیما اور سرگوشیانہ تھا۔

یہ جملہ اس کی برداشت سے بہت زیادہ تھا اس نے وحشت زدہ سے انداز میں ایک دم فون رکھ دیا تھا۔

☾☾☾

"ایکسکیوزمی مسز محمود! آپ کہاں جائیں گی۔ کہیں تو میں ڈراپ کر دوں؟" کالج میں آف ہونے کے بعد وہ پارکنگ لاٹ سے اپنی آلٹو نکالتی ہوئی گیٹ پر آئی تو مسز محمود کو منتظر و مضطرب نگاہوں سے اِدھر اُدھر سڑک پر دیکھتے پا کر اس کے پاؤں بریک کو چھو گئے تھے۔

"اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی۔ ایک گھنٹہ اوپر ہو گیا ہے اب تو۔ نجانے کہاں رہ گیا۔ شاید ذہن سے نکل گیا ہو گا۔"

وہ اپنی پریشانی چھپا کر رواداری سے کہہ رہی تھیں۔

"ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا۔ کوئی بات نہیں۔ آیئے آج میری گاڑی کو عزت بخشیں۔"

ارشین نے خوشدلی سے کہتے ہوئے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔

"کدھر جائیے گا؟" ان کے بیٹھنے پر اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"ایف سیون جانا ہے بیٹے۔ فیصل مسجد کے پاس ہے میرا گھر۔ آپ کو زحمت تو نہیں ہوگی؟" دوسروں کا حد سے سوا خیال رکھنے والی مسز محمود بہت مشفقانہ انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

"ارے نہیں۔ کیسی غیروں والی باتیں کرتی ہیں؟" وہ اخلاقاً مسکرائی اور گاڑی ناظم الدین روڈ پر ڈال دی۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ایک بات پوچھوں؟" ادھر اُدھر کی باتوں میں اچانک ارشین نے ان پر نگاہ ڈال کر پوچھا تھا۔

"میں نے سُنا ہے آپ میجر محمود کی بیوہ ہیں۔ اور آپ کے خاوند شادی کے چار سال بعد ایک مہم میں جامِ شہادت نوش کر گئے تھے۔ اور آپ کی ان سے کوئی اولاد نہیں تھی پھر یہ بیٹا؟"

ارشین زیادہ دیر تک اپنے تحیر پر قابو نہیں پا سکی تھی۔

مسز محمود کے پُرتمکنت چہرے پر مبہم سی مسکراہٹ کی کرنیں بکھرنے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں [...] فسوں اُترنے لگا تھا۔

"اس فوجی مہم میں میرے شوہر کے ساتھ ان کے جگری دوست میجر ذیشان آفریدی بھی [...] تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے اور ان کی بیگم دل کی مریضہ تھیں۔ وہ شوہر کی جدائی نہ سہہ پائیں اور [...] فوت ہوگئیں۔ مرنے سے پہلے اپنے بچوں کو میرے سپرد کر گئی تھیں۔ اور میں نے انہیں ماں بن [کر] پالا ہے۔"

"مگر آپ کے عزیز رشتہ دار؟ ان لوگوں نے اعتراض نہیں کیا؟"

"اتفاق سے ہماری لمبی چوڑی رشتے داری نہیں تھی۔ پھر امی ابا کی وفات کے بعد میں [...] ہوگئی۔ یوں بھی ذیشان بھائی کی فیملی سے اپنوں سے بڑھ کر پیار و محبت کا بندھن استوار تھا۔ وہ [...] شوہر کے بچپن کے "اکلوتے" اور گہرے دوست تھے۔ ان بچوں نے بھی مجھے ماں سے بڑھ کر [...] و تکریم دی ہے۔"

ان کا لہجہ فخریہ ہو گیا۔ نیکی، نیک دلی اور نیک نیتی کا نور ان کے روئیں روئیں سے [...] رہا تھا۔

"بچوں نے آپ کا ساتھ آسانی سے قبول کر لیا تھا؟ میرا مطلب ہے بطور ماں؟"

"ہاں، نیک والدین کی اولاد بھی نیک ہوتی ہے۔ حالانکہ اس وقت بڑا بیٹا بارہ تیرہ برس [...] اور اس سے چھوٹا چھ سال کا تھا۔ دونوں ماشاءاللہ بہت سمجھدار اور محبت کرنے والے بچے [...] تھے۔ بلکہ ہیں۔ اور اب تو خدا نظرِ بد سے بچائے بھرپور نوجوان ہیں۔" وہ شگفتگی سے مسکرا [رہی] تھیں۔

"اگر نہ بھی ہوتے تو آپ کی صحبت میں رہ کر ایسے ہو جاتے۔ آپ تو عزم و ہمت بہادری اور [...] دوستی کی مثال ہیں۔" وہ بہت احترام سے ہنسی۔

"اللہ کا کرم ہے بیٹے۔" انہوں نے انکساری سے کہا۔

"وگرنہ من آنم کہ من دانم۔ بس یہ ہے کہ میں نے پوری پوری کوشش کی ہے کہ ان کے دل [...] اور انسانیت سے محبت کی لَے میں دھڑکیں۔"

ان کے چہرے پر ان کے خوبصورت دلی جذبات کا نور چمک رہا تھا۔

◆ ◆ ◆

"میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں اس سے اچھا پلاؤ اور قورمہ آپ کو دنیا میں کہیں نہیں ملے گا۔" [...] چمچہ ہلاتے ہوئے ناظر نے بڑے وثوق سے کہا تھا۔

"ہاں بھئی سچ ہے۔" برتن کھڑکھڑاتے سفیان نے سنجیدگی کے ریکارڈ توڑ ڈالے۔ "یہ دعویٰ کر [کے] بندہ کھانا کھائے تو خود بخود اس کا ذائقہ اور لذت انوکھی لگنے لگتی ہے۔"

"سو فیصد درست کہا۔ اچھا اب جا کے لان سے کچھ پھول توڑ لائیں۔ گلدان میں سجائیں گے۔ آج [بی] بی جی نے جو آنا ہے۔ شکر ہے کالج میں متبادل ہوسٹل وارڈن کا انتخاب ہو گیا ہے۔"

ناظر ایف ایم ون ہنڈرڈ ٹیون کر رہا تھا۔ اسی لمحے یہ نغمہ فضا میں بکھرا۔

کبھی کبھی تو ملا کرو
ہمیں بھی درشن دیا کرو
بنا تمہارے لگے نہ جی
دور نہ ہم سے رہا کرو

"ہاں اب وہ کالج ٹائمنگز کے بعد گھر پر ہی رہا کریں گی۔ اوئے ہوئے کوئی اسپانسر پروگرام لگا ہے۔"

پھول گلدان میں سجاتے ہوئے ایف ایم کی طرف متوجہ سفیان نے سیٹی بجائی۔

"یہ تو میرا پسندیدہ ہے۔" ناظر جھٹ لاؤنج میں جا بیٹھا۔ نیا گانا شروع ہو چکا تھا۔

آ دیس میرے مہماں آ
دل دروازہ کھولے کب سے کھڑا ہوں

"او بھرے! باہر بھی دروازہ بج رہا ہے۔ کچھ سُن لو۔ شاید بھائی جان آ گئے ہیں نینی کو لے کر۔" ہارن کی آواز پر سفیان باہر کی سمت لپکا تھا۔

"یہ ہارن ہماری گاڑی کا نہیں ہے۔" ناظر اس کے برعکس آرام سے بیٹھا رہا۔

"تم تو ہو ہی سست الوجود چینی عالی حضرت! —— گاڑی ہمارے گیٹ پر ہی رُکی ہے۔" وہ یہاں فتویٰ صادر کر کے باہر گیا مگر ریڈ کلر کی آلٹو کی جھلک دیکھ کر اسے ناظر کے درست اندازے کا قائل ہونا پڑا۔

"مگر بہر حال نینی نہ سہی ہمارے ہاں کوئی آیا تو ہے ناں۔"

سفیان نے ڈھٹائی کا عظیم الشان مظاہرہ کیا۔ ناظر چھوٹا گیٹ کھول کر پوچھنے کے لیے باہر نکلا۔ فرنٹ سیٹ پر نینی کو بیٹھا دیکھ کر اسی تیز رفتاری سے بغیر کچھ کہے سنے میکانکی انداز میں بڑا گیٹ [کھو]ل دیا تھا۔

"نینی!" سفیان بچوں کی طرح بھاگ کر فرنٹ ڈور کھولتی نینی سے جا لپٹا تھا۔

"میرا بچہ۔ میرا شہزادہ بیٹا کیسا ہے؟" انہوں نے والہانہ اسے لپٹا کر سر منہ چوما تھا۔ ناظر نے سفیان کی تقلید کی تھی۔

"کیسے ہو میرے چاند؟" انہوں نے بلاتکلف اتنی ہی شفقت سے ناظر کا شانہ اور سر تھپتھپایا تھا۔

"او کے مسز محمود مجھے اجازت دیجیے گا۔"

ارشین نے گاڑی بیک گیئر میں ڈالتے ہوئے اجازت طلب نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ فوراً [...] گئیں۔

"ارے نہیں بیٹے! ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ نیچے آؤ۔ شاباش۔" وہ اپنے مخصوص دلنشیں انداز میں اس کی سائیڈ کا دروازہ کھولتے ہوئے بولیں ارشین احتجاج اور معذرت ہی کرتی رہ گئی۔

"دیر ہو رہی ہے مسز محمود۔ بی بی جان انتظار میں ہوں گی۔ پھر کبھی سہی۔"

"آپ گھر فون کر دیجیے گا۔ پہلی بار میرے گھر آئی ہو۔ کچھ کھائے پیئے بغیر نہیں جانے دوں گی۔ ویسے بھی کھانے کا وقت ہے۔"

"نینی! بھائی جان نہیں ملے تھے آپ کو؟ انہوں نے آنا تھا آپ کو پک کرنے کے لیے۔" نینی کے گرد

بازو پھیلائے سفیان پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔ مجھے خود تشویش ہو رہی ہے۔ میں بہت دیر تک انتظار کرنے کے بعد ارشین بیٹے کے آئی ہوں۔ ارے ہاں میں نے تعارف تو کروایا ہی نہیں۔" وہ چونک کر بولیں۔

"ان سے ملو ہمارے کالج کی ہونہار لیکچرر ہیں۔ فائن آرٹس ڈیپارٹمنٹ میں ہوتی ہیں، اس کے مشہور مصورہ بھی ہیں۔ یاد ہے ایک بار آرٹس کونسل میں تم میرے ساتھ گئے تھے، تمہیں بہت پسند تھیں ان کی تصویریں۔ اور پھر تم نے اپنے کسی دوست کے لیے سالگرہ گفٹ کے طور پر ایک بھی خریدی تھی۔"

"یاد آ گیا۔ ارشین بخاری۔" سفیان ہلکے گلابی کاٹن کے دوپٹے کے ہالے میں اس کا جاذب نظر چہرہ دیکھ کر چونکا۔

"ارشین بچے! یہ میرا چھوٹا بیٹا سفیان ہے۔"

نینی نے لاڈ سے صوفے کے پاس کھڑے سفیان کی پشت تھپتھپائی۔

ارشین مسکراتی نظروں سے اس نوجوان کو دیکھ رہی تھی جس کے چہرے پر سنجیدگی تھی مگر آنکھوں میں شرارت اور معصومیت کے رنگ کھلکھلا رہے تھے۔ وہ غالباً اس کے سینئر ہونے کے خیال سے مؤدب ہو گیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ سفی بیٹے! یہ تمہاری آپا ہی ہیں۔"

اوّل تو گھر میں خواتین زیادہ آتی نہیں تھیں۔ نینی کی ملنے والیاں آتی تھیں تو ڈرائینگ روم تک رہتی تھیں۔ نینی نے اسے یا مہران کو ملوانے کے لیے کبھی نہیں بلوایا تھا۔ اس طرح کی بے تکلفی اس گھرانے میں نہیں چلتی تھی۔ مہران تو اپنی حد درجہ سنجیدہ طبیعت کے باعث یوں بھی لوگوں سے بہت کم ملتا تھا اور سفیان بھی ہنس مکھ اور پُراعتماد ہونے کے باوجود خواتین سے بے تکلف ہونے سے کتراتا تھا۔

"سفی کو پورٹریٹ بنوانے کا بہت شوق ہے۔ کچھ عرصے پہلے اس نے فرمائش بھی کی تھی۔ میں نے آپ کا ذکر کیا تھا۔ ارشین بیٹے آپ کے پاس وقت ہو تو یہ آپ کے اسٹوڈیو آ جائے؟"

"کیوں نہیں۔" ارشین کو یہ بھولا بھالا مہذب سا خوش باش لڑکا بہت پسند آیا۔

ناظر نے کھانا لگا دیا تھا اور بہت اصرار کے ساتھ نینی اسے ٹیبل پر لے گئی تھیں۔

"آپ یہ پلاؤ بھی نوش فرمائیے آپا جی! آپ کو پسند آئے گا۔" نینی کے آرڈر پر ناظر بھی ٹیبل پر تھا۔ اور بڑے مؤدبانہ انداز میں گزارش کر رہا تھا۔

سفیان کو ہنسی آ گئی۔

"محترم ناظر صاحب! آپ تہذیب و تعلیم کا مظاہرہ کرنے کے جوش میں بھول گئے ہیں کہ پلاؤ نوش نہیں تناول کیا جاتا ہے۔"

ناظر کی گت بنتے دیکھ کر ارشین کو بہت لطف آیا۔

"آپ کے ہاں تو خوب رونق لگی رہتی ہوگی مسز محمود۔" ارشین ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی۔

"مسز محمود!" سفیان کو اچنبھا ہوا۔ یہ نام بہت نامانوس سا لگتا تھا۔

"یہ سب شروع سے نینی ہی کہتے ہیں۔" اُنہوں نے مسکرا کر بتایا۔

"دراصل میرا نام نینا ہے۔ جب یہ چھوٹے تھے تو نینا آنٹی نہیں بولا جاتا تھا تب سے نینی۔ مجھے خوشی ہوگی بیٹے! اگر آپ بھی مجھے اس نام سے پکارو۔"

"جی ضرور۔" مسز محمود کا محبت بھرا مشفقانہ اور میٹھا لہجہ خود بخود بندے کو ان کی طرف متوجہ کرتا تھا۔

"اوہ! مجھے گھر فون کرنا تھا۔" ایک دم ہی ارشین پریشان ہو گئی۔ پون گھنٹہ اوپر ہو گیا تھا۔ بی بی جان نے تو قیامت مچا دی ہوگی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں بیٹے! امی کو بتا دو اور یہ بھی کہ آپ شام کی چائے کے بعد آؤ گے۔ ابھی میں نہیں جانے دوں گی۔"

ناظر نے اس کی فون تک رہنمائی کی تھی۔

"ہیلو۔ بی بی جان! ارشین بات کر رہی ہوں۔ میں اپنی ایک کولیگ کے ہاں ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آجاؤں گی۔" وہ دبے انداز میں سلسلہ ملنے پر کہہ کر رکھنے والی تھی جب بی بی جان کی غضب ناک آواز سنائی دی۔

"شرم تو نہیں آتی ہے تمہیں۔ لڑکیوں کو اتنا بھی آزاد نہیں ہونا چاہیے۔ باوا نے آزادی دے کے جی بھر کے اس کے سر پر راکھ ڈالوا دی۔ ہماری جان عذاب میں ڈال رکھی ہے۔ گھنٹے بھر سے کھانا پینا حرام ہو گیا ہے۔ جان اٹکی ہوئی ہے۔ شتر بے مہار جہاں جی چاہا منہ اٹھا کے چل دیے نہ کوئی پوچھنے والا نہ روکنے ٹوکنے والا، لعنت ہے ایسی خود سر اولاد پر۔"

اُنہوں نے کھٹاک سے فون رکھ دیا تھا۔ وہ جیسے پتھر کی ہو گئی۔ سارے جسم کا لہو چہرے پر چھلک آیا۔ خشونت برساتا، بے رحم اور کھردرا لب و لہجہ اعصاب سن کر جھنجھلا گئے تھے۔ جی چاہا زندہ زمین میں دفن ہو جائے۔

نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر وہ پیشانی سے پھوٹ پڑنے والا پسینہ پونچھ کر وہ خود پر قابو پاتے ہوئے پلٹ آئی۔ وہ سب ڈرائینگ روم میں اس کے منتظر تھے۔

"میں چلتی ہوں نینی!" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا کر کھوکھلی بشاشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

"کچھ دیر تو بیٹھیے آپا۔ ابھی تو صحیح طرح بات بھی نہیں ہوئی۔"

سفیان نے اپنائیت سے اصرار کیا۔ وہ دلچسپی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"جی ہاں۔ ابھی حضور کھل کر سامنے نہیں آئے۔" ناظر نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

سفیان نے ہنس کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"پھر بات ہوگی سفیان بھیا! اس وقت جلدی میں ہوں۔" وہ مسکرا کر ٹالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ نینی نے بھی روکا تھا پھر اس کی پریشانی کا خیال کرتے ہوئے اجازت دے دی۔ نینی کے ساتھ سفیان بھی اسے باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔ ناظر بھی بیرونی دروازے پر کھڑا دانت نکال کر خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ اسے رخصت کر کے وہ لوگ اندر چلے آئے۔

مہران پریشانی کے عالم میں ریش ڈرائیونگ کرتا ہوا گھر پہنچا تھا۔ اتفاق سے موبائل جیب میں پڑا پڑا آف ہو گیا تھا۔ ورنہ گھر فون کر دیتا۔ جونہی اس کی گاڑی اپنی گلی میں مڑی اُسے گھر کے گیٹ کی ڈھلانی روش سے سرخ آلٹو نکلتی دکھائی دی۔ بیک کرنے کے بعد گاڑی مخالف سمت میں مڑ گئی تھی۔ مہران ڈرائیور کے گلابی آنچل اور بالوں کی جھلک ہی دیکھ سکا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی خاتون ڈرائیو کر رہی تھیں جونہی گاڑی پلٹ ہوئی اس کی نمبر پلیٹ پر مہران کی نظر پڑی وہ چونک گیا۔

"آئی بی ڈی ۲۰۸۲۔" اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ اس گاڑی کی مالکہ سے کچھ عرصہ پہلے اس کا ٹاکرا ہوا تھا۔ اس کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"اس کے گھر میں یہ خاتون کیا کرنے آئی تھیں؟"

"سوری نینی! مجھے عین ٹائم پر آئی جی نے طلب کر لیا تھا۔ کام کی نوعیت ایسی تھی کہ فوری طور پر مطلع نہیں کر سکا۔ آپ کیسے آئیں؟" وہ نینی سے مل کر معذرت بھرے انداز میں بولا۔

اُنہوں نے پولیس کی وردی میں ملبوس سنجیدہ و متین بیٹے کو چمکتی آنکھوں سے دیکھا اور پھر اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر محبت بھرا بوسہ دیا۔

"مجھے میری کولیگ چھوڑ کے گئی ہے۔ بڑی اچھی بچی ہے۔ اللہ عمر دراز کرے۔ شکر ہے خیریت سے گھر آ گئے۔ مجھے بہت پریشانی ہو رہی تھی۔"

"ان کی شادی ہو گئی ہے نینی؟" سفیان کچھ سوچتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"نہیں ابھی تو نہیں ہوئی۔ اللہ اس کے نصیب اچھے کرے۔ اپنے بہن بھائیوں کی خاطر شا

"ان کے والدین؟" ناظر نے افسوس سے پوچھا۔

"ارے نہیں۔ وہ ماشاء اللہ حیات ہیں۔ اس کے والد صاحب معذور ہیں۔ اور یہ گھر ہے۔ بھائی ابھی چھوٹا ہے۔"

"بہت اچھی ہیں۔ کوئی نخرہ نہیں۔ سادہ مزاج اور نیک دل خاتون ہیں۔" سفیان کو اس کی خو اور محبت کرنے والی طبیعت بہت بھائی تھی۔ "ان کو دوبارہ بھی بلائیے گا نینی جی!" ناظر نے ہم کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"بھئی یہ تعریفی پیریڈ ختم ہو گیا ہو تو کھانا مل جائے گا مجھے؟" مہران اس غیر دلچسپ گفتگو سے بور ہو کر آکر بولا۔

◆◆◆

"السلام علیکم جی مسز محمود! نہیں سوری نینی! کیا حال چال ہیں؟"

فون اٹھانے پر ادھر سے نینی کی نرم و مشفق آواز سن کر اس کا موڈ فریش ہو گیا تھا۔ وہ اس لاؤنج میں کھڑی تھی۔

"آپ کیسے ہو بیٹے؟" نینی کے مخصوص طرزِ تخاطب نے اسے بہت محظوظ کیا۔

"آپ کی دعا ہے نینی! آپ سنائیے، سفیان ٹھیک ہے۔ اور ناظر!" وہ جانتی تھی نینی ان کو بیٹوں کی طرح ہی چاہتی ہیں۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ بلکہ اسی سلسلے میں ان کے اصرار پر آپ کو انوائیٹ کر رہی ہوں۔ پرسوں میری برتھ ڈے ہے۔ میں تو لاکھ منع کرتی ہوں مگر میرے بچے ہر سال یہ دن مناتے ہیں۔ سفیان دو تین دن سے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ آپا کو بھی انوائیٹ کر

"اور آپ نے ضرور بالضرور آنا ہے۔" اسی لمحے سفیان نے پیچھے سے ریسیور لے لیا۔

"جی سفیان جی! کیسے مزاج ہیں!" وہ اس کی شگفتہ آواز سن کر بشاشت سے مخاطب ہوا

اس بات سے بے خبر کہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی سبزی کاٹتی بی بی جان نے چونک کر اس کی پشت گھورا تھا اور چھری ایک طرف رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

دوسری جانب سے جانے سفیان نے کیا چٹکلہ چھوڑا تھا کہ ارشین کھلکھلا پڑی۔

"بہت شیطان ہو تم۔ میں تو تمہیں اچھا خاصا شریف لڑکا سمجھ رہی تھی۔ تم تو پورے ہو۔" ارشین کے لہجے سے اپنائیت آمیز بے تکلفی جھلک رہی تھی۔

بی بی جان کی پیشانی شکن آلود ہونے لگی، اور آنکھوں میں چنگاریاں سی پھوٹنے لگیں۔

ارشین بہت مگن سے انداز میں محوِ گفتگو تھی۔ چہرے پر سرشاری۔ سرخوشی اور ہنسی کے دیے تھے۔

بی بی جان نے زور سے چھری آلوؤں پر ماری تھی۔

"اچھا جناب! آپ کا حکم ہے تو آنا ہی پڑے گا۔" وہ گفتگو کے اختتامی مراحل طے کر رہی

"نینی کی تسلی کرا دینا۔ او کے عالی حضرت! فکر نہ کرو پوری تیاری سے آؤں گی۔ مجھے اندازہ ہے یہ دن تم لوگوں کے لیے بہت اسپیشل ہوتا ہے۔"

پھر اس نے ہنس کر فون رکھ دیا تھا۔

"بی بی جان!" وہ مڑی تو انہیں بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک سی گئی پھر کچھ سوچ کر ان کے پاس چلی آئی

"وہ میری کولیگ کی سالگرہ ہے پرسوں، بہت اصرار سے بلا رہی تھیں۔" اس نے اجازت طلب نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے جھجک کر بات مکمل کی تھی۔ دل دھک دھک کر رہا تھا جانے اجازت دیں یا؟

بی بی جان کا موڈ بگڑا ہوا تھا، وہ ہونٹ چباتے ہوئے تیز تیز چھری چلا رہی تھیں، ماتھے پر ان گنت شکنیں تھیں۔ البتہ خاموش بیٹھی رہیں۔

"پھر چلی جاؤں میں؟" کافی دیر تک توقف کرنے کے بعد اس نے دوبارہ نرمی سے استفسار کیا۔

بی بی جان نے چھلکے سمیٹتے ہوئے زہر میں بجھی آواز میں کہا۔

"مجھ سے کیا پوچھتی ہو بی بی! تمہارا اختیار ہے۔ جہاں جی چاہے جاؤ، میری بلا سے۔"

گویا دیر سے آنے کا غصہ ابھی باقی تھا۔

"یوں بھی کولیگ کا بہانہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم ایسے بھی اپنے 'ہوتے سوتے' سے مل سکتی ہو۔ روک سکتا ہے تمہیں؟"

وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کا سرد لہجہ اور تمسخرانہ انداز ارشین کے دل میں خنجر کی طرح پیوست ہو گیا۔

"بی بی جان!" صدمے کی شدت سے ارشین کے اعصاب جواب دے گئے۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔

"کیسی بات نہیں ہے بی بی جان!" وہ احساسِ توہین سے گڑی جا رہی تھی۔ لہجہ مدھم اور لجاجت آمیز تھا۔

"سفیان میری کولیگ کا بیٹا ہے۔ مجھ سے خاصا چھوٹا ہو گا۔ اچھا گھرانہ ہے۔ میں تو کچھ اور سوچ کر ان سے میل جول بڑھانا چاہ رہی تھی، آخر ہم نے اپنی بہنوں کے بیاہ نہیں کرنے؟ امبرین اور شاہین دونوں ماشاءاللہ ایک جتنی لگتی ہیں۔"

"تمہیں ان کے بارے میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان کے ماں باپ زندہ ہیں۔" بی بی جان پھنکاریں۔ "تم اپنی فکر کرو۔" ان کا لہجہ برچھی کی طرح دل پر لگا۔

"بی بی جان! آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔" ارشین کی آواز اونچی ہو گئی۔

"آخر کیا چاہتی ہیں آپ آپ؟" جانے کدھر سے امبرین نکل آئی تھی۔ ماں کی سپورٹ کے لیے۔

"جب دیکھو، ایک نیا جھگڑا لیے بیٹھی ہوتی ہیں۔ خدا کے واسطے گھر میں کچھ گھڑیاں تو سکون سے بسر کر لینے دیا کریں۔ ہر وقت کی چیخ چیخ۔"

امبرین کا بیزاری و ناگواری سے بھرپور لہجہ ارشین کو سلگا گیا۔

"تم چپ رہو۔ بڑوں کی باتوں میں مت بولا کرو۔" اسے حقیقتاً امبرین کی مداخلت بری لگی تھی۔ لہجہ بھی تو بہت بدتمیز اور بدلحاظ سا تھا۔

"ہاں اسے بولنے دو بڑھ چڑھ کر۔ اور سیکھا ہی کیا ہے سوائے زبان چلانے کے۔" امبرین کی حمایت پا کر بی بی جان کا غصہ سوا نیزے پر جا چڑھا تھا۔

"بی بی جان! آپ ہی برداشت کیا کریں۔ اتنے عرصے سے تو سہہ رہی ہیں۔"

امبرین تلخ اور بیگانہ نگاہ ارشین پر ڈال کر بھناتے ہوئے اوپر چلی گئی تھی۔

ارشین کے تو جیسے پتنگے لگ گئے تھے۔ امبرین کے اس درجہ خودسر اور سرکش تیور اسے خطرے کا احساس دلا رہے تھے۔

"بی بی جان! آپ اپنی جنگ میں امبرین کو بطور ایندھن استعمال نہ کیا کریں۔ جو کہنا سننا ہوتا ہے براہِ راست مجھ سے کہہ دیا کریں۔ اس کے اخلاق و کردار کی تعمیر میں منفی اثر پڑے گا۔" وہ بھڑکتے ہوئے تیور بمشکل تمام کنٹرول کر سکی تھی۔

"اچھا، تو تمہارا خیال ہے میں امبرین کو تمہارے خلاف بھڑکاتی ہوں؟" بی بی جان کے تن بدن

میں آگ لگ گئی۔

"ارے تباہ تو اس کو تم نے کیا ہے۔ اُسے بھی اپنی راہ پر ڈال رہی ہو۔ چاہتی ہو جیسی خود ہو اُسے بھی ویسا ہی بنا دو۔ مگر تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہوگی، وہ میری بیٹی ہے۔"

"اُف خدایا" اُسے لگا وہ تھوڑی دیر مزید یہاں رُکی تو اس کے اعصاب جواب دے گئے۔

"شاہین! میں نازو کے ہاں جا رہی ہوں۔ اس سے پہلے کہ میرا دماغ اُلٹ جائے" گاڑی کی چابی لے کر سیڑھیاں چڑھتی شاہین کو بتایا اور آندھی طوفان کی طرح پورچ کی طرف بڑھ گئی۔ ریش ڈرائیونگ کرتی ہوئی گھر سے نکلی تھی۔ بی بی جان کے کٹیلے جملے سماعتوں میں انگارے بن رہے تھے۔

نازو کے ساس سسر اور میاں گھر پر نہیں تھے۔ اچھا ہی ہوا جو اخلاقیات نبھانے کی زحمت بچ گئی، ذہن و دل اس درجہ منتشر تھے کہ وہ مروتاً بھی اخلاق برتنے کی روادار نہیں تھی۔

"خیر تو ہے ناں؟" نازو اس کے تیور دیکھ کر حد درجہ پریشان ہو گئی تھی۔ ارشین کا ضبط سے پڑتا چہرہ، بھنچے ہوئے لب اور کھنچے ہوئے ابرو بتا رہے تھے کہ وہ شدید کشمکش کا شکار ہے۔ اشتعال امڈ کر آ رہا تھا مگر وہ خود پر کنٹرول کیے ہوئے تھی۔

"نازو! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں بہت جلد شادی کر لوں گی۔ شاید چند ہفتوں میں۔" اس نے جیسے دھماکہ کیا تھا۔

"مگر ہوا کیا ہے؟"

اس نے الف تا ے ساری داستان کہہ سنائی۔ اس سے کیا چھپا تھا۔ نازو ہکا بکا اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں اندازہ ہے تم کیا کہہ رہی ہو ارشین!" بڑی دیر بعد اس کا سکوت ٹوٹا تھا۔

"ہاں اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔" ارشین قطعیت سے بولی۔

نازو کو اس بات پر تعجب نہیں تھا بلکہ وہ تو خود کتنے عرصے سے ارشین کو شادی کا کہہ رہی تھی تو اس کے انتخاب پر تھی۔

اچھی خاصی عمر کا شادی شدہ مرد اور ایک بچی کا باپ۔ کوئی جوڑ بھی تو نہیں بنتا تھا۔ پھر ارشین کی کمی تھی۔ کون سا اس کی عمر نکلی جا رہی تھی یا بدصورت اور کم رو تھی جو ایسے گئے گزرے رشتے کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔

اس نے ایکدم اپنے ردِعمل کا اظہار نہیں کیا۔ یوں بھی ارشین جس قسم کی جذباتی توڑ پھوڑ کا شکار تھی وہ شاید نازو کے سمجھانے پر اس سے بدگمان ہو کر پلٹ جاتی۔

اس سے کے ذہنی و جذباتی "وچھوڑے" نے ارشین کو بہت کمزور بنا دیا تھا۔ پروفیسر دانیال مہدی کا کمال یہ تھا کہ ایسے کڑے وقت میں اپنی ہمدردی کا پھاہا رکھ کر گویا ارشین کا ووٹ حاصل کر لیا تھا۔

پھر کچھ معقول آدمی تھے، اس کے بجائے کوئی بہت گیا گزرا سا مجرمانہ ذہنیت کا حامل شخص بھی اگر سکون کا مظاہرہ کرتا تو ارشین اس کے رویے سے متاثر ہو کر اس کی جانب متوجہ ہو جاتی۔ وہ بڑے نرمی سے بولی۔

"بلاشبہ پروفیسر دانیال مہدی میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ مگر ارشی قباحت صرف اتنی سی ہے کہ بیوی اور بچی کے ہوتے ہوئے وہ شاید دوسری بیوی کے حقوق پوری طرح ادا نہ کر پائیں۔ نازش وہ محبت سے بیاہ کر لائے تھے۔ آج بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہیں اور تمہارے سامنے پوری سچائی سے اعتراف بھی کرتے ہیں۔ سوچو ذرا شادی کے بعد کیا تم محبت کی اس تقسیم کو برداشت کر پاؤ گی؟ بیوی تو بیوی تمہیں یہ بھی گوارا نہیں ہوگا کہ وہ اپنی بچی کو تم سے زیادہ ٹائم دیں۔"

"یہ سوچنا پروفیسر اور اس کی بیوی کا کام ہے۔" وہ خودسری سے بولی۔

"اور پھر مجھے یہ بات بھی بہت عجیب لگی ہے کہ نازش نے بقول پروفیسر کے دلی آمادگی سے دوسری شادی کی اجازت دی ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"نازش آپا مہدی صاحب کو بہت چاہتی ہیں ان کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔" ارشین نے توجیہہ پیش کی۔

"ہر بیوی اپنے خاوند کو بہت چاہتی ہے۔ میں بھی ناصر کے لیے دنیا چھوڑ سکتی ہوں، مجھ میں یہ سکت نہیں ہے کہ راضی خوشی ان کو دوسری عورت کے حوالے کر دوں۔ میں اپنی اور اُن کی جان ایک کر دوں گی۔"

نازو کے لہجے کی مضبوطی نے ارشین کو مخمصے میں ڈال دیا۔

"کیا تم بذاتِ خود نازش سے ملی ہو؟"

"نہیں۔" ارشین نے نفی میں جواب دیا۔

"پھر تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ اس نے ہنسی خوشی پروفیسر کو شادی کی اجازت دی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے روایتی مرد کی طرح نازش کو دھمکی دے کر اجازت نامے پر سائن کروائے ہوں۔ تمہیں ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں کیا علم ہے؟ آخر پوری زندگی کا معاملہ ہے شادی کھیل تو نہیں ہوتا۔ کیا تم ایک بے بس عورت کے آنسوؤں، آہوں اور بددعاؤں پر اپنے گھر کی بنیاد رکھو گی؟"

ارشین کے دل و دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے، وہ جیسے سناٹے میں آ گئی۔ نازو نے لوہا گرم دیکھ کر مزید چوٹ لگائی۔

"پھر تمہارا کیریئر ہے، تمہارا ایک نام ہے، ایک مقام ہے، لوگ تمہیں پہچانتے ہیں، تم ایک اُبھرتی ہوئی کامیاب مصورہ ہو۔ کیا تم اپنے پیچھے طرح طرح کی اُلٹی سیدھی باتیں اور الزامات سن سکو گی؟ سوچو تو لوگ کس کس طرح نہ اسکینڈلائز کریں گے؟"

ارشین کو یوں لگا جیسے اچانک کسی نے اس کی آنکھیں کھول دی ہوں وہ مبہم سے بے یقین انداز میں نازو کو دیکھ رہی تھی۔

نازو نے اس کا کندھا تھپتھپا کر نرمی سے سمجھایا۔

"تمہیں اچھے اور مناسب رشتوں کی کمی تو نہیں ہے جو تم خوامخواہ اپنی جان عذاب میں ڈال رہی ہو۔ تم پروفیسر کے جس اپنائیت آمیز، ہمدردانہ مشفق انداز پر پگھلی ہو، خدا جانے یہ انداز تم سے پہلے کتنی لڑکیوں پر بڑائی کیے جا چکے ہوں گے۔ کچھ مردوں کو عادت ہوتی ہے، وہ ہر محبت بڑی ایمانداری اور خلوصِ دل سے کرتے ہیں، جس پہ دل آ جائے، اس کے حصول کے لیے آخری قطرۂ خون بہا دینے پہ تل جاتے ہیں، مگر اسے حاصل کرنے کے بعد، ان کا جی اچاٹ ہو جاتا ہے۔ اور پھر دوبارہ سے اپنی پہلی محبت کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ ابھی وہ تمہارے سحر میں گرفتار ہیں، تمہیں حاصل کرنے کے بعد سرشاری کے رنگ مٹ جائیں گے تو پھر نازش کی طرف پلٹ جائیں گے اور تمہارا دامن خالی کا خالی رہ جائے گا۔"

"مگر ان کا انداز، ان کا جنوں، ان کے جانثارانہ تیور وہ سب ان خدشات کی نفی کرتے ہیں۔ تم نے ان کا لب و لہجہ نہیں سنا نازو، ورنہ مجھے یقین ہے میری جگہ تم بھی ہوتیں تو اس ساحرانہ انداز پر جھک ہو جاتیں۔"

وہ خوابیدہ سے انداز میں گویا ہوئی۔

"شاید میں بھی ایسا ہی کرتی۔" نازو نے اس کی بات کی نفی نہیں کی بلکہ پورے شد و مد سے سر ہلایا تھا۔ "مگر بعد میں ہوش میں آنے کے بعد خود ہی آٹے دال کا بھاؤ پتا چل جانا تھا۔ یہی جنون اور یہی والہانہ پن نازش کے حصول کے لیے بھی ان میں دیکھنے میں آیا ہوگا۔ اور آج دیکھ لو اسی نازش پر دوسری

عورت لارہے ہیں تو پھر تم کیسے ان کی وفا اور مستقل مزاجی کا اندازہ لگا سکتی ہو؟"

نازو کے قطعی انداز ارشین کو لاجواب کرنے لگے۔ واقعی یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ جوا[illegible]
محبت کا دعویدار تھا کل کو کسی تیسری عورت کے بارے میں بھی سوچ سکتا تھا۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ تمہارے دل میں ان کے لیے محبت کا جذبہ موجود ہے؟" نازو ٹٹولنے وال[illegible]
سے بغور اس کا جائزہ لے کر پوچھ رہی تھی۔ ارشین نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبالیا۔

"محبت تو نہیں کہہ سکتے، یہ چشمہ تو شاید ساری عمر میرے دل کی بنجر وادی سے نہیں پھوٹے گا
مگر پناہ اور سکون کا احساس مجھے ان کی ذات کی طرف متوجہ کر گیا تھا۔"

"تو یہ پناہ سکون اور تحفظ تمہیں کوئی نوجوان، کنوارا اور مناسب مرد بھی دے سکتا ہے اس
لیے ایک شادی شدہ بندے کے گلے کا ڈھول ضرور بننا ہے کیا؟"

نازو اطمینان کی گہری سانس لے کر تازگی سے بولی۔ ارشین گم صم سی بیٹھی تھی۔ آئی تو وہ بڑے
انداز میں تھی مگر اب جیسے ذہنی ردا یکدم پلٹ گئی تھی، نازو کی باتوں نے پروفیسر کی ذات پر انہ[illegible]
کو ڈانواں ڈول سا کر دیا تھا۔ نازو اس کی اندرونی کیفیت بخوبی سمجھ رہی تھی۔

"تم نازش سے براہ راست بات کرو تمام صورت حال واضح ہو جائے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" ارشین کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

"مگر تم بھی میرے ساتھ چلو گی۔"

"میں۔" نازو سوچ میں پڑ گئی۔ "ماما سے بات کر کے بتاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے شام کو گھر پر رنگ کر لینا۔" ارشین جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مگر دھیان سے، محتاط ہو کر بات کرنا۔ بی بی جان آج کل پوری ایس ایچ او بنی ہوئی ہیں۔"

◆◆◆

"تم نے ٹائم اور جگہ کے بارے میں صحیح بتایا تھا ناں؟"

نازو گلاس وال سے باہر پارکنگ لاٹ میں جھانکتی ہوئی مضطرب انداز میں ارشین سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔ میرا خیال ہے میں نے "بیمنز برگر" اور دوپہر بارہ بجے کے الفاظ ہی کہے تھے۔"

ارشین نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ مقررہ ٹائم سے پندرہ منٹ اوپر ہو گئے تھے وہ
تو بارہ بجنے میں بھی دس منٹ باقی تھے جب سے اس ریستوران میں کونے کی سیٹ پر بیٹھ کر مسز
مہدی کا انتظار کر رہی تھیں۔ وقت گزاری کے لیے فی الحال دو کولڈ ڈرنکس منگوالی تھیں، جس کی
لیتے ہوئے نگاہیں مسلسل گلاس وال سے باہر کی جانب گھما رہی تھیں

"کیا تمہیں یقین ہے کہ کل تم نے فون پر مسز دانیال سے ہی بات کی تھی؟" نازو اس انتظار سے کچھ
ہی پریشان ہو رہی تھی۔

"اُفوہ۔ بھئی کمال کرتی ہو۔" وہ جھنجھلا گئی۔

"اب اتنی بھی پاگل نہیں ہوئی ابھی۔ میں نے شام کو پانچ بجے فون کیا تھا پروفیسر صاحب کے گھر
اس وقت پروفیسر صاحب کی موجودگی کا کوئی چانس نہیں ہوتا۔ وہ رات دس بجے کے بعد گھر آتے ہیں
نازو نے کچھ سوچ کر ارشین کو اس ملاقات کے بارے میں پروفیسر دانیال کو مطلع کرنے سے روک [illegible]

"میں نے فون پر ان سے اپنے نام کی تصدیق کروانے کے بعد اپنا مبہم سا تعارف کروایا تھا۔
میں انہوں نے بھی بے تابی سے مجھ سے تنہائی میں ملاقات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ گویا وہ بھی
بات کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھیں۔ پھر میں نے پروگرام طے کر کے فون رکھ دیا۔ اور بس۔" ارشین نے
دوبارہ سے کل کی کارروائی اسے سنائی۔

"انہوں نے پہچان کے لیے بتایا تھا کہ وہ سبز رنگ کے شلوار سوٹ میں ہوں گی اور ہمراہ ایک آٹھ سالہ

ئی ہوگی سفید فراک میں۔" کبھی اُسے پروفیسر صاحب سے کام ہوتا تھا، ان کے گھر پر فون کرنے پر ــــ دو چار بار
اچھے وقتوں میں جب
ری سے انداز میں اس کی نازش سے بات ہو چکی تھی۔ تب نازش کے لیے وہ اس کے میاں کی کولیگ
، اور ارشین نے اسے مسز مہدی کے حوالے سے عزت دیتے ہوئے سلام دعا کرتے ہوئے ہلکا سا اپنا
ارف کروایا تھا۔

مگر اب اس نے جان بوجھ کر نازش کو اپنا نام نہیں بتایا تھا صرف اتنا کہا تھا۔
ہیں وہ بول رہی ہوں جسے آپ کے میاں نے دوسری شادی کے لیے منتخب کیا ہے۔"

"ایک خاتون آ تو رہی ہیں سبز لباس میں۔ سفید ایف ایکس سے نکلی ہیں۔ بڑی گریس فل خاتون ہیں۔
ے یار! ادھر دیکھو ارشین! غضب کی حسین عورت ہے۔ اگر یہی مسز مہدی ثابت ہوئیں تو مجھے پروفیسر
حب کی بینائی پر سو فیصد شبہ ہونے لگے گا۔ ارے ایسی حوروں جیسی دلربا اور حسن و شباب کی حامل عورت
ہوتے ہوئے کوئی اندھا ہی دوسری عورت کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔"

نازو ایک دم پُرجوش ہو گئی تھی۔ ارشین نے چونک کر شیشے کے پار دیکھا۔ ایف ایکس سے ایک
تون اور بچی باہر نکلی تھیں۔

"بچی بھی بہت حسین ہے۔ اُف خدایا ارشی! دیکھ تو سہی یہ عورت کیسی شعلہ جوالہ ہے۔ سرخ و سفید رنگت
نیے بال، خوبصورت آنکھیں، دلکش قامت۔ اس عمر میں بھی ہزاروں حسیناؤں کو مات کر رہی ہیں۔"

نازو کی پُرجوش رواں کمنٹری جاری و ساری تھی۔ اسی لمحے ایف ایکس کی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھلا
ساندر سے لمبے قد کا اور چوڑے شانوں والا نوجوان برآمد ہوا۔

"ارے میری آنکھ کیا قیامت خیز نظارہ دیکھ رہی ہے۔ خاتون کے ہمراہ ایک حسین مرد بھی گاڑی سے اترا
ے۔ وہ بھی خاتون کی طرح خوبصورت آنکھوں اور سرخ و سفید رنگت والا ہے۔ یار کیا شاندار قد ہے۔
شاءاللہ۔ جوڑا بھی حسین ہے اور بچی بھی البتہ مرد عورت سے عمر میں کچھ چھوٹا دکھائی دے رہا ہے۔ کہیں
دونوں بہن بھائی تو نہیں۔ مرد خاتون سے کچھ پوچھ رہا ہے۔ اے لو۔ اب وہ دوبارہ گاڑی میں جا بیٹھا
ے۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور یہ جا وہ جا۔ خاتون پرس تھامے سفید فراک والی بچی کی انگلی تھامے ریسٹورنٹ
دروازے کی طرف بڑھی ہے۔ ہو نہ ہو یہ مسز دانیال ہی ہو گی۔ الرٹ ہو کے بیٹھ جاؤ۔"

ارشین کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئی تھیں۔ یہ نوجوان اس کا دیکھا
لا تھا۔ وہ اسے جانتی تھی۔ نیتی کے حوالے سے بھی اور گاڑی کے چوری کے الزام میں بھی۔ مہران آفریدی،
سو فیصد وہی تھا۔ خوبصورت آنکھوں، سنجیدہ صورت اور دراز قد و قامت والا یہ شخص اپنی انفرادیت
کچھ رعب و دبدبے کی وجہ سے اس کے حافظے میں محفوظ رہ گیا تھا۔

اس کا نازش سے یا مہدی صاحب کی فیملی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ وہ سوچ میں پڑ گئی۔
پروفیسر صاحب کا صرف ایک بھائی تھا جو شادی شدہ تھا اور ریاض میں ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے نازش کے
گھر کا کوئی رشتہ دار ہو، کزن وغیرہ۔

نازو کا اندازہ درست تھا۔ وہ خاتون سیدھی ان کی میز کی طرف آئی تھی۔ ارشین نے بھی احتیاطاً اپنے
ٹ کا رنگ بتا دیا تھا۔

"ایکسکیوز می۔ آپ۔؟"

وہ بڑی شائستگی سے مخاطب ہو کر استفسارانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ارشین کے نام سے واقف
تھی اس لیے اس کی ہچکچاہٹ فطری اور بامعنی تھی۔

"آپ مسز دانیال مہدی ہیں؟"

ارشین نے جیسے تصدیق کرنے کے لیے اس کی طرف دیکھا۔ نام سنتے ہی نازش کے چہرے پر اطمینان
ہر ہلکورے لینے لگیں۔

"جی ہاں، اس کا مطلب ہے کہ میں نے صحیح پہچانا ہے آپ کو۔" وہ بچی کو اشارہ کرتے ہوئے اس کے مقابل بیٹھ گئی۔ نازو ایک کونے میں بیٹھی بہت خاموشی سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

"آپ اپنا تعارف تو کروائیے۔ آخر وہ کون سا خوش نصیب نام ہے جو میرے شوہر کے نام کا حصہ ہو کر مکمل شناخت پائے گا۔"

نازش اب کے بہت گہری نگاہ سے ارشین کا جائزہ لے رہی تھی۔ نازو کو وہ دھیمے مزاج کی ہمہ ایثار پیشہ عورت دکھائی دی۔

"نام میں کیا رکھا ہے مسز مہدی!"

ارشین پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔ نازش کو دیکھ کر اس سے مل کر وہ نازو کی بات سچائی پر لے آئی تھی۔ ایسی صورت و سیرت میں یکتا عورت کو چھوڑ کر پروفیسر اس جیسی عام سی لڑکی کے پیچھے جا رہے تھے۔

"مسز دانیال مہدی! اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں آپ کی بچی کو ہمراہ لے کر سامنے شاپس کا چکر لگا آؤں۔ اتنے میں آپ دونوں آرام سے بات کر لیں۔ ہم لوگ بھی بیٹھے بیٹھے بور ہی ہوں گے۔" نازو چہکتے ہوئے بولی۔

"جی لے جائیے۔ جاؤ مہوش! آنٹی کے ساتھ گھوم پھر آؤ۔"

بچی جھجک کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

ان کے جانے کے بعد نازش دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس کے چہرے پر گمبھیرتا تھی۔ بلا کا سوز اور درد بکھرا ہوا تھا۔ جس نے ارشین کو سکتے میں ڈالا ہوا تھا۔ اتنی پیاری، اتنی نرم دل اور سادہ لوح والی مہربان خاتون کو وہ عظیم ترین دکھ سے دوچار کرنے والی تھی۔ ان کی ہنستی مسکراتی زندگی میں چنگاری کا سبب بن رہی تھی۔

"میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی اور نہ دانیال نے کچھ بتانے کی زحمت کی ہے۔ نہ جانے کون سی مجبوری یا پھر کوئی کشش آپ کو ان کی طرف متوجہ کر گئی ہے۔ کون سی ادا دانیال کو اتنا بڑا قدم اٹھانے کی ترغیب دلا گئی ہے۔ اس پر بحث کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ آپ دونوں کا ذاتی معاملہ ہے۔"

نازش نے کچھ توقف کے بعد دوبارہ بات شروع کی۔ وہ بہت ضبط سے بول رہی تھی۔

"میں جو کچھ کہوں گی اس کا یہ مطلب نہ لیجیے گا کہ عورت کے روایتی حسد اور سوکن کے رشتے سے ایسا کہہ رہی ہوں۔ نہیں۔ کیونکہ اگر وہ ــ کچھ کرنے کا ٹھان چکے ہیں تو آپ کا اس میں کچھ قصور نہیں۔ مگر میں اپنے شوہر کی خوشی کے لیے سب کچھ کر سکتی ہوں۔ حتیٰ کہ یہ بھی کر سکتی ہوں کہ اس کے لیے اپنے ہاتھوں سے دلہن سجا کر لاؤں۔"

ارشین کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ نازش کے لہجے کی لرزش اور سوز و گداز اس کا دل چیر رہا تھا۔

"ہماری شادی کو بارہ برس ہو گئے ہیں۔ اس دوران میں کتنی ہی لڑکیاں آئیں اور ناکام ہو کر چلی گئیں۔ ان کے تخت دل پر میری حکومت اور اس گھر کی سلطنت میں میری خود مختاری کو کوئی بھی چیلنج نہیں کر سکا۔ وہ ہمیشہ لوٹ کر میرے ہی پاس آتے ہیں، میری محبت کا سحر زیادہ عرصہ تک انہیں مجھ سے دور نہیں رکھ سکتا۔ میں اس سے واقف ہوں، اسی لیے ان کی طرف سے بے فکر رہتی ہوں۔ وہ محبت کے معاملے میں ایسے ہی واقع ہوئے ہیں۔ اچانک ہی جنون زور پکڑتا ہے اور پھر طوفان کا ریلا گزرتے ہی وہ دوبارہ مسکراتے ہوئے گھر واپس لوٹ آتے ہیں۔ اس لیے آپ کو بتا دوں کہ آپ زیادہ عرصہ تک ان کو اپنی کشش میں نہیں رکھ سکیں گی۔ وہ یہ عارضی حصار توڑ کر بالآخر میری طرف پلٹ آئیں گے۔ تب آپ کے ہاتھ کیا رہ جائے گا۔ معاشرے کی لعن طعن، تنہائی، ادھورا پن، انتظار اور پچھتاوے سے۔"

وہ کچھ اتنے تسلسل سے کہہ رہی تھی کہ ارشین ایک ہی پوز میں ساکت بیٹھی رہی۔

"میں یہ نہیں کہتی کہ ان کی چاہت ڈھونگ ہے۔ ہو سکتا ہے وہ سچ ہی کہہ رہے ہوں۔ مگر پھر بھی یہ بہت بڑا رسک ہے۔"

ارشین دم بخود بیٹھی اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔

"مجھے اپنی سسرال میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ شوہر کی محبت اور اس کے دل کی سلطنت پر حکمرانی کی دعوے دار ہوں۔ پھر بچی کی زنجیر دانیال کے قدموں سے تاحیات لپٹی رہے گی، وہ اپنی بچی پر جان دیتے ہیں۔ میرا کھونٹا تو بہر حال مضبوط و محفوظ ہے مگر آپ ماسوائے ایک عارضی جنون خیز جذباتی محبت کے کچھ حاصل نہ کر پائیں گی۔ کیا ایسی زندگی کے خواب دیکھے تھے آپ نے؟"

شیشے کے پار رکتی ایف ایکس اور نازو کا ہاتھ پکڑے انھی کی طرف آتی مہوش کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہر حال مجھے ــ آپ سے یہی کہنا تھا کہ آپ اپنی زندگی اور حقیقی خوشی کے بارے میں ایک بار پھر سوچیے گا۔ اگر پھر بھی آپ دانیال کے ساتھ کے لیے تیار رہیں تو پھر آپ کی قسمت۔ ہو سکے تو سوچیے ضرور۔ گڈ لک۔ اللہ نگہبان۔"

نازش ہوا کے جھونکے کی مانند ریسٹورنٹ سے نکل گئی تھی۔ وہ سر تھامے بیٹھی خلا میں گھورتی رہ گئی۔ نازو قریب آ کر اس کا شانہ ہلایا۔

"آؤ ہم بھی واپس چلیں۔" ارشین کی کھوئی کھوئی سوالیہ نظروں کے جواب میں نازو رسانیت سے گویا ہوئی۔

"ہاں۔ ضرور۔ اب "واپس" ہی لوٹنا ہوگا۔ اپنی پرانی راہوں پر۔" ارشین کے تھکے تھکے لہجے کی معنی خیزی نازو کو اس کے ارادوں کا پتا دے گئی۔ نازو کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔

"شکر ہے ارشین! تم نے بروقت اور بہتر فیصلہ کیا ہے۔" وہ اس سے لپٹ گئی۔ "میں کتنی خوش ہوں، میں بتا نہیں سکتی۔ جس منزل کا تم نے انتخاب کیا تھا، وہ محض کانٹوں بھری جھاڑی تھی۔ شکر ہے خدایا۔"

ارشین ایک دم چپ ــــــــ سی کھڑی تھی۔ آنکھوں میں دور دور تک ویرانی بکھری ہوئی تھی۔ بل ادا کر کے یونہی باہر آئیں تو نازش کی سفید ایف ایکس ٹرن لے رہی تھی۔

مڈ ٹرن لے کر مہران نے سن گلاسز آنکھوں پر چڑھاتے ہوئے اچانک ریڈ آلٹو کی پشت پر نگاہ ڈالی

"آئی بی ڈی ۲۰۲۸۔" اس کے ذہن میں کلک سا ہوا۔ اس نے فرنٹ سیٹ کی طرف متجسس نظروں سے دیکھا۔ اس کا اندازہ صحیح نکلا۔

وہ ارشین بخاری ہی تھی۔

"یہ یہاں کیا کر رہی ہیں۔" ایک لمحے کو اس کے ذہن میں سوال ابھرا تھا۔ "خیر کسی کام سے آئی ہوں گی۔" پھر سر جھٹک کر دوبارہ ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور نازش سے پوری روداد سننے لگا۔

◆ ◆ ◆

گھر میں اک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ دادا جان زمینوں سے لوٹ آئے تھے دوسری اہم خبر یہ تھی کہ سعد کی من پسند پوسٹنگ ہو گئی تھی۔ وہ بہت خوش تھا۔ رقیہ آنٹی اور راشد انکل بھی "بخاری لاج" آئے ہوئے تھے۔ بچے بڑے سب ہی عرصے بعد خوشگوار ماحول سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ دادا جان کے اور دادی کی برہم تیوریاں سونے پر سہاگہ کا کام کر رہی تھیں۔

بی بی جان نے راشد انکل کی فیملی کو رات کے کھانے پر انوائٹ کیا تھا انہیں سعد سے خصوصی لگاؤ تھا۔ ویسے تو وہ بی بی جان لڑکوں کا گھر آنا جانا ناپسند کرتی تھیں۔ اور بابا جان بھی اس معاملے میں بہت سخت تھے مگر سعد کی بات اور تھی۔ ایک تو تعلقات تھے، ہمسایہ داری تھی دوسرا بی بی جان نے بابا جان سے مشورہ کر کے سعد کے

بارے میں کچھ سوچ رکھا تھا۔ لہٰذا وہ سعد کی بیٹیوں سے بے تکلفی پر اعتراض نہیں کرتی تھیں۔

"تھوڑا کھائیے حاجی صاحب! پیٹ تو اپنا ہے۔" روسٹ کے بعد جب دادا نے بریانی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو دادی سے رہا نہ گیا جل کر بول پڑیں۔

"میں نے کیا کھایا ہے؟" وہ ڈھٹائی سے بولے: "ابھی تو شروع کیا ہے، سچ ہے کتے کی دم نلکی میں رہ کر بھی ٹیڑھی ہی رہتی ہے۔ شادی کا دن گیا اور آج کا دن آگیا مگر محترمہ کی عادت نہ بدلی۔ سے بیٹھ کے میرے نوالے گننا شروع کر دیے تھے۔"

دادا کے لہجے کا تمسخر اور طنز دادی کو جلا کے راکھ کر گیا۔

"شرم تو نہیں آتی انسان کو جانور سے تشبیہ دیتے ہوئے۔" وہ چیخ کر بولیں۔

"تو بھلا حقیقت سے نظر چرانے کا فائدہ؟" دادا نے بھولپن سے پوچھا۔

"بس کریں دادا! اب اتنی زیادتی بھی اچھی نہیں ہوتی۔"

ان کی نوک جھونک خاموشی سے سنتا سعد ہونٹ دبا کر ہنستا تھا۔

"خدا ایسا خاوند بھی کسی کو نہ دے۔ سرِعام عزت دو کوڑی کی کر کے رکھ دیتے ہیں۔"

دادی جل بھن گئیں۔

"اچھا! ایسی بات ہے تو دوبارہ "چانس" لے لو۔" انہوں نے جیسے کان کے پاس سے مکھی اڑائی۔

"توبہ استغفار۔ تمہارے منہ کے آگے تو خندق ہے۔ ارے کچھ تو خوفِ خدا کرو۔ بندہ سوچ کر منہ سے بات نکالے۔"

انہیں جیسے کرنٹ لگا تھا۔ دادا یوں بے خبر سے بیٹھے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"ارشین آئی نہیں ابھی تک؟"

باباجان نے گویا سعد کے دل کی بات کہہ دی تھی۔

"کہاں گئی ہے وہ۔" رقیہ آنٹی نے دریافت کیا۔

"نازو کی سسرال گئی ہے۔ دوپہر کی نکلی ہوئی ہے اب تک تو آجانا چاہیے تھا۔ کہہ رہی تھی شام تک آ جائیں گی۔"

بی بی جان ناگواری دبا کر عام سے انداز میں بتانے لگیں۔

ابھی بات منہ میں ہی تھی کہ وہ چلی آئی۔

"اتنی دیر کر دی؟" بی بی جان مہمانوں کے خیال سے اپنا بگڑا موڈ چھپا کر سپاٹ انداز میں بولیں۔

"بس دیر ہو گئی۔" ارشین کے چہرے پر اتنی تھکن، اضطراب اور یاسیت رقم تھی کہ وہ مزید کچھ نہ کر سکیں۔

وہ آنٹی اور انکل سے مل کر سعد کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"کیسے مزاج ہیں سعد؟"

"اللہ کا شکر ہے۔" وہ بزرگوں کی موجودگی کے باعث حد درجہ محتاط اور سنجیدہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ تاہم سب سے نظر بچا کر اک نگاہِ پُرشوق ضرور ڈالی تھی۔

"آؤ میرے شیر۔ آؤ بیٹھو کھانا کھاؤ۔" دادا کا لاڈ امڈ امڈ آیا تھا۔ برتن اٹھاتی افسرین کے دل میں غصیلی لہریں موجزن ہونے لگیں۔ اس نے دانستہ ڈونگا میز پر زور سے ——— پٹخا تھا۔

"میرا بچہ کتنا کمزور ہو گیا ہے، اتنی محنت کر کر کے۔"

"ارے نہیں دادا!" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"اتنی ہی کمی تو ہوں میں۔ کیوں میری اسمارٹ نیس کا بیڑہ غرق کر رہے ہیں۔"

"ارے ڈائٹنگ کی ضرورت دشمنوں کو ہوگی۔ میں اور میرا شیر تو ایک دم فٹ فاٹ ہیں۔"

بھی نگاہ دادی پر ڈالی جو نئے سرے سے سلگنے لگی تھیں۔

"اللہ کا دیا کھاتی ہوں، تمہارا نوالہ نہیں چھینتی۔" دادی نے خشمگیں نظروں سے دادا کو دیکھا۔

"کیسے بلی کی طرح غرانے لگتی ہو۔ میں کہتا ہوں کوئی انسانی صفت بھی ہے تم میں؟ مذاق بھی برداشت نہیں کرتیں۔ فوراً پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتی ہو۔ ہونہہ۔ اتنا سڑیل بھی نہ ہو بندہ۔"

دادا تلملا کر بڑبڑائے۔ دادی پیچ و تاب کھانے لگیں۔ غصے سے آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑیں۔

"یہ میں ہی ہوں جو اب تک گزارا کر رہی ہوں۔ ہوتی نا کوئی تیز مرچ تو مزہ چکھا دیتی تمہیں، مجھ بے زبان کو مٹی کا مادھو سمجھ کر جو دل میں آئے کہہ دیتے ہو۔"

ان پر رقت طاری ہونے لگی۔

"اماں! آپ برا کیوں مانتی ہیں۔ ابا جی کی طبیعت ہی ایسی ہے۔"

باباجان نے تحمل سے ماں باپ کے درمیان بیچ بچاؤ کرانے کی کوشش کی تھی۔

ارشین سجی ہوئی محفل چھوڑ کر کپڑے تبدیل کرنے کے بہانے اوپر چلی آئی۔ آج گھٹن اور بے بسی کی کیفیت ملی آور تھی کہ ہر شے بری لگ رہی تھی۔ وہ تازہ ہوا میں سانس لینے کے لیے باہر ٹیرس پر نکل آئی۔ نیم تاریکی میں سنگی بینچ پر بیٹھ کر اس نے دیوار سے ٹیک لگائی اور ——— آنکھیں موند لیں۔ دن بھر کے واقعات ذہن میں کسی فلم کی طرح چل رہے تھے۔

مسز نازش مہدی سے ملاقات۔ اس کی کھری کھری حقیقت پسندانہ باتیں اور پھر اپنی پسپائی۔

اپنا ہی تھا قصور کہ طوفاں میں گھر گئے
اک موج تھی کہ جس کو کنارہ سمجھ لیا!!

"کیا مجھے کہیں اماں نہیں ملے گی؟" وہ اپنی خالی ہتھیلیوں کو گھورتے ہوئے بے بسی سے سوچ رہی تھی۔

یہ کیسا اختیار زندگی ہے
دن اپنا ہے نہ اپنی رات کوئی
زمینِ دل بہت زرخیز تھی اے نور
برس جاتی اگر برسات کوئی!

"خواہشیں اپنی جگہ ہیں اور مسائل زمانہ اپنی جگہ۔" اس نے گہری سانس لی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو پارٹنر؟" معاً پیچھے سے سعد کی آواز کان پر پڑی تھی۔ اس نے چونک کر خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ دلفریبی سے مسکرا دیا۔

"لوگ اس قدر اداس اور مایوس کیوں نظر آ رہے ہیں؟" وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"پتا نہیں۔" اس نے یاسیت سے کہا۔

"میں سوچتی ہوں انسان کو منزل تک پہنچنے کے لیے کتنا بھٹکنا پڑتا ہے۔" وہ تھکے تھکے لہجے میں بولی۔

"نوشی گیلانی نے کتنی خوبصورت بات کہی ہے۔

کبھی تو یوں ہو محبتوں کی مٹھاس لہجوں میں گھول ڈالیں
گزرتی جاتی ہے عمر ساری اداس باتوں کی تلخیوں میں

"مگر وہ آگے یہ بھی تو کہتی ہے ناں کہ۔

ہمیں خبر ہے ہوا مخالف ہے روشنی کے پیامبر کی
چراغ پھر بھی جلائے رکھتے ہیں ہم محبت کے آندھیوں میں

سعد نے برجستہ اگلا شعر پڑھا تھا۔ وہ کوئی متاثر دیے بنا مہر بہ لب رہی۔

"ارشین! کیا ہوا ہے؟ مجھے نہیں بتاؤ گی؟" سعد نے پہلی بار بہت سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں۔" وہ مختصراً بولی۔

"کچھ تو ہے۔ مجھے بہلاؤ نہیں۔" وہ براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"تم کہو گے کیا ادبی نشست شروع کر دی ہے۔ مگر اتفاق کی بات ہے سارے اشعار آج یاد آ رہے ہیں مجھے۔" وہ ہارے ہوئے انداز میں مسکرائی۔

برابر بڑھ رہا ہے غم کسی کو دوش کیا دیں ہم
ہیں اپنے آپ پر برہم، کسی کو دوش کیا دیں ہم
ضروری تو نہیں ہے یہ کہ انسان ہر خوشی پا لے
ہے قسمت کا یہ زیر و بم، کسی کو دوش کیا دیں ہم

"ارشین!" اس نے نرمی سے کہا۔

"پلیز، مجھے بتاؤ، اتنی دلبرداشتہ کیوں ہو؟" سعد کا پُرخلوص اصرار ارشین کو امتحان میں ڈال رہا تھا۔ وہ کیا بتاتی۔

کاش امبرین آج اس کے ساتھ ہوتی۔ وہ کتنی سہولت سے اس کے ساتھ اپنے دکھ رو سکتی تھی۔ [illegible] بار پھر دُکھ ہوا۔

"یوں اکیلے چلتے چلتے تھک جاؤ گی ارشین! میری مانو! اپنی زندگی کا ساتھی چُن لو۔ شادی کر ڈالو۔" [illegible] گہرائی سے اس کے افسردہ اور خود سے بیزار تاثرات کا تجزیہ کر رہا تھا۔

"خدا کے واسطے۔ اس چیز کا نام نہ لینا دوبارہ میرے سامنے۔" وہ برگشتہ خاطر ہو کے چلائی۔ [illegible] سے بُت بنا اس کا شدید ردِعمل دیکھتا —— رہ گیا۔

"میرا مطلب ہے تمہیں اتنا شوق ہے تو خود کر لو۔ میرے ساتھ کیوں دشمنی کر رہے ہو؟" اپنی بے اختیاری کا خود ہی احساس ہو گیا تھا۔ وہ لہجے پر قابو پا کر بولی۔

"صاف کہو ناں کہ رقیہ آنٹی سے اپنی سفارش کروانا چاہتے ہو۔" وہ مزید بولی۔

سعد براہِ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔ ان آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔ خواہش، شوق، حسرت، چاہت اور بے بسی۔

وہ کبھی بھی اپنے جذبات کا اچھا عکاس نہیں رہا تھا۔ خصوصاً ارشین سے حد درجہ بے تکلفی کے باوجود اس ایک "راز" کو فاش نہیں کر سکا تھا۔ ایک گہری جھجک، رد کر دیئے جانے کا —— خدشہ ارشین کی —— شخصیت کا سحر اُسے اپنا آپ کھولنے سے روکتا تھا۔

"مجھے اس طرح آزمائش میں نہ ڈالا کرو ارشین!" وہ بے بسی سے نگاہ چُرا کر بول پڑا۔

"میں تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ تم جانتی ہو تمہاری اُداس اور دُکھی صورت مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ ارشین پلیز، میرے حال پر رحم کرو۔"

وہ دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسائے بے کل سا ہو کر کہہ رہا تھا۔

ارشین دم بخود بیٹھی بے یقین نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ معاً اس کے اندر سناٹے اُترنے لگے۔

سعد کہہ نہیں پا رہا تھا مگر اس کے چہرے کا ایک ایک عکس بول رہا تھا کہ وہ اس کی ہمراہی کی تمنا میں دُور بہت دُور نکل آیا ہے۔

ارشین کو اس انکشاف نے پتھر کا بنا دیا۔ یوں لگا جیسے اعصاب پر کسی نے ایٹم بم گرا دیا ہو۔ ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دھند چھائی جا رہی تھی۔ سعد شاید کچھ کہہ رہا تھا مگر ارشین کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

"ارشین! تم ٹھیک تو ہو ناں!" سعد بے تابی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ [illegible] صامت [illegible]

"ارشین!" سعد حقیقتاً گھبرا گیا اور دھیرے سے اس کا بازو جھنجھوڑ کر گویا ہوش میں لانے کی کوشش کی۔

"ہاں ہاں! میں ٹھیک ہوں۔ چلو نیچے چلتے ہیں۔" وہ اپنی تمام تر ہمت مجتمع کرتے ہوئے اٹھی مگر لڑکھڑا گئی۔ سعد نے میکانکی انداز میں —— اس کا بازو تھام کر سہارا دیا۔

اسی لمحے دروازے پر کھٹکا ہوا۔ سامنے امبرین کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ جوشِ غضب سے وہ کانپ رہی تھی۔ اس نے نفرت بھری نگاہ ارشین پر ڈالی اور پاؤں پٹختی ہوئی دھڑ دھڑ کرتی نیچے چلی گئی۔ ارشین کے دل پر گھونسہ لگا۔ اس کی آنکھوں میں کلبلاتے زہریلے غصیلے ناگ ارشین کے سارے سراپے کو زہر سے نیلا کر گئے تھے۔

◆◆◆

"ارشین بات سنو!" بی بی جان بڑی مدت بعد اس کے اسٹوڈیو میں آئی تھیں۔

"جی بی بی جان! آئیے۔" وہ اخلاقاً کام ادھورا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

بی بی جان تکلف سے کرسی پر بیٹھ گئیں۔ حسبِ معمول ان کے چہرے کے تاثرات سرد و سپاٹ اور بیزار کن تھے۔

"تم نے کیا سوچا ہے، رحمتے خالہ بڑا اچھا رشتہ لے کے آئی ہے۔ کہو تو بات آگے چلاؤں؟"

ارشین نے گہری سانس لیتے ہوئے جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔ دو چار روز سے وقفے وقفے سے دادی اسے بہلا پھسلا کر راضی کرنے کی مہم میں جتی ہوئی تھیں۔ رحمتے خالہ محلے میں رشتے کرانے والی خاتون کا اسم گرامی تھا۔

"بی بی جان! میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ میری بات چھوڑیں۔ آپ امبرین کی فکر کریں۔ اس کے لیے مناسب بر تلاش کریں۔"

وہ جھنجھلاہٹ پر قابو پا کر دھیمے لہجے میں انہیں قائل کر رہی تھی اسی لمحے چائے کا کپ ہاتھ میں لیے اسٹوڈیو میں داخل ہوتی امبرین اپنے ذکر پر دروازے کے پردے کے پیچھے ٹھہر گئی۔

"امبرین کا میں نے سوچا ہوا ہے۔ تم اپنی بات کرو۔" بی بی جان اپنی فطرت کے مطابق جھلا گئیں۔

"سوچا ہوا ہے؟ مگر کہاں؟" ارشین کے ساتھ ساتھ امبرین بھی بُری طرح چونک گئی۔

"کہاں کیا مطلب؟ یہی اپنا سعد جو ہے۔" انہوں نے ناراضگی بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

امبرین کو لگا جیسے اس کا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا ہو۔ ریشے ریشے سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ طمانیت کی ٹھنڈی لہریں یہاں وہاں بکھرنے لگیں۔

وہ ہواؤں میں اُڑنے لگی۔

"ماں میری پیاری ماں۔ بالآخر میرے دل کی دھڑکنیں پہچان گئی۔ ہائے بی بی جان، آپ ہزاروں برس جیئیں۔ میرے چاروں طرف آپ نے پھول ہی پھول کھلا دیے ہیں۔"

امبرین مکمل طور پر بی بی جان کی طرف دار بن گئی تھی اور ارشین کی ذات اُسے اپنی خوشیوں کی راہ میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی تھی۔

"واقعی، آپ تو ہیں ہی خود پرست اور خود سر۔" اس نے سُلگ کر سوچا۔

ارشین ان کی بات پر ہکا بکا ان کا چہرہ دیکھتی رہ گئی تھی۔

"کمال ہے۔ آپ نے مجھ سے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔" وہ اُلجھن سے بولی۔

"بھئی بچپن کا ساتھ ہے۔ رقیہ بھابی کے بچے تم لوگوں کے ساتھ پلے بڑھے ہیں۔ اپنا دیکھا بھالا خاندان ہے۔ تبھی تو ان سے اتنی رشتہ داری جوڑی ہے۔"

وہ حسب عادت بیزاری سے بولیں۔

"کیا رقیہ آنٹی نے آپ سے امبرین کے متعلق بات کی ہوئی ہے؟" کچھ سوچ کر ارشین نے دریافت کیا۔

"کچھ برس پہلے اُنہوں نے خواہش ظاہر کی تھی سعد کے رشتے کے لیے امبرین کا براہ راست نام تو نہیں لیا مگر ظاہر ہے اسی سے جوڑ بنتا ہے۔" اُنہوں نے جتایا۔

"تم تو سعد کی ہم عمر ہی ہو گی۔"

"بالکل ٹھیک بی بی جان! آپ امبرین کے لیے سعد کے بارے میں نہ سوچیں۔ میری نظر میں یہ رشتہ مناسب نہیں ہے۔"

اور پردہ امبرین کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

○○○

"تم نہیں مانتی تھیں ناں۔ مجھے غلط سمجھتی تھیں۔ دیکھ لو۔ میرے خدشے صحیح ثابت ہو گئے ہیں۔ ... ہے اس نے مجھے۔ وہ بہن نہیں ڈائن ہے، میرے ارمانوں کی قاتلہ۔"

"امبرین! پلیز یار، ٹیک اٹ ایزی۔ یہ کالج کا گراؤنڈ ہے۔ پلیز۔" وہ اسے چپ کرانے کی کوشش میں ہوئے جا رہی تھی۔

کم عمری کی ناسمجھی والی عمر اس پر نئی نئی واردات قلب پہلی چوٹ پر اس کا بکھر بکھر جانا فطری بات تھی۔

"میری سگی بہن نے میری خوشیوں کا چمن اجاڑ ڈالا۔ بی بی جان سے منوالیا کہ سعد سے امبرین کا رشتہ نامناسب ہے۔ ہم نے امبرین کی شادی یہاں نہیں کرنی۔ میں جانتی ہوں۔ سب جانتی ہوں۔ نرا ڈھونگ ... کی ایثار پسندی اور بے غرضی۔ بی بی جان ٹھیک کہتی ہیں۔"

اس نے دانت پیسے فاریہ کا دل چاہا اپنے بال نوچ ڈالے۔

"امبرین۔ امبرین۔ خدا کے واسطے کیوں تماشا بنوا رہی ہو۔" فاریہ بمشکل تمام اسے وہاں سے اٹھا کر سنسان گوشے کی طرف کھینچ لائی تھی۔

"گھر کی ہنڈیا بیچ چوراہے پھوڑنے سے اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ تم سرعام واویلا مچا کر کس کی ہمدردیاں چاہتی ہو؟"

فاریہ اسے بے نقط سنا رہی تھی۔ اسے کس درجہ خجالت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا تھا ابھی بھی اکا دکا حیرت بھری متجسس نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں جیسے کسی نئے تماشے کی منتظر ہوں۔

"کچھ بھی سہی وہ تمہاری بہن ہیں۔ بڑی بہن۔ اور ان کی عزت کو تم یوں سرعام اچھال رہی ہو؟" فاریہ خفا تھی۔ لیکن وہ تو جیسے خود سے بھی بیگانہ ہو رہی تھی۔

"آؤ گھر چلیں۔" فاریہ نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر اٹھایا۔

اس حالت میں فاریہ اسے اکیلی گھر جانے کے لیے نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

کچھ سوچ کر وہ اس کے ہمراہ چلی آئی۔ اسٹاپ پر کھڑے کھڑے بہت دیر ہو گئی تھی۔ موسم کے تیور بھی بگڑ رہے تھے۔

"اس طرح کام نہیں بنے گا۔" وہ کچھ سوچ کر سڑک پر ادھر ادھر آتی جاتی گاڑیوں کی طرف دیکھنے لگی۔

"ایکسکیوز می آنٹی! کیا آپ ہمیں ڈراپ کر سکتی ہیں زیرو پوائنٹ تک؟"

باوقار شفیق چہرے والی معمر خاتون کو فرنٹ سیٹ پر بیٹھے دیکھ کر فاریہ نے بے ساختہ سفید ایف ایکس کو اشارہ کیا تھا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا لڑکا سوالیہ نظروں سے فاریہ کا چہرہ جانچ رہا تھا۔

"آجاؤ بیٹے! خیریت ہے ناں۔" خاتون نے ایک جائزہ لیتی نگاہ اس پر ڈال کر نرمی سے پوچھا۔

"جی! دراصل میری دوست کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ زیرو پوائنٹ تک چھوڑ دیجیے۔ آگے ہم خود چلے جائیں گے۔"

"جب چھوڑنا ہی ہے تو گھر تک چھوڑ دیتے ہیں۔ آجاؤ آپ لوگ۔" وہ امبرین کا ہاتھ پکڑ کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"بیٹے! کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" خاتون نے ہمدردی سے پوچھا۔

نوجوان کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر وہ غیر شعوری طور پر اپنی چادر جسم پر درست کرنے لگی تھی۔

نوجوان نے پہلی غیر ارادی نگاہ کے بعد پوری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی تھی۔ خاتون ادھر ادھر کے ہلکے پھلکے سوالات کر رہی تھیں۔ فاریہ نوجوان کو راستہ بتاتی جا رہی تھی۔

گاڑی "بخاری لاج" کے آگے جا رکی۔ اسی لمحے امبرین ہوش کی وادی میں واپس لوٹی اور تھرا کر رہ گئی۔ اگر بی بی جان یا بابا جان نے دیکھ لیا کہ وہ ایک اجنبی نوجوان کی گاڑی میں گھر آئی ہے تو قیامت آجائے گی۔ اسے خیال ہی نہیں آیا فاریہ سے کہہ کر کچھ فاصلے پر گاڑی رکوا لیتی۔

لیکن ارشین کو باہر نکلتے دیکھ کر اس کی تسلی ہو گئی۔

"ارے نینی آپ؟ اور سفیان بھیا بھی ہیں۔"

ارشین ایک دم گرمجوشی سے سڑک پر گیٹ سے کچھ فاصلے پر کھڑی سفید ایف ایکس کی سمت بڑھی تھی۔

"چلیں جی! ہمیں تو خبر ہی نہ تھی۔ راہیں آپ کے گھر تک لے آئیں گی۔"

سفیان نے بشاشت سے عام سے سبز کپڑوں میں ملبوس ارشین کو دیکھا تھا۔ اس لڑکی کے وجود سے عجب اپنائیت پھوٹتی محسوس ہوتی تھی۔

"مشابہت تو محسوس ہوئی تھی مجھے لیکن یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ بچیاں آپ کی فیملی کی ہیں۔"

نینی نے بہت محبت سے امبرین کا ستا ہوا چہرہ دیکھا تھا جو اس عالم میں بھی دلفریب لگ رہا تھا۔

"آپا! امبرین کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے ان سے لفٹ لے کر میں امبرین کے ساتھ آئی ہوں۔" فاریہ نے جلدی سے وضاحت کی۔

اسی لمحے بی بی جان بھی دروازے پر آگئیں۔ وہ تفتیشی نظروں سے جائزہ لے رہی تھیں۔

امبرین فاریہ کے ساتھ اندر چلی گئی تھی۔

"بی بی جان! یہ نینی ہیں اور یہ ان کا بیٹا سفیان۔" ارشین کے تعارف کروانے پر بی بی جان نے رسمی سے انداز میں حال چال پوچھا اور "ایک منٹ" کا کہہ کر ناگواری سے اندر بڑھ گئیں۔

"ارے آئیے ناں نینی! اندر چلیے اور سفیان تم بھی گاڑی لاک کر کے آجاؤ۔"

بی بی جان کا رویہ اسے سمجھا گیا تھا کہ انہیں اس لڑکے کے ساتھ ارشین کی بے تکلفی سخت ناگوار گزری ہے۔ وہ شاید امبرین کی دگرگوں حالت کی وجہ سے چپ تھیں یوں بھی بی بی جان کے دل میں جب ایک بار کسی کے خلاف بدگمانی کا زہر بھر جاتا تھا تو پھر اس کا "تریاق" تقریباً تقریباً ناممکن ہی ہوتا تھا۔ ایک بار نینی اور سفیان کے معاملے پر اس کی بی بی جان سے جھڑپ ہو چکی تھی اور ارشین جانتی تھی اب سفیان یا نینی سونے کے بھی بن کر آجائیں تو بھی ان کے دل سے میل نہیں جائے گا اسی لیے وہ ہزار چاہنے کے باوجود بھرپور اصرار سے انہیں اندر نہیں بلا رہی تھی کہ عزت اسی میں تھی۔ وہ جانتی تھی اول تو بی بی جی ڈرائنگ روم میں نہیں آئیں گی اور جو ہزار احسان کے بعد آ بھی گئیں تو اپنے سرد و تلخ جملوں اور ناگوار تاثرات سے مہمانوں کو خجالت اور احساس توہین میں مبتلا کر دیں گی۔

اسی لیے وہ دل مار کر رہ گئی تھی۔ سفیان ساتھ نہ ہوتا تو شاید وہ نینی کو اصرار سے بلا ہی لیتی مگر اب یہ شامت اعمال کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

"پھر سہی آپا! گھر میں بھائی جان انتظار میں ہوں گے ہمیں فیصل مسجد جانا ہے۔ اور آپ وعدہ کریں ہمارے ہاں آئیں گی۔ ابھی تو میں نے آپ سے نینی کی سالگرہ پر نہ آنے کا "جرمانہ" بھی وصول کرنا ہے۔"

وہ سفیان کی خفگی آمیز نظروں کے جواب میں ہنس پڑی۔

"اچھا جناب۔ کسی دن ضرور چکر لگاؤں گی۔"

◆◆◆

"ہیلو۔ ہیلو۔ ارشین بول رہی ہیں ناں۔ شکر ہے آپ کی آواز تو سنی۔ بھئی کہاں چلی گئی تھیں آپ۔ جان نکال کے رکھ دی آپ نے۔ ایک ہفتے سے مسلسل رات کو گیارہ بجے کے بعد آپ کی کال ملا تا رہا ہوں، آپ سے کانٹیکٹ نہیں ہو سکا۔ خیریت تو ہے ناں۔ خدانخواستہ کوئی مسئلہ تو نہیں ہو گیا؟۔"

وہ بہت زیادہ فکر مند اور بے تاب نظر آ رہے تھے۔ لہجہ ان کی اندرونی کیفیت کا غماز تھا۔ یہی وہ مقام تھا جہاں ارشین کو بہت زیادہ سیلف کنٹرول اور مضبوطی سے کام لینا تھا۔

"بس کچھ مصروفیات زیادہ تھیں، وقت نہیں نکال سکی۔" اس نے حتی الوسع لہجہ بے تاثر اور ہموار رکھا۔

"پھر بھی خیر خیریت کی مختصر کال تو کر دیتیں۔" وہ خفگی سے بولے۔

مگر ارشین نے زیادہ دھیان نہیں دیا۔ جان بوجھ کر جوابی وضاحت کرنے سے احتراز کیا اور چپ رہی۔

"رات کو فون کیوں نہیں اٹھاتی ہیں آپ۔؟"

"فون آج کل بی بی جان کے کمرے میں ہوتا ہے۔" وہ رکھائی سے بولی۔

حالانکہ یہ سفید جھوٹ تھا۔ وہ جان بوجھ کر فون نہیں اٹھاتی تھی۔ لامحالہ گھنٹیاں بجتی سن کر بی بی جان ہوتی لاؤنج یا اسٹوڈیو میں آتی تھیں اور جو کبھی مجبوراً اسٹوڈیو میں ٹھہرنا پڑتا تو وہ ریسیور اٹھا کر نیچے ڈال دیتی۔ وہ ہر ممکن طریقے سے ان سے بچنا چاہ رہی تھی۔

"اور کوئی مسئلہ تو نہیں۔"

مخصوص بھیگے بھیگے کھنکتے رسیلے انداز کے بجائے ارشین کا ٹھہرا ٹھہرا متوازن اور رسمی سا لہجہ پروفیسر ہانی کو کھٹک سا رہا تھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید گھریلو پریشانیوں کے باعث اتنی سستی اور پژمردگی طاری ہے۔

"نہیں جی۔ اللہ کا شکر ہے۔" اس نے مختصراً جیسے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔ الجھے دامن کو دور سے دے کر چھڑانے میں بہت مشکلیں ہوتی ہیں۔

وہ بھی سلیقے طریقے سے ان سے قطع تعلق کرنا چاہتی تھی۔ وہ پاور فل اور صاحب اختیار تھے۔ رندر بندے! جذبات میں کچھ بھی کر سکتے تھے۔ اس لیے نرمی اور سبھاؤ سے کام لینے پر مجبور تھی۔

"کیا کر رہی تھیں؟ مجھے یاد کیا تھا؟۔"

انہوں نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"کام اتنا تھا کہ خود کو یاد کرنے کی فرصت بھی نہیں ملی۔" وہ بات ٹالنے کو ہنس دی۔

"بلکہ اس وقت بھی شدید مصروف تھی۔ ایک پینٹنگ مکمل کرنا ہے۔"

اس کا انداز ایسا تھا جیسے اجازت چاہ رہی ہو فون رکھنے کی۔ دانیال الجھ سے گئے۔ ایسا تو وہ کبھی نہیں کرتی تھی۔

"کیا یہ پینٹنگ مجھ سے بھی زیادہ اہم ہے؟۔"

کچھ مان سے، کچھ ناراضگی سے وہ کہہ گئے تھے۔

"بھلا انسان اور بے جان چیزوں میں کیا مقابلہ۔" وہ خوبصورتی سے پھر پہلو بچا گئی۔

"آج آپ کچھ اکھڑی اکھڑی لگ رہی ہیں۔ برہم برہم، خفا اور بیگانہ سی۔ کیا یہ میرے احساسات ہیں یا سچ مچ کچھ ہے ہمارے درمیان۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ بس کچھ تھکن سی ہے۔ آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جائے گا سب کچھ۔"

"چلیں۔ میں بات مختصر کرتا ہوں۔ یہ بتایئے۔ کل ہم مل سکتے ہیں؟۔"

"کل؟۔" اسے جھٹکا سا لگا۔

"نہیں مہدی صاحب! ملاقات تو بالکل بھی ممکن نہیں ہے اور آپ رات کو کال مت کیا کیجئے۔ اب میں فون نہیں اٹھاتی اور رات کو نچلے پورشن میں بھی نہیں ہوتی ہوں۔"

"ور ... رات کو بات نہیں ہو سکتی اور دن کو آپ گھر پہ نہیں ملتیں پھر کیا سبیل ہو دل بے قرار کی تسکین کی۔"

"صبر جمیل۔" وہ مذاق مذاق میں سنجیدہ بات کہہ گئی۔

"بہت صبر کیا ہے۔ بہت زیادہ۔" ان کے لہجے میں آنچ آنے لگی۔ انہوں نے گہری سانس لے کر کہا تھا۔

ارشین خاموش رہی۔ جب سے اس نے غیر جانبداری سے از سر نو ساری صورت حال کا جائزہ لیا تھا۔ سچ مچ اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا کہ پروفیسر صاحب سے میل ملاقات، بات چیت، شادی کا اقرار اور رضامندی تک کے تمام مراحل گویا خواب میں طے ہوئے تھے۔ اپنی حماقت پر افسوس ہو رہا تھا۔ اب اس وقت اسے ان کی جذباتی گفتگو سے کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی بلکہ الٹا کوفت اور جھنجلاہٹ ہی تھی۔ پہلے یہی ساحرانہ دلربا لہجہ دل کی دھڑکنیں تیز کر دیا کرتا تھا۔

"میں بہت بزی ہوں مہدی صاحب! امید ہے آپ مائنڈ نہیں کریں گے۔" غصے سے جھلاتے ہوئے لہجے کو اس نے بمشکل تمام قابو کیا تھا۔

"گویا بات کرنے کا موڈ نہیں ہے ——" وہ سناٹے میں آ گئے۔

"اوکے۔" وہ کچھ سوچ کر سپاٹ لہجے میں گویا ہوئے۔

"اگر آپ کو میری آواز اچھی نہیں لگ رہی تو آپ کی سماعتوں کو مزید زحمت نہیں دوں گا۔ پھر بات ہو گی۔"

انہوں نے سرد سے انداز میں کہہ کر فون رکھ دیا۔

"چن چن دے سامنے آگیا۔ میں دواں دے صدقے جاواں، تے سوہنیو عید مبارک۔"

"اے خیر مبارک۔"

"اف خدایا۔ سفیان! ریڈیو کی آواز تو آہستہ کرو۔ حد ہے بھئی۔"

عید بونس پروگرام ایف ایم پہ نہایت انہماک سے سنتا سفیان لاؤنج کے گلدان میں پھول بھی سجا رہا تھا۔ جب دور سے نینی کی جھلائی ہوئی آواز کان میں پڑی تھی۔ دوگانہ شروع ہو گیا تھا۔

عید کا دن ہے گلے ہم کو لگا کر ملیے
رسم دنیا بھی ہے، موقع بھی ہے دستور بھی ہے

غم نہ کر وہ دن بھی ضرور آئے گا
اپنی منزل ہے اگر پاس تو کچھ دور بھی ہے

"خیر ہے بھائی صاحب! بڑے رسیلے البیلے گانے سنے جا رہے ہیں۔" ناظر کی معنی خیز کھنکھار پر وہ مڑا۔ سفید کھڑکھڑاتے کرتے پاجامے میں وہ چھیلا بنا پھر رہا تھا۔

"بلے بھئی بلے! لوگ تو "بڑی چیز" بن گئے ہیں۔"

وہ خود پر سے توجہ ہٹانے کے لیے اس پر چڑھائی کرنے لگا۔

بھائی جان نیچے بلا رہے ہیں اور اطلاعاً عرض ہے کہ وہ غصے میں آیا ہی چاہتے ہیں۔" ناظر نے ا
"کیا ہوا۔ وہ قصائی حضرت تشریف لے آئے ہیں کیا؟" سفیان الرٹ ہوگیا۔
"آج کے۔" ناظر نے بھنویں چڑھائیں۔ "اب تو "پرانے" بھی ہوگئے ہیں۔ جلدی سے چلیں
کچن میں ہیں اور سخت خفا بھی ہیں۔"
"آئے ہائے۔ یہ دنیا کسی طور بھی جینے نہیں دیتی۔" وہ آہ بھر کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحے ایف ایم پر ا
لگا۔

"یار بنا دل میرا نہیں لگتا
پیار بنا دل میرا نہیں لگتا
ہائے نہیں لگتا....

"یہ آج کل اس قسم کے گانے سننے کی کوئی خاص وجہ ہے؟" ناظر شرارت سے باز نہیں آیا تھا۔
"ہو سکتا ہے۔" وہ خوبصورت مسکراہٹ لیے بولا۔ "اور نہیں بھی ہو سکتا۔" پھر وہ ہنس پڑا۔
"ابھی تو مجھے خود بھی یقینی طور پر پتا نہیں ہے۔" وہ لان میں چلا آیا۔
"السلام علیکم۔" اس نے زور و شور سے قصائی کو سلام کیا تھا۔ جو لان کے ایک کونے میں بکرے
کوششوں میں تھا۔ مہران بھی اس کے ہمراہ تھا۔ مہران ملگجے آف وائٹ شلوار قمیص میں تھا۔ نئے کپڑے
نہیں پہنے تھے کہ بکرے سے دو دو ہاتھ کرنے میں ان کا ستیاناس ہو جاتا تھا۔ دو تین ہمسائے بھی مدد کو آ
"اندر سے پرات لے آؤ۔ اور ناظر سے کہو اسٹور میں رکھا گوشت کاٹنے والا چھرا اور لکڑی کا ٹو
آئے۔ چھرا احتیاط سے لانا۔ ابھی پرسوں ہی اس کی دھار تیز کروائی ہے۔"
آستین اور پائنچے اوپر چڑھائے مہران نے مصروف سے انداز میں سفیان کو کام پر لگایا۔ وہ کام کے
قسم کی شرارت برداشت نہیں کرتا تھا اس لیے سفیان خاموشی سے سر ہلا کر مڑ گیا۔
نینی فل اسپیڈ میں پیاز کاٹ کر انبار لگا رہی تھیں۔ کچھ پیاز گھی میں تل کر براؤن کر رہی تھیں۔
"تم ادھر پھر رہے ہو؟ مہران کب سے آوازیں دے رہا ہے تمہیں۔"
"نہیں ادھر سے ہی آیا ہوں ڈیر میڈم!" وہ دیگچی کھنگالنے لگا۔
"ہائے۔ ابھی کچھ نہیں بنا ایمان سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔"
"کس نے کہا تھا ناشتہ نہ کرو۔ اب چھری تلے دم لو ذرا۔ قصائی کلیجی بنائے گا تو میں بھونوں گی۔"
سے پیاز کاٹ رہی تھیں۔
"ناشتہ تو اس لیے نہیں کیا تھا کہ بکرا کھانے کے لیے پیٹ چہار اطراف سے خالی رکھوں تاکہ
ذائقے اور اشتہا کے ساتھ کھا سکوں۔ ویسے سچی بات تو یہ ہے کہ عید قرباں کے گوشت کا صحیح لطف
بندے کو کم از کم دو ہفتے قبل گوشت مکمل طور پر چھوڑ دینا چاہیے۔"
وہ کچن کے اسٹول پر بیٹھ کر آگے پیچھے جھولنے لگا۔
"گر جاؤ گے۔ باز آجاؤ۔ ہر وقت الٹی سیدھی حرکتیں کرتے رہتے ہو۔"
"آج ڈانٹ کیوں رہی ہیں مجھے۔ بڑا بھاری دن ہے آج بھئی۔"
وہ بھولا سا برا سا منہ بنا کر بسورتے ہوئے لہجے میں بولا تو نینی کی مہربان ممتا بھری شفقت جاگ پڑی
کر گلے سے لگا کر سر پر پیار کیا۔
"ارے میرے چاند! بس مصروفیت زیادہ ہے ناں۔ اس لیے۔ ابھی دوپہر کے کھانے پر مہران کے
لوگ مدعو ہیں ان کے لیے کھانا بنانا ہے۔ پھر گوشت ادھر ادھر بھجوانا ہے۔ ضرورت مندوں میں
ہے۔"

"اسی لیے کہتا ہوں نینی! کہ بھائی جان کی شادی کر دیجیے۔ بھابی جان آجائیں گی تو خود ہی سارے جھنجھٹ
سلجھا لیں گی۔" سفیان نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر لاڈ سے فرمائش کی۔
"میرا بس چلے تو آج اسی وقت یہ مقدس فریضہ ادا کر دوں مگر کیا کروں۔ مہران مانتا نہیں ہے۔ کہتا ہے ابھی
بہت سارے کام کرنا باقی ہیں۔ لو بھلا شادی کام سے روک تو نہیں دیتی۔"
وہ کچھ زیادہ ہی تنگ آچکی تھیں مہران کی آناکانی سے۔
"مہران بھائی! قسم سے اب تو مان جانا چاہیے آپ کو۔ میں آپ کی جگہ ہوتا تو نینی کی اتنی درد بھری صدا پر فوراً"
بیک کہہ کر مکھڑے پہ سہرا سجا لیتا۔"
اسی لمحے مہران کسی کام سے ادھر آنکلا تو سفیان نے اسے دھر لیا۔ مہران کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ
رینگی۔
"ویسے بھی ایسے ہتھکنڈوں سے تم نینی کو میرے خلاف نہیں کر سکتے۔ مجھے پتا ہے کہ نینی میرے دل کا حال
جانتی ہیں۔" اس نے محبت سے نینی کو اپنے بھرپور توانا بازوؤں میں لے لیا۔
"آپ کے دل کا حال؟" پانی پیتے پیتے سفیان کو اچھو لگ گیا۔
"کیا آپ کے سینے میں بھی دل ہے؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔
"میرے سینے میں بھی دل ہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں۔"
تیری آنکھوں نے لوٹا ہے مجھے۔
جیت کے میں تو گئی ہار۔"
لاؤنج میں ریڈیو آن تھا کچھ اس درجہ برجستگی سے صورت حال کے عین مطابق گانے کے بول ابھرے تھے کہ
نینی اور سفیان کے ساتھ ساتھ مہران بھی بے ساختہ ہنس پڑا۔
"تم کہاں اڑے اڑے پھر رہے ہو سرکار!" سفیان نے ناظر کے کچن میں داخل ہونے پر پوچھا۔
"محلے میں گوشت بانٹ رہا ہوں۔ دس گھر نپٹا لیے ہیں۔ آپ کی طرح نکما اور بے کار نہیں پھر رہا۔"
ناظر نے اسے کھری کھری سنائی تھیں۔ سفیان کھسیانا ہوگیا۔
"اسے کہتے ہیں۔ اپنا سا منہ لے کر رہ جانا۔" ناظر جی بھر کر محظوظ ہوا تھا۔
"لڑائی بعد میں، پہلے کام۔" مہران نے بیچ بچاؤ کراتے ہوئے دوبارہ انہیں کام پر لگا دیا۔
"نینی! ہم "آپا" کے ہاں بھی گوشت دینے چلیں گے کیا خیال ہے۔" سفیان نے کچھ سوچ کر گرمجوشی سے
پوچھا۔
"یہ "آپا" والا بھوت ابھی اترا نہیں؟"
باہر نکلتے ہوئے مہران نے ذرا رک کر سفیان کو تنگ کرنے کے لیے یونہی کہہ دیا اور پھر باہر کسی کے آواز دینے
پر تیزی سے قدم بڑھا دیے۔
"آئے ہوا بھی۔ بیٹھو تو سہی، جانے کی باتیں جانے دو۔"
ایف ایم سے نور جہاں کا لازوال گیت چل رہا تھا اور ناظر "وجد" کے عالم میں جھوم جھوم کر ساتھ گا رہا تھا۔
"اس قدر بھونڈی کوشش۔ چہ چہ کیوں بابائے موسیقی کی روح تڑپاتے ہو۔" سفیان نے چھیڑ خانی کی مگر ناظر
نے کوئی توجہ نہیں دی۔
"پھر نینی! کیا خیال ہے آپ کا؟" سفیان نے دوبارہ بات کا سرا پکڑا تھا۔ نینی خاموش رہیں۔
"اس کے بجائے ہم یوں کرتے ہیں ان کی دعوت کر ڈالتے ہیں۔ اپنے گھر بلا لیتے ہیں۔" نینی ارشین کے گھر کا
ماحول کچھ کچھ بھانپ گئی تھیں سفیان کا ان کے ہاں جانا انہیں مناسب نہیں معلوم ہو رہا تھا۔
"ہرے۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ پھر کب بلائیں ان کو؟" وہ بے تاب ہوا۔

"آج تو ظاہر ہے عید کا دن ہے۔ وہ بہت مصروف ہوں گی۔ کل ان سے پوچھ کر کوئی وقت طے کر لیں گے۔"
"یہ بھی ٹھیک ہے۔ ارے ہاں۔ ان سے فون پر بات تو ہو سکتی ہے ناں۔" سفیان کو نیا خیال سوجھا۔
"لگتا ہے، تمہیں بہت پسند آئی ہیں ارشین۔" انہوں نے محبت سے بیٹے کو دیکھا۔
"سچ نینی! پتا نہیں کیوں وہ مجھے آپ کا دوسرا عکس لگتی ہیں۔" سفیان کا چہرہ پاکیزہ جذبات سے چمک رہا تھا۔ … لمحے مہران اندر آیا۔
سفیان کے لہجے میں بہت احترام اور چاہت تھی۔ مہران ایک لمحے کو حیران سا کھڑا رہ گیا۔
ایسی کون سی خاص الخاص ہستی ہے جس کے لیے سفیان جیسا شرارتی اور بے فکرا بندہ اتنا سنجیدہ ہو رہا ہے۔
مہران کے دل میں فطری سا اشتیاق جاگا تھا۔
"بھئی اب تو ان "آپا جی" سے ملنا ہی پڑے گا۔"
"ہیں سچ! بس ٹھیک ہے۔ پھر کل شام کو میں انہیں بلوا رہا ہوں۔ ابھی بات کرتا ہوں ان سے۔" … جھپاک سے باہر نکل گیا تھا۔ نینی اور مہران ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔
"مجھے لگتا ہے۔ سفیان ان دنوں کچھ زیادہ ہی بہن کی کمی محسوس کرنے لگا ہے یہ اس کی اندر کی پیاس ہے … تمہیں واقعی اب سوچ لینا چاہیے۔"
"نینی! آپ جو ہیں۔ آپ کی موجودگی میں مزید کسی زنانہ وجود کی کیا ضرورت ہے۔" وہ حسب سابق … گیا۔
"میرا رول مختلف ہے بیٹے! میں سفیان کی عمر کی نہیں ہوں۔ اس کا دل چاہتا ہوگا کسی کو ستا ستا کر اپنی … منوانے کو۔ کسی پہ رعب جھاڑ کر چائے بنوانے کو، منت سماجت کر کے کسی گیم میں شریک کرنے کو۔ ماں … اولاد کے قریب ہو پھر بھی کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بچہ لامحالہ اپنے ہم عمر، اپنے دوست یا رازدار سے … کر سکتا ہے۔"
مہران کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔
لاؤنج میں سفیان ایف ایم ریڈیو بند کر کے فون پر ارشین سے بات کر رہا تھا۔ آواز اونچی ہونے کے سبب … میں ادھر ادھر سب کو سنائی دے رہی تھی۔ شاید ارشین نے ہی فون اٹھایا تھا۔
"ہائیں۔ ابھی تک بستر میں ہیں؟ سو کر اٹھی ہیں؟ خدایا۔ میں نے کہا میڈم جی! آج عید ہے؟" وہ حیرت … کہہ رہا تھا۔
"تو کیا آپ کے لیے عید بھی عام سا دن ہے؟ کمال ہے۔ بکرا شکرا لیا کیا؟ اچھا لے لیا ہے۔ تو اس کی قربانی … کرے گا؟ آں ہاں بھئی! آپ کے دادا جان جو ہیں۔ ٹھیک ہے بھئی ٹھیک ہے۔" پھر وہ ہنس پڑا۔
"کیا ہوا۔ برا مان گئیں۔ اچھا اے پیاری آپا! فقط ایک عدد درخواست کرنا ہے آپ سے۔ کل شام ہمارے … تشریف لے آیئے۔ دیکھیے آپا! نو بہانہ پلیز۔ او ہو اپنی والدہ کو منا لیجیے گا ناں! پلیز۔ دیکھیے اگر نہ مانیں … پولیس بھیج کر بلوالوں گا آپ کو۔ جرم؟ بھئی دل توڑنا بھی تو جرم عظیم ہوتا ہے۔ ہاں جی! ہمارے گھر میں … پولیس موجود ہے۔ چوبیس گھنٹے آن ڈیوٹی۔ جی ہاں! لہٰذا شرافت سے مان جائیں۔ اوکے سویٹ آپا! … عملی شکریہ آپ کی تشریف آوری کے بعد ادا کریں گے۔ میری طرف سے گوشت بھری عید مبارک قبول … کباب بناتے ہوئے ناظر کو اور کھاتے ہوئے مجھے ضرور یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ۔"
"یہ آپ فون کر رہے تھے۔ میں سمجھا اسپیکر پر کسی سے بات کر رہے ہیں۔" وہ فون رکھ کر ڈائننگ روم … تو ناظر نے بڑے بھولپن سے ناک کے طنز کا تھپڑ مارا۔ مہران ٹیبل کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے … آنے والے تھے۔

"ناظر درست کہہ رہا ہے۔" مہران نے ناظر کے بیان پر صاد کیا تھا۔ گویا اس نے بھی فون پر گفتگو سن لی تھی۔
سفیان کچھ خجل سا ہو کر ہنس پڑا۔ پھر ایف ایم ون ہنڈرڈ آن کرنے لگا۔

دل تڑپتا ہے اک زمانے سے
آبھی جاؤ کسی بہانے سے

ادھر سے مہدی حسن پکار رہے تھے۔
"کیا خوبصورت غزل ہے۔ سبحان اللہ۔" سفیان کسی حسین تصور میں کھو گیا تھا۔

◆◆◆

"میں تو کہہ رہی تھی امبر! تم بھی میرے ساتھ چلتیں۔" ارشین امبرین سے مخاطب ہوئی تھی۔ لہجے میں پرانی … کا شائبہ تک نہ تھا۔ ارشین کی کمزوری یہ تھی کہ وہ زیادہ دیر تک کسی کے خلاف بدگمان نہیں رہ سکتی تھی۔
"رہنے دیں۔" وہ خشک بیزار لہجے میں کہہ کر کروٹ بدلنے لگی۔
"ہونہہ۔ آپ ہی انجوائے کریں یہ "آزادیاں"" اس نے دل میں تلخی سے سوچا تھا۔ اس کے سرد و سپاٹ تاثرات دیکھ کر ارشین نے مزید اصرار نہیں کیا تھا۔
ہلکے جامنی رنگ کے سفید کڑھائی کے کاٹن کے شلوار سوٹ میں اپنے سیدھے چمکدار بالوں کا جوڑا بنائے … کی دھار اور ہلکی آتشیں کلر کی لپ اسٹک لگا کے اس کی کندنی رنگت نکھر آئی تھی۔ ارشین نے حتی الوسع … سے کام لیا تھا حتی کہ کوئی جیولری بھی نہیں پہنی تھی۔ بڑا سا کاٹن کا دوپٹہ چہرے کے گرد ہالہ کیے ہوئے تھا۔ … اب بھی برائے نام ہی کیا تھا پھر بھی جب سیڑھیاں اترتی نیچے آئی تو بی بی جان کی چبھتی ہوئی گہری نگاہ سے … ٹپکتی استہزائیہ کیفیت ارشین کے پراعتماد قدموں میں لرزش پیدا کر گئی۔
وہ جب بھی ذرا ڈھنگ سے تیار ہو کر باہر نکلتی تھی بی بی جان کی نظروں میں شک کے سائے لہرانے لگتے تھے۔ … کی محدود سوچ اور تنگ نظری انہیں اس سے آگے سوچنے کی اجازت ہی نہیں دیتی تھی کہ یہ تمام آرائش اور … کسی کو دکھانے کے لیے کی گئی ہے۔
وہ انجان بن کر گزرنے لگی تھی جب شاہین کی منت بھری آواز کان میں پڑی۔
"بی بی جان پلیز! میں دس منٹ میں آجاؤں گی۔ سارہ کو عید مبارک ہی تو کہنا ہے اور ساتھ ہی گوشت بھی دے … آؤں گی۔" وہ … لجاجت سے کہہ رہی تھی۔
"چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔ بھیجتی ہوں میں تمہیں سہیلیوں کے گھر۔" بی بی نے دانت پیس کر جانے کس کا غصہ … اتارا تھا۔
"سہیلیوں کے گھر کا بہانہ بنانے کی کیا ضرورت ہے۔" ان کی بڑبڑاہٹ ارشین کو احساس ذلت سے سن کر گئی … صاف اسے سنا رہی تھیں۔
"ایک کو دیکھ کر ساری پھیلنے لگتی ہیں۔" بی بی جان کا لہجہ تحقیر آمیز تھا۔ ارشین کا جی چاہا زندہ دفن ہو جائے۔
ارشین کا بہت جی چاہا کہ شاہین کو اپنے ہمراہ لے جائے مگر جانتی تھی بی بی جان کبھی اجازت نہیں دیں گی بقول … کے خود تو غلط راستے پہ چل ہی نکلی ہو دوسروں کو بھی خراب کرو گی۔
"بی بی جان! اثمرین کہاں ہے۔ اسے ساتھ لے لیتی ہوں۔"
"معاف رکھو اسے تم۔" انہوں نے ہری جھنڈی دکھا دی۔ "تم نے جہاں جانا ہے جاؤ۔ بچیوں کو انوکھی راہیں نہ دکھلاؤ۔" بی بی جان کا لہجہ اس کے لیے اتنا بیگانہ اور … ہوا تھا جیسے وہ ان کی اولاد میں شامل نہ ہو۔

سو دل پہ پتھر رکھ کے بی بی جان کے چبھتے ہوئے جملے نظر انداز کر کے نیچے آ گئی۔ روکھی پھیکی اجازت
دے ہی دی تھی۔

"میں جا رہی ہوں۔ دو گھنٹوں تک واپسی ہو گی۔" وہ مطلع کر کے تیزی سے باہر نکلی تھی مبادا
سماعت میں زہر گھول دے۔

"روکے زمانہ چاہے روکے خدائی تم کو آنا پڑے گا۔"

سفید گیٹ کے آگے گاڑی پارک کی تو اندر سے بجتے ریڈیو کی آواز نے اس کے لبوں پر مسکراہٹ
اسی لمحے ہنستا مسکراتا سفیان باہر نکلا تھا۔

"السلام علیکم چمن ہنس پڑے اور گل مسکرائے بہت شکریہ آپ تشریف لائے۔ خوش آمدید
اللہ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" وہ سر تا پا دیکھتے ہوئے کھلے دل سے سراہ رہا تھا۔

"شکریہ سفیان بھیا!" وہ گاڑی لاک کر کے نیچے اتر آئی تھی۔ "کہتے ہیں خوب صورتی آنکھ میں
ہوتی ہے۔ تمہارا دل اچھا ہے ناں اس لیے آنکھوں کو بھی سب اچھا ہی نظر آتا ہے۔" وہ نرمی سے

"یہ بھی تو کہتے ہیں ناں کہ چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے۔ بندے کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہی
چھلک کے اسے خوب صورت یا بد صورت بناتا ہے۔ آپ کا دل حسین ہے تبھی تو صورت بھی
ہے۔" سفیان نے جواب میں برجستگی سے کہا۔

"بہت خوب۔" ارشین نے تحسین بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

نینی دروازے پر کھڑی اس کی منتظر تھیں۔ گرمجوشی سے اسے لپٹا کر اسے ڈرائنگ روم میں لے

"یہ لڑکا تو خوشی کے مارے رات سویا بھی نہیں تھا۔"

"اس کی محبت ہے نینی! ورنہ مجھ میں ایسی کیا بات ہے۔" ارشین کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔
قابل کہاں تھی۔

"کوئی تو بات ہے، محض دو تین بار ملاقات ہوئی ہے۔ مگر مجھے آپ کے وجود سے اتنی اپنائیت محسوس
احساس ہوا ہے کہ میں خود حیران ہوں۔ آپ پہلی بار آئی تھیں تو مجھے یوں لگا تھا جیسے آپ ہیشہ
درمیان ہوں جیسے اس گھر میں یہاں وہاں چلتے پھرتے میں دیکھتا رہا ہوں۔"

وہ جذب کی کیفیت میں کہہ رہا تھا۔ ارشین فرط جذبات سے گنگ بیٹھی تھی۔

"بی بی جان! میری یونیفارم کہاں ہے؟" مہران سفید شلوار کرتے میں اپنی دھن میں مگن ادھر آ
خاتون کو بیٹھے دیکھ کر ایک دم شرمندہ ہو گیا۔

"اوہ سوری۔" وہ مڑنے کو تھا جب نینی نے پکار لیا۔

"آجاؤ بیٹے! یہ میری کولیگ ارشین ہے، وہی جس کا سفیان صبح و شام ذکر کرتا ہے۔" نینی کے تعارف
پر وہ کچھ پل کو رکا اور جامنی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس سنہری رنگت والی لڑکی پر اچٹتی سی نگاہ ڈالی تو
سا گیا یہ تو وہی تھی جس سے تھانے میں سرسری سی ملاقات ہوئی تھی۔

"السلام علیکم۔" اس نے سنجیدگی سے سلام کیا اور پھر قدم بڑھانے کو تھا کہ سفیان نے پکار لیا۔

"ارے کہاں چلے بھائی جان! آپ خود ہی تو کہہ رہے تھے میری آپا جی سے ملنے کو اب آئی ہیں تو
بات پر ارشین نے کچھ حیرانی سے مہران کی طرف دیکھا جو سفیان کے اس طرح بے دھڑک بولنے پر
تھا۔

"پھر بات ہو گی اس وقت مجھے فوری طور پر کہیں جانا ہے۔" وہ باہر نکل گیا تھا۔

◆◆◆

امید کرتا ہوں کہ آپ کا موڈ بحال ہو گیا ہو گا۔"

ان کا چبھتا ہوا کچھ جتلاتا ہوا ناراض لہجہ ارشین کی سماعتوں میں سیسہ پگھلا رہا تھا۔

اس نے گہری سانس لے کر شدید تنگ آئے ہوئے انداز میں آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے
لج سے گھر لوٹی تھی۔ نازو سے بات کرنے کے ارادے سے فون لاؤنج سے اٹھا کر اسٹوڈیو میں لا کر دروازہ بند کیا
تھا کہ بیل بج اٹھی تھی۔ بے خیالی میں اٹھایا تو ادھر سے پروفیسر دانیال کی آواز سن کر سر پیٹنے کو جی چاہنے لگا پچھلے دو
ں سے اس نے فون اٹینڈ کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

"گزشتہ ایک ہفتے سے آپ میرا فون اٹینڈ نہیں کر رہی ہیں، میں وجہ پوچھ سکتا ہوں دو ہفتوں میں در آنے والی
اچانک تبدیلی کی۔"

ان کا لہجہ بہت سرد اور جارحانہ تھا۔ ارشین کچھ پریشان سی ہو گئی۔

"بس مہدی صاحب! مصروفیت ایک دم بڑھ گئی ہے۔" وہ بدستور ٹالنے والے نرم انداز میں بات کر رہی

"مصروفیت کی نوعیت پوچھ سکتا ہوں آپ سے؟" ان کے لہجے میں بلا کا زہریلا پن اور تلخی تھی۔ ارشین جز بز
ہونے لگی۔

"آپ خواہ مخواہ بدگمان ہو رہے ہیں۔ میں نے اپنے کام کا فارمیٹ چینج کر لیا ہے۔ اوقات کار بدل گئے ہیں اور
کوئی بات نہیں۔"

"ارشین! میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں فوری اور ضروری۔" انہوں نے یکلخت خشک لہجے میں قطعیت سے
ڈالا۔

"جی میں نے بتایا ناں کہ۔"

"میں کوئی عذر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" انہوں نے اس کی بات کاٹ کر تیز لہجے میں کہا۔ ارشین ایک
آگ بگولہ ہو گئی۔ کس درجہ حاکمانہ اور رعب دار انداز میں اس پہ تسلط جما رہے تھے۔

"آئی ایم سوری۔ میں آپ سے نہیں مل سکتی۔" وہ سپاٹ انداز میں گویا ہوئی۔

"کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟" کچھ توقف کے بعد وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولے۔ وہ سخت جواب
دیتے دیتے رہ گئی۔ ایسے جنونی اور سرپھرے شخص سے کیا بعید ہے۔

"ارشین! آپ کے کترائے کترائے انداز مجھے کچھ اور ہی کہانی سنا رہے ہیں میرا نام دانیال مہدی ہے اور میں
ان کا پکا اور قول پر جان دینے والا شخص ہوں۔ میرے ساتھ چیٹ کرنے والا بندہ تاحیات خوشی کی جھلک کو
ستا ہے۔"

ان کے لہجے کی سفاکی ارشین کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑانے لگی۔

"میں نے نازش کو پانے کے لیے پورے آفریدی قبیلے سے ٹکر لی تھی۔ بندوقوں کے سائے اور افرادی قوت
نا میرے جذبوں کو زیر نہیں کر سکے اور آپ کو پانے کی جو تڑپ میرے دل میں ہے۔ نازش کے مقابلے میں کئی
نا زیادہ ہے۔ اسی حساب سے اندازہ لگا لیں کہ میں آپ کے حصول کے لیے آخری حد سے بھی گزر سکتا ہوں۔
اب آپ تو میری حاصل زندگی ہیں۔ مجھے دھوکے میں مت رکھیے گا۔ میرے ساتھ فراڈ بہت مہنگا پڑتا ہے۔"

ان کا برف لہجہ ارشین کی رگ رگ میں عجب خوف آمیز وحشت جگانے لگا تھا۔ وہ فون بند کر چکے تھے۔
ارشین سر تھام کر بیٹھ گئی۔ وہ فوراً سے پیشتر نازو سے بات کر کے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی۔ نامعلوم کیوں
ایسے خطرہ بالکل سر پر دکھائی دے رہا تھا۔

◆◆◆

کدی تے رانو بول ہنس کے
کانوں پائیاں اے توں متھے اتے تیوریاں
تینوں لے کے دیواں کچ دیا چوڑیاں
کدی تے رانو بول ہنس کے

عامر سلیم کا گانا پورے گھر پہ چھایا ہوا تھا۔ پہلے تو مہران ضبط کرتا رہا پھر جب نازش کی آواز فون سے آنا بند ہو گئی تو اسے ہولڈ کروا کر سیڑھیوں تک آنا پڑا۔

"یار سفیان! پلیز والیوم کم کرو' سارا گھر سر پر اٹھایا ہوا ہے۔"

"جی۔ جی بھائی جان۔" بھائی کی تیز آواز سن کر سفیان نے ریڈیو ہی بند کر دیا تھا۔

"سوری بھائی۔" شرمندہ ہو کر اس نے کہا۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ وہ اوپر ہیں۔

"سنو ضرور مگر اس وقت آواز کم کر دو۔ میں ضروری بات کر رہا ہوں۔" مہران کو اپنے تیز لہجے کا احساس ہو گیا تھا۔ اس نے نرمی سے کہا اور دوبارہ اوپر چلا گیا۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کے احساسات کا خیال کرتے تھے۔

"جی نازش کیا کہہ رہی تھیں آپ؟" اس نے دوبارہ سے گفتگو کا سلسلہ جوڑا۔

"کچھ نہیں۔ بس یہی بتانا تھا کہ کالز کا سلسلہ قریباً" قریباً" ختم ہو گیا ہے۔ وہ لڑکی پیچھے ہٹ گئی ہے شاید اس نے میری بات سمجھ لی۔"

"لعنت بھیجتا ہوں میں ایسی بے حمیت لڑکیوں پر۔ عورت کے نام پر دھبہ ہے ان کا وجود۔" مہران کے لہجے سے تنفر ٹپک رہا تھا۔

"میرا بس چلے تو معاشرے کے ان ناسوروں کے خلاف گرینڈ آپریشن کر ڈالوں۔"

"استغفر اللہ مہران! ایسی بات نہ کرو وہ بیچاری تو سیدھی سادی شریف لڑکی تھی۔ خدانخواستہ کوئی بری عورت نہیں ہے۔" نازش جھرجھری لے کر رہ گئی۔

"آپ کا دل بہت بڑا ہے۔ جس کی ذات سے عظیم ترین دکھ ملا اسے بیچاری کہہ کر اس کی حمایت کر رہی ہیں وگرنہ میرے سامنے وہ ہوتی تو میں اس کا گلا دبا دیتا۔" وہ قطعی قائل نہ ہوا تھا۔

"ایسی خواتین کسی رعایت کی حقدار نہیں ہوتیں۔" اس کا انداز قطعی تھا' وہ زہرخند ہوا پھر اس نے بات بدل دی۔

"یہ بتایئے دانیال بھائی کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا ہے۔"

"رویہ تو ہمیشہ کی طرح اچھا اور خیال رکھنے والا ہے۔ مگر مہران! ایک بات مجھے تنگ کر رہی ہے۔" وہ فکر بھرے انداز میں بولی۔

"دانی بہت الجھے ہوئے' پریشان اور کسی حد تک بے چین نظر آ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ تو ایسے نہیں ہیں بڑی سے بڑی بات کو بھی پی جاتے ہیں۔ کبھی پریشان نہیں ہوتے۔"

"کوئی آفیشل پرابلم ہو گا۔" مہران خوامخواہ ٹوہ میں رہنے والا بندہ نہیں تھا۔

"ہاں۔ شاید یہی بات ہو گی۔" گو نازش کو یقین نہیں تھا پھر بھی بات ختم کرنے کے لیے کہہ دیا۔ "یہ بتاؤ ہاں کب آؤ گے۔۔؟"

"اب میں نہیں آپ آئیں گی؟" مہران نے زور دے کر کہا۔

"سفیان کا بی ایس سی آنرز کا رزلٹ نکل آیا ہے اور وہ اپنی فرسٹ ڈویژن کی خوشی میں ایک چھوٹی سی پارٹی دینے کا پروگرام بنائے ہوئے ہے۔ آپ کو دانیال بھائی اور ہماری گڑیا رانی موش کے ساتھ آنا ہو گا۔"

"یہ تو کہنے کی بات ہی نہیں۔ سفیان کو میری طرف سے بہت مبارک باد دینا۔ او کے اللہ نگہبان۔" فون رکھا تو کال بیل کی آواز سنائی دی۔ وہ نیچے آ گیا۔ سفیان گیٹ کھولے کھڑا تھا۔ سامنے ہی ارشین نظر آ گئی تھی۔

"بہت بہت مبارک ہو سفیان! مجھے آج کالج میں نینی نے بتایا تھا۔ میں ادھر سپر مارکیٹ سے بابا جان کی دوائیاں لینے کے لیے نکلی تھی راستے میں سوچا خود جا کر مبارکباد دے دوں' ارادہ تو تھا دو تین دن بعد چکر لگاؤں گی مگر پھر مجھ سے رہا نہیں گیا' موقعہ ملا تو چلی آئی ایم سوری' جلدی میں کوئی تحفہ بھی نہیں لا سکی۔ مگر۔۔ ڈیو رہا نینی کدھر ہیں۔۔؟" وہ بہت پرجوش انداز میں مبارکباد دے رہی تھی۔

"تھینک یو ویری مچ آپا! آپ نے تشریف لا کر میری خوشی کو مزید دوبالا کر دیا ہے۔" وہ بے طرح خوش ہو گیا تھا۔

"نینی ذرا پڑوس میں گئی ہیں۔ آتی ہی ہوں گی۔ آپ اندر آئیں۔"

"اچھا۔" وہ چپ سی ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

"چلو میں پھر آ جاؤں گی۔ بس مبارکباد ہی دینا تھی۔" نینی کی غیر موجودگی میں اسے بیٹھنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"ارے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" پھر وہ اس کی ہچکچاہٹ کے معانی سمجھ کر بولا۔ "میں ابھی نینی کو بلا لاتا ہوں۔"

"ارے نہیں نہیں۔ میں نے یہ کب کہا۔ کوئی بات نہیں سفیان! ابھی یوں بھی میں جلدی میں ہوں۔" ارشین نے عجلت میں اسے روک دیا پھر کچھ فاصلے پر کھڑے مہران پر نظر پڑتے ہی وہ چونک گئی۔

"السلام علیکم" اس نے اخلاقاً" اسے سلام کیا۔

"کیسے مزاج ہیں آپ کے؟" مہران سر ہلا کر سلام کا جواب دینے کے بعد رسمی سے انداز میں بولا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ اچھا سفیان میں چلتی ہوں۔" وہ جھجک کر دوبارہ سفیان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"جی نہیں آپا جی! میں نے بڑے مزے کے کباب بنائے ہیں آپ کو کھا کر جانا ہو گا۔" اس لمحے کہیں سے ناظران وارد ہوا تھا اور سلام دعا کے بعد سفیان کے اصرار میں شمولیت اختیار کرتے ہوئے بولا تھا۔ ارشین مشکل میں پھنس گئی۔ نینی کی غیر موجودگی میں تین مردوں کے گھر میں ہوتے ہوئے بیٹھنا اسے نامناسب لگ رہا تھا۔

"میں ضرور آؤں گی بھیا! پلیز اس وقت نہیں۔" اس نے منت سے کہا۔

"کیوں اصرار کر رہے ہو سفیان! اگر ان کے پاس ٹائم نہیں ہے تو انہیں جانے دو۔" بالآخر مہران نے سنجیدگی سے مداخلت کی وہ اس کے گریز کو سمجھ گیا تھا۔

ارشین نے مشکور نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اچھا۔" سفیان کا منہ لٹک گیا مگر اسی لمحے نینی آ گئیں۔

"ہرا! دیکھیے اللہ نے میری سن لی۔ اب تو آپ نہیں جا سکیں گی۔ نینی انہیں روکیں یہ اندر نہیں آ رہیں۔" سفیان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ ارشین کو اندر آنا ہی پڑا۔

بالآخر پون گھنٹے بعد بہانے سے رخصت ہوئی تو پورچ کی طرف بڑھتے ہوئے اس کی نگاہ لان میں بیٹھے موبائل پہ محو گفتگو مہران پر پڑی تھی۔ وہ غالباً" اس وقت سے ادھر ہی بیٹھا تھا۔

اسی لمحے مہران موبائل آف کر کے اندر جانے کے لیے اٹھ کر اس سمت آیا تھا' ارشین سے نگاہ ملی تو رسماً" میزبانی کے خیال سے مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کو چھو گئی۔

"جا رہی ہیں آپ۔۔؟" یہ جملہ بھی محض اخلاقاً" زبان سے پھسلا تھا۔ وہ گھر بھر کی پسندیدہ ترین مہمان تھی اس مناسبت سے اس سے اخلاقاً" اور نرمی سے پیش آنا فطری بات تھی۔ اب تو کسی حد تک اس کی آمد سے مانوس ہو گیا تھا۔

"جی! بہت دیر ہو گئی۔" وہ بھی مینرز کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسکرائی۔ "ویسے بھی نماز عصر کا ٹائم نکلنے کو ہے۔"

مہران نے اب کی بار پسندیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ براؤن پرنٹ کے عام سے کپڑوں پر بڑا سا دوپٹہ سر پر لیے جسم اچھی طرح ڈھانپے شام کے اس پہر بہت انوکھی سی لگ رہی تھی۔ دوسروں اور پر اعتماد ایسی خواتین کا خود بخود احترام کرنے کو جی چاہتا ہے۔

"او کے اللہ حافظ۔" مہران نے رسان سے کہا۔

"خدا حافظ۔" ارشین گاڑی نکال کر نگاہ سے اوجھل ہو گئی تھی۔ مہران وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اندر کی طرف بڑھ گیا اسے بہت اہم فائل پر کام کرنا تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

"ناظر!" کچن کی طرف جاتے ناظر کو دیکھ کر اسے کچھ یاد آ گیا تھا۔

"تم نے عصر کی نماز پڑھ لی تھی۔"

"وہ۔ جج۔۔۔۔ جی۔" ناظر اس کی تیز نظروں سے بوکھلا سا گیا تھا۔ مہران کے ہونٹ بھنچ گئے اور تیوریاں چڑھنے لگے۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے لاؤنج میں آ گیا۔ ناظر کو اس سے خوف محسوس ہونے لگا۔

"اور سفیان تم نے؟" اس نے ریڈیو سیٹ کرتے سفیان سے سرد آواز میں دریافت کیا۔

سفیان بھائی کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہی بدحواس ہو گیا۔

"میں وہ بھائی جان آپا کے ساتھ باتوں میں پتا نہیں چلا۔" وہ ناظر کی طرح جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں تھا۔ تھوک نگل کر بولا۔ مہران ایک ایک قدم آگے بڑھاتا ہوا سفیان کے سامنے آیا اور دوسرے لمحے چہرے پر اس زناٹے کا تھپڑ پڑا کہ وہ گھوم کر رہ گیا۔ پھر وہ تھر تھر کانپتے ناظر کے پاس آیا اور اتنی ہی طاقت سے اس کے گالوں پر دو تھپڑ رسید کیے۔

"ایک اضافی تھپڑ جھوٹ بولنے پر پڑا ہے۔" اس نے دانت ایک دوسرے پر جما کر چبا چبا کر ناظر سے کہا جو تھپڑ کھا کر قالین پر جا گرا تھا اور اب اٹھنے کی کوششوں میں تھا۔

"میں ہر کوتاہی برداشت کر سکتا ہوں مگر نماز میں سستی اور چوری ہرگز قابل معافی نہیں۔" وہ غرایا۔

سفیان اور ناظر گالوں پر ہاتھ رکھے ڈرے ڈرے انداز میں جھکی نظروں سے بھائی جان کے تیور ملاحظہ کر رہے تھے۔ وہ جانتے تھے بھائی جان دین کے معاملے میں قطعی رعایت دینے کے روادار نہیں تھے۔ خاص طور پر نماز روزے کی پابندی تو خشوع و خضوع کے ساتھ کی جاتی تھی۔ باقی معاملات میں نینی مہران کی سخت طبیعت کے بارے میں جانتے ہوئے سفیان اور ناظر کی مدد کو آ جاتی تھیں مگر اس معاملے میں وہ بھی پوری طرح مہران کا ساتھ دیتی تھیں۔ اس وقت بھی خاموش بیٹھی رہیں۔

"جانتے ہو قیامت کے دن سب سے پہلا سوال نماز کے بارے میں ہی کیا جائے گا۔ چلو اب دونوں وضو کر کے آؤ اور نماز پڑھو۔ ابھی کچھ وقت باقی ہے اور ہاں ناظر! آئندہ جھوٹ بولا تو الٹا لٹکا دوں گا سمجھے۔"

اس کا لہجہ بہت سخت اور بے لچک تھا کہ ناظر سر سے پیر تک کانپ گیا۔ مہران پرسکون انداز میں اوپر چلا گیا اور وہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے واش روم کی جانب لپکے تھے۔

"سفیان بھیا! ملاحظہ کیجیے اپنا دایاں گال۔ بھائی جان کے ہاتھ کا پرنٹ کس خوب صورتی سے ثبت ہوا ہے۔" بیسن کے آئینے کے آگے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ دھو رہے تھے جب ناظر کی نظر آئینے میں سفیان کی شکل پر پڑی تو ہی ہی کر کے ہنسنے لگا تھا۔

سفیان نے خجالت سے اپنے دائیں سرخ گال کو دیکھا پھر ناظر کا رخ آئینے کی طرف موڑ کر بولا۔

"اور ملاحظہ کرو اپنی شکل تمہارے تو دونوں گالوں پر بھائی جان کے ہاتھ کی لکیروں کا نمونہ نقش ہو گیا ہے۔" جل کر بولا۔ ناظر نے گھبرا کر آئینہ دیکھا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کی ردی حالت پر کھلکھلا کر ہنس دیے۔

◆◆◆

ویسے تو ہر بار امبرین نمائش کے انتظامات میں ارشین کا ساتھ دیتی تھی مگر اس بار ارشین کو بغیر پوچھے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ تعاون نہیں کرے گی۔ آخر وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔ اس کے موڈ کے پیش نظر اس نے اس سے نہیں کہا تھا کیا فائدہ تھا دل جلانے کا اتفاق سے سعد موجود تھا سو وہی ہاتھ بٹا رہا تھا۔ "لوک ورثہ" میں تین دن نمائش کے لیے بکنگ کروانے کے بعد پینٹنگز کو وہاں پہنچانے اور سیٹ کرنے میں سعد نے بھرپور تعاون کیا تھا۔

"شکر ہے تمہاری پنڈی پوسٹنگ ہو گئی ہے۔ کم از کم مجھے بہت آسانی ہو گئی ہے۔" وہ شرارت سے کہہ رہی تھی۔

"جناب آپ کی آسانی کے لیے ہم مریخ پر بھی جا سکتے ہیں مگر براہ کرم یہ قلیوں والا کام نہ کروایا کرو۔" وہ کراہا تھا۔ اسے پینٹنگز احتیاط سے پیک کر کے گاڑی میں رکھنا تھیں کام تو مارے باندھے کر رہا تھا مگر موڈ خاصا خراب تھا نت نئے منہ بنا رہا تھا۔

"ابھی تو تین دن بعد "لوک ورثہ" سے واپس بھی لانا ہے۔" ارشین نے احتیاطاً پہلے سے "بکنگ" کروائی۔

"معاف رکھو۔" سعد نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"یوں بھی تین دن بعد میرا بہت اہم ٹیسٹ ہے۔ میں کسی صورت نہ آ سکوں گا۔"

"کتنے بے مروت ہو میرے لیے اتنا سا کام نہیں کر سکتے؟" ارشین نے شرم دلائی۔ مٹر چھیلتی ہوئی امبرین نے چڑھی نظروں سے بہن کی طرف دیکھا۔ اس کی جان جل کر رہ گئی تھی۔ اس نے سعد سے بھی رسمی سا سلام کرنے کے بعد بات نہیں کی تھی۔ دل ہی دل میں اس سے ناراض تھی اور کتنی عجیب تھی یہ ناراضگی جس کی دوسرے بندے کو خبر بھی نہ تھی۔ ارشین سے تو عرصہ ہوا کلام چھوڑا ہوا تھا۔ جی ہی نہیں چاہتا تھا اسے دیکھنے اس سے بات کرنے کو۔

"تمہاری خاطر۔؟" سعد کے پینٹنگ پیک کرتے ہاتھ ایک لحظے کو رک گئے۔ اس نے بغور ارشین کی طرف دیکھا۔ ارشین بے ساختہ نظر چرا گئی اور اپنی ہی بات کا تاثر مٹانے کو فوراً بول پڑی۔

"اچھا بابا! واپسی کے لیے میں کچھ کر لوں گی۔ عدنان مان گیا تو اسے ساتھ لے لوں گی۔ یوں بھی اب اپنی گاڑی ہے۔ اتنا مسئلہ نہیں ہو گا۔ دو تین چکر لگا کر گاڑی کی ڈگی میں رکھ کے لے آؤں گی۔" مگر تین دن بعد ہوا یہ کہ اس کی گاڑی دغا دے گئی تو اسے گیراج میں چھوڑنا پڑا سعد اپنے ٹیسٹ کی وجہ سے نہ آ سکا اور عدنان کی کالج ٹیم کا بہت اہم میچ تھا جسے وہ مس نہیں کر سکتا تھا۔ ارشین نمائش کے تیسرے دن بہت فکر مند سی لوک ورثہ میں کھڑی تھی۔ نمائش خاصی کامیاب رہی تھی یہ نمائش ابھی تک لوگ آ جا رہے تھے۔ چار بج رہے تھے اور پانچ بجے تک نمائش کا ٹائم تھا۔ ارشین اب سامان سمیٹنا چاہ رہی تھی۔ اسلام آباد کا مخصوص ملگجا بادلوں بھرا ٹھنڈا بھیگا موسم اسے احساس دلا رہا تھا کہ بروقت کام سمیٹ کر گھر کی راہ لینی چاہیے۔ وہ کسی ٹیکسی کی تلاش میں لوک ورثہ کی عمارت سے نکل کر باہر سڑک پر آئی تھی۔ لوک ورثہ کے دائیں جانب چند فرلانگ پر سپر مارکیٹ کی دکانیں تھیں۔ لوگ آ جا رہے تھے اسی لمحے سفید ایف ایکس مارکیٹ سے نکل کر اس سمت گزرتے ہوئے رکی تھی۔

"آپا! آپ ادھر کیا کر رہی ہیں؟" سفیان کی آواز کانوں میں بہار بن کر اتری تھی۔

"شکر ہے کسی اپنے کی شکل تو دیکھی۔ مجھے اس وقت مدد کی سخت ضرورت تھی سفیان۔" وہ بن دیکھے تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھی اور خوشی سے چور انداز میں مخاطب ہوئی۔

"خیریت ہے؟" سنجیدہ بھاری فکر مندانہ لہجے پر وہ ٹھٹک کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف متوجہ ہوئی اور پھر سر پیٹ کر رہ گئی۔ اپنی عجلت اور پریشانی میں وہ یہ بھی نہیں دیکھ سکی تھی کہ گاڑی مہران ڈرائیو کر رہا تھا اس کے ساتھ سفیان بیٹھا تھا۔

"السلام علیکم۔" وہ بدحواسی سے بمشکل تمام مسکرائی تھی۔

"کیا بات ہے۔؟" وہ گاڑی بند کرکے باہر نکل آیا تھا۔ وہ یونیفارم کی بجائے گھریلو شلوار کرتے میں
اس کے خوب صورت گھنے بالوں کا گچھا بڑے اسٹائلش انداز میں فراخ پیشانی پر بچھا ہوا تھا اور لطیف مظاہرہ
جھونکوں سے بال ہلکے ہلکے اڑ رہے تھے۔
"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس وہ۔" وہ مہران کے سامنے اس درجہ بے تابی اور عجلت دکھانے پر
گئی تھی۔
"میری یہاں نمائش لگی ہوئی ہے۔ شام پانچ بجے کے بعد مجھے سامان سمیٹ کر گھر پہنچانا ہے اور یہاں
مناسب ٹرانسپورٹ نہیں ہے۔ اس لیے پریشانی ہو رہی تھی۔"
"آہا آپ کی تصویروں کی نمائش لگی ہوئی ہے اور ہمیں خبر بھی نہیں۔" سفیان اچھل کر گاڑی سے
چہرے پر جوش کے تاثرات تھے پھر اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔
"ابھی تو ایک گھنٹہ باقی ہے۔ ہم ضرور دیکھیں گے بلکہ اچھی لگیں تو اپنے ڈرائنگ روم کے لیے خریدیں
گے۔ آخر کچھ تو آپ کی بکری ہو۔" وہ شریر ہو گیا۔ سرراہ اس سے اتفاقی ملاقات پر وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا
"شیطان لڑکے! میری نمائش بہت زبردست رہی ہے۔ یہاں کے لوگ تمہاری طرح بدذوق نہیں
اسے گھونسہ دکھا کے وقتی طور پر اپنی پریشانی بھول کر چڑتے ہوئے بولی۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
اسی اثناء میں مہران موبائل فون پر کسی ٹرانسپورٹ کمپنی سے رابطہ کر چکا تھا اپنا تعارف اور کام بتا کے
اس نے جگہ اور وقت بتایا تھا۔
"آپ ایک گھنٹے بعد گاڑی کیری "لوک ورثہ" بھجوا دیں پانچ بجے دروازے پر ملنی چاہیے۔ نمبر نوٹ کر لیں
اوکے تھینکس۔"
"اوکے؟" اس نے موبائل آف کرکے تصدیق طلب نظروں سے ارشین کی طرف دیکھا جو کافی
مطمئن نظر آنے لگی تھی۔
"جی بہت بہت شکریہ۔" وہ دلی طور پر مشکور تھی۔
"اب آئیے چلتے ہیں۔ آپ کی تصاویر بھی دیکھیں گے اور ساتھ ساتھ ان کی "سمیٹا سمیٹی" بھی کروا دیتے
ہیں بھائی جان آپ چلیں گے ناں۔؟"
"آف کورس۔"
سفیان نے اس لیے پوچھا تھا کہ شاید بھائی کو مصوری وغیرہ سے دلچسپی نہ ہو اور کسی ضروری کام سے جانا ہو
بھائی کے لحاظ سے تو یہ نمائش وغیرہ "وقت کا ضیاع" ہی ہونا چاہیے تھی مگر اس کی آمادگی دیکھ کر سفیان کو حیرت
ہوئی تھی۔

"آپ کی تصویروں کا موضوع اچھا ہے۔ اس میں ایک گہرائی اور پراسراریت ہے۔"
تصویریں دیکھتے ہوئے جب مہران نے سنجیدگی سے سرہلاتے ہوئے تبصرہ کیا تو سفیان بے ہوش ہوتے
بچا۔ مہران نے سفیان سے پسند کروا کے دو پینٹنگز بھی خریدیں۔
باتوں باتوں میں وقت گزرنے کا پتا نہیں چلا تھا۔ سفیان کی کسی بات پر بے ساختہ ہنستے ہوئے جونہی اس کی نظر
دائیں طرف پڑی وہ سن ہو کر رہ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے زمین قدموں تلے سے کھینچ لی ہو۔ پردے
مہدی کی انگارے برساتی نگاہ اس کے جسم کے آرپار ہو گئی تھی پھر وہ ایک جھٹکے سے مڑے اور سیڑھیاں
نیچے چلے گئے۔
"کیا ہوا کیا سانپ دیکھ لیا ہے؟۔" اسے متواتر ساکت کھڑے دیکھ کر سفیان نے تشویش سے پوچھا تھا۔
"آں ہاں۔ کچھ نہیں۔" وہ چونک کر خود کو سنبھالنے لگی۔ "میں سوچ رہی ہوں اب سامان

ہیے۔ دس پندرہ منٹ رہ گئے ہیں۔" مہران کچھ فاصلے پر انہماک سے اس کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ سفیان نے پھرتی
کرتے ہوئے بچ رہنے والی پینٹنگز پیک کردیں۔ مہران گاڑی دیکھنے کے لیے نیچے چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر
ڈرائیور اوپر آگیا۔ ادھر سامان سمیٹ کر سوزوکی کیری پہ رکھ دیا۔
ارشین نے اپنے گھر کا ایڈریس سمجھا دیا تھا۔
"اور اب آپ ہمارے ساتھ آئیے۔ ہم آگے آگے چلیں گے اور ڈرائیور حضرت ہمیں فالو کریں گے۔"
نے اس کے کچھ سوچنے سے قبل فیصلہ کر دیا تھا۔
"نہیں خوامخواہ مہران صاحب کو زحمت ہوگی۔" اس نے کن اکھیوں سے ڈرائیونگ سیٹ کا لاک کھولتے
ان کی طرف دیکھا۔
"مہران صاحب" کو کوئی زحمت نہیں ہوگی۔ آپ تشریف رکھیے۔"
سفیان "مہران صاحب" کہنے پر بہت محظوظ ہوا تھا اور شرارت سے دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے ہنس کر
تھا۔ ارشین بری طرح جھینپ گئی تھی۔
"آئیے ارشین۔" مہران نے کوئی تاثر دیے بغیر حتمی لہجے میں کہتے ہوئے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ اسے لامحالہ
بیٹھنا پڑا۔ سفیان کے ہونٹوں، آنکھوں، چہرے، حتیٰ کہ پورے سراپے سے شرارتی سی کھلکھلاہٹیں برس رہی
تھیں اور ارشین کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی خوامخواہ پزل ہوتی جا رہی تھی۔ بھائی جان موجود نہ ہوتے تو شاید وہ خوب
اچھی طرح ارشین کا ناک میں دم کر دیتا مگر فی الحال اسے نچلا بیٹھنا پڑا تھا۔
"بھائی جان ایف ایم لگا لوں؟۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو آن کرنے سے پہلے اجازت لی۔
"منع کروں گا تو کون سا باز آؤ گے۔ ایف ایم کے بغیر تو تمہارا کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا، لگا لو۔" مہران مبہم
مسکراہٹ لیے بولا اور جونہی اس نے آن کیا بڑا خوب صورت سا گیت فضا میں بکھرا۔

ہو سکے تو میرا ایک کام کرو
شام کا ایک پہر میرے نام کرو

"آہا، بھائی جان! پلیز غور سے سنیے۔ میرا بہت، بہت پسندیدہ گانا ہے اور آپا! آپ تو خیر سنیں گی ہی۔" وہ جی بھر
کے اسے ستا رہا تھا۔ ارشین اسے گھور کر رہ گئی۔
مہران نے یونہی سفیان کا دل رکھنے کو والیوم اونچا کر کے گانے پر دھیان دیا پھر چونک کر ذرا توجہ سے سننے لگا۔
آواز، موسیقی اور شاعری تینوں لاجواب تھے۔
"کیوں کیسا۔؟" سفیان بھائی کے چہرے پر پسندیدگی کی تحریر پڑھ کر چہکا۔
"ہوں اچھا ہے۔" مہران اپنے مخصوص سنجیدہ دھیمے انداز میں گویا ہوا تھا۔
"آگے بھی سنیے اور ہاں ذرا اس گیت کو محسوس کر کے سنیے لطف دوبالا ہو جائے گا۔"
بے ساختہ ہی سفیان کی زبان سے پھسل پڑا تھا۔ مہران نے دانستہ یا نادانستہ اس کا جملہ نظر انداز کر کے کان
گانے کے بولوں کی طرف لگا دیے۔

دل تو پہلی نظر میں تمہارا ہوا
تم ہو جیتے ہوئے اور میں ہارا ہوا
میرے جذبات کا احترام کرو
شام کا اک پہر میرے نام کرو

شاعری اور آواز نے ایسا خوب صورت سماں باندھا تھا کہ اس دلنشیں موسم کا حسن اچانک نکھر آیا تھا۔ مہران
نے دل میں گداز سا محسوس کیا۔ ایک میٹھا سا لطیف خوشبو بھرا احساس شاید اچھی موسیقی کا جادو اسی طرح سر
چڑھ کر بولتا ہے۔" مہران نے سوچتے ہوئے یونہی اڑتی پڑتی نگاہ عقبی آئینے پر ڈالی ہلکے سبز کپڑوں میں سبز آنچل کو

سر پر جمانے اور اڑتی کالی زلفوں کو دوپٹے کے اندر قید کرنے کی کوشش میں وہ ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔ وہ گہری سوچ میں تھی جو شیشہ چڑھانے کا خیال نہیں آیا تھا۔ بس میکانکی انداز میں بال اور دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔ لگی ہوئی تھی۔ بالوں نے کندنی چہرے کے گرد ہالہ سا بنا لیا تھا۔

میرے شانوں زلفیں بکھیرو کبھی
دل کی دھڑکن تھے بھی تار چھیڑو کبھی
پاس بیٹھو، نظر سے کلام کرو
ہو سکے تو، میرا ایک کام کرو

ارشین نے بے خیالی میں نگاہ سامنے جمائی ہوئی تھی اچانک مہران سے نظروں کا تصادم ہوا تو گیت کے زیر اثر عجیب سی حجاب آمیز کیفیت سے دوچار ہو کر نگاہ کترا کر اور زیادہ انہماک سے بال سمیٹ کر چھپانے لگی۔

مہران کو بھی ایک خاتون کی موجودگی میں گانے کے اس درجہ رومانی بولوں پر عجیب سی جھجک محسوس ہوئی البتہ سفیان آرام سے گانا انجوائے کر رہا تھا اس کے پاؤں کی ایڑھی اور انگلیاں بولوں کے ساتھ ساتھ تھیں پھر اگلے بول ابھرے

آ گئے تم تمہارا بہت شکریہ
کر لی زحمت گوارا بہت شکریہ
میری بانہوں کے گھر میں قیام کرو

مہران نے یونہی ہاتھ بڑھا کر غیر ارادی طور پر آواز بہت کم کر دی تھی۔

"آپ گھر کے گیٹ پر اتریں گی یا۔" کچھ فاصلے پر جا کر مہران نے گاڑی کی اسپیڈ آہستہ کر دی۔ سوزوکی کیری کو آگے بڑھنے کا اشارہ کر چکا تھا۔ مکمل ایڈریس ڈرائیور کو ارشین نے سمجھا دیا تھا۔ یوں بھی دو گلیوں کا فاصلہ رہ گیا تھا اسی لیے مہران نے کچھ سوچ کر ارشین سے پوچھا تھا۔

"آں ہاں۔ میرا خیال ہے یہیں روک دیں۔" ارشین کو اس بندے کی زیرک نگاہی اور معاملہ فہمی پر حیرت ہوئی۔ سفیان یہاں اترنے کی وجہ پوچھنا چاہتا تھا مگر بھائی جان اور ارشین کے قطعی تیور دیکھ کر چپ ہو گیا۔

"او کے آپا! میری پارٹی پر آئیں گی ناں۔" وہ بیتابی سے وعدہ لے رہا تھا۔

"ضرور بہت بہت شکریہ مہران صاحب!" اور مہران صاحب کہنے پر سفیان کی شوخ ہوتی نگاہوں نے عجب طرح سے نروس کر ڈالا تھا۔

"اللہ حافظ۔" مہران نے سنجیدگی سے کہہ کر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ ریڈیو سے ابھی تک گیت کے بول ابھر رہے تھے۔

ہو سکے تو میرا ایک کام کرو
شام کا اک پہر میرے نام کرو

◆◆◆

"بہت خوب تو یہ تھی آپ کی مصروفیت کی نوعیت۔ آخر میں نے جان ہی لیا۔ آپ نے تو اپنی طرف سے بھرپور رازداری سے کام لیا تھا۔ مجھے بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی مگر دیکھ لیجیے جو آپ کے عاشق ہیں جن کے جسم و جاں کا ایک ایک خلیہ آپ کی ذات کے محور سے منسلک رہتا وہ بھلا آپ سے غافل ہیں۔" چیختا ہوا تیکھا لہجہ ارشین کی جان پر بنا گیا تھا۔ اس کے قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں پروفیسر صاحب دیکھیے۔" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر انہوں نے بلا کے غضبناک انداز میں بات درمیان سے کاٹ دی تھی۔

"آپ کیا دکھائیں گی محترمہ ارشین بخاری صاحبہ! آپ کا ٹائم پیریڈ اوور ہو چکا ہے۔ اب ہماری باری ہے۔ آپ صرف دیکھیں گی اب کہ کیا ہوتا ہے۔ جو ٹوٹ کر محبت کر سکتا ہے اس کا منتقم ـ روپ دیکھیں گی تو زندگی سے وحشت ہونے لگے گی۔" ان کا چنگاریاں برساتا انداز ارشین پر دہشت طاری کر رہا تھا۔

"آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔"

ارشین کو اپنی کمزوری پر رونا آ رہا تھا۔ وہ ناحق اس پر بگڑ رہے تھے۔

"ٹارگٹ اچھا چنا ہے آپ نے۔ میرے گھر میں ہی نقب لگائی ہے۔ داد دینی پڑے گی آپ کے انتخاب کی ظاہری اعتبار سے تو خوب صورت ہے ہی عہدے کے اعتبار سے بھی خوب "تگڑا" ہے۔ ظاہر ہے ایس پی کے اختیارات کی کیا ہی بات ہے، مگر ایک بات کی طرف آپ کا دھیان نہیں گیا، عشق انسان کو غیر معمولی طاقت اور بہادری عطا کر دیتا ہے۔ اس کے آگے پولیس والوں کی وردی کا رعب و اختیار بھی نہیں چلتا۔ ایس پی کے عہدے کی آڑ لے کر آپ میری دسترس سے دور نہیں ہو سکتیں۔ میں چاہوں تو آپ کے گھر سے، آپ کے کالج سے دن دھاڑے آپ کو اٹھا کر اپنے ہمراہ لا سکتا ہوں اور ایسی جگہ پر رکھوں گا کہ پورے صوبے کی پولیس مل کر بھی میرا سراغ نہیں لگا پائے گی۔"

"یہ دھمکیاں کسی اور کو دیجیے گا مہدی صاحب!۔"

حد سے سوا خوف انسان کو بسا اوقات انتہا پر لے جا کر بہادر بنا دیتا ہے۔ اس کے اندر جانے کہاں سے اتنی ہمت آ گئی تھی کہ ان کے سرد و سفاک غراتے لہجے کے جواب میں ایک دم ان پر برس پڑی تھی۔

"میں نے بہت لحاظ کیا ہے آپ کا" آپ کی عمر اور آپ کے مقام کا مگر آپ میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اب اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتی۔ میں نے کون سا پہاڑ توڑا ہے آپ پر جو آپ اس درجہ پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ صرف شرافت سے درخواست کر رہی ہوں کہ میری جان بخشی کر دیجیے اور اپنے گھر، اپنے بیوی بچوں کے پاس واپس لوٹ جائیے' یہ فیصلہ میں نے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے ناسمجھی میں آپ کو فضول سی آس دلا دی۔ بہرحال میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں اور مائینڈ اٹ اس فیصلے کے پیچھے کوئی "متبادل" شخص نہیں ہے۔ جس بندے سے آپ میرا تعلق جوڑ رہے ہیں اس سے فقط دور کی سلام دعا ہے۔" وہ جیسے ابل ہی تو پڑی۔ اتنی مدت سے ان کی مطلق العنانی پر ضبط کیے ہوئے تھی۔

"مجھے اس راہ پر ڈال کر آپ پہلو بچا رہی ہیں۔" وہ سخت بے یقینی کے عالم میں ڈانٹ کر بولے۔

"میں آپ کو اس راہ پر نہیں لائی۔ آپ خود آگے بڑھے تھے بلکہ مجھے اس سمت میں لائے تھے۔" ان کے بے جا الزام پر وہ آپے سے باہر ہونے لگی۔

"کچھ بھی سہی اب میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔" ان کے تیور ہنوز سرکش تھے۔

"اب یا تو مٹ جائیں گے یا مٹا دیں گے مگر خالی ہاتھ لوٹنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ آپ کو ہر صورت میرا ساتھ دینا ہو گا۔" وہ کوئی دیوانے لگ رہے تھے۔ ارشین کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"آپ سمجھنے کی کوشش کیجیے مہدی صاحب!۔" وہ بمشکل اپنے حواس پر قابو پا کر بولی۔

"جنوں سوچنے کی حدود سے آزاد ہوتا ہے۔" وہ بے رحمی سے گویا ہوئے۔ ارشین رونے والی ہو گئی۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔

"اور اگر میں آپ کا ساتھ نہ دوں تو؟۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ جواب میں وہ سفاکانہ ہنسے۔

"اب بازی آپ کے ہاتھ سے نکل چکی ہے میڈم! آپ کے اختیار اور رضا کا عمل دخل وقت کی لگامیں میرے ہاتھ میں ہیں۔ آپ منتظر رہیے گا اس سوال کے جواب کے لیے اور ہاں یہ بات کرن لیں۔ آپ کو صرف اور صرف میرے لیے زمین پہ اتارا گیا ہے۔ آپ کی سیاہ متوالی آنکھیں اور سندر سراپا سب کچھ میرا ہے۔ آپ کے روپ کے خزانے پر صرف میرا حق ہے اور کسی کا نہیں راستے میں آیا وہ بھسم ہو جائے گا۔"

فون ایک بار پھر پٹخ دیا گیا تھا۔ ارشین کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کی کپکپاتی ٹانگیں اسے سہارا ناکام ثابت ہو رہی تھیں۔ وہ ڈولتے قدموں سے صوفے پر گر کر ماتھے سے پسینے کی دھاریں پونچھنے لگی لہجے کی درندگی' وحشت اور آنے والے سنگین حادثات کا پتا دے رہا تھا۔ کیا ہونے والا تھا۔؟

وہ بری طرح خوف کی کشتی میں ہچکولے لگا رہی تھی۔

◌ ◌ ◌

"شکست ہمیشہ جھنجلاہٹ اور زبانی انتقام پر منتج ہوتی ہے' تم فکر نہیں کرو' پروفیسر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہ محض دھمکیاں ہیں خواہش ناتمام کا غم غلط کرنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں جو محض وار ننگ ہی رہے گی۔ وہ کچھ بھی نہیں کریں گے۔ دو چار دن بعد غصے اور احساس کی آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی تو خود بخود نارمل ہو جائیں گے۔"

نازو' ناصر کی قمیص استری کرتے ہوئے بڑے بے فکر۔ انداز میں پریشان صورت ارشین کی تسلی کرا رہی تھی۔ وہ ان دنوں میکے آئی ہوئی تھی۔ ناصر بھی ساتھ آیا تھا۔ ارشین کالج سے آنے کے بعد نازو کی آمد کا سنتے ہی کود کر رقیہ آنٹی کے ہاں جا پہنچی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ان کا انتقام محض خالی خولی دھمکیوں تک محدود رہے گا۔" وہ سراسیمہ ہو رہی تھی۔

"بالکل سو فیصد یقین ہے' تم خاطر جمع رکھو۔"

نازو کے لہجے کی مضبوطی سے ارشین کو کچھ حوصلہ ہوا۔

"مجھے تو کل دوپہر سے دھڑکا لگا ہوا ہے۔ کسی پل چین نہیں آتا سوچ سوچ کر نیندیں اڑ گئی ہیں۔ انہوں نے وقتوں میں ایک بار کہا تھا کہ ایک بات یاد رکھیے گا میں پاگل پن کی حد تک آپ کو چاہتا ہوں میرے جذبوں کی دھول نہ کروائیے گا' آپ نے مجھے زبان دی ہے۔ اگر آپ کے دل میں میرے لیے سافٹ کارنر نہیں ہے تو بتا دیجیے بعد میں پلٹنا میرے لیے ناممکن ہو جائے گا۔"

ارشین نے بے انتہا گھبراہٹ ظاہر کرتے ہوئے ان کے الفاظ دہرا دیئے۔ اسے رہ رہ کر ان کی سنگین گفتگو یاد آ رہی تھی۔

"اور' اور نازو انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ کوشش کرنا۔ مجھے انسان ہی رہنے دو' اگر حیوانیت کا روپ باقی کچھ نہیں بچے گا' نازو مجھے بہت خوف محسوس ہو رہا ہے' مجھے لگتا ہے میرا دل بند ہو جائے گا۔"

وہ بے اختیار نازو کے بازو سے لگ کر رو پڑی۔

نازو نے استری کا سوئچ آف کیا اور اسے بازو کے گھیرے میں لے کر تسلی دینے لگی۔

"یار! تم تو بالکل ہی حوصلہ چھوڑ بیٹھی ہو' ارے کچھ نہیں ہوتا۔ ان کی کیا جرأت ہے' جو تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھیں۔ پاگل خود سوچو وہ بھلا تم تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔"

"تم نہیں جانتیں انہیں' وہ چاہیں تو میرے بیڈ روم تک پہنچ سکتے ہیں' ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

ارشین نے جھرجھری لے کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا تھا۔

"قانون سے زیادہ لمبے نہیں ہو سکتے۔ اگر تمہیں اتنا ہی خوف ہے تو ایس پی مہران سے مدد حاصل کر لو' وہ بہت اچھا اور تمہاری کو لپک کے بیٹھے ہیں۔"

"نہیں یہ مناسب نہیں ہوگا۔" ارشین نے فوراً انکار کر دیا۔

"میرے اندازے کے مطابق وہ مسز دانیال کے کزن بھی ہوتے ہیں میں 'ان پر اپنا آپ نہیں کھولنا چاہتی' بری سی بات ہے۔ ان کی تمام تر ہمدردیاں مسز دانیال کے ساتھ ہوں گی۔ ایسی صورت میں پروفیسر کے حوالے سے اپنا تعارف کروانے کے بعد میں ان کی نگاہ میں ہلکی پڑ جاؤں گی' وہ مجھ سے بدظن ہو جائیں گے۔ ہائے کاش پروفیسر کا یہ حوالہ کبھی میرے ساتھ نہ ہوتا' میں کیسی حماقت کرنے جا رہی تھی نازو' شکر ہے تم نے بروقت مجھے ہوش دلایا۔ کس قدر خطرناک اور جنونی شخص ہے یہ پروفیسر دانیال مہدی۔"

ارشین نے جھرجھری لی۔

"اچھا اب پلیز چہرے کا چوکھٹا درست کرلو۔ ناصر آنے والے ہوں گے۔"

نازو نے اس کے گال کھینچتے ہوئے بشاشت سے کہا اور دوبارہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

پھر ادھر ادھر کی باتوں میں لگ کر ارشین کا ذہن بھی دوسری طرف لگ گیا تھا۔ شام کو جب گھر لوٹی تو کافی حد تک پرسکون ہو چکی تھی۔

◆◆◆

فون کی بیل مسلسل بجنے پر بھی بی بی جان' ارشین اور عدنان میں سے کوئی لاؤنج میں نہیں آیا تو مجبوراً امبرین کو کچن سے ادھر آنا پڑا تھا۔ وہ بہت کم کال اٹینڈ کرتی تھی' اس لیے ریسیور اٹھا کر خاصے جھجکتے ہوئے انداز میں ہیلو کہا

"السلام علیکم! آپا بات کر رہی ہیں ناں! میں سفیان ہوں آپا؟" وہ اچھنبے سے ریسیور کو گھورنے لگی۔ پھر اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ یہ ہشاش بشاش مردانہ آواز اور نام اس کے لیے نامانوس نہیں تھا۔

"جی وہ گھر پر نہیں ہیں۔ اس وقت' میں ان کی بہن بات کر رہی ہوں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"اوہ۔ آپ وہی ہیں ناں' جس کی اس دن طبیعت خراب تھی۔" معاً سفیان کے لہجے میں اشتیاق سا در آیا۔

"جی ہاں۔" وہ بوکھلا سی گئی تھی۔

سفیان کے تصور میں ایک دلنشین مورت آن کھڑی ہوئی۔

"آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" اس کے لہجے میں خوبصورت سی گھمبیرتا چھا گئی تھی' ایک نرم سی لطافت بھری روانی تھی۔

امبرین کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔ وہ زندگی میں پہلی بار کسی غیر مرد سے مخاطب ہوئی تھی۔ سعد کی بات تو دوسری تھی اسے بچپن سے اپنے آس پاس دیکھتی رہی تھی۔

حالانکہ نوجوان کا لہجہ بہت مہذب' اور سادہ تھا' مگر اسے بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ ارشین کی نسبت اس میں اعتماد اور جرأت کی بہت کمی تھی۔ وہ دل کی بات دل میں رکھ کر جلنے کڑھنے اور سلگنے والی لڑکیوں میں شامل تھی۔ جو جرأت اظہار کی کمی کے باعث اکثر و بیشتر دل کی بساط پر ہار جاتی ہیں۔

گھر میں تو وہ پھر بھی بی بی جان اور ارشین سے بے دھڑک بات کر لیتی تھی' مگر گھر سے باہر وہ ایک دبو سی ڈری سہمی گم صم لڑکی بن جاتی تھی۔

"جج جی ٹھیک ہوں۔" وہ پلکیں جھپکا کر گھبرائے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔

"آپا آئیں تو انہیں کہیے گا پارٹی پر ضرور آئیں اور اگر ہو سکے تو آپ بھی تشریف لائیے گا اللہ حافظ۔" فون بند کر دیا گیا تھا۔

آخری جملے پر جھٹکا کھا کر رہ گئی۔ استعجاب سے ریسیور کو تکنے لگی۔ دل تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔ عجیب سی کال تھی۔ چھوٹی موٹی چھوٹی باتوں پر جلد پریشان ہونے کی عادت اس نے بی بی جان سے لی تھی اور پھر آج تو وہ یوں بھی بہت

زود رنج ہو رہی تھی۔
"شاہین! کہاں ہیں سب لوگ بھئی؟" اوپر سے شاہین کو آتے دیکھ کر اس نے تعجب سے پوچھا۔
"بی بی جان اور دادی رقیہ آنٹی کے گھر گئی ہیں۔ اور ارشین آپی تو دوپہر سے ادھر ہیں نازو باجی آگئی تھیں
جان سوئے ہوئے ہیں اوپر۔ عدنان بھائی کرکٹ کھیلنے گئے ہیں۔ شاہین نے تفصیلی رپورٹ پیش کر دی۔
امبر باجی میں پچھلے صحن میں کپڑے دھونے کے لیے مشین لگانے جا رہی ہوں۔ آپ کال وغیرہ کر لو
گا۔"
"لو جی۔۔۔ ابھی مزید یہاں بیٹھنا پڑے گا۔" وہ دھپ سے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئی اب اسے ریحرت در حیرت کا
انتظار کرنا تھا۔
"ارے بھئی' یہ دروازہ کھلا چھوڑا ہوا ہے۔"
سعد حیرانی سے اندر داخل ہو کر دریافت کر رہا تھا۔
امبرین ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"السلام علیکم۔" وہ دوپٹہ سنبھال کر روٹھے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔
"وعلیکم السلام۔ "سب لوگ کدھر ہیں؟ بھئی بڑی خاموشی چھائی ہوئی ہے؟" وہ طائرانہ نظروں سے
رہا تھا۔
"آپ "کس" کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں۔" وہ تلخی سے بولی۔ سعد نے غور سے اس کا برہم
"گھر والوں کے بارے میں ہی پوچھ رہا ہوں۔" وہ تنک کر بولا۔
"آپ اپنے گھر سے نہیں آئے؟۔" وہ طنزیہ بولی۔
"میں سیدھا ادھر آرہا ہوں۔" وہ غصہ ضبط کر کے بولا۔
"اچھا۔۔۔!" وہ استہزائیہ ہنسی۔ "پہلے یہاں "حاضری" دینا چاہ رہے تھے کیا؟" اس کی ہنسی کھوکھلی
"شٹ اپ۔" سعد سے اس کی گستاخی برداشت نہیں ہو سکی۔
"تمہیں تمیز نہیں ہے بڑوں سے بات کرنے کی' دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟۔" وہ غصے سے ہونٹ چبا
سرخ ہونے لگا تھا۔
"دماغ ہی نہیں میں تو ساری کی ساری خراب ہو گئی ہوں' آپ کو یہ نئی "اطلاع" نہیں ملی؟" وہ زہر
اس کی ڈانٹ سے خوفزدہ ہونے کے بجائے وہ خودسری سے بے تاثر چہرہ لیے بیٹھی رہی تھی۔ سعد
نظروں سے اسے دیکھا۔
"کس چیز کا زعم ہے تمہیں؟ ہوں۔۔۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دانت پیستے ہوئے
ہو گئی' وہ اتنے عرصے سے اس کی بدلحاظی کو بچکانہ پن کا نام دے کر نظر انداز کرتا رہا تھا۔ مگر وہ دن بہ دن بے
منہ پھٹ ہوتی جا رہی تھی۔
امبرین فطرتاً "ڈرپوک سی لڑکی تھی۔ سعد کے جارحانہ تیوروں اور چنگاریاں برساتی نظروں کا بار سہنا
کہاں ممکن تھا۔ فوراً "جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ اور ہراساں ہو کر نظر بچالی۔
"مجھے خراب دماغوں کا علاج کرنا بخوبی آتا ہے۔ اگر تم نے اسی طرح بدزبانی اور بدتمیزی کا سلسلہ
آئندہ بہت سختی سے پیش آؤں گا۔ سمجھیں؟" وہ چبا چبا کر بول رہا تھا۔ اس کی سرزنش پر وہ دہل کر رہ گئی
"سب مجھے ہی ڈانٹتے ہیں۔ مجھے ہی مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ ہاں میں ہی فساد کی جڑ ہوں
ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔
سعد کے تنے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑنے لگے۔
"دیکھو' رونا بند کرو۔" وہ پائنچے اوپر کر کے پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
"سوچ سمجھ کر بولا کرو اور دل و دماغ کو کنٹرول رکھا کرو تو سب کی پسندیدہ بن جاؤ گی۔ حسد کرنا' جلنا کڑھنا

محسوس نہ کرنا خوشی کے لمحوں کو گھٹا دیتا ہے نادان لڑکی۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"خوشی اور غم بڑی حد تک اختیاری احساسات ہوتے ہیں۔ کہیں سے خریدے نہیں جاتے۔ اپنی سوچوں کا ذمہ دار
رخ پلٹ کر دنیا کو پرامید نظروں سے دیکھو گی تو ہر شے میں کشش اور آسودگی دکھائی دے گی۔ دروازہ بند کر لو' میں
جا رہا ہوں۔"
وہ باہر نکل گیا۔ امبرین خواب کے سے عالم میں اس کی پشت کو گھورتی رہ گئی۔ عجب ہونق سی بن گئی تھی۔
حیرت در حیرت کا سلسلہ تھا۔

◆ ◆ ◆

"اپنے حال سے مطمئن ہونا سیکھو امبر! یہی خوشی اور آسودگی کا راز ہے ہمارا "حال" ہی ہمارا سب کچھ ہوتا ہے'
ماضی پر کف افسوس ملنے کا فائدہ نہیں اور مستقبل کے خوش آئند خواب "حال" کی مضبوطی کے بغیر شرمندہ تعبیر
نہیں ہو سکتے۔ جو کچھ ہے وہ "آج" ہے اپنے "آج" کو بچاؤ اس کی مثبت تعمیر کرو۔"
فاریہ بڑے قرینے سے اسے حقیقت کی دنیا میں لا رہی تھی۔ وہ اس وقت بخاری لاج میں تھی۔ امبرین ایک ہفتے
سے ناسازی طبیعت کی بنا پر کالج نہیں جا رہی تھی اس لیے وہ اس کی طبیعت پوچھنے آئی ہوئی تھی۔
امبرین آنکھوں پر بازو دھرے نڈھال سی خاموش لیٹی ہوئی تھی۔
"سعدی بھائی تو کبھی ایسے نہیں تھے۔" اس کا دھیما لہجہ بھرایا ہوا اور دل شکستہ تھا "انہوں نے کبھی مجھ سے
اونچی آواز میں بات نہیں کی۔ بلکہ مجھ سے ہی کیا کسی سے بھی غصے سے بولتے نہیں دیکھا۔ ہر وقت ہنستے مسکراتے
تروتازہ موڈ میں نظر آتے تھے۔ مجھے لگتا ہے "محترمہ نے میرے خلاف ان کے کان بھرے ہیں۔"
وہ حد درجہ بدگمان تھی۔ فاریہ رحم بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ سچ ہے حسد ذات کی ہر اچھائی کو نگل جاتا
ہے۔
"تم یہ کیوں نہیں سوچتی ہو کہ خیالات و جذبات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے۔ وقت' حالات اور تجربات کے
مطابق بدلتے رہتے ہیں۔
اگر سعدی بھائی کا رویہ بدلا ہے تو اس تبدیلی میں تمہارا بھی تو برابر کا ہاتھ ہے۔ وہ تمہیں چھوٹی لڑکی سمجھ کر سادگی
سے ڈیل کرتے تھے۔ تم ان سے کچھ خاص قسم کے جذبات کی طلبگار ہو گئیں ظاہر ہے وہ خاص جذبے انہوں نے
تمہارے لیے نہیں کسی اور کے لیے سنبھال رکھے تھے۔ ایسے میں تمہاری حوصلہ افزائی کیونکر کرتے؟" فاریہ
بڑے سلجھے ہوئے انداز میں دوست کو اس کی نادانی کی ذمہ دار ٹھہرا رہی تھی۔
"محرومی کو مسئلہ نہیں بنایا کرتے۔" وہ مزید گویا ہوئی۔
امبرین کے چہرے پر اکتاہٹ اور بیزاری کے تاثرات تھے۔ وہ خود سے بھی روٹھی ہوئی تھی ان دنوں۔
"میری محرومیوں کا تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے۔" امبرین نے آہ بھری۔
"خودساختہ محرومیوں کا مداوا ہو بھی نہیں سکتا۔" فاریہ نے آئینہ دکھایا۔
"کیسی مقبروں کی سی ویرانی اور سناٹا ہے اس گھر میں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا فاریہ! کہ میں یہاں پیدا نہ
ہوتی۔" اس نے فاریہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ فاریہ اس کے حال پر افسوس ہی کر سکتی تھی۔
"پاگلوں جیسی باتیں نہ کرو۔" دوست ہونے کے ناتے اتنی بے تکلفی تو تھی کہ بلا جھجک جھڑک دیتی۔
"بیٹھو گی نہیں؟۔" فاریہ کو جانے کے لیے پر تولتے دیکھ کر امبرین نے اس کا چہرہ دیکھا۔
"چلتی ہوں' ظہر آنے والا ہو گا۔ تم بھی کبھی چکر لگا لیا کرو' اب تمہاری باری ہے ابھی تک ایک دفعہ بھی نہیں
آئی ہو میرے ہاں۔"
امبرین کے چہرے پر تلخی و بیزاری جاگنے لگی۔
"ہونہہ اس زنداں سے نکلنے کی کہاں اجازت ہے۔ بس پر پھڑپھڑانے کی حد تک آزادی ہے۔" وہ زہر خند
ہوئی۔

"ہاں' ان "محترمہ" کے لیے ہر دروازہ کھلا ہے۔ وہ بھلے سے کولیگ کے ہاں چکر لگائیں یا کولیگ
"اور" کے ہمراہ گھومیں پھریں ان کو کون پابند کر سکتا ہے۔" لہجہ برف سے بھی ٹھنڈا اور بدلحاظ تھا۔
"بری بات' وہ تمہاری بڑی بہن ہیں۔ درشتوں کی اس درجہ تحقیر نہیں کرتے۔ اس طرح تمہاری
دوسری بات ہے تمہیں بہر حال سوٹ نہیں کرتا' تمہیں حقائق کا کیا علم ہے۔"
وہ سرزنش کر رہی تھی۔
"میری سمجھ میں نہیں آتا تمہارا جذبہ محبت کس قسم کا ہے جس نے تمہیں اتنا بے حس' خود غرض
بنا دیا ہے' محبت تو وہ اسم ہے جو ہر بند دروازہ کھول دیتا ہے۔ محبت بھرا دل تو گیلی مٹی کی طرح نرم ہو
کے دکھ کو پانی کی طرح اپنے اندر سینچ لیتا ہے۔ محبت بٹورنے کے لیے نہیں بانٹنے کے لیے ہوتی ہے
تمہارا جذبہ صرف اپنی خواہش کی تکمیل چاہتا ہے تمہیں کیا خبر میری دوست کہ۔

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لو تم
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

کبھی سخی بن کر دوسروں کو خوشی دینے کے عمل سے گزر کے دیکھو۔ اس لذت سے آشنا ہو گی تو گدا
بخود دور پھینک دو گی۔"
فاریہ خدا حافظ کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ وہ چاہتی تھی امبرین تنہائی میں اطمینان سے اس کے
معانی پر غور کر کے اپنی ذات کا تجزیہ کرے۔ لاؤنج میں ارشین' ثمرین کو حساب پڑھا رہی تھی۔
رواداری سے مسکرائی۔
"آؤ فاریہ! کیا حال ہیں' کب آئیں؟" جب وہ آئی تھی تو ارشین' شاہین کو اسکول کے جوتے دلانے
بازار گئی ہوئی تھی۔ آج کالج سے چھٹی تھی' اس لیے گھر پر ہی تھی۔
"اب تو کافی دیر ہو گئی آپی! اظہر نہیں آیا میں نے اس سے کہا تھا۔ ٹھیک ایک گھنٹے بعد پک کر لینا
لاؤنج کے دروازے پر کھڑے ہو کر باہر گیٹ کے اطراف میں جھانکا تھا' اظہر اس سے دو سال بڑا تھا۔
"آجائے گا ورنہ میں چھوڑ دوں گی۔ تم بیٹھو ادھر۔ ثمر بیٹے! آپ یہ ایکسر سائز مکمل کریں۔ رات کو
کروں گی جائیں شاباش۔"
ثمرین جان چھٹ جانے پر خوشی خوشی کتابیں سمیٹ کر بھوٹ لی تھی۔
"میں امبر کی وجہ سے بہت پریشان ہوں فاریہ! تم سے اس نے کچھ بات کی؟ جانے اسے کیا ہو گیا
بالکل بھی نہیں تھی' بہت حساس' اور میچیور ذہن کی مالک تھی۔ میں تو اس کی سلجھی ہوئی طبیعت پر
مگر اب تو بالکل بھی ٹھہراؤ نہیں رہا اس میں' بات بات پر ٹمپر لوز کر جاتی ہے! اتنی بد دماغ' چڑچڑی اور
ہے کہ بسا اوقات مجھے اس کے مزاج سے خوف محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس کے مستقبل کا سوچ کر
اٹھتا ہے۔ کچھ شیئر بھی تو نہیں کرتی مجھ سے۔ سمجھ میں نہیں آتا کس بات نے اسے اس درجہ بدگمان
کر دیا ہے۔"
ارشین کی تشویش میں چھپے بہن کی محبت کے جذبے محسوس کر کے فاریہ کو امبرین کی بدلحاظی پر سخت افسوس
لگا۔
"تم سے وہ خاصی بے تکلف ہے۔ تم پوچھ کے دیکھو فاریہ! مجھے تو کبھی بھی نہیں بتائے گی۔"
وہ واقعی حد درجہ پریشان تھی۔
"بس نادان ہے آپی! اور سچ پوچھیے تو آپ کی حد درجہ محبتوں نے اسے خود سر بنا دیا ہے۔ وہ آپ
رویوں سے فائدہ اٹھا کر آپ کے مقابل سینہ تان کر آ کھڑی ہوئی ہے۔ مگر اسے خبر نہیں تھی کہ میدان
اناڑی اور نا تجربہ کار کھلاڑی کہاں جم سکتے ہیں۔ سو شکست فاش کھانے کے بعد ٹوٹی ہوئی نڈھال پڑی

...ت نہیں۔ کچھ عرصے میں خود ہی سنبھل جائے گی۔ آپ فکر نہ کریں اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔"
...ریہ کے انداز میں اتنی گہرائی تھی کہ ارشین بے اختیار آنکھوں میں حیرت و ستائش کے جذبات لیے دیکھتی رہ
گئی۔
"ماشاءاللہ خدا تمہیں نیک توفیق دے' زندگی کی راہ میں آسانیاں عطا کرے بڑی پختہ سوچ ہے۔"
ارشین کو بے ساختہ اس پر پیار آ گیا۔
"کتنے بہن بھائی ہو تم لوگ؟" ارشین اس لڑکی کی "جڑ" معلوم کرنے کی غرض سے دلچسپی سے اس سے
پوچھنے لگی۔
"دو' میں اور مجھ سے ایک سال بڑا اظہر ہے۔ کیڈٹ کورس مکمل کر رہا ہے۔"
"آپی! باہر ایک موٹر سائیکل گیٹ پر رکی ہے۔ فوجی یونیفارم میں کوئی لڑکا ہے شاید عدنان بھائی کا دوست ہے۔"
چھت پر کپڑے ڈالنے کے بعد تیز تیز قدم اٹھا کر سیڑھیاں طے کرتے ہوئے شاہین نے لاؤنج میں بیٹھی بہن کو مطلع
کیا تھا۔
"اظہر ہو گا۔" فاریہ بعجلت اٹھ کھڑی ہوئی۔ ارشین اس کو رخصت کرنے کے خیال سے گیٹ تک اس کے
ساتھ آئی تھی۔
"السلام علیکم۔ سر آپ! آج کل کدھر ہوتے ہیں؟"
آرمی کی وردی میں ایک اسمارٹ سا نوجوان بڑی خوش اخلاقی اور تمیز سے گیٹ پر کھڑے سعد سے ہاتھ ملا کر پوچھ
رہا تھا۔
"میری راولپنڈی پوسٹنگ ہو گئی ہے اور تم سناؤ ینگ مین! کیسی جا رہی ہے ٹریننگ؟"
سعد نے بہت اچھے انداز میں چہرے سے پر عزم اور پر جوش نظر آنے والے اس کیڈٹ کی حوصلہ افزائی کی تھی۔
"اُفوہ! ایک تو آرمی والوں کا ہر جگہ "لنک" نکل آتا ہے۔"
ارشین نے مصنوعی خفگی سے سعد کو دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔
"آپ کیسی ہیں ارشین باجی؟" اظہر نے مؤدب سے شائستہ انداز میں خیر خیریت دریافت کی۔ غالباً" فاریہ نے
غائبانہ تعارف کروا رکھا تھا۔
"میں نے بیل بھی نہیں دی اور آپ نے دروازہ کھول دیا۔ کیا آپ اضافی ادارک رکھتی ہیں؟"
اظہر بڑی خوشدلی سے ارشین سے مخاطب تھا۔ لہجے میں ہلکی سی شرارت کا عکس تھا۔
"بھئی' یہ ہمارے جاسوس کا کارنامہ ہے؟" فاریہ نے ارشین کے کندھے کے پیچھے سے جھانکتی متجسس
نظروں سے نو وارد کا جائزہ لیتی شاہین کو کھینچ کر آگے کیا تھا۔
"او اچھا۔" اظہر نے طائرانہ نگاہ چودہ پندرہ سالہ دو موٹی موٹی پونیوں والی خوش روسی لڑکی پر ڈالتے ہوئے فاریہ کو
دیکھا۔
"انہوں نے غالباً" اوپر سے دیکھ کر اطلاع دے دی ہو گی۔"
شاہین' فاریہ کے یوں بے تکلف سے انداز میں سب کے سامنے لانے پر جھینپ سی گئی۔
"آئیں اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔" سعد کی موجودگی کے باعث ارشین نے سکون سے اظہر کو اندر آنے کی دعوت
دی تھی۔ وہ اظہر کے ساتھ ڈرائنگ روم میں کمپنی دینے کے لیے بیٹھ سکتا تھا۔
"نہیں باجی! پھر سہی۔" اظہر نے شائستگی سے معذرت کی۔
"اگر جلدی نہیں ہے تو پلیز آپ لوگ آئیں۔"
سعد نے اچٹتی نگاہ سبز کپڑوں میں ملبوس اجنبی لڑکی پر ڈالی اور خلوص سے اظہر سے مخاطب ہوا۔
"نہیں جی شکریہ' دیر ہو رہی ہے' امی انتظار میں ہوں گی۔" فاریہ نے سلیقے سے جواب دیا۔

وہ بنا تعارف کے سمجھ گئی تھی کہ یہ کیپٹن سعد ہی ہو سکتے ہیں۔
ہیر اسٹائل، بات کرنے کا انداز، مضبوط لانبا سراپا اور چہرے پر رقم خوشگوار اور پر خلوص تاثرات نے
آسان کر دی تھی۔

"دوبارہ ضرور آنا۔" ارشین نے فاریہ کے گال تھپتھپا کر رخصت کیا۔

"آپ بھی چکر لگائیے گا باجی۔" ظہر نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے گیٹ سے اندر کھڑی
شاہین پر سرسری نگاہ ڈال کر ارشین سے کہا۔

"کیوں نہیں۔" ارشین نے اس کی خاطر خواہ تسلی کرا دی۔

"کسی دن آؤں گی امبرین کے ساتھ۔"

فاریہ گہری نگاہ سے سعد کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

"امبرین نے غلط انتخاب نہیں کیا۔" اس نے سوچا۔

"مگر بہت دیر کر ڈالی جب وہ اپنا "آسمان" منتخب کر چکا ہے۔" اس شخص کی نرم نظروں سے
گرفت میں لینے کی "چوری" فاریہ کی زیرک نگاہ سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔

◆◆◆

"شکر ہے۔ آپ حسب وعدہ وقت سے پہلے آگئی ہیں۔ آخر میں آتیں تو مجھے بہت غصہ آنا تھا۔"
"میں ایسی نوبت آنے سے پہلے ہی تشریف کا ٹوکرا لے آئی ہوں۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

سفیان نے صبح ہی فون کے ذریعے دھمکی دی تھی کہ آپ کو ایک دو گھنٹے قبل آنا ہے اور نینی کے ساتھ
دیکھنے ہیں ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔

"آج تو شکر ہے۔ بھائی جان بھی گھر پر ہیں۔ ان کا کوئی پتا نہیں کام کا بہانہ کر کے نکل جاتے۔"
بنایا۔

"بہانا کب کرتا ہے وہ کام ضروری ہوتا ہے تو اسے جانا پڑتا ہے۔" نینی اپنے فرض شناس
گستاخی کیسے برداشت کر سکتی تھیں۔ مسکرا کر تصحیح کی۔

نینی اور ناظر نے تقریباً "ساری ہی چیزیں تیار کر لی ہیں۔ تم نے خواہ مخواہ آسمان سر پر اٹھایا ہوا تھا۔"
وہ ڈائننگ ٹیبل کا جائزہ لے رہی تھی۔ ڈرائننگ اور ڈائننگ کے درمیان کا پردہ ہٹا کر "پارٹیشن"
سے ایک ہال کمرہ سا بن گیا تھا۔ ڈرائننگ روم میں ضروری تبدیلیاں کر کے جگہ مزید کھلی ہو گئی تھی۔

"اس کی تو عادت ہے۔" مہران، ناظر سے ڈرائنگ روم کی سنٹرل ٹیبل سائیڈ پر رکھواتے ہوئے
ارشین بھی جواب میں مسکرا دی۔

"آج تمہارا ایف ایم ون ہنڈرڈ خاموش ہے۔"

"بجلی گئی ہوئی ہے آپا۔" ناظر نے نہایت افسوس سے اطلاع دی۔

"اوہو۔" ارشین نے ہمدردی جتائی۔ "میں تم لوگوں کے دکھ میں برابر کی شریک ہوں۔"

اسی لمحے اچانک لائٹ آجانے کے باعث پہلے سے آن ریڈیو بجنے لگا تھا۔

دل بار بار
ہوتا ہے بے قرار
کرتا ہے انتظار
تیرا ہی میرے یار

"لو بھئی آگیا تمہارا یار۔" ارشین اور نینی بے اختیار ہنس پڑے تھے۔ سفیان اور ناظر
لگے۔

"آرام سے" "کیا زمین پھاڑ کر چشمہ نکالنا ہے؟" ان کی دیوانگی دیکھ کر مہران کو خدشہ لاحق ہو گیا۔

لو آیا ہو میں، آیا ہوں میں ٹھاہ کر کے
یاداں میں گاہن بھنگڑے ٹھاہ کر کے

بل انگلش ٹریک شروع ہوا اور کچھ اس قدر برجستہ اور حسب موقع تھا کہ سبھی کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"دیکھا ہمارے چینل کے پاس ہر "فائر" کا توڑ موجود ہے۔" سفیان فخریہ کہہ رہا تھا۔

بیل کی آواز سن کر مہران باہر نکلا تھا۔

"میں پھول توڑ لاؤں گلدان میں سجانے کے لیے۔" ارشین بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔ مہران گیٹ کھولنے لگا
وہ سائیڈ پر بنے لان میں پھول توڑنے کے لیے کیاری کے پاس جھکی تھی۔

"السلام علیکم! کیا حال چال ہیں۔ ارے ہماری گڑیا رانی بھی آئی ہوئی ہے۔ اور صاحب بہادر کہاں ہیں بھئی۔"
ش کے ساتھ سبز فراک میں ملبوس پیاری سی موش کے گال چھو کر وہ جاندار لب و لہجے میں دریافت کر رہا تھا۔

"نہیں کہیں جانا پڑ گیا تھا اور بھئی آج تو ماشاءاللہ تمہارا موڈ بڑا کھلا کھلا لگ رہا ہے۔"
ش نے مسکراتے ہوئے اپنائیت بھری نگاہ ڈال کر بشاشت سے پوچھا تھا۔

"ہم ہمیشہ ہی اچھے موڈ میں ہوتے ہیں۔" وہ ہلکے سے مسکرایا۔

"مگر آج غیر معمولی طور پر خوش نظر آرہے ہیں ہمارے آفیسر! کوئی خوشگوار "تبدیلی" تو نہیں آگئی! ارے ہاں یہ
ئی خاتون ہیں بھئی گلابی کپڑوں میں یہ اسمارٹ سی لڑکی کون ہے؟"

معاً نازش کی نظر لان کی طرف اٹھی۔ کچھ سمجھ کر وہ شوخ ہو گئی تھی۔ وہ دلچسپی سے کیاری کے پاس جھکی لڑکی کو
رہی تھی جس کی اس کی جانب پشت تھی۔

"ارے توبہ کریں۔" مہران بوکھلا گیا "یہ نینی کی کولیگ ہیں اور سفیان کی "آپا" ارشین بخاری۔"
کان کھجا کر کچھ جھینپتے ہوئے صفائی پیش کرنے لگا۔

"اور تمہاری کیا ہوئیں؟" مہران کا جھینپا روپ نازش کو بہت لطف دے رہا تھا۔ وہ جان کر اسے تنگ کر رہی
تھی۔

"چلو کسی نے تو نقب لگائی تمہارے دل پر۔ میں جی بھر کر خوش ہو رہی ہوں۔"

"بھلے سے ہوتی رہیں مگر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔" وہ اپنی بات پر جما ہوا تھا۔
لہجے میں مضبوطی اور قطعی پن تھا البتہ چہرے پر خوبصورت سا تبسم پھیلا ہوا تھا۔

"بڑے گھنے ہو مگر خیر ہم جان جائیں گے پہچان جائیں گے۔" ادھر شوخی کا متواتر عالم تھا۔

"ارے نازش! کیا فضول موضوع لے بیٹھی ہیں۔ اندر چلیں آپ کا شدت سے انتظار ہو رہا ہے۔"
دامن بچا گیا۔ نازش نے بھی مزید بات نہیں بڑھائی مبادا وہ سچ مچ سنجیدہ ہو کر برا مان جائے، وہ عام مردوں سے
مختلف تھا اپنا نام مذاق میں بھی کسی خاتون کے ساتھ لینا برداشت نہیں کرتا تھا۔ ابھی تو جانے کس موڈ میں تھا
جو نازش کی اتنی شوخی ہضم کر گیا تھا۔ نازش کو دل ہی دل میں حیرانی بھی تھی۔
وہ اندر چلنے کو تھی جب گلابی کپڑوں والی لڑکی پھول توڑ کر سیدھی ہوئی۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی نازش کی
بات ہونٹوں میں رہ گئی۔ وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔ آنکھوں میں شدید بے چینی تھی۔

"یہ۔ یہ مہران یہ۔۔؟" نازش کو جھٹکا سا لگا تھا۔

"بتایا تو ہے ارشین۔"

"مگر۔ مہران۔" مہران نازش کے تاثرات سمجھ نہیں سکا تھا۔

"یہ۔ یہ تو وہی" نازش نے بدحواسی سے اس کا بازو پکڑ کر کھوئے کھوئے انداز میں جھنجھوڑا۔

"لڑکی ہے جو دانیال سے۔"

"کیا۔" مہران کو اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آیا۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" زمین و آسمان اس کی نظروں میں گھوم کر رہ گئے۔ اسی لمحے ارشین کی نظر...
تھی۔
اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔
"یہ یہاں کہاں...؟" اسے یاد آیا ایک بار اس نے نازش کو مہران کے ساتھ دیکھا تھا "سی..."
باہر۔
"تو... تو یہ ہیں سفیان کی اپیا۔" نازش کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ یہ تو اسے خیال ہی نہیں آیا تھا...
گھرانے کا نازش سے قریبی تعلق بھی ہو سکتا ہے یہ تو اچھا نہیں ہوا۔
وہ مرے مرے قدموں سے اس طرف آئی۔ ابھی کچھ فاصلے پر تھی کہ مہران کو خونخوار موڈ میں اپنی طرف...
ہوئے پایا۔
"تو آپ ہیں وہ محترمہ جو دانیال بھائی" اور شدت غضب سے وہ جملہ مکمل نہیں کر سکا۔ اس کی...
تھیں چہرے پر سرخی تھی اور تیور بڑے جارحانہ تھے۔ اس کی آنکھوں میں اتنی نفرت، غیض اور...
ارشین تھرا کر رہ گئی۔
وہ ایک ایک قدم اٹھاتا عین اس کے مقابل آن کھڑا ہوا اور مارے خوف کے ارشین کے ہاتھوں سے...
پڑے۔

◆◆◆

"فاریہ باجی! کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں پرندہ بن کر یہاں سے اڑ جاؤں۔" شاہین شام کے ڈوبتے...
میں سموتے ہوئے دل شکستگی کے عالم میں بولی۔
فاریہ کے ذہن میں جیسے اسپارک سا ہوا۔
اس کا دل ایک دم زور سے دھڑکا۔
برداشت کی حد سے بڑھ کر روح پر لگنے والے کوڑے اس کے اندر بغاوت کو جنم دیتے ہیں۔ یہاں تو پہلے...
کا مسئلہ بڑا ہوا تھا' وہ جذباتی اعتبار سے طرح طرح کی پیچیدگیوں کا شکار تھی۔ اور اب شاہین...
فاریہ اس گھر کے مکینوں کے لیے اپنائیت بھری فکر مندی سے سوچنے لگی تھی۔ میں ضرور ارشین آپا...
موضوع پر بات کروں گی۔ وہ دل میں سوچ رہی تھی۔
"دیکھیں ناں! یہاں اتنی سختی' اتنی پابندیاں اور اتنی گھٹن ہے کہ۔" شاہین اس کی طرف مڑی۔
"گڑیا! والدین بچوں کی بہتری کے لیے روک ٹوک کرتے ہیں۔"
فاریہ تحمل سے بولی۔ بے شک وہ اس گھر کے ماحول سے بخوبی واقف تھی مگر وہ بچوں کو گھریلو فضا سے متنفر ہوا...
دیکھ سکتی تھی۔
"روک ٹوک۔"
شاہین کی آنکھوں میں دکھ بھری حیرت اترنے لگی۔
"باجی! آپ اسے روک ٹوک کا نام دیتی ہیں؟۔"
اس کی آنکھوں سے اذیت کا تاثر جھلک رہا تھا۔
"کسی دوست' رشتہ دار حتی کہ آس پڑوس میں کسی کے ہاں نہیں جانا چاہیے' کوئی مرتا مرجائے...
کے علاوہ گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں' کھیل کود اور دوسری ایکٹیویٹیز یہاں ممنوع ہیں۔ سیر و تفریح...
شمار کی جاتی ہے' ٹی وی' ریڈیو' میوزک' ویڈیو وغیرہ صرف بابا جان کا دل بہلانے اور وقت گزاری کے...
ہو سکتے ہیں گھر کا کوئی دوسرا فرد ان لوازمات سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ کوئی دوست رشتہ دار اس گھر...
آسکتا' اور اگر آتا بھی ہے تو اس درجہ ہتک آمیز سلوک کیا جائے گا کہ دوبارہ پلٹ کر نہیں آئے گا۔ گھر...

...گوں سے تعلقات استوار کرنے پر ان کا پارہ ہائی ہو جاتا ہے حتی کہ اس قہر کی گرمی میں ہم رات کو باہر واک کے
لیے تو درکنار باہر ٹیرس پر بھی نہیں نکل سکتے۔ کہ آس پڑوس کے لوگ ہمیں دیکھیں گے یہ سب کیا ہے فاریہ باجی!
...یا آپ ان بے جا پابندیوں کو "روک ٹوک" کہتی ہیں۔"
...اہین روہانسے انداز میں ہونٹ کاٹتے ہوئے فاریہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔
"کیا آپ کھانے پینے اور سونے جاگنے کی "عیاشی" کو آزادی کا نام دیتی ہیں؟۔" فاریہ خاموش رہی۔
"ایسا سلوک تو قیدیوں کے ساتھ بھی نہیں ہوتا۔" شاہین کی آواز بھرا گئی۔
"نہیں چاہیے ہم سب کے لیے ایک ایک پنجرہ بنا دیں' تاکہ ہم زمانے کی دستبرد سے محفوظ رہیں۔ انہیں
...رف زمانے کا خوف ہے' یہ ہماری محبت میں ہماری حفاظت نہیں کرتے' زمانے کی نگاہ میں معتبر رہنے کے لیے یہ
...ب کچھ کرتے ہیں۔" وہ برگشتہ ہو کر کہہ رہی تھی۔
"شاہین... شاہین... گڑیا کیسی باتیں کر رہی ہو؟۔"
...ریہ نے آہستگی سے شدت کرب سے لرزتی شاہین کو اپنے ساتھ لگا لیا۔
"زندگی بہت مشکل ہو گئی ہے فاریہ باجی۔" وہ رو پڑی۔
...ں کے لہجے میں بے بسی غالب تھی۔
فاریہ نے بڑی مشکل سے اسے بہلا کر چائے بنانے کے لیے روانہ کیا تھا تاکہ اس کا ذہن ادھر ادھر ہو جائے۔
"شاہین جذباتی لحاظ سے شدید احساس محرومی کا شکار ہو رہی ہے امبرین! تمہیں اس معاملے میں سنجیدگی سے
...ر کرنا چاہیے۔"
...ہین کے جانے کے بعد فاریہ فکر مندانہ لہجے میں امبرین سے مخاطب ہوئی۔
"ایک وہ ہی کیا پورا گھر اس احساس سے دوچار ہے۔ کس کس کا خیال کریں۔"
...برین کے لہجے کی بے پروائی محسوس کر کے فاریہ کو دکھ سا ہوا۔
"مگر تمہاری بات لی لی جان زیادہ مانتی ہیں۔ تم چاہو تو...۔"
"میرے چاہنے سے کچھ ہو سکتا تو آج میں ان حالوں میں نہ ہوتی۔" وہ بات کاٹ کر طیش سے بولی۔
"محترمہ ارشین صاحبہ سے ڈسکس کرو یہ معاملات۔" وہ بڑے زہریلے انداز میں مسکرائی۔
...یہ کو اس کا لہجہ سخت شاق گزارا۔
"اتنی خود غرضی بھی اچھی نہیں ہوتی۔" وہ تقریباً جھڑک کر بولی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"اس گھر کے مکینوں کو ایک عدد زبردست جھٹکے کی ضرورت ہے اس کے بغیر نہیں سنبھل سکیں گے۔"
"اللہ نہ کرے۔" فاریہ بے اختیار دہل گئی۔
"یہ جھٹکا کسی بغاوت' فرار اور اس قسم کی کسی انتقامی کارروائی کی صورت میں ہرگز نہیں ہونا چاہیے' عزتوں
...ستون گر جائیں گے اور پورے خاندان کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ تمہیں نہیں پتا اولاد کی ایک معمولی سی لغزش
...ں کی بقا و حرمت کو خطرے میں ڈال دیتی ہے۔" فاریہ نے اپنی بات مکمل کر کے اس کے چہرے کی سمت دیکھا۔
...پر اسرار سا سپاٹ منجمد کر دینے والا احساس رقم تھا۔

◆◆◆

...نازش کو خطرے کی گھنٹیاں بہت قریب سنائی دینے لگیں۔ مہران پر وحشت سی سوار ہو گئی تھی۔ اس کی شفاف
...آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔
...جارحانہ پن سے ارشین کی طرف بڑھا تھا۔ اس نے نازش کی جان نکال دی۔
"مہران پلیز کول ڈاؤن۔" وہ تیزی سے اس کے اور ارشین کے درمیان آئی تھی۔
"آپ ایک طرف ہو جائیں نازش۔" وہ ہونٹ بھینچ کر سختی سے بولا۔

"مجھے ذرا ان "محترمہ" سے دو دو ہاتھ کرنے دیں۔ کس نے اجازت دی ہے انہیں دوسروں کی
کھیلنے کی۔"

اس کی نظروں سے دہکتا آتش فشاں ارشین کو بھسم کیے دے رہا تھا' مہران کا بس نہیں چل رہا تھا گلا
لیٹے اس وجود کو بہت اونچائی سے زمین پر یوں پٹخے کہ اس کے گھناؤنے مکروہ جسم کی کرچیاں دور دور
جائیں۔

"ہٹیں آپ ایک سائیڈ پر۔" وہ مرنے مارنے کے موڈ میں نظر آتا تھا۔ ایک جھٹکے سے نازش کا بازو
سے ہٹایا اور عین ارشین کے مقابل آگیا۔

"کتنوں کی عزتوں سے کھیلی ہیں اب تک؟" وہ دانت پر دانت جما کر غرایا۔

"آپ جیسوں کی اپنی تو کوئی عزت ہوتی نہیں کہ اسی کے لیے سستی اداؤں اور گھٹیا ہتھکنڈوں پر
آجائیں۔"

انا پر پڑنے والی چوٹ نے خوف سے لرزتی ارشین کے حواس ایک دم بیدار کردیئے۔

"زبان سنبھال کر بات کیجئے ایس پی صاحب!" اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

"آپ کو کس نے حق دیا ہے میری توہین کرنے کا' مائنڈ یور اون بزنس۔" وہ پھٹ پڑی۔

"یو شٹ اپ۔" وہ قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا دھاڑا۔

"میں ایسا لہجہ برداشت نہیں کیا کرتا اور یوں بھی آپ کی طرف تو بہت سے حساب نکلتے ہیں جنہیں
بہت ضروری ہے۔" مہران نے دانت پیسے' اس سے پہلے کہ وہ قدم آگے بڑھاتا اندرونی دروازہ کھولا
سفیان وغیرہ چلے آئے۔

"ارے نازش! تم آگئی ہو۔ بھئی اندر کیوں نہیں آئیں اور بے بی مہوش آپ کیسے ہو؟ ارشین بیٹے
کے ہی ہو کر رہ گئے۔" نینی کے آتے ہی "رنگ محفل" بدل گیا تھا۔

مہران اضطراری طور پر ہاتھ ملتا ہوا پیچھے ہٹ گیا تھا اور اب اپنے موڈ کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا
"ارے آپ کو کیوں سانپ سونگھ گیا آپا! اے آپا۔" سفیان نے ہونٹ چباتی زرد رنگت لیے
ارشین کو حیرت سے دیکھا۔ "اور بھائی جان بھی غصے میں لگ رہے ہیں۔" وہ ڈر سا گیا۔

"کچھ نہیں بھئی' سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ بس میں کنفیوز ہوگئی تھی ارشین بی بی کو دیکھ کر۔
ہیں۔"

نازش نے بروقت صورت حال سنبھالی تھی۔

ارشین کو یہاں ٹھہرنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس نے بہانا بنا کر جانا چاہا مگر سفیان نے بری طرح اس کا بہانہ رد کر
ایک پل بھی مہران کے سامنے ٹھہرنے کی روادار نہیں تھی۔ ان شعلے برساتی سبز آنکھوں میں نفرت
پھنکار رہے تھے جن کے زہر سے وہ زرد ہوئی جا رہی تھی۔

"یا خدا! نفرتوں' حقارتوں اور دھمکیوں کا یہ سیلاب بلا کہیں پڑاؤ بھی کرے گا یا نہیں۔" وہ سر تھام
وہ پارٹی میں گوشہ تنہائی ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

جی چاہ رہا تھا کہیں دور نکل جائے اتنی دور کہ جہاں کسی شناسا چہرے سے ملاقات نہ ہو۔
زخمی بلبلاتی انا سے رسنے والا نمکین پانی اس کی کالی آنکھوں میں بھی چمکنے لگا تھا اور وہ بار بار پلکیں جھپک
کو رخساروں تک بہنے سے روک رہی تھی۔

مہران کا لہجہ' انداز' آنکھوں میں چبھتے شعلہ ساماں تاثرات اور چہرے سے جھلکتا غضبناک تنفر آمیز
کرارشین کے تصور میں لہرا رہے تھے۔ یہ سب کچھ بہت تکلیف دہ تھا بہت زیادہ' جس شخص کی آنکھوں
عزت و تکریم' پسندیدگی اور ستائش دیکھی ہو اس کی نفرت اور حقارت آمیز تاثرات برداشت کرنا بلا

ہوتا ہے۔ کرارشین کی رگ رگ میں انگارے دہک اٹھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں نے پروفیسر سے انجانے میں
اور یہ سوچ غلطی کی' نازش کے حوالے سے مہران کا بھڑک اٹھنا سمجھ میں آتا ہے مگر اس درجہ توہین' اتنی تحقیر۔
بڑھا اگر عزت نفس پر براہ راست حملہ اور ایسا غیر انسانی بے رحمانہ سلوک' اس کے دل میں مہران کے خلاف غبار اٹھ
اٹھا۔

"ٹھیک ہے' مجھے کوئی ضرورت نہیں صفائی دینے کی۔ اگر وہ موصوف چشم بینا سے محروم ہیں اور مجھے "ایسی
ہی لڑکی" سمجھتے ہیں تو یہ ان کی سمجھ کا قصور ہے میرا نہیں۔" وہ بپھرنے لگی۔

ہم تم جہاں ملے تھے پھولوں کی راہگزر میں
دلنواز راہیں ہیں آج بھی نظر میں

"وہ سفیان! پلیز اپنے اس ریڈیو کو تو بند کراؤ۔ سر میں درد ہو رہا ہے۔"

فیان کسی کام سے اس کی طرف آیا تو اس کے استفسار سے پہلے ہی اس نے پیش بندی کے طور پر بات شروع
لردی۔ حسب معمول ایف ایم آن تھا۔

"لیجیے جناب۔"

بڑی مشکلوں سے پارٹی درمیان میں چھوڑ کر آئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد نازش بھی اجازت لے کر چلی گئی تھی۔
مہمانوں کے جانے کے بعد ناظر اور نینی کو مل کر سارا سامان سمیٹنا پڑا۔ مہران تو پارٹی کے شروع میں ہی کسی کام کا کہہ
کر باہر چلا گیا تھا۔ وہ یہاں موجود رہتا تو اس کے اندر مچلتے وحشت آمیز اور غیض بھرے جذبات رنگ دکھاتے۔

رات گئے واپس لوٹا تھا تو سفیان کے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے ایف ایم کے "غزل ٹائم" سے نشر ہوتا
گیت کان میں پڑا۔

وہیں زندگی کے حسیں خواب ٹوٹے
میرے ہم سفر تم جہاں ہم سے چھوٹے
ستاروں نے دیکھا' بہاروں نے دیکھا
کبھی ہم ملے تھے' نظاروں نے دیکھا
خبر کیا تھی ہم کو یہ وعدے ہیں جھوٹے
مٹا کر تمناؤں کے ہر نشاں کو
میں حسرت سے تکتا رہا آسماں کو
چمن آرزو کے خزاؤں نے لوٹے

مہران کے تیور بگڑنے لگے۔ وہ سفیان کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ "یار کبھی ریڈیو کو سانس بھی لے لینے دیا کرو۔"
وہ اپنی برہمی چھپاتے ہوئے بمشکل آواز پر کنٹرول کر سکا تھا۔

"جی بھائی جان!" بستر پر نیم دراز سفیان نے فوراً اٹھ کر سعادت مندی سے ریڈیو آف کر دیا۔

"کمال ہے' عجیب سے موڈ میں نظر آ رہے ہیں شام سے" مہران بغیر کچھ کہے ہوا کے جھونکے کی طرح کمرے
سے نکل گیا تھا اور سفیان ہونق بنا متعجب ہو کر سوچ رہا تھا پھر شانے اچکا کر پردے برابر کرنے لگا۔

"بھائی جان کھانا لاؤں؟" ناظر نینی کی ہدایت پر بھاگا بھاگا اوپر مہران کے کمرے میں آیا تھا۔
وہ کپڑے تبدیل کیے بغیر بستر پر دراز تھا۔

"نہیں۔" وہ مختصراً کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا رخ واش روم کی طرف تھا۔

"وہ نینی جی کہہ رہی تھیں۔ آپ نے پارٹی میں بھی کچھ نہیں لیا۔ اس لیے آپ کو کھانے کا ضرور پوچھوں۔"

ناظر ہو ہونیئی کی ہدایت دہرا کر جلدی سے بولا۔
"نہیں بتا دینا مجھے بھوک نہیں ہے۔" وہ وضو کرنے واش روم میں گھس گیا۔ واپس آیا تو ناظر کو اُ
میں کھڑے دیکھ کر خواہ مخواہ برس پڑا۔
"تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے۔" وہ ایکدم غصے میں آگیا تھا۔
ناظر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔
نماز عشاء ادا کر کے اس نے معمول کے مطابق کچھ نوافل ادا کیے قرآن پاک کا آدھا سپارہ پڑھ کر
علم و عبادت میں اضافے کی دعا مانگی پھر جائے نماز سمیٹ کر ٹوپی اتاری اور دونوں چیزیں الماری م
بلب آن کر کے بستر پر آگیا۔
کوشش کے باوجود نیند نہیں آرہی تھی۔ دماغ بار بار کھول رہا تھا شام کے واقعات اور انکشافات ا
سوچوں کے عکس میں لہرا رہے تھے۔
یونہی سوچتے سوچتے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے وہ نیند کی وادی میں پہنچ گیا تھا۔

◆ ◆ ◆

"جی میں نے کہا ناں میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔"
ارشین فون رکھنے کو تھی مگر دوسری طرف سے سرد لہجے نے اس کے ہاتھوں کی جنبش کو ایک لحظے کے
دیا۔
"آپ فون نہیں رکھیں گی۔ میں بار بار کرتا رہوں گا جب تک کہ میری بات نہیں سنیں گی۔"
ارشین کا جی چاہا سر دیوار پر دے مارے۔ وہ بری طرح زچ ہو گئی تھی۔
"آپ کو مجھ سے کیا بات کرنا ہے جب میں کہہ رہی ہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔"
وہ عاجز آکر بولی۔ جواب میں زہریلی ہنسی سنائی دی۔
"ضرورتیں تو پیدا کی جاتی ہیں ڈیر۔" وہ ترنگ سے گویا ہوئے۔
"آپ چاہتے کیا ہیں؟۔" وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے لہجے میں ٹھوس پن پیدا کر
کرنے لگی۔
"آپ کو' آپ کی کالی مدہوش کن آنکھوں کو' آپ کے دلکش تبسم کو' آپ کی گھٹاؤں جیسی زلفوں کو
"خدا کے واسطے یہ بکواس بند کیجیے۔"
وہ حیا سے جھنجھنا کر چلا اٹھی تھی۔ فرطِ غضب سے جسم میں ارتعاش بپا ہو گیا تھا۔
"ارشین!۔" لگا ان کے لہجے میں اژدھے کی پھنکاریں در آئیں۔
"میں نے ایک بار کہا تھا ناں کہ میرے اندر کے حیوانی جذبے کو آواز مت دینا۔ وہ بیدار ہو گئی تو
طوفان آؤٹ آف کنٹرول ہو جائے گا اور شعور کہیں دور جا سوئے گا مگر تم نے میری بات کو مذاق سمجھ کر
اس کا انجام بھگتنا پڑے گا۔ میں دھوکا دینے والوں کو معاف نہیں کیا کرتا۔" لہجہ بالکل برف بنا ہوا تھا۔
"میں تمہیں اپنی انا' غیرت اور مردانگی سے کھیلنے کی اجازت بالکل بھی نہیں دوں گا۔"
خشونت اور رعونت میں لپٹا لہجہ ارشین کو ہولا رہا تھا۔ اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ پھر نا
آئیں تو کچھ ہمت بندھی۔
"کسی کو جیتنے کے لیے زور زبردستی اور دھمکیوں سے کام لینے والے مردوں کو میں انسانوں میں شمار نہ
ایسے لوگوں کو انسان کہلانے کا حق نہیں ہوتا۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔
"آپ مجھے فون پر تنگ نہ کیجیے ورنہ مجھے کوئی اور انتظام کرنا پڑے گا۔"

"اس دھمکی کے پس پردہ اعتماد کو میں جانتا ہوں' پولیس کی دھمکی نہ دیجیے میڈم!" وہ استہزائیہ مسکراہٹ لیے
ہ رہے تھے۔
"بہت جلد آپ کو پتا چل جائے گا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ وہ متقی و پرہیزگار ایس پی آپ کو میرے چنگل سے
یں چھڑا سکے گا۔ اپنے بچاؤ کے لیے کوئی دوسرا "کوالیفائیڈ" سہارا تلاش کرنا چاہیں تو آپ کو اجازت ہے۔
گ لیں جتنا مجھ سے دور بھاگ سکتی ہیں' آنا تو بہر حال آپ کو میرے پاس ہی ہے۔"
اندر ہی اندر ہل گئی "آپ خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں غالباً؟"
ں کی آواز میں طنز کی پھنکار تھی۔
"یہ خواب بہت جلد تعبیر کے روپ میں آپ کے سامنے ہو گا۔" دوسری طرف حد درجہ اطمینان تھا۔
"پلیز مہدی صاحب۔" وہ ارشین کا ضبط جواب دینے لگا۔
"مجھے پریشان نہ کریں۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔ "میں پہلے ہی کم پریشان نہیں ہوں۔" وہ ٹوٹ سی گئی
ی۔ لہجہ بھرانے لگا۔
"تو میری جان میرے پاس آجاؤ ناں' میرے پاس تمہارے لیے سکون ہی سکون ہو گا۔"
مکراتے بے باک گمبھیر لہجے نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔
شین کی حالت غیر ہو گئی اس نے پوری قوت سے ریسیور کریڈل پر پٹخا تھا۔
"کس کا فون تھا؟۔" عقب سے بی بی جان کا چبھتا ہوا استفسار سماعتوں میں گونجا اس کا دل اچھل کر حلق میں
لیا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔
"وہ کوئی کلائنٹ تھا۔" وہ گھبراہٹ پر قابو پا کر آہستگی سے بولی۔
بی جان کی کھوجتی ہوئی درشت نظریں اسے وجود کے آرپار ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ تاہم انہوں نے مزید پوچھ
چھ نہیں کی۔ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی اوپر چلی گئیں۔
"یا اللہ اب کیا ہو گا۔" وہ اسٹوڈیو کا دروازہ بند کر کے سرخ ویلوٹ سے ڈھکے کاؤچ پر دراز ہو گئی۔

◆ ◆ ◆

"وقت کم تھا اس لیے باتیں ادھوری رہ گئیں۔ اچھے لوگوں سے ملاقاتیں ادھوری رہ گئیں' سو اسی واسطے دوبارہ
ہمکلام ہوئے ہیں۔"
رشین کی بے بسی اشتعال میں ڈھلنے لگی۔
"کیسے انسان ہیں۔ کیا آپ خودی اور عزت نفس جیسی جملہ صفات سے عاری ہیں؟۔"
ہ آخری کارڈ کھیلتے ہوئے انہیں پسپا کرنے کی غرض سے انتہائی حساس زاویے سے حملہ آور ہوئی۔
"کسی کی حفاظت کے لیے اس "پراسس" سے گزر رہا ہوں۔"
ن کے لہجے میں بلا کی بے رحمی اور سرد مہری تھی۔
"زبان اور آن پر کٹ مرنے والا شخص ہی صحیح "مرد" کہلاتا ہے میری نگاہ میں۔"
ہ مزید پھنکارے۔
"یہ کوئی کھیل نہیں ہے' برضا و رغبت ہامی بھری تھی میرا ساتھ دینے کی اگر راہ کی مشکلات سے خوفزدہ تھیں تو
ہمراہی کا یقین کیوں دلایا تھا۔ آج راستے کے کانٹے نظر آگئے اور تب کیا تھا جب اقرار کے لفظ میری سماعت کی آغوش
میں پھینکے تھے؟۔"
"تمہیں عقلی بصارت سے محروم ہو گئی تھی۔"
ارشین کے بھرائے ہوئے لہجے پر پچھتاوے غالب آگئے۔ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر لاچاری سے ریسیور کو

بھیگے ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کیا۔ گرمیوں کی دوپہر تھی، چہار اطراف سناٹا تھا، گھر کے سب افراد
تھے۔ وہ دوپہر میں سونے کی عادی نہیں تھی۔ سو کام نپٹانے کی غرض سے اسٹوڈیو چلی آئی تھی۔ شارپ
لمحے فون بج اٹھا تھا۔

"کیوں اس لیے ناں کہ مجھ سے اچھا اور بہتر امیدوار ہاتھ لگ گیا ہے۔" ان کے چبھتے ہوئے لہجے نے
طرح ارشین کے دل کا نشانہ لیا۔

"یہ بات نہیں ہے۔" اسے شرم آ رہی تھی، خود پر، کیسی بیچارگی تھی اِس درجہ ناپسندیدہ شخصیت کو
صفائیاں دینا پڑ رہی تھیں۔ کیا یہ دن بھی دیکھنے تھے مالک۔

"میں سمجھتی ہوں کہ میں آپ کے ساتھ زندگی کا سفر طے نہ کر سکوں گی۔ ہم دونوں ایک دوسرے
ناموزوں ہیں بس بات ختم۔"

"ختم کہاں، یہیں سے تو بات شروع ہوتی ہے۔"

ان کے قطعی ارادوں میں سر مو فرق نہ آیا۔ لہجہ ویسا ہی ہٹیلا تھا۔

"مجھے کیوں جھانسہ دیا" آس دلائی، محبت کا ڈھونگ رچایا۔"

"کچھ تو خدا کا خوف کریں۔" وہ دہل کر بولی۔

"محبت اور مروّت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ میں محض مروّت اور رواداری میں میکانیکی کے جذبے کے
سے گفتگو کرتی رہی ہوں اگر مجھے محبت ہوتی تو آج آپ کے نام سے آپ کے گھر بیٹھی ہوتی۔ میں
"اظہار" کے بعد آپ سے کبھی ملی بھی نہیں کوئی افیئر نہیں لڑایا، کوئی پیمان نہیں باندھے، محض زبانی
تک بات محدود رہی ہے اور آپ گواہ ہیں کہ یہ ابتدا بھی آپ کی جانب سے ہوئی ہے۔ میں تو کالز اٹینڈ
"گنہگار" ہوں۔ جیسے ہی آپ نے اپنے دل کے ارادوں سے باخبر کیا۔ میں نے خود بخود اپنے گرد احتیاط
حصار باندھ لیا تھا۔ پھر بھی آپ تہمت باندھ رہے ہیں؟۔"

"اسی کے اسیر ہو کر تو آپ کی خواہش کی ہے ڈیر۔" وہ بہت نفاست سے ہنسے۔

"خواہش اور ہوس کے درمیان بہت باریک سی حد فاصل ہوا کرتی ہے۔" ارشین نے لطیف سا طنز

"خواہش ناتمام بھی رہے تو محض دھیمے دھیمے جسم و جان کو سلگاتی پگھلاتی رہتی ہے جب کہ ہوس
طوفان کھڑا کر دیتی ہے۔ غلط راہوں پہ بھٹکا دیتی ہے، بے صبراپن، بدلحاظی، بے حسی اور خود غرضی کو
آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ یہ محبت نہیں، ہوس ہے، محبت صبر شکر سے انتظار کرتی ہے جب کہ
کی تلاش میں رہتی ہے۔ محبت ہمیشگی کا ساتھ مانگتی ہے۔

وہ کھل کر دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

"تمہاری سمجھ کا پھیر ہے اور کچھ نہیں۔" وہ ایک فیصد بھی متفق نظر نہ آتے تھے۔

"مجھے "تم" کہہ کر مخاطب نہ کریں، غالباً" آپ کو پہلے بھی مطلع کر چکی ہوں۔" وہ بگڑے تیوروں سے

"فاصلوں سے کہی گئی باتیں میرے ذہن میں نہیں رہتی ہیں میرے پاس آ کر حکایاتِ دل سنانا۔"

ان کے بہت دھیمے لہجے سے وارفتگی کی آنچ پھوٹ رہی تھی۔

ارشین تلملا کر ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔ یہ نوبت بھی آنا تھی۔

"آپ خوامخواہ بات کو ادھر ادھر مت گھمائیں۔" اس کی جھنجھلاہٹ آخری حد پار کرنے کو تھی۔

"ٹھیک ہے، میں مختصراً" اور سادہ الفاظ میں کہہ رہا ہوں۔ کل مجھ سے مل لیجیے۔"

"سوری۔" وہ دوٹوک بولی۔

"چلیے پرسوں سہی۔"

"نہ کل، نہ پرسوں، نہ ترسوں بلکہ زندگی کی آخری سانسوں تک نہیں۔" وہ قطعیت سے بولی۔

ب میں ادھر پل بھر کو سناٹا طاری ہو گیا۔

"او کے۔" ادھر سے گہری پرسوچ آواز ابھری۔

"آج کیا دن ہے؟۔"

"منگل۔" وہ اس بے موقع سوال پر متعجب رہ گئی۔

"اور تاریخ کیا ہے؟"

"دس جون!۔" وہ کچھ متحیر سے انداز میں برا مانتے ہوئے جواباً بولی۔

"ہوں۔ اب آپ غور سے سن لیجیے۔ کل بروز بدھ گیارہ جون کو آپ اور ہم ملیں گے۔ آپ میرے روبرو ہوں
"

ل پراسرار سے حتمی انداز میں کہہ کر ریسیور رکھ دیا گیا۔

ٹک کھڑی دہشت زدہ نظروں سے ریسیور کو گھور رہی تھی۔

○○○

"بی بی جان! عدنان بھائی ابھی تک گھر نہیں آئے، صبح کے نکلے ہوئے ہیں اور اب مغرب کی اذان ہونے
والی ہے۔"

شاہین نے احساس دلانے والے شاکی انداز میں ماں کی طرف دیکھا تھا۔ صباحت کے چہرے پر بے نیازی اور
بےپروائی رقم تھی۔

"آ جائے گا۔ اپنے دوستوں کے پاس چلا گیا ہوگا۔" وہ آرام سے آٹا گوندھ کر ہاتھ دھونے لگیں۔ شاہین زچ
ہو گئی۔

"ہمیں تو اسکول سے واپسی پر ایک منٹ کی تاخیر ہو جائے تو کڑے تیوروں سے خبر لے ڈالتی ہیں اور اپنے
لاڈلے کو کھلی آزادی دے رکھی ہے۔" وہ دل ہی دل میں کڑھ کر رہ گئی۔

"اب وہ کالج میں آ گیا ہے۔ بچہ نہیں رہا بی بی جان! اپنی اسٹڈی پر بالکل دھیان نہیں دیتا۔ بس سارا دن بیٹ بال
لے کے دوستوں کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔" امبرین نے کہہ ہی دیا۔

"محترم کو ہیرو بننے کے خواب آتے ہیں۔ پڑھائی سے زیادہ کرکٹ میں پرفیکٹ ہونے کا خیال اعصاب پر سوار
رہتا ہے۔ اسے سمجھائیں کچھ، اس طرح تو اپنا کیریر تباہ کر لے گا۔"

"دیکھا جائے گا۔" بی بی جان نے جیسے کان پر سے مکھی اڑائی۔ "لڑکے بالے اسی طرح کم عمری میں لاپروا اور
لوقین مزاج ہوا کرتے ہیں۔ جب ذمہ داری پڑتی ہے تو ساری عقل آ جاتی ہے۔"

"واہ جی! بیٹے کے لیے ناجائز بھی جائز ہے اور بیٹیوں کے لیے آزادی سے سانس لینے پر بھی پابندی ہے۔"
ناہین سلگ کر سوچ رہی تھی۔

"اتنی کھلی ناانصافی، ہم پر بلاوجہ کی روک ٹوک اور شہزادے صاحب کو جی بھر کر بدلحاظ، بے پروا اور غیر ذمہ دار بنایا
جا رہا ہے۔"

"یہ ارشین کہاں ہے؟۔"

بی بی جان کو کھوج ہوئی پھر وہ خود ہی جواب میں بولیں۔ "لگی ہوگی فون میں۔ ایک تو اس لڑکی کا باتیں کر کر کے دل
نہیں بھرتا، سارے سیر سپاٹے کر کے آئے گی تو آ کر فون سے چپک جائے گی۔"

ان کی بڑبڑاہٹ میں کسیلی سی بیزاری نمایاں تھی۔

"اپنے اسٹوڈیو میں ہیں۔ کام کر رہی ہوں گی۔" شاہین نے فوراً بہن کی طرفداری کی۔

"تم تو ہو ہی ان کی چمچی۔ ایک کپ چائے بنا دو مجھے۔" امبرین نے اکتائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس میں خوشامد کی کیا بات ہے۔" شاہین برا مان گئی۔ "وہ اتنی اچھی تو ہیں۔ سب کا خیال رکھتی ہیں۔ میرے
سے تو اتنا پیار کرتی ہیں۔" وہ چائے بنانے چلی گئی۔
"یہ دوسرا کپ کس کے لیے لے کے جا رہی ہو؟" شاہین نے ایک کپ امبرین کو تھما کر دوسرا اٹھا
سے باہر نکلنے لگی تو امبرین نے پوچھا۔
"ارشین آپی کے لیے۔" اس نے سادگی بھرے اعتماد سے جواب دیا۔
"انہوں نے کہا تو نہیں تھا۔" امبرین نے یونہی بحث کی۔
"تو کیا ہوا۔ چائے تو ایسی چیز ہے کہ اس کی ضرورت کسی وقت، کسی موڈ میں بھی پیش آ سکتی ہے۔ اور
کبھی چائے کے لیے ناں نہیں کرتا۔"
وہ خوش دلی سے کہہ کر کپ لے کر اسٹوڈیو میں آ گئی۔
امبرین نے برا سا منہ بناتے ہوئے شاہین کی پشت کو گھورا تھا۔
"آپی! لیجیے گرما گرم چائے۔ ارے آپ نے اتنا اندھیرا کیا ہوا ہے۔ لائٹ ہی جلا لیتیں۔ سارے
گرائے ہوئے ہیں۔" شاہین نے آ کر لائٹ جلا دی۔ وہ کاؤچ پر اوندھے منہ دراز تھی۔
"آپی! آپی! کیا سوئی ہوئی ہیں؟" شاہین نے محبت بھری نرمی سے اس کے پاس آ کر کندھے پر ہاتھ رکھ
"ہوں۔ نہیں۔" وہ چندھیائی نظروں سے لو ہر ادھر دیکھتے ہوئے جونہی سیدھی ہوئی۔ شاہین کا کلیجہ
رہ گیا۔
"آپی! آ۔ آپ رو رہی ہیں؟"
ملگجے سیاہ لباس میں بے ترتیب بال شانوں اور گردن پر ادھر ادھر جھول رہے تھے۔ زرد چہرے پر آنسوؤں کے
تازہ نشان رقم تھے۔ آنکھوں میں نمی، انداز میں نڈھال سی مضمحل کیفیت۔
"آپی! آپ کو کیا ہوا؟ کیا درد ہو رہا ہے کہیں؟" اس کا معصوم ذہن یہیں تک رسائی پا سکتا تھا۔
"نہیں گڑیا!" اس نے بولنا چاہا مگر آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔ جیسے پھٹ سی گئی ہو۔
"آپی! پلیز۔" مارے خوف و ہمدردی کے شاہین رو دینے کو تھی۔
ارشین نے اپنی دل گیر حالت پر قابو پاتے ہوئے بے تابی سے اسے اپنے سینے میں سمو لیا۔
"تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔ تمہاری آپی بہت بہادر ہے۔ مجھے کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ یوں ہی ناں۔ یاد
چپ کر جاؤ۔ شاباش۔" وہ اسے چمکار رہی تھی۔ شاہین کے اپنائیت بھرے استفسار اور لمس نے اس
ہستی پر رم جھم کا سا تاثر پیدا کر دیا تھا۔ ورنہ جس لمحے سے وہ منحوس فون سنا تھا اس کا کلیجہ کانپ کر رہ
اعصاب منجمد سے ہو گئے تھے۔
"مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اللہ تو میرے حال سے باخبر
چاہے تو کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ میں کل ضرور کالج جاؤں گی۔" وہ نیا عزم باندھ رہی تھی۔

◆◆◆

"میرے چاند! میرے بچے! کہاں ہوتے ہو تم؟" نینی نے اپنے قدموں کے پاس کارپٹ پر صوفے سے
ٹکاتے مہران کے شانے تھپتھپائے تھے۔
"یہیں ہوتا ہوں نینی! آپ کے پاس۔ آپ کے قریب۔" مہران کچھ الجھا ہوا تھا۔
"کوئی دفتری مسئلہ ہے۔" انہوں نے قربان ہو جانے والی نظروں سے بیٹے کی آرتی اتارتے ہوئے
دریافت کیا۔
"نہیں نینی!" مہران نے آہستگی سے ان کا ہاتھ تھام کر تسلی آمیز انداز میں دبایا۔ "آپ کو اچھی طرح
پتا ہے میں کبھی آپ کے لیے کبھی پریشانی کا باعث نہیں بنا۔ میں محنت کرنے والی جفاکش اور دلیر قوم کا فرد ہوں۔" اس کے لہجے میں
نفاست اور ٹھہراؤ تھا۔
"میں جانتی ہوں۔" ان کی مسکراہٹ فخریہ تھی۔
"نینی!" اس نے عجیب سے احساسات سے دوچار ہو کر نینی کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ "نینی! میرا دل چاہتا
ہے۔ میں اپنے ملک کے لیے، اپنی قوم کے لیے، اپنی گل زمین کے لیے کوئی ایسا کام کر دکھاؤں کہ رہتی دنیا تک اس
کا فائدہ میرے دیس کو حاصل رہے۔ نینی! میں کس طرح اس وطن کے کام آ سکتا ہوں؟"
مہران کے چہرے پر جوش کی تمتماہٹ تھی۔ جذبوں کی سرخی تھی، عزم کی لپک تھی۔
"میرے چاند! یہ ملک تم نوجوانوں سے فقط اسی جوش و جذبے کا طلبگار ہے۔ یہ وطن تم نوجوانوں سے یہ چاہتا
ہے کہ اپنی اپنی جگہ اپنے فرائض تندہی اور ایمانداری سے سرانجام دیتے رہو۔ یہی اعلیٰ ترین خدمت ہے۔ یہی
آپ کی خدمت ملک و قوم کو رفعتوں پر لے جائے گی۔"
"نینی! پاپا جب اپنے آخری مشن پر روانہ ہو رہے تھے تو ان کے کیا تاثرات تھے؟" مہران کی نگاہ کارنس پہ
رکھی اپنے باپ کی تصویر پر جم گئی تھی۔ آرمی یونیفارم میں پرعزم چمکتا ہو روشن و مطمئن چہرہ لیے وہ جیسے بڑے فخر و
مان کے ساتھ مسکرا رہے تھے۔
"وہ بہت پرجوش تھے۔" نینی ماضی کے دھندلکوں میں کھو گئیں۔ "حمود کو لینے کے لیے میرے ہاں آئے تو ان کا
چہرہ جھلملا رہا تھا۔ 'بھابھی! سرخروئی کی دعا کیجیے گا۔ اللہ کے حضور بھی اور قوم کے سامنے بھی۔ یہ آپریشن
بہت خطرناک ہے۔ جان بھی جا سکتی ہے۔ ایک امتحان آپ لوگوں کے لیے بھی ہے۔ ہر طرح کی خبر کے لیے خود کو
تیار رکھیے گا۔ جام شہادت نوش کیا تو اس عظیم ترین کامیابی پر جشن منایئے گا۔ سر فخر سے بلند کر کے سب کو
بتایئے گا کہ ہمارے عزیز دائمی زندگی پا گئے ہیں۔ شہید ہو کر اپنا نام امر کر گئے ہیں۔'"
نینی بڑی مشکل سے آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو پی رہی تھیں۔ مہران ایک جذب کے عالم میں سن رہا
تھا۔ اتنے انہماک سے جیسے الفاظ دل میں اتار رہا ہو۔
"نینی! جذبہ جہاد کس طرح دنیاوی و مادی آسائشات کو بے معنی بنا ڈالتا ہے۔ کتنا بڑا انعام ہے یہ جذبہ۔ ہے
نا۔" وہ عجب بے خودی سے کہہ رہا تھا۔ "نینی! پلیز میرے لیے دعا کیجیے گا۔" نینی نے بڑھ کر اس کے
روشن پرعزم پیشانی چوم لی۔ "خدا میرے بیٹے کا دل نیکی کے جذبے سے سرشار رکھے۔ وہ قوم کبھی شکست نہیں
کھا سکتی جس کے ہونہاروں اور نونہالوں کے دل جذبۂ شہادت سے لبریز ہوں۔"
ان کے خوبصورت و دلنشین جملے پھوار بن کر مہران کے اردگرد برس رہے تھے۔

◆◆◆

سرخ سوزوکی کار اس وقت آئی ایٹ کی سائیڈ سے علاقہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے سامنے سے گزر رہی تھی۔
دوپہر کا وقت تھا۔ سڑکیں، گلیاں سب سنسان تھیں اور پھر یہ ایریا تو ویسے بھی خاصا پرسکون تھا۔ وہ کالج سے
پیدل آ رہی تھی۔ یہاں تک تو بخیریت پہنچ گئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا اڑ کر درمیانی فاصلہ طے ہو جائے اور وہ
اپنے گھر پہنچ جائے۔
وہ محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی بڑے چوکنا انداز میں گاڑی چلا رہی تھی۔ معاً ایک جھٹکے سے کار رک
گئی۔ گاڑی کے اگلے دونوں پہیے فلیٹ ہو گئے تھے۔
"یا خدایا! یہ کیا آفت آ گئی۔" وہ جھلائے ہوئے کوفت بھرے انداز میں نیچے اتری۔ اور دوسرے ہی لمحے
دہشت سے گنگ ہو گئی۔
"السلام علیکم۔ حسب وعدہ چھ جون بروز بدھ ہم آپ کے روبرو ہیں اور شرف ملاقات حاصل کر رہے ہیں۔"

سفید کرولا سڑک سے کچھ پرے درختوں کے جھنڈ میں کھڑی کر کے اس سے ٹیک لگائے منتظر
دانیال مہدی گلاسز اتارتے ہوئے سڑک کراس کر کے اس کی سمت آئے تھے۔
ان کا لہجہ بلا کی شوخی، چلبلاہٹ اور استہزائیہ کیفیت لیے ہوئے تھا۔
ارشین پتھرائی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
اسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آرہا تھا۔ ڈرائیونگ کے دوران اپنی دانست میں اس نے بڑے دھیان سے
اپنے گردو پیش کی خبر رکھی تھی۔
''میرا خیال ہے ان کیلوں نے اپنا ''فرض'' ادا کر دیا ہے۔ انہیں راستے سے ہٹا دینا چاہیے ورنہ
نقصان پہنچائیں۔''
انہوں نے سڑک پر بچھائی نوکیلی آہنی کیلیں اکھاڑ کر درختوں کی جھنڈ میں غائب کر دیں۔
''تو یہ آپ کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔''
وہ دانت پیس کر بولی۔ آنکھوں میں شعلے مچل رہے تھے۔
جواب میں وہ سفاکی سے ہنستے ہوئے اس کی گاڑی کے بونٹ پر کہنی جما کر بولے۔
''میڈم! آپ ہمیں کیا سمجھتی ہیں۔ بھلا آپ سے بے خبر رہ سکتے ہیں؟ ہم تو کتنے ہی دنوں سے بر
آپ کی راہوں سے گزرتے رہے ہیں۔'' وہ خاموش تعاقب کا اعتراف کر رہے تھے۔
''کہیں تو آپ کے گھر کا مکمل ایڈریس بھی بتا دیں؟۔'' وہ مسکرائے۔
''آپ کے آنے جانے کے معمولات بھی ہم نے نوٹ کر رکھے ہیں۔ تب ہی تو اس یقین کے ساتھ
کے مقابل کھڑے ہیں۔''
انہوں نے بے رحمی سے کہتے ہوئے اس پر بھرپور نگاہ ڈالی۔ ہلکے زرد چکن کے شلوار کرتے میں اس کا
چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔
''دیکھیے۔ اس طرح راستے میں بات کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔'' اسے لامحالہ جارحانہ انداز
مصالحانہ لہجہ اپنانا پڑا۔
''میں بھی یہی عرض کرنے والا تھا۔''
وہ بڑی آمادگی سے مسکرائے۔ نظریں اس پر سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ ''آیئے میرے ہمراہ کسی
کے پرسکون ماحول میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''
انہوں نے بڑے اعتماد سے اپنی گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول دیا۔
''میں خود ہی کچھ بندوبست کر لوں گی۔ بہت شکریہ۔'' اس نے جان چھڑانے کے لیے ضبط سے کہا۔
جواب میں انہوں نے گہری معنی خیز نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی۔ ''آپ کا ہر راستہ مجھ تک آتا ہے
نے سفر زندگی اکٹھا طے کرنا ہے۔''
پھر وہ بڑے دلکش انداز سے گویا ہوئے۔
''مجھے داد نہیں دیں گی۔ زبان کا کس درجہ پاس ہے۔ جو کہا کر دکھایا۔ اسی طرح کسی دن آپ کو لے
جائیں گے ہمیشہ کے لیے۔''
وہ سر جھکا کر ہونٹ چبا رہی تھی۔ ان کی نظروں کی تپش ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔
''اب بتایئے۔ میری ہمراہی منظور ہے یا۔۔۔'' دفعتاً ان کے لہجے میں قطعی پن اور سختی در آئی۔
ارشین کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔ اس نے بوکھلائی ہوئی بدحواس نظروں سے انہیں دیکھا۔
ان کی آنکھوں میں حد سے گزر جانے کے واضح ارادے تحریر تھے۔ وہ اسے پانے کے لیے کچھ بھی کر

ہوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتے تھے۔
اس وقت بھی اس وحشت ناک تنہا ماحول میں وہ چاہتے تو بزور بازو اسے گاڑی میں ڈال کر کہیں بھی لے جاسکتے
تھے۔ کون دیکھنے، سننے اور مدد کرنے والا تھا۔
''اے اللہ! تو ہی میری عزت و ناموس کا پاسبان ہے۔'' وہ دل ہی دل میں خدا کے حضور گڑگڑا رہی تھی۔
بظاہر وہ خود کو اس ساری صورتحال سے بے نیاز اور لاپروا ہونے کا تاثر دے رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی، کسی
پہلو سے اس کی کمزوری ان کے ہاتھ آئے۔
''ارشین!'' معاً وہ عین اس کے سامنے اس سے بمشکل ایک فٹ کے فاصلے پر آن کھڑے ہوئے۔ ارشین کا
دل بند ہونے لگا۔ وہ لرز کر تھوڑا پیچھے سرک گئی۔
''آپ کیا سمجھ رہی ہیں؟ میں آپ سے فلرٹ کر رہا ہوں۔ جذبے کھیل نہیں ہوتے ارشین۔'' وہ بے بسی سے
گویا ہوئے۔ ''مجھے خود بھی کبھی اپنی اس کمزوری پر غصہ آجاتا ہے۔ یہ محبت بڑی ظالم ہوتی ہے۔ ہر اختیار چھین
لیتی ہے، مجھے اس بھرے جہان میں تمہارے سوا کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا۔ بس ایک ہی دھن سوار رہتی ہے تمہیں
پانے کی، اپنا بنانے کی اور میں اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہر حد سے گزر جانے کو تیار ہوں۔ ہر انتہائی قدم
اٹھا سکتا ہوں۔''
ان کے ارادے مصمم تھے۔
''دنیا کی ہر چیز پر ہمارا حق نہیں ہوتا۔ آپ سمجھ لیں۔ میں آپ کے لیے نہیں بنی۔'' وہ تحمل سے گویا ہوئی۔
ساتھ ساتھ اضطراری انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔
''کیسے سمجھ لوں میں۔'' اچانک وہ غضبناک ہو گئے۔ ''آپ میری ہیں۔ صرف اور صرف میری۔ اگر میرے
لیے نہیں ہیں تو پھر کسی اور کی بھی نہیں ہو سکتیں۔'' وہ دیوانگی سے بولے۔ ارشین دل ہی دل میں کسی غیبی امداد کی
دعا کر رہی تھی۔
''محبت میں ملاپ ضروری نہیں ہوتا۔ اگر آپ اپنے دل کے معاملے میں بے اختیار ہیں تو کم از کم اتنا تو کر سکتے
ہیں کہ کم سے کم میری راہوں میں آنا چھوڑ دیجیے۔''
''کیسے چھوڑ دوں؟۔'' انہوں نے ٹھنڈی سانس لی۔

فراز راحت جاں بھی وہی ہے کیا کیجیے
وہ جس کے فیض سے سینہ فگار اپنا ہے

''جذبے لمس کے محتاج نہیں ہوا کرتے؟۔'' وہ تدبر سے سمجھانے والے انداز میں بولی۔
''وہ شعر بھی آپ نے سنا ہو گا کہ

محبت بندگی ہے اور اس میں تن کا قرب مت مانگو
کہ جس کو چھو لیا جائے اسے پوجا نہیں کرتے

بھلے سے مجھ سے محبت کرتے رہیں لیکن براہ کرم مجھے تنگ نہ کریں۔'' وہ بصد منت کہہ رہی تھی۔ جواب میں وہ
بے ساختہ مسکرا دیے۔
''کتنی معصوم ہیں آپ۔'' وہ ایک جانچتی نگاہ اس پر ڈال کر بولے۔ ''یہ ظالم لوگ اتنے معصوم کیوں ہوتے ہیں۔'' وہ
خود کلامی کے سے خوشگوار انداز میں گویا تھے۔
''آپ پر یہ سب کچھ سوٹ نہیں کرتا۔ انسان کو اپنی عمر کے مطابق اپنا طرز عمل اپنانا چاہیے۔''
ریڈ شوخ دھاریوں والی گرے ٹی شرٹ اور گرے پینٹ میں ملبوس گلاسز اسٹائلش انداز میں ماتھے پر ٹکائے
پروفیسر دانیال مہدی کو وہ ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حالانکہ وہ خوب جچ رہے تھے۔ مگر ارشین کو ایک آنکھ
نہ بھائے۔

"میچیور شخص کی سوچ بھی پریکٹیکل اور سوبر ہونا چاہیے۔" وہ مزید گویا ہوئی۔
"ورنہ اس میں اور عام ٹین ایجر، سڑک چھاپ عاشق میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ چھچھورے اور شوخ نوجوان لڑکے آپ نے گرلز کالجز کے گرد منڈلاتے دیکھے ہوں گے۔ نت نئے فیشن کی جینز، شرٹس ہم نگاہ کرولا کی چابیاں گھماتے لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔" وہ طنزیہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"اگر آپ بھی یہی ٹین ایجر کے ہتھکنڈے اپنانے کی کوشش کر رہے ہیں تو براہ کرم اپنا ارادہ ترک کر دیں۔ تو میں کم سن، بھولی بھالی دوشیزہ ہوں اور نہ آپ بیس بائیس برس کے ناتجربہ کار نوجوان۔ کوئی شخص بھی بے وقوف بننا پسند نہیں کرتا۔" وہ سرد لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"ناؤ اسٹاپ اٹ۔" پروفیسر دانیال غرا کر بولے۔ ارشین کی سٹی گم ہو گئی۔
"خدا جانے میں نے کس موڈ میں آپ کی یہ بکواس سن لی ہے۔ آئندہ اتنی جسارت کا مظاہرہ نہ کیجیے۔" وہ ہونٹ کاٹ رہے تھے۔ نتھنے پھڑک رہے تھے۔ آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔
"مجھے آپ کو امپریس کرنے یا ڈائیلاگ جھاڑ کر راغب کرنے کی قطعی خواہش و ضرورت نہیں۔ مجھے اپنے جذبوں پر مکمل یقین ہے۔ ایک روز آپ خود میری کشش میں مجھ تک پہنچیں گی۔"
ان کے لہجے میں بلا کا زعم تھا۔ نگاہوں میں فاتحانہ عکس جگمگا رہے تھے۔
"حسرت ہی رہے گی۔" وہ زہر خند ہوئی۔
پروفیسر دانیال نے بھڑک کر اس کی سمت دیکھا۔
"آپ کی اشتعال انگیز بیان بازی مجھے کسی انتہائی اقدام پر بھی مجبور کر سکتی ہے۔" انہوں نے وارننگ دی۔ ارشین خائف سی ہو گئی۔
"آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس لہجے میں میرے ساتھ بات کرنا ترک کر دیں۔ میں دھمکی اور شرائط کے ذریعے محبوب کو پانے کے عمل کو ہوس کا نام دیتی ہوں۔ محبت میں سب سے بڑی قربانی اپنی انا کی ہوا کرتی ہے۔"
وہ نفسیاتی وار کر کے انہیں پسپا کرنے کی حکمت عملی پر گامزن تھی۔
"ایک بات کہوں۔ اگر آپ تاب لا سکیں تو۔" وہ جان بوجھ کر بات چیت کا دورانیہ بڑھا رہی تھی۔
"کہہ دیجیے۔" وہ قدرے دھیمے پڑ گئے تھے۔ عجب قوت ہوتی ہے اس جذبے میں۔ بقول غالب، گالیاں سن کر بھی بے مزہ نہیں ہوتا۔
"اگر میرے دل میں آپ کی محبت کی چنگاری پھوٹ پڑتی تو پھر شاید حالات مختلف ہوتے مگر اب موجودہ حال میں قیامت تک ایسا ممکن نہیں ہے۔ میں نے آپ کو ایک اچھا شریف انسان سمجھ کر مناسب وقت سے بات کرنے کی اجازت دی تھی، اس سے زیادہ میری کچھ خطا نہیں نکلتی۔ میں کیوں آپ سے ڈروں۔" وہ جرأت سے بولی۔
دور بہت دور کہیں سے پولیس سائرن کی آواز آ رہی تھی اور ارشین کے جسم میں جیسے توانائی بھرتی جا رہی تھی۔ پروفیسر نچلا لب دبائے ناقابل فہم قسم کے بر فیلے درشت تیوروں سے اس کا چہرہ کھوج رہے تھے۔ ان کی سرخی گواہ تھی کہ وہ انتہا کے ضبط و برداشت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔
پھر وہ چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ارشین نے فاتحانہ نظروں سے انہیں دیکھا۔
"میں پولیس کے کھلونا ہتھیاروں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔" اس کے استہزائیہ تاثرات ملاحظہ ہوئے وہ جواباً کھردرے انداز میں گویا ہوئے۔
"صرف تمہاری پریشانی کے خیال سے پلٹ رہا ہوں وگرنہ میں بڑی آسانی سے یہ کہہ کر جان چھڑا لیتا کہ تمہاری گاڑی پنکچر ہو گئی تھی۔ میں ادھر سے گزرا تو ازراہ اخلاق مدد کی آفر کی جسے یہ کچھ اور سمجھ بیٹھیں۔ مصیبت تمہیں اٹھانا پڑے گی جب مزید تفتیش اور پوچھ گچھ کے لیے تھانے جانا پڑے گا اور اگلی صبح اخبارات میں مشہور ہونہار محترمہ کے متعلق تمسخرانہ رپورٹ شائع ہو گی۔" وہ بالکل بھی پریشان نہیں تھے۔

◆◆◆

چھٹی کا دن جب ہو گا۔
ہم خوب گھوما کریں گے
ہونٹوں پہ دن رات اپنی۔ چاہت کے نغمے کھلیں گے۔
بے چین دو دل ملیں گے۔"

حسب معمول ایف ایم ون ہنڈرڈ آن تھا۔ فلمی ٹریک چل رہا تھا اور سفیان اپنے کمرے میں کشن کے مینار سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے سرور کے عالم میں گیت سن رہا تھا۔ پاؤں کی انگلیاں بولوں کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہی تھیں۔
"سفیان! اسفی بیٹے!" لیکن سفیان تو مگن تھا۔ نینی کتنی ہی دیر ہونٹوں پہ محبت بھری مسکراہٹ دبائے اس کو تکتی رہیں۔
"سفیان بیٹے! نماز کا ٹائم نکل رہا ہے۔" انہوں نے ڈیک کا سوئچ آف کر دیا۔
سفیان ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھنے لگا یوں جیسے ان کی بات سمجھ میں نہ آئی ہو۔
"ظہر کی نماز نہیں پڑھو گے کیا؟" نینی نے قریب آ کر اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دوبارہ یاد دہانی کرائی تو جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"ارر۔ رے۔ تین بجنے والے ہیں سارے گئے۔ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" وہ ٹائم دیکھ کر سر پر پیر رکھ کر باتھ روم بھاگا۔ وضو کیا اور جلدی سے ٹوپی پہن کر مسجد کا رخ کیا۔ کچھ دیر بعد نماز سے فارغ ہو کر وہ آ گیا۔
"مہران شام کو آئے گا۔ آج ناظر کی سالگرہ ہے۔ مہران کو کسی ضروری کام سے پنڈی جانا تھا مگر وہ ناظر سے وعدہ کر کے گیا تھا کہ شام کو آؤٹنگ کے لیے باہر ضرور جائیں گے۔"
وہ سیڑھیاں اتر کر پر شکوہ سے سٹنگ روم میں آ گئے تھے۔
"اللہ کرے اب وہ وعدے کے مطابق پہنچ جائیں۔ ان کے بغیر مزہ نہیں آئے گا۔" سفیان صوفے پر بیٹھ گیا۔
"یہ الگ بات ہے کہ کوئی ضروری دفتری کام پڑ گیا تو دیر سویر ہو جائے ورنہ وہ وقت کا پابند اور ذمہ دار ہے۔ آپ کی گرمیوں کی چھٹیاں ہو گئی ہیں ناں۔ میرا تو آج آخری دن تھا۔ کل سے گھر پر ہوا کروں گی۔"
"جی ہاں۔ آج مابدولت کی پہلی پہلی چھٹی ہے۔" وہ صوفے پر نیم دراز ہو گیا مگر اس سے پہلے ٹیبل پر رکھا جدید جاپانی ریڈیو سیٹ آن کرنا نہ بھولا تھا۔
"اسی لیے چھٹی کے گیت سنے جا رہے ہیں۔" نینی آہستگی سے مسکرائیں۔ وہ ہنس دیا۔
"نینی! اگر آپ بھائی کے پاؤں میں شادی کی "زنجیر" ڈال دیں تو دیکھیے گا خود بخود اڑ کر گھر پہنچا کریں گے۔" اس نے جیسے بڑے غور و خوض کے بعد صلاح دی تھی۔
"شادی نہ کرنا یارو، پچھتاؤ گے ساری لائف۔" ایف ایم پہ پاپ سنگر حسن جہانگیر کا ٹریک چل رہا تھا۔
"نصیبہ کیا بینڈ باجا لگا دیا۔" نینی نے ناک چڑھا کر ریڈیو کو دیکھا۔
"سنیے تو نینی۔ کتنا بہترین مشورہ دے رہا ہے سنگر۔" سفیان نے شرارت سے نچلا ہونٹ دبایا۔
"مہران کی شادی اب ہو جانی چاہیے۔"
"گو نینی سویٹ! تو پھر سوچتی کیا ہیں۔ آج سے بلکہ ابھی سے میدان عمل میں قدم رکھ لیں۔" وہ ان کے پاس

آکرلاڈ سے ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔
"ایسا کرتے ہیں ان کے لیے چپکے چپکے لڑکیاں دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔" وہ بڑے پرجوش دمسرور سے مخاطب تھا۔
مگر نینی کا دل نہیں مانا۔
"اس طرح مجھے اچھا نہیں لگتا۔ جب تک مہران راضی نہ ہو تو خوامخواہ لڑکیاں دیکھنے کا فائدہ۔ مجھے بے حسی پر حیرت ہوتی ہے جو اپنے بیٹے کے لیے درجنوں بلکہ سینکڑوں لڑکیاں دیکھتے ہیں۔ ان کے گھر اور پھر کسی نہ کسی معمولی سی بات کو نکتہ اعتراض بنا کر لڑکی کو رد کر دیتے ہیں۔ یہ تو صاف لڑکی والوں کا... آخر ان کے بھی تو کچھ احساسات ہوتے ہیں۔ عزت تو سب کی سانجھی ہوتی ہے۔"
"ویسے میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا۔" سفیان نے وضاحت کی۔
"وہ اچھی سی لڑکی ہمارے اردگرد بھی تو ہو سکتی ہے۔" معاً سفیان کے ذہن میں کوندا سا لپکا۔ ایک مہربان شبیہہ تصور کے افق پر روشن ہو گئی۔ اس نے کچھ کہنے' بتانے کے لیے لب کھولے۔ پھر کچھ کہتے کہتے ہو گیا۔
"چلو تمہیں مل جائے یا نظر آئے تو ضرور بتا دینا۔" نینی نے اس کا دل نہیں توڑا۔
"ٹھیک ہے۔ آپ بس بھائی جان سے "راضی نامہ" لے لیجیے۔ پھر دیکھیے گا میرا کمال۔ ایک... کہ ساری دنیا دیکھے گی۔"
وہ کسی خوش نما تصور میں کھو کر بول رہا تھا۔ اسے اچھا نہیں لگا نینی کے سامنے نام لینا۔ قسمت کیا... سفر کرے گی یہ کسی کو کیا خبر۔ یوں بھی ابھی دونوں اطراف سے کوئی واضح "اشارہ" موصول نہیں ہوا... اس نے خاموشی مناسب سمجھی۔

◆ ◆ ◆

پولیس کارروائی کے سلسلے میں اسے آئی ٹین مرکز میں جانا تھا۔ دوپہر کام سے فارغ ہو کر واپسی کے لیے آئی ایٹ کی نسبتاً سنسان سڑک کا انتخاب کیا تھا۔
آگے آگے پولیس کی موبائل وین تھی اور پیچھے اس کی جیپ روانہ ہوئی تھی۔ وہ مگن سے انداز... کر رہا تھا۔ ڈرائیور کو ہمراہ نہیں لیا تھا۔ وہ زیادہ تر خود ڈرائیو کرنا پسند کرتا تھا۔
ضروری دفتری کارروائی سے نبٹ کر اسے سپر مارکیٹ بھی جانا تھا۔ آج ناظر کی برتھ ڈے تھی۔ اس... گفٹ لینا تھا۔ ارادہ تھا کہ سوٹ پیس کے ساتھ اس کے پسندیدہ میوزیکل گروپس کی کچھ کیسٹ... کر لے گا۔ سالگرہ منانے کے لیے شام کو چڑیا گھر کا انتخاب کیا گیا تھا اور یہ خالصتاً "ناظر کی چوائس کی... کی ٹیبل پر فیصلہ ہوا تھا۔
"اتنے عرصے سے کھلی فضا میں سانس نہیں لی۔ ذرا آؤٹنگ بھی ہو جائے گی۔" ناظر نے جوش و خروش... جتائی تھی۔
"جی ہاں۔ جی ہاں۔" سفیان نے بڑی شدومد سے سر ہلا کر بھول پن سے تائید کی تھی۔
"ویسے بھی ہر ایک کو اپنے آبائی گھر میں سالگرہ منانے کا حق حاصل ہے۔" چند ثانیے کو تو ناظر ہکا بکا... تھا۔ یونہی گومگو کی کیفیت میں اس کا منہ دیکھتا رہا تھا اور پھر جو بات کی تہہ تک پہنچا تو الاماں۔ سفیان آگے تھا اور ناظر میاں پیچھے۔
نینی بیچ بچاؤ کی کوشش کر رہی تھیں اور مہران کو اپنی ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔
وہ منظر یاد کر کے اس وقت بھی اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔ وہ مناسب رفتار سے... تھا۔

معاً اس کی عقابی نگاہ چند فرلانگ پر کھڑی دو گاڑیوں پر پڑی۔ ایک سفید کرولا تھی اور دوسری ریڈ آلٹو۔
سفید کرولا ــــ موبائل کے قریب پہنچنے تک اسٹارٹ ہو کر اسپیڈ پکڑ چکی تھی۔
مگر اس میں بیٹھنے والے کی ہلکی سی جھلک مہران کو پہچان کی منزل تک لے آئی۔ وہ دانیال بھائی تھے۔ موبائل وین ریڈ آلٹو کے قریب سے گزرتے ہوئے معمول کی رفتار سے آگے بڑھ گئی۔
مہران ابھی کچھ فاصلے پر تھا' اس لیے ریڈ آلٹو کے اندر بیٹھے کسی شخص پر نگاہ نہیں پڑی۔ جیپ جونہی نزدیک آئی گاڑی کی نمبر پلیٹ پر نگاہ گئی۔
"آئی بی ڈی 2028۔" اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ کسی غیر مرئی کی طاقت کے زیر اثر بے اختیار اس کا پاؤں بریک پر پڑا تھا۔ "معاملہ کیا ہے۔"
اسی اثناء میں وہ درخت کی اوٹ سے سامنے آ چکی تھی۔ ہلکے زرد لباس میں اس کا گھبرایا ہوا' مضطرب چہرہ بھی زرد سا لگ رہا تھا۔ چہرے پر پسینہ چمک رہا تھا اور آنکھوں میں الجھن بھری بے چینی۔ لمحوں میں مہران معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔
"ملاقات کے لیے یہ جگہ کچھ نامناسب نہیں ہے؟ کیوں محترمہ؟۔" اس کے تند خو انداز میں طنز اور حقارت کی واضح جھنکار تھی۔ اسے سامنے پا کر ارشین کے چہرے پر اطمینان سا جھلکنے لگا۔
"انہوں نے پلاننگ کر کے میری راہ روکی تھی۔ میری گاڑی کے ٹائر پنکچر کر دیے گئے ہیں۔"
ارشین اس کی آنکھوں میں لپکتے تحقیر و تنفر اور انداز کی رکھائی کو دیکھ کر گڑبڑا کر صفائی دینے لگی۔
"ہونہہ۔" مہران نے یوں شانے جھٹکے گویا اس کی بات پر سرے سے یقین نہ آیا ہو۔
"اخلاق و تہذیب بھی کسی چڑیا کا نام ہوا کرتا ہے محترمہ! میرا آپ کو مفت مشورہ ہے۔ اپنی نسوانی غیرت و ناموس کا ہی لحاظ کر لیجیے۔" وہ زہر خند ہوا۔ اسے ایسی بے ناموس و بے باک خواتین سے سخت چڑ تھی۔
"ایس پی صاحب!" احساس ذلت نے اس کا لہجہ چھلکا سا دیا۔ وہ ڈبڈباتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے ایسے شدید صدمہ ہوا تھا۔
"اتنی زیادتی اچھی نہیں ہوتی۔ آپ خود کو جانے کیا سمجھ کر اس طرح ـــــ"
"مجھے سبق پڑھانے کی کوشش نہ کریں محترمہ! میں آپ جیسیوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔"
اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ گویا اس پر برس پڑا۔ ہتک کے احساس نے ارشین کا چہرہ لال کر دیا۔
"پھر کیوں رکے ہیں مجھ جیسی کے پاس۔" وہ ہونٹ کاٹ کر بولی۔
"محض نینی کا خیال کرتے ہوئے۔" وہ خشک لہجے میں بولا۔
"اور اس لیے بھی کہ شہر والوں کی جان و مال اور ناموس کی حفاظت ہماری ڈیوٹی میں شامل ہے۔" وہ بے تاثر مگر سرد لہجے میں گویا ہوا۔
کچھ سوچ کر وہ بھی ناچار ٹھنڈی پڑ گئی۔
مہران نے گاڑی کا جائزہ لیا۔ اگلے دونوں ٹائر برسٹ ہو گئے تھے۔
"یہ تو اچھا خاصا لمبا کام ہے۔ آئیے آپ کو گھر پہنچا دوں۔" جا کر فون کر کے مستری کو بلوا لیجیے گا۔" وہ سپاٹ انداز میں بولا۔
"نہیں۔ اگر آپ نیکی کے موڈ میں ہیں تو براہ کرم فوری طور پر قریبی ورکشاپ سے مستری بلوا دیجیے۔ میں ٹائر بدلوانے کے بعد ہی جاؤں گی۔"
وہ اس کے ہمراہ گھر جانے کے خیال سے کترا کر بولی۔ بی بی جان یا بابا جان نے دیکھ لیا تو زندہ زمین میں دفن کر دیں گے۔
"آپ یہیں ٹھہریں۔ میں پانچ منٹ بعد آتا ہوں۔" مہران نے جیپ میں بیٹھتے ہوئے اسے ہدایت کی۔ محض دو

منٹ کی ڈرائیو کے بعد ایچ ایٹ کا پل تھا جہاں پیپسی کے کھوکھے کے ساتھ چھوٹی موٹی ورکشاپ بھی تھی
مستری کو ہمراہ لے کر وہ واقعی پانچ منٹ بعد واپس آ گیا تھا۔
مکینک نے دس پندرہ منٹ تک گاڑی کا اندر باہر سے اچھی طرح جائزہ لیا۔ پھر ٹائر بدلنے کے بعد
پون گھنٹہ لگا۔
وہ پسینے سے نچڑنے کو تھی۔
اگر آپ چاہیں تو جیپ میں بیٹھ سکتی ہیں۔" مہران نے آفر کی تھی مگر اس نے سڑک کے کنارے
درخت کے نیچے کھڑے ہونے کو ترجیح دی۔
"او سر جی! ٹائر تو بدل دیے ہیں مگر گاڑی اسٹارٹ نہیں ہو رہی۔ انجن میں کچھ فالٹ ہے۔ اسے
کھول کر چیک کرنا پڑے گا۔ شام تک ٹھیک ہو گی۔" مستری نے سر اٹھا کر اپنی ناکامی کا اعلان کیا۔
ارشین دھک سے رہ گئی۔
"اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔" مہران قریب آ کر رکھائی سے بولا۔ ارشین نے اچانک کلائی کی گھڑی
پھر وہ اچھل پڑی۔
"او خدایا!" زمین و آسمان اس کی نظروں میں گھوم کر رہ گئے۔ پونے چار بج رہے تھے اور وہ عموماً
پہنچ جایا کرتی تھی۔
پہلے پروفیسر دانیال سے ٹاکرے میں وقت ضائع ہوا، رہی سہی کسر گاڑی نے نکال دی تھی۔

◆◆◆

"ارے بھئی کون ہے جو بیل سے چمٹ ہی گیا ہے۔ دو منٹ صبر کر لو۔ توبہ ایک تو عدنان کا بچہ جانے
ہے۔" امبرین جھنجلا کر باہر آئی تھی۔ دوپہر کے ڈھائی بجنے والے تھے۔
امبرین، ارشین کی وجہ سے جاگ رہی تھی۔ وہ کالج سے آنے والی تھی اور بی بی جان امبرین کو گیٹ
کھانا دینے کی ذمہ داری سونپ کر سونے کے لیے چلی گئی تھیں۔
امبرین کو بڑی سخت نیند آ رہی تھی مگر مجبوراً لاؤنج کے تخت پر بیٹھی زبردستی آنکھیں کھلی رکھنے
کر رہی تھی۔
بیل پر وہ دوپٹہ کندھے پر ڈالتے ہوئے سست روی سے باہر آئی تھی۔
"السلام علیکم۔" گیٹ کی سائیڈ پر بنا چھوٹا دروازہ اس نے بڑی جھلاہٹ اور غصیلے پن سے کھولا
کھڑے آف وائٹ شلوار قمیض میں ملبوس فریش سے سعد کو دیکھ کر اس کی ساری کوفت اڑنچھو ہو گئی
"کیسے ہیں سعد بھائی؟" خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔
"آیئے۔ کب آئے پنڈی سے؟" وہ گیٹ بند کرکے اس کے پیچھے اندر آ گئی۔
"کل رات کو آیا تھا۔ تین دن کی چھٹی پر آیا تھا۔ گھر والے سب کدھر ہیں؟" وہ لاؤنج میں
نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ ویسے تو وہ خالی پورچ دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ "وہ" ابھی کالج سے نہیں
"یہیں ہیں۔ سو رہے ہیں۔" وہ پھیکے انداز میں مسکرائی۔ جانتی تھی۔ کل رات کا آیا ہوا سعد
دوپہر کو اور وہ بھی ارشین کی واپسی کے ٹائم پر کیوں آیا ہے۔
"آپی نے کچھ زیادہ ہی دیر کر دی ہے۔" وہ جھٹ پٹ لیموں کا اسکوائش بنا لائی تھی۔ سعد کو تھما
نے وال کلاک کی ڈھائی سے آگے بڑھتی سوئیاں دیکھ کر بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ انداز میں تشویش تھی۔
"ارشین کی چھٹیاں نہیں ہوئیں۔ تعلیمی ادارے تو غالباً بند ہو گئے ہیں؟" سعد نے پوچھا۔
"ان کا آج آخری دن تھا۔ کل سے گھر پر ہی ہوا کریں گی۔"

وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔
سعد کا نسبتاً نرم اور نارمل انداز تخاطب اس کے لیے سکون و سرور کا باعث تھا۔ پچھلی ملاقات میں اس کا حد
درجہ جارح اور کرخت رویہ دیکھ کر امبرین چکرا کر رہ گئی تھی۔
"دادا اور دادی گوٹھ سے کب واپس آ رہے ہیں؟" سعد کو ان کے بغیر گھر میں رونق اور کشش نہیں محسوس
ہو رہی تھی۔
"پچھلے ہفتے گئے ہیں۔ میرا خیال ہے ایک دو ہفتے تو مزید رہیں گے۔"
امبرین کو سعد سے مخاطب ہونا، اس کو جواب دینا کس قدر اچھا لگ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا وقت یہیں تھم جائے۔
اس نے چور سی نگاہ سعد پر ڈالی۔ آف وائٹ شلوار سوٹ میں اس کا لانبا سانولا پر کشش سراپا مزید نمایاں ہو رہا
تھا۔
"کتنی کشش ہے اس مضبوط اور بلند و بالا وجود میں۔" امبرین کے دل نے چپکے سے اعتراف کیا۔
"تمہارے سیکنڈ ایر کے پرچے کیسے ہوئے؟"
صاف لگ رہا تھا کہ وہ محض وقت گزاری اور انتظار کی بے چینی سے بچنے کے لیے ادھر ادھر کے سوالات کر رہا
تھا۔ تیور قطعی غیر متوقع تھے اور سماعتیں گیٹ کے آگے سے گزرنے والی ٹریفک کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ امبرین
اس کیفیت کو سمجھ رہی تھی۔
"بہت اچھے ہوئے۔ خلاف توقع۔" وہ ہنس پڑی۔
"آگے کیا ارادے ہیں؟" وہ اضطراب چھپا کر بولا۔
"آگے تھرڈ ایر میں ایڈمیشن لوں گی۔ آپی کے کالج میں۔"
"ساڑھے تین بج گئے ہیں۔ وہ آئیں نہیں صاحبزادی؟"
بی بی جان آنکھیں ملتے ہوئے ادھر آئیں اور جونہی لاؤنج کی گھڑی پر نظر پڑی انہیں جھٹکا سا لگا۔ لہجہ حسب
معمول کرخت اور بیزار کن تھا۔
"اب تو ڈیڑھ گھنٹہ اوپر ہو گیا ہے۔ ابھی تک نہیں آئی۔"
وہ ایک دم حواسوں میں لوٹ آئیں۔ ساری نیند بھک سے اڑ گئی تھی۔
سعد تو پہلے ہی اضطراب و تشویش میں مبتلا تھا۔
"کہیں پھر تو ادھر دفع نہیں ہو گئی۔ اس لونڈے کے گھر۔" کیا نام ہے اس کا سفیان۔" انہوں نے ماتھے پر ہاتھ
مار کر تلملاتے ہوئے کہا۔
"یہ کون صاحب ہیں؟" سعد کی حسیات یکبارگی جاگ گئیں۔
"ایس پی صاحب کے برادر محترم ہیں۔" امبرین نے طنزاً کہتے ہوئے بطور خاص سعد کو دیکھا جس کے ماتھے پر
شکن کی لکیریں نمودار ہو رہی تھیں۔
"اور ان کی کولیگ کے جگر گوشے بھی ہیں۔" اس نے گویا مکمل تعارف کروا دیا۔
"ارے میں تو پہلے ہی اس کے تیوروں سے کھٹک گئی تھی۔ میرا ماتھا تو اسی دن ٹھنک گیا تھا جب اس لونڈے کے
ساتھ آنا شروع ہوئے تھے۔ اور تو اور اس دن ماں کے ساتھ چھوٹا والا تو گھر تک بھی آ گیا تھا۔" بی بی جان متوحش
تھیں۔
سعد کی آنکھوں میں سرد سا تاثر جم گیا۔ وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر کچھ سوچ رہا تھا۔
"ارے اس کا نمبر دیکھو۔ کہیں لکھا ہوا ہو تو فون کر کے پتا کرو۔ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔"
بی بی جان کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئیں۔
"نمبر انہیں۔" میرا نہیں خیال انہوں نے گھر کا نمبر کہیں لکھ کر رکھا ہو۔ ان کی ساری ڈائریاں میرے سامنے ہی تو دھری

ہیں۔" امبرین نے پہلو تہی کی۔

"میں نے کہا سب کانوں میں تیل ڈال کر بیٹھ گئے ہیں۔ اتنی دیر سے چائے کے لیے آوازیں دے رہا ہوں۔"
بابا جان کی کھردری 'کڑک دار آواز پر سب ہی بوکھلا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ زوردار آواز کے ساتھ زینے
طے کرتے نیچے آرہے تھے۔ تیور بگڑے ہوئے تھے۔

"اور یہ تمہاری لاڈلی بھری دوپہر میں کہاں غائب ہے؟" لاؤنج کے بیرونی جالی دار دروازے سے
صاف دکھائی دے رہا تھا۔ انہوں نے پیشانی پر بل ڈال کر خشمگیں نظروں سے بی بی جان کو دیکھا تھا۔

"وہ۔ ابھی تک کالج سے ہی نہیں لوٹی۔" ان کا رنگ اڑ گیا۔ سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے
جواب دیا تھا۔

"کیا؟" بابا جان کے سر پر چھت آن رہی۔ بے اختیار نظریں وال کلاک کی سمت اٹھی تھیں۔
تھی۔

"گرمیوں میں اسکول 'کالج جلدی بند ہو جاتے ہیں۔ اس حساب سے تو اسے دو تین گھنٹے پہلے آجانا
تھا۔" بابا جان کے استفسار نے سب کا خون خشک کر ڈالا۔

وہ نامعلوم خدشات سے ڈولتا دل لیے باہر گیٹ پر نکل آئے۔ ارشین کے آنے جانے کے اوقات میں وہ زیادہ
تر اوپر کمرے میں بند ہوتے تھے اس لیے دیر سویر کا نوٹس کبھی نہیں لیا تھا مگر آج اتفاق سے وہ موجود تھے۔ ان کی
موجودگی بی بی جان کا دل دہلائے جا رہی تھی۔

◆◆◆

"مجھے گھر چھوڑ دیجیے۔" اس کا کلیجہ کسی سنگین صورت حال کے پیدا ہونے کے خیال سے کانپ رہا تھا۔
اسے یہ فیصلہ کرنا پڑا تھا۔ یہ علاقہ اتنا سنسان تھا کہ یہاں سے ٹیکسی یا ویگن کے گزرنے کا بھی امکان نہیں تھا۔
لامحالہ اسے رسک لینا پڑا۔

مہران نے ہونٹ بھینچ کر جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی پھر جیپ کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔
ایک غیر عورت کو وہ فرنٹ سیٹ پر اپنے ساتھ نہیں بٹھا سکتا تھا۔
یہ نینی کی تربیت کا اعجاز تھا کہ وہ اس درجہ پاکیزہ و محتاط طرز زندگی اپنائے ہوئے تھا۔
وہ پوری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھے ہوئے تھا۔
پچھلی سیٹ پر بیٹھی ارشین کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ انہونی کے خیال سے رگ رگ میں خوف سرایت کر رہا تھا۔ کیا
ہوگا؟

ایک نہیں دو دو گناہ تھے۔ اکٹھے دو گناہ۔ بنا بتائے دو گھنٹے کی قابل مذمت تاخیر۔
اور پھر غیر مرد کے ہمراہ آمد۔

"یا اللہ! میری مدد فرما۔" اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑنے لگے۔ بی بی جان اب تک نجانے کیا کیا الٹی سیدھی
ہوں گی۔ خوف سے اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ دل کی دھک دھک کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔
آج کل تو ویسے بھی وہ میری جانب سے سخت مشکوک ہو چکی ہیں۔ رانگ نمبرز کی بڑھتی ہوئی تعداد اور
جھٹ کرا سٹوڈیو میں لے جانا ان کی کھوجتی نظروں سے مخفی تو نہیں ہوگا۔
جوں جوں گھر قریب آرہا تھا اس کے ہاتھ پیروں سے جان نکلتی جا رہی تھی۔
وہ اس درجہ حواس کھو بیٹھی تھی کہ گھر سے کچھ فاصلے پر گاڑی رکوانے کا خیال ہی نہ رہا۔
اتفاق ایسا ہوا کہ اپنے دھیان میں گم مہران بھی اس "احتیاطی اقدام" کو فراموش کر گیا۔ یاد تب آیا جب گیٹ کے سامنے
بریک لگائی۔

"وہ۔ میں بھول ہی گیا۔ آپ کہاں اتریں گی؟"
وہ اپنے دھیان سے چونک کر اس کی سمت مڑا۔ وہ دہشت زدہ نظروں سے گھر کے گیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔
بے خیالی میں جیپ عین گیٹ کے آگے رکی تھی۔
گیٹ کا بغلی دروازہ کھلا ہوا تھا اور بابا جان باہر کھڑے تھے۔
"شکریہ۔" اس نے کانپتے لبوں سے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے چہرے سے پسینہ پونچھا اور بے جان قدموں
سے نیچے اتر آئی۔
وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ مڑ کر دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ آیا وہ موجود ہے یا چلا گیا ہے۔
مرے مرے قدموں سے وہ سر جھکائے لرزتی ہوئی گیٹ تک آئی تھی۔ بابا جان راستے سے ہٹ گئے تھے۔ وہ
اندر آگئی۔

"کون تھا یہ لونڈا؟" بابا جان دانت پیس کر دھیمے انداز میں غرائے۔
ان کی غراہٹ میں چھپی وحشت 'سختی اور درندگی اس کے ہوش اڑانے کو کافی تھی۔ ان کی آنکھوں سے
چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں۔
"بولو۔ کون تھا یہ مرد اور اس کے ساتھ تم کہاں گئی تھیں؟" اندرونی لاؤنج کے دروازے سے بی بی جان کا قہر
آلود 'غیض سے بھرا سراپا نمودار ہوا۔ ان کے پیچھے سعد کا پتھریلے اور سرد تاثرات سے سجا چہرہ نمایاں تھا۔ وہ بھی
اس کے جیپ سے اترنے کا منظر دیکھ چکا تھا۔

☾ ☾ ☾

"تم نے جواب نہیں دیا۔" بابا جان کے لہجے میں عجب طرح کی سختی 'درشتگی تھی۔ ان کے وہم و گمان میں
بھی نہ تھا کہ ان کی اولاد اس درجہ خود سر و بے حیا ہو سکتی ہے۔
"یہ کیا جواب دے گی۔" بی بی جان نے زہر سے بجھی نظروں سے اس کا سمٹا سکڑا لرزتا وجود دیکھا۔
"یہی تو وہ "وجہ" تھی جس کے لیے "سہیلی" کی آڑلی گئی تھی۔" مائیں عام طور پر اولاد کے عیوب باپ سے چھپا
جاتی ہیں۔ ممتا کا پردہ ڈال دیتی ہیں 'مگر بی بی جان ارشین کے معاملے میں رتی برابر گنجائش نہیں نکال سکتی تھیں۔
الٹا مزید بڑھا چڑھا کر بابا جان کے گوش گزار رہی تھیں۔
"بولو۔ کیا تمہارے منہ میں زبان نہیں ہے۔" بابا جان کی آنکھیں غیرت سے سرخ ہو گئیں۔ ان کا ہاتھ اٹھتے
اٹھتے رہ گیا۔

"یہ۔ یہ مہران آفریدی تھے۔ سفیان کے بڑے بھائی اور نینی کے بیٹے۔" سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ
اٹک اٹک کر گویا ہوئی۔ سر یوں جھکا ہوا تھا جیسے عظیم گناہ کر کے لوٹی ہو۔
"مگر تمہارا کیا لگتا ہے جو اس کے ہمراہ آئیں۔؟"
بابا جان پھنکارے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔
"صحیح کہتی تھی تمہاری ماں کہ اتنی آزادیاں نہ دو۔ اسے راس نہیں آئیں گی۔ میری آنکھوں پر ہی پٹی بندھ گئی
تھی۔"
وہ جلال کے عالم میں ٹہلنے لگے۔
"بس آج سے تمہارے سارے چکر ختم۔ کوئی ضرورت نہیں ہے ہمیں تمہاری کمائی کی۔ آرام سے گھر بیٹھو۔
اور کان کھول کر سن لو۔ گھر میں اب یہ بے حیائی نہیں چلے گی۔ غضب خدا کا کبھی نتھو آرہا ہے تصویر بنوانے تو کبھی
خیر دین۔ بس ختم کردو یہ سب کھڑاگ۔" ان کا لہجہ حتمی اور اٹل تھا۔
ارشین نے ہول کر ان کے غضب آلود چہرے کو دیکھا۔
"پلیز بابا جان۔" وہ منت سے بولی۔ "میرا گناہ اتنا بڑا تو نہیں ہے۔" وہ بے بسی سے سعد کی طرف دیکھ رہی تھی

جس کے چہرے پر بدگمانی، ناراضگی اور بیگانگی کے عکس نمایاں تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا
بھی تو اس کا گواہ نہیں تھا۔

"میری گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ پولیس وین ادھر سے گزری تو ایس پی صاحب نے اپنی والد
کے ناتے گھر پہنچانے کی آفر کی۔" وہ سسکتے ہوئے صفائی پیش کر رہی تھی۔

"تم گھر فون کر کے نہیں بتا سکتی تھیں؟" بابا جان کچھ مطمئن تو ہوئے تاہم ان کے لہجے کی کڑ
برقرار تھی۔ ارشین کو کچھ حوصلہ سا ہوا۔

"وہ روڈ بہت سنسان تھی اردگرد کوئی نہیں تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ میں اور کیا کر سکتی تھی۔"

"اسی دن کو کہتی تھی گاڑی کا عذاب نہ پالو۔"

بی بی جان نے سلگ کر اسے گھورا۔ "خوامخواہ کی مصیبت۔ تن تنہا گاڑی اڑا کے نکل کھڑی ہوا
کہتی ہوں کسی کی نیت خراب ہو جاتی تو۔ جوان جہان اکیلی لڑکی، ویران راستہ۔"

"ٹھیک ہے۔" بابا جان نے بات ختم کر دی۔ "اب کوئی ضرورت نہیں کہیں نکلنے
جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بابا جان پلیز۔" ارشین نے ان سے التجا کی۔

"آپ کو آئندہ شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔"

بابا جان کا کیا تھا۔ وہ تو جذبات میں آ کر بغیر سوچے سمجھے کسی بھی قسم کا انتہائی فیصلہ صادر فرما سکتے تھے
سے کیا اثرات و نتائج برآمد ہوتے۔ ان کی جانے بلا۔ گھر کے معاملات میں انہیں صرف اسی حد تک
سب لوگ ان سے خائف رہیں۔ ان کے مطیع و فرمانبردار رہیں۔ کوئی اونچی آواز میں بات نہ کرے
کے بغیر پتا بھی نہ ہلے۔ اس سے زیادہ انہیں کسی کی خوشی، مستقبل اور زندگی کے بارے میں کچھ
کے غلط اور ناروا فیصلے کا براہ راست اثر گھر کے مکینوں پر پڑتا تھا اور ارشین کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ
گھر والوں کے بہتر مستقبل کے لیے ہی تو اپنی ذات پر اتنے طوفان سہہ رہی تھی ورنہ وہ آرام سے
معاملات سے علیحدہ ہو کر شادی کر کے گھر بسا لیتی۔ اسی لیے وہ منت و سماجت پر اتری ہوئی تھی۔

"آپی! اندر تو آئیں۔ بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں۔" سانس روکے لاؤنج سے کھڑ
اسٹوڈیو کے دروازے سے لگی شاہین صورت حال نارمل ہوتے ہی بے تاب ہو کر باہر آئی تھی۔ اس
ہوئی ثمرین اور سپاٹ چہرہ لیے امبرین باہر نکلی تھی۔

ارشین سرتاپا پسینوں پسینے ہو رہی تھی۔ باہر غضب کی لو چل رہی تھی۔ اتنے پر حدت موسم میں کوئی
شخص ویسے ہی اپنے حواسوں میں نہیں ہوتا۔ شاہین اس کے زرد بے رونق چہرے اور بے حال انداز
دکھ سے اس کی سمت بڑھی تھی۔ اسے اس سارے معاملے میں بہن کی ذات قطعی بے قصور لگ رہی تھی
ارشین کی نظریں بابا جان کے خود پرست اور جابرانہ تاثرات والے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"اچھا بھئی جہنم میں جاؤ۔" انہوں نے جھلاہٹ سے کہتے ہوئے سیڑھیاں طے کرنا شروع کر دیں
آئندہ اگر میں نے تمہیں کسی چھوکرے کے ساتھ دیکھا تو میرے ہاتھ سے زندہ نہ بچو گی۔"

ان کی دھمکی رگوں میں خون جما دینے کو کافی تھی۔ نہ صرف ارشین بلکہ باقی لوگ بھی ایک لمحے کو ان
قطعیت پر سناٹے میں رہ گئے تھے۔

"تھینکس۔" ارشین نے سر جھٹکا۔ اس کے لیے فی الوقت یہی بہت کافی تھا کہ اس کے پر کٹتے کٹتے رہ گئے تھے

"آپی! یہ لیں پانی۔" شاہین جھٹ پٹ پانی لے آئی اور محبت سے اسے تھمایا۔

"آپ کہاں چلے سعد بھائی! بیٹھیں گے نہیں؟" کڑے تیور لیے ہونٹ کاٹتے سعد نے اٹھنے
تو لے تو امبرین نے بطور خاص اسے مخاطب کیا۔

نہ جانے کیا بات تھی اس ساری افسوس ناک صورت حال سے اسے کسی قدر آسودگی محسوس ہو رہی تھی

"آج محترمہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔" چاہت کا بت دھڑام سے ٹوٹ گیا ہو گا۔" وہ فخر و ناز سے مسکراتے ہوئے سوچنے لگی۔ "اب تو
موصوف نے خوشی تھی کہ اس کی ذاتی محنت کے بغیر ہی سعد ارشین سے بدگمان ہو گیا تھا۔ اور بدگمانی کا پیڑ بڑی جلدی
اسے تور ہو کر نفرت کا پھل دینے لگتا ہے۔

"سعد! تم کیا سمجھ رہے ہو؟" ارشین نے اضطراب سے سعد کے رنگ بدلتے چہرے کے تاثرات نوٹ
کیے۔ اس کے لہجے میں تاسف اور ملال رقص کر رہا تھا۔ سعد نے ایک جلتی ہوئی شاکی نگاہ اس پر ڈالی اور تیز تیز
قدموں سے باہر نکل گیا۔ بی بی جان بک جھک کر کچن میں جا چکی تھیں۔
عدنان بے نیازی سے لاؤنج میں ٹی وی لگائے کرکٹ میچ دیکھ رہا تھا۔
ثمرین صوفے کی پشت تھامے سہمے سہمے معصوم نظروں سے ساری صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔
امبرین لاتعلقی سے تخت پر بیٹھی ناخن کاٹ رہی تھی۔
ایک فقط شاہین تھی جو پانی کا جگ لیے ہمدردانہ انداز میں اس کے پاس بیٹھی تھی۔ ارشین نے اپنا چکراتا ہوا سر
تھام لیا۔ گھر کے درو دیوار سے پھوٹتی بیزاری، بے گانگی اور تحقیر و تنفر کے کوڑے روح پر برستے محسوس ہو رہے
تھے۔
وہی جگہ، وہی لوگ، وہی لمحات، جن میں وہ اعتماد و بے نیازی سے باتیں کرتی، کام کرتی، ادھر ادھر حرکت کرتی
چلتی پھرتی نظر آتی تھی آج انہی کے بیچ وہ چور بنی بیٹھی تھی۔ اسے اپنے وجود کے ہونے کا یقین محال لگ رہا تھا۔
یوں لگ رہا تھا جیسے یکلخت اس ماحول میں بہت تکلف در آیا ہو۔ وہ یہاں ایزی محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اپنائیت
کا وہ احساس جو اپنے گھر سے مشروط ہوتا ہے۔ وہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے یہ درو دیوار اس کا
مذاق اڑا رہے ہوں۔ جیسے وہ اپنے ہی لوگوں کی نظروں سے گر گئی ہو۔ بہت تکلیف دہ تھی یہ صورت حال اجنبیت اور
بے گانگی کے چھرے اس کے وجود کو مضروب کیے دے رہے تھے۔
میری ذات کا وہ اعتماد جس پر کبھی مجھے مان ہوا کرتا تھا وہ کہاں گیا، ہزار مصائب کے باوجود میری وہ بے فکری وہ
خوش باشی، وہ خوش مزاجی کہاں کھو گئی۔ وہ شکستگی کے عالم میں تخت پر بیٹھی ہاتھوں کی لکیریں کھرچ رہی تھی۔

"آپی! کیا سوچ رہی ہیں۔؟" شاہین نے اس کا کندھا ہلایا۔

"چلیں۔ منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لیں۔ میں نے آپ کے لیے کھانا لگا دیا ہے۔" شاہین اپنائیت کے ساتھ
ہمدردی سے مخاطب ہوئی۔

اس نے خالی خالی نظروں سے شاہین کو دیکھا۔ شاہین نے بڑے پن سے اس کے رخسار سہلائے۔

"جو ہوا سو ہوا۔ بھول جائیں آپی! بی بی جان اور بابا جان کی طبیعت سے تو آپ اچھی طرح سے واقف ہیں۔
انہیں عادت ہے ڈرامے کرنے کی۔ کسی کی عزت نفس کی تحقیر کے لیے بے بنیاد الزامات کے بازار سجانے کی۔
باش۔ آپ اٹھیں۔ دل پر نہ لیں آپی۔ آپ تو بہت بہادر ہیں۔"
دور کہیں بہت دور سے ڈھیر سارے آنسو ایک ساتھ ارشین کی آنکھوں سے چھلک پڑے وہ شاہین کا مہربان
وجود سینے سے لگا کر بلک بلک کر رو دی۔
شام کے سائے بتدریج گہرے پڑتے جا رہے تھے۔
شاہ خاور پچھم کی سمت اپنا سفر تیزی سے طے کر رہا تھا۔

◆ ◆ ◆

"جائیں۔ میں نہیں بات کر رہا آپ سے۔ اتنا لیٹ آئے ہیں۔ ہم لوگ کب سے انتظار کر رہے تھے۔" مہران
کا بار ا شام کو ناظر کے تحائف سمیت گھر میں داخل ہوا تو سب سے پہلے ناظر کا لٹکا ہوا خفا خفا چہرہ سامنے پڑا۔ وہ
مسکرا دیا۔
"سوری یار!" ذہنی الجھن اور تھکاوٹ کے باوجود وہ ناظر کو خوش کرنے کے لیے بشاشت سے بولا اور اس کا شانہ

تھپتھپایا۔
"مجھے کچھ دیر ہو گئی۔ خیر۔ ابھی اتنا وقت نہیں گزرا۔ چھ ہی تو بجے ہیں۔" مہران نے گھڑی دیکھی۔ "گرمیوں میں تو ویسے بھی لوگ دیر سے باہر نکلتے ہیں۔ سب تیار ہیں ناں۔"
وہ ایک ہاتھ سے ناظر کو تھامے اندر چلا آیا۔ جہاں نینی اور سفیان بالکل تیار بیٹھے تھے۔ اس ہوئے اپنی کیپ اتار دی۔
"کہاں رہ گئے تھے بیٹا! میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی۔"
ہلکی آسمانی کلر کی ساڑھی میں ملبوس اپنے پروقار سراپے سمیت نینی نے بڑی محبت سے اس سے
"آپ کی وجہ سے مجبوراً "مروت نبھانا پڑی نینی۔۔۔" وہ حد درجہ بیزار کن لہجے میں کہتا ہوا صوفے پر
"کیا مطلب؟۔"
"وہ محترمہ۔" مہران نے پیشانی مسلی۔
"کیا نام ہے ان کا۔ ارشین صاحبہ۔" اس نے جیسے کوئی کڑوی گولی نگلی تھی۔ "وہ راستے میں ٹکرا لہجے میں سخت کوفت کا عنصر تھا۔
"کیا آپ سے؟۔" سفیان نے بے تابی سے استفہام داغا۔
"یعنی کہ بذات خود۔" اس بھولپن میں قطعی شرارت پنہاں تھی۔
جواب میں مہران نے اسے سرد و سخت نظروں سے گھورا۔
"وہ میرا مطلب ہے کہ۔۔۔" وہ بھائی کی تنبیہہ پر کھسیا گیا۔
"پھر کیا ہوا۔ یعنی یہ حادثہ کیسے ہوا؟۔" ارشین کی ذات سے متعلق ہر بات سفیان کے لیے ازحد د تھی۔
"بھئی۔ ان کی گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ اخلاقاً "مجھے گھر ڈراپ کرنا پڑا۔"
مہران نے مختصراً "بتا کر جان چھڑائی۔ نینی کی مشتاق نظریں اسے بری طرح محسوس ہو رہی تھیں۔ دلچسپی سے اس کا بیان سن رہی تھیں۔
"آپ کا "اخلاق" قابل ستائش و باعث صد فخر ہے بھائی جان۔" سفیان کی شوخ و معنی خیز آواز مزاج کی چلبلاہٹ پھوٹی پڑ رہی تھی۔
"سفیان!" معاً "مہران نے سرد انداز میں اس کی سمت دیکھا۔ چہرے پر پتھریلا جمود اور لہجہ بالکل مہران کا خاص انداز تھا جو اس کے انتہا درجے کے غصیلے موڈ کا پتا دیتا تھا۔
سفیان ایک دم سہم کر چپ ہو گیا۔ وہ بھائی کی شخصیت کے تمام رنگوں سے بخوبی آشنا تھا۔
"آپا کی گاڑی ٹھیک ہو گئی ہو گی یا نہیں۔ نینی میں فون کر کے ان کی خیریت معلوم کرلوں؟۔" سفیان پڑا تو ملتجی سے انداز میں نینی سے مخاطب ہو گیا۔
مہران چینج کرنے کے لیے اٹھ کر اوپر جا چکا تھا۔
"بیٹے! مناسب معلوم نہیں ہوتا۔" نینی تذبذب کا شکار تھیں۔
"کیا مطلب؟۔" سفیان اپنی سادہ مزاجی کے مطابق حیرانی سے پوچھنے لگا۔ "وہ میری آپا ہیں۔ بہن ہیں۔ صرف سلام دعا ہی تو کرنی ہے۔ اس میں اعتراض والی کون سی بات ہے؟۔"
"تم نہیں سمجھو گے میرے چاند!" نینی حسب عادت مشفقانہ لب و لہجے میں گویا ہوئیں۔
"تنگ دل اور محدود ذہنیت والے لوگ عمر و مرتبہ اور رشتے کی نوعیت نہیں دیکھتے ان کے لیے مخالف" کی موجودگی و ملاپ اہم نکتہ ہوتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر نوجوان نسل کے کردار و اخلاق کا ہیں۔"
"نینی! مجھے یقین ہے ارشین آپا جیسی نفیس و اعلا مزاج کی لڑکی کے گھر والے ایسے ہرگز نہیں ہوں

ہمارے گھرانے سے توان کی اتنی جان پہچان ہو چکی ہے۔ پلیز اجازت دے دیں ناں۔"
سفیان پر اس وقت "آپا" سے بات کرنے کا بھوت سوار تھا۔
"ٹھیک ہے۔ میں کب منع کر رہی ہوں۔" سچی بات تو یہ تھی کہ نینی کو اپنی آنکھوں کے نور اتنے عزیز تھے کہ انہیں انکار کر ہی نہ سکتی تھیں۔ اجازت پا کر سفیان چھلانگیں مارتا ہوا فون کے اسٹینڈ تک پہنچا تھا۔
"جی ارشین آپا سے بات ہو سکتی ہے؟۔" سلسلہ ملنے پر سلام کے بعد اس نے بڑے شائستہ اور مودب لہجے میں استفسار کیا تھا۔
"کون بول رہے ہو تم؟۔" ادھر سے کچھ ساعت بعد ایک کھردری 'کھوجی' ترش نسوانی آواز کان میں پڑی۔
"جی میں سفیان بات کر رہا ہوں۔" سفیان نے ان کے دل دہلا دینے والے غضب آلود لہجے سے گڑبڑا کر جواب دیا۔
"ہونہہ!" ادھر سے غراہٹ ابھری جیسے بھوکا شیر دھاڑا ہو۔
"نہیں ہے وہ گھر پر۔ اور خبردار جو آئندہ یہاں فون کیا۔ چلے آتے ہیں لوفر، لفنگے منہ اٹھا کر۔" ریسیور ایک زوردار آواز کے ساتھ پٹخ دیا گیا تھا۔
"لوفر، لفنگے؟۔" سفیان کو یوں لگا جیسے آگ کا آہنی گرز پوری قوت سے اس کا بدن رگیدتا ہوا گزر گیا ہو۔
"کیا ہوا بیٹے۔ بات نہیں ہوئی کیا۔؟" اسے پتھر کے بت کی طرح ساکت و صامت ریسیور ہاتھ میں لیے دیکھ کر نینی فکرمندی سے اس کی طرف بڑھیں۔
"سفیان۔! میرے چاند۔" انہوں نے بت بنے سفیان کے ہاتھ سے ریسیور لے کر گھبرائے ہوئے انداز میں اسے پکارا۔
"کیا ہوا بچے؟۔"
"کچھ نہیں نینی۔" وہ یکدم اپنے حواسوں میں لوٹ آیا۔
"وہی ہوا۔ جو آپ نے ابھی کچھ لمحے پیشتر مجھے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں چلتا ہوا صوفے کی پشت پر آگیا۔ لہجہ خالی خالی سا تھا۔ چہرے کی رونق اور بشاشت یک لخت مفقود ہو گئی تھی۔
"یہ شک 'اتنا ظالم' اتنا زہریلا اور شعلہ ساماں کیوں ہوتا ہے نینی۔؟" اس نے اپنے چہرے سے پسینہ پونچھتے ہوئے عجب افسردگی سے دریافت کیا۔ وہ صوفے پر نیم دراز ہو گیا تھا۔
"اتنی جلدی پھیل جاتا ہے اور پل بھر میں محبت، اعتماد اور مان و یقین کے محل جلا کے راکھ کر دیتا ہے۔"
"دور ہی کچھ ایسا آگیا ہے میرے بچے۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس لی۔
"اچھا اب تم اٹھ جاؤ۔ سامان تو ناظر گاڑی میں رکھ چکا ہے۔ جوگر پہن لو۔ مہران تیار ہو کر آتا ہو گا۔ شام گہری پڑنے لگی ہے۔"
"ارے۔ وہ ایف ایم پر چلنے والی مقبول کیسٹس کا سیٹ تو لاؤنج میں ہی پڑا ہے۔" وہ سرعت سے اٹھ بیٹھا اور ہاتھوں سے بال درست کرتا ہوا تفکر سے گویا ہوا۔
"سفیان میاں! آپ آج کی تاریخ میں باہر تشریف لے آئیں گے یا۔۔۔" باہر گاڑی کے پاس منتظر کھڑا ناظر تلملا کر اندر آگیا تھا۔
"بس قبلہ و کعبہ! ہم آنا ہی چاہتے ہیں۔ وہ کیسٹس تو لے لو یار۔"
"ارے یہ تو یہیں رہ گئیں۔" ناظر نے جھپٹ کر اٹھالیں۔ ایک دو دوسری بھی تھیں۔
"یار وہ والا گانا ضرور چلانا ڈیک پہ۔" سفیان نے ناظر کے ہمراہ باہر نکلتے ہوئے یاد دہانی کروائی۔
"جنگل میں منگل تیرے ہی دم سے۔"

"ہاں۔واقعی۔" ناظر جی جان سے خوش ہو گیا۔
"موقعے کی مناسبت سے بہت اچھا لگے گا۔ چڑیا گھر کا سرسبز ماحول اور آج کی شاندار تقریب کا اہتمام۔" ... نے جیسے تصوراتی مزہ لیا۔ سفیان ہنس تو دیا مگر لاشعوری طور پر اس کا ذہن بھٹک بھٹک کر ارشین کی طرف ...

◆ ◆ ◆

وہ تمام دنیا کے واسطے' جو محبتوں کی مثال تھا
وہی اپنے گھر میں تھا بے وفا' یہ کبھی کسی کو خبر نہ ہو
میرے پاس جتنی ہے روشنی' ہے یہی چراغ زندگی
میں کہاں جلا میں کہاں بجھا' یہ کبھی کسی کو خبر نہ ہو

ارشین نے تھکی تھکی سی سانس کھینچ کر بیڈ ... سے ٹیک لگائی تھی۔
"توبہ۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی ارشی کہ نجانے کیا قیامت ٹوٹ پڑی۔" نازو نے حقیقت حال جان ... سکون سے کہا۔
"تم کب آئیں سسرال سے؟۔"
"کل رات کو آئی تھی۔ غالباً ساڑھے دس کا ٹائم ہو گا۔ اس لیے ادھر نہیں آئی۔ سوچا اب صبح ... ابھی لاؤنج میں بی بی جان اور امبرین بیٹھی مل گئیں۔ بی بی جان کا بگڑا بگڑا موڈ دیکھ کر سچ مانو میری تو جان ... تھی۔ امبرین سے رازداری سے دریافت کیا تو اس نے توڑ مروڑ کر واقعہ سنایا۔"
پھر نازو نے کوفت سے سر جھٹکا۔
"چھوڑو یار! کیوں دل پر لیتی ہو۔ ایک معمولی سی بات کو تمہارے گھر والوں نے بڑھا چڑھا کا عجیب ... دے کر تمہیں مجرم بنا دیا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا۔" نازو نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔
"اس گھر میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس میں شاذ ہی کسی 'لاجک' کا عمل دخل ہوتا ہے۔"
وہ بے دلی سے مسکرائی۔
"یہاں ہر واقعے کو خود ساختہ اصول و قوانین کی روشنی میں پرکھا اور جانچا جاتا ہے اس کے بعد کسی کے بے گناہ ہونے کا فیصلہ صادر ہوتا ہے۔" اس کے لہجے میں کانچ کی سی کرچیاں بکھر گئیں۔
"ویسے معاف کرنا۔ امبرین کے خود سر اور باغیانہ تیور مستقبل کے کسی افسوس ناک سانحے کی نشاندہی ... ہیں۔ تم لوگ اسے سمجھاتے کیوں نہیں۔ بہت تنک چڑھی بلکہ سر چڑھی ہوتی جا رہی ہے۔ سعد بھی کچھ ... یہی کہہ رہا تھا کہ بی بی جان کو امبرین کی سرکشی کا نوٹس لینا چاہیے۔"
"وہ بدتمیز نہیں ہے نازو!" ارشین کے دل میں امبرین کے لیے نرم گوشہ ابھی بھی موجود تھا۔ "محرومی ... اور بے جا روک ٹوک نے اسے ضدی بنا دیا ہے۔"
"تم نے اسے بیٹی بنا کر شہزادیوں کی طرح اس کے لاڈ اٹھائے ہیں تم تو یہی کہو گی۔" نازو قائل نہ ہوئی۔ ... امبرین کے بد لحاظ رویوں سے شاکی ہیں۔ سچ پوچھو تو وہ سعد کے رشتے کے سلسلہ میں کچھ سوچنے پر مجبور ہو ... سعد تو پہلے ہی انکاری تھا۔ اب امی بھی۔"
نازو نے چور نظروں سے ارشین کو دیکھا مبادا بہن کے حوالے سے ایسی مایوس کن بات سن کر وہ بدظن ... گمان ہو گئی ہو۔
"یہ سب قسمت کے کھیل ہوتے ہیں نازو۔"
نازو کی توقع کے برعکس وہ بڑے پرسکون اور ہموار انداز میں گویا ہوئی تھی نازو نے اطمینان کی سانس لی۔
"دیکھو ناں۔ شادی بیاہ کوئی کھیل تو نہیں ہوتا۔ ساری زندگی کا ساتھ ہے۔ سعد کہتا ہے 'میری اور اس کی ... اپروچ میں ہزار نوری سالوں کا فرق ہے۔ وہ بے صبری' سطحی مزاج' خود غرض اور کم حوصلہ لڑکی ہے۔"

... بشات کی غلام ..." سعد کے نکتہ نظر پر وہ دکھ سے نازو کو دیکھ کر رہ گئی۔ "اسے حالات نے ایسا بنا دیا ہے ... ایسی تو نہیں ہے وہ۔"
ارشین نے امبرین کی پرزور حمایت کی۔
"... ہم بھی تو ان ہی حالات میں پل کر جوان ہوئی ہو۔" نازو نے اسے لاجواب کر دیا۔ "پھر شاہین بھی ہے۔ ماشاء ... سلجھی ہوئی۔ مدبر اور صابر لڑکی ہے۔"
"بڑی ... بھی کبھی ایسی ہی ہوا کرتی تھی نازو۔" ارشین کہیں دور خلاؤں میں دیکھ رہی تھی۔
"امبرین ... کچھ جذبے اتنے طوفان خیز اور بے اختیار ہوتے ہیں کہ انسان سے اس کی ہستی کی ہر ادا چھین لیتے ہیں۔ مزاج ... موسموں کو بدل ڈالتے ہیں۔ سوچ اور رویے پر اثر انداز ہونے لگتے ہیں۔"
پھر ایک دم ہی جیسے اس کے تخیل کے پردے میں ایک سایہ سا لہرایا۔ پرجوش' مستحکم ارادوں کا مالک۔ ایک دیوانہ' چاہ میں حد سے گزر جانے کی خواہش رکھنے والا خود سے بے گانہ شخص۔
معاً اس کے جسم و جاں میں خوف و دہشت کی پھریری سی دوڑنے لگی۔
"نازو!" اس نے ہیجانی انداز میں اپنے برابر بیٹھی نازو کا کندھا ہلایا۔
"وہ۔ وہ۔ مجھے بتاؤ میں اس پروفیسر کا کیا کروں۔ وہ میری زندگی تباہ کر ڈالے گا نازو۔ میں ایک مہیب طوفان کو اپنی ... بڑھتا دیکھ رہی ہوں۔ ایسا طوفان جو "بخاری لاج" کی ایک ایک اینٹ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔" اس ... لہجے سے دہشت ٹپکنے لگی۔ چہرے پر موت کی سی زردی چھا گئی تھی۔
"ہوش کرو ارشین! یہ وقت جوش سے نہیں ہوش سے کام لینے کا ہے۔" نازو نے فہم و فراست کا مظاہرہ کرتے ... ہوئے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔
"میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے۔"
"ہاں۔ بولو۔" ارشین نے بے تابی سے اس کا چہرہ کھوجا۔
"تم پروفیسر صاحب کی مسز سے بات کرو۔ ان کو ساری صورت حال اور اس کے مضمرات و ثمرات کے بارے میں ... کرو۔"
"ہاں تم درست کہہ رہی ہو۔ وہ ایک نیک اور ہمدرد خاتون ہیں۔" ارشین کو اس کا مشورہ بہت مناسب لگا۔
"میرا خیال ہے موجودہ صورت حال میں وہی مجھے بہتر طریقے سے گائیڈ کر سکتی ہیں۔"
"... نینی سے تمہارا کوئی رابطہ ہوا؟۔"
نازو نے پلیٹ سے چپس اٹھاتے ہوئے برسبیل تذکرہ پوچھ لیا۔
"ہاں۔ اور اس رابطے کا بڑا "شاندار" جواب بی بی جان نے دیا تھا۔ ایسا شاندار کہ شاید عمر بھر وہ بچارا دوبارہ کال ... کرے گا۔"
ارشین کے چہرے پر دھواں پھیلنے لگا۔ آنکھوں میں نمی اترنے کو تھی۔ پھر اس نے کل شام کا فون والا واقعہ نازو ... گوش گزار کر دیا۔
"نازو۔ آخر بی بی جان کیا چاہتی ہیں؟۔" وہ بے بسی سے بولی۔
"... جس کی ذات سے مجھے تھوڑا ریلیف' تھوڑی خوشی حاصل ہوتی ہے اسی کو کسی نہ کسی بہانے سے مجھ سے دور ... کیا ہے۔ مجھے یقین ہے یہ موجودہ "کھڑاگ" بھی انہوں نے مجھے نینی کی فیملی سے میل ملاپ سے روکنے کے ... لیا ہے۔ پہلے امبرین' میری غمگسار' میری سب سے عزیز ہستی کو مجھ سے متنفر کیا۔ اب سفیان جیسے مخلص بھائی ... چھین لیا۔ آخر میرا قصور کیا ہے۔ کیا میں اس درجہ قابل نفرت اور ناپسندیدہ شخصیت ہوں ان کے لیے؟۔"
"... بکھیرنے کو تھی۔ شدید ذہنی اذیت ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔
"... کیا انہیں میری ہنسی' میری بے فکر شکل' میری خوشی اتنی ہی کھٹکتی ہے؟ کیسی ماں ہیں وہ۔ خدا جانے وہ میری ... ہی میری بیا۔" ارشین کے لہجے سے حسرت' تاسف اور تلخی برس رہی تھی۔

"بات یہ ہے مائی ڈیر کہ بی بی جان تم پر اپنا تسلط جمائے رکھنا چاہتی ہیں۔ تمہارے والدین چاہتے ہیں ہر خوشی و غمی کا براہ راست تعلق ان کی ذات سے مشروط رہے۔ تم لوگ ہنسو ان کی مرضی سے ان کی خوشی کی وجہ سے اور اگر روؤ تو بھی تو انہی کی طرف سے عطا کردہ دکھ پر۔ وہ دراصل کسی قسم کی ... برداشت نہیں کرپاتے۔ اسی لیے اپنے بچوں کی پسندیدہ چیزوں، مشغلوں اور دوستوں سے بیزار ہوجاتے ہیں" پھر نازو بے ساختہ ہنستی ہوئی مذاقاً بولی۔

"میں تو اس دن کی منتظر ہوں جب بی بی جان مجھے تمہیں بہکانے کے الزام میں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کردیں گی۔"

"ایسا تو نہ کہو۔" اپنے گھریلو سسٹم کا مضحکہ اڑتے دیکھ کر ارشین کو دلی تکلیف ہوئی۔ لیکن بہرحال یہ سچ تھا کہ نازو جو بھی کہہ رہی تھی سچ ہی کہہ رہی تھی۔

"آہ۔ کیا نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ گھر کی داستانیں سرعام نشر ہونے لگی ہیں۔" نازو کے جانے کے بعد بستر پہ لیٹتے ہوئے تاسف سے سوچنے لگی۔ اسے رہ رہ کر کل کی فون کال کا خیال آرہا تھا۔ سفیان کس قدر ... ہوگا۔ اور نینی نے میرے گھر والوں کے بارے میں کیا سوچا ہوگا۔ اب کس منہ سے اس گھر میں دوبارہ

◆ ◆ ◆

"شاہین!" وہ دوسرے دن شام کو چوروں کی طرح اپنے اسٹوڈیو سے باہر آئی تھی۔ آج سے کالج کی چھٹیاں تھیں اس لیے وہ صبح سے گھر پر ہی تھی۔ نازو کے جانے کے بعد وہ کافی دیر تک اپنے بکھرے ہوئے حواس مجتمع کرنے کے بعد فیصلہ کن مضبوط انداز میں بستر چھوڑ کر اٹھی تھی۔ نہا دھو کر ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد بھی دیر سوچوں میں ڈوبی رہی۔

پھر سر جھٹک کر باہر آئی۔ لاؤنج میں جو کہ بی بی جان کی مخصوص جگہ تھی وہاں وہ موجود نہیں تھیں۔ آکر چائے بنانے کے بعد شاہین کے پاس آکر پوچھنے لگی۔

"بی بی جان کہیں گئی ہوئی ہیں؟۔" اس نے دھیمی آواز میں سر جھٹکا کر پوچھا۔ بے شک اس نے اپنا اعتماد بحال کر کے حالات کا بہادری سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا مگر پہلی سی بات۔ بہرحال ایک عجیب سی جھجک اپنے گھر کے درودیوار سے پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔

"پچھلی گلی میں کوئی مرگ ہوگئی ہے ادھر گئی ہیں عدنان بھائی کے ساتھ۔"

"اچھا۔" کچھ سوچ کر اس نے شانوں اور سر پر دوپٹہ درست کیا اور لاؤنج کا دروازہ کھولنے لگی۔

"میں رقیہ آنٹی کے ہاں جارہی ہوں۔ وہ آئیں تو بتادینا۔"

ویسے تو اس کے جانے کا کوئی خاص جواز نہیں بنتا تھا۔ کل شام کو سعد آیا تھا اور آج صبح ہی نازو ... مگر اس پر دراصل سعد کی خفگی کا بوجھ تھا۔

وہ جانتی تھی وہ اس سے شدتوں سے ناراض تھا۔ مخلص و سادہ دل اور اپنائیت سے لبریز طبیعت رکھنے والا سا بندہ ارشین سے بہت قریب تھا۔ دونوں بچپن سے اکٹھے کھیلے، پڑھے اور جوان ہوئے تھے ... احساسات کو بغیر کہے پڑھ لیا کرتا تھا۔ بوقت ضرورت دونوں نے ایک دوسرے سے بہت کچھ شیئر کیا تھا ... لیے تھے۔ غمگساری کی تھی۔ ارشین سعد کو خفا اور بدگمان نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"آج صبح ہی تو نازو باجی مل کر گئی ہیں اور اب تو وہ شاید اپنے سسرال بھی جاچکی ہوں۔" امبرین نے چبھتے ہوئے تلخ انداز میں ارشین کے وہاں کے قصد پر ناگواری کا اظہار کیا۔ وہ ارشین کے جانے کا مقصد سمجھ گئی تھی۔

"میں نازو سے ملنے نہیں جارہی۔ گیٹ بند کرلو۔" ارشین عجلت بھرے انداز میں باہر نکل گئی۔

"السلام علیکم آنٹی! کیسی ہیں آپ؟"

سامنے ہی میتھی صاف کرتی رقیہ آنٹی نظر آگئی تھیں۔ شام کے سائے سرسبز لان میں بڑی ... تھے۔ فضا میں حدت اور تپش بتدریج کم ہو رہی تھی۔ آنٹی لان میں لگے گھنے آم کے درخت کے نیچے چوکی پر بیٹھی

"وعلیکم السلام۔ آؤ بیٹی۔ جیتی رہو۔" انہوں نے میتھی کی گٹھی کھولتے ہوئے خوش دلی سے جواب دیا۔

"بڑے دنوں بعد آئی ہو۔ کیا مصروفیت بڑھ گئی تھی۔؟"

انہیں بخاری لاج کے تمام بچوں میں سے ارشین سے خصوصی انس اور لگاؤ تھا۔ اس کی عادات شروع سے ہی پختہ، مدبرانہ اور ذہانت سے لبریز تھیں کہ بے اختیار پیار آنے لگتا تھا۔

"بس کچھ ایسی ہی بات ہے۔" ارشین نے گول مول انداز میں جواب دیا۔

"خیر اب تو کالج میں موسم گرما کی چھٹیاں ہوگئی ہیں۔ تمہیں کچھ آرام نصیب ہوجائے گا۔"

"جی۔ آنٹی! نازو چلی گئی؟۔" ارشین نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں دوپہر میں ناصر میاں آئے تھے۔ میرا تو ارادہ تھا دو چار دن تک بیٹی کو گھر رکھنے کا مگر اس کی ساس کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ نازو خود ہی تیار ہوگئی کہہ رہی تھی اگلے ہفتے آئے گی زیادہ دن رکنے کے لیے۔ اس کو آمادہ دیکھ کر میں نے بھی داماد سے اصرار نہ کیا۔ تمہاری طرف آئی تھی صبح کیا ملاقات نہیں ہوئی؟۔"

"ہاں ملی تھی مجھ سے۔" پھر وہ لہجے کو لاپروا سا بناتے ہوئے سادگی سے پوچھنے لگی۔ "آنٹی، سعد گھر پر نہیں ہے کیا؟۔"

"گھر پہ ہی ہے۔ تین دن کی چھٹی لے کر آیا ہے فوج سے۔ البتہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے کل شام سے منہ سر لپیٹے خاموش سا کمرے میں لیٹا ہے۔" انہوں نے فکرمندی کا اظہار کیا۔

"وہ میں نے اسے کچھ فوٹو اسٹیٹس کروانے کے لیے کاغذات اسے دیے تھے اسی کے بارے میں پوچھنا تھا۔" اس کی موجودگی کا سن کر اطمینان ہوگیا تھا۔

"پوچھ لو بیٹی۔ اوپر ہی ہوگا۔ ویسے کل شام سے اسے باہر نکلتے تو نہیں دیکھا۔ ایسا نہ ہوا لاپروائی سے کہیں رکھ کر بھول گیا ہو۔ تم اس سے پتا کرو میں جب تک چائے بناتی ہوں۔"

وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آپ تکلف نہ کریں۔ میں ابھی پانچ منٹ پہلے پی کر آرہی ہوں۔" وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"سعد!" اس کے کمرے میں آئی تو ملگجے اندھیرے سے مانوس ہونے میں بہت دیر لگی۔ اس نے بڑھ کر سارے پردے ہٹادیے۔

روشنی ہوتے ہی فلور کشن کے ڈھیر پر سر ٹکائے سعد قالین پر دراز نظر آگیا۔ سفید شرٹ اور بلو جینز میں گندمی رنگت پر تناؤ لیے بکھرے بکھرے بالوں سمیت بہت ڈیپریسڈ دکھائی دیا۔

"فرمایئے۔" اسے دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھا تھا۔ تاہم نظروں میں سخت اجنبیت اور بے گانگی تھی۔

"ناراض ہو مجھ سے؟۔" وہ اس کا آف موڈ دیکھ کر مسکرادی۔

وہ خاموش بیٹھا ماتھے پر شکنیں لیے ہونٹ چباتا رہا۔

"بیٹھنے کو نہیں کہو گے؟۔" وہ خود ہی اس سے کچھ فاصلے پر اطمینان سے صوفے پر بیٹھ گئی اور اس کا جائزہ لینے لگی۔

"مجھے تمہارے جذبات کا احساس ہے۔ مگر سعد! یہ کہاں کی دوستی و اپنائیت ہے کہ دوسری طرف سے وضاحتی بیان سنے بغیر یک طرفہ طور پر رائے قائم کرلی جائے۔ تم کیا سمجھ رہے ہو، میرا اس شخص سے کوئی قریبی رشتہ ہے؟۔"

"میں نے تم سے کسی قسم کی صفائی نہیں مانگی۔" وہ درشتی سے بولا۔ "اور نہ ہی مجھے اس سے کچھ سروکار ہے کہ تمہارا کس سے قریب یا دور کا رشتہ ہے۔ تمہاری اپنی زندگی ہے جیسے چاہو گزارو۔" اس نے رخ موڑ لیا۔

"اتنے بے گانہ اور لاتعلق انداز میں بات مت کرو سعد۔" ارشین کو دلی صدمہ ہوا۔ "ہم اتنے برس ساتھ ہیں۔ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ کیا محض ایک غلط فہمی کی بنا پر میرا کردار تمہاری نظروں میں اتنا گر گیا ہے؟۔"

وہ دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

سعد نے بے ساختہ اس پر نگاہ ڈالی۔ نیلے جارجٹ کے سوٹ میں اس کا اجلا اجلا چہرہ اس کی مضبوط فطرت اور بلند کرداری کا مظہر تھا۔

"غلطی تمہاری ہے۔ تم نے مجھے پہلے سے صورتحال واضح کیوں نہ کی۔"

وہ پگھلنے لگا۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ زیادہ دیر تک ارشین کی طرف سے بدگمان ہو ہی نہ سکتا تھا۔ ارشین سے ناراضگی اس کے بس کی بات نہ تھی۔

"سعد! ایک بات تو بتاؤ۔" وہ سعد کے چہرے پر نظر ٹکا کر بولی۔

"یہ ہمارا معاشرہ جو سو فیصد مرد کا معاشرہ ہے یہ کیوں سمجھ لیتا ہے کہ ہر ملازمت پیشہ خاتون دراصل "ہسبنڈ ہنٹنگ کمپین" (Husband Hunting cmpaign) کے سلسلے میں گھر سے باہر نکلتی ہے۔" اس کے لہجے میں چبھن تھی۔

"قدم قدم پر نوکری کرنے والی خواتین کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر وہ آفیشل ڈیمانڈ کے مطابق مرد ورکرز کے ساتھ کام کرتی، ڈسکشن کرتی یا کہیں آتی جاتی دکھائی دیں تو اسے آوارگی، بے راہ روی اور عیاشی کا نام دے کر ان پر قافیہ تنگ کر دیا جاتا ہے۔ یہ معاشرہ اتنا ہی پاکباز و غیرت مند ہے تو مخلوط دفاتر کے بجائے خواتین کے لیے علیحدہ دفتروں کا انتظام کیوں نہیں کرتا؟ آخر ٹیچنگ لائن میں کتنی خواتین جگہ پا سکتی ہیں۔ جب ہر جگہ "نو ویکنسی" کا بورڈ نظر آئے گا تو لامحالہ خواتین کو دفتروں کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ جن خواتین کو نوکری کی ضرورت ہے وہ ایسے میں کیا کریں، اور اگر وہ دفتری امور کے سلسلے میں اپنے ساتھی مرد ورکرز کے ساتھ تعاون کرتی ہیں تو معتوب و مشکوک کیوں ٹھہرائی جاتی ہیں؟۔"

"بس۔ بس۔ بس۔ لیڈر رانی صاحبہ۔" اس سے پہلے کہ وہ غم و غصے کے جذبات سے دوچار ہو کر مزید کچھ کہتی سعد نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر اس کو روک دیا۔ وہ یکبارگی ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

"مجھے یقین آگیا کہ ان صاحب کے ساتھ رسمی علیک سلیک کے علاوہ آپ کی کوئی شناسائی و آشنائی نہیں۔ بندہ اپنی بدگمانی پر معذرت کا طالب ہے۔"

وہ ایسا ہی تھا فراخدل اور مخلص۔ پل میں اس کے دل سے بدگمانی کے بادل چھٹ گئے تھے۔

"شکر ہے کم از کم تمہیں تو میرا اعتبار آیا۔" ارشین کے سر سے کوئی بھاری بوجھ سرکا تھا۔

"بڑی مدت بعد تم نے غریب خانے کو رونق بخشی ہے۔ فرماؤ تمہاری کیا سیوا کریں۔" سعد اپنے چونچال پن میں واپس پلٹ رہا تھا۔

"سیوا تو مجھے تمہاری کرنی چاہیے اصولاً"۔ کل سے دل دھڑکا رکھا تھا۔" ارشین نے ناراض نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں میری ناراضگی کی پروا ہے؟۔" خوش کن تصور میں گھر کر وہ دھیمے انداز میں دلکشی سے مسکرانے لگا۔

"کیوں نہیں ہوگی۔" اس کے جذبات سے انجان بن کر وہ سادگی سے بولی۔ اور ساتھ ہی نظر چرا کر سبز بیڈ شیٹ کے پھولوں کو دیکھنے لگی۔

"تو نیچے چلتے ہیں رقیہ آنٹی چائے بنا چکی ہوں گی۔"

وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی یہ دیکھے بغیر کہ اس کے چھوٹے سے فقرے نے سعد کے سانولے چہرے پر اور آنکھوں میں کتنے روشن رنگ بھر دیے تھے۔

◆ ◆ ◆

وہ زیادہ دیر تک ایک چیز کو سر پر سوار رکھنے کی عادی نہیں تھی۔ اگلے چند دنوں میں وہ پرانا واقعہ بھلا کر پھر سے جوش و خروش سے اپنے "مشن" کے لیے سرگرم ہو گئی تھی۔ آج کل صبح سے شام تک اسٹوڈیو میں بسیرا تھا۔

اس کا ارادہ تھا دو چار ماہ بعد دوبارہ نمائش کے لیے بکنگ کروا لے۔ پچھلے سال انہی دنوں میں پچھلی نمائش کی تھی اب سال گزر چکا تھا۔ نمائش سے یک مشت اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ گھر کی کوئی قیمتی اور اہم چیز کی خریداری اس سے ہو جاتی تھی ویسے بھی وہ سنجیدگی سے امبرین کی شادی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ ایف اے کر چکی تھی اور ارشین چاہتی تھی اس کی کہیں بات پکی ہو جائے تاکہ اگلے سال شادی کا فریضہ بھی ادا کر دیا جائے۔

اس کی بہت خواہش تھی کہ کسی طرح ینی کے گھرانے سے تعلق و رشتہ قائم ہو جائے۔ سفیان اسے اس اعتبار سے بہت بھایا تھا مگر اس دن بی بی جان کی ینی کے گھرانے پر کھلی الزام تراشی اور نفرت و حقارت کے اظہار نے واضح کر دیا تھا کہ اب اگر ادھر سے رشتہ آئے تو بھی بی بی جان مر کر بھی قبول نہیں کریں گی۔ وہ بہت ضدی اور ہٹ دھرم خاتون تھیں ایک بار جو بات ان کا ذہن قبول کر لیتا تھا پھر وہ گویا پتھر پہ لکیر ہو جاتی تھی۔

بی بی جان کے ساتھ ساتھ بابا جان کے دو ٹوک اور جارحانہ تیور بھی اسے سمجھا گئے تھے کہ مستقبل میں کسی بھی طرح ینی کی طرف سے آیا ہوا رشتہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

سو ارشین کو اپنے سابقہ خوبصورت تصور پر فاتحہ پڑھنی پڑی۔

اس نے تو اپنی طرف سے اپنی بہن کے اچھے مستقبل کے لیے بہت کوشش کی تھی۔ بی بی جان کی لعن طعن کے باوجود اس شریف و مشفق فیملی سے قطع تعلقی اختیار نہیں کی تھی مگر بی بی جان کی عاقبت نااندیشی کے باعث مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا کہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

فی الوقت اس کی سب سے بڑی پریشانی امبرین کے لیے مناسب رشتے کی تلاش تھی۔

بی بی جان تو سعد کے رشتے کے لیے مسلسل اصرار پہ اصرار کیے جا رہی تھیں مگر ارشین قطعی رضامند نہ تھی۔ اگر اس دن سعد کے جذبات و احساسات اس پر منکشف نہ ہوتے تو اور بات تھی۔ وہ ہنسی خوشی یہ رشتہ قبول کر لیتی۔ مگر اب سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے وہ امبرین کو نارسائی کی آگ میں دھکیلنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اپنے جذبات و احساسات میں بہت کھرا ہے۔ وہ جب کوئی فیصلہ کر لے تو اسے بدلے گا نہیں۔

بچپن میں اس نے سعد کے ان گنت روپ دیکھے تھے۔ اکثر کبھی ایسا ہوتا نازو ضد میں یا محض شرارت میں سعد کا پسندیدہ ترین کھلونا توڑ دیتی تھی۔ سعد کا غم و غصے سے برا حال ہو جاتا۔ پھر راشد انکل اسے اس سے لاکھ درجہ اچھا اور قیمتی کھلونا لا کر دیتے وہ اسے اٹھا کر پرے پھینک دیتا تھا۔

"مجھے وہی والا منکی چاہیے۔ نہیں لوں گا یہ۔" وہ روتے ہوئے کھلونا واپس کر دیتا۔

"بیٹے! یہ زیادہ اچھا ہے۔ اور دیکھیں یہ بولتا بھی ہے۔" مسکرا کر رقیہ آنٹی بہلانے کی کوشش کرتیں مگر وہ اس کھلونے کو پرانے کی جگہ کبھی استعمال نہیں کرتا تھا۔

ایک دفعہ اس نے اسکول کے زمانے میں اپنی پسند سے خوبصورت پین خریدا۔ اتفاق سے ارشین کے ہاتھ سے اس کی نب ٹوٹ گئی۔ ارشین نے سوری کی۔ مگر سعد نے سرے سے اس کی بات ہی نہ سنی۔ منہ بسور کر اٹھ گیا۔

ارشین نے اپنی پاکٹ منی سے نیا پین خرید کر اسے گفٹ کیا مگر اس نے خاموشی سے واپس کر دیا۔

"اسے تم رکھ لو۔ یہ میرے پسندیدہ قلم کی جگہ نہیں لے سکتا۔"

وہ اپنی پسندیدہ چیز کی جان سے زیادہ حفاظت کرتا تھا۔ تعلقات میں بھی اس کا یہی اصول چلتا تھا۔ جب تک اسکول اور کالج کے زمانے میں ہم جماعت رہے نازو اور ارشین کے سوا اس نے کبھی کسی تیسری لڑکی سے کبھی رسمی

علیک سلیک بھی نہ رکھی تھی۔ اور گھر میں بھی "بخاری لاج" میں جو اہمیت ارشین کو حاصل تھی
تک امبرین شاہین یا کسی تیسرے فرد کو نہیں دے سکتا تھا۔
وہ سب کے ساتھ مخلص تھا مگر وہ بخاری لاج کے مکینوں سے ارشین کے ناطے سے زیادہ قریب
اپنی بے خبری کی بنا پر بچپن کی دوستی اور ہم جماعت ہونے کے ناطے سعد کے جذبات کا اندازہ لگا
انکشاف کی منزل سے گزر جانے کے بعد اس کے جذبوں کی شدتوں کے اصل رخ کا تعین ہو گیا تھا۔
اور یہ تعین جہاں اسے گنگ کر گیا تھا وہیں امبرین کے حوالے سے نئے سرے سے سوچنے پر مجبور
اس روز فاریہ آئی تو ارشین نے اسے اسٹوڈیو میں الگ لے جا کر ساری بات بتادی۔
"امبرین شدید غلط فہمی کا شکار ہے فاریہ۔ وہ سمجھ رہی ہے میں نے اپنا راستہ صاف کرنے کے لیے
رشتے کی حمایت نہیں کی۔ تمہیں موقع ملے تو اسے تفصیل سے بنیادی سبب بتا دینا۔"
پھر اس نے سعد کے ماضی کے متعلق بہت سی باتیں بتائیں۔ اس کے احساسات کو آشکار کیا۔
"وہ اپنی پسندیدہ چیز کی جگہ کبھی دوسری چیز کو نہیں دے سکتا بھلے سے وہ لاکھ درجے قیمتی اور بہتر
نے کھل کر فاریہ کو بتا دیا۔
"وہ ساری زندگی امبرین کو دوری کے دہکتے الاؤ میں جلائے گا مگر کبھی اپنا وہ قرب نہیں بخشے گا جو عورت
مکمل اپنا اور وفادار ہونے کا اعزاز بخشتا ہے۔ وہ اس کا ہو کر بھی اس کا نہیں رہے گا۔ اور یوں بھی
عورت کو اس مرد سے شادی نہیں کرنی چاہیے جس کے دل میں اس عورت کے لیے عزت نہ ہو۔"
فاریہ ارشین کے ذریعے سعد کے اصل خیالات کا اندازہ لگانے کے بعد امبرین کی ضد کے مزید
"بھئی اب دل کسی کی پراپرٹی تو نہیں ہوتا جو زبردستی اپنے نام لکھوا لیا جائے۔"
اب وہ سعد کو ماضی کے حوالے سے زیادہ بہتر طریقے سے جان گئی تھی۔
"آپ نے درست سوچا۔ ایسی صورت حال میں شاید وہ کبھی بھی امبرین کے نہ ہو سکیں۔ اگر امبرین
کی زندگی میں داخل ہو بھی گئی تو بھی ان کے دل میں داخل نہ ہو پائے گی۔ اور جب آپ کسی کے دل
تو چاہے جہاں مرضی رہ لیں اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔"
اچانک ہی فاریہ کے دل میں ایک تیز نوکیلا سوال چبھنے لگا۔ وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔
"آپی! اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ایک ذاتی سوال کر سکتی ہوں؟" ارشین دھیرے سے مسکرا دی
گھنگھریالے بال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔
"تم سے اب کیا چھپا ہے فاریہ! میں تمہیں امبر کی طرح ہی سمجھتی ہوں۔" ارشین کے دل میں
کسی کے لیے محبت بھرا گوشہ بن جاتا تھا۔
"تم کہو۔ پوچھو کیا پوچھنا ہے۔" اس نے حلاوت بھرے لہجے میں کہا۔
"اگر سعد بھائی اتنی قطعی فطرت کے مالک ہیں اور جیسا کہ اب آپ کو علم بھی ہے کہ وہ آپ
کرتے ہیں تو پھر آپ انہیں اپنی زندگی کا ساتھی کیوں نہیں چن لیتیں۔۔۔؟"
سوال چونکہ فاریہ کی عمر اور ارشین کے مرتبے کے لحاظ سے بڑا تھا اس لیے فاریہ کی نظریں جھکی ہوئی
لہجے میں بلا کی جھجک تھی یوں جیسے اس کی خفگی کا بہت ڈر ہو۔
"مجھے یقین تھا تم یہ سوال ضرور پوچھو گی۔" ارشین کی ہنسی پر وہ خفیف سی ہو گئی۔
"خیر گھبراؤ نہیں۔ تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہ سوال ضرور پوچھتا۔" ارشین کی تیز نظریں
ندامت کو تاڑ گئی تھیں۔
"بات یہ ہے فاریہ بی بی کہ اول تو جذبے وئی کاروبار نہیں ہوتے کہ آپ نے کسی کو دیے
وصول بھی لازم ہے۔ دل کے معاملات میں سودے بازی، لین دین اور نفع نقصان نہیں چلتے۔ اگر

امبرین کے جذبات سے آگاہ ہونے کے بعد لازما اس کی پذیرائی کرتا۔ دل کی ٹرین تو بس اپنے اصولوں کی بنائی
ہوئی پٹڑی پر ہی چلتی ہے۔"
فاریہ بے ساختہ لاجواب ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ بھی تو یہی سوچ رہی تھی۔
جب امبرین کی بے ساختگی کے جواب میں سعد اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہے تو ارشین کس طرح سعد کی بے
اختیاری دل پر اپنے دل کو راغب کر سکتی ہے۔
"دوم یہ کہ مجھ پر فی الوقت گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ ہے۔ میں ابھی شادی افورڈ نہیں کر سکتی۔ اور نہ ایسی
صورت حال میں سوچنا چاہتی ہوں۔"
ارشین فاریہ کی توقع کے برعکس بڑے خوشگوار موڈ میں جواب دے رہی تھی۔
"سوم یہ کہ میری اور سعد کی عمروں کا فرق بمشکل ایک سال ہے یعنی یوں سمجھ لو کہ ہم دونوں ہم عمر ہیں۔ اور تم
اچھی طرح جانتی ہو۔ ہمارے معاشرتی و سماجی اقدار و روایات کے مطابق لڑکی کو لڑکے سے کم از کم تین چار سال
برس تو ضرور چھوٹا ہونا چاہیے۔ زیادہ ہو جائے تو اور بھی اچھی بات ہے۔ اس لیے بھی میرا اور سعد کا کوئی جوڑ نہیں
بنتا۔"
ارشین کے چہرے پر شریر سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔
"خیر یہ تو اتنی بڑی بات نہیں۔" فاریہ نے جرح کی۔
"ہاں۔ ہمارے تمہارے لیے تو شاید نہ ہو۔ مگر وہ معاشرہ جہاں نک سک سے درست ایک سلیقہ مند و نیک
شعار لڑکی کو محض اس لیے بسا اوقات ریجیکٹ کر دیا جاتا ہے کہ اس کی ناک لمبی ہے یا آنکھیں چھوٹی ہیں یا دراز
قامت نہیں ہے ایسے معاشرت میں عمر کا زیادہ ہونا تو بہت بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔" ارشین سنجیدہ ہو گئی تھی۔
"آپ تو بالکل گڑیا سی ہیں۔ میری ایج کی لگتی ہیں۔ سچ۔" فاریہ نے رشک و توصیف بھری نظروں سے اس کا
اجلا اجلا خوبصورت سراپا جانچا جو ہمیشہ کی طرح اپنے اندر کشش کے ان گنت خزینے چھپائے ہوئے تھا۔
"لگنے اور ہونے میں بڑا فرق ہوتا ہے بے بی۔"
ارشین نے اس کے گال تھپتھپائے اور مسکرا دی۔ کہ عمر چور ہونا بہرحال ایک خوشگوار کمپلیمنٹ ہے اور یہ
کریڈٹ کس کو برا لگتا ہے۔
"خیر چھوڑو اس بحث کو۔ چوتھی اور اہم ترین وجہ بھی سن لو۔ وہ یہ کہ اب جبکہ میں امبرین کے جذبات سے آگاہ
ہو چکی ہوں ایسی صورت میں سعد سے کس طرح شادی کر سکتی ہوں۔"
"کیوں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" فاریہ سخت حیرانی سے گویا ہوئی۔
"بہت زیادہ فرق پڑتا ہے اگر سمجھو تو۔"
وہ ایزل سے پردہ ہٹا کر ریک میں سے آئل پینٹ کھنگالنے لگی۔
"وہ میری بہن ہے۔ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد بھی، زندگی کے ہر موڑ پر، خاندان کی ہر خوشی غمی پر، ہر قسم
کے موقعے پر ایک دوسرے سے ملاقات ہوگی۔ روبرو ہوں گے اور جب جب امبرین، سعد کو دیکھے گی، اس کے
سوئے ہوئے زخموں کے ٹانکے کھل جائیں گے اور پرانے درد پھر سے جاگ اٹھیں گے۔ اور اسی حوالے سے
ساری زندگی ہم بہنوں کے دل سے بدگمانی کا میل نہیں جائے گا۔ مجھے ہمیشہ یہ احساس ڈستا رہے گا کہ میں بہن کے
حصے کی خوشیوں پہ قابض ہو گئی ہوں اور امبرین تا زندگی مجھے غاصب سمجھتی رہے گی۔"
"مگر امبرین یقیناً اس وقت تک سب کچھ بھول بھلا چکی ہوگی۔" فاریہ بحث پر آمادہ تھی اور در پردہ ارشین کو
قائل کرنے کے چکر میں بھی تھی۔
"ہم اور تم چونکہ اس کیفیت سے ابھی نہیں گزرے ہیں اس لیے ایسی بات کہہ سکتے ہیں مگر جنہوں نے اس
جذبے کا امرت چکھا ہے ان کے ہاتھ واپسی کا ہر راستہ خود بند کر دیتے ہیں۔"
"مگر آپی! اگر آپ کی یہ لاجک تسلیم کر لی جائے تو بھی یہ حقیقت تو اپنی جگہ ہے کہ امبرین کی سعد سے نہ سہی

کہیں نہ کہیں تو شادی ضرور ہوگی۔ وہ اگر بھلائے گی نہیں تو کس طرح ایڈجسٹ کر سکے گی؟“

”بھلانے اور بھول جانے کے لیے جدائی اور مصروفیت بہت کارگر ہتھیار ثابت ہوا کرتے ہیں۔“ ارشین برش سے اسٹروک لگاتے ہوئے انہماک سے تصویر بنا رہی تھی اور اسی روانی سے باتیں کر رہی تھی۔

”امبرین کی محبت اس نوعیت کی نہیں ہے جسے بہلا منا کر بھلایا نہ جا سکے۔ اس کے جذبوں میں وہ شدت اور گہرائی نہیں ہے، جو خود کو بھلا کر ہمیشہ کے لیے دیوانگی کی راہوں پہ بھٹکا دیتی ہے۔ اگر اس کو اچھا جیون ساتھی مل گیا اور سعد سے دوبارہ کوئی تعلق واسطہ نہ رہا تو وہ آسانی سے اسے بچپنے کی حماقت سمجھ کر بھول جائے گی۔ جبکہ میری سعد سے شادی کے نتیجے میں وہ تاعمر حسد و محرومی کی آگ میں جلتی رہے گی۔“

”آپ بہت دور کا سوچتی ہیں آپی۔ آپ سے میں مقابلہ نہیں کر سکتی۔“

فاریہ ہنستی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”نہیں یہ بات نہیں ہے۔ تم بھی خوب سوچ سمجھ کے گہرے گہرے نکتے نکالتی ہو۔ اور یقین کرو تم سے بات کر کے مجھے بہت ذہنی سکون ملتا ہے۔“ ارشین نے رنگوں کی طشتری ریک پر رکھ کر صافی سے ہاتھ صاف کرنے کے بعد الوداعی انداز میں فاریہ کے کندھے تھپتھپائے۔

”آتی جاتی رہا کرو۔ تمہاری وجہ سے مجھے امبرین کی طرف سے تسلی رہتی ہے۔“

فاریہ، ارشین کے ساتھ باہر آئی تو لاؤنج میں گرے پینٹ اور بلیو شرٹ میں ملبوس سعد بیٹھا نظر آیا جو بی بی جان سے باتیں کر رہا تھا۔

”السلام علیکم سعد بھائی۔“ ارشین سے تفصیلی گفتگو کے بعد فاریہ کو وہ ایک طرح سے اور بھی زیادہ اچھا لگنے لگا تھا۔ اسے باوفا اور مخلص لوگوں سے عشق تھا اور سعد بلاشبہ ان میں سے ایک تھا۔

”وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں فاریہ بی بی؟“ وہ پہچان کر ”تکلفاً“ مسکرا دیا۔

”میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیے؟“ وہ خوشدلی سے مخاطب ہوئی۔

”ہم کیا سنائیں بے چارے پردیسی۔“ سعد نے چپکے سے ایک دزدیدہ نگاہ ارشین پر ڈالی جس کے ہاتھوں پر بہت صاف کرنے کے باوجود کچھ رنگ لگے رہ گئے تھے اور وہ انہیں ایک دوسرے سے مسل کر چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”اچھے ”پردیسی“ ہو ہر ویک اینڈ پر تو بلا کی طرح نازل ہو جاتے ہو۔“ ارشین نے بے پروائی سے صرف نظر کیا۔

”اور پھر پنڈی اسلام آباد ہاتھ کی چھنگلی انگلی کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ دونوں شہر سے ”جڑواں“ ہیں۔ کون سا اتنی دوری ہے۔“

”دوری شہروں کی نہیں دلوں کی ہوتی ہے مصورہ صاحبہ! خیر آپ کا رنگوں اور پھولوں، بوٹوں کا ”مصروف“ دماغ اس فرق کو کیا سمجھ پائے گا۔“

اس نے تنگ کرنے والے انداز میں ارشین کو دیدہ و دانستہ چھیڑا۔ سفید براق چکن کے شلوار سوٹ پر سفید دوپٹہ لیے وہ بڑی دلربا سی لگ رہی تھی۔ سعد کی نگاہ سیر ہو گئی۔

”آپ کا ذوق لطیف بڑا عمدہ ہے۔“ فاریہ سعد کی بات کی گہرائی سمجھ کر کھلکھلا دی۔ سعد بھی مسکرایا اور پھر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور بی بی جان یہ سب نظارا دیکھتے ہوئے انگاروں پہ لوٹ رہی تھیں۔

”اظہر نے کہا تھا کہ اگر ساڑھے دس تک آ گیا تو ٹھیک ہے ورنہ خود اپنے بندوبست پر جانا پڑے گا۔“

فاریہ کی فکرمندانہ نظر وال کلاک کی طرف اٹھی جو گیارہ بجانے کو تھی۔ اسے کچھ ضروری نوٹس لینے لازماً ”امبرین کے ہاں آنا تھا۔ ارشین چھٹیوں کی وجہ سے گھر پر ہی تھی وہ اسے گپ شپ کے لیے اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

”پریشان کیوں ہوتی ہو۔ چلو میں چھوڑ دیتی ہوں۔ ٹھیک ہے ناں بی بی جان۔“

ارشین نے ٹیلی فون اسٹینڈ کے پاس رکھی کار کی چابی اٹھا کر یونہی سرسری انداز میں بی بی جان کی طرف دیکھا۔ ان کی نظروں میں برچھی کی سی کاٹ تھی۔ ارشین دانستہ نظر چرا گئی۔

”آپ کو خواہ مخواہ زحمت ہوگی۔“ فاریہ نے تکلفاً ”انکار کیا۔

”تم گاڑی میں بیٹھو۔ میں بیگ لے کر آتی ہوں۔ تمہارا گھر نازو کے سیکٹر میں ہی ہے۔ مجھے اس سے ضروری کام ہے۔ شاہین نے نازو کے بوتیک سے لیے ہوئے زبردست سے سوٹ کا ڈیزائن دیکھنا ہے۔ اس کا خود بنانے کا ارادہ ہے۔ وہ بھی لیتی آؤں گی۔“ ارشین تیزی سے بیگ لے آئی۔

”نازو کے ہاں پھر کبھی چلی جانا۔ آج دھوپ اتنی تیز ہے۔“ بی بی جان، فاریہ کی وجہ سے بمشکل تمام اپنی تیوری چھپا کر اکھڑے ہوئے انداز میں ارشین سے مخاطب ہوئیں۔ ارشین ان کی آنکھوں سے برستی چنگاریاں دیکھ لیتی تو شاید کبھی جانے کا نام نہ لیتی۔ مگر وہ اس وقت ان کی طرف دیکھنے سے جان بوجھ کر احتراز کر رہی تھی۔

”میں آدھے گھنٹے تک آ جاؤں گی بی بی جان۔“

وہ نظر ملائے بغیر فاریہ کو لیے ہوا کے جھونکے کی طرح باہر نکل گئی۔ کچھ دیر بعد ارشین کی ریڈ آلٹو ایف ٹین کی جانب رواں دواں تھی۔ یہ سیکٹر نو تعمیر شدہ تھا۔ اور شہر کے جدید ترین رہائشی علاقے میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ سڑکیں زیادہ تر ویران تھیں اور ایک خاموشی سی چھائی ہوئی تھی۔ جلد ہی فاریہ کا گھر آ گیا۔

”آیئے ناں آپی۔“ فاریہ نے بے حد اصرار کیا۔ مگر ارشین نے نرمی سے انکار کر دیا۔

”میں آپ کو مما سے ملواؤں گی۔ میں نے ان سے آپ کا بہت ذکر کر رکھا ہے۔ وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔ پلیز آیئے ناں۔ اتنی گرمی ہے چلیں زیادہ دیر بے شک نہ رکیے گا مگر کم از کم کولڈ ڈرنک تو لے لیجیے۔“

وہ مچل مچل پڑی اتنا کہ ارشین کو اسے چمکار کر بہلانا مشکل ہونے لگا۔

”میری جان! میں بہت جلدی میں ہوں۔ پھر آؤں گی۔ اظہر سے بھی ملوں گی۔ آنٹی کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا۔ کولڈ ڈرنک میں نازو کے ہاں سے لے لوں گی۔ ٹھیک ہے۔ اوکے۔ خدا حافظ۔“ اس کے گال پر پیار کر کے ارشین نے الوداعی ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی موڑ لی۔

ابھی ایک منٹ مزید ڈرائیو کی ہوگی کہ اچانک اس کی نظریں سامنے گھومتی سوئیوں پر پڑیں۔

”اوہ مائی گاڈ۔ پیٹرول بالکل آخری دم پر ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔“ قریب ترین ایف ٹین مرکز کی مارکیٹ ہی تھی۔ اس نے جلدی سے ادھر رخ موڑ لیا۔ گاڑی ابھی پیٹرول پمپ سے کچھ فرلانگ دور ہوگی کہ پیٹرول ختم ہو گیا۔ ناچار وہ گاڑی بند کر کے نیچے اتر آئی۔

یہ ”صاحب“ لوگوں کا علاقہ تھا۔ یہاں کی مارکیٹ گیارہ بارہ بجے سے پہلے نہیں کھلتی تھی۔ سو ارد گرد اکا دکا لوگ تھے۔ وہ گاڑی سے اتر کر فٹ پاتھ پر چلنے لگی۔ اس بات سے قطعی بے خبر کہ کچھ فاصلے پر موجود پیٹرول پمپ کے پاس کھڑی سفید کرولا اسے دیکھ کر اچانک حرکت میں آ گئی تھی۔ وہ غالباً ”پیٹرول بھروانے کے لیے راستے میں رکے تھے۔ حسن کو اچانک سامنے اور قریب دیکھ کر لمحوں میں ان کے جنوں نے فیصلے کی سرحد عبور کر لی۔ بڑی احتیاط اور پھرتی کے ساتھ فٹ پاتھ پر اپنے دھیان میں مگن ارشین کے پاس گاڑی روکی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں فرنٹ ڈور کھول کر ہاتھ بڑھا کر جھٹکے سے اسے اندر ڈالا اور دروازہ کھٹاک سے بند کر کے ”تا“ ”فانا“ گاڑی لے اڑے۔ اس سے پہلے کہ ارشین صورت حال کو سمجھ کر چیخنے چلانے کے لیے منہ کھولتی ایسی کسی صورت حال کے پیش نظر پہلے سے ”احتیاطاً“ گاڑی کے ڈیش بورڈ کے خفیہ خانے میں رکھا کلوروفام سے بھیگا رومال کام آ گیا اور دوسری ساعت وہ بے ہوش ہو کر سیٹ پر گر گئی تھی۔

"میں آپ کی منت کرتی ہوں۔ پلیز۔"

دھمکی، دھونس، سرزنش اور بیزار کن رویے بھی اثر نہ کر سکے تو وہ منت خوشامد اور التجاؤں پر اتر آئی۔

پروفیسر دانیال نے گردن موڑ کر اس کی طرف اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔ سفید براق چکن کے شلوار کرتے پر پھولوں والا پرنٹڈ سفید چادر نما دوپٹہ اچھی طرح اپنے گرد لپیٹے وہ ایک خوبصورت شعر کی طرح دلکش لگ رہی تھی۔

سنہری بیضوی چہرہ عجیب سی مقناطیسیت لیے ہوئے تھا۔

کالی گہری آنکھوں میں خوف بھی جچ رہا تھا۔

سیاہ بالوں کی لٹیں جوڑے سے نکل کر کندنی گالوں پر چپک گئی تھیں۔

نجانے کیا سحر تھا اس عام سی لڑکی میں کہ نگاہ ڈالتے ہی وہ بے بس اور بے اختیار ہو جاتے تھے۔ ساز خیز وجود او جھل ہو جاتا تھا۔ عجب لطافت اور شگفتگی بھرا دلفریب وجود تھا۔ کہ دل اس سے دستبرداری کے ڈوبنے لگتا تھا۔

وہ ملتجی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ نچلا لب دانتوں تلے دبا کر نظر چرا گئے۔

"ابھی تو "سفر" کا آغاز ہوا ہے۔ مجھ پر ستم نہ توڑیں۔ ورنہ میں سدھ بدھ کھو کر ایکسیڈنٹ کر بیٹھوں گا۔"

ان کا مخمور لہجہ سانپ بن کر اس کو ڈسنے لگا۔

"ابھی بھی وقت ہے مہدی صاحب۔ پلیز گاڑی واپس موڑ لیجیے۔"

شہر کی حدود سے باہر نکلتے ہی اس کا دل دہائی دینے لگا تھا۔ وہ جیسے کانچ پر لوٹنے لگی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو وہ اسے لینے گھر میں آئی تھی۔

گاڑی بارہ کہو کی طرف رواں دواں تھی۔ ڈبل روڈ کے دائیں بائیں گھنا سبز جنگل تھا۔ درمیان میں کئی چھوٹی ڈھلانی پہاڑیاں اور ٹیلے وغیرہ بھی دکھائی دے جاتے تھے۔ پھر گاڑی دائیں جانب ہی جنگل کے پختہ تنگ سی سڑک پر مڑ گئی۔

"کہیں یہ راول جھیل کی طرف تو نہیں جا رہے ہیں؟" اس کے ذہن میں تجسس نے کروٹ لی۔

راول ڈیم کے عقب میں جھیل کے کنارے درخت کاٹ کر ایک ریسٹورنٹ اور اوپن ایئر ریستوران بنایا گیا تھی۔ بڑی خوبصورت جگہ تھی۔ لوگ اکثر شام کو فیملیز کی صورت میں ادھر آیا کرتے تھے۔ مگر جھیل کہیں پیچھے ہی رہ گئی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔؟" اس کے لہجے میں خوف بھرا استفسار تھا۔

"وہاں جہاں ہم دونوں کے علاوہ تیسری تنہائی ہوگی۔" وہ بالکل پرسکون اور شاش تھے۔

"دیکھیے۔ میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ آپ کو یہ زبردستی بہت مہنگی پڑے گی۔" بے بس سی ہو کر وہ آنسو بھرے ان پر برس پڑی۔

وہ یوں مسکرائے جیسے بچے کی احمقانہ سی بات کو کمال ضبط سے نظرانداز کیا ہو۔

اس کا دل چاہ رہا تھا ان کا منہ نوچ لے۔ اپنے ناخنوں سے ادھیڑ ڈالے۔ بس نہیں چل رہا تھا ورنہ گاڑی کا رخ واپس موڑ دے۔ گاڑی بدستور ہرے بھرے راستے سے گزر کر آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اطراف درختوں کے جھنڈ تھے۔ ماحول میں بلا کی پراسرار خاموشی طاری تھی۔ اس کے دل میں وحشتیں رقص کرنا چنے لگیں۔

"آخر آپ بتاتے کیوں نہیں۔" اس کا ضبط جواب دینے لگا۔ یہ سفر اتنا اعصاب شکن اور تیور آزما تھا کہ اس جیسی پر اعتماد، پر امید اور بہادر لڑکی کی بھی جان پر بن آئی تھی۔

"صبر مائی ڈارلنگ صبر۔" وہ سرمستی سے بولے۔ ارشین لب کاٹ کر رہ گئی۔

"مجھ پر بھروسہ رکھیں۔ آپ کی عزت اب میری عزت ہے۔ اپنی چیز کو کون ضائع کرتا ہے"

ان کا لہجہ رسانیت لیے ہوئے تھا۔

"یا خدا۔ کہاں جاؤں میں۔" اس نے کراہ کر سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

بے بسی سی بے بسی تھی۔

حالات نے اتنا صبر آزمایا تھا کہ اب ضبط و برداشت کا پیمانہ معمولی سی ٹھیس پر چھلک پڑنے کو بے تاب ہونے لگا تھا۔ تاہم اس نے خود پر قابو رکھا۔

"مگر ہمت ہار گئیں تو سچویشن کا سامنا کیسے کر سکو گی۔" اس کے اندر سے ناصحانہ سرگوشی ابھری۔ وہ سنبھل گئی۔

سفید کرولا ایک ویران سی جگہ پر رک گئی۔

"آیئے۔ ہماری منزل آ گئی ہے۔" وہ گاڑی بند کر کے اس سے مخاطب ہوئے۔

ارشین نے طائرانہ نگاہ ادھر ادھر دوڑائی۔ آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف گھنا جنگل تھا۔ نیم تاریکی سی چھائی ہوئی تھی۔ سڑک کا اختتام ہو چکا تھا اور اس اختتام پر سفید ویران عمارت تھی۔

"میں نہیں اتروں گی۔" اپنی مغلوب کیفیت محسوس کرنے کے باوجود وہ فطری دلیری سے بول پڑی۔

"تو پھر مجھے ہی زحمت کرنا پڑے گی۔" وہ اطمینان سے مسکراتے ہوئے نیچے اترے اور پھر اس کی سائڈ کا دروازہ کھول کر اپنا توانا بازو آگے بڑھایا۔

وہ اسے بازو سے تھام کر نیچے اتارنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ان کے تیور پہچان کر وہ پیچھے ہو گئی۔

"میں۔ میں خود اتروں گی۔" وہ سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی لرزتی ٹانگوں سے باہر آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے جنہیں وہ بڑی دقت سے پینے کی سعی کر رہی تھی۔

"شاباش۔ اسی طرح کہنا مانتی رہیں تو انشاءاللہ دونوں سکھی رہیں گے۔"

ان کی متبسم شریر نگاہ اور لہجے میں جانے کیا تھا کہ ارشین کو اپنی ہتھیلیاں نم محسوس ہونے لگیں۔

"آیئے۔" انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے عمارت کا دروازہ کھول دیا۔ ان کی چال میں عجب سی ترنگ اور سرشاری تھی یوں جیسے کوئی قلعہ فتح کر لیا ہو۔

"مہدی صاحب! پلیز۔ یہ ظلم نہ کریں۔" وہ ڈوبتے دل سے نگاہوں میں رحم بھر کر دوبارہ ان سے مخاطب ہوئی۔

اس قدر ویرانے میں تو وہ بھاگ کر کہیں جا بھی نہیں سکتی تھی۔ فرار کا ہر راستہ مسدود تھا۔

"ظلم۔" انہوں نے ایک بے تاب نگاہ اس پر ڈالی۔

"ظلم تو ارشین میں خود پر کر رہا ہوں۔ اتنی مدت سے فاصلوں پر کھڑا ہوں۔ اتنے صبر سے انتظار کیا ہے۔ کنویں کے پاس رہ کر بھی پیاسا ہوں۔"

وہ تلملاتی ہوئی بولی۔ اس کے دل میں شعلے سے اٹھ رہے تھے۔ ان کی پیشانی پر شکن نمودار ہو گئیں۔

"آپ خود اندر تشریف لائیں گی یا۔۔۔" ان کے چبھتے ہوئے لب و لہجے سے ہٹ دھرمی عیاں تھی۔ وہ ناچار پیر پٹختے ہوئے ان کے پیچھے آ گئی۔

ایک کمرہ۔ اٹیچ باتھ اور چھوٹا سا کچن۔

خاصی آرام دہ جگہ تھی۔

کمرے میں ایک بیڈ اور صوفہ سیٹ پڑا تھا۔ وہ کمرے کے درمیان کھڑی الجھی نظروں سے ادھر دیکھ رہی تھی۔

کھٹکے کی آواز پر چونک کر مڑی۔ وہ دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آن کھڑے ہوئے تھے۔

ان کی آنکھوں میں عجب سی چمک ابھر آئی تھی۔ وہ دل تھام کر رہ گئی۔

اسے اس درجہ خوف محسوس ہوا کہ اپنے پیروں پر کھڑی نہ رہ سکی۔

)))

"امبر! ادھر آؤ۔" بی بی جان کی آواز میں کرختگی محسوس کرکے امبرین کے ہاتھوں پیروں سے ...
تھی۔ وہ افتاں و خیزاں لاؤنج میں تخت کے پاس آکھڑی ہوئی۔
"جی بی بی جان۔" وہ دھڑکتے دل سے بولی۔
"یہ تمہاری دوست کیا نام ہے اس کا فاریہ' یہ کس خاندان سے ہے؟" ان کا لہجہ رعونت و خشونت ...
تھا۔
"ذات پات کی تو خبر نہیں البتہ اونچے اسٹیٹس کے لوگ ہیں۔ ایف ٹین میں ان کا ذاتی گھر ہے۔" ...
سوال کا مطلب و مقصد نہیں سمجھ سکی تھی۔
"اس کے طور اطوار تو ایسے نہیں لگتے۔ اتنے گھٹیا اور بے حجاب تیور شریف گھر کی لڑکیوں کے ...
کرتے۔"
ان کے انداز میں بلا کی حقارت تھی۔ جو امبرین کو بری طرح محسوس ہوئی۔ کچھ بھی تھا' وہ اس کی ...
تھی۔
"آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہوگی بی بی جان۔" اس نے ادب سے کہا۔
"یہ جو میری آنکھوں کے سامنے سعد سے آنکھ مٹکا ہو رہا تھا۔ کیا وہ غلط فہمی تھی۔" بی بی جان ...
پڑیں۔
امبرین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
"میرے معصوم بچے کو ورغلا رہی تھی وہ دم کٹی بندریا۔" انہوں نے غصے سے سر جھٹکا۔
"بی بی جان! وہ ایسی نہیں ہے۔" بڑے عرصے بعد پہلی مرتبہ اس نے بی بی جان سے اختلاف کیا ...
معمولات اور عادات اس کے سامنے تھیں وہ اس نیچر کی لڑکی ہرگز نہیں تھی۔ اس کا دل ماننے پر تیار نہ ...
"تم تو عقل کی اندھی ہو۔ تمہاری بصارت و بصیرت کا کیا بھروسا۔" ان کے انداز میں نخوت اور تحقیر ...
"مگر میں ابھی سے کھٹک گئی ہوں۔ کہیں کل کلاں کو گلے نہ پڑ جائے یہ آفت کی پرکالہ۔ بہتر ہے کہ ...
چھٹی کرا دو' اس سے گلو خلاصی کا یہی طریقہ ہے کہ اسے یہاں آنے سے منع کر دو۔"
انہوں نے فیصلہ صادر فرما دیا۔
"مگر بی بی جان' فاریہ باجی تو بہت اچھی ہیں اتنی معصوم اور ہمدرد ہیں۔" شاہین ان کے مطابق ...
ساختہ احتجاجی انداز میں بول پڑی۔
"چپ رہ کٹنی کہیں کی۔" وہ غرائیں۔
"تمہیں اس "بڑی" نے شہہ دے رکھی ہے جو گز بھر کی زبان ہوتی جا رہی ہے۔
چل جا اپنا کام کر" آئی بڑی صفائیاں دینے والی' آئندہ تجھے بڑوں کی بات میں بولتے دیکھا تو زبان کاٹ کر ...
دوں گی۔" انہوں نے غیض بھری نظروں سے گھورا۔
شاہین سہم کر اوپر چلی گئی۔
"ایک ان صاحبزادی کو دیکھو۔ چل پڑی تیل پھونکنے اپنی چہیتی کو لے کر۔ ارے میں نے کہا' ہزاروں ...
بسوں میں آتے جاتے ہیں' وہ صاحبہ چلی گئیں تو کیا قیامت آجاتی۔ اتنا ہی تھا تو نہ آتی۔ مگر کہاں چین ...
ہے۔ ایسی نحوست ماریوں کا تو ہماری صاحبزادی کی طرح گھر میں دل ہی نہیں لگتا۔"
وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
امبرین سیڑھیوں کی ریلنگ تھامے ہونٹ بھینچے کچھ سوچ رہی تھی۔
"پتا نہیں اب کہاں کہاں کی خاک چھان کے آئے گی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بار گاڑی آجائے ...
پڑے گی آوارہ گردیاں کرنے۔"
بی بی جان کی بڑبڑاہٹ یہاں تک سنائی دے رہی تھی۔

◆ ◆ ◆

صبح کے گیارہ بجے وہ گھر سے نکلی تھی۔ اور اب سہ پہر ہونے کو آئی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں تین بجا رہی تھیں۔
کتنی ہی دیر وہ کمرے میں چکرائی پھرتی رہی۔
وہ نہایت سکون اور سرشاری سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے محویت سے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ
لے رہے تھے۔ نظریں یوں ساکت تھیں جیسے عبادت کر رہی ہوں۔
ارشین کے قدموں کی رفتار سست پڑنے لگی۔ ان نظروں کی زنجیر اس کی چال میں لرزش بپا کر گئی تھی۔ وہ تھکے
بے مضطربانہ انداز میں صوفے سے کچھ دور بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔
"آپ کا مقصد کیا ہے آخر۔" وہ زچ سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ وہ آہستگی سے مسکرائے۔
آسمانی رنگ کے آرام دہ پروقار شلوار سوٹ میں ان کا سوبر اور گریس فل سراپا مزید نمایاں ہو رہا تھا۔ ان کے
چہرے پر بڑی بردباری اور متانت رقم تھی۔
بظاہر دیکھنے میں کہیں سے بھی دل پھینک' سطحی مزاج اور سوقیانہ طبیعت کے مالک نظر نہیں آتے تھے۔
بلاشبہ ان کی پرسنالٹی بڑی دلکش تھی اور پختگی کی جھلک نے گویا مزید آب دے دی تھی۔
"مقصد تو آپ پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔"
وہ بھنویں اچکا کر نرمی سے بولے۔ لہجے میں تازگی بھرا خمار تھا۔
"آپ کو ہمیشہ کے لیے اپنا بنانا۔ میں چاہتا ہوں آپ اچھی طرح اپنا مائنڈ میک اپ کر لیں تاکہ مولوی اور
گواہوں کو بلوا کر ضابطے کی کارروائی کی جائے۔ میں آج ہی آپ کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہوں۔"
انہوں نے یوں بات کی جیسے بڑا سرسری سا معمول کے مطابق طے شدہ کام سر انجام دینا ہو۔
"کیا!" اس کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔
"تو یہ منصوبہ ہے آپ کا۔" اس کی بے یقین ہراساں نگاہوں میں ڈولتی بے بسی انتہا کو چھو رہی تھی۔ فطری
بے اضطرار سمیت وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔
"آپ ایسا نہیں کر سکتے۔" اس کے کمزور سے احتجاج کے جواب میں وہ چپ چاپ سگریٹ سلگانے لگے۔
"میرا ارادہ بھی اس طرح آپ کو اپنا بنانے کا نہیں تھا۔ مگر آپ کی ضد' نا سمجھی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ قدم
اٹھانا پڑا۔ اس سارے جھنجھٹ کا سہرا آپ کے سر جاتا ہے۔"
وہ بے نیازی سے ٹانگ پر ٹانگ جمائے سگریٹ کے کش لے رہے تھے۔ دھوئیں کے مرغولے سے فضا میں
بکھرنے لگے۔
اس سے زیادہ دھواں ارشین کی آنکھوں میں بھرنے لگا تھا۔
"دیکھئے۔ میں گھر والوں کو انوالو کیے بغیر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتی۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ مصالحت
آمیز لہجے میں بولی۔ اس کا مقصد کسی طرح بھی انہیں فی الفور اس ارادے سے باز رکھنا تھا۔
"تو والدین تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ کیوں ڈالی تھی؟" وہ تلخی سے بولے۔
"میں تو گھر والوں پر اپر چینل ہی آنا چاہتا تھا۔ تمہاری ہٹ دھرمی نے یہ دن دکھائے ہیں۔ صورت حال کی ذمہ دار تم
ہو۔" انہوں نے بھڑک کر ایک بار پھر سارا الزام اس کے سر ڈال دیا۔ مگر اس وقت بحث و مباحثے کے بجائے انہیں
زبانی لحاظ سے "نرم" بنانے کی ضرورت تھی۔ وہ جان بوجھ کر بحث میں نہیں الجھی۔
"شاید مجھ سے بھول ہوگئی۔" وہ رسانیت و خندہ پیشانی سے بولی۔ "آپ مجھے گھر چھوڑ دیں۔ میں وعدہ کرتی
ہوں کہ آپ کے پروپوزل کے بارے میں سنجیدگی سے سوچوں گی۔" آواز میں لجاجت تھی۔
"مجبوری میں تو حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔ وہ کسی بھی طرح انہیں "واپسی" کے لیے آمادہ کرنا چاہتی تھی۔
پروفیسر وانیال چند لمحے بغور اس کا چہرہ ٹٹولتے رہے۔ پھر گہری سانس لی۔

"اتنا بے وقوف سمجھتی ہیں مجھے۔" وہ چٹکی سے راکھ جھٹکتے ہوئے سرد لہجے میں گویا ہوئے "زبر
چاہتی ہیں ناں۔" وہ طنزیہ متبسم ہوئے۔
وہ کھسیا کر اپنی انگلیاں مسلنے لگی۔ ان کی زیرک نگاہیں اور فہم و فراست کی قائل سی ہو گئی تھی
"ایک بات اچھی طرح کان کھول کر سن لیں ارشین۔" معاً وہ اٹھ کھڑے ہوئے "اس جگہ
صورت روانہ ہوں گی جب ارشین بخاری سے مسز ارشین دانیال بن چکی ہوں گی بصورت دیگر
لیے قید خانہ بن جائے گی۔"
ان کے چہرے پر پتھریلے جامد تاثرات رقم تھے۔ لہجے میں قطعی پن تھا۔ وہ بھونچکی رہ گئی۔
"اگر اس خیال میں ہیں کہ کس طرح یہاں سے فرار ہو جائیں گی یا "بیرونی امداد" حاصل کر سکیں
خام خیالی ہے۔ پولیس میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ یہاں صرف میرا قانون چلے گا۔ آپ میرے
ہیں۔ داد دیجیے میرے ضبط و پندار کی۔ آپ روبرو ہیں، قریب ہیں، قابل رسائی ہیں اس کے باوجود
سے پہلے انگلی تک چھونے کی جسارت نہیں کی۔"
اس کا چہرہ تپ کر سرخ ہو گیا اور سر نامعلوم بوجھ سے جھک سا گیا۔ وہ گہری پُر تپش نگاہ سے اس
رہے تھے۔
"اسی سے میرے جذبوں کی شدت کا اندازہ لگا لیں۔ اب تو تسلیم کر لیں۔" وہ اس کے مقابل اقرار
لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ارشین نے نگاہ کے ساتھ ساتھ رخ بھی پھیر لیا۔
"میں کس طرح یقین دلا سکتا ہوں آپ کو اپنے جذبوں کی سچائی کا۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک
"مجھے گھر پہنچا کر۔" وہ بجلی کی سی تیزی سے مڑی اور الجھی سانسوں سے بہ عجلت کہہ کر ان کا
لگی۔ ان کی بھنویں تن گئیں۔ آنکھوں میں تفکر و اضطرار رقص کرنے لگا۔ چہرے پر کشمکش کے تاثر
تھے۔

"پلیز مہدی صاحب! اگر آپ کے دل میں میرے لیے سچی محبت ہے تو مجھے گھر جانے دیں۔"
وہ لوہا گرم دیکھ کر منت و خوشامد پر اتر آئی۔ یہی تو سنہری موقعہ تھا۔ انہوں نے گہری سانس لی۔
"کسی کو اپنی روح جسم سے جدا کرتے دیکھا ہے؟۔" وہ مستفسرانہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے گہ
بولے۔ "میں ایسا کٹھن فیصلہ کیسے کر سکتا ہوں۔ بڑی تگ و دو کے بعد یہ گھڑی آئی ہے۔ ملن کی صورت
جسے چاہا تھا اسے پانے کی تعبیر حاصل ہوئی ہے۔ میں کس طرح تمہیں جانے دوں؟۔"
ان کے بھاری دھیمے لہجے سے آنچ سی پھوٹ رہی تھی۔
"آپ کو اپنی بیٹی سحرش کی قسم۔"
اچانک اس نے ان کے سب سے حساس شخصی پہلو پر حملہ کیا۔ وہ ایک پھریری سی لے کر رہ گئے
سرخ اور پھر زرد ہو گیا۔ آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا گئی تھی۔
"اوکے۔" بہت دشوار تر اعصابی جنگ سے نبرد آزما ہونے کے بعد انہوں نے پسپائی اختیار کر لی۔ "
چھوڑ دیتا ہوں۔"
"ہیں سچ۔" اسے گویا کسی نے مژدہ جاں فزا سنا دیا تھا۔
لمحوں میں اس کا سرسوں کے کھیت جیسا زرد چہرہ کھل کر نکھر آیا۔ سیاہ خوبصورت آنکھوں میں
چمک ابھر آئی۔ دانیال اس دلنشین نظارے کی تاب نہ لا سکے۔ بے اختیار نگاہ چرا لی۔
"مگر اس طرح نہیں۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولے۔
ارشین نے الجھی ہوئی سوالیہ نظریں ان کی طرف دوڑائیں۔
جواب میں وہ جیب سے پین نکال کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے پیپر اٹھا کر اس کی سمت آئے۔
"اس پر تحریر کریں۔"

"میں برضا و رغبت پروفیسر دانیال مہدی سے نکاح کرنے اور ان کا گھر بسانے کو تیار ہوں۔ اور یہ فیصلہ پورے
ہوش و حواس کے عالم میں کر رہی ہوں۔ پروفیسر جب چاہیں میرے والدین سے بات کر سکتے ہیں۔
ارشین بخاری۔"
اس کے اعصاب پر بم گرا۔
"کیا؟۔" "اس سب کچھ کیسے لکھ سکتی ہوں۔" وہ ان کے پھیلائے ہوئے جال میں پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ "یہ ناممکن
"میں یہ سب
"
"یہی آپ کی آزادی کی قیمت ہے۔" وہ بے رحمی سے گویا ہوئے۔ وہ پتھر کی ہو کر رہ گئی تھی۔

◆◆◆

غم ہے یا خوشی ہے تو۔
میری زندگی ہے تو۔
نصرت فتح علی خان کی آواز ماحول کی رنگینی میں اضافہ کر رہی تھی۔
شام کا وقت تھا۔ رات بارش برسنے سے اگست کے مہینے کی گرمی اور حبس کسی حد تک کم ہو گئے تھے۔ فضا کی
رت میں خاطر خواہ کمی واقع ہوئی تھی۔
آج صبح سے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں جس کی وجہ سے موسم کی خوشگواریت کا دل خوش کن احساس
با کر ہو رہا تھا۔
سب لوگ لان کی سرسبز گھاس پر بچھی سفید پالش کی لان چیئرز پر براجمان تھے۔ ریڈیو سیٹ حسب معمول
گھاس پر رکھا ہوا تھا اور ایف ایم آن تھا۔
مہران لائٹ بلیو شلوار قمیض میں آرام دہ انداز میں لان چیئر پر بیٹھا شام کے اخبارات کا مطالعہ کر رہا تھا۔
سفیان اور ناظر اپنی گپ شپ میں لگے تھے۔
گاہے گاہے ان کی نظریں گھر کے اندرونی دروازے پر جم جاتی تھیں جہاں سے کچھ ساعت بعد نینی شام کی
چائے مع لوازمات کے لانے والی تھیں۔ ناظران کے ساتھ ضروری اشیاء کی تیاری کے بعد ان کی اجازت سے باہر
سفیان کے پاس آیا تھا۔
بڑے عرصے بعد مہران شام کی چائے پر ان کے ہمراہ تھا۔ اس لیے نینی نے چائے پر خصوصی اہتمام کیا تھا۔
"لو نینی آ گئیں میدان میں ہو جما لو۔"
سفیان نینی کو ٹرالی دھکیل کر لان کی طرف آتے دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھا۔ ناظران کی مدد کے لیے آگے بڑھا
ا۔

"شریر یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔ اپنے بیٹے کے لیے بنایا ہے سب کچھ۔"
وہ لان چیئر پر بیٹھ کر ٹرالی اپنی طرف کرتے ہوئے مسکرائیں۔
"نینی! آپ نے بہت تکلف کیا ہے۔"
مہران نے اخبار ٹیبل پر رکھتے ہوئے لوازمات سے بھری ٹرالی پر نظر ڈالی۔ ایگ رول، کریم رول، پنیر کے ویجی
ٹیبل سینڈوچز، پیٹیز، چاکلیٹ کیک، گلاب جامن اور انواع و اقسام کے بسکٹ دیکھ کر وہ سچ مچ بوکھلا اٹھا تھا۔
وہ قطعی خوش خوراک نہیں تھا۔ بہت سادہ غذا لیتا تھا۔ کھانے پینے سے بس اتنی ہی رغبت تھی کہ اس سے
بدن میں طاقت، توانائی اور چستی آ جائے۔ اس کے برعکس سفیان اور ناظر اچھے خاصے چٹورے تھے۔
"اتنا سارا کون کھائے گا نینی۔" مہران پریشان سا ہو کر ٹرالی پر دھرے لوازمات کو دیکھ رہا تھا۔
"ہم جو ہیں آپ کے خادم و مددگار۔" سفیان سینے پر ہاتھ رکھ کر ادب سے جھکا اور نینی کے ہاتھ سے پلیٹ پکڑ کر
چیزیں نکالنے لگا۔
"مہران بیٹا! آپ بھی لو ناں۔ یہ کیا ذرا سا سینڈوچ پلیٹ میں رکھ کر بس کر دیا ہے۔" نینی کے لہجے سے وہی

مخصوص شیرنی' حلاوت اور شہد ٹپک رہا تھا۔
انہوں نے زبردستی مہران کی پلیٹ میں کچھ چیزیں ڈال دیں۔
"ہمیں دیکھیں۔ بغیر کسی کے احساس دلائے خود ہی کھائے جا رہے ہیں مجال ہے جو کسی کو تکلف" سفیان نے بڑے جتانے والے معصومانہ انداز میں بڑے بھائی کو دیکھ کر ناظر سے کہا۔
"آپ کی تو فطرت ہے۔" مہران مسکراہٹ دبا کر بولا۔
"کفران نعمت نہیں کرنا چاہیے بھائی جان۔"
ناظر نے اپنی پلیٹ میں گلاب جامن رکھتے ہوئے مگن سے انداز میں جملہ داغا۔
"آپ کی قریب کی نظر کمزور ہے کیا؟۔" سفیان نے اس کی پلیٹ میں رکھے چار گلاب جامن دیکھتے ہوئے سنجیدہ انداز میں دریافت کیا۔
"آپ کو یہ غلط اندازہ لگانے کی نوبت کیونکر پیش آئی؟"
ناظر نے بھی اسی کے سے جلے ہوئے انداز میں بظاہر اعلا درجے کی سنجیدگی سے جواب دیا۔
"میرا خیال ہے کہ میرا اندازہ درست ہے۔" سفیان نے پرزور انداز میں شائستگی سے فیصلہ صادر کیا۔ "جبھی تو آپ گلاب جامنوں کو انگور سمجھ کر کھائے چلے جا رہے ہیں۔"
"یہ خاصا گھسا پٹا لطیفہ ہے۔ ہے ناں بھائی جان؟۔"
ناظر نے اس کے طنز و تمسخر کا بدلہ لینے کے لیے بڑا سوچ کر وار کیا تھا۔
"بھئی آپس کی لڑائی میں مجھے مت گھسیٹا کرو۔"
مہران نے عادت کے مطابق ان کے جھگڑے سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔
"چچ چچ۔ بڑے بے آبرو ہو کر۔ آگے تو تمہیں آتا ہی ہو گا۔" سفیان کو بے ساختہ گدگدی ہوئی۔
"حزب اقتدار کو اپنے ساتھ ملانے کی ناکام کوشش کے بعد آپ اپنی وضاحت میں کیا کہنا پسند کریں گے"
سفیان نے مزید زچ کرنے کے لیے کانٹے میں پیٹیز پھنسا کر مائیک کے طور پر عین ناظر کے منہ کے آگے کر دیا۔
"یہی کہ آپ کے اندر ایک پٹے ہوئے' اوچھے اور بے اصول سیاست دان کی روح چھپی ہوئی ہے۔"
ناظر نے غڑاپ سے کانٹے میں پھنسا پیٹیز کا وہی ٹکڑا نگلتے ہوئے جلے کٹے انداز میں جواب دیا۔
"آپ نے ذاتیات پر حملہ کر کے اچھا نہیں کیا مسٹر اے بی پی عرف احمق بے وقوف' پاجی صاحب"
سفیان کی عجیب و غریب اصطلاح کے بعد دونوں طرف سے "من پسند" مخفف جتانے کا مقابلہ شروع ہوا۔
"افوہ۔ سفی بیٹے۔ ناظر۔ چندا پاگل ہو گئے ہو کیا۔" نینی نے بیچ بچاؤ کرایا۔
"اپنے بارے میں تو میں چیک اپ کے بعد ہی کچھ کہہ سکتا ہوں البتہ ان کے پاگل پن کے بارے میں میرے پاس حتمی اور ناقابل تردید ثبوت و شواہد موجود ہیں۔" سفیان نے حد درجہ اطمینان سے جواباً کہا۔
"نینی! سفی میاں سے کہہ دیں۔ میں برا ماننے لگا ہوں۔" تنگ آ کر ناظر نے جلال میں آ کر اعلان کیا۔
"مجھے کسی قسم کی فکر نہیں ہے۔" سفیان کا اطمینان ہنوز قائم تھا۔ "کہ اس کام کے لیے ایک دل کا ہونا ضروری ہے جو بدقسمتی سے آپ کے پاس موجود نہیں ہے۔"
"یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہ میں نے آپ کو کرائے پر دے رکھا ہے تاکہ ایم ایس سی آنرز کر لیں"
چڑھائی کی۔
"مہران بیٹے! آپ ہی کچھ سمجھاؤ ان کو۔" نینی ہار کر بے بسی سے مہران کو دیکھنے لگیں۔
"کیا مسئلہ ہے بھئی؟۔" مہران نے چائے کا کپ اور اخبار ایک طرف کرتے ہوئے نشست بدل کر سرد نگاہ ڈالی۔ اور بس اسی لمحے دونوں کی ساری طراری ہوا ہو گئی۔
"کچھ نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔" ناظر نے گڑبڑا کر دانت نکال دیے۔

"یار سے مذاق کر رہا تھا۔ ہم لڑ تھوڑی رہے تھے۔" سفیان' ناظر کے کندھے دبا کر اعلا درجے کی محبت و یگانگت کا مظاہرہ کرتے ہوئے صفائی میں بولا۔
"جی جی۔" دونوں ایک ہی جست میں اس طرح شیر و شکر ہو گئے تھے کہ نینی سر پکڑ کر رہ گئیں۔
"ہم دونوں کا بھی جواب نہیں ہے۔" نینی ہنس پڑیں۔
"لڑتے ہو تو اس درجہ اناؤلے اور خونخوار نظر آتے ہو جیسے "میں نہیں یا تم نہیں۔" جیسی پالیسی پہ حرف بحرف عمل کرنے کی ٹھان چکے ہو۔ اور پھر جھاڑ جھپاڑ سن کر منٹ بھر میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر پیار جتانے لگتے ہو۔"
"چلیں۔ اب اصل بحث کی طرف آتے ہیں۔ بہت ٹائم برباد کر دیا۔ چلو تجویز پیش کرو۔ ہم کل ۱۴ اگست کس طرح اور کہاں منائیں۔" مہران پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔
سبز ہلالی پرچم تو یکم اگست سے ان کے گھر کے گیٹ پر' عمارت کی چھت اور ٹیرس کی ریلنگ پر لہرانے لگے تھے۔ وہ لوگ ہمیشہ سے ہر قومی دن بڑے اہتمام سے منایا کرتے تھے۔ کبھی کسی سیرگاہ کا رخ کرتے تو کبھی ہوٹل میں جا کر مناتے تھے۔
"پی سی بھوربن چلتے ہیں بھائی جان۔" سفیان نے چہک کر کہا۔
"وہاں ان دنوں بہت رش ہو گا۔ اور پھر کل پارلیمنٹ کے سامنے ہونے والی سرکاری تقریب میں شاید میری ڈیوٹی بھی لگ جائے۔ کوئی قریب کی جگہ سوچو۔" مہران نے سہولت سے انکار کر دیا۔
"کیوں نہ ہم اس دفعہ گھر میں تقریب منائیں؟۔" ناظر نے تجویز دی۔
"ہاں۔ میرا خیال ہے یہ زیادہ بہتر رہے گا۔" نینی نے بھی ناظر کی حمایت کی۔
"اوکے پھر ڈن رہا۔" مہران نے نینی کے فیصلے کی توثیق کر دی۔
سفیان رنگ برنگے منہ بنانے لگا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ ناظر کی تجویز سے ہر دو "بڑوں" نے بلا اعتراض اتفاق کر لیا تھا اور ناظر اب شرارت سے اسے انگوٹھا دکھا کر چڑا رہا تھا۔
"چلیں پھر کھانے کے بعد رات کو بازار چلتے ہیں۔ ضروری سامان بھی تو لانا ہو گا۔ اور سفی آپ اپنے دوستوں کو بلالیں۔ میں آس پڑوس میں کچھ فیملیز کو دعوت دے آتی ہوں۔ آؤ ناظر میرے ساتھ چلو۔"
نینی سامان ٹرالی میں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"ارشین آپا کو بھی بلالیں؟۔" سفیان نے اشتیاق سے نینی کی شکل دیکھی۔ ارشین کا نام سن کر مہران کا موڈ خراب ہونے لگا۔ وہ خوامخواہ اخبار کے اوراق کھڑکھڑانے لگا۔ اگر سفیان کی خواہش و پسندیدگی کا لحاظ نہ ہوتا تو صاف منع کر دیتا۔ مگر اب اس کے پرشوق انداز کی وجہ سے مجبوراً چپ رہا۔
"ویسے بھی ایک ماہ ہونے کو آیا ہے وہ ہمارے گھر نہیں آئیں۔"
"ٹھیک ہے میں فون کر دوں گی۔"
نینی نے اس کا اشتیاق دیکھتے ہوئے اس کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا حالانکہ اس دن کے خوف کے بعد وہ اچھی طرح ارشین کے گھریلو سسٹم کو سمجھ گئی تھیں۔
"جب آپ بات کریں گی تو مجھے ضرور بلا لیجیے گا۔ میں ان کی آواز سننے کو ترس گیا ہوں۔"
"اچھا اب زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ جاؤ میرا موبائل لے آؤ۔ لاؤنج میں پڑا ہو گا۔"
مہران نے تیوری چڑھا کر بیزار کن انداز میں سفیان سے کہا تھا۔ سفیان اس کے غضب ناک موڈ کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔
"بھلا میں نے ایسی کیا غلط بات کہہ دی۔" وہ الجھن بھرے انداز میں اندر کی سمت بڑھا تھا۔
کچھ عرصے سے وہ نوٹ کر رہا تھا کہ جب بھی گھر میں ارشین کا ذکر ہوتا بھائی جان کا پارہ چڑھنے لگتا تھا۔ اول تو کسی نہ کسی بہانے ٹاپک بدل دیتے اگر ایسا نہ ہو پاتا تو اٹھ کر چلے جاتے تھے۔

"کیا ان میں کوئی لڑائی ہو گئی ہے؟" وہ لاؤنج میں ادھر ادھر دیکھتا موبائل ڈھونڈتا ہوا سوچ رہا تھا۔
"جس دن میرے رزلٹ کی خوشی میں پارٹی دی تھی اسی دن سے دونوں کے تیور بگڑے بگڑے
تھے۔ مگر اس دن ایسی کیا بات ہوئی تھی۔" وہ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر استغراق کے عالم میں سوچ
آ گیا۔ جہاں مہران زور و شور سے چیزوں کی لسٹ بنانے میں مشغول تھا۔ نینی اور ناظر جا چکے تھے۔
"کیا کچھ لکھ ڈالا بھائی جان؟" وہ چیئر پر بیٹھ کر فہرست دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔
"تم خود دیکھ لو۔" اس نے اس کی طرف کاغذ سرکا دیا اور موبائل تھام لیا۔
"نینی کھانے پکانے کی کچھ چیزیں لکھوا کر گئی ہیں اب تم سجاوٹی اشیاء بھی نیچے لکھ دو۔ مجھے تو اس کا
خاص علم نہیں۔"
"سبز جھنڈیاں، غبارے، سجاوٹ کی چمکیلی لڑیاں، جو کچھ تو رنگ برنگی چمکتی پنیوں پر مشتمل ہوں
لال، پیلے، ہرے، جامنی کاغذی پھولوں کی لمبی لمبی ڈنڈیاں ہوں گی۔ اور ہاں اصلی گلاب اور موتیے کی
بھی سجاوٹ کی جائے گی۔"
سفیان سر جھکائے لسٹ پر قلم چلاتے با آواز بلند ساتھ میں بولتا بھی جا رہا تھا۔ مہران اس کے انہماک
ہو رہا تھا۔
"سب سے اہم ترین آئٹم ایک زبردست سا کیک جس پر پاکستانی پرچم کی تصویر اور جشن آزادی کا
ہوں۔"
وہ ایک دم سے چونک کر مہران سے مخاطب ہوا۔
"فکر نہیں کرو۔ اسی کا آرڈر دینے لگا ہوں۔"
مہران نے موبائل پر نمبر پش کرتے ہوئے بتایا۔ نینی نے بیکری سے کچھ ضروری اشیاء منگوانی تھیں۔
بیکری" کال کر کے مہران نے سارے آرڈرز نوٹ کروا دیے۔
"رات ساڑھے دس تک ہم لوگ پہنچ جائیں گے۔" آف کرنے سے پہلے اس نے بیکری والوں کو
تھا۔ یہ ایف سیون کی مشہور اور مہنگی ترین بیکری تھی۔

◆◆◆

"دادا جان۔ واٹ آ سرپرائز۔" عدنان لاؤنج کا بیرونی دروازہ کھول کر اندر آیا اور بلا پھینک کر دادا سے لپ
"اس دادی سے بھی مل لو۔"
"اے حاجی صاحب چھوڑ دیں بچے کی جان۔ کیا عمر بھر چمٹائے کھڑے رہیں گے۔"
دادی نے پہلے ناراضگی بھرے انداز میں عدنان کی از خود رفتگی ملاحظہ کرتے ہوئے شکوہ کیا اور پھر
دادا سے بھڑ گئیں۔
"بچے تمہارے سڑیل، بد مزاج اور کڑوی طبیعت کی وجہ سے خود ہی تمہاری طرف نہیں آتے تو
کیا قصور۔" دادا حد درجہ مسرور تھے۔
"اب ہر کوئی میری طرح صابر و شاکر اور پہاڑ جیسے حوصلے کا مالک تو نہیں ہوتا جو تمہاری ناک
رہے۔" دادا نے ایک اور فائر کیا۔
"اوہ دادی بھی آئی ہیں۔ سوری دادی میں دیکھ نہیں سکا۔"
عدنان گرما گرمی کا ماحول دیکھ کر فوراً اسی والہانہ پن سے دادی کی آغوش میں آ گیا۔
"بس ہو گئے شروع۔ میں کہتی ہوں حاجی صاحب کیوں اپنی عاقبت خراب کرنے پر تلے ہوئے ہو
نے دانت پیس کر انہیں گھورا اور عدنان کو پیار کر کے تخت پر بیٹھ گئیں۔
"لیجیے ٹھنڈا ٹھار روح افزا پی کر دماغ کی گرمی دور کیجیے۔"
اس سے پہلے کہ طبل جنگ بجتا، شاہین دودھ میں روح افزا مکس کر کے شربت بنا کے لے آئی

جی کی دیدہ زیب آرائش کی تھی۔
گلابی خوشبودار فرحت افزا مشروب نے اندر تک ٹھنڈک پہنچا دی۔
"بڑے موقعے پر آئیں میری بچی۔ دل خوش کر دیا۔" دادا نے دو گلاس غٹاغٹ چڑھا کر ڈکار لی۔
"اب بس بھی کرو۔ کیا سارا جگ خالی کر دو گے۔" دو کے بعد تیسرے گلاس کے لیے ہاتھ بڑھاتے دادا کو دیکھ کر
بی بی جان رہ نہ سکیں بے اختیار کلس کر بول اٹھیں۔
"لاحول ولا قوۃ۔ کیسی ندیدی عورت ہو۔ ہر وقت دوسروں کے کھانے پینے پر بری نظر رکھتی ہو۔" دادا گلاس پٹخ
خشمگیں نظروں سے گھورنے لگے۔
"لو۔ تم چڑھا لو بقایا جگ۔" انہوں نے ٹرے دھم سے دادی کے تخت پر رکھ دی۔ "ایسا بدنیت بھی نہ ہو
"ساتھ میں ایک عدد تیر بھی روانہ کر دیا۔
"دیکھ رہی ہو۔ دیکھ رہی ہو بہو۔" دادی رقت و رنجیدگی کے عالم میں صباحت سے مخاطب ہوئیں۔
"پھر میں کچھ کہوں گی تو توپ کے دہانے پر جا بیٹھیں گے۔"
"چھوڑیں اماں۔ ابا جی کو تو عادت ہے مذاق کی۔" بی بی جان نے ان کی توجہ ہٹانے کے لیے کہا۔ پھر وہ ریلنگ سے
کی خاموش کھڑی امبرین سے مخاطب ہوئیں۔
"امبر۔ فریزر سے چکن نکال لو۔ بریانی اور قورمے کے لیے۔"
"بہو۔ زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ جو پکا ہے کھا لیں گے۔ ہم کون سا مہمان ہیں۔" دادا نے ٹوک کر
لیا۔
دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔
"اہتمام کی کیا بات ہے۔ اپنے لیے بھی تو بنانا ہے، ایک ڈیڑھ گھنٹے میں کھانا تیار ہو جائے گا۔" بی بی جان ہانڈی
چڑھانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"میرا شیر جوان کدھر ہے۔ کہیں گیا ہوا ہے کیا؟"
دادا نے بے تابی سے دریافت کیا۔ انہیں گوٹھ سے آئے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ بی بی جان کا ماتھا بھی ٹھنک گیا۔
گھڑی پر نظر پڑی تو یکا یک متوحش ہو کر اٹھ گئیں۔
"تانزو کے ہاں گئی تھی۔ پانچ منٹ کا بول کر نکلی تھی جانے کہاں رہ گئی۔" وہ دھڑ دھڑاتے دل سمیت اٹھ کر فون
کی طرف بڑھیں۔
"اس لڑکی کے تو دیدوں کا پانی مر گیا ہے۔ اس کا باپ چیک اپ کے لیے اسپتال گیا ہوا ہے۔ واپس آ کر اسے
غائب پایا تو میری جان کو آ جائے گا۔ ایسی اولاد سے تو بندہ بے اولاد ہی اچھا۔ ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔"
وہ دل ہی دل میں بولتی امبرین کے پاس کچن میں آ گئیں۔
"امبر اس بدبخت کا کہیں اتا پتا کرو۔ اس کی "سہیلی" کا نمبر ڈھونڈو۔ ہو نہ ہو ادھر ہی دفع ہوئی ہو گی۔ میں اس
کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ بس بہانہ چاہیے تھا اسی سے ملنے کا۔ سو وہ فاریہ کو چھوڑنے کی آڑ میں مل گیا۔
اب تانزو کے ہاں ہوتی تو اتنی دیر ہونے سے رہی۔"
فکر مندی، تشویش اور تنفر بیک وقت ان کے جملوں سے برس رہے تھے۔ انہیں پکا یقین تھا کہ وہ نینی کے ہاں
گئی ہو گی۔
"تانزو باجی سے ان کی اتنی دوستی ہے۔ انہوں نے روک لیا ہو گا بی بی جان۔" پیاز کاٹتی ہوئی شاہین بے اختیار
ارشین کے حق میں بول پڑی۔
"تم چپ کرو بدبخت۔ کتنی بار کہا ہے اپنی ٹانگ مت اڑایا کرو۔"
اب کی بار بی بی جان کو قہر چڑھا تو بلا ارادہ اس کو ایک عدد دھموکا جڑ دیا۔ شاہین بلبلا کر رہ گئی۔
"مجھے تانزو کا نمبر ملا کے دو۔ ادھر آؤ۔" بی بی جان امبرین کو لے کر ٹیلی فون کی طرف بڑھیں۔

"پتوں تو مجھے اس لڑکی کے بھی اچھے دکھائی نہیں دیتے۔" آن کی آن میں نازو بھی بی بی جان
میں شامل ہو گئی۔
"یہی اس بے غیرت کی پردہ داریاں رکھ کے اسے الٹی طرف لگا رہی ہے۔" بی بی جان نے ارشہ
"ارشاد" کرتے ہوئے نازو کو رگیدا۔
پہلی بار امبرین کا جی بی بی جان کی سوچ سے مکدر سا ہونے لگا۔
"پہلے فاریہ اور اب نازو باجی۔ کمال ہے انہیں ہم سے میل جول رکھنے والا کوئی بندہ بھی برداشت نہ
وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی پیشانی پر بل ڈال کر نازو کے سسرال کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔
"ہیلو۔ وسلام۔ اے نازو! وہ تمہاری سہیلی کیا تمہاری طرف ہی ڈیرے ڈال کے بیٹھ گئی ہے؟"
رابطہ ملنے پر امبرین نے ریسیور ان کی طرف بڑھایا تو وہ چھوٹتے ہی بیزاری و جھنجھلاہٹ کے بار
ہو گئیں۔
"کون بی بی جان۔ آپ کس کا ذکر کر رہی ہیں؟"
نازو اس نئی افتاد پر گھبرا سی گئی۔
"ارشین کی بات کر رہی ہوں اور کس کی کروں گی۔" وہ تنک کر بولیں۔
"صبح گیارہ بجے کی گھر سے نکلی ہے۔ کہہ رہی تھی۔ فاریہ کو چھوڑ کر نازو کے ہاں دو منٹ کو رکوں گی
تھا شاید تم سے۔ ڈیزائن دیکھنے کے لیے۔ کیا تمہارے ہاں نہیں پہنچی؟"
اب کے بی بی جان سچ مچ دل تھام کے رہ گئیں۔ ان کی خدشات سے لبریز آواز میں بدحواسی گھلنے لگی
نازو نے ایک لمحے کو سوچا پھر ہاتھ سے پھسلتے ریسیور کو مضبوطی سے پکڑ کر کھنکھناتی ہوئی آواز میں بولی
"ارے فکر کیوں کرتی ہیں بی بی جان! ارشی میری طرف ہی بیٹھی ہے۔ بھیج دوں گی شام تک۔"
"ذرا میری بات کراؤ اس سے۔" بی بی جان کی فرمائش پر نازو کے چھکے چھوٹنے لگے۔ قدموں تلے
سرکنے لگی۔
"وہ دراصل اس وقت کھانے کی ٹیبل پر بیٹھی ہے۔ ماموں اور ممانی بھی اس کے پاس ہیں۔" نازو
پسینہ پونچھتے ہوئے گھبراہٹ پر عجلت کا پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"میں بھی ادھر ہی تھی۔ بیل بجنے پر کھانا چھوڑ کے آئی ہوں۔"
اس نے جتانے والے انداز میں بات کو اختتامی رنگ دینا چاہا۔
"اچھا۔ چلو پھر اس کو میری طرف سے تاکید کر دو کہ جلدی گھر آجائے۔ اس کے دادا دادی آ
جان ڈھیلی پڑ گئیں۔ بہرحال کچھ نہ کچھ اطمینان تو ہو گیا تھا۔
"جی اچھا۔" پھر وہ کچھ سوچ کر جلدی سے بولی۔
"وہ تو آتے ہی جانے کی رٹ لگا رہی تھی مگر ممانی جان نے زبردستی روک لیا۔ انہیں اپنی بھانجی کے
ایڈمیشن کے سلسلے میں کچھ معلومات درکار تھیں۔ فکر نہ کریں۔ وہ شام تک آجائے گی اگر دیر ہو گئی
ہو جائے گا۔ وہ میری طرف ہی ہے۔" اس نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔
"ہونہہ۔ اچھی زبردستی ہے۔" بی بی جان نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے پٹخنے کے سے انداز میں
دیا تھا۔ "خیر جب اپنی اولاد ہی کہنے میں نہ ہو تو کسی سے کیا شکایت۔"
"میں نہ کہتی تھی کہ وہ نازو باجی کے ہاں ہوں گی۔" شاہین نے ماں کے چہرے پر جھلملاتے اطمینان
جتانے والے انداز میں کہا۔
ادھر نازو کی ہوائیاں اڑی جا رہی تھیں۔ ارشین کو کسی ممکنہ خطرے سے بچانے کے لیے جھوٹ
اب اس کا دل خشک پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ "اگر وہ شام تک نہ آئی تو..."

◆◆◆

وہ کھڑکی سے لگی سبز جنگل میں گم ہوتی شام کی آنکھ مچولی دیکھ رہی تھی۔ بظاہر مانند دیوار ساکت وصامت تھی مگر
درون دل طوفان کروٹ لے رہا تھا۔
صوفے کی سائیڈ ٹیبل پر دوپہر کا کھانا جوں کا توں دھرا تھا۔ ارشین نے ان کے اصرار و تحکم کے باوجود ہاتھ نہیں
لگایا تھا۔
دانیال ملحقہ کچن میں کافی بنا رہے تھے۔
انہوں نے اسے سوچنے کے لیے فراخدلی سے ٹائم دیا تھا۔
"میں نے ایک بات اچھی طرح سمجھ لی ہے۔" ارشین نے آہ بھر کر سوچا۔ "کہ جس کام کا طریقہ کار غلط ہو اس
کا انجام بھی غلط ہوا کرتا ہے۔ جس فعل کو دوسروں سے چھپ کے پوشیدہ رکھ کے کیا جائے اس کا حاصل کار رسوائی
اور ذلت کے ماسوا کچھ نہیں ہوتا۔ اگر آغاز غلط ہے تو اختتام بھی غلط ہوگا۔ قدرت ہر غلطی سے صرف نظر نہیں کیا
کرتی۔ اس کی سزا مل کے رہتی ہے۔ میں نے اپنے تئیں سب سے چھپا کے پروفیسر دانیال مہدی کو اپنی ذات کا
سراغ سونپا تھا' خود تک رسائی کا پتا دیا تھا۔ ان سے ربط ضبط بڑھا۔ میں رازداری برتی تھی۔ اور اب بھگت رہی
ہوں ناں اس "چوری" کا نتیجہ۔
ہم لڑکیاں ہزار باشعور و باعلم ہونے کے باوجود ایسی نادانی اور بے وقوفی کیوں کر گزرتی ہیں۔
گھر سے باہر کے اجنبی بندے کو اعتبار دے دیتی ہیں۔ اعتبار کر لیتی ہیں۔
لاکھ دفعہ سمجھایا جائے۔
لاکھ طرح بہلایا جائے۔
پھر بھی۔ پلک جھپکنے کی مہلت میں کھو جاتا ہے۔ دل سودائی ہو جاتا ہے۔
"مادام۔ کافی لے لیجئے۔" عین اپنی پشت پر کسی زندہ وجود کی پُرحرارت موجودگی کا احساس ہوتے ہی وہ ہڑبڑا کر پلٹی
تھی۔ وہ اس سے دو فٹ کے فاصلے پر کھڑے ہاتھوں میں کپ تھامے مسکرا رہے تھے۔
ارشین کا جی چاہا دونوں کپ ہاتھ میں لے کر ایک ساتھ ان کے منہ پر اچھال دے۔ اس نے منہ بنا کر رخ بدل
لیا۔
"لیجئے ناں۔ مجھ سے دشمنی سہی کافی سے تو بے رخی نہ برتیں۔ بڑی بے ضرر چیز ہے۔ ہو سکتا ہے اسے پی کر
آپ کو عقل آجائے۔ یہ احساس ہو جائے کہ سمے تیزی سے بیت رہا ہے۔ اور آپ فیصلہ کرنے کی منزل سے ہنوز
دور ہیں۔ سوچ لیجئے۔ جوں جوں وقت گزرے گا آپ کے لیے سچویشن مزید بھیانک اور نقصان دہ ہوتی جائے گی۔
لڑکی رات گئے تک گھر نہ پہنچے تو معاشرہ اس گھر کے مکینوں کے گرد بدنامی کی فصیلیں تان دیتا ہے۔ آپ کی شہرت'
ملازمت' معزز و مکرم شخصیت کوئی چیز بھی آپ کو سماج کی تیار کردہ رسوا کن سولی سے نہ بچا سکے گی۔"
وہ بہت سنجیدگی سے اس کا صبیح چہرہ جانچ رہے تھے۔ آواز کیا تھی۔ جیسے کسی پرندے کی تند و تیز دل دہلا دینے
والی چیخ فضا میں گونجی تھی۔
ارشین کو کچھ ایسا ہی محسوس ہوا۔
وہ جھرجھری لے کر بیدار ہوئی۔
وقت کا ایک ایک لمحہ مثل لعل یمن تھا۔
بے حد قیمتی۔
اور وہ بے دردی سے ان لمحوں کو تھال کے سکوں کی طرح زمین پر گرا رہی تھی۔
"آپ مجھے کس حد تک "ریلیف" دے سکتے ہیں؟"
وہ اکھڑے ہوئے برف لہجے میں مخاطب ہوئی۔
"یا تو ابھی مجھ سے نکاح کر لیں۔ یا پھر اس اسٹامپ پیپر پر اپنی رضامندی تحریر کر دیں۔ میں کارروائی کے فوراً
بعد آپ کو گھر چھوڑ دوں گا۔"

"بصورت دیگر؟" وہ جیسے غرا کر انہیں گھور رہی تھی۔

"بصورت دیگر آپ یہیں رہیں گی۔ میری تحویل میں۔"

وہ بے حد سکون و سرور کے عالم میں مسکرا رہے تھے۔ آنکھوں اور چہرے پر بشاشت کا راج تھا یوں جیسے کسی [illegible] کو اپنے کنٹرول میں لینے کے بعد حد درجہ اطمینان ہو۔

"اور میں آپ کو ایک بات کلیئر کر دوں۔ ابھی تو آپ کو محبوب و معزز اور شجر ممنوعہ کی حیثیت سے مخاطب کر رہا ہوں مگر آپ کے عدم تعاون کی صورت میں اس تنہا تنہا ماحول میں مرد و عورت کے [illegible] کے ماسوا کچھ نہیں بچے گا۔" لہجہ بلا کا بے رحم اور پتھریلا تھا۔

چھن چھن چھن۔ کسی نے اس کا کانچ سے نازک نسوانی غرور و مان کو ہتھوڑے کی ایک ہی ضرب [illegible] تھا۔

"آپ جیسے درندہ صفت اور سفاک انسان سے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے؟" وہ غم و غصے سے پھٹ [illegible] تانبے کی طرح تپ گیا تھا۔

"پڑھ لکھ جانے سے یا جاب کر لینے سے عورت ٹارزن نہیں بن جاتی۔"

ان کے لہجے میں تمسخر تھا۔

"لیکن وہ خود کو سمجھنے ضرور لگتی ہے۔ اسی لیے دھڑلے سے مردوں کے جذبات سے کھیلتی ہے۔ ان کا [illegible] چیلنج کرتی ہے اور جب مرد جواباً "اپنی فطرت کا مظاہرہ کرتا ہے تو اسے 'ظلم و ستم' درندگی اور سفاکیت [illegible] کرتی ہے۔ عورتیں مان کیوں نہیں لیتیں کہ وہ کمزور اور نادان ہیں۔ چاہے وہ عمر اور علم کی کسی بھی [illegible]

"اپنی نادانی تسلیم کرتی ہوں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ "مگر کمزوری نہیں۔ نہیں ہوں میں کمزور۔" [illegible] بھیگنے لگا تھا۔

"اچھا۔" وہ جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھے۔ آنکھوں میں تپش نمایاں تھی۔ "اور جو میں [illegible] سیکنڈ میں آپ کی کلائی پکڑ کر بے بس کر دوں تو۔۔۔ کیا کر لیں گی آپ۔ بولیں۔ کیا میری طاقت کا مقابلہ کر [illegible] جانتی ہیں مردوں کو چیلنج کرنے والی عورتوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟" انہوں نے آگے بڑھ کر سختی سے [illegible] جھپٹ کر اپنی آہنی گرفت میں لے لیا۔

"آیئے میں آپ کو بتاتا ہوں۔" انہوں نے ایک جھٹکے سے اسے بیڈ پر لا پٹخا تھا۔

☾ ☾ ☾

اس کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔

اس جنگل بیابان میں کون اس کی مدد کے لیے آ سکتا تھا۔

"سنیں۔ بات سنیں مہدی صاحب۔" وہ کراہ کر بولی۔ دانیال کے ارادے اسے ٹھیک نظر نہیں آ [illegible]

"میں تیار ہوں۔ لایئے دیجیے۔ قلم۔ میں آپ کی خواہش کے مطابق اسٹامپ پیپر پر لکھ دیتی ہوں۔" [illegible] اس پر جھکنے لگے تھے یک لخت سیدھے ہو گئے۔ ان کے ہونٹوں پر جاندار مسکراہٹ دوڑنے لگی۔

"یہ ہوئی ناں بات۔ لیجیے۔" وہ ٹیبل سے کاغذ اور قلم اٹھا کر اس کے پاس آ گئے۔

کچھ دیر بعد وہ ان کے ہمراہ گھر واپس جا رہی تھی۔

اسے خبر نہیں تھی' وہ اس کی گاڑی ایف ٹین سے لے آئے تھے۔ وہ تو جب زیرو پوائنٹ پر پہنچ کر انہوں نے سڑک کے کنارے کھڑی ریڈ آلٹو کے پاس گاڑی روکی تو اسے پتا چلا۔

"لیجیے۔ اب آپ اپنی گاڑی پر گھر جا سکتی ہیں۔" انہوں نے اس کی کار کی چابی اس کی آنکھوں کے سا[illegible] جو وہ جلدی میں کار کے اندر ہی چھوڑ آئی تھی۔

"ارشین! میں نے اپنے جذبات کی انتہائی سرکش و بے لگام طنابیں کھینچ کر محض [illegible] خواہش کی خاطر خود پر جبر کیا ہے۔"

انہوں نے اپنی گاڑی بند کر کے ایک گہری سنجیدہ نگاہ اس پر ڈالی۔

"یاد رکھیے گا۔ کبھی میرے ضبط کو للکار کر میری انا پر ضرب نہ لگایئے گا۔ میرے اندر جو جنگ چھڑی ہوئی ہے اس میں آپ کی طرف سے تحقیر و تمسخر اور انکار کی ہلکی سی چنگاری اس جنگ کو ہولناک آتش فشاں میں بدل دے گی۔ جس کی لپیٹ میں آپ ہی نہیں آپ کا پورا خاندان بھی آ سکتا ہے۔"

ان کے لہجے میں اتنی سنگین تنبیہہ چھپی تھی کہ ارشین کی رگ رگ سے خوف و دہشت پھوٹنے لگی۔ اس نے بے اختیار جھرجھری لی تھی۔

"آپ کا یہ "راضی نامہ" میرے پاس آپ کی امانت کے طور پر محفوظ رہے گا۔ جس دن آپ میری بن کر میری خواب گاہ میں جلوہ افروز ہوں گی۔ رونمائی کے وقت اپنے ہاتھوں سے اسے پھاڑ کر ٹکڑوں میں تبدیل کر دیجیے گا۔"

انہوں نے اپنی جیب تھپتھپا کر عجب استحقاق کے سے عالم میں درپردہ اسے احساس دلایا تھا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر خود کو ان کے حضور پیش کر چکی ہے اور اب قطعی بے بس ولاچار ہے۔

ارشین کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔

"یہ میں نے کیا کر دیا؟ خود اپنے ہاتھوں اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے تھے۔"

"دیکھیے۔ آپ اس تحریر کو غلط مقصد کے لیے استعمال نہ کیجیے گا۔"

وہ اٹک اٹک کر بولتی ہوئی مجبور نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔ وہ دلکشی سے مسکرا دیئے۔

"فکر نہیں کرو زندگی! اگر تمہارا تعاون اسی طرح ہمراہ و ہم قدم رہا تو ہر مشکل سہل ہو جائے گی۔ تم آج سے بلکہ ابھی سے خود کو میری امانت سمجھ لو۔ او کے۔ خدا حافظ۔"

وہ ان کی گاڑی سے اتر کر اپنی کار کی طرف بڑھی تو وہ تیزی سے اپنی راہ پر ہو لیے۔

ارشین کا جی چاہ رہا تھا۔ گھر جانے کے بجائے گاڑی کا رخ راول جھیل کی طرف موڑ لے اور گاڑی سمیت اس میں چھلانگ لگا کر ہمیشہ کے لیے اس ذلت آمیز شب و روز سے چھٹکارا پا لے۔

گھر کی طرف جاتے راستے پر گاڑی ڈالتے ہوئے وہ پوری جان سے لرز رہی تھی۔ وہ صبح سے گھر سے نکلی ہوئی تھی۔ کیا کیا نہ فسانے بنے ہوں گے۔

اپنے گھر کے آگے گاڑی روکتے ہوئے اس کی ہمت اور حوصلے جواب دینے لگے۔

اس کی تھرتھری چھوٹنے لگی تھی۔ حلق خشک ہو گیا تھا اور ٹانگوں سے جان نکلنے لگی تھی۔ ساری ہمت تمام ہو گئی تھی۔ دل کڑا کر کے گاڑی کا ہارن بجایا۔

عدنان نے گیٹ کے دونوں پٹ وا کیے تھے۔ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے انجانے خدشوں میں گھری وہ مرے مرے قدموں سے لاؤنج کا بیرونی دروازہ کھول کر اندر آئی۔

"کیا نازو کے گھر میں کسی نے گوند لگا کے جوڑ دیا تھا جو جا کے وہیں کی ہو رہیں؟"

بی بی جان نے اس کے قدم اندر رکھتے ہی کڑے تیوروں سے خبر لی۔ البتہ انداز میں مخصوص تفتیش اور غیض و غضب مفقود تھے۔ ارشین کی سانسیں بحال ہونے لگیں۔

"نازو نے تو فون پر کہا تھا۔ کھانا کھلا کر بھیج دوں گی۔ پھر کیوں اتنی دیر لگائی۔ چار بج رہے ہیں۔ گھڑی دیکھو ذرا۔"

بی بی جان بدستور اسے گھورتے ہوئے ڈانٹ ڈپٹ کر رہی تھیں۔

"نازو۔" ارشین کا دل سکڑ کر پھیلا اور پھر نارمل رفتار سے دھڑکنے لگا۔ اپنی دوست کی اس عنایت پر بے اختیار اس پر ٹوٹ کر پیار آنے لگا۔

اس کی غلط بیانی نے اسے ایک قیامت خیز امتحان سے بچا لیا تھا۔

"ارے دادی!" اس کی جان میں جان آئی تو تخت پر سوئی ہوئی دادی پر نظر پڑی جو اس کی آواز پر ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹ رہی تھیں۔

"آپ کب آئیں دادی؟" دن بھر کی اذیت و وحشت کہیں اڑنچھو ہو گئی۔ دادی کو سامنے پا کر ساری کلفتوں کا

ازالہ ہو گیا تھا۔ وہ یکبارگی ہلکی پھلکی ہو کر ان سے لپٹ گئی۔
"ہم تو صبح کے آئے ہوئے تھے۔ تم کدھر غائب تھیں؟" دادی نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے ناراض ہو کر دریافت کیا۔ ایسی ناراضگی جس میں مان اور ممتا بھری نرمی پوشیدہ تھی۔
"دادا کدھر ہیں؟" اس کے جسم میں جیسے ایک نئی روح دوڑ گئی تھی۔
"میرا شیر جوان آ گیا۔" اسی وقت دادا سیڑھیاں طے کرتے نیچے آئے تھے۔
"دادا!" اس نے خوشی کا نعرہ لگاتے ہوئے ان کے مشفق وجود میں خود کو گم کر لیا۔ کتنی مٹھاس، کتنا سکون تھا ان بوڑھی مہربان بانہوں میں۔
"شاہین! بچے کو ٹھنڈا پانی تو پلاؤ۔ اتنی دھوپ سے آئی ہے۔" دادا کو ہمیشہ کی طرح اس کے آرام کا خیال تھا۔
"ہاں۔ جنگ جیت کر محاذ سے جو لوٹی ہے۔" بی بی جان منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی چڑ کر اندر چلی گئی تھیں۔
"اور دادا! کتنی بازیاں لگائیں لوڈو کی۔" ارشین نے سنا تو سہی مگر سہولت سے نظر انداز کر دیا۔ دادا نے تو کہ اس آسیب کی قید میں گزرے دن کی تمام وحشتیں بھی ذہن سے جھٹک دی تھیں۔

◆◆◆

"کیا بات ہے سرکار۔ آج کل آپ بڑے ٹھنڈے میٹھے، رسیلے رنگیلے اور سہانے گیت و سنگیت اور تخیل میں کھوئے نظر آتے ہیں۔" کمرے میں داخل ہوتے ہی جب ناظر کو "یہ جادو چڑھ گیا ہے۔ تو..." والا گیت ڈیک پہ بجتا سنائی دیا تو اس کی حیرانی اچانک ترنگ میں بدل گئی۔
سفیان بڑے مگن سے انداز میں قالین پر فلور کشنز کے سہارے پیٹ کے بل لیٹا پاؤں ہلا رہا تھا۔
"لاحول ولا قوۃ۔ یا حضرت! آپ کو کس حکیم نے مشورہ دیا تھا اس درجہ ادق اور ثقیل اردو بولنے کا۔ غلط سلط۔ خوامخواہ دماغی بدہضمی ہو جائے گی۔"
سفیان سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے برا سا منہ بنا کر بولا۔
"میں نے کہا، سرکار خیریت تو ہے۔" ناظر نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے انگلی نچا کر پوچھا۔ انداز شرارتی تھی۔
"خدانخواستہ کسی کا نصیبہ تو نہیں پھوٹنے لگا آپ کے ساتھ؟۔"
"ہو بھی سکتا ہے۔" سفیان نے شان بے نیازی سے جواب دیا۔
"کیا؟۔" ناظر پر حیرت کا شدید دورہ پڑا۔
"اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ بہت خوب سیفی میاں۔ اس کا مطلب ہے وہ دوستی غمگساری بالکل جھوٹ تھی۔ مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔"
ناظر کے شاکی اور خفا خفا لہجے کا خاطر خواہ اثر ہوا۔
"ناراض نہ ہو میرے بھائی۔" سفیان نے خوشامدانہ انداز میں کندھا دبایا۔
"سچی بات یہ ہے کہ ابھی میں خود بھی پُریقین نہیں ہوں۔ بس ایک سایہ سا ہے۔ میرے تخیل نے جو تراشی تھی وہ اس سے ملتی جلتی تو ہے لیکن ابھی میرے دل نے اسے کردار کی کسوٹی پر نہیں پرکھا۔ خدا جانے یہ وہی ہے جس کی میں تمنا رکھتا ہوں یا ..."
سفیان کسی خوش کن خیال میں گم خوابیدہ سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز میں سنجیدگی تھی تو ناظر مذاق اڑانے کے بجائے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔
"ابھی تو محض خاکہ بنا ہے اس کی شخصیت کا۔ اس میں نقش اور رنگ سجیں گے تو دل و دماغ کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔ اسی لیے تمہیں نہیں بتایا کہ خوامخواہ الجھنیں پیدا کرنے سے کیا حاصل۔ وہ کیا ہے کہ۔

ابھی تو پاؤں کے نیچے زمین معلوم ہوتی ہے
جہاں یہ ختم ہووے گی وہیں ہم گھر بنالیں گے

"ہوں تو یہ بات ہے۔ ویسے ہے کون؟" ناظر نے سیریس ہو کر دریافت کیا۔
سفیان کش و پنج میں پڑ گیا۔ بتائے یا نہ بتائے۔ اس کا دل کہتا تھا بغیر کسی ٹھوس ثبوت اور واضح یقین کے کسی لڑکی کا نام منہ سے نہیں نکالنا چاہیے۔ قسمت کا کیا پتا ہوتا ہے۔ خوامخواہ لڑکی کی ذات بدنام ہو کر رہ جاتی ہے اس طرح۔
لیکن پھر خیال آیا۔ ناظر اس کی ذات کا دوسرا عکس تھا۔ مذاق کی بات اور تھی لیکن وہ اس گھر کی عزت و ناموس اور گھر والوں کی خوشی و سلامتی کے لیے جان بھی دے سکتا تھا۔ وہ ایک طرح سے نینی کا تیسرا بیٹا ہی تو تھا۔
"یار، وہ۔ ارشین آپی نہیں ہیں؟۔"
وہ رازداری سے ناظر کا کان کھینچ کر اپنے منہ کے پاس لے جاتے ہوئے تقریباً" سرگوشی میں بولا۔
"ہاں۔ ہاں۔" ناظر کا تجسس عروج پر تھا۔
"بس وہ۔" سفیان ایک لمحے کو جھجک سا گیا، ان کے گھر میں اس قسم کے موضوعات پر کبھی بات نہیں ہوئی تھی نہ سفیان، مہران یا ناظر میں سے کسی کو لڑکی ذات سے اس قسم کی کوئی دلچسپی تھی۔
نینی نے انہیں عورت کا اس کے ہر روپ میں احترام کرنا سکھایا تھا۔
"وہ۔ ارشین آپا کی چھوٹی بہن ہیں۔" سفیان نے کہہ دیا۔ اس کا چہرہ تمتما سا گیا تھا اور نظر بے اختیار جھکی تھی۔
"واقعی۔" ناظر بے طرح خوش ہو گیا۔
"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اپنی "آپا" تو ایک دم زبردست ہیں۔ ان کی بہن بھی یقیناً" بہت اچھی ہوں گی۔"
"میں نے کہا ناں اس قسم کا اندازہ لگانا ابھی قبل از وقت ہے۔"
"آپ نے آپا کو بتایا؟۔" ناظر نے اشتیاق سے پوچھا۔
"توبہ کرو۔" سفیان نے بے ساختہ کانوں کو ہاتھ لگایا۔
"کیا اتنا بے شرم سمجھ رکھا ہے مجھے۔" وہ خفگی سے ناظر کو گھور رہا تھا۔ "اور ہاں ابھی فی الحال کسی کو بھنک بھی نہ پڑنے دینا۔ یوں بھی ابھی میں زیر تعلیم ہوں۔ پھر مہران بھائی مجھ سے بڑے ہیں۔ ان کا معاملہ نپٹے گا تو اپنا آگے بڑھے گا ناں۔"
"اب تو آپ کو بھائی جان کے معاملے میں بہت جلدی ہو گی۔" ناظر چھیڑے بنا نہ رہ سکا۔
"صحیح کہتے ہیں عقل مند۔" سفیان نے ٹھنڈی سانس لے کر آسمان کی طرف دیکھا۔ "کسی کو اپنی کمزوری نہیں بتانا چاہیے۔"
"اچھا۔ وہ اپنے دھونے والے کپڑے دے دیں۔ دھوبی نیچے آیا بیٹھا ہے۔" ناظر اپنی آمد کا مقصد یاد آتے ہی یکدم اٹھ کھڑا ہوا۔
"بھائی جان کے کپڑے لے لیے؟۔" سفیان واش روم کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
"ہاں۔ میں نے صبح ہی ان سے پوچھ کر الگ کر لیے تھے۔"
"نینی کیا کر رہی ہیں؟" سفیان ڈیک بند کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔
"اپنے کپڑے استری کر رہی ہیں۔ کل سے کالج کھل رہے ہیں ناں۔"
"کتنی جلدی چھٹیاں ختم ہو گئیں۔ وقت اتنی تیزی سے کیوں بیت رہا ہے۔" کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے سیڑھیاں اترتے ناظر کے پیچھے قدم بڑھاتے ہوئے سفیان خود سے مخاطب تھا۔
"ارشین آپا بھی کل کالج جائیں گی، ہے ناں۔" اس نے الجھن بھرے انداز میں ناظر کی طرف دیکھا پھر اس کا البتہ نغمہ نینی کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ قدموں میں بے چینی تھی۔

"نینی! آپ کل ارشین آپا سے ملیں گی ناں۔ انہیں میری طرف سے سخت ناراضگی اور شکایت گا۔ دو ماہ ہو گئے ہیں انہیں یہاں آئے ہوئے۔ پوری چھٹیاں قدم نہیں رکھا۔ نہ فون کیا۔"
سفیان سخت خفا نظر آیا۔ "حتیٰ کہ آپ کی تاکید کے باوجود جشنِ آزادی کی تقریب میں بھی گر نینی! کہیں وہ ہم سے ناراض تو نہیں ہو گئیں۔"
اسے عجب طرح کے وہم ستانے لگے۔
"وہ کیوں تم سے ناراض ہونے لگیں؟۔"
نینی ہینگر میں ساڑھی پریس کر کے لٹکاتے ہوئے اسے بہلا رہی تھیں' انداز میں مصروفیت اور ان
"میں نے انہیں "آپا" کا صرف ٹائٹل ہی نہیں دیا تھا۔ دل کی گہرائیوں سے ایسا سمجھا بھی تھا۔ کر لاپروائی سے راستہ پلٹ گئی ہیں کہ کون سا گہرا تعلق ہے۔ سلام دعا ہی تو تھی۔"
اس کے لہجے سے دکھ چھلک رہا تھا۔
"سفیان!" اسے اس درجہ سنجیدہ' زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔
"ارے اتنا سا دل ہے۔ تم اپنے دل کی تسلی کے لیے خود ہی فون پہ بات کر لو۔ جاؤ۔"
انہیں اندازہ نہیں تھا۔ وہ ارشین کے معاملے میں اس درجہ حساسیت کا شکار ہو سکتا ہے۔
"میں مہران سے سنجیدگی سے بات کروں گی۔ اس گھر کو بہو کی شدت سے ضرورت ہے وہ شادی بھرے تو رشتہ کرانے والی خالہ سے لڑکی ڈھونڈنے کا کہوں گی۔ ورنہ اس طرح تو سیفی اکیلے پن کا شکار گا۔"
سفیان کے باہر جانے کے بعد وہ استری کا بٹن آف کر کے سنجیدگی سے سوچنے لگیں۔
"مہران کو ہر صورت منا کے ہی دم لوں گی۔"

◆◆◆

"ہیلو۔ السلام علیکم۔ آپ بات کر رہی ہیں ناں۔" اپنائیت بھری آواز ارشین کو بے تاب کر گئی۔
"کیسے ہو سفیان؟" وہ بات کیے بنا نہ رہ سکی۔ بے اختیار زبان سے پھسل گیا۔
"آپا! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں۔ ہم سے ملنے کیوں نہیں آئیں۔"
محبت کی اتنی فراوانی تھی کہ ارشین کو اپنا دامن تنگ پڑتا محسوس ہونے لگا۔ مگر بہرحال اسے اپ در آمد کرنا تھا۔
"میں ٹھیک ہوں مگر بہت مصروف ہوں۔ او کے خدا حافظ۔" نہایت سرد و سپاٹ اور اجنبی انداز اس نے فون رکھ دیا۔ اور پھر ٹیلی فون اسٹینڈ سے سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
اس نے جس دل سے سفیان کا فون رکھا تھا' وہی جانتی تھی۔ مگر بہرحال وہ سوچ چکی تھی کہ مستقبل بتدریج دور ہوتی جائے گی۔ جس گاؤں نہیں جانا اس کے کوس گننے کا کیا فائدہ۔ جب حوالے سے اس فیملی سے قربت کے دور دور تک امکانات نہیں تو پھر بی بی جان کی شک کی چنگاری سے کیا حاصل۔ وہ اپنے گھر کے سکون کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھی۔
"کیا کر رہی ہیں ارشی آپی؟"
شاہین سیڑھیاں طے کر کے اس کے پاس آ کر رکی تھی۔
"کچھ بھی نہیں۔ تم سناؤ۔ بیگ تیار کر لیا۔ کل سے اسکول کھل رہے ہیں۔" وہ بشاشت سے
"جی وہ تو کل ہی تیار کر لیا تھا۔ میں کھڑکی سے موسم کا نظارہ کر رہی تھی۔"
"ہاں خوب بارش برسی ہے۔ چلو شکر ہے۔ کچھ ٹھنڈ تو ہوئی۔"
ارشین اس کو لے کر لاؤنج میں آ گئی۔ دادی اور بی بی جان رقیہ آنٹی کے ہاں گئی ہوئی تھیں' اس خاموشی سی تھی۔
"ایسے موسم میں جی چاہتا ہے' بندہ اسلام آباد کی سرسبز دھلی دھلائی سڑکوں پہ دور تک نکل جا

انجوائے کرے۔"
شاہین کھڑکی سے سڑک کے کنارے لگے بارش میں بھیگے سرسبز درختوں کو حسرت سے دیکھ رہی تھی۔
"ارے تو ایسی کیا بات ہے۔ ہم ڈرائیو پر نکل چلتے ہیں۔ ابھی بی بی جان وغیرہ آ جائیں تو ان کو بتا کر سب چلیں گے۔ ثمر امبر' ہم' عدنان اور دادا جان۔"
ارشین نے چٹکی بجا کر دلچسپی سے شاہین کا چہرہ جانچا جہاں آرزو کا کوئی دیا نہیں جھلملایا تھا۔
"چھوڑیے آپی! پہلے ہی بی بی جان اور بابا جان آپ کی "آزاد روش" سے خائف رہتے ہیں۔ انہیں ویسے بھی آپ سے بے شمار شکایات ہیں۔ کیوں اپنی مشکلات میں اضافہ کرتی ہیں۔ ضد سے اپنی بات منوا بھی لی تو سیر کا سارا لطف بی بی جان کے خراب موڈ کے تصور سے کرکرا ہو جائے گا' کیا فائدہ۔"
ارشین خاموش سی ہو گئی۔
"تمہارا دل ہے تو کہو۔ میری پروا مت کرو۔ میں تم لوگوں کی خوشیوں کے لیے سارے زمانے سے لڑ سکتی ہوں۔" اس نے بے ساختہ شاہین کو سینے سے لگا لیا۔
"نہیں آپی! چھوڑیے۔ اب تو عادت ہو گئی ہے دل مارنے کی۔ چلیں' میں آپ کے لیے اپنے ہاتھوں سے پکوڑے بناتی ہوں۔ آئیں کچن میں چلتے ہیں۔"
"شاہین! کوئی مسئلہ ہو تو مجھ سے شیئر کر لیا کرو۔ کیا آپی پر اعتماد نہیں رہا۔ جو خود ہی پریشان ہوتی رہتی ہو۔"
بیسن کی تھیلی الماری سے نکالتے ہوئے ارشین کو معاً" فاریہ کی شاہین کی ذہنی کیفیت سے متعلق پُر تشویش گفتگو یاد آ گئی۔ وہ سیدھی ہو کر نرمی و شفقت سے شاہین کے قریب آ کر گویا ہوئی۔
"میں اپنے آپ کو بہت تنہا محسوس کرتی ہوں آپی۔" وہ سر جھکا کر پیاز کاٹ رہی تھی۔
"تنہا تو وہ شخص ہوتا ہے جس سے کوئی محبت نہیں کرتا۔ اور نہ وہ کسی سے محبت کرتا ہے۔ جب تمہارے دل میں آئندہ ایسا خیال آئے تو یہ ضرور سوچ لینا۔ کیا واقعی تم کسی سے پیار نہیں کرتیں؟ مجھ سے' ثمر سے' امبر سے' عدنان سے' دادا دادی سے۔ ان سب سے تمہیں محبت ہے ناں اور یہ سب بھی تم سے پیار کرتے ہیں۔ اور تمہاری دوستوں کی محبت و اپنائیت بھی اپنی جگہ موجود محسوس ہوتی ہے۔ تنہائی کا احساس پھر کیوں کر بیدار ہو سکتا ہے۔"
ارشین نے بہت غیر محسوس طریقے سے اس کے ذہن کو مثبت سوچ کی راہ پر گامزن کر دیا۔
"آپی! میرے ذہن میں عجیب و غریب خیالات آتے ہیں۔ ایسے کہ نہ کسی دوست عزیز کو بتائے جائیں اور نہ چھپا کے رکھے جا سکیں۔"
شاہین نے بہن کے احساس بٹانے کے عمل کو بہت قدردانی سے دیکھا تھا۔
"تم اپنے آپ کو مصروف رکھا کرو۔ مصروفیت ہر ذہنی مرض کا علاج ہے۔" پیاز کاٹ کر بیسن میں ڈالتے ہوئے ارشین نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔
"اور سب سے اچھی مصروفیت کتابوں کا مطالعہ ہے۔ کتابوں سے انسان بہت کچھ سیکھتا ہے۔ یہ بن مانگے انسان کو بے تحاشا نواز دیتی ہیں۔"
"مثلاً کیا کیا۔" شاہین نے ٹھوڑی پر ہاتھ جما کر دلچسپی سے دریافت کیا۔
بیسن کا پیسٹ تیار ہو چکا تھا۔ ارشین نے برنر جلا کر تیل کی کڑاہی اوپر رکھ دی اور پھر بولی۔
"بڑا خوبصورت قول ہے کسی کا "دنیا میں سب سے وفادار ساتھی کتابیں ہیں۔ جوانی میں رہنما' بڑھاپے میں تفریح کا باعث اور تنہائی میں رفیق ثابت ہوتی ہیں۔ میں تو کہتی ہوں ہر شخص کو یہ قول سنہری حروف میں لکھوا کر اپنے بیڈروم میں سجانا چاہیے تاکہ جب مایوسی اور بد دلی طاری ہو' اسے پڑھ کر طبیعت سلجھ جائے۔"
شاہین جواباً بے ساختہ ہنسی تھی۔ اس کی طبیعت کا بوجھل پن کسی حد تک دور ہو گیا تھا۔
"میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ کسی بھی سچویشن میں حوصلہ نہیں ہارنا۔ مایوس نہیں ہونا۔ مایوسی اور منفی طرز فکر اور خودکشی کے مترادف ہے۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھو۔ آنے والے کل سے مثبت امید رکھو۔ اور یقین و اعتماد

حاصل کرنے کے عمل کو پختہ بناؤ۔"

ارشین کو یوں لگا جیسے وہ شاہین سے زیادہ خود کو یہ درس دے رہی ہو۔ "جن لوگوں کے پاس یقین [...] ہوتی' وہ ہمیشہ بھٹکتے رہتے ہیں۔ تمہاری قوت فیصلہ اتنی مضبوط ہونی چاہیے کہ جو سوچ لو بس کر گزرو [...] تعالیٰ پہ چھوڑ دو۔ وہ کیا کہتے ہیں حکیم الامت حضرت اقبال کہ۔"

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ
نتیجہ اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے

"آپ کی باتیں سن کر جینے کو جی چاہنے لگتا ہے۔"

شاہین کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس کے لہجے میں عجب بھیگی سی نرمی بھری ستائش تھی۔ ارشین نے اسے [...] سے لگا کر اس کی پشت تھپتھپائی۔

زندگی کو بامقصد طریقے سے گزارنا بھی ایک نیکی ہے۔"

"آپی۔۔۔" شاہین نے سر اٹھا کر بہت چاہ سے بہن کو دیکھا۔

"میں سوچتی ہوں جب آپ چلی جائیں گی تو مجھے کون اچھی اچھی باتیں بتایا کرے گا۔"

"اول تو یہ کہ میں فی الوقت کہیں بھی نہیں جا رہی۔"

ارشین نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"اور دوم یہ کہ ہمیشگی کا ساتھ تو کسی چیز کو بھی نصیب نہیں ہے۔ ہر شے اپنے اصل سے جدا ہو کر [...] سفر پر گامزن ہے۔ سوم یہ کہ جب تک تمہیں میری باتیں یاد رہیں گی اور ان پر عمل کرتی رہو گی۔ مجھے [...] اپنے آس پاس پاؤ گی۔" کیا پھوار سا بھیگا لہجہ تھا جو شاہین کی روح کو سرشار کر گیا۔

"لیجیے ناظرین! پہلی قسط تیار ہو گئی ہے۔" کڑاہی سے گرما گرم پکوڑے نکالتے ہوئے شاہین [...] نظر آ رہی تھی۔

"واؤ۔ بہت زبردست بنے ہیں۔" ارشین ٹماٹو کیچپ کے ساتھ کھا کر چٹخارے لے رہی تھی۔

"شاہین! امبر کیا کر رہی تھی اوپر۔ اگر سو نہیں رہی تو اسے بھی پلیٹ میں ڈال کر دے آؤ۔" ارشین [...] محبت کرنے والی فطرت کے ہاتھوں مجبور تھی۔

◆◆◆

فون ملانے سے پہلے ارشین نے سہ بارہ گھڑی پر ٹائم دیکھا تھا۔ شام کے چار بج رہے تھے اور پروفیسر [...] گھر میں پائے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پھر بھی اس کے دل کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

"اللہ کرے نازش ہی فون اٹھائیں۔" وہ جی جان سے دعاگو تھی۔

"ہیلو۔" ادھر سے نسوانی مدھر آواز سن کر ارشین نے سکون کا سانس لیا۔ پھر بھی اپنے اطمینان [...] نے پوچھ لیا۔

"مسز دانیال بات کر رہی ہیں؟"

"جی ہاں۔ آپ کون ہیں۔" ادھر سے مہذب و متعجب آواز ابھری۔ ایک لمحے کو ارشین چپ [...] نہیں آ رہا تھا بات کی ابتدا کیسے کرے۔

ادھر سے دو تین بار ہیلو ہوا تو وہ کھنکھار کر گویا ہوئی۔

"میں ارشین بات کر رہی ہوں۔"

"جی فرمائیے۔" نازش شاید کمال ضبط کی خوگر تھی۔ پل بھر خاموش رہ کر رسان سے بولی۔

"آپ کو حیرت تو ہوئی ہو گی۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"نہیں۔ وہ تب تک تھی جب تک ہم آمنے سامنے نہ ہوئے تھے۔"

ارشین لب کاٹنے لگی۔ بات تو درجہ حیرانی کی ہے مسز دانیال! آپ نے کسی رقیب یا حریف کو [...]

[...] اپیل کرتے دیکھا ہے؟"

میں نے آپ کو کسی لحاظ سے اپنا مقابل نہیں سمجھا۔ پسند ناپسند بڑے فطری و منہ زور جذبے ہوتے ہیں اور احساسات میں انسان کا ذاتی عمل دخل بے کار ثابت ہوتا ہے۔ دانیال کچھ کرنا چاہیں گے تو میری منت و فریاد قطعی بے اثر ٹھہرے گی۔ مرد کی طاقت و اختیار کو چیلنج کرنے والی عورت کی جھولی میں ہار اور ذلت [...] سوا کچھ نہیں بچتا۔"

نازش کا لہجہ سلجھا ہوا' شفاف اور رواں تھا۔

"میرے قدم اسی دن پیچھے ہٹ گئے تھے جب آپ کی گفتگو کے پس منظر میں 'میں نے اپنے آپ کو ٹٹولا تھا۔ مگر اس عمل کو پروفیسر صاحب نے انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ وہ قدم موڑنے کو تیار نہیں ہیں۔ پہلے دھمکیاں دیتے [...] پھر ایک روز سرِ راہ راستہ روک لیا۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ پھر انتہا سے گزرتے ہوئے اغوا کر لیا۔"

"کیا؟" نازش کا سارا سیلف کنٹرول بھاپ بن کر اڑ گیا۔ اسے لگا جیسے کسی نے اسے کانٹوں بھری جھاڑیوں [...] گھسیٹ لیا ہو۔

کیا ان کی طلب ان کے کنٹرول سے اس درجہ باہر ہو گئی ہے کہ اپنے منصب و مقام سے نیچے اتر کر اتنی قابل [...] حرکت کر گزرے۔

نازش کے ذہن میں بھونچال سا برپا ہو گیا تھا۔

"یہی نہیں انہوں نے رہائی کے لیے تحریری طور پر نکاح کے لیے راضی نامہ لکھنے کی شرط رکھ دی اور مجھے ذلت و [...] سے بچنے کے لیے مصلحتاً و مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔"

ارشین کے منہ سے نکلتے حقائق نازش کو چکرا دینے کے لیے کافی تھے۔

"میں بری طرح پھنس گئی ہوں مسز دانیال۔۔۔۔" وہ کراہی۔

"آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" نازش کا لہجہ بالکل برف بن گیا۔

ارشین کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"میرا خیال ہے' مجھ سے مل کر اور میری حالیہ فون کال کے بعد آپ کو یہ سوال زیب نہیں دیتا۔ میں خائن اور [...] ناعاقبت اندیش نہیں ہوں مسز دانیال! بس وہ کچھ کمزور لمحے تھے جن کی زد میں آ گئی تھی۔"

"میں آپ کے ساتھ ہوں ارشین۔ آپ میرے اس تعاون کو "شوہر بچاؤ مہم" بھی قرار دے سکتی ہیں لیکن [...] عورت ہونے کے ناتے آپ کی عزت و وقار کی حفاظت بھی میرے لیے بہت اہم ہے۔"

"صورت حال یہ ہے کہ پروفیسر صاحب کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے میرے پاس کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ مجھے [...] ہو گیا ہے کہ ان کے مقابلے میں میری پوزیشن بہت کمزور اور بے بس ہے۔"

نازش کچھ دیر تک سوچوں میں ڈوبی رہی۔

"میری مانیں تو آپ فوری طور پر شادی کر لیں۔ میرا مطلب ہے کوئی مناسب رشتہ آیا ہے تو ہامی بھر لیں۔"

نامعلوم خدشے کے پیش نظر نازش نے پہلا جملہ کہتے ہی ساتھ میں وضاحت کی تھی۔ اس معصومانہ ادا پر [...] کو بے ساختہ گدگدی سی ہوئی۔

[...]" ارشین گہری سانس لے کر رہ گئی۔ "اول تو میرے موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا قطعی ممکن نہیں [...] مجھے کم از کم ڈیڑھ سال مزید درکار ہے اپنے گھریلو مسائل سے خاطر خواہ عہدہ برا ہونے کے لیے۔ نمبر دو یہ کہ [...] فی الحال کوئی رشتہ بھی ہاتھ میں نہیں ہے جو۔۔۔۔"

ارشین ارادی طور پر چپ ہو گئی۔

اب تو کافی عرصہ ہو گیا تھا' بابا جان نے رحمت خالہ کی آمد اور اس کے توسط سے کسی رشتے کا ذکر نہیں چھیڑا تھا۔ پانچ چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔

[...] کے ذہن میں یہ آئیڈیا تھا کہ کوئی رشتہ موجود ہو تو بندش کے طور پر نکاح کر لیا جائے۔ رخصتی کے لیے ایک

ڈیڑھ سال کا وقفہ رکھا جا سکتا ہے۔ نکاح کے بندھن میں بندھ کر آپ محفوظ ہو جائیں گی۔ دانا
ہوئے اور پست اخلاق شخص نہیں ہیں کہ کسی کی منکوحہ کے ساتھ کوئی زبردستی کر سکیں۔" نازش نے
پس منظر واضح کیا۔

"کیا آپ کے عزیز و اقارب میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے؟" نازش کے استفسار پر ارشین کا
طرف چلا گیا۔

"ہے تو سہی مگر میری اس کے ساتھ شادی ممکن نہیں ہے۔ کچھ گھریلو مصلحتیں ہیں۔" ارشین
اختصار سے کام لیا۔

"میں بھی مسز دانیال! شادی میری منزل نہیں ہے۔ کم از کم ابھی تو بالکل بھی نہیں۔ میں از
سکتی۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"والدین کا بوجھ بٹانے کی نیک تمنا اپنی جگہ مگر اس کے لیے شریف بیٹیاں خاندانی وقار، عزت
داری کا سودا نہیں کیا کرتیں۔ جب عزتوں پر بن آئے تو غیرت کے گرتے مینارے تھامنے کے لیے
کے سامنے سر جھکا دینا چاہیے۔ اگر آپ کی فوری شادی نہ ہوئی تو خدانخواستہ دور تک آپ سمیت
مستقبل تاریک ہو سکتا ہے۔ آپ کو خود خیال کرنا چاہیے۔ دانیال اس وقت جنونی کیفیت سے گزر
سے کسی بھی انتہائی اقدام کی توقع کی جا سکتی ہے۔ بدنامی کا آغاز بے خبری سے ہوتا ہے اور پچھتاوا
سوچ لیں اچھی طرح۔" نازش کی حساسیت و سنجیدگی انتہا درجے پر پہنچی ہوئی تھی۔

ارشین ریسیور تھامے سن سی کھڑی رہ گئی۔ وہ اپنی عمر سے دس بارہ برس بڑی اس پختہ و جہاندیدہ
عورت کا بھرپور استدلال کسی صورت رد نہیں کر سکتی تھی۔

"مگر فوری طور پر شادی کیسے ہو سکتی ہے مسز دانیال۔"

"آپ کے خاندان میں کوئی عزیز وغیرہ نہیں ہے؟"

"بالکل بھی نہیں۔" اسے تو اس تصور سے ہی ہول آتا تھا کہ اس کی حماقتوں کے فسانے سعد
پہنچیں اور پھر اس کے توسط سے پورے خاندان میں نشر ہوں۔ شادی کے بعد ظاہر ہے کسی نہ کسی ذر
بھی اس تک بات پہنچے گی وہ حساب طلب کرے گا۔ وہ کس منہ سے اس کا سامنا کرے گی اس
ذلت و خواری جھولی میں آ گرے گی۔ جو آپ پر اتنا مان گمان رکھتے ہوں ان کی نظروں سے ہمیشہ کے
رہنا کانٹوں پہ عمر بسر کرنے کے مترادف ہے۔

اور یوں بھی رقیہ آنٹی اور بی بی جان اپنے طور پر امبرین اور سعد کا رشتہ طے کر چکی تھیں۔ بیشتر او

"ٹھیک ہے۔ پروپوزل والا مسئلہ میں حل کیے دیتی ہوں۔" معاً نازش کچھ سوچ کر ہلکی پھلکی ہو

"میری خالہ زاد بہن کا بیٹا ہے مگر عمروں میں اتنا معمولی سا فرق ہے کہ خالہ کے بھانجے کی بجا
رشتہ زیادہ قریب و سہل محسوس ہوتا ہے۔ ماں باپ وفات پا چکے ہیں اور ایک غیر عورت نے اسے
نیک شگون یہ ہے کہ وہ آپ کو بھی جانتا ہے اور آپ کے اور دانیال کے درمیان ہونے والی
داستان دہرانے کی ضرورت و زحمت نہیں کرنا پڑے گی۔ کچھ سمجھیں یا نہیں۔" نازش کا لہجہ بلا کا

ارشین کے ذہن میں اسپارک سا ہوا۔

"مہران آفریدی۔" اس کے اعصاب کے بہت قریب زبردست قسم کی بمباری ہوئی تھی۔

"میری برداشت نہ آزمایئے مسز دانیال! اگر یہ مذاق ہے تو بھی بہت تکلیف دہ اور اذیت نا
دھیمی سی دل شکستہ آواز میں قدرے برہمی رچی ہوئی تھی۔

"یہ مذاق نہیں ہے ارشین پلیز۔" وہ فوراً معذرت کرنے لگی۔

"مذاق نہ کہوں تو کیا کہوں۔ آنکھوں دیکھی مکھی کون نگلتا ہے۔ میرے بارے میں آپ
بھی۔"

"آپ خوامخواہ خود ترسی کا شکار ہو رہی ہیں میں نے سوچ سمجھ کر رشتے کی بات منہ سے نکالی ہے۔ آپ ماشاء
اللہ ایک سلجھی ہوئی پڑھی لکھی لڑکی ہیں۔ مسائل کو ہینڈل کرنا جانتی ہیں۔ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے اور
انہیں دور کرنے میں فراخدلی دکھاتی ہیں۔ آپ میں کیا کمی ہے۔ میں ایک دفعہ آپ سے ملی ہوں اور دوسری مرتبہ
فون پر بات کی ہے۔ اتنے سے عرصے میں آپ کو اندر تک پڑھ چکی ہوں۔ کوئی بھی شخص آپ کی رفاقت پر ناز کر
سکتا ہے۔ مہران مزاجاً تھوڑا سا سخت ہے لیکن میں سلیقے طریقے سے سمجھا کر راضی کر لوں گی کہ اس میں میری
اپنی غرض بھی شامل ہے۔"

خدا جانے عورت کا یہ کون سا روپ تھا۔ ارشین ششدر رہ گئی۔

"آپ کو مجھ پر غصہ کیوں نہیں آیا۔ مجھ سے نفرت کا اظہار کرنے کے بجائے عزت کی چادر کیوں اوڑھا رہی
ہیں؟ مجھے ذلیل کیوں نہیں کیا۔ طعن و تشنیع سے چھلنی کیوں نہیں کیا۔ جو مقام مجھے دینے جا رہی ہیں میں اس کی
اہل نہیں ہوں مسز دانیال! میں نے آپ کا گھر اور آپ کا دل اجاڑا ہے۔" وہ بے آواز آنسوؤں سے رو رہی تھی۔

"اجاڑنے والے معذرتیں طلب نہیں کیا کرتے۔ وہ تو تسلیم بھی نہیں کرتے۔ میں اپنے شوہر کی نفسیات سے
واقف ہوں۔ انہیں نت نئی "مہمات" سر کرنے کی بیماری ہے۔ ہر چکر میں اپنی جگہ خلوص کی انتہا پر ہوتے ہیں۔
جو آسانی سے ہار مان لے اسے چھوڑ دیتے ہیں جو مقابلے پر آ جائے اسے ہرانے کے لیے "مسلح ہو" کر میدان میں
اتر آتے ہیں۔ برسوں سے یہی کچھ ہو رہا ہے۔" نازش کوشش کے باوجود اپنے لہجے کی شکستگی و کرب پر قابو نہ پا
سکی تھی۔

"لیکن تم ایک اچھی لڑکی ہو۔ میں نہیں چاہتی، تمہارا سفر بے مقصد اور بے منزل ٹھہرے۔ ایک دفعہ تم نے
مشورے کے لیے بلایا تھا۔ آج مدد مانگی ہے۔ میں تمہیں مایوس نہیں کروں گی۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے بلا کم و
کاست سارا ماجرا کہہ سنایا ور "کچھ" وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی مجھے خبردار کر دیا ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ایک دو
... بعد فون کر کے کہتیں مجھ سے ملیے میں ہوں مسز دانیال۔ بہرحال تم اچھی طرح سوچ کر مجھے آگاہ کر دینا۔ دریں
اثناء میں نبی سے بات کرتی ہوں۔ او کے خدا حافظ۔"

نازش کے لب و لہجے میں در آنے والی اپنائیت و بے تکلفی اسے حیرت کے سمندر میں غرق کر گئی تھی۔

"کیا میں اتنی خوش نصیب ہوں کہ ڈوبنے سے پہلے اک جفاکش ملاح میری کشتی کو اچھالا دینے کے لیے میرے
ہمراہ طوفانی لہروں میں اتر آیا ہے؟

کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔" وہ فون رکھ کر سوچ میں پڑ گئی اچانک ہی بہت سارے منظر نظروں کے سامنے واضح
ہوتے چلے گئے۔

"ہم جیسوں کی اپنی تو کوئی عزت ہوتی نہیں جس کے لیے نفس پر قابو پا سکو۔" وہ مشتعل و منتقم پیش قدمی۔

"کس نے اجازت دی ہے تمہیں دوسروں کی زندگی سے کھیلنے کی۔" وہ نظروں کا دہکتا ہوا آتش فشاں۔

"کچھ اپنی نسوانی غیرت و ناموس کا ہی لحاظ کر لیجیے۔" وہ شکوک زدہ غضب ناک لہجہ۔

"میں آپ جیسی عورتوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔" ... ستے ہوئے تیر۔

"بڑے حساب نکلتے ہیں آپ کی طرف۔ کتنوں سے کھیلا ہے اب تک۔" وہ زہر خند رکیک انداز۔

اس کے دل و دماغ میں جیسے زوردار قسم کا زلزلہ آ گیا تھا۔ اس نے بے اختیار سنسناتی آوازوں سے بچنے کے لیے
کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ وہ کیسے بھول سکتی تھی۔ وہ زہر میں بجھے جملے' وہ برفیلے تاثرات' وہ نظروں میں ڈولتی
حقارت۔

شادی کے بعد بھلا کہاں بخشے گا۔

بلکہ گن گن کر بدلے لے گا۔

لفظوں کی برچھیاں دل میں اتار کر روح کو زخم لگائے گا۔ دل کو کچوکے گا۔ الزام و شکوک اور لعن طعن کی بوچھاڑ
کر کے اس کی تذلیل کرے گا۔

مرد کے ذہن میں ایک بار شک کا ناگ کنڈلی مار کر بیٹھ جائے تو یہ عورت کی ساری خوشیاں ڈس کے دم لیتا

ہے۔" اسے دادی کا کہا ہوا جملہ یاد آگیا۔
وہ جانتی تھی کوئی لفظ مہران کے دل کا میل نہیں دھو سکتا۔
وہ تاعمر اس کی نظروں میں بے وقعت اور بے اعتبار رہے گی۔
پروفیسر دانیال کا حوالہ اتنا ناقابل تردید تھا کہ ارشین کے تمام دفاعی حربے ناکام ثابت ہوئے
ابھی کچھ عرصہ پہلے اس نے فاریہ سے کہا تھا۔ "اس مرد سے کبھی شادی نہیں کرنی چاہیے
عورت کی عزت نہ ہو اور اب خود۔
"نہیں۔" اس کا دل آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔

◆ ◆ ◆

"السلام علیکم مزاج بخیر۔" کالج سے چھٹی کے ٹائم پر وہ حسب معمول پارکنگ لاٹ سے گاڑی
مگر اسی لمحے سفید کرولا نے ہارن دے کر کچھ اس انداز میں راستہ روکا تھا کہ ارشین کو لامحالہ گاڑی
قریب بند کر کے باہر نکلنا پڑا۔
"آ۔ آپ۔" لائٹ بلیو پینٹ اور لیمن کلر کی شرٹ میں ہشاش بشاش موڈ لیے گاڑی کے
ٹکائے وہ بڑے جاندار لب و لہجے میں اس سے مخاطب ہوئے تھے۔
اس کی رگ رگ میں اک وحشت آمیز اذیت رچنے لگی۔ اتنے دنوں سے بہلایا ہوا بے کل
گیا۔ پھر سے روح میں وہی خوف زینہ بہ زینہ اترنے لگا جسے وہ بمشکل سلانے میں کامیاب ہوئی
"آپ کیوں میرے سکون، میرے قرار کے دشمن بن گئے ہیں۔" وہ بھیگی پلکوں کو جھپکتی ایک
ہوتی ہے صبر و ضبط کی۔
"ارے یہ جملہ تو میرے حصے کا تھا۔ یہ تو مجھے کہنا تھا آپ سے۔" گاڑی سے نکل کر اس کے
نگاہ شوق سے اس کا سراپا جائزہ لے رہے تھے۔
"جب بھی خوشی و اطمینان کی رمق میرے اندر اترنا شروع ہوتی ہے قسمت کا بے رحم ہاتھ
خوف و ہراس کی دلدل میں دھکیل دیتا ہے۔ کیوں لے رہے ہیں مجھ سے انتقام۔ کیا بگاڑا ہے میں
مجھے جینے نہیں دیتے۔" وہ یکدم حواس کھو بیٹھی۔ گرد و پیش کا خیال کیے بغیر دونوں ہاتھوں میں منہ
پڑی۔
"ایزی ایزی ارشین۔" وہ اس کی ہسٹریائی بے قابو ہوتی کیفیت اور موقع محل کی نزاکت دیکھتے ہوئے
بے چین ہو کر اس کے قریب آئے۔ "آیئے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ اس طرح خوامخواہ تماشا بنے گا
اور اسٹوڈنٹس وغیرہ گیٹ سے نکل رہی ہوں گی۔"
انہوں نے اپنی گاڑی کی فرنٹ سیٹ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ وہ جیسے معمول کی کٹھ
گئی۔
رونے دھونے میں خبر بھی نہ ہوئی، کب پروفیسر دانیال گاڑی اسٹارٹ کر کے کالج سے کچھ دور
سڑک پر لے آئے۔ وہ تو جب فٹ پاتھ کے قریب روکی تو اسے ہوش آیا۔
"یہ آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں؟" اس نے اڑے اڑے مختل حواس سمیٹتے ہوئے بے تابانہ کہا
"فکر نہ کریں۔ زیادہ دور نہیں ہیں اپنی کار سے۔ ابھی دو منٹ میں واپس ڈراپ کردوں گا لیکن
روک کر میری طرف توجہ دیجیے۔" ان کے انداز میں شرارت و جسارت تھی۔
"راضی نامہ تو آپ نے لکھ دیا اب یہ طے کیجیے کہ اس پر عمل کرنے کے لیے کون سی تاریخ
گی۔"
دھک۔ پوری قوت و سرعت سے اس پر سے ٹرین گزر گئی اندر ایسا طوفان مچا تھا کہ ذات کا تانا
قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی۔ یہ تو اسے یاد ہی نہ رہا تھا۔ لفظوں کے جو انگارے اس نے اپنی
تحریر کیے تھے۔ ان کی آنچ قلب تک بھی پہنچے گی، دامن بھی جلائے گی۔

امتحان در امتحان۔" اس نے سر تھام لیا۔
"یا خدا، مجھے بخش نہیں سکتے پروفیسر صاحب؟" اس نے اشک پیتے ہوئے بے بسی و منت سے انہیں دیکھا۔
"آپ کی احسان مند رہوں گی۔"
ہمیں تا زندگی آپ کی مان تو لوں مگر اس دل کا کیا کروں جو صرف آپ کے قرب کے لیے دہائی دیتا ہے۔ ان آنکھوں کا کیا
کروں جو صرف آپ کا نظارہ طلب کرتی ہیں۔ ان سوچوں کو کیسے قابو کروں جو صرف آپ کے گرد گھومتی ہیں۔"
یہ انتہا تھی شدتوں کی، جذبوں کی، بے کلی کی، جنون کی، وحشتوں کی اسے وہ کوئی پاگل، دیوانے دکھائی دیے۔
"یہ ظلم ہے پروفیسر صاحب سراسر ظلم۔" وہ ہاتھوں سے منہ چھپا کر شدتوں سے رو دی۔ جی بھر بھر کر آرہا تھا۔
"آپ کے ان احساسات میں میری طرف سے کوئی مہمیز، کوئی حوصلہ افزائی شامل نہیں تھی۔ پھر مجھے کانٹوں پر
کیوں گھسیٹ رہے ہیں۔"
احساس ذلت و ندامت نے اس کی آواز کو بے اختیار و بے ربط کر ڈالا۔
"میں نے بھی کوئی خطا نہیں کی تھی پھر راتوں کی بے خوابی، دن کی بے تابیاں اور لمحوں کی بے کلی میرا نصیب ہی
کیوں بنی۔" وہ جیسے پتھر ہو گئے تھے۔ ارشین کے اعصاب جواب دینے لگے۔
"میں وہ کچھ آپ کی خاطر نہیں کر سکتی جو آپ چاہتے ہیں۔" وہ بمشکل کانپتی آواز میں گویا ہوئی۔
"فکر نہ کریں۔ یہ تحریر وہ سب کچھ کروا لے گی۔" انہوں نے جیب سے وہی "موذی ناگ" نکال کر لہرایا جس
نے ارشین کو بے دست و پا کر دیا تھا۔
بجلی کی سی تیزی سے جھپٹ کر کاغذ پکڑنا چاہا مگر اس ناکام جستجو کے نتیجے میں اس کا ہاتھ سہولت سے ان کے ہاتھ
میں آگیا۔
"م۔ میرا ہاتھ چھوڑیں۔" اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وہ لمس نہیں دہکتا ہوا انگارہ تھا جہاں اس کا ہاتھ
"قید" ہو گیا تھا۔ اس کی روح فنا ہونے لگی۔ پورا وجود جل اٹھا۔
"جو دل سے قریب ہوں، ان کا ایک ایک زاویہ تڑپاتا ہے، اور قربت کا کیف آور اور جانفزا احساس تو اتنا نشاط
آگیں ہوتا ہے کہ اس کی خاطر بادشاہت بھی ٹھکرا دی جائے۔ چند لمحے تو اپنی خوش نصیبی کا احساس ہو لینے
دیں۔"
اس کا جسم سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔ وہ نظریں نہ اٹھا پائی۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔
"مجھے جانے دیجیے فار گاڈ سیک۔" اس کے اعصاب بری طرح انتشار و اضطراب کا شکار ہو رہے تھے۔
"بصد شوق جائیے مگر پھر آنے کے لیے، ہمیشہ کے لیے۔" نفیس و بھرپور لہجے میں دلنشیں سا خمار ہلکورے لے رہا
تھا۔
"اب فائنل کر دیجیے ارشین! بہت وقت برباد ہو گیا ان بے کار کے بکھیڑوں میں۔ کہیے میں کب آؤں؟"
اس کے حواس سلب ہو گئے۔ لب سل گئے۔
"اگر میں کسی کی بیوی ہوتی تو کیا تب بھی آپ اسی طرح حد سے گزر جاتے۔" اچانک ہی خیال کا کوئی کوندا لپکا
تھا۔
"نہیں پھر شاید یہ سلسلہ شروع ہونے کا جواز ہی نہ بنتا۔ مگر اب جبکہ آپ کو حاصل کرنے کے تمام تر احکامات
روشن ہیں تو میں اپنے دل کی بددعا کیوں لوں۔" وہ چہک کر بولے پھر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
"چلیے میں آپ کو لاسٹ چانس دے دیتا ہوں۔ میں ایک ماہ کے لیے لندن جا رہا ہوں۔ کچھ کام ہے۔ واپس
آنے تک آپ اچھی طرح غور کر لیجیے گا۔ مگر ایک بات باور کرا دوں۔ اس کے بعد مزید مہلت نہیں ملے گی۔
آپ نے جان بوجھ کر لیت و لعل سے کام لیا تو نتائج کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی۔ یہ تحریر آپ کو کسی بھی ناخوشگوار
صورتحال سے دوچار کر سکتی ہے۔"
انہوں نے اس کی کار کے پاس گاڑی روکی اور ایک بھرپور نظر ڈالنے کے بعد خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔

جانے کس طرح سے وہ گھر تک آئی تھی۔ گاڑی پورچ میں کھڑی کرنے کے بعد چابی اندر ہی چھوڑ کے بھاگی جیسے حبس دم کا شکار ہو گئی ہو۔

"خیریت تو ہے آپی۔" لاؤنج میں بیٹھی شاہین اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر گھبرا کر اٹھی تھی۔

کار کے اندر چابی لگی ہو گی۔ لاک لگا کر چابی لے آؤ اور مجھے بہت ٹھنڈا سا پانی پلاؤ۔ میرے اندر کچھ پھٹنے کو ہے۔" وہ اسٹوڈیو میں بند ہو کر بے سدھ سی کاؤچ پر گر گئی تھی۔

"کیا ہو گیا میری بچی کو۔" دادی ۔۔۔ اس کے پیچھے آئی تھیں۔

اسے بے دم اور سدبدھ جو بھلائے آڑا ترچھا کاؤچ پر لیٹے دیکھا تو کلیجہ تھام لیا۔

"میری بچی ارشی؟ اے بٹی! کیا ہو گیا، شاہین! پانی کا گلاس لاؤ منہ پہ چھینٹے ماروں، اے یہ تو ...ہے۔"

دادی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ شاہین پانی لے کر اندر آئی۔ دادی اس کے ہاتھوں پیروں کو سہلا رہی تھیں۔

"اف پنڈا جل رہا ہے بچی کا۔" ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہی یوں لگا جیسے چنے بھن رہے ہوں۔

"یہ تو بے حال ہوتی جا رہی ہے۔ عدنان سے کہو ڈاکٹر کو بلا لائے۔" ہائے میں کیا کروں۔" ...تھیں۔

"گھبراتی کیوں ہیں دادی۔ ابھی ٹھیک ہو جائیں گی۔" امبرین بھی اندر چلی آئی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔

"موسم کی تبدیلی کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہو گا۔ فکر نہ کریں۔" اس نے دادی کو تسلی دی اور ارشی پر چھینٹے مارنے لگی۔ وہ پھر بھی ہوش میں نہ آئی تو اس کی ناک اور منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

چند لمحوں بعد وہ **کسمسا** کر ہوش کی وادی میں لوٹ آئی۔

"کیا ہو گیا تھا آپی؟" شاہین نے فکر مندی سے بہن کا چہرہ دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ آواز میں آنسوؤں کی نمی گھلی ہوئی تھی۔

"آپ تو صدیوں کی بیمار نظر آ رہی ہیں۔" شاہین نے اس کا زرد اڑا ہوا چہرہ، سرخ آنکھیں اور کا... کر ہمدردی سے کہا۔

"کیوں اتنا سر کھپاتی ہو چندا۔ یہ جو دن رات محنت و مشقت سے جتی رہتی ہو، اسی وجہ سے کمزور ہو۔ آرام تو کرتی نہیں ہو۔ سارا دن لگی رہتی ہو۔"

دادی اس کی جلتی پیشانی چوم کر نرمی سے ڈانٹ رہی تھیں۔ امبرین کو یہ لاڈ ذرا نہ بھایا۔

"دودھ گرم کر کے لاؤ امبر! اور ہاں ٹھنڈے پانی کی پٹیاں بھی رکھنے کا انتظام بھی کرو۔ بخار کیا ... رہا ہے۔"

"دادی اتنا خیال نہ رکھیں میرا۔ اگر مر گئی تو کیا کریں گی۔" اس کے بھیگے لہجے پر دادی تڑپ گئیں۔

"اے اللہ نہ کرے۔ اللہ لمبی عمر دے۔ دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔ یہ کیا بدفال منہ سے نکالنے لگی گھر کا۔"

"ایک شعر یاد آ رہا ہے۔" ارشین بے دلی سے ہنسی۔

مجھے زندگی کی دعا دینے
ہنسی آ رہی ہے تیری سادگی

◆◆◆

پسند تو مجھے بھی بہت ہے وہ بچی۔ بلکہ سفیان تو دیوانہ ہے اس کے پیچھے۔ سنے گا تو خوشی سے پاگل ہو جائے گا۔ مگر بچے ان کا گھریلو ماحول ہم سے بہت مختلف ہے۔ ایک دفعہ گھر کے دروازے پر ان کی امی سے سلام دعا ہوئی تھی۔ ان کا رویہ خاصا حوصلہ شکن، سرد اور بیزار سا تھا۔ میرا نہیں خیال وہ کوئی مثبت جواب دیں گی۔"

نینی نازش کی تجویز پر صاد کر چکی تھیں۔ بس کچھ خدشات تھے جن کا اظہار کرنے سے خود کو روک نہ سکی تھیں۔

لڑکی گن والی ہو، گھر بسانے کا گر جانتی ہو تو ہر ماحول میں ڈھل جاتی ہے۔ مجھے ہی لے لیجیے۔ گو کہ امی اور بابا اپنا آبائی علاقہ چھوڑ کر کراچی شفٹ ہو چکے تھے۔ مگر تھے تو پٹھان اور دانیال کے باپ دادا لکھنؤ کے رئیس تھے۔ جب رشتہ آیا تو بابا کے قبیلے والوں نے باز رکھنے کے لیے بے شمار من گھڑت کہانیاں سنائی تھیں مگر قسمت میں تھا وہ ہو گیا اور دیکھ لیجیے۔ آج تک کبھی تیز زبان میں بات نہیں ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے کا مزاج سمجھتے ہیں۔ بچے اپنے دائرہ کار میں آزاد ہیں۔ کتنی ہی شکایت ہو مگر دونوں ضبط و تحمل اور باہمی احترام ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔"

"ٹھیک ہے بیٹے! جیسے آپ کہو۔" مونگیا رنگ کی نفیس سی ساڑھی میں ملبوس نینی مطمئن ہو کر سر ہلانے لگیں۔

"آپ نے مہران سے پوچھ لیا ہے بیٹے؟"

"ہاں ہاں۔" نازش شش و پنج میں پڑ کر ان کی صورت دیکھنے لگی پھر کچھ سوچ کر بہ عجلت گویا ہوئی۔ "میرا خیال ہے ابھی کسی سے بھی ذکر نہیں کرتے۔ لڑکی والے کون سا پہلی دفعہ میں رشتہ جھولی میں ڈال دیتے ہیں، جانے کتنی بار جانا پڑے ہاں کروانے کے لیے جب باقاعدہ بات طے کرنے لگیں گے تو مہران سے پوچھ لیں گے۔ آپ تو جانتی ہیں وہ شادی کے نام سے کتنا چڑتا ہے۔"

"میں ابھی تھوڑی دیر میں تمہیں فون کرنے والی تھی۔ اصل میں کرنا تو ہفتہ دس دن پہلے تھا مگر مہوش کی طبیعت خراب ہو گئی۔ اب جا کے بخار اترا ہے۔ نومبر شروع ہونے والا ہے۔ اسلام آباد میں تو ویسے بھی اکتوبر کے آغاز سے سردیوں کا موسم جوبن پر آ جاتا ہے، مگر بچے ہیں ناں، ماؤں کے کہے میں کہاں آتے ہیں۔ آنکھ بچا کر بغیر جرسی اور سوکس کے بغیر گلی میں کھیلنے نکل کھڑی ہوئی۔ رات کو ٹھنڈ سے بخار ہو گیا۔"

نازش نے بڑے پرسکون اور اپنائیت آمیز لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا تھا یوں جیسے دل ہی دل میں اسے اپنی فیملی کے فرد کا درجہ دے چکی ہو۔

"مجھے آپ کی تجویز منظور ہے نازش آپا۔" ایک دفعہ سفیان کو آپا کہہ کر نازش کو مخاطب کرتے دیکھا تھا کچھ جھجک کر اس نے بھی اس کی بے تکلفی کے جواب میں اپنائیت کی جوت جگانے کے لیے کہہ دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم گھر میں بتا دینا تاکہ وہ ذہنی لحاظ سے تیار ہو جائیں۔ ہم کل شام کو آ رہے ہیں۔"

"لیکن ایک بات ابھی سے بتا دوں، آپ کو شاید ویسا ماحول و سلوک نہ ملے جیسا آپ سوچ کر آئیں گی۔ میری والدہ طبیعت کی کچھ تیز ہیں۔"

"فکر نہ کرو۔ سر پر کفن باندھ کر آئیں گے۔" وہ ہنس کر بولی۔ "بھلے سے دس پھیرے لگوا لیں۔ ہم بھی تھکنے، ٹوٹنے والے نہیں ہیں۔"

"اس کا تو مجھے اچھی طرح تجربہ ہے ورنہ پروفیسر دانیال جیسے مرد کی بیوی ہونے کے ناتے اب تک ٹوٹ بکھر کر مٹی میں کبھی مل چکی ہوتیں۔ بڑی سخت جان ہیں آپ۔ مانتے ہیں ہم۔"

اتنی اجلی عورت کی ایسی ابر آلود قسمت۔ ایسا مشتبہ سا شوہرانہ پیار۔

فون رکھنے کے بعد ایک نئی الجھن میں پڑ گئی۔

بی بی جان اور بابا جان کو کن الفاظ میں نینی اور نازش کی آمد کا پس منظر سمجھایا جائے۔ اور کیا وہ مان جائیں گے؟

بی بی جان تو اپنی فطرت کے مطابق جس سے ایک مرتبہ بیر باندھ لیں اس کے بارے میں سوچ [cut]
ہیں دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے ان کی ضد نہیں ٹوٹ سکتی۔
اور بابا جان نے اس روز مہران کے ساتھ دیکھ کر جو ردعمل ظاہر کیا تھا۔ اس کی بدصورتیاں ابھی [cut]
کے آئینے میں آویزاں تھیں۔
"نہیں بس اتنا ہی کہوں گی کہ کچھ مہمان آ رہے ہیں۔ آپ سے ملنے۔ وہ جانیں اور ان کا کام [cut]
مطمئن ہو گئی۔

◆◆◆

نینی کو دیکھتے ہی صباحت کے چہرے پر رکھائی و بے زاری کے تاثرات نمودار ہوئے تھے وہ انہیں [cut]
مہران کے حوالے سے پہچان چکی تھیں۔ دل پر کوئی بھاری پتھر رکھ کر ڈرائنگ روم تک لائی تھیں [cut]
پھیکے اجنبیت زدہ تیور سیدھی سادی خوش خلق سی نینی کو شرمندہ کیے دے رہے تھے۔
"آپ بیٹھیں۔ میں ارشین کو بلاتی ہوں۔" صباحت جانتے بوجھتے ہوئے یہ تاثر دے رہی تھیں [cut]
لانے کے بجائے محض ارشین سے ملنے کے لیے آئی ہیں۔ انہیں بٹھا کر خود کھڑے کھڑے بولی تھیں [cut]
"نہیں نہیں بہن! ہمیں آپ سے کچھ بات کرنا تھی۔ آپ پلیز تشریف تو رکھیے۔"
نینی گھبرائے ہوئے خلیق سے انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگیں۔ پھر مدد کے لیے نازش کی طرف [cut]
نازش نے بڑے سبھاؤ اور قرینے سے اپنا اور نینی کا تعارف کروانے کے بعد مہران کے بارے [cut]
تفصیلات فراہم کیں اور پھر دبے لفظوں میں ارشین کے لیے پسندیدگی ظاہر کرتے ہوئے اپنی آمد کا مقصد [cut]
صباحت کے اندر کا قہر مہوبن بن کر سارے وجود میں جوش کھا رہا تھا۔
"دیکھیے بی بی! آپ کے ہاں ایسی بے شرمی کے مظاہرے ہوں تو ہوں۔ ہم خاندانی اور وضع دار [cut]
ہمیں ایسے چھل فریب نہیں آتے کہ پہلے لڑکی کو بہانے بہانے سے گھر بلوا کر بیٹے سے ملاقاتوں کا اہتمام [cut]
سیر سپاٹے کے لیے لڑکے کے ساتھ گاڑیوں میں گھمائیں پھر لڑکی کے والدین سے آپس کی انڈر اسٹینڈنگ [cut]
لے کر انہیں نیچا دکھانے کی غرض سے رشتہ لے آئیں۔"
ان کے اکل کھرے انداز پر نینی حیران پریشان ان کی صورت دیکھتی رہ گئیں۔
"خدانخواستہ بہن ہم بھی عزت دار اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور ایسا تو کچھ بھی نہیں [cut]
بیٹا بہت سلجھا ہوا اور اپنے کام سے کام رکھنے والا ہے۔ وہ تو دن کے بیشتر اوقات میں گھر پر ہی نہیں [cut]
صدمے کی سی کیفیت میں تواتر سے صفائیاں دینے لگیں۔
"آپ تو بات نہ کریں جی۔ نہ خون کا رشتہ نہ قرابت داری۔ آپ کیا جانیں اس کے بارے میں۔"
صباحت کے جملے خنجر بھالوں کی طرح سیدھے نینی کے سینے میں اتر گئے۔
"ایسی بات نہیں ہے۔" کم مائیگی اور ہلکا پڑنے کے احساس سے دو قطرے ان کی آنکھوں سے لڑھک [cut]
پر بکھرتے چلے گئے۔
"میں درخواست کرتی ہوں آنٹی۔ آپ ہماری بات کا غلط مطلب نہ لیں۔" نازش کو ان کا رویہ [cut]
بہت کھلا تھا تاہم مصلحتاً ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔
"تو صحیح مطلب سمجھاؤ ناں بی بی! تم نے دھڑلے سے بول دیا کہ ارشین سے بھی پوچھ لیجیے گا [cut]
رشتے پر خوش ہو گی۔ ظاہر ہے اس کی شہ پر یہاں بیٹھی ہو۔ کھل کر بات کرنے کی کیا ضرورت [cut]
ہوں میں۔ ماں کو ذلیل کرنے کے لیے انوکھا طریقہ ڈھونڈا ہے۔ اے بی بی! ہمارے ہاں لڑکیاں اپنا رشتہ خود [cut]
نہیں لایا کرتیں اور اگر کوئی ایسا کرے بھی تو ہم اس کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتے۔" ان کا انداز اتنا [cut]
پتھریلا تھا کہ نازش بھی چکرا کر رہ گئی۔
وہ تو سرا ہی ہاتھ میں نہیں دے رہی تھیں بات کہاں سے آگے بڑھتی۔ نینی تو ایک ہی جملے کی مار [cut]

[cut] نہیں۔ ایسی چپ ہوئیں کہ پھر ہونٹ نہیں ہلائے۔ سر مجرمانہ انداز میں جھکا ہوا تھا اور چہرے پر گہرے رنج اور دکھ
کے تاثرات چھائے ہوئے تھے۔
"خیر آپ سوچ لیجیے گا ہم انشاء اللہ دوبارہ چکر لگائیں گے۔ یہ فون نمبر رکھ لیں آپ۔" نازش نے اٹھتے ہوئے
کچھ سوچ کر پرس سے قلم کاغذ نکال کر نمبر لکھ دیا اور چٹ میز پر رکھ دی۔ صباحت نے پکڑنے کے لیے ہاتھ نہیں
بڑھایا تھا۔
"اس کی ضرورت نہیں ہے اور آپ دوبارہ زحمت نہ کریں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"
کیا انگارے چبا دو ٹوک انداز تھا۔ نازش کو ان کے ہٹ دھرم اور سنگلاخ چٹانوں کے سے تیور بہت خوفناک
محسوس ہوئے تاہم نینی کا ہاتھ تھام کر خود کو پرسکون رکھتے ہوئے خدا حافظ کہہ کر نکل گئیں۔ صباحت نے چائے
پانی کا پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ اور وہ جو کچن میں گھسی اہتمام و انتظام میں لگی ہوئی تھی۔ صباحت کو اکیلے
کھڑے دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔
"وہ مہمان کہاں ہیں؟" سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے بدقت تمام جھجک کر سوالیہ نظروں سے ماں
کی طرف دیکھا۔
"وہ تو جہاں بھی ہوں سو ہوں، تم بتاؤ۔ آج کل کن ہواؤں میں رہتی ہو۔ کس لیے بلایا تھا اپنے ہوتوں سوتوں کو۔
سر پر خاک ڈالنے کے اور بھی ہزار طریقے ہیں۔ یوں سب کے بیچ تماشہ لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ ویسے ہی بک
دیتیں کہ مجھے ماں باپ کے کلیجے کھرچنے کے لیے کسی بہانے کی تلاش ہے۔ ایک ہی بار کھانے میں زہر ملا کے ہم
دونوں کی جان کیوں نہیں لے لیتیں اس روز روز کی ذلت سے تو نجات ملے۔ خود تمہیں تو حیا آنے سے رہی۔" ان
کے خونی تاثرات اسے لمحوں میں زمین دکھا گئے تھے۔ بدگمان دل بڑی جلدی آگ پکڑتا ہے۔ اس کی سمجھ میں
نہیں آیا جواباً کیا کہے۔
"آنے دو باپ کو۔ سناتی ہوں سارا قصہ۔ کل کلاں کو کچھ ہو گیا تو میری جان کو آئے گا۔ خود ہی دیکھ سن لے
تمہارے کرتوت۔ تمہیں یہ بھی خوف نہ آیا کہ اس دن تمہیں اس لونڈے کی موٹر سے نکلتے دیکھ کر کس طرح وہ
مرنے مارنے پر تل گیا تھا۔ اتنی نڈر ہو۔ باپ کی ناک کے نیچے سارا کھیل رچا لیا؟ پہلے پینگیں بڑھائیں پھر گھر کی
طرف روانہ کر دیا رشتہ لینے کے لیے جیسے ماں باپ نے تو آنکھ پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ انہیں الو کا گوشت کھلا کر
مطلب نکال لو گی ہے ناں۔ اسی وجہ سے اب تک سارے رشتوں کو انکار کر رہی تھیں ناں۔ میں نے تو جب ہی کہا
تھا۔ نہیں مانتی تو نہ سہی زبردستی کر ڈالو مگر دادا، دادی حمایتی بن کے آ کھڑے ہوئے۔ ساری عمر گھر بٹھانا منظور ہے
مگر تمہارے اس بارے نہیں کریں گے۔ آج ایک کی سنی تو کل دوسری بے حیائی کے راستے پر چل نکلے گی۔" ان
کے منہ کے توپ خانے سے تڑا تڑ گولے برس رہے تھے۔
"آپ میری بھی تو سنیں بی بی جان! میں نے کب منت کی ہے وہاں شادی کرانے کے لیے۔ نہیں کرنی تو انکار کر
دیں۔ وہ اپنی مرضی سے آئی تھیں۔ مجھے کیا ضرورت تھی بلانے کی۔"
وہ بے بسی و ذلت کے احساس تلے جھنجلا کر بولی۔ اسے کیا خبر تھی نیا فضیحتہ کھڑا ہو جائے گا۔ اب دل دھک
دھک کر رہا تھا۔ کہیں بابا جان کی عدالت میں پہنچ گیا تو قیامت آ جائے گی۔ بی بی جان نے بات کا بتنگڑ بنا کر قہر توڑ ڈالا
تھا تو بابا جان سے کون سے امن کی توقع کی جا سکتی تھی۔
اسے رو رو کر افسوس ہو رہا تھا۔ کیوں نازش سے ہامی بھری کوئی اور پرپوزل ہوتا تو شاید بات بن جاتی۔ نینی کے
گھرانے کے خلاف تو دونوں بھرے بیٹھے تھے۔ لڑکی کے لیے اپنی مرضی کا استعمال کتنا گراں گزرتا ہے "خاندانی"
لوگوں کو۔ "آپ بابا جان سے نہ کہیے گا بی بی جان۔ خوامخواہ نیا ڈرامہ لگ جائے گا۔" وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل
گئی تھی۔
خدا جانے بی بی جان کا کیا ارادہ تھا۔

◆◆◆

"صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔ چھٹی کا دن تھا۔ مہران لان میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ نینی پاس بیٹھی تھیں۔ نومبر کی خوشگوار دھوپ جسم و جاں میں حرارت پیدا کر رہی تھی۔ سفیان یونیورسٹی گیا ہوا تھا ابھی سودا لینے مارکیٹ نکلا تھا۔ گیٹ کھلا تھا اور اسی دم سفید کرولا اندر داخل ہوئی تھی۔

"السلام علیکم۔" سیاہ پینٹ اور سفید براق شرٹ میں ملبوس دانیال بڑی بشاشت سے قریب آئے ہوئے تھے۔

"آؤ بیٹے کب آئے لندن سے۔" نینی انہیں دیکھ کر حیرت و مسرت سے گنگ رہ گئیں۔ دانیال ہر سال میں ایک آدھ دفعہ آتے تھے۔

"پرسوں واپسی ہوئی ہے۔ سنا ہے آپ ایس پی صاحب کا رشتہ طے کر رہی ہیں۔ سو چاہا ہم بھی ثواب حصہ دار بن جائیں اور آپ کیسے ہیں جناب؟"

اخبار میں غرق مہران سے مصافحہ کرتے ہوئے وہ چبھتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرائے تھے

"آپ کی دعائیں ہیں۔" مہران نے سرد مہر سے انداز میں جواب دے کر لان چیئر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھی خوشدلی کا مظاہرہ نہیں کر پایا تھا۔

"شکریہ۔" وہ اطمینان سے بیٹھ گئے۔ مسکراہٹ بدستور ان کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھیں۔

"یہ رشتے کی کیا بات ہے نینی؟" مہران نے سپاٹ سے انداز میں نینی کو مخاطب کیا۔ نظروں میں ناگواری واضح تھی۔

"کمال ہے آپ نے انہیں نہیں بتایا؟" دانیال نے مصنوعی حیرانی کا مظاہرہ کیا انداز ایسا تھا جیسے محظوظ ہو رہے ہوں۔

"ابھی تو کچھ بھی فائنل نہیں ہوا بیٹے۔" نینی کچھ گھبرا سی گئی تھیں۔ چار پانچ دن قبل ارشین کے گھر اور وہاں جیسا سلوک ہوا ان کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو ایسی سنا کر آتی کہ صباحت یاد رکھتیں۔ مگر وہ طبیعت سے مجبور تھیں۔ واپسی پہ نازش نے بڑے طریقے سے ان کو سمجھایا تھا۔

"پریشان نہ ہوں نینی! کچھ لوگوں کو اپنی ناک اونچی رکھنے کی عادت ہوتی ہے۔ ہمیں تو آم کھانے ہیں ایک بار ہاں ہو گئی تو خود بخود نرم پڑ جائیں گی۔ ہماری مطلوب ارشین ہے گھر والوں نے کون سا ساتھ رہنا ہے۔"

گو کہ ان کا دل نازش کی دلیل ماننے کو تیار نہیں تھا، تاہم اس کے خیال سے چپ رہیں۔ یوں بھی نازش کا رشتہ زیادہ مضبوط اور قریبی تھا۔ وہ خود کیا تھیں۔ محض باپ کے دوست کی بیوہ۔ حقیقت کتنی ہی دلخراش سہی حقیقت۔ انہوں نے نازش کی تاکید کے سبب ابھی کسی سے بھی تذکرہ نہیں کیا تھا۔

"آپ کو ایس پی صاحب کو ضرور بتانا چاہیے تھا نینی! تاکہ زنانہ پولیس کے ذریعے اچھی طرح تفتیش کروالیں۔ ویسے اس سلسلے میں میں بھی آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ موصوفہ نے ایک دو برس میرے ساتھ کام کیا ہے۔"

وہ بڑے پُراعتماد انداز میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر ترچھی نظر سے مہران کے دم بدم بدلتے تیور ملاحظہ کرتے نینی سے مخاطب ہوئے۔

"آپ جانتے ہیں ارشین کے بارے میں؟" نینی کے لہجے میں استعجاب ٹپکنے لگا۔

مہران کی نظروں میں زمین و آسمان گھومنے لگے۔ تو کیا اس سے بات طے کر رہی ہیں نینی۔ اس کا غصہ انتہائی پوائنٹ پر جا پہنچا۔

"دل بہلانے کے سارے ہی گُن جانتی ہیں وہ۔ بڑی متلون مزاج طبیعت پائی ہے۔ میرے ساتھ تھیں تو مجھ سے بہت متاثر تھیں۔ جب سینٹر چھوٹا تو فون پر خفیہ بات چیت کا سلسلہ چل نکلا۔" "مستقل رشتے داری کا ارادہ باندھ لیا۔ ثبوت کے طور پر یہ دیکھ لیجیے ان کا لکھا ہوا راضی نامہ۔"

انہوں نے انتہا درجے کی معصومیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس طرح اسٹامپ پیپر کھول کر سامنے کیا کہ مہران کی نظریں با آسانی اسے پڑھ سکتی تھیں۔

وہ نینی کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔

"ہم سے بڑی بھول ہو گئی۔ میں نہیں سمجھتی تھی وہ اس قسم کی لڑکی ہو گی۔ دیکھنے میں تو بڑی سلجھی ہوئی اور نیک دل سی لگتی تھی۔ اسی لیے تو نازش کے کہنے پر بلا چون و چرا چل پڑی تھی۔"

نینی کو قدرتی طور پر بہت صدمہ پہنچا تھا۔ وہ اپنی دھن میں مہران کے تاثرات ملاحظہ نہیں کر پائی تھیں جس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ رخسار تپ کر بالکل سرخ ہو گئے تھے پھر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر سفید ایف ایکس کی جانب بڑھا زوردار انداز میں دروازہ بند کر کے طوفانی رفتار سے گاڑی نکال کر لے گیا۔

"کیا اب بھی آپ"

"ارے نہیں۔ اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" نینی کے صاف انکار پر ایک مطمئن مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر رقص کرنے لگی۔

"ابھی اصل قیامت تو تب برپا ہو گی جب یہ "راضی نامہ" ارشین کے باپ کو جا کر پیش کروں گا؟" انہوں نے سوچا۔

☾ ☾ ☾

"بیٹے! کتنی بار کہا ہے جوتے پہن کر باہر نکلا کرو۔ جاؤ آیا اماں سے کہو، آپ کو جوگرز پہنا دیں۔" پھولے پھولے گالوں اور سرخ فراک میں ملبوس نو سالہ مہ وش کو ننگے پاؤں لان میں آتے دیکھ کر گھاس پر بیٹھی نازش نے خفگی کا اظہار کیا تھا۔

"ممّا! ٹھنڈ تو نہیں لگ رہی۔" بچی ٹھنک کر بولی۔

"ٹھنڈ کی بچی۔ بیمار پڑ جاؤ گی دوبارہ۔ چلو جاؤ۔ ہری اپ۔"

اس نے ذرا تیز آواز پر کاہلی سے اٹھتے ہوئے بچی کو ڈپٹا۔ مہ وش منہ بناتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

نازش اس وقت ہلکے نیلے موٹے کاٹن کی شلوار قمیص پر نیلی شال اوڑھے ہوئے تھی۔

"ارے مہران تم۔ زہے نصیب۔ بھئی کیسے یاد آ گئی ہم بے چاروں کی۔"

مہران کو خلاف توقع سامنے پا کر وہ ایک دم کھل اٹھی تھی۔

"بے چاری کہاں۔ آپ تو بہت "بااختیار" ہیں۔ اتنی کہ لوگوں کی ذات بھی خرچ کر دیتی ہیں بنا بتائے۔ میری عمر بھر کی کمائی ٹھکانے لگانے چلی تھیں۔ شکر ہے بروقت علم ہو گیا۔ نینی سے کیا شکوہ کروں۔ وہ تو کانچ کا سا دل رکھتی ہیں۔ میری اصل مجرم تو آپ ہیں۔ کون سی عظیم خطا ہو گئی تھی مجھ سے جس کے بدلے میں اتنی بھیانک سزا کا اہتمام کرنے جا رہی تھیں؟"

اس کا سنگلاخ لہجہ سلگتے ہوئے تیور اور طنزیہ انداز سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں نازش کو حقیقت حال کا پتا دے گئے۔

"اندر تو آؤ۔ آرام سے، سکون سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" وہ پرسکون انداز میں اسے اشارہ کرتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف لے آئی۔ وہ بہت دنوں سے اس صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔ لیکن اتنی جلدی یہ سب کچھ ہو جائے گا۔ اس کے متعلق نہیں سوچا تھا۔ مہران کے انداز اور لب و لہجے سے بلا کی ناراضگی، ناپسندیدگی اور تلخی چھلک رہی تھی۔ گویا اس کے اس اقدام نے حد درجہ دھچکا پہنچایا ہو۔

اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ نازش ایسی طرح بھی کر سکتی ہے۔ وجود میں انگارے تو بعد میں بھرے تھے پہلے تو حیرت ہی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

اس کی سبز پتھر کی طرح سخت آنکھیں برہمی سے نازش کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

نازش نے بلا کم و کاست سارا قصہ کہہ سنایا۔ لامحالہ اسے سننا پڑا۔

"میں ذرا دوسری طرح کا مرد ہوں نازش۔ زندگی کو بڑا ناپ تول کر، سوچ سمجھ کر خرچ کرنے کا قائل ہوں۔ اسی لیے سنبھال رکھا ہے کہ وقت پڑنے پر اس مٹی کا قرض ادا کر کے سرخروئی حاصل کرلوں۔ جستجو اور اس سفر میں دور دور تک کسی عورت کا گزر نہیں ہے۔ اور بالفرض محال اگر ایسا ہوا بھی تو کوئی بہت نیک معصوم و حیادار دوشیزہ ہوگی۔ دل جس کی عفت و عصمت کی خود بخود گواہی دے گا۔"

وہ بہت باوقار اور قطعی انداز میں بات مکمل کرنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔

"وہ ارشین کیوں نہیں ہو سکتی؟" نازش ملتجی سے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔

جواب میں مہران نے اسے یوں دیکھا جیسے اس نے اسے کوئی گالی دی ہو۔

"آپ شادی کی بات کرتی ہیں۔ میں تو ایسی کیریکٹرلیس لڑکی کو اپنی سوچ کے ایوان میں داخل ہونے بھی نہ دوں۔"

نازش دم بخود اس کی صورت دیکھتی رہی گئی۔

"میرے نزدیک جذبوں میں کھوٹ بہت بڑی خیانت ہے کہ جسم گروی رکھا جائے یا جذبے بات تو یہ ہے کہ دونوں مل کر "روح" تشکیل دیتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک جزو کی خیانت بھی انسان کو شیطان اور بدروح بنا دیتی ہے۔ وہ "محترمہ" مجھے سر سے پیر تک نامنظور ہیں۔ آپ ختم کرائیں یہ سب کھڑاگ۔ مجھے جہاں شادی کرنا ہوگی خود بتا دوں گا۔ آپ لوگوں کو تردد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ تندی سے کہہ لگا۔

"میری بات سنو۔ پلیز مہران۔ ادھر آکر بیٹھو تو سہی۔ ارشین ایک اچھی لڑکی ہے۔ تمہیں کچھ غلط فہمی اور......"

"غلط فہمی ہو یا خوش فہمی۔ جب مجھے اس سے شادی ہی نہیں کرنی تو بھلے سے وہ میرے لیے دنیا کی کنواری خاتون رہ جائے، میرا جواب یہی ہوگا۔"

وہ اس کی بات کاٹ کر سختی سے گویا ہوا۔

"پلیز مہران۔ میری خاطر ہی مان جاؤ۔ میں کتنے شوق سے تمہارا رشتہ لے کر گئی تھی۔"

وہ بدمزگی سے پلٹ کر اس کے مقابل آگیا۔

"اور پھر یہ بھی تو سوچو جب تک اس کی شادی نہیں ہوگی۔ میرے سر پر تلوار لٹکتی رہے گی۔ اس اثنا میں موجودگی میں دانیال کا راستہ مزید صاف و سہل ہو جائے گا۔ اس کے زور پر وہ ارشین کے والدین سے بھی بات منوا سکتے ہیں۔"

"آپ کی خاطر میں یہی کر سکتا ہوں کہ دانیال بھائی سے اس موضوع پر تفصیلی بات چیت کرلوں اور سمجھاؤں، اگر وہ یوں نہ مانے تو قانونی کارروائی کی دھمکی دے کر راہ راست پر لایا جا سکتا ہے۔ شہریوں کو ہراساں کرنے کے جرم میں ہلکی پھلکی سرزنش کی جا سکتی ہے۔ تھانے کچہری کے نام پر شریف آدمی کا پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ اور میرا خیال ہے، وہ اخلاقی اعتبار سے ابھی اتنے بھی دیوالیہ نہیں ہوئے کہ اپنی نیک نامی اور نجابت و شرافت کو داؤ پر لگا دیں۔ یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے جس کے لیے آپ پریشان ہو رہی ہیں۔ "محترمہ" کے لیے فکرمند ہیں تو ان سے کہیے وہ قانون کی مدد لیں اور پروفیسر دانیال مہدی کے خلاف ہراساں اور حبس بے جا میں رکھے جانے کا پرچا کٹوا دیں۔ ہم انہیں قانونی تحفظ فراہم کریں گے۔"

وہ بہت مطمئن اور پرسکون انداز میں مشورہ دے رہا تھا۔

"ہاں۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذلت آمیز حل رہ گیا ہے تو وہ بھی بتا دو۔" نازش کی جان جل کر رہ گئی تھی۔

"میں اپنے شوہر کا تماشا نہیں بنا سکتی۔ اس طرح تو دو طرفہ جگ ہنسائی ہوگی۔ خود ارشین بھی بڑی مشکل میں پڑ سکتی ہے۔ نجی معاملات میں قانون سازیاں نہیں چلا کرتیں۔ کتنی آسانی سے کہہ دیا، دانیال مقدمہ ... میں کس طرح برداشت کر پاؤں گی یہ سب۔ میں نہیں چاہتی ان پر کوئی حرف آئے۔"

مہران نچ ہو گیا۔

"ایک تو آپ جیسی پتی ورتا بیویوں کے ایثار و اخلاص نے مردوں کو بے لگام ہونے کی شہ دے رکھی ہے۔ پہلے ڈھیل دیتی ہیں اور جب وہ اپنی سی کر گزرتے ہیں تو سر پکڑ کر روتی ہیں۔ کچھ گھس نہیں جائے گا آپ کے صاحب کا۔ بلکہ اچھا ہے ایک آدھ دن لاک اپ میں بند رہیں گے تو سارا عشق برف ہو جائے گا۔"

وہ ذرا جھنجلاہٹ آمیز نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو میرے بھائی! اس طرح بہت خرابی واقع ہو سکتی ہے۔ خاندان والے کیا کہیں گے۔ گھریلو مسائل عدالتوں یا تھانوں میں بیٹھ کر حل نہیں کیے جاتے۔ اس کے لیے باہمی افہام و تفہیم کی ضرورت ہوتی ہے۔" وہ بہت مجبور و بے بس انداز میں اسے قائل کرنے لگی۔

"میں تمہاری بڑی بہن کی جگہ ہوں۔ کیا میری خوشی، میرے گھر کا سکون اور مجھ سے منسلک افراد کی بقا تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی؟"

نازش نے ایسے حساس پہلو سے وار کیا تھا کہ لمحہ بھر کو وہ لاجواب رہ گیا۔

"اور اگر جواب میں، میں آپ سے یہ پوچھوں کہ میری خواہش، میری خوشی اور میرا مقصد حیات آپ کے لیے کتنی اہمیت رکھتا ہے تو؟" اس نے سنبھل کر بہت پُراعتماد انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"رشتے ناتے مان گمان اور دل کے ہوا کرتے ہیں۔ زبردستی کوئی کسی کو اچھا یا برا نہیں لگ سکتا۔" وہ ٹھہرے ہوئے مربیانہ انداز میں مزید گویا ہوا۔

"میرا شادی کے بارے میں ہمیشہ یہی نظریہ رہا ہے کہ اس سے کرنی چاہیے جسے صرف کاغذات کی رو سے نہیں بلکہ دل سے شریک حیات تسلیم کیا جائے۔ ارشین کے لیے میرا دل نہیں مانتا۔ اور پلیز اب آپ دوبارہ مجھے مجبور نہیں کریں گی۔" اس کے لہجے میں حتمی و قطعی کیفیت در آئی۔ نازش لب کاٹنے لگی۔

"اچھا بات سنو۔ میری خاطر اتنا تو کر سکتے ہو ناں کہ ایک بار اس سے مل لو۔"

اس نے لجاجت سے کہا۔ اس کے ذہن میں ابھی تک خوش امیدی کا دیا روشن تھا۔ ہو سکتا ہے مل بیٹھ کر دوبدو بات کرنے سے معاملہ سلجھ جائے۔ یا ارشین کسی طرح اپنی صفائی پیش کر کے اس کی عدالت میں بری ہونے میں کامیاب ہو جائے۔

"سچ صفائی کا محتاج نہیں ہوا کرتا اور دل کے معاملے میں دلیل نہیں چلتی۔ آپ خوامخواہ اپنی توانائیاں خرچ نہ کریں۔" مہران نے مڑ کر اتنی گہری نظر سے اسے دیکھا تھا کہ نازش خفیف سی ہو گئی۔

"میں ہی ملا تھا آپ کو کاٹھ کا الو بنانے کے لیے؟ آپ مجھ سے آئندہ تذکرہ بھی نہ کیجیے گا اس بات کا۔ حد ہو گئی۔" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔ "دنینی سے تو خیر میں خود بات کرلوں گا اور ناظر اور سفیان کو اس معاملے کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔ ان کی معصومیت میری راہ میں حائل ہونے لگتی ہے۔"

"ایک بار بات کرنے میں حرج ہی کیا ہے مہران۔" وہ اس سے خائف ہونے کے باوجود یاددہانی کرانے سے نہ چوکی تھی۔

وہ پلٹ کر دیکھنے کی زحمت کیے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ خدا جانے نازش کا اصرار آمیز لہجہ کان پڑا تھا یا جان بوجھ کر سنی ان سنی ایک کر دی تھی۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر مہ وش کو آواز دینے لگی۔

◆ ◆ ◆

"بی بی جان! آپی کے لیے جو رشتہ آیا تھا اس کے متعلق آپ نے کیا فیصلہ کیا۔ بابا جان کو بتایا تھا؟"

ان کو چائے کا کپ تھما کر امبرین نے چور نظروں سے ان کے چہرے کے تاثرات پڑھتے ہوئے چپکے سے پوچھ لیا۔ بڑے دنوں سے دل میں کھدبد ہو رہی تھی۔

"کیا بتا کے گھر میں قیامت لانی تھی؟ وہ تو اس خدائی خوار لونڈے کا نام سن کر ہی کوئلوں پر جا بیٹھتے۔" وہ چائے کا گھونٹ بھرتی ہوئی ناگواری سے گویا ہوئیں۔

"آخر کو ماں ہوں۔ بھلے سے اولاد سر پر راکھ اڑاتی رہے 'ماں کا کلیجہ تو پتھر نہیں ہو سکتا۔ پوچھا تو
نے طریقے سلیقے سے بات سنبھال لی۔ کہ اس کے رشتے کے لیے آئے تھے مگر بات نہیں بنی سمجھ
نہیں لگے "اس لیے ٹال دیا۔" وہ اپنے مخصوص اکل کھرے انداز میں بولیں۔

"تو کیا آپ نے صاف صاف بتا دیا کہ ایس پی کی ماں بہن آئی تھیں ارشین آپی کی رضا
مانگنے؟" امبرین شاید معاملے کی ایک ایک پرت کھنگالنا چاہتی تھی۔ اندر ایک جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔

"اتنا پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے؟" انہوں نے برا مانتے ہوئے اسے گھورا۔ "وہ تو سن کر اس کے ساتھ
بھی ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال باہر کرتے۔ جانتی ہوں ناں ان کے مزاج کو؟ سارا الزام ماں کی تربیت پر آتا
بیٹی کو بے حیائی کی راہ پر لگانے کی قصوروار ہے۔ میں نے بس گول مول انداز میں نام بتائے بغیر اشارہ
اس کے کالج میں پڑھانے والی استانی کا بیٹا ہے۔ ارشین انہیں اچھی طرح جانتی ہے۔"

"ویسے بی بی جان! دیکھا جائے تو بہت مناسب رشتہ ہے۔" دزدیدہ سی نگاہ ان پر ڈال کر امبرین نے
اپنی رائے دی۔

"تم اپنے کام سے کام رکھو۔" انہوں نے جواب میں ایسی شعلہ بار نظروں سے گھورا کہ وہ اپنی خیر

"ہونہہ۔ مناسب رشتہ۔ ایسے ہزار بھی آجائیں تو پاؤں کی جوتی برابر اہمیت نہ دوں۔ جانے کیسے
خاندان ہوتے ہیں، جو لڑکیوں کی اپنے پسند سے بر ڈھونڈنے کی بے حیا روش کی حمایت کرتے ہیں۔ میرا تو
لاکھ بار لعنت ہو۔ پہلے لڑکا تاڑا 'اسے گھر کی راہ دکھائی اور پھر ماں باپ کو خوشخبری سنا دی لو بھئی۔ تیار ہو
شادی کرانے کے لیے۔ میں شوہر ڈھونڈ چکی ہوں۔ توبہ۔ اللہ بچائے ایسی بری گھڑی سے۔"

انہوں نے چائے پی کر خالی کپ اسے تھمایا۔

"میں نے تو کل رقیہ کو بھی بڑی سنائیں اس بات پر۔" جاتے جاتے جیسے کسی نے امبرین کے قدموں
ڈال دی۔ رقیہ بیگم کے ذکر پر اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ رک کر سوالیہ نظروں سے ان کی
لگی۔ رواں رواں اگلے جملے کا بے صبری سے منتظر تھا۔

"دبے لفظوں میں کہہ رہی تھیں کہ دونوں آپ کی اولادیں ہیں۔ اگر امبرین کے بجائے ارشین
کردیں تو عزت افزائی ہوگی۔ سعد کی بھی یہی مرضی ہے۔ میں سن کر آگ بگولہ ہو گئی۔ بھلا کھیل تماشا ہے
شادی بیاہ۔ بے شک نام نہیں لیے تھے مگر سب کو علم تھا کہ امبرین سے ہی جوڑ ملایا گیا ہے۔ میں نے بھی
دے دیا۔ بات کرنی ہے تو امبرین کی کرو ورنہ بات ختم سمجھو ہماری طرف سے۔ وہ رشتہ نہ ہوا کھلونا ہو گیا
پسند نہیں تو دوسرا لے لیا۔ ہونہہ میں نے بھی وہ سنائیں کہ فوراً بھیگی بلی بن گئیں۔ لگیں من من کر
بس ایک تجویز دے رہی تھی۔ بیٹی تو ہم نے آپ کی ہی لینی ہے۔ زبان دے رکھی ہے۔ جو آپ چاہیں
ہوگا۔"

امبرین کے اندر بھانبھڑ جلنے لگے۔ اتنی تپش تھی کہ سارا ماحول شعلوں کی لپٹوں سے دھواں دھواں ہو
ہر مقام "اسی" کے لیے ہے۔
ہر کھیل میں یہی آگے ہے۔ من چاہی ہے 'مطلوب و مقصود ہے۔
میں کہاں ہوں؟ میری جگہ کس دل میں ہے۔
میرے لیے تو کوئی کشٹ کاٹنے کو تیار نہیں ہے۔
وہ شہزادوں کی سی تابندگی و تازگی رکھنے والا پولیس آفیسر جس کی تصویریں اس نے بارہا اخبارات
تھیں۔
پھر وہ میچور اور پروقار شخصیت کا حامل پروفیسر۔
اور۔۔۔ سب سے بڑھ کر سعد۔
سب کا مدعا و منتہا وہی ہے۔ سب اس کے سوالی ہیں۔ اور میں؟ اس کی سانسوں میں ہیجان

آنکھوں میں ظلم لیے کوئی نئی سوچ نئی حکمت عملی قیامت بن کر جاگی تھی۔ اس کی روح کوئی نیا روپ دھار رہی تھی۔
"دیکھ لوں گی میں۔" اچانک اس نے مٹھیاں اس زور سے بھینچیں کہ ناخن ہتھیلیوں میں گھس گئے۔ دوسرے لمحے وہ کمرے سے باہر تھی۔

◆ ◆ ◆

"اسلام آباد ویمن اسٹیشن کال ملاؤ۔" مہران نے فائل پر ہاتھ جمایا اور قلم روکتے ہوئے مصروف سے انداز میں
ہیڈ کوارٹر کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ ماتحت نے فوراً "ہی ہیڈ کوارٹر کا رابطہ ستارہ مارکیٹ میں واقع زنانہ پولیس اسٹیشن
سے ملا دیا تھا۔

"سر! آپ کس سے بات کریں گے؟" ماتحت نے کال ڈائریکٹ ٹرانسفر کرنے سے پہلے مودبانہ دریافت کیا۔

"وہاں پر کون ہے؟"

"سر! اے ایس آئی دُردانہ بات کر رہی ہیں۔ لیڈی ایس ایچ او فرحت بیگ اور ایس آئی دُرنایاب کچھ دیر پہلے
انڈسٹریل ایریا کے علاقے میں کسی کیس کی تفتیش کے لیے نکلی ہیں۔"

"مجھے دُرنایاب سے بات کرنا تھی۔ بہرحال آپ پیغام چھوڑ دیں کہ ان کی ہیڈ کوارٹر میں طلبی ہے۔ واپس آکر
فوراً رپورٹ کریں۔" اب براہ راست بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی اس لیے اس نے حکم دے کر فون بند کر
دیا۔

"کچھ زیادہ ہی بدھو واقع ہوئی ہیں یہ خاتون۔" اس نے پیشانی مسلتے ہوئے ایک بار پھر اخبار کا اندرونی صفحہ دیکھا
تھا۔ اسی خبر کی بنیاد پر اسے طلب کیا گیا تھا۔ عام لیڈی پولیس کے برعکس دُرنایاب کی فطرت میں بڑی سادگی و نرمی
تھی۔ خصوصاً "ایس پی ہیڈ کوارٹر کے سامنے کچھ زیادہ ہی گھبرائی بوکھلائی رہتی تھی۔ فقط دو ماہ ہوئے تھے بھرتی
ہوئے اور اس دوران دو مرتبہ مہران کے آفس میں حاضری دے چکی تھی۔ یہ بات نہیں تھی کہ وہ نااہل یا غیر ذمہ
دار تھی۔ اپنا کام بہت تندہی 'شوق اور لگن سے سرانجام دیتی تھی۔ بس یہ تھا کہ فطری نرم خوئی اور سادہ دلی کے
باعث بعض اوقات دھوکا کھا جاتی تھی۔

اس کا تعلق متوسط طبقے کے شریف اور سلجھے ہوئے گھرانے سے تھا۔ ماں بچپن میں فوت ہو گئی تھی۔ باپ
ایک ریٹائرڈ سرکاری ملازم تھا۔ ایک بڑا بھائی تھا جو برسوں سے اپنی بیوی بچوں سمیت کویت میں آباد تھا۔ پولیس کی
لائن میں وہ اپنے شوق اور دلچسپی سے آئی تھی۔ اس کی ضد اور اصرار پر باپ کو ہار ماننا پڑی۔ اس میں بہت گٹس تھے
اور اس کی ذہانت میں بھی کوئی کلام نہیں تھا۔

◆ ◆ ◆

"میڈم جی! آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔" وہ جونہی تھرڈ ایئر کی کلاس لے کر نکلی۔ اس کے ڈپارٹمنٹ کی ماسی نے
فی الفور اطلاع دی۔

"مجھ سے ملنے؟" اس کے دل میں وسوسے جاگنے لگے۔ پروفیسر دانیال لندن سے واپس آچکے تھے 'اسی وجہ
سے وہ بہت محتاط اور چوکس ہو گئی تھی۔

"کہیں ان ہی کی کوئی چال نہ ہو۔" ان کی شعبدہ بازیوں کی وہ خوگر تھی۔ اس لیے ایسا خیال آنا فطری امر تھا۔

"کون ہے۔ تم نے ملاقاتی کا نام پوچھا اور کہاں بٹھایا ہے؟"

"جی وزیٹنگ روم میں بیٹھی ہیں۔ بڑی سی سرمئی گاڑی میں آئی تھیں۔ فائن آرٹس ڈپارٹمنٹ کی لیکچرار مس
ارشین بخاری سے ملنا ہے۔ "لیلیٰ شاہ نام بتایا تھا۔"

"چلو میں دیکھ لیتی ہوں۔" وہ پرسکون قدموں سے وزیٹنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ لیلیٰ شاہ کو وہ اچھی طرح
جانتی تھی۔ بڑی زبردست اور "کھلے اسٹائل" کی فوٹوگرافر تھی۔ درجنوں ملکی اور کچھ غیر ملکی فیشن میگزین اسی کے
دم سے چل رہے تھے۔ چاہتی تو اپنا میگزین بھی لانچ کر سکتی تھی۔ سرمائے کی اسے کوئی کمی نہیں تھی کہ وہ آزاد

منش اور بے فکرے مزاج کی عورت تھی۔ زندگی گزارنے کا اس کا اپنا ایک اسٹائل تھا اور وہ اپنے آپ میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ کام کے معاملے میں وہ خود ہی اپنی باس تھی۔ اس کا شمار ایسے لوگوں میں کیا جاتا تھا جن کی زندگی مہم جوئی، اسرار و تجسس، ہنگامہ آرائی اور تحیر کی جنوں خیز جدوجہد سے عبارت ہوتی ہے۔

وہ ملکی و غیر ملکی سطح پر بہت دفعہ اپنی کھینچی گئی تصاویر پر انعام لے چکی تھی۔ اور اب تو یہ مشغلہ کل وقتی اختیار کر گیا تھا۔ اس نے اپنی وسیع و عریض کوٹھی میں کیمرہ فلم کی ڈیولپ منٹ کا مکمل پراسس تعمیر کروا اول تا آخر سارا کام خود کرتی تھی۔

ارشین سے پہلی ملاقات پچھلے سال آرٹس کونسل میں ہوئی تھی جہاں اس کی تصویروں کی نمائش تو ربط ضبط بڑھانے کے چکر میں تھی مگر ارشین کی عدم دلچسپی کے باعث معاملہ آگے نہ بڑھ سکا تعلق محض مروتاً برداشت کرتی تھی۔ گو کہ دونوں کا تعلق صنف لطیف کی تقریباً ایک ہی شاخ سے تھا مگر اپروچ اس سے قطعی مختلف تھی۔ اس کے کام کے اسٹائل میں جارحیت، بے باکی اور بازاری پن تھا رسالوں میں فوٹوگرافی کے آرڈرز کی تکمیل میں خوب ابھار لی تھی۔ کیونکہ ملکی سطح پر بہرحال اتنی گنجائش تھی۔ ارشین اس کے فن کی معترف تھی۔ وہ بلاشبہ بہت باریک بینی اور عرق ریزی سے اپنا پراجیکٹ تھی مگر غیر ملکی سطح پر وہ جس دھڑلے سے سنسنی خیز فوٹو سیشن تیار کراتی تھی۔ وہ ارشین کی حس لطیف گراں گزرتا تھا۔ یوں بھی وہ لیلیٰ شاہ کی عجیب و غریب مصروفیات اور لائف اسٹائل کی وجہ سے تھی۔ اس کی شخصیت میں کوئی ایسی چیز ضرور تھی جو اسے کھٹکتی تھی۔

"السلام علیکم۔ کیسے راستہ بھول پڑیں۔" ارشین نے بڑے سرسری سے انداز میں اسے مخاطب کر مقابل کی کرسی سنبھالی۔

"جناب۔ آپ جیسی معروف مصورہ بلائیں تو ہم سر کے بل آئیں۔ مگر ایسا ہو تو سہی۔" وہ اپنے مخصوص بے باک انداز میں قہقہہ لگا کر بولی۔

"معروف ہونے کی تو خیر تہمت ہے۔ بس الٹے سیدھے برش مار کر رنگوں کا کھیل سجا لیتے ہیں۔ مثال تو آپ کا فن ہے۔ جس کے ہر جا چرچے ہیں۔" ارشین بڑے نپے تلے انداز میں وار کر رہی تھی تھا۔

"تم چاہو تو ایسی شہرت مجھ سے دگنی کما سکتی ہو۔ فقط چند لکیریں کھینچ کر۔ میں تو پچھلے ایک برس سے ہوں۔ ایک بار جرات کرو۔ دیکھنا کہاں سے کہاں پہنچ جاؤ گی۔"

لیلیٰ شاہ کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ چمکی۔

"لوکل سطح پر اس گھن کھائے معاشرے کی معصومانہ عکس بندی سے کیا حاصل۔ ارے بھئی باہر کی مطابق تصویریں بناؤ۔ ان میں وحشت و دیوانگی کے شوخ رنگ بھرو۔ اور پھر کسی مغربی ملک میں اپنی نمائش کرواؤ۔ دیکھنا تمہارا نام پر لگا کر اڑے گا۔" اس نے جیسے چٹکی بجا کر حل پیش کر دیا تھا۔

"اڑنے سے پہلے قدموں کو زمین پر جمانا سکھایا جاتا ہے مادام۔" ارشین برجستگی سے گویا ہوئی۔ اپنے وزن پر کھڑا ہونا بھی نہیں سیکھ پائی، مجھے اپنا سبق یاد کرنے دیں۔ آپ اپنے سرکل میں گھومتی رہیں۔ ہم ایک منزل کے مسافر نہیں ہیں۔ آپ کو اونچی اڑانوں کا جنون ہے اور میں زمین سے اپنا رابطہ نہیں

وہ اس کی ذو معنی آفر سمجھ گئی تھی لیکن ظاہر نہیں کیا۔ بڑے پرسکون انداز میں بیٹھی رہی۔ کو اس کا مشرقی انداز پسند نہیں۔

"آپ کی تصویریں دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے انہوں نے ٹوپی والا برقعہ پہن رکھا ہو۔ ارے کچھ نیا تو مرکز نظر کیسے بنے گا؟" وہ اکثر اس پر طنز کرتی تھی۔

"یہ میرا یا آپ کا نہیں صاحب ذوق افراد کا درد سر ہے۔ یوں بھی دیکھنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔" ہمیشہ یہی جواب ہوتا تھا۔

"بہرحال میں ایک چھوٹے سے کام کے سلسلے میں ادھر آئی تھی۔ آپ سے تھوڑی بہت شناسائی ہے سوچا آپ ہی کو زحمت دے دوں۔"

"جی۔ زہے نصیب۔"

"مجھے ماڈلنگ کے لیے کچھ نئے، تر و تازہ اور کمسن چہروں کی ضرورت ہے۔ کالج کی جو لڑکیاں شوقیہ اس فیلڈ میں آنا چاہیں وہ اس اشتہار کے ذریعے مجھ سے رابطہ کر سکتی ہیں۔"

اس نے پرس سے ٹائپ شدہ کاغذ نکال کر ارشین کو تھمایا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر پرنسپل نے اجازت دی تو میں اسے گرین بورڈ پر لگوا دوں گی۔" اس نے ایک نظر سرسری سا جائزہ لے کر سر ہلا دیا۔ اونچے گھرانوں کی اکثر سرپھری لڑکیاں تفریحاً اس لائن میں دلچسپی رکھتی تھیں۔

"تھینکس۔" لیلیٰ شاہ بیگ کاندھے پر لٹکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے یہ تو بہت معمولی سا کام تھا۔" ارشین اس کے ہمراہ دروازے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے رسمی سے انداز میں مسکرائی۔

"تو پھر ایک اور نوٹ کر لیجیے۔ آپ کے کالج میں جب فیشن شو ہو تو مجھے بروقت مطلع کر دیجیے گا۔"

لیلیٰ شاہ ایسے تمام فنکشنز میں شامل ہونا ضروری خیال کرتی تھی جہاں خوبصورت اور پرکشش لڑکیوں سے میل ملاقات کے مواقع حاصل ہو سکیں۔

"ضرور۔ کیوں نہیں۔" ارشین کو کوفت تو ہوئی مگر بلا کو سر سے ٹالنے کے لیے ہامی بھر لی۔

"ارے ہاں۔ ایک اہم بات تو بھول ہی گئی۔" اچانک وہ رک کر پرس سے دوسرا ٹائپ شدہ کاغذ نکالنے لگی۔

"اب کیا رہ گیا؟" ارشین دل ہی دل میں اسے فل اسپیڈ میں کوس رہی تھی۔

"میں نے لڑکیوں کی دلچسپی کے لیے کچھ گھریلو اور کاروباری قسم کے شارٹ کورسز سکھانے کے لیے انسٹی ٹیوٹ کھولا ہے۔ یہ اس کا اشتہار ہے۔ میری ذاتی رہائش گاہ میں قائم کیا گیا ہے۔ پلیز ذرا اسے بھی گرین بورڈ پر لگوا دیجیے گا۔"

ارشین اب کچھ پریشان سی ہونے لگی تھی۔ بھلا لیلیٰ شاہ جیسی بااختیار و بااثر شخصیت جو ملک کے بڑے سے بڑے اخبار میں اشتہار دے سکتی تھی۔ اسے کیا پڑی کہ کالج لیول پر مشتہر کرانے کے لیے بنفس نفیس خود چلی آئی تھی۔

"میں نے اخبارات میں بھی دے دیا ہے لیکن میری خواہش ہے کہ کالجز کی فریش اور ینگ اسٹوڈنٹس میرے پاس آئیں اور ان کورسز سے مستفید ہوں۔" اس نے ارشین کی الجھن بھانپ کر وضاحت کی تھی۔

"اوکے۔" اس نے کندھے اچکائے تھے مگر حقیقتاً وہ اس کی جال در جال الجھی پراسرار سی شخصیت کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر رہی تھی۔

◆◆◆

"مے آئی کم ان سر۔ میں اندر آجاؤں؟۔" اس کی لرزتی کانپتی خدشوں کے وزن سے بوجھل آواز نے کمرے کا پرسکون اور خاموش ماحول منتشر کر دیا۔ در نایاب بہت ڈرے ڈرے انداز میں مہران کے آفس میں داخل ہوئی تھی۔ وہ نوکل گلاسز لگائے یونیفارم میں اپنے مخصوص پر تکلف انداز میں کرسی پر بیٹھا فائل کا جائزہ لے رہا تھا۔ قدرے جھک کر پڑھنے کی وجہ سے فراخ پیشانی پر سیاہ بالوں کا گچھا سایہ فگن ہو گیا تھا۔ مغرور و روشن سبز آنکھیں جن کے سحر کے بڑے چرچے سن رکھے تھے نہایت سرعت سے کاغذات کے ساتھ ساتھ جنبش کر رہی تھیں۔ اس کا جسم کسی اتھلیٹ کی طرح مضبوط اور شاندار تھا۔ اس کے نشست و برخاست اور انداز و اطوار کی بے نیازی صنف مخالف کے لیے بہت کشش اور جاذبیت تھی۔

"آپ نے بلایا تھا۔ سر۔" متوقع کھنچائی کے پیش نظر اس کی آواز قبل از وقت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ سیلوٹ

کرنے کے بعد وہ مودبانہ اس کے سامنے یوں کھڑی ہوگئی جیسے کٹہرے میں بلائی گئی ہو۔
مہران نے فوکل گلاسز اتارتے ہوئے گویا مجبوراً اس کی دخل اندازی کو برداشت کیا۔
”تین دن پہلے آپ کے علاقے سے ایک ادھیڑ عمر عورت رضیہ خان پڑیاں بیچتے ہوئے پکڑی گئی تھی۔ دوپہر اسے آپ کے حکم پر رہا کردیا گیا۔ کیا میں درست کہہ رہا ہوں؟“
مہران نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈال کر اعتماد و پختگی سے تفتیش کا آغاز کیا۔
”آ گئی کم بختی۔“ درنایاب کے گلے میں پھندا پڑ گیا تھا۔
”جی۔۔ جی۔ سر۔“ وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس کے مقابل آتے ہی نروس ہوگئی تھی۔ مخاطب [illegible] ایسے شاہانہ اور مرعوب کن تھے۔
”کیا میں پوچھ سکتا ہوں۔ کس بنیاد پر رہائی عمل میں لائی گئی؟“ اس کا لہجہ سخت تھا۔
”سر! وہ ایک بے گناہ عورت تھی۔ بچوں والی تھی۔ اسے غلطی سے گرفتار کیا گیا تھا۔ وہ واللہ [illegible] قسمیں کھا رہی تھی۔ قرآن پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھانے کو تیار تھی۔“ درنایاب اپنی فطری سادگی سے گویا [illegible]
مہران کی پیشانی پر ناگواری کی لکیریں کھنچنے لگیں۔
”آپ کو عقل کب آئے گی مس نایاب؟“ اس کے انداز میں تلخی و ناراضگی کے عکس تھے۔
”جسے آپ نے بے گناہ و مظلوم عورت سمجھ کر رہا کیا تھا۔ وہ ایک مشہور لیڈی اسمگلر کی قریبی ساتھی [illegible] گزشتہ کئی سالوں سے قانون کو غچے دے کر دھڑلے سے اپنا کاروبار جاری رکھے ہوئے ہے۔ ثبوت نہ [illegible] وجہ سے اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکا۔ رضیہ خان کو تحویل میں لے کر بہت کچھ اگلوایا جاسکتا تھا۔“
”مجھے افسوس ہے سر۔“ اس نے بڑی ہمت کرکے کہا اور چور نظروں سے اس کے تاثرات دیکھے۔
”دیکھیے بی بی! یہ پولیس کا محکمہ ہے۔ کمزور دل اور کچے اعصاب کے مالک لوگوں کی یہاں کوئی [illegible] ہے۔ آپ نئی نئی اس فیلڈ میں آئی ہیں۔ مجرموں کے تو ویسے بھی ایک ہزار ایک مکر ہوتے ہیں [illegible] عدالتوں میں حلف اٹھاتے ہیں۔ قسمیں کھاتے ہیں۔ منت و فریاد کرتے ہیں۔ قسمیں کھالینے سے [illegible] دور نہیں ہوجاتی۔ ہر چہرے کے پیچھے ایک چہرہ ہوتا ہے۔ اسے کھوجنا آپ کی ڈیوٹی ہے۔ آئندہ ایسی کوتاہی [illegible] چاہیے۔“
جب سرزنش کرنے والے کا لہجہ برف اور چہرہ پتھر کی طرح سخت و سپاٹ ہو تو مخاطب کے سارے [illegible] جاتے ہیں۔ درنایاب گھبرائے ہوئے مجرمانہ انداز میں پلکیں جھپک رہی تھی۔
”رضیہ خان کو دوبارہ ٹریس کیجیے۔ گو کہ اب اس کا سراغ ملنا مشکل ہے۔ وہ کبھی کی اس علاقے [illegible] ہوگی۔ لیکن بہرحال۔ آپ کو اپنی حماقت کی سزا تو بھگتنا ہوگی۔“
مہران نے فائل بند کرتے ہوئے سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی۔
نرم نرم گلابیاں چھلکاتی چاندنی کی سی سپید رنگت، اونچا لمبا بے حد متناسب سراپا اور پیٹھ تک لٹکتی [illegible] براؤن بالوں کی موٹی سی چٹیا۔ لو دیتے حسن میں معصومیت و گھبراہٹ کی آمیزش گویا سونے پر سہاگہ [illegible] یونیفارم میں نہ ہوتی تو کوئی بھی اسے سب انسپکٹر ماننے پر تیار نہ ہوتا۔ روپ سروپ اور قد و قامت سے [illegible] ماڈل گرل دکھائی دیتی تھی۔
وہ سر جھٹک کر دوسری فائل کھولنے لگا۔
”سر جی! داور صاحب آئے ہیں جی۔“ سپاہی نے اندر آتے ہوئے زوردار سلیوٹ کے بعد مودبانہ [illegible]
”اندر بھیج دو۔“ داور مقامی اخبار میں کرائم رپورٹر تھا۔ اس لحاظ سے تھانے میں بکثرت آمدورفت [illegible] خبر کی تلاش اور کیس کی تفصیل جاننے کے لیے اس کا آفس آنا معمول کی بات تھی۔ اب تو مہران کا [illegible] عادی ہوچکا تھا۔ ”صاحب“ سے دوستی اور خصوصی بے تکلفی و اپنائیت کے سبب آفس کے سب [illegible] وی آئی پی ٹریٹ منٹ دیتے تھے۔

ہوئے مس نایاب! آپ جاسکتی ہیں۔“ وہ جان بچی سو لاکھوں پائے کے مصداق جلدی سے سرہلاتی ہوئی دروازے کی طرف لپکی تو اندر آتے داور سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔
”السلام علیکم اے حسین و جمیل ایس پی۔ ویسے اگر حسن کی یہی بہتات رہی تو عنقریب تھانے [illegible]گاہیں بن جائیں گی اور کیا مجرم کیا محترم لاک اپ میں بند ہونے کے لیے سب کی لائنیں لگ جائیں گی کہ پہلے میں۔“
داور کا بلا کا شوخ و شریر انداز ہمیشہ کی طرح قائم و دائم تھا۔ اس کی معنی خیز نظروں نے دروازے سے غائب ہوتی درنایاب کا تعاقب کیا تھا۔
”آتے ہی شروع ہوگئے۔“ مہران مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولا۔ واحد داور ایسا شخص تھا جو اس جیسے نپی تلی گفتگو کرنے والے پر تکلف سے بندے سے آزادانہ چھیڑ چھاڑ کر گزرتا تھا۔
”ویسے یہ کسی ٹی وی ڈرامے کی ریہرسل کے لیے تو نہیں آئیں؟ ایسی نرم و نازک معصوم اور ہوش اڑا دینے والی چڑیا لڑکی پولیس میں نہیں پائی جاسکتی۔ ان کے تو ”آپا جی“ ٹائپ کرخت چہرے اور ماشاءاللہ قسم کی صحت دیکھ کر اچھا خاصا مجرم توبہ تلا کر کے سیدھی راہ پر آجائے۔“
”بکواس نہیں کرو۔ یہ ایس آئی درنایاب ہے۔ دو ماہ پہلے بھرتی ہوئی ہے جب اس کی تعیناتی ہوئی اس دوران تم وزارتی وفد کے ساتھ لندن کی سیر کے مزے لوٹ رہے تھے۔“
مہران نے پیپر ویٹ گھماتے ہوئے بتایا۔
”ویسے کس ویمن اسٹیشن پر تعینات ہیں یہ شہزادی حسن آرا بیگم۔ میں آج ہی تمہاری کوٹھی میں ڈاکہ مار کر پیش ہوجاتا ہوں۔ اسی بہانے چوبیس گھنٹے دیدار تو رہا کرے گا۔“
اس کے انداز میں قدرتی چشمے کی طرح متواتر بہہ جانے والی شرارت کے رنگ تھے۔
”ضرور جانا۔ سرپھروں کا علاج کرنے میں بڑی ماہر سمجھی جاتی ہے۔ اس کے ہمراہ ڈرائنگ روم کی سیر کرو گے تو طبیعت خود بخود بحال بلکہ نہال ہوجائے گی۔“ مہران نے طریقے سے مزاج پوچھے۔
”یہ کام تو تمہارا گھریلو ملازم بھی بڑی اچھی طرح کرلیتا ہے۔ میں نے پرسوں شام کو گھر فون کیا اور کہا۔ حسین و جمیل ایس پی کو بلا دو۔ جواب میں کھٹاک سے بولا۔ ”یہاں اس نام کے ایس پی نہیں رہتے۔ تنگ کرنے کے لیے کوئی اور نمبر نہیں سوجھتا۔ میں فارغ نہیں بیٹھا تھا لے کے گھنٹیاں کھڑکا دیں۔ کس محنت سے آلو کی بجیا بنا رہا تھا۔“ میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا۔ ”اجی حضرت! ہمارے گناہ گار کانوں نے تو آج تک یہی سنا ہے کہ آلو کی بھجیا ہوتی ہے بجیا نہیں۔ ہاں اگر کوئی نئی ڈش ایجاد ہوئی ہے تو ہم اس عظیم بے خبری پر خطاوار ٹھہرتے ہیں۔“ آگے سے کڑا توڑ جواب آیا۔ ”بند کرتے ہیں فون یا میں بلاؤں پولیس کو۔ ہمارے گھر میں چلتی پھرتی پولیس موجود ہے ایک سیکنڈ میں مزاج درست کردے گی۔ جانے کیسا گھٹیا فیشن چل نکلا ہے۔ رانگ نمبر پر تنگ کرنے کا۔“ اس کے بعد زوردار آواز کے ساتھ فون پٹخ دیا گیا۔
”تمہارے ساتھ یہی ہونا چاہیے تھا۔“ مہران بے ساختہ ہنس پڑا۔
”ایک پولیس آفیسر سے تعلق کے سبب ناظر خود کو کسی سراغ رساں سے کم نہیں سمجھتا۔ اور تم نے بھی تو حد کر دی۔ سیدھے طریقے سے میرا نام نہیں لے سکتے تھے۔“
”بھئی اس میں بھی تمہارے لیے امتیاز کا پہلو نکلتا ہے۔“ وہ نہایت لاپروائی سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔
”ایس پی تو بہت ہوتے ہیں لیکن ”حسین و جمیل“ ایس پی شاید ہی کبھی دیکھنے میں آئے ہوں۔ میں نے تو یہ خطاب بڑے غور کر کے ایک طرح سے تمہارا شناختی سمبل وضع کیا ہے تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔“
سپاہی چائے لے آیا تھا۔ ساتھ میں نفیس قسم کے بسکٹ بھی تھے۔ چائے کے ساتھ بسکٹ کی پلیٹ اس بات کی غمازی ہوتی تھی کہ مہمان کی آمد و اہمیت ”تسلیم شدہ“ ہے۔

"اور کس کیس پر کام کر رہے ہو آج کل؟" چائے پی کر داور جلد ہی سنجیدہ ہو گیا۔
"بہت سے زیر غور ہیں۔ بطور خاص کسی ایک پر کام نہیں ہو رہا۔ یار! یہ لیلیٰ شاہ وہی ہے نا... فوٹو گرافی میں بڑا نام ہے۔ فری لانسر فوٹو گرافر ہے۔ اور بہت سے ملکی و غیر ملکی رسالوں کے لیے کام..."
مہران سوچتی ہوئی متفسرانہ نظروں سے داور کی طرف دیکھنے لگا۔
"ہوں بھئی بڑا چلتا پرزہ ہے یہ عورت۔ شہر کی چند امیر و کبیر اور بارسوخ خواتین میں شمار کی... عالیشان کوٹھی میں رہتی ہے۔ شکل و صورت میں مقناطیس کی طرح کھینچتی ہے۔ عمر بھی زیادہ... اٹھائیس انتیس سال ہوگی۔ آگے پیچھے کوئی نہیں۔ ابھی تک "سنگل" ہے۔ ضرور سوچو اس کے..." داور ایک آنکھ میچ کر سرگوشیانہ گویا ہوا۔ وہ حسب عادت پھر پٹڑی سے اتر گیا تھا۔
"لاحول ولا۔" مہران نے بری طرح گھور کر دیکھا۔ "میں نے اس سے رشتے داری نہیں جوڑنی... ہو جایا کرو۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ خاتون کسی مافیا کے لیے کام کر رہی ہے۔ یا کم از کم اس گروہ سے تعلق... ہے۔ تم بھی اپنے طور پر پتا چلاؤ۔ میں کسی کلیو کی تلاش میں ہوں۔ ثبوت کے بغیر اس کے خلاف کارروائی نہیں کی جا سکتی۔" مہران ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھے سوچ میں ڈوب گیا۔ "ویسے میرا ارادہ ہے کہ... نایاب کو آفیشلی اس کام پر لگا دوں۔ وہ بوکھلاہٹ میں بے اعتمادی کا شکار ہو کر نادانی ضرور کرتی ہے... میں ہوشیار، مستعد اور ذمہ دار ہے۔ اس نے حال ہی میں ایک بہت اہم کیس حل کر کے اپنی صلاحیتوں... ہے۔ یوں بھی نئے نئے بھرتی ہونے والے سرکاری ملازمین میں ایک قدرتی سا جوش و جذبہ اور... ہے۔"
"کتنا نیک ارادہ ہے۔ اس پر فوری عمل کرو۔ مجھے تو ابھی ابھی پتا چلا ہے کہ اس کیس پر میرا کام کرنا... ہے۔" انداز سراسر شرارتی تھا۔
"داور! باز آجاؤ۔" مہران نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی، اس یقین کے ساتھ کہ مقابل پر اس تنبیہہ... نہیں پڑے گا۔ ویسے وہ جانتا تھا داور کی یہ شوخیاں محض زبان و کلام تک محدود تھیں، وہ بھی محض... کرنے کے لیے ورنہ فطرتاً "وہ اخلاقی اقدار کا لحاظ رکھنے والا، مخلص و جانثار اور متجسس مزاج شخص... جس کی سرشت میں شامل نہیں تھا۔ وہ ستھرا نتھرا صحافی تھا۔ جو بکنے اور جھکنے کے معانی سے نابلد تھا۔
"ناراض کیوں ہوتے ہو یار! تم کہو تو تمہارے حق میں دستبردار ہو جاتا ہوں۔ اچھا ہے پولیس کی... وجود میں آجائے گی۔" وہ معصومیت سے گویا ہوا۔ لب و لہجہ ایسا مخلصانہ وہ سادہ تھا جیسے سچ مچ ایسا ہی... ارادہ ہو۔
"آہ۔ ہائے۔" جواب میں مہران کے ہاتھ میں دبی ہوئی اسٹک نے بڑی سرعت سے اس کے دائیں... پوچھا تھا۔
"ثابت ہو گیا۔ کبھی تھانے والوں سے دل نہیں لگانا چاہیے کہ جو لگائے گا وہ یہی شعر پڑھتا ہوا باہر...

اس دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے
کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا

وہ واویلا کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔
"یہ صحافیوں کو کچھ زیادہ ہی عادت نہیں ہوتی مبالغہ آرائی کی؟"
"ہم تو محض مبالغہ آرائی کرتے ہیں اور تم لوگ ستم آرائی، ہنگامہ آرائی، محفل آرائی اور نہ جانے... گزرتے ہو۔ ہائے۔ لگتا ہے کلائی کا جوڑ تو گیا۔"
وہ شور مچاتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ مہران دھیما سا تبسم لبوں میں دبا کر فائل پر جھک گیا۔ اسی لمحے... بجا۔ اس نے اٹھا کر آن کیا۔
"مہران! میرے اچھے بھائی۔ کیا ابھی اور اسی وقت میرے گھر آ سکتے ہو؟" نازش...

خوشامدانہ ...ت اس سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ کھٹک سا گیا۔
"کہیں؟ اس وقت کیا مسئلہ درپیش آگیا؟" اس نے کچھ حیران ہو کر کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھا جو دوپہر کا ایک بجا رہی تھی۔
"یہ بتاؤ۔ آسکتے ہو؟" اس کے انداز میں بے صبری تھی۔ "ویسے بھی لنچ آور شروع ہونے والا ہے۔ یقیناً تمہارے پاس ٹائم ہوگا۔ صرف آدھے گھنٹے کی بات ہے۔"
"یہ تو بعد کی بات ہے۔ آپ معاملہ تو بتائیے۔"
"بتا دیتی ہوں مگر پہلے وعدہ کرو، سن کر آنے سے انکار نہیں کرو گے۔" اس کے انداز میں ہچکچاہٹ در آئی۔
مہران نے طویل سانس خارج کی۔ وہ بن کہے سمجھ گیا تھا۔
"میں کن لفظوں میں آپ کو سمجھاؤں۔" اس نے سر تھام لیا۔ "پلیز مجھے معاف رکھیے ان چکروں سے۔ میں اس مزاج کا آدمی نہیں ہوں۔ میری دلچسپی کا مرکز کچھ اور ہے۔ مجھے وہی کرنے دیجیے جو میری سرشت ہے۔ فطرت کے خلاف نہ چلائیے۔ اگر آپ کو "محترمہ" سے اتنی ہی ہمدردی ہے تو ایسا ہی کوئی دوسرا "بندوبست" کر دیجیے۔ عقل کے اندھوں کی شہر میں کوئی کمی تو نہیں ہے۔"
اس نے ترشی سے کہہ کر موبائل آف کرتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔ چہرہ غضب کی آنچ پر تمتما اٹھا تھا۔
تین چار منٹ بعد دوبارہ موبائل کی گھنٹی شور مچانے لگی۔
"پلیز مہران! میں نے اتنی مشکل سے اسے اپنے گھر بلوایا ہے۔ میرا تماشا کیوں بنوا رہے ہو۔ وہ کھا تو نہیں جائے گی تمہیں۔" وہ انتہا درجے کے بے بس انداز میں مخاطب تھی۔ انداز میں بلا کی برہمی اس بات کی غماز تھی کہ وہ شدید ذہنی کرب سے دوچار تھی۔
"نازش۔" اس نے شدت جذب سے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔ اعصاب پر جیسے کسی نے بارودی سرنگیں بچھا دی تھیں۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو کنٹرول کیا۔ نازش کی ذات کے احترام نے زبان پر بندش لگا دی تھی ورنہ وہ بری طرح پھٹ پڑتا۔
"او کے۔" اچانک اس کا لہجہ سرخ شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔ "میں آرہا ہوں۔ آج یہ قضیہ بھی نمٹ ہی جائے۔"

◆ ◆ ◆

"آرہا ہے۔ پہلے آفس سے گھر جائے گا یونیفارم بدلنے کے لیے۔"
نازش نے واپس ڈرائینگ روم میں آکر اطمینان چھلکاتی مسکراہٹ سمیت ارشین کی طرف دیکھا تھا۔ "تم تسلی سے بیٹھو۔ گھبراؤ نہیں۔ بہت نائس بندہ ہے۔ کچھ نہیں کہے گا۔ تم طریقے سے اسے ساری صورت حال سمجھا دینا۔ وہ یقیناً قائل ہو جائے گا کہ اس سارے معاملے میں تمہاری طرف سے کوئی مہمیز، کوئی حمایت شامل نہیں رہی۔ اس کی غلط فہمی اور گلے شکوے دھل گئے تو خود بخود نرم پڑ جائے گا۔"
"میری بات سنیں آپا۔ یہ سب کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔ اس "آمنے سامنے" کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ خشک حلق کو تر کرنے کے جتن کرتے ہوئے گھبرائے ہوئے انداز میں مخاطب تھی۔
"ضرورت ہے بھئی۔ زندگی تم لوگوں کو گزارنی ہے۔ جو بھی معاملہ ہوگا۔ تم دونوں کے درمیان ہوگا۔ ہم تو ضمنی کردار ہیں۔ "مین رول" تو تمہارا ہے۔" نازش نے ایک لمحے کو بھرپور نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ پھر ایک بے ساختہ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آکے ٹھہر گئی۔
ارشین سیاہ شلوار قمیص اور دوپٹے میں تھی۔ سیاہ ہینڈ بیگ حتیٰ کہ کورٹ شوز بھی سیاہ رنگ کے تھے۔ چہرے پر الجھن کی گھبراہٹ و بے چینی ڈیرا جمائے ہوئے تھی۔
اس نے کل ہی اسے اپنے پروگرام سے مطلع کیا تھا۔
"دانیال کل گھر پر نہیں ہوں گے۔ کیا تم کالج سے واپسی پر یا درمیان میں کسی وقت ایک آدھ گھنٹے کے لیے

میرے گھر آسکتی ہو؟ بہت ضروری کام ہے۔ ایڈریس میں سمجھا دیتی ہوں۔"
ارشین کی آمد کے بعد گوش گزار کیا تھا۔
"کیا پروفیسر صاحب کے علم میں ہے کہ آپ نینی کے ساتھ میرے رشتے کی بات کرنے گھر آئی تھیں؟"
"جہاں تک میرا خیال ہے نہیں اور بالفرض ہو بھی گیا تو کبھی براہ راست مجھ سے پوچھ گچھ نہیں کریں گے۔ مصلحتاً" خاموشی اختیار کرلیں گے۔ میں جانتی ہوں۔ اپنی ہرجائی فطرت کے باوجود وہ یہ بات گوارا نہیں کریں گے کہ مجھے ان کے حوالے سے عظیم صدمہ یا شرمندگی ملے۔ ہے ناں عجیب انداز محبت۔" اس کی ہنسی میں استہزا سی چھنک اتر آئی تھی۔
"آپ کے سسرالی عزیز کہاں ہوتے ہیں؟" اس نے وقت گزاری کے لیے سوال کیا۔
"میرے ایک شادی شدہ دیور سعودیہ میں ہوتے ہیں۔ پچھلے سال ساس سسر دونوں ان کے پاس جا بسے بس میں اور دانیال یہاں رہتے ہیں۔" اسی لمحے گاڑی کا ہارن بجا تھا۔ نازش اٹھ کھڑی ہوئی۔
"میرا خیال ہے مہران آگیا ہے۔ میں دیکھتی ہوں اور تم ذہنی طور پر تیار ہو جاؤ۔ میں اسے ادھر بھیجتی ہوں۔"
ارشین کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے۔ اس کا براہ راست سامنا کرنے کے خیال سے ہی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ اسے عجیب سا خوف محسوس ہو رہا تھا۔
ایک نامعلوم سی چبھتی ہوئی کسک رگ رگ میں اذیت بھر رہی تھی۔
وہ کیا کہے گا۔
کیا سوچے گا۔
کس طرح پیش آئے گا۔
وہ چاہتی تھی ان سوالوں کا جواب پانے کے مراحل سے نہ گزرے۔
اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ایسا کرنے کی صورت میں اس کے ہاتھ میں صرف ملال رہ جائیں گے۔
نازش کے جانے کے تین چار منٹ بعد دروازہ چرچرایا۔
اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے خوف زدہ نظروں سے دھیرے دھیرے کھلتے دروازے کو دیکھا۔ پھر یکلخت پشت موڑ کر کھڑی ہوگئی۔
وہ خود میں اس سرد و سنگین چٹان سے ٹکرانے کی جرات نہیں کر پا رہی تھی۔ چونکہ فرش پر قالین بچھا تھا اس لیے وہ بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اس تک پہنچا تھا۔ اس کا اندازہ اسے اپنے اردگرد چکرائی ایک انجانی خوشبو سے ہوا۔
وہ آہستگی سے اس سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا اور اس کے چہرے پر ایک نگاہ پھینکی۔ جھلستی ہوئی، تحقیر و تنفر میں لپٹی "نگارہ نظر۔ ارشین کی رگوں میں خون کے بجائے خوف دوڑنے لگا۔
اس کا سر جھکا تھا اور ٹانگیں ہولے ہولے سنسنا رہی تھیں۔ اس جیسے شخص کے مقابل ٹھہرنا کس قدر کٹھن مرحلہ تھا۔ اسے اسی وقت ادراک ہو گیا۔
"کیا خاندان ہے آپ کا؟" اس نے دانتوں پر دانت جما کر بے حد دھیمے لہجے میں پوچھا۔ اس دھیمے پن میں کتنا غضب اور زہر چھپا تھا اسے وہی جان سکتی تھی۔
"جی۔!" پہلا سوال ہی پہلے پتھر کی طرح آ کے لگا تھا۔
"شریف گھرانے کی لڑکیوں کے یہ اطوار و انداز نہیں ہوا کرتے۔ کون ہو تم۔ اور کیا مقصد ہے اس ڈرامے کا۔ نازش بے وقوفی کے حد تک مخلص واقع ہوئی ہیں۔ انہیں تو تم نے مطلب براری کے لیے ملا لیا۔ مگر میں بہت ٹیڑھا آدمی ہوں۔ بندے کی کھال میں گھس جاتا ہوں۔ بظاہر معصوم و معزز نظر آنے والے بڑے بڑے مجرموں کا اصلی چہرہ بے نقاب کیا ہے۔ بہتر ہوگا۔ خود ہی بتا دو ورنہ یاد رکھو، مجھے اگلوانے کے ایک طریقے آتے ہیں۔" وہ غرایا۔ اس کا لب و لہجہ، شکی انداز اور چہرے کے تاثرات ایسے تھے جیسے

کوئی تفتیش کا آغاز کر رہا ہو۔ مضبوط اعصاب رکھنے کے باوجود ارشین چکرا کر رہ گئی۔ اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ صورت حال ایسی اعصاب شکن تھی کہ اس سے کوئی بات ہی نہ بن پا رہی تھی۔ بے وقعتی، تحقیر اور بے عزتی کے بھاری احساس نے اس کے حواس ٹھٹھرا دیے تھے۔ اپنا آپ برف میں دفن کسی لاش کی طرح لگا، عجیب سے انداز میں گویا ہوا۔
فصیل جاں میں مقید طائر روح بری طرح پھڑپھڑا کر رہ گیا۔ اسے یوں لگا، جیسے وہ زیادہ دیر تک اس کے سامنے کھڑی نہیں رہ سکتی ورنہ احساس ذلت سے پگھل کر پانی ہو جائے گی۔ اس کی آواز خنجر کی طرح سیدھی دل میں اتری تھی۔
"پہلے اسکیم کے تحت نازش کے گھر کی بنیادیں ہلائیں پھر مجھے پھنسا لیا۔ چہ چہ۔ افسوس ہوتا ہے مجھے عورت کا یہ روپ دیکھ کر۔ اپنے والدین پر بھی ترس نہ آیا تمہیں؟ کیوں پیدا ہوتی ہیں شریف گھرانوں میں تم جیسی لڑکیاں! زمین کا بوجھ۔ معاشرے کا ناسور۔ ماحول کی غلاظت۔ ہونہہ۔" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔
ارشین پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے سامنے ایستادہ آتشی مٹی سے تراشے اس خوبصورت بت کو دیکھ رہی تھی۔ اسے لگا جیسے وہ زمین میں دھنس رہی ہے اور بہت سارے لوگ اس کے اوپر سے گزرتے اسے روندتے کچلتے بھاگے چلے جا رہے ہیں۔
وہ صاف ستھرا سا شخص جس کے ہر ہر انداز سے شاہانہ پن، خود پسندی اور اپنی ذات کا غرور جھلک رہا تھا۔
اور وہ خود کیا تھی مٹی کیچڑ، بے مایہ، حقیر، قدموں کی دھول۔ کم از کم اس کے رویئے نے تو اسے یہی باور کرایا تھا۔
وہ اس سے چند فٹ کے فاصلے پر زمین کے سینے پر شان سے قدم جمائے تنا کھڑا تھا۔ فاصلہ اتنا کم تھا کہ اس کے ملبوس سے اٹھتی کسی قیمتی فرنچ پرفیوم کی مسحور کن مہک براہ راست ارشین کے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔ ایک ہاتھ میں موبائل تھا اور دوسرا تفاخرانہ انداز میں پشت کے پیچھے دھرا تھا۔ اس نے سفید پیپر کاٹن کے بے داغ شلوار قمیص کو زیب تن کر کے اس کی زیبائش بڑھا دی تھی۔
"پروفیسر صاحب کے ساتھ میری کبھی بھی کوئی کمٹ منٹ نہیں رہی۔ کسی کو پسند کرنا، اس کا انتخاب کرنا یا رد کرنا ہر شخص کا ذاتی عمل ہے۔ اس کے لیے دوسرا جواب دہ نہیں ہو سکتا۔" اس نے بہت بے بس سے انداز میں دھیمے سے صفائی دینی چاہی۔
"اوکے۔ تو پھر میں بھی یہ اختیار استعمال کرتے ہوئے تمہیں رد کرتا ہوں۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا اور آواز میں کوئی اتار چڑھاؤ نہیں تھا۔ اس نے ایک ہی جملے میں اس کی نسوانی حمیت و خودداری کو ذبح کر ڈالا تھا۔
"میرے نزدیک تمہارا جرم بہت بڑا ہے۔ قطعی ناقابل معافی۔ کیوں مردوں سے اس درجہ شناسائی رکھی جائے کہ وہ بھٹک کر اپنی راہ بھول جائیں۔ عورت کو اپنے وقار اور حرمت کا از خود خیال رکھنا چاہیے۔ اور جو نہیں رکھتیں انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ کم از کم عزت و احترام سے ہرگز نہیں۔"
اس کی رگ رگ سے سفاکی ٹپک رہی تھی۔
خوف سرد پانی کی لہر کی طرح اس کے وجود میں اترتا چلا جا رہا تھا۔ اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ وہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکنے جا رہی ہے۔ پروفیسر دانیال نے محبت کے جنون میں جینا حرام کر رکھا تھا اور یہ آتش و آہن سے بنا نگارہ شخص نفرت کے الاؤ میں جھلسا کر تباہ و برباد کر دینے کے درپے تھا۔
ایک ایسے شخص کے ساتھ زندگی کی شکل کیسی بدصورت ہوگی جس کا رواں رواں اسے ٹھکرا رہا ہے۔ یہی مطلب تو پانی بی جان کا نصیب ٹھہرا تھا۔ ایک عمر سے دھتکاری ہوئی ناپسندیدہ ہستی کی طرح بقول بابا جان ان پر محسن۔ اور اب میں بھی یہی "اعزاز" پاؤں گی؟
نامعلوم اندیشوں کی چاپ اس تیزی سے اس کے اعصاب پر ابھری کہ وہ سرتاپا ہل کر رہ گئی۔ وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئی۔

"ایس پی صاحب۔" جب وہ مخاطب ہوئی تو اس کا لہجہ بہت ہموار اور ٹھہرا ہوا تھا۔ پست اور دھیمی تھی۔ "ضبط نفس کے لیے زہد و تقویٰ اور خشوع و خضوع اختیار کرنا ایک کمال ہے مگر اتنی بلندی پر پرواز نہیں کرنا چاہیے جہاں سے دوسرے لوگ ہیچ و کمتر اور حقیر دکھائی دینے لگیں۔ میں بھٹکنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ آپ کی بہن اور ماں اپنی مرضی سے میرے گھر آئی تھیں۔ مجھے تو محض بتا دیا گیا تھا۔ آپ مرد لوگ جب چاہیں، جس انداز کو چاہیں اپنے مخصوص معانی کے قالب میں ڈھال لیں۔ اپنی ناک سے آگے دیکھنے کی زحمت بھی گوارا کر لیا کریں۔ بہرحال آپ بے فکر رہیں۔ میں آپ کے لیے ہامی نہیں بھروں گی۔ بھلے سے کوئی سو گولیاں میرے بدن میں اتار دے۔"

وہ کہہ کر رکی نہیں۔ بلا کی سی تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

◆ ◆ ◆

"مس در نایاب ایک نام نوٹ کریں۔" مہران نے واپسی پر ڈرائیونگ کے دوران ایس آئی در نایاب سے موبائل فون پر رابطہ کیا تھا۔

"ارشین بخاری۔ کالج میں لیکچرار ہے۔" اس نے کالج کا نام لکھوایا۔

"یس سر۔" نایاب بالکل مستعد ہو چکی تھی۔

"یہ کون ہے؟ کیا کرتی ہے؟ کہاں رہتی ہے؟ کس سے ملتی ہے؟ کہاں جاتی ہے؟ فیملی ممبرز کتنے ہیں۔ اس کے بارے میں مکمل معلومات جمع کرنا ہیں۔ دو دن کے اندر اندر مجھے رپورٹ کریں۔ معاملے کو ٹاپ سیکرٹ رکھیں۔ اور ہاں یہ رپورٹ صرف مجھے ملنی چاہیے۔"

"جی سر۔ میں آج ہی خفیہ نگرانی شروع کروا دیتی ہوں۔" مہران نے اوکے کہہ کر موبائل بند کر دیا۔ اس کے چہرے پر سوچ جال پھیلائے بیٹھی تھی۔

◯ ◯ ◯

زندگی میں کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی موڑ پر تو انسان سے بھول ہو ہی جاتی ہے۔ ہم میں سے کوئی کامل انسان نہیں ہے نہ بن سکتا ہے۔ ولایت کے درجے تک پہنچنے والوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ سدھرنے کا ایک لمحہ ہوتا ہے اور وہ لمحہ آنے سے پہلے کی زندگی بحیثیت ایک کمزور بشر کے خطا ہی خطا ہے۔ کہ ہم فرشتے نہیں۔ مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی کہ میں پروفیسر دانیال مہدی کے جال میں پھنس گئی تھی۔ لیکن بہت جلد میں نے خود کو سنبھال لیا اور ان کی نیت بھانپ کر راستہ بدل لیا۔"

وہ کتنی دیر سے اپنے اندر بھڑکتے الاؤ اور سوچ کی بپھری ہوئی موجوں سے نبرد آزما تھی۔

"مجھ پر لعنت ملامت کی جا رہی ہے۔ لوگ اتنا کچھ کر بیٹھتے ہیں اور ان کے سوئے ہوئے ضمیر کو کوئی جگانے کی جرات نہیں کرتا۔ مجھے ایک شادی شدہ مرد کے پروپوزل کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہیے تھی۔ میں مانتی ہوں۔ مجھے نتائج و عواقب پر نظر رکھنی چاہیے تھی۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا سوائے اس کے۔ بھگت لیا۔ لیکن سزا تو جرم ثابت ہونے پر دی جاتی ہے۔ غلطی یا حماقت بہرحال قابل معافی ہے۔ لیکن میں نے اس سے گھٹیا رومانس نہیں لڑایا تھا۔ اسے خود اپنی طرف متوجہ نہیں کیا تھا پھر یہ پتھر کیوں وصول ہو رہے ہیں۔ اپنے ہی گھر میں، اپنی نظروں میں، گھر سے باہر ہر جگہ ایک تماشا بن کر رہ گئی ہوں۔"

سیڑھیوں کی سلوپ کے نیچے بنے اسٹور نما حصے میں گھسی امبرین نے سلائی مشین کے خانے میں سے دوپٹے کا ادھڑا ہوا مخصوص فیتہ سینے کے لیے سوئی دھاگہ تلاشتے ہوئے بارہا کن انکھیوں سے لاؤنج میں گھٹنوں پہ تھوڑی ٹکائے استغراق کے عالم میں بیٹھی ارشین کو دیکھا تھا۔

وہ اور فاریہ اسی کالج سے بی اے کر رہی تھیں، جہاں ارشین پڑھاتی تھی۔ دونوں کے درمیان بے تکلفی

اور اپنائیت تو کب کی رخصت ہو چکی تھی۔ بہت ضروری بات ہوتی تو بامر مجبوری ایک دو جملوں کا تبادلہ ہو جاتا تھا اور بس۔

ایس پی سے رشتہ نہ ہونے کا دکھ ہے یا سعد کے ہاتھ سے نکل جانے کا، بہرحال جو بھی ہے اس کا اپنا بھگتان ہے۔ اپنے دکھوں کی خود ذمہ دار ہے۔ کیوں دوسروں کے دل دکھاتی ہے۔ بہن ہو کے بہن کا روگ نہ پہچانا! جانتے بوجھتے سعد کی حوصلہ افزائی کی۔ اپنی نام نہاد عظمت و ایثار دکھا کر اسے گرویدہ بنایا۔ چاہتی تو دو ٹوک جواب دے سکتی تھی۔ اسے سمجھا سکتی تھی۔ مگر نہیں۔ اتنے سارے لوگ آپ پر فدا ہوں، والہ و شیدا ہوں اور سوئمبر رچانے کا موقع حاصل ہو تو پھر کون آپے میں رہتا ہے اور اب مظلومیت طاری کر کے خدا جانے کون سا چکر چلا رہی ہے۔ خیر جتنے مرضی جتن کر لے مگر سعد کو اپنا نصیب نہیں بنا سکتی۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں زہر کھا لوں گی۔ مگر نہیں میں ایسا ہونے ہی کیوں دوں گی۔" پھر اس نے سوچ لیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

عام حالات میں سگے رشتوں کے مابین ایسے سازشی طرز عمل کا سوچا بھی نہ جا سکتا تھا۔ مگر "بخاری لاج" کے مکینوں کا معاملہ سب سے جدا تھا۔ یہ ایک ایسے گھر کی تصویر تھی جس کی پہلی اینٹ ہی غلط رکھی گئی تھی۔ جب بنیاد ہی غلط ہو تو عمارت کیسے پر شکوہ اور مکمل نظر آ سکتی ہے۔

پسماندہ سے گوٹھ کی پروردہ صباحت نے تعلیم و ترقی کے بہت خوش رنگ خواب آنکھوں میں سجائے تھے۔ اسے لکھنے پڑھنے اور اپنی تقدیر سنوارنے کا بہت شوق تھا مگر وہ جس ماحول سے تعلق رکھتی تھی وہاں لڑکیوں کی تعلیم کو عیاشی اور بے حیائی تصور کیا جاتا تھا۔ چودہ پندرہ برس کی تھی جب اس زمانے کے حساب سے ایک پڑھے لکھے شہری بابو سے شادی ہو گئی۔ اول روز سے گنوار، جاہل اور ناپسندیدہ ہستی کہہ کر ٹھکرا دی گئی۔ پھر تذلیل و تحقیر اور بے وقعتی کا یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ بخاری صاحب کی جاب شہر میں تھی مگر وہ اسے اپنے ساتھ شہر لے جانے پر تیار نہ تھے۔ مہینے کے مہینے گوٹھ آ جاتے تھے ماں باپ سے ملنے۔ صباحت باندی بنی آگے پیچھے پھرتی مگر جواب میں جھڑکیاں اور حقارت ہی ملتی تھی۔ ان کے آمرانہ طرز عمل اور درشت تیور آہستہ آہستہ صباحت کا سارا اعتماد، مان اور نخرے لے اڑے۔ وہ سہمی گھبرائی وحشت زدہ پھرا کرتی۔ ذہنی اذیت کے ساتھ ساتھ بخاری صاحب جسمانی تشدد سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔

پھر سنا انہوں نے شہر میں کسی طوائف زادی سے شادی کر رکھی ہے۔ صباحت کی رات کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ اپنا آپ کوڑے کے ڈھیر پہ پڑے گلے سڑے باسی پھل کی طرح لگا تھا۔ کئی سال بعد اس شہری عورت نے طلاق لے لی تو اسے کچھ سکون محسوس ہوا۔ صباحت ماں بن چکی تھی۔ پھر شاید بچوں کی زنجیر نے بخاری صاحب کو باندھ لیا۔ وہ اسے شہر لے آئے۔ مگر اپنا وتیرہ نہیں چھوڑا۔ بچوں کے سامنے اسے بے عزت کر دیتے۔ ذرا سی غلطی پر اس بری طرح اس کی توہین کرتے کہ عزت نفس خاک ہو جاتی۔ کسی آئے گئے کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ غلاموں سے بدتر سلوک روا رکھا جاتا۔ وہ اس کو تکلیف پہنچانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔ صباحت بیٹیوں کی زیادہ تعلیم کی حامی نہیں تھیں شاید لاشعور میں ذاتی تشنگی بھی تھی مگر بخاری صاحب نے ضد میں انہیں پڑھایا لکھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیٹیوں سے متنفر ہونے لگیں اور بعد ازاں بیٹوں کے زیادہ قریب ہو گئیں۔

گزرتے وقت نے صباحت کے ذہن و جذبات پر بہت سے منفی اثرات مرتب کیے تھے۔ پھر جب بخاری صاحب ایک حادثے میں بازو گنوا بیٹھے اور ریٹائرمنٹ کے بعد گھر میں حجرہ نشین ہوئے تب کہیں صباحت کو قدرے سکون اور آزادی سے کچھ کرنے اور اپنی مرضی چلانے کا موقع ملا تھا۔ ایسے میں ارشین کی خود انحصاری، گھر بھر کی کفالت کی ذمہ داری اپنے سر لینے کی خواہش و کوشش اور اس میں کامیابی نے ان کے پلان میں تعطل پیدا کر دیا تھا۔ اسے باپ کی شہہ بھی حاصل تھی اسی لیے وہ سب سے زیادہ اس کے خلاف تھیں۔ بحیثیت ماں ان کا جو رویہ تھا، وہ غیر فطری یا حیران کن نہیں تھا۔ اتنے عرصے تک ذہنی اور جسمانی ٹارچر برداشت کرنے کے بعد انسان کا اپنا انداز بھی پر تشدد ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اتنی تذلیل دیکھی تھی کہ اب وہ بے حس، خود

غرض اور سفاک ہو گئی تھیں۔ ان کے طرزِ عمل میں دوسروں کے لیے بے رحمی اور تحقیر و تنفر کے جذبات ہو گئے تھے۔ ایسے لوگ ایک طرح سے نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ ان کا رویہ نارمل روش سے ہٹ جاتا ہے اور ظاہر ہے جو لوگ ابنارمل ہوں ان سے ہر بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔

ماں باپ کی ازدواجی زندگی اور اولاد سے ناروا اور روکھا سلوک بچوں کی نفسیات پر بھی اثر انداز ہوا۔ ارشین نے تو پھر بھی حالات کے مطابق خود کو ڈھال لیا تھا مگر امبرین کم حوصلہ اور کمزور دل کی مالک تھی۔ ماں باپ دونوں کے تلخ و ترش اور جارحانہ جذبات لیے تھے۔ اسی لیے ایسی ہو گئی تھی۔

"آؤ سعد! لگتا ہے یونٹ سے سیدھا ادھر آ گئے ہو۔ یونیفارم بھی نہیں بدلی۔" ارشین کی آواز ابھر پڑی۔

"تم مجھے کتنا جانتی ہو؟" سعد سینے پر بازو لپیٹے تخت پر بیٹھی تھکی تھکی ارشین کے مقابل کھڑا تھا۔ ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں ناراضگی کی واضح جھلک تھی۔

"یہ کیسا سوال ہے؟" ارشین پھیکے سے انداز میں ہنس پڑی۔ "ظاہر ہے بچپن سے ساتھ کھیلے، لکھائیاں کی ہیں۔ باہمی تعلق داری ہے۔ تم کیا سننا چاہتے ہو؟"

"پھر تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں اپنی پسندیدہ و مطلوبہ چیز کا متبادل یا مساوی قبول کر سکتا ہوں؟ کیا ہے اور ایک بات میں تمہیں بتا دوں اگر تم نے امبرین کی خاطر انکار کیا ہے تو تمہاری قربانی رائیگاں، تمہارا ساتھ ملے نہ ملے۔ یہ نصیب کی بات ہے مگر تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ ایک بار پھر یہی کہنا تھا۔"

اس کے لہجے کی مضبوطی، اس کی آنکھوں سے چھلکتے موتی سے جذبے امبرین کو راکھ کا ڈھیر بنا رہے تھے۔ سعد کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی، اس کے انداز کی عجلت بھری بے تابی سنجیدگی میں چھپی خلوص و اپنائیت کی دمک اس کی شدتوں کا پتا دے رہی تھی۔ احساس شکست اسے رلانے لگا۔

"دل خوش کرنے کے بہانے ہیں سب ورنہ ہمیں قربانیاں دینا کہاں آتی ہیں۔ وہ مٹی کوئی اور ہے۔ مجھ پر طنز نہ کرو۔ ٹھنڈے دل سے جا کر سوچو گے تو اپنی بے وقوفی پر ہنسی آئے گی۔ بہت ہو گئی جانشینی اب سدھر جاؤ۔"

اس نے جیسے سرے سے اس کی بات کو اہمیت ہی نہ دی تھی۔ سعد نے ایک شکایت بھری خاموش نگاہ ڈالی اور پھر باہر نکل گیا۔ ارشین نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر چپ چاپ اپنی ہتھیلی کی لکیروں کو دیکھنے لگی۔ ایک لمحے کو اس کے دل میں آیا تھا کہ وہ ساری حقیقت اس سے کہہ دے۔ یہ اتنا مخلص و جاں نثار ہے، اس بھنور میں اسے تنہا نہیں چھوڑے گا۔ مگر پھر وہ سنبھل گئی۔

"ایک بار اس سے دکھ کہہ دیا تو پھر عمر بھر اس کی نظروں سے ٹپکتی حقارت مجھے رلاتی رہے گی۔ کسی کے ہاتھ میں بھی اپنی کمزوری نہیں دینا چاہیے ورنہ تا عمر جھکی گردن اٹھ نہیں پاتی۔"

◆◆◆

مغرب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ جب مہران کی جیپ گھر کے گیٹ پر رکی۔ ہارن بجانے پر ناظر نے بھاگ کر گیٹ کھولا تھا۔

"سفیان کہیں گیا ہوا ہے؟" پولیس کے مخصوص ڈریس میں ملبوس حسب معمول سنجیدہ، جیپ کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے ناظر کے سلام کا جواب دینے کے بعد دریافت کیا تھا۔ کیونکہ گاڑی موجود نہیں تھی۔

"وہ مسز بھٹی نہیں ہیں جو پچھلی اسٹریٹ میں رہتی ہیں، لمبی سی موٹی سی جن کے خاوند ٹھگنے اور دبلے سے ہیں۔ وہی جن کی جوڑی کو سفی میاں گیند بلا کہتے ہیں ان کی کوئی جاننے والی ہیں مسز آصف۔"

"شٹ اپ۔ کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کسی کا مذاق نہیں اڑاتے۔" وہ برس پڑا۔ "اور مختصرات کرا کرو۔"

"جی۔" ڈانٹ کھا کر ناظر میاں کی طبیعت صاف ہو گئی۔ بوکھلا کر سر ہلانے لگا۔ "مسز بھٹی کو مسز آصف کے گھر ڈراپ کرنا تھا۔ ان کی گاڑی سروس کے لیے گئی ہوئی ہے۔ نینی بھی اخلاقاً ساتھ بیٹھ گئیں۔ سفیان میاں انہیں چھوڑنے گئے ہیں۔"

"کب تک آئیں گے دونوں۔" وہ جھلائے ہوئے انداز میں اتر آیا تھا۔ چال بتاتی تھی کہ کسی ذہنی خلفشار میں مبتلا ہے۔

"یہ تو نہیں بتایا بھائی جان۔" ناظر اس کے اکھڑے اکھڑے تیوروں سے سہم سا گیا تھا۔

حسب معمول کچن سے کچھ فاصلے پر رکھا ریڈیو سیٹ آن تھا اور ایف ایم کی نشریات جاری و ساری تھیں۔

مہران تیز تیز قدموں سے اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

آج کل وہ خواہ مخواہ جھنجلایا ہوا تھا۔ گزشتہ ایک ہفتے سے نازش نے بار بار رابطہ کر کے ناطقہ بند کر دیا تھا۔ کبھی اصرار، کبھی منت اور کبھی اظہار خفگی۔

وہ تنگ ہو گیا تھا اس کی ایک ہی رٹ سن سن کر۔

اوپر سے نینی نے آج کل پر اسرار سرگرمیاں شروع کر رکھی تھیں۔ آئے دن لڑکی دیکھنے نکل کھڑی ہوتیں۔ یقیناً مسز بھٹی کے ساتھ بھی در پردہ اسی مقصد سے گئی ہوں گی۔ یہ سوچ کر اس کی کوفت سوا ہونے لگی۔

وہ یونیفارم بدل کر سفید شلوار کرتے میں وضو کر کے جالی والی ٹوپی جیب میں اٹکائے ہوئے نیچے آیا تو اس کا دماغ گھوم کے رہ گیا۔

"گرم گلابی شام ہے۔ سب کچھ تیرے نام ہے۔ ترررر مبا۔"

عابدہ اختر کی آواز پورے سروں کے ساتھ ایف ایم کے چینل سے گھر کے در و دیوار میں بکھر رہی تھی۔

مہران نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"ناظر۔" اس کی تیز اور غصیلی آواز سن کر ناظر کے ہاتھ سے چمچہ گر گیا۔

"جی بھائی جان۔" وہ گھبرائے ہوئے قدموں سے کچن سے نکل کر لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

"کیا ہے بچے۔ اذان کا وقت قریب ہے، تم نے یہ کیا گانا بجانا شروع کر رکھا ہے۔ بند کرو اسے۔ دو منٹ کو میوزک نہیں سنو گے تو مر نہیں جاؤ گے۔ حد ہو گئی۔"

اس نے برہمی سے سر جھٹک کر باہر کا رخ کیا۔ ناظر افتاں و خیزاں آگے بڑھا اور جلدی سے ریڈیو آف کر دیا۔

"ناظر میاں لگتا ہے آج بھائی جان سے پٹ کر ہی رہو گے۔" وہ دل ہی دل میں خود کو لتاڑ رہا تھا۔

"دروازہ بند کر لو۔ میں مسجد جا رہا ہوں۔" مہران گیٹ کھول کر باہر نکل رہا تھا۔ ناظر نے حکم کی تعمیل کی، پھر چولہا بند کر کے خود بھی وضو کرنے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔

سفیان اور نینی کی واپسی آدھے گھنٹے بعد ہوئی۔ مہران بھی بیس منٹ بعد گھر میں داخل ہو چکا تھا۔

"ماشاء اللہ بہت اچھی فیملی ہے۔ مسز آصف کے بچے بھی ان پر گئے ہیں۔ تمیز دار، خوش اخلاق اور سلجھے ہوئے۔ میرا تو بیٹھنے کا ارادہ نہیں تھا۔ مگر انہوں نے چائے پیے بغیر نہیں آنے دیا۔ چھوٹا بیٹا آرمی میں ہے اور بیٹی فرسٹ ائیر میں پڑھ رہی ہے۔ میرے ہی کالج سے بی اے کر رہی ہے۔ جب ہی تو دیکھی دیکھی لگ رہی تھی۔ سفی بیٹے آپ کو یاد آیا۔ کچھ عرصہ پہلے ہم نے اسے اور ارشین کی بہن کو لفٹ بھی دی تھی۔ فاریہ نام ہے۔ ماشاء اللہ صورت سیرت کردار ہر چیز میں یکتا ہے۔"

نینی مسز آصف کے گھرانے کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔ مہران کے آس پاس خطرے کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو گئیں۔

اتنی لمبی چوڑی تمہید بے مقصد نہیں باندھی گئی تھی۔ وہ نینی کے تیور پہچان رہا تھا، تاہم انجان بنا صوفے کی پشت سے سر ٹکائے ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں پکڑ کر چینل بدلنے لگا۔

سفیان بالکل چپ چاپ بیٹھا تھا۔ خلاف توقع اس نے گفتگو میں حصہ لینے میں دلچسپی نہیں دکھائی بلکہ شاید غور

سے پوری بات بھی نہیں سنی تھی۔
"کیا بات ہے بیٹے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟" نینی اس پر نظر ڈالتے ہی چونک گئیں۔
"جی نینی!" وہ مختصراً بولا۔ آواز میں سنجیدگی نمایاں تھی۔ مہران بھی متوجہ ہو گیا۔ گہری نگاہ سے اسے دیکھا لیا۔
"میں دیکھ رہا ہوں، کچھ دنوں سے تم الجھے ہوئے اور پریشان سے ہو۔ خیریت ہے ناں۔" مہران کو اس کی خاموشی اور سنجیدگی معنی خیز سی لگی تھی۔ وہ تو بڑا زندہ دل، اور ہمہ وقت تازہ دم رہنے والا لڑکا تھا۔ اس کو چپ کرانے کے لیے نینی کو باقاعدہ مشقت کرنا پڑتی تھی۔
ہنسنے ہنسانے والے چہرے کبھی اداس ہو جائیں تو بڑے عجیب سے لگنے لگتے ہیں۔
"کچھ نہیں بھائی جان۔" وہ ایک دم الرٹ ہو کر بیٹھ گیا کہ پوچھنے والا نہایت تیز حسیات کا مالک تھا۔
"دراصل میں کچھ عرصے بعد میرے پیپرز شروع ہو رہے ہیں۔ اسی کی ٹینشن ہے۔" اس نے نظریں چرا کر تاثرات چھپا لیے تھے۔
"ہاں بھئی! جو کروں کو بھی تو کبھی کبھار سنجیدہ ہونے کا حق حاصل ہے۔" ناظر نے بڑے اہتمام سے آغاز کیا تھا۔ سفیان پھیکے سے انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ مہران بغور اس کے چہرے پر پھیلی اداسی کی تحریر اس کی ڈھیلی ڈھالی، بے جان مسکراہٹ کو بھی محسوس کیا۔ اس سے پہلے کہ کوئی سوال کرتا کارڈلیس کی بیل نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی۔
"ہیلو۔" مہران ریسیور اٹھا کر اپنے مخصوص بارعب اور چھا جانے والے لب و لہجے میں مخاطب ہوا۔ جواب میں ایئر پیس میں سناٹا بولنے لگا۔
"ہیلو۔" وہ دوبارہ بولا۔ مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ مہران کو تعجب ہوا۔ اس سے پہلے کہ تیسری دفعہ ہیلو کہتا ریسیور رکھ دیا گیا۔
"کوئی رانگ نمبر ہو گا۔" اس کے جھلا کر فون رکھنے پر نینی نے تبصرہ کیا۔
"شاید۔" اس نے کندھے اچکائے۔ سفیان کپڑے تبدیل کرنے اوپر چلا گیا اور ناظر حسب عادت کچن کی طرف دوڑ لگا چکا تھا۔
"کیا سفیان نے آپ کو کچھ بتایا ہے نینی؟" مہران کے دھیان میں بار بار سفیان کا خاموش چہرہ لہرا رہا تھا۔
"نہیں۔ میں نے ہر طرح سے پوچھ لیا ہے۔ البتہ ارشین کے لیے کچھ دنوں سے بڑا بے چین ہو رہا تھا۔" نینی منہ ہو گئیں۔
"اوہ۔" یہ نام سنتے ہی اس کی پیشانی پر لاتعداد شکنیں نمودار ہو گئیں احساسات میں اک الاؤ سا دہک اٹھا۔
"شکر ہے پرپوزل والی بات اس کے کان میں نہیں پڑی ورنہ اسے سمجھانا بہت مشکل ہو جاتا۔ بہرحال یہ والا معاملہ تو ختم ہوا۔ لیکن یہ بات طے ہے شادی اب تم کو کرنا ہی پڑے گی۔ بہت ہو گئی ٹال مٹول۔ سفیان کا ہی خیال کر لو، وہ خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے۔ اسی لیے اتنا چڑچڑا اور گم صم ہوتا جا رہا ہے۔ تم صبح جاتے شام کو آتے ہو۔ مجھ بڈھی کے پاس بیٹھ کر کتنی دیر ہنس بول سکتا ہے۔ یوں بھی مجھے بولنے سے زیادہ سننا پسند ہے۔ تمہاری دلہن گھر آئے گی تو گھر آباد ہو جائے گا۔ تمہارے بچوں کی چہکاریں۔"
"پلیز نینی۔" مہران نے بے اختیار جھینپ کر ان کی بات کاٹی تھی۔ "اگر ایسی ہی کوئی "رونق" لانی ہے تو سفیان کی شادی کر دیجیے۔ میرا ابھی دور دور تک کوئی ارادہ نہیں ہے۔"
"خوامخواہ۔ تم جانتے ہو، میں ہر کام میں ترتیب کی قائل ہوں اور تمہاری شادی کے لیے تو میں نے بڑے ارمان رکھے ہیں۔ انشاءاللہ اس تزک و احتشام سے ولیمے کی دعوت میں پورا شہر بلاؤں گی، میرے تو کھانے گننے لگو تو رات سے صبح ہو جائے۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑیں۔
مہران انہیں دیکھ کر رہ گیا۔ وہ ان کی دل آزاری کے خیال سے خاموشی اختیار کیے ہوئے

"مجھے فاریہ بہت پسند آئی ہے۔ تیکھا ناک نقشہ، سادگی و معصومیت، انداز میں دھیما پن۔ ہاں کم سن ہے سفیان سے بھی ڈیڑھ دو برس چھوٹی ہی ہو گی۔ خیر کچھ ایسا فرق بھی نہیں ہے۔ ماشاءاللہ دراز قد ہے۔ البتہ اپنے تمہارے ساتھ خوب جچے گی۔"
انہوں نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔ مہران بری طرح ٹھٹھک کر انہیں دیکھنے لگا۔
"آپ کچھ عرصے کے لیے اپنی مہم ملتوی کر دیجیے پلیز۔" وہ سختی سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "کم از کم سال تک مجھے سکون سے اپنی جاب کرنے دیں۔ پھر دیکھا جائے گا۔" وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔
"یہ تو ساری عمر اسی طرح ٹال مٹول کرتا رہے گا۔ مجھے خود ہی فیصلہ کن قدم اٹھانا ہو گا۔ فاریہ جیسی محبت کرنے والی بھولی بھالی اور نیک سیرت بیوی پا کر سارا غصہ بھول جائیں گے۔ میں کل ہی مسز بھٹی سے بات کروں گی کہ وہ باتوں باتوں میں مسز آصف سے عندیہ لیں۔ پھر باقاعدہ رشتہ ڈالوں گی۔" نینی دل ہی دل میں منصوبہ بندی کرتے ہوئے کچن کی طرف چل پڑیں۔
فون کی بیل دوبارہ بجی تھی۔ سفیان نے لاؤنج میں جھانکا، یہاں کوئی نہیں تھا۔ ناچار وہ خود ہی فون سننے کے لیے اندر آ گیا۔
"ہیلو۔" جواب میں کچھ دیر خاموشی رہی۔
"سفیان! میں ارشین بات کر رہی ہوں۔" اس کے دوبارہ ہیلو کہنے پر ادھر سے گہری سانس لے کر کہا گیا۔
"فرمائیے۔ کیسے زحمت کی؟" سفیان کا لہجہ روٹھا روٹھا اور طنزیہ تھا۔ بڑے بچکانہ سے انداز میں اجنبیت جتانے کی کوشش کی گئی تھی۔ "اب بھی فون نہ کرتیں۔ میں مرا نہیں جا رہا تھا۔"
"میں نے بھی یہی سمجھانے کے لیے فون کیا ہے۔ کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا۔ ماں بھی مردہ بچے کے ساتھ قبر میں نہیں لیٹ جاتی۔ سب اپنی سانسیں پوری کرنے کے بعد ہی دنیا سے اٹھتے ہیں۔"
"بہت ظالم ہیں آپ۔" وہ بلا ارادہ شکوہ کر گیا۔
"میرے ساتھ بے رخی برتتے ہوئے رحم نہیں آیا۔" کتنی بے دردی سے فون پٹخا تھا۔ ریسیور رکھنے کی زوردار آواز اب تک میری سماعتوں میں گونج رہی ہے۔ کتنی انسلٹ کی تھی۔ آپ نے میری اور پھر دوبارہ فون بھی نہیں کیا۔" انداز میں بچوں کی سی معصومیت اور تھی۔
"میری بات غور سے سنو سفیان! رشتے گھروں سے باہر تلاش نہیں کیا کرتے اور نہ ان پر اعتبار کرتے ہیں ورنہ جواب میں صرف دکھ ملتا ہے یا پھر پچھتاوے کا زہر۔ تم نے کیوں مجھ سے یہ آس لگائی کہ میں تمہیں فون کروں گی۔ یا تمہارے بلاوے پر دوڑی چلی آؤں گی۔ آخر کیا رشتہ ہے میرے اور تمہارے بیچ؟"
ارشین کا لہجہ اس درجہ سپاٹ اور بے تاثر تھا کہ وہ بری طرح چکرا گیا۔
"میں آپ کو آپا کہتا ہوں۔ اپنی بڑی بہن کی جگہ سمجھتا ہوں۔" اس کی زبان بے اختیار لڑکھڑائی۔ وہ اس کے جارحانہ اور اجنبی لب و لہجے پر ہکا بکا رہ گیا تھا۔
"محض بہن سمجھ لینے سے رشتے نہیں جڑا کرتے۔" اس کے انداز میں رکھائی تھی۔
"بہن کی کوئی کمی اتنی بڑی محرومی نہیں ہے جس کے لیے تم کشکول لے کر محبت کی بھیک مانگنے سڑکوں پہ نکل جاؤ۔ خدا کی مرضی اسی میں تھی۔ دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو ماں باپ، بہن بھائی، دوست عزیز، ہر رشتے سے محروم ہیں۔ مگر بہرحال زندگی سے اپنے حصے کے دکھ سکھ چن رہے ہیں۔ تم تو خوش نصیب ہو جسے اتنے قریبی رشتوں کی محبت و شفقت حاصل ہے۔ کل کلاں کو بھابی یا بیوی گھر آئے گی تو باقی ماندہ خلا بھی پر ہو جائے گا۔ خوامخواہ خود پر احساس محرومی طاری کر کے کفران نعمت نہ کرو۔"
اب اس کے لہجے میں قدرے نرمی آ گئی تھی۔
"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" بہت دیر تک غور و خوض کرنے کے بعد وہ یہی نکتہ اخذ کر سکا۔ حیرانی ختم ہونے لگی تھی۔ وہ سمجھ نہیں سکا رہی تھی۔

"قطعی نہیں۔ لیکن میں یہ دو طرفہ کھنچاؤ ختم کرنا چاہتی ہوں۔ میرے حالات ایسے ہیں کہ ممکن نہیں ہے تمہارے دل میں میرے لیے جو اچھے جذبات ہیں انہیں اپنے تک محدود رکھو۔ لیکن اظہار کے لیے چور دریچے نہ کھولو۔ سگے اور منہ بولے رشتے میں بہت فرق ہوتا ہے ہمارے معاشرے میں ان رشتوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ امید ہے تمہارا دل صاف ہو گیا ہو گا۔ نیک خواہشات حافظ۔"

ادھر سے فون رکھ دیا گیا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر ریسیور پکڑے گم صم کھڑا رہا۔

لیکن بتدریج بات سمجھ میں آتی جا رہی تھی۔ اس کا ذہنی انتشار ختم ہونے لگا۔ وہ خود کو ملکا پھلکا تھا۔ شاید وہ درست ہی کہتی ہیں ہمارا ماحول ایسا نہیں ہے کہ اس قسم کے تعلقات پاکیزگی کی نہج پر رہیں۔ پھر ایسی کوشش سے فائدہ! جو موجود ہے اسی پر کیوں نہ قناعت کی جائے۔

◆ ◆ ◆

"سعد آیا تھا تمہاری طرف۔ سن لی ہو گی اس کی انوکھی رٹ۔ تم ہی کچھ سمجھاؤ اسے۔ ہم تو ہار گئے اسے مغالطے میں رکھا گیا وہ سمجھتا رہا کہ بات تم سے رشتہ جوڑنے کی ہوئی تھی۔" نازو اپنی سسرال سے آئی تھی۔

"خدا جانے اسے یہ خوش فہمی کیسے لاحق ہو گئی کہ۔" ارشین کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ "یقین کرو اسے ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا نہ کبھی اس نظر سے دیکھا ہے۔ میں نے اپنے طور پر اسے سمجھانے کی پوری کوشش کی ہے۔"

"امی کو یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ اگر خدانخواستہ وہ اسی طرح ہٹ دھرمی دکھاتا رہا تو وہ صاحب کیا جواب دیں گی۔ وہ امبرین کا نام سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ جاتا ہے۔" نازو کے لہجے سے فکر مندی ٹپک رہی تھی۔

"یہ تو بڑوں کی صوابدید پر ہے کہ وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں ویسے ذاتی طور پر میں سعد کے امبرین سے رشتے کے حق میں نہیں ہوں۔ دونوں ایک دوسرے کو کچھ نہیں دے سکیں گے۔ کیوں خوامخواہ پیچیدگیاں بڑھائی جائیں۔" ارشین بولی۔

نازو اس کے طرز فکر پر خاموش ہو گئی۔ دل میں گہری ناپسندیدگی کے احساسات ابھرے تھے۔ لاکھ اس کی رازدار و غمگسار سہی مگر اس کی داستان امیر حمزہ جان کر بھابی کا روپ دے کر گھر لانے کا کبھی نہیں سوچا تھی۔

بحیثیت دوست کے وہ اس کا غم بٹا سکتی تھی' آنسو بہانے کے لیے اپنا شانہ پیش کر سکتی تھی اس کی ہو سکتی تھی۔ مگر رشتے کی چادر اوڑھا کر معتبر نہیں بنا سکتی تھی۔ اسی لیے اس کا لب و لہجہ قدرے سپاٹ سا تھا۔ ارشین نے اسے اب تک کے سارے واقعات کہہ سنائے تھے کہ وہ اول روز سے ہر بات تھی۔ وہ اسے سرزنش کرنے لگی۔

"تمہیں اس شخص کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنی چاہیے تھی۔ کھل کر بتا دیتیں کہ تم پروفیسر ہوئی تھیں اور وہ بھی وقتی طور پر۔ اس سے کوئی جذباتی لگاؤ نہیں تھا۔ فقط اک سہارا درکار تھا۔ اتنا فضول سے لڑتیں۔" وہ خفا ہوئی۔

"بدگمان دل کسی دلیل یا صفائی کو نہیں مانتا۔" اس کے لہجے میں شکستگی در آئی۔ "پھر میں کیوں کرتی۔ تھک گئی ہوں اپنی پوزیشن کلیئر کرتے کرتے۔ مزید بے وقعت نہیں ہونا چاہتی۔ بھلے سارے کوئلوں پہ بسر کرنی پڑے۔ وہ بھی تو آنکھ رکھتا ہے۔ صاحب نظر ہوتا تو خود تہہ تک پہنچ جاتا۔" اس آنچ آنے لگی دکھ کی سلگتی ہوئی آنچ۔

"بہرحال تم بے فکر رہو' اب میں اتنی بھی کمینی نہیں ہوں کہ بہن کی سیج یا سہاگ پر قابض ہو سعد کو مزید سمجھاؤں گی۔ میری طرف سے بدظن نہ ہونا۔"

◆ ◆ ◆

وہ لان میں پودوں کو پائپ سے پانی دے رہا تھا۔ ہلکی سبز فل سلیوز جرسی اور سیاہ پینٹ میں خاصا تر و تازہ دکھائی دے رہا تھا۔ امبرین نے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے جھکی نظروں سے بغور اس کے سراپے کا جائزہ لیا اس کی کشش کا کتنا خزینہ سمیٹے ہوئے تھی۔ یہ کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔

وہ آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے مقابل آ گئی۔

"السلام علیکم۔"

"ہوں؟" سعد نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "تم کیسے آئیں؟" لہجے میں الجھن اور سردمہری تھی۔

"آپ کی دلچسپی کی ایک خبر لے کر آئی ہوں۔ سنیں گے تو بروقت اطلاع پر داد دیں گے۔" وہ عجیب سے معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

سعد نے پائپ کیاری میں چھوڑتے ہوئے سرتاپا اس کو جانچا۔

امبرین کے چہرے پر نوجوانی کی مخصوص چمک اور جاذبیت تھی۔ جھکی ہوئی پلکیں دھیرے دھیرے لرز رہی تھیں۔ وہ پرپل کلر کے پاجامہ فراک میں ملبوس تھی۔ خلاف معمول آج ہونٹوں پر لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل کی آرائش بھی کی گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے خصوصی طور پر تیار ہو کر آئی ہو۔

"میں جانتی ہوں' آپی نے آپ کو کیوں انکار کیا تھا۔" اس کا لہجہ ٹھوس اور پراعتماد تھا اور یہ انداز گفتگو' یہ جرأت سعد کے لیے نئی تھی۔ وہ یوں اکیلی ان کے ہاں کبھی نہیں آئی تھی۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اس لیے کہ انہوں نے ایس پی صاحب سے کمٹ منٹ کر رکھی ہے۔ موصوف کا پروپوزل آ چکا ہے اور عنقریب کارروائی متوقع ہے۔ یہی بتانا تھا آپ کو۔" اس نے ترچھی نظر سے دیکھا۔ سعد کے چہرے کا رنگ ایک دم متغیر ہو گیا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا۔" اس کی آواز کسی کنویں سے ابھری تھی۔

"ایس پی صاحب کی بہن آئی تھیں۔ اگرچہ بی بی جان اس رشتے کے حق میں نہیں ہیں مگر آپی کی طرف سے زبردست دباؤ کے باعث شاید مان بھی جائیں۔ نیئی کے ہاں آنے جانے کا سلسلہ تو ایک مدت سے جاری رہا ہے۔ بی بی جان کی سخت تنبیہ کے باوجود آپ کو اس روز کا واقعہ تو یاد ہی ہو گا جب وہ ایس پی کی گاڑی میں گھر آئی تھیں۔"

امبرین کو اس کی آنکھوں اور چہرے پر نمودار ہونے والے غصے و بے بسی اور اذیت کے تاثرات دلی تسکین فراہم کر رہے تھے۔

"پھر میں کیا کروں۔ مجھے بتانے کا کیا مقصد ہے۔" اس نے سنبھل کر چہرے کے تاثرات سرد و سپاٹ کر لیے اور دوبارہ پائپ اٹھا لیا۔

"یہ تو آپ بہتر جانتے ہیں کہ اس اطلاع سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔" وہ مبہم سا مسکرائی۔

"تم جاؤ یہاں سے۔ صباحت آنٹی نے دیکھ لیا تو خفا ہوں گی۔" وہ رخ موڑ کر پائپ گھسیٹتا ہوا اگلی کیاری کی طرف بڑھ گیا۔ بے خیالی میں پانی کی موٹی دھار کیاری کے بجائے لان کی گھاس کو بھگوتی چلی گئی۔ ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا اور نظروں کا جمود بتا تا تھا کہ سوچ کا ارتکاز منتشر ہو چکا ہے۔ امبرین اک فاتحانہ نگاہ اس کی پشت پر ڈالتے ہوئے واپس ہوئی۔

◆ ◆ ◆

"بہن! آپ کو شاید ہمارے گھر کا ماحول مختلف لگے۔ ہر جاننے والے کو لگتا ہے لوگ کہتے ہیں آپ ڈنر پارٹیز فنکشنز کے بجائے قومی تہواروں پر جشن مناتے ہیں جن کی اہمیت و نوعیت کا بھی اکثریت کو علم نہیں ہوتا اور جنہیں بیشتر لوگ چھٹی کا دن یا تعطیل سمجھ کر سونے یا سیر و تفریح میں گزارتے ہیں۔ یہ طور طریقے انہیں عجیب لگتے ہیں۔" مسکراتے ہوئے پروقار انداز میں مسز آصف سے مخاطب تھیں۔ ان سے انتظار نہیں ہو سکا تھا اگلے ہفتے

ہی انہیں شام کی چائے پر گھر مدعو کر لیا تھا۔ یہ مسز بھٹی کا مشورہ تھا۔
"بات چلانے سے پہلے ایک دوبار میل ملاپ ضروری ہے تاکہ فریقین میں بے تکلفی اور ... ہو سکے۔ بعد میں براہ راست بات کیجیے گا۔"
"اللہ کا شکر ہے معاشی اعتبار سے ہم آسودہ حال ہیں۔ بچوں کے باپ اور میرے شوہر نے اتنا ... ہے کہ اگلی نسل بھی ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ کے کھا سکتی ہے۔ چاہتے تو ہم بھی رئیسانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کر سکتے تھے۔ مگر میری خواہش تھی بچے باپ کی مالی حیثیت کے بجائے اس کے قومی ... سے پہچانے جائیں۔ اسی لیے انہیں روایتی امیرزادوں والی بے مقصد سرگرمیوں سے دور رکھا۔ لوگ ہمیں احمق و نادان سمجھ کر ہمارے لائف اسٹائل پر خندہ زن ہوتے رہیں مگر مجھے فخر ہے کہ آج ... ہوئے رئیس زادوں کے بجائے پرامن اور محب وطن شہری کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ یہی ... کی کمائی ہے۔ آپ چائے اور لیجیے ناں۔"
سفید بارڈر والی سبز جارجٹ کی نفیس ساڑھی میں ملبوس مسز آصف غور و دلچسپی سے نینی کی باتیں ... تھیں۔ مسز بھٹی نے اشارۃً "بتا دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے لیے فاریہ میں دلچسپی رکھتی ہیں۔ مسز آصف کو ... پسند آیا تھا۔ سلجھی ہوئی مہذب و متین فیملی، نفیس ماحول سادہ دل اور جانثار لوگ۔ فاریہ یقیناً یہاں ایڈجسٹ ہو سکتی تھی کہ خود ان کے ہاں کا ماحول بھی صاف ستھرا تھا۔ ایف ٹین کے پوش سیکٹر میں ... ان کے گھر میں مخلوط دعوتوں، مرد و زن کے بے تکلفانہ میل جول اور بے جا آزادی کا تصور نہیں تھا۔
"بہن! اچھے ماحول میں پلنے والے بچوں کے ذہن قدرتی طور پر معصوم و سادہ ہوتے ہیں۔ فاریہ ... ایسے ہی ہیں۔ معصومیت اور سادگی کا اپنا ایک حسن ہوتا ہے۔ کیا کرتے ہیں آپ کے دونوں بیٹے؟"
"مہران پولیس آفیسر ہے۔ اس کی طبیعت میں سنجیدگی اور ذمہ داری زیادہ ہے۔ اپنی عادت کی وجہ سے جلدی فری نہیں ہوتا۔ بڑی اچھی شخصیت ہے میرے بیٹے کی۔ آپ ملیں گی تو خوش ہو جائیں گی۔" ... پر شفیق و پرجوش مسکراہٹ کھلنے لگی۔
"چھوٹا سفیان بی ایس سی آنرز کر رہا ہے زرعی یونیورسٹی سے۔ ماشاء اللہ جی بھر کر شرارتی ہے۔ ... ہی نہیں ہے۔ اکیلا ہی سب پر بھاری ہے۔ اس گھر کی چہکاریں اور رونق اسی کے دم قدم سے سلامت ... کے لہجے میں ممتا اور محبت تھی۔ مسز آصف کو بچوں کی قسمت پر رشک آنے لگا۔ ایک غیر عورت ... میں سمو کر پالا تھا۔
"آپ آئیے گا دونوں بیٹوں کو لے کر۔" شام گئے مسز آصف جانے کے لیے اٹھی تھیں۔
"جی ضرور کیوں نہیں۔ اب تو بار بار آئیں گے۔" نینی ان کی دعوت پر اندر تک کھل گئی تھیں۔
انہیں گیٹ تک چھوڑنے کے بعد اندر آئیں تو راہداری میں رکھا فون بجنے لگا۔ ان کے مرحوم شوہر کے گاؤں کا منشی شہر سے بات کر رہا تھا۔ گاؤں کا نام شیخ بانڈہ تھا۔ زیارت سے ذرا آگے واقع تھا اور چمن ... راستے میں پڑتا تھا۔ یہاں محمود صاحب کے سیبوں کے باغات تھے۔ ان کی شہادت کے بعد نینی نے ... اعتماد شخص کو باغات کی حفاظت کے لیے منشی مقرر کر دیا تھا۔ سال میں ایک دو مرتبہ جا کر حساب ... تھیں۔ منشی نے اطلاع دی تھی کہ کوئٹہ کا کوئی ٹھیکیدار باغات کا ٹھیکہ لینے کا خواہش مند ہے۔ آپ ... چاہتا ہے آکر معاملہ طے کریں۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں اصرار ...
"ٹھیک ہے، میں کل یا پرسوں آجاؤں گی۔" نینی نے یقین دہانی کرا دی۔ فون رکھنے کے بعد ناظر کو ... ہوئے ٹی وی ... میں آئیں تو اسے اور سفیان کو بیک وقت ایف ایم اور فون سے چمٹے دیکھ کر ...
"یہ کیا ہو رہا ہے؟" ریڈیو آن ہونے کی وجہ سے انہیں اونچا بولنا پڑا۔ چونکہ راہداری اور لاؤنج کے نمبر مختلف تھے اس لیے منشی کی کال نے سفیان لوگوں کا سلسلہ منقطع نہیں کیا تھا۔
"نینی! کال ملا رہے ہیں اعجاز قریشی کے پروگرام میں۔" ناظر نے حمیرا ارشد کے گیت پر سر دھنتے ...

... ہو، ہو۔" نینی نے دونوں کو یوں دیکھا جیسے ڈاکٹر لاعلاج مریضوں کو افسوس سے دیکھتا ہے۔ وہ بھول گئی تھیں کہ آج اتوار ہے اور ان کے فیورٹ پریزنٹر کا پروگرام آنا تھا۔ بچوں بڑوں سب کو ہی اس کا کریز تھا۔
"مل گیا۔ مل گیا، ناظر! ریڈیو کی آواز کم کردو۔ اعجاز بھائی لائن پر آنے والے ہیں۔" معاً سفیان نے سر اٹھا کر ... کا نعرہ مارتے ہوئے چیخ کر ناظر کو ہدایت کی۔ وہ بڑی تندہی سے گزشتہ پندرہ منٹ سے نمبر ملا رہا تھا۔
نینی سمجھ گئیں اب جب تک ان کا پروگرام اختتام پذیر نہ ہوتا، وہ دونوں یہاں سے نہیں ہل سکتے تھے۔ وہ خود ... میں آکر ٹرالی پر چائے کے لوازمات رکھنے لگیں۔ ٹرالی کچن میں چھوڑ کر وہ اوپر آگئیں۔ مہران دو گھنٹے پہلے کہیں سے آیا تھا اور آتے ہی کمرے میں جاکر سو گیا تھا۔ انہوں نے آہستگی سے دروازے پر دستک دی۔ ... دوبارہ کھٹکھٹانے پر بھی آواز نہ آئی تو وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئیں۔
وہ سفید رنگ کے شلوار کرتے میں ملبوس سر پر سفید ٹوپی پہنے کونے میں جائے نماز بچھا کر نماز پڑھ رہا تھا۔ نینی نے کچھ حیرت سے رکوع کی حالت میں جھکے مہران کو دیکھا پھر ہلکا سا پردہ ہٹایا۔ سورج کب کا غروب ہو چکا تھا۔ آسمان پر چھائی لالی میں سیاہی کا غبار شامل ہو کر رات کی زلف سنوار رہا تھا۔
"بیٹے! کون سی نماز پڑھ رہے تھے؟ مغرب کی اذان ہوئے تو خاصی دیر ہو گئی!" مہران نے جائے نماز تہہ کرنے کے بعد سلام کیا تو نینی نے جواب دیتے ہوئے اپنا استعجاب ظاہر کیا۔
وہ کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔
"اصل میں میری آنکھ لگ گئی تھی۔ پتا ہی نہیں چلا۔" اس نے سر کھجایا۔ وہ اتنا شرمسار تھا کہ نینی کو بے ساختہ اس پر پیار آنے لگا۔
"اب جاگا تو سوچا قضا ہی پڑھ لوں۔ آپ کے مہمان چلے گئے؟ ناظر نے مجھے بتایا تھا۔" وہ ان کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔
"ہاں۔ فاریہ کی امی تھیں۔ میں نے چائے پر بلایا تھا۔" انہوں نے پیار سے اس کے سیاہ چمکدار بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔
"کون فاریہ؟" وہ بے دھیانی سے پوچھ بیٹھا۔ نینی خفا ہو گئیں۔
"ابھی دس روز پہلے تو بتایا تھا۔" وہ آف موڈ کے ساتھ گویا ہوئیں۔
"او نو نینی!" وہ عاجز ہو کر بولا "پلیز بخش دیں میری خطا۔ مجھے نہیں کرنی شادی وادی۔ مجھے یہی لائف اسٹائل سوٹ کرتا ہے۔ آپ اسے ڈسٹرب نہ کریں۔"
"اب تمہاری میں ایک نہیں سنوں گی۔" وہ اپنی بات پر قائم تھیں۔ اسی لمحے دروازے پہ دستک ہوئی۔
"ہاں بھئی آجاؤ۔" مہران کی اجازت پا کر سفیان اور ناظر دانت نکالتے ہوئے اندر آگئے۔ ناظر کے ہاتھ میں چائے کا ایک کپ تھا۔ وہ جانتا تھا اس وقت مہران کو اسی کی طلب ہو گی۔
"ہو گئی بات اعجاز قریشی سے۔" نینی نے اپنے بائیں طرف دھپ سے صوفے پر گرتے سفیان کو دیکھ کر دریافت کیا۔ ناظر مہران کو چائے دے رہا تھا۔
"ہاں، قسم سے نینی! اتنی مزیدار باتیں کرتے ہیں کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔" وہ جیسے ابھی تک تصور سے کال کا لطف لے رہا تھا۔
"میں ایک ہفتے کے لیے شیخ بانڈہ جا رہی ہوں۔ چلو گے میرے ساتھ؟"
"کون سے شیخ کے پاس؟" سفیان نے آنکھیں پھاڑ کر شرارتی انداز میں ان کی طرف دیکھا۔
"شیخ بانڈہ گاؤں کا نام ہے یہ۔" نینی نے تصحیح کی حالانکہ جانتی تھیں وہ ... رہا ہے۔
"دونوں کو ساتھ لے جائیں نینی! اچھا ہے اسی بہانے ان کی سیر و تفریح بھی ہو جائے گی۔ بڑے عرصے سے کہیں جانا نہیں ہوا۔ میں انتظامات کرا دیتا ہوں۔ کوئٹہ، زیارت اور چمن کی سائیڈ کا چکر لگ جائے گا۔"

مہران نے سفیان کے جواب سے پہلے ہی ان کی تجویز پر صاد کر لیا۔
"افسوس! میں اس زریں پیشکش کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔" سفیان نے منہ لٹکایا۔ "میرے ٹیسٹ ہونے والے ہیں۔ ناظر فارغ ہے اسے لے جائیں۔"
"نہیں۔ آپ کے بغیر مجھے خاک مزہ آئے گا۔" ناظر بسورا۔
"چلو پھر سہی مہران! تم کل یا پرسوں کی کوئٹہ کی کسی فلائٹ پر سیٹ کنفرم کرا دو۔ منشی جی کو تار بھیج دو کوئٹہ ایئر پورٹ پر مجھے ریسیو کر لیں گے۔" نینی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"کیوں بھئی؟ تم دونوں کے کیا ارادے ہیں؟۔" وہ انہیں بدستور تسلی سے براجمان دیکھ کر دونوں سے مخاطب ہوا۔ نینی جا چکی تھیں۔ وہ یقیناً کسی شرارت کے موڈ میں تھے جواب تک نہ ٹلے تھے۔
"آپ سے ایک پہیلی پوچھنی ہے بھائی جان۔ صحیح جواب بتانے پر آپ دنیا کے عقلمند ترین انسان بن جائیں گے۔ یہ بتایئے کہ۔"
اس کے لہجے کی خوشگواری محسوس کرتے ہی سفیان پھیل گیا مگر اسی لمحے بجنے والی فون کی گھنٹی نے سارا پروگرام درہم برہم کر دیا۔
ناظر قریب بیٹھا تھا۔ مہران کے اشارے پر اسی نے ریسیور اٹھایا تھا۔ پھر اس نے حیرانی سے کہا۔
"کوئی لڑکی ہے بھائی جان درنایاب!" مہران نام سنتے ہی اٹھ کر فون سیٹ کے پاس آ گیا۔ ناظر ریسیور اسے تھما کر سفیان کے پاس صوفے پر جا بیٹھا۔
"کسی لڑکی کا فون آیا ہے اور وہ بھی بھائی جان کو!" سفیان سرگوشی میں ناظر سے پوچھ رہا تھا۔ مارے تجسس کے دونوں کا برا حال تھا۔
"چپ کریں ناں، پوری بات تو سننے دیں بعد میں بحث کریں گے اس "ناقابل فراموش" واقعے پر۔" ناظر نے گفتگو پر کان لگاتے ہوئے سفیان کا ہاتھ دبایا۔ مہران بہت توجہ سے دوسری طرف کی بات سن رہا تھا۔
"وہ رپورٹ تو کب کی مجھے مل چکی ہے۔ میں نے آپ کو لیلیٰ شاہ اور ان "محترمہ" کے مابین تعلق کی نوعیت دریافت کرنے کو کہا تھا۔"
اس نے اک چور نگاہ سفیان اور ناظر پر ڈالتے ہوئے درنایاب کی بات کا جواب دیا تھا۔ وہ ان کی موجودگی کے باعث ارشین کا نام لینے میں احتیاط برت رہا تھا۔
درنایاب نے مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دو دن کے اندر اندر رپورٹ پیش کر دی تھی۔ گھریلو نصیب کی حد تک تو کوئی قابل ذکر بات نہیں تھی۔ البتہ یہ انکشاف چونکا دینے والا تھا کہ لیلیٰ شاہ اس سے ملاقات کرنے آئی تھی۔ اس نے اسے ہدایت کی تھی کہ نظروں میں آئے بغیر احتیاط سے اس بارے میں ارشین یا اس کی ... سے معلومات حاصل کرے۔ مہران نے سرسری سا نینی سے بھی ذکر کیا تھا۔
"بیٹے! میں نے تو یہ نام تمہاری زبان سے پہلی مرتبہ سنا ہے۔" وہ لیلیٰ شاہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھیں۔ اس لیے اس نے مزید تفصیلات بتانا بے کار جانا تھا۔
"سر! میں نے غیر محسوس طریقے سے اچھی طرح ارشین صاحبہ کو ٹٹولا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ تعلقات ... نوعیت کے ہیں۔ ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لیلیٰ شاہ کی شخصیت کے بارے میں ابہام کا شکار ہیں اور ان سے میل جول رکھنا پسند نہیں کرتیں۔"
درنایاب نے اپنی کھوج کا حاصل بیان کیا۔
"لیکن لیلیٰ شاہ تو ایسا چاہتی ہے اور یہی بات غور طلب ہے۔ فی الحال آپ "محترمہ" کو رہنے دیجیے اور خان کیس پر دوبارہ کام شروع کریں۔"
گفتگو کا سلسلہ طویل ہوتے دیکھ کر سفیان اور ناظر بد مزہ سے ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

◆ ◆ ◆

"بابا جان! کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔ میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔" عدنان نے بابا جان کو اطلاع دی جن کے چہرے پر الجھن کے تاثرات نمودار ہونے لگے تھے۔
"یہاں اتنے ... بابا جان ... مجھ سے کون ملنے آیا ہے؟۔" نوکری سے ریٹائرمنٹ اور حادثے میں ایک بازو کٹوانے کے بعد وہ مکمل طور پر گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ کچھ فطرتاً بھی آدم بیزار تھے اس لیے ملاقات کے لیے آنے والے پر متعجب تھے۔
"کوئی پروفیسر دانیال مہدی ہیں۔" عدنان لاپروائی سے جواب دے کر پورچ میں رکھے گملوں کو پانی دینے کے لیے کنستر اٹھانے لگا۔ تخت پر بیٹھی بی بی جان کے ساتھ ساگ چنتی ہوئی ارشین کے ہاتھ سے ساگ کے پتے گر گئے۔ وہ اضطراری انداز میں اٹھی تھی۔
"یا میرے خدا! کوئی نیا طوفان آنے والا ہے کیا؟۔"
بابا جان ڈرائنگ روم میں جا چکے تھے۔
"سنا ہے آپ کی صاحبزادی کے لیے ایس پی مہران آفریدی کا رشتہ آیا ہے؟۔"
دانیال سلام دعا کے بعد فوراً "شروع" ہو گئے تھے۔
بابا جان کی آنکھیں غیرت سے سرخ ہو گئیں۔ ان کی رگوں میں خون کی جگہ بارود بھرنے کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ کہاں کسی غیر مرد کے منہ سے بیٹی کے حوالے سے بات سننا۔
"آپ کون ہیں اور میری بیٹی کو کس طرح جانتے ہیں۔"
"یہ اسٹامپ پیپر میرے تعارف میں مددگار ثابت ہو گا۔" انہوں نے جیسے ان کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے کاغذ ان کی طرف بڑھا دیا۔ جسے پڑھتے ہی بابا جان کی دھڑکنیں جیسے رکنے لگیں۔
"میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا بزرگوار! مجھے شام کی فلائٹ سے کراچی جانا ہے۔"
وہ بڑی متانت اور شائستگی کے ساتھ بابا جان سے مخاطب تھے جو اس وقت ضبط کی انتہاؤں پر تھے۔ ان کا پورا جسم مرتعش تھا۔ کوئی بھونچال سا بھونچال آیا تھا۔
بی بی جان ڈرائنگ روم کے اندرونی دروازے پر یوں ایستادہ تھیں جیسے کسی نے سنگی مجسمہ بنا کر نصب کر دیا ہو۔
ان کے عقب میں ہوائیاں اڑتے چہرے سمیت ارشین لرزہ براندام تھی، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا اور پورا جسم یوں کانپ رہا تھا جیسے کسی بھی لمحے لہرا کر زمین پر آ رہے گا۔
"مجھے آپ کی صاحبزادی سے یہ سوال کرنا تھا کہ اگر ان کی کسی سے کمٹ منٹ تھی تو مجھ سے پیمان کیوں باندھے۔" وہ جیسے معصومیت اور سعادت مندی کے تمام ریکارڈ توڑنے پر تلے ہوئے تھے۔
"آپ زبان سنبھال کر بات کریں۔"
بابا جان طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر گرم ہو گئے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا، ابھی اسی وقت ارشین کو زمین میں دفن کر دیں۔ جس کی وجہ سے ان کے خاندان کی عزت اس طرح اچھالی جا رہی تھی۔
"آپ تحمل سے کام لیں بزرگوار! میں اپنے ہمراہ ثبوت لایا ہوں اور آپ کو دکھا چکا ہوں اگر یہ سب جھوٹ ہے تو اپنی صاحبزادی سے پوچھ لیجیے۔ ان کی رائٹنگ اور سائن ملا لیجیے۔"
وہ صد درجہ اطمینان سے گویا ہوئے۔ ایک ترچھی مسکراتی نگاہ ارشین پر بھی ڈالی تھی۔
"ادھر آؤ ارشین!" بابا جان کی غضب آلود آواز سن کر اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔
بابا جان کے ٹھوکا دینے پر وہ سہمے ہوئے انداز میں چلتی ہوئی بابا جان کے سامنے سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے جسم سے جان نکلی جا رہی تھی۔
"کیا یہ حضرت درست کہہ رہے ہیں؟۔"
بابا جان کی آواز میں ایک نامعلوم سی لرزش بھی تھی۔
"کیا یہ دستخط تمہارے ہیں اور تم نے برضا و رغبت کیے ہیں۔" بابا جان کی سرد آواز اور انگارے برساتی نظریں

اس کی رگوں میں خون جمانے لگیں۔
"جی۔" اس کی آواز میں لرزش تھی۔
"مگر بابا جان! جو الزام یہ صاحب لگا رہے ہیں' وہ بالکل غلط ہے۔ میں نے ان سے کوئی کبھی
تھی۔ انہوں نے مجھے مجبور کر دیا تھا اور۔" اس کے چہرے سے وحشت و گھبراہٹ چھلکی پڑ رہی تھی۔
"بس۔" بابا جان نے پھنکارتے ہوئے اسے روک دیا۔
"تم اندر جاؤ۔" ان کا دھیما لہجہ اپنے اندر بے پناہ غیظ و غضب لیے ہوئے تھا۔
"بابا جان آپ میری بات تو سن لیں۔ میں۔"
"تم اندر جاؤ' ورنہ میرے ہاتھوں قتل بھی ہو سکتی ہو۔" ان کا سرد لہجہ اس قدر دہشت طاری کر
وہ الٹے پاؤں وہاں سے لوٹ آئی۔
"آپ یہاں سے جا سکتے ہیں اور اگر ارشین کے حوالے سے دوبارہ آپ اس گھر کی دہلیز پر آئے تو
نہیں جا سکیں گے۔"
بابا جان اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی دھیمی آواز میں بلا کی گھن گرج تھی۔
دانیال مہدی گڑبڑا کر کھڑے ہو گئے۔ وہ تو کچھ اور ہی سوچ کر آئے تھے مگر بابا جان کے تیور تو کچھ اور
"دیکھیے صاحب! میں نے بہتر سمجھا کہ آپ کو سارے معاملے سے باخبر کر دوں تاکہ مناسب ا
سکے اور اس کے علاوہ۔"
"آپ کا شکریہ کہ آپ نے اطلاع دی۔ آگے ہم کیا کرتے ہیں۔ یہ ہمارا معاملہ ہے۔ اسے ہم خود
گے۔ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"
بابا جان کا سرد خشک لہجہ اتنا سخت تھا کہ دانیال مزید کچھ کہنے کی خواہش دل میں دبائے جانے کو
گئے۔
"اب دیکھتا ہوں' ایس پی صاحب کیسے ہمارے خوابوں کی رانی کو جیت کے لے جاتے ہیں۔"
سے ڈرائیونگ کر رہے تھے۔

◆ ◆ ◆

"تو یہ تھا تمہارا منصوبہ جس میں تم بالآخر کامیاب ہو گئیں۔" بی بی جان کی خشمگیں نظریں
ارشین پر تھیں۔
"بی بی جان آپ۔" اس نے روہانسے انداز میں کچھ کہنا چاہا مگر اس کی بات پوری نہ ہو سکی۔ وہ
بولیں۔
"تم کیا سمجھتی ہو' میری نظر اتنی کمزور ہے؟ میں تو اسی دن کھٹک گئی تھی جب تم نے جوان بیٹیوں کا
ہوئے اپنی اس "سہیلی" سے رشتے داری بڑھانے کی بات کی تھی۔ مجھے اچھی طرح علم تھا' تمہارا
سب کچھ دیکھ رہی تھی میں' تم نے سوچا ان پڑھ' جاہل' مطلق ماں کو بے وقوف بنانا کیا مشکل ہے۔
کرتی رہیں۔ ارے۔ میں تو تمہارے ہر ٹیلی فون کی نوعیت سے اچھی طرح آگاہ تھی۔ تمہارے
سب خبریں تھیں مجھے' لیکن یہ نہیں سوچا تھا اس حد تک گر جاؤ گی۔"
ان کی نظروں میں حقارت تھی' نفرت کی چنگاریاں تھیں۔
"بی بی جان! خدا کے لیے پوری بات تو سن لیں۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دیتی ہوں۔ یقین کیجیے
نہیں ہے۔"
وہ دونوں ہاتھوں میں چہرا چھپا کر رو پڑی۔
"آپ پہلے میری پوری بات سن لیں پھر جو جی میں آئے کیجیے گا۔"
"مجھے کیا سناتی ہو۔ تمہاری اک اک ادا کی خبر ہے مجھے' سنانا ہو تو اب تمہیں باپ کی عدالت میں ہو

اس کے ہاتھ سے" لشتم پشتم بھاگتی ہوئی ادھر آئی تھی۔ "آپ کو بابا جان اوپر اپنی لائبریری میں بلا
رہے ہیں۔" لرزتی کانپتی شاہین تھی۔
"بابا جان!" وہ بری طرح خوفزدہ تھی۔
"ہاں فوراً" مہمان کے جانے کے بعد ڈرائنگ روم سے نکل کر لاؤنج میں آئے تو سامنے امبرین
بہت غصے میں ہیں۔ فون پر بات کر رہی تھیں۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھپٹ کر ان کے ہاتھ سے ریسیور چھین
اپنی دوست سے اور پھر ایک زوردار تھپڑ امبرین باجی کے منہ پر رسید کرتے ہوئے کہا۔
"اور سارا تم کس سے باتیں کر رہی ہو۔ خبردار جو آئندہ فون کو ہاتھ لگایا تو۔"
شاہین نے بے اختیار جھرجھری لی تھی۔
بھائی سے کہنے لگے "جاؤ باہر گیٹ پر تالا لگا دو اور کار کی چابی لا کر مجھے دے دو۔" اس کے بعد ان کی
تو بولے "بی بی ماں سے کہو۔ ایک منٹ میں اوپر آ جائے۔" اور پھر وہ زور زور سے پیر پٹختے سیڑھیاں
شاہین کی آنکھیں خوف سے ابلی پڑ رہی تھیں۔
"اللہ خیر کرے۔" بی بی جان نے ہول کر کلیجہ پکڑا۔ جانے سے پہلے مڑ کر ارشین کو خونخوار نظروں سے دیکھا۔
"تم چلو اسٹوڈیو میں اور خبردار جو وہاں سے قدم باہر نکالا تو۔ شاہین باہر سے لاک لگا دو۔"
حقیقت حال سے بے خبر شاہین آنکھیں پھاڑے باہر جاتی بی بی جان کو دیکھ کر رہ گئی۔
ارشین کی رگ رگ میں محشر برپا ہو گیا۔ اسے لگا جیسے ماحول میں یکلخت آکسیجن کی کمی ہو گئی ہے۔ وہ من من
کے قدم گھسیٹتی ہوئی بالآخر اسٹوڈیو میں چلی گئی۔
"تخت یا تختہ" یہ فیصلہ جان لیوا انتظار کا متقاضی تھا۔
اوپر فیصلہ ہو رہا تھا اور اس سے اوپر آسمانوں سے اس کے لیے کیا حکم اترا تھا۔ چند لمحوں میں یہ عقدہ حل ہو
گیا۔
ارشین کو ہر گزرتی ساعت یہی گمان ہوتا تھا کہ سزائے موت کا حکم تب آیا کہ اب ایک ایک پل صدی بن گیا

ڈرائنگ روم کی بیرونی کھڑکی کے پاس رکھے گملوں کو پانی دیتے عدنان نے سارا ماجرا اپنے کانوں سے سنا تھا اور
غیظ و غضب سے کانپتے ہوئے لاؤنج میں سہمی بیٹھی امبرین و شاہین سے کہہ ڈالا گویا سب کو خبر ہو گئی واقعے کی۔
ایک گھنٹے بعد بی بی جان شکستہ قدموں سے نیچے چلی آئیں۔
"شاہین! اس بدبخت کو بلاؤ۔" وہ تھکے ٹوٹے مضمحل انداز میں لاؤنج کے تخت پر گر گئیں۔ اچانک ہی وہ خود کو
بوڑھا اور نحیف محسوس کرنے لگی تھیں۔ سب دم بخود بیٹھے تھے۔ کچھ ثانیے بعد جھکے سر اور جھکی نظروں میں
ملال کیفیت لیے ارشین مجرمانہ انداز میں ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ بھائی اور بہنوں کی غصیلی اور چبھتی ہوئی
نظریں زہر میں بجھے تیروں کی طرح اس کے وجود میں پیوست ہو رہی تھیں۔
"تمہارے بابا جان تو تمہیں زہر دے کر ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ میں نے منت سماجت کر کے کسی طرح
منا لیا۔ انہوں نے کہا ہے۔ تین دن کے اندر اندر تمہارا نکاح کر کے ہمیشہ کے لیے اس گھر سے رخصت کر دیا
جائے۔ چوتھے دن کا سورج تم یہاں نہیں دیکھو گی اور آئندہ نہ کبھی ان کے سامنے آؤ گی ورنہ وہ یا خود کو ختم کر لیں
گے یا تمہیں۔ امبر فریج کے اوپر ایس پی کی بہن کے لکھے فون نمبر والی چٹ پڑی ہو گی۔ اٹھا کر لے آؤ۔ شکر ہے
سنبھال کر رکھ لی۔ کیا خبر تھی جسے انکار کر رہی ہوں کل کو اسی سے رابطے واسطے ڈھونڈوں گی۔ میرے اللہ۔
کسی بھی ماں کو ایسی بے بسی کے دن کی ماں باپ کو نہ دکھانا۔"
"بی بی جان!" اس کے خاموش لب لرزے۔ "مجھے یہ فیصلہ قبول نہیں ہے۔ اس سے تو بہتر ہے سچ مچ کا زہر
دے دیں۔ میں مر جاؤں گی۔ خدا کے لیے۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بلک پڑی۔
"یہاں بھی تمہیں کسی کی پسند نہیں کرنی تو پھر اس مردود پروفیسر کو ہاں کر دیتے ہیں۔ یوں بھی آدھا نکاح تو کر ہی چکی ہو اپنے ہاتھ

سے رضامندی لکھ کر۔" بی بی جان جل بھن کر خاک ہو گئیں۔ "بیچھے ایک نہیں تین تین بچو
قسمتیں کیوں کالی کرتی ہو۔ تمہارے باپ نے حکم دیا ہے کہ بھلے سے وہ کالے چور ہوں مگر نکاح ان
سے کسی ایک سے ہو گا۔ جنہوں نے داغ لگایا ہے وہی سمیٹیں سنبھالیں اب۔" وہ چیخ گئیں۔
"کوئی اور راستہ؟" آنسو موتیوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔
"کیوں نہیں؟" بی بی جان نے دانت پیسے۔ "باپ تمہارا خون کر کے خود پھانسی چڑھ جائے گا،
ناں تم۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔
"عدنان! اگوٹھ میں اپنے دادا دادی کو تار بھجوا دو کہ فوراً" یہاں آ جائیں۔ ارشین کی شادی طے ہ
تم۔" وہ اس کی طرف مڑیں۔
"تمہارے پاس آدھا گھنٹہ ہے۔ سوچ کر بتا دو کس کے ساتھ رخصت ہونا ہے ایس پی یا پروفیسر"

☾ ☾ ☾

"پروفیسر نازش کا شوہر ہے' شادی شدہ آدمی ہے وہ۔" بی بی جان کے اعصاب پر یہ انکشاف بجلی
تھا۔ ان کا جی چاہا پیٹرول چھڑک کر اسے زندہ جلا دیں۔
"ایک ہی گھر میں دو شکار ڈھونڈ لیے۔ یا خدا کس گناہ کی سزا ہو تم۔"
ان کی نظریں شعلے کی طرح دہک رہی تھیں۔ "اب اسی سے پوچھ لیتی ہوں بی بی! کس کی بارات
شوہر کی یا بھائی کی۔"

"بھائی یا خاوند۔" اطلاع پاتے ہی نازش کا دل پاتال میں جا ڈوبا تھا۔ خبریں بھی "خونی" ہوا کرتی ہیں
انکشاف ہوا تھا۔ خوش قسمتی ٹھہری کہ وہ اس دن بلا ارادہ بہنی کے بجائے اپنے گھر کا نمبر دے گئی تھی۔
دانیال کچھ دیر پہلے کراچی فلائی کر گئے تھے۔ اسے یہ سمجھنے میں چنداں دشواری نہ ہوئی کہ اس "آز
کون سے عوامل متحرک ہیں۔ چشم تصور میں وہ دانیال کو نازش کے باپ کے روبرو "دستاویز" تھامے
تھی۔
بے اختیار ہی اس نے جھرجھری لی اور تیزی سے مہران کے آفس کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ پتا چلا وہ کہ
نکل گیا ہے۔
اس نے موبائل نمبر ٹرائی کیا۔ وہاں سے بھی کوئی رسپانس نہیں ملا۔ غالباً "بند تھا یا بیٹری لو ہو جانے
کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی۔
"اوہ کتنی احمق ہوں میں۔" اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔ "مہران کا پیجر نمبر بھی تو ہے میرے پا
نے ڈائری سے نمبر نوٹ کیا اور پھر احتیاط سے فون پر پیجر سروس والوں کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔
"السلام علیکم۔ ٹی سی پیجر۔" مہذب و شستہ انگریزی کب و لہجے میں اٹینڈنٹ نے مخاطب کیا تھا۔
نازش نے عجلت میں پیجر کا نمبر اور میسج نوٹ کرایا۔
"کال می جسٹ ناؤ مسز نازش دانیال۔"
ریسیور رکھنے کے بعد وہ بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ ذہن میں متفرق خیالات چک پھیریاں کھا رہے تھ
مہران کا پہلا اور بے ساختہ رد عمل ظاہر ہے انکار ہی ہو گا۔ لیکن مجھے اس انکار کو اقرار میں تبدیل کرا
لیکن کیا یہ عظیم خود غرضی نہیں ہو گی؟" اس کے ضمیر نے ملامت کی۔ اپنا گھر بچانے کے لیے
کوئلوں پہ چلنے پر مجبور کروں؟
مگر وہ بھائی ہے جو بہن کی خوشیاں خریدنے کے لیے خود کو بھی بیچ دیتے ہیں۔ اور پھر کون سا گھاٹے کا
ایک پڑھی لکھی، سلجھی ہوئی باشعور لڑکی اس کی زندگی کی ساتھی بنے گی سفر حیات سہل ہو جائے گا
عدالت میں دلائل پیش کر رہی تھی۔
وہ تیرہ برس سے پروفیسر دانیال کے ساتھ تھی۔ اور اتنی طویل مدت میں ان کی ذات کا ہر رنگ، ہر تم

ہرائی سے جانچ چکی تھی کہ اب روایتی "رقیبانہ" یا حریفانہ جذبہ مشکل سے ہی بیدار ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ
نے ارشین والے معاملے میں غیر معمولی سیلف کنٹرول، تحمل اور سکون کا مظاہرہ کیا تھا۔
کوئی اور عورت ہوتی تو شاید خاوند کی توجہ کا مرکز بننے والی ہستی کا منہ نوچ لیتی۔ اس کے قدموں تلے انگارے
دیتی۔ لیکن وہ اپنے شوہر کی دل پھینک اور بآسانی پھسل جانے والی طبیعت سے آشنا تھی۔ اب تو کڑھن و جلن
بھی نہیں ہوتی تھی۔ وہ دانیال کی کتنی بہت ساری "سہیلیوں" سے مل چکی تھی۔
بہت عام سے بے نیاز تاثر کے ساتھ۔
لیکن ارشین سے ملاقات نے یاد رہ جانے والا نقش چھوڑا تھا۔ اس سادہ' افسردہ اور تھکی تھکی سی ورکنگ لیڈی
اسے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔ جو اس کی ایک ہی دلیل پر تائب ہو گئی تھی۔
پھر بعد میں دانیال نے اس کے ساتھ جو زور و زبردستی اور جنونیت کا ڈرامہ رچایا۔ اس نے نازش کے دل میں
کے لیے بہت ہی وسعت و کشادگی پیدا کر دی تھی۔
اب وہ اپنے گھر کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی بھی بچانا چاہتی تھی۔
اس نے عجلت کے عالم میں جناح سپر کی عظیم الشان مارکیٹ کے پارکنگ لاٹ میں گاڑی کھڑی کی' اور سیدھا
نہ ملبوسات کی شاپ میں جا گھسا۔ یہ شاپ پورے اسلام آباد میں جدید فیشن کے اسٹائلش جینٹس ڈریسز
لیے مشہور تھی۔ مہران اکثر یہیں سے اپنی شاپنگ کرتا تھا۔ کچھ دیر بعد باہر آیا تو ساتھ ہی زنانہ ملبوسات کی
کے باہر شوکیس میں لگے ڈریسز کا جائزہ لیتی درنایاب پر نظر پڑی۔ وہ چونک گیا۔ اس کے ہمراہ ایک ادھیڑ عمر
کٹ داڑھی والے شفیق سے بزرگ بھی تھے۔ انہوں نے سفید براق شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔
لڑکی! کچھ لو گی یا یونہی مجھ بڈھے کو خوار کراؤ گی۔ پچھلے دو گھنٹوں سے مارکیٹ میں ریس لگا رہا ہوں تمہارے
۔" مہران سمجھ گیا وہ یقیناً "درنایاب" کے والد تھے۔
"بندے کو ساری دکانیں پھر کے دیکھ بھال کے چیز خریدنی چاہیے۔ ذرا دم لیں بابا۔" وہ بچوں کی طرح ٹھنکی۔
سرخ کاٹن کے گھریلو کپڑوں میں اس کا بھگا بھگا سفید و گلابی حسن دمک رہا تھا۔ معصومیت۔ جس کا قدرتی سنگھار
سنہری گھنے بال کلپ میں قید نازک سی کمر کا گھیراؤ کیے ہوئے تھے۔ وہ قدرے جھکی ہوئی شیشوں کے پار ہینگ
کیے ڈریسز نظر سے جانچ رہی تھی۔
"فواب کیا ان "غریبوں" کی بھی تفتیش کرو گی۔ پولیس والوں کی گرفت و صحبت سے اللہ بچائے۔"
"اتنی بدگمانی بزرگوار! یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔" وہ بے ساختہ مسکراہٹ سمیت ان کی طرف بڑھا تھا۔
بزرگوار حیرت و الجھن کے عالم میں اس خوش رو نوجوان کو دیکھنے لگے۔ فولادی جسامت سحر انگیز آنکھیں'
مطمئن چال اور چہرے پر خود اعتمادی کی چمک۔
"معاف کیجیے گا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" وہ انکساری سے گویا ہوئے۔
"پہچان بھی کیسے سکتے ہیں۔ یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔" اس سے پہلے کہ مہران تفصیلی تعارف کرواتا
ناب تحیر سے پلٹا کھا کر متوجہ ہوئی تھی۔
"ارے کس سر! آپ السلام علیکم۔" اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر اپنی طرف وہ اس وقت وردی میں نہیں تھی
لیے "باقاعدہ" سلیوٹ سے احتراز کیا البتہ الرٹ اور اٹینشن ہو جانے والے انداز وہی تھے جو ایک آفیسر کو
دیکھ کر ماتحت کے پورے وجود پر چھا جاتے ہیں۔
"بابا! یہ میرے والد صاحب ہیں سر! ریٹائرڈ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ لئیق احمد اور بابا! یہ ہمارے آفیسر ایس پی مہران
اے اچانک سامنے پا کر حسب سابق گھبراہٹ و بوکھلاہٹ کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔ تیز تیز لہجے میں یوں
نے کروایا جیسے بتا کر فوراً "بھاگنے" کا ارادہ ہو۔
مہران نے اس کی اس ادا کو نوٹ کیا تھا۔ اک مبہم سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کے کنارے چھوتی ہوئی گزر

گئی۔

لئیق احمد بڑے تپاک سے ملے تھے۔

"کبھی تشریف لائیے ناں غریب خانے پر۔" انہوں نے بلاتوقف دعوت دے ڈالی۔

"شکریہ۔ فرصت ملی تو ضرور۔" وہ مروت سے بولا۔

"نہیں سر! آپ ضرور آئیے گا۔" وہ بے ساختہ اصرار کر گئی۔ وہ کن اکھیوں سے بار بار "سر" کو دیکھ رہی تھی۔ سیاہ پینٹ اور پنک شرٹ میں درحقیقت اس کی سرخ و سفید رنگت نکھر رہی تھی۔ درنایاب کا جی چاہا کسی طرح ان جادوگر بھنور اسی چمکدار آنکھوں کو اپنی ہتھیلیاں رکھ کر بند کردے اچھی طرح اس کی صورت دیکھے۔ اس کے چہرے کے نقوش ازبر کرے جن پر رعب و دبدبے کا نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ یا وہ اس کی تاب نہ لا پاتی تھی آج تو "سر" کے انداز کسی مہربان بادل کی طرح لگ روایتی سخت و سرد اور درشت لب ولہجہ پس پردہ چلا گیا تھا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس وقت نہیں تھے۔

"اوکے لئیق صاحب آپ سے مل کر دلی خوشی ہوئی۔ انشاءاللہ آئندہ بھی صحبت رہے گی۔ مجھے اس وقت ' یہ میرا کارڈ رکھیے۔ کسی خدمت کے لائق پائیں تو ضرور یاد کیجیے گا۔"

مہران نے بڑے پرجوش انداز میں لئیق احمد سے ہاتھ ملایا تھا۔ درنایاب آنکھیں پھاڑے اس چہرے پر جھلکتے نرم و لطیف تاثرات دیکھنے لگی۔

"اتنی حیران نہ ہوں مس نایاب! فی الوقت آپ میری ماتحت نہیں ہیں۔"

اس کے چہرے پر ثبت حیرانی مہران کی تیز حسیات سے اوجھل نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ عین اس کی دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا تھا۔ نظروں کا یہ تصادم نایاب کی جان پر بنا گیا۔ وہ سٹپٹا کر پلکیں جھکانے پر مجبور ہو جیسے وہ ساحر نظر کے طلسم سے دل کی کوٹھڑی میں رکھے سارے ہیرے موتی لوٹ کے لے جائے گا۔

"خخ خدا حافظ سر۔" اس کی حسین پیشانی پر پسینہ نگینوں کی طرح چمکنے لگا۔

اسی وقت مہران کا جیب میں پڑا پیجر بج اٹھا۔

لئیق احمد اور نایاب آگے قدم بڑھا چکے تھے۔ مہران پیجر نکالتے ہوئے گہری نظروں سے درنایاب سنہری آبشار کی طرح گرتے بالوں کو دیکھ رہا تھا جو دوپٹے کو سلیقے سے سر پر لینے کے باوجود نمایاں ہو رہے

◆ ◆ ◆

"یہ غریب خانہ آپ جیسے پارسا و پاکیزہ لوگوں کے قابل تو نہیں ہے۔ پھر بھی خوش آمدید' تشریف لا" نازش نے بہت ناراض لب ولہجے میں ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا تھا۔ اس کے بار بار فون کرنے اس کے گھر آیا تھا۔ کل تو اس نے اس کی پوری بات سنے بغیر ہی لائن کاٹ دی تھی۔ مگر نازش ہمت نہیں تھی' وہ اگلی صبح پھر فون پر جت گئی جس کے نتیجے میں مہران شام کو اس کے روبرو تھا۔

"کمال ہے۔ خود ہی بلاتی ہیں اور خود ہی مقام و مرتبے کا احساس بھی دلا رہی ہیں۔"

مہران خلاف عادت شگفتگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شنیل کے سرخ صوفے پر بیٹھ گیا۔ سیاہ جینز او شرٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح شاداب و صبیح نظر آ رہا تھا۔ نازش نے دل ہی دل میں اس کی نظر اتارا تاثرات اور لب ولہجے میں فرق نہیں آنے دیا۔

"جناب کے حضور ایک درخواست پیش کی تھی بندی نے۔"

سفید و سیاہ پرنٹ کے قیمتی سلک کے سوٹ میں سیاہ دوپٹہ شانوں پر درست کرتے ہوئے وہ اس کے گئی اور خفا خفا انداز میں دیکھنے لگی۔ مہران کا چہرہ آن کی آن میں سنگین و سرد تاثر دینے لگا۔

"درخواست دینے سے پہلے یہ نکتہ ضرور دھیان میں رکھنا چاہیے کہ قبول کرنے والے میں استطاعت بھی ہے یا نہیں۔ آپ کیوں اپنی خفگی ظاہر کر کے ایموشنل بلیک میلنگ کر رہی ہیں؟ آپ

شاید کوئی آنچ نہ آئے مگر میرا بہت دور تک نقصان ہو جائے گا۔ مجھے آزمائش میں نہ ڈالیے نازش میں انسان ہوں۔ فرشتہ نہیں ہوں کہ گزری ہوئی تلخ و بھیانک رت کے سارے حوالے یادداشت کے خانے سے کھرچ ڈالوں' بے اعتبار عورت کا ساتھ اک مسلسل سزا ہے۔ کبھی نہ ختم ہونے والا عذاب۔"

"تم اس پر اعتبار تو کر کے دیکھو۔ وہ سارے بھروسے لوٹا دے گی۔ میں نے اس کا باطن دیکھا ہے۔ ورنہ اب اتنی بھی مطلبی و خود غرض واقع نہیں ہوئی کہ اپنی راہ ہموار کرنے کے لیے تمہاری جھولی پتھروں سے بھر دوں۔" وہ دکھ سے

"یہ دنیا سوانگ رچانے والوں سے کبھی خالی نہیں رہی۔ میں روز ہی ایسے تماشے دیکھتا ہوں۔ مخلوق خدا میں تمہاری جنس بڑی سستی ہو گئی ہے۔ نہایت ارزاں۔ آپ اسے سادہ و معصوم نہ سمجھیں۔ وہ ضرور کوئی چال چل رہی ہے۔ مجھے آپ کو اور دانیال کو اکٹھا پھنسانے والی مکارانہ چال۔ عقل سے سوچیں اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو دانیال بھائی کے سامنے میری پوزیشن کتنی شرمناک ہو جائے گی۔ ہم تاعمر ایک دوسرے سے نظر نہیں ملا سکیں گے اور پھر یہی ہیں۔ جو اس انکشاف کی تکلیف دہ منزل سے گزرنے کے بعد کسی صورت اسے بہو نہیں بنائیں گی۔ پرایا گھر بچانے کے لیے اس کی آگ اپنے گھر اٹھا لانا کہاں کی دانشمندی ہے نازش۔" وہ نہایت سنجیدگی و متانت سے مخاطب تھا۔

"ہر شخص اپنا بھگتان خود بھگتنے کا پابند ہے کہ یہ اصول فطرت ہے۔" وہ مزید گویا ہوا۔ لہجہ حد درجہ مستحکم اور ہموار تھا۔ "ہمدردی اچھی چیز ہے لیکن اگر یہ عمل مجرم کو تختۂ دار تک پہنچانے کی راہ میں حائل ہو جائے تو سراسر اس کی پشت پناہی کے مترادف بن جاتا ہے۔"

وہ نازش کے ہمدردانہ انداز پر چوٹ کر رہا تھا۔

"میرے گھر کی بنیادیں ہلنے والی ہیں۔ تم ہی انہیں مضبوط کر سکتے ہو میرے بھائی۔" وہ ملتجی سے انداز میں اس کے قریب کارپٹ پر بیٹھ گئی اور اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کل سے دو مرتبہ ارسین کی ماں کا فون آ چکا ہے اور میں انہیں یقین دلا چکی ہوں کہ ہم دو دن کے اندر اندر معاملات مکمل کر لیں گے۔ نینی ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد سے باہر گئی ہوئی ہیں اس لیے شاید وہ بارات میں شریک نہ ہو سکیں۔ انہوں نے عذر قبول کر لیا ہے۔ اب سوچو بھلا ہم کیونکر مکر سکتے ہیں۔ باقاعدہ رشتہ ڈالا تھا۔ اور ان کے گھر کی دہلیز پر مثبت جواب کی خاطر انتظار کرنے کا عہد باندھا تھا۔ اب جبکہ ادھر سے "ہاں" ہو گئی ہے تو ہم معاملہ آگے بڑھانے کے اصولی طور پر پابند ہیں۔ اگر دانیال کراچی سے واپس لوٹ آئے تو صورتحال قابو سے باہر ہو جائے گی۔"

نازش رو پڑی تھی۔ مہران نے طویل و بے بس سانس لے کر اس کی سمت دیکھا۔

"میرے حال پر رحم کیجیے نازش۔ کیوں زندگی کے راستے دشوار بناتی ہیں۔" وہ ہارے ہوئے لہجے میں بولا اور پیشانی مسلنے لگا۔

"اور پھر ہر کام کا ایک باقاعدہ 'ایک طریقہ ہوا کرتا ہے۔ نینی کا مزاج جانتی ہیں ناں گراؤنڈ پر پڑی اینٹ بھی اٹھا کر ایک طرف رکھنی ہو تو پہلے پورے گھر کی ترتیب و تزئین کا جائزہ لیتی ہیں کہ کہاں سے اکھڑی اور کہاں فٹ آئے گی۔ میں ان کا بیٹا ہوں۔ انہی کا "سکھایا پڑھایا" ہوں۔ اتنی بھیانک اور عظیم بے اصولی کا مرتکب ہو کر ان کا مان کیسے توڑ سکتا ہوں۔ انہوں نے اپنی جواں عمری کا ایندھن دے کر ہماری پرورش کی ہے اور جواب میں صرف اپنے بڑے معصوم خوابوں کی تعبیر چاہتی ہیں۔ کیا میں انہیں مایوس کر دوں؟ کر سکتا ہوں ایسا! وہ ارسین والا باب کبھی نہ کھولنے کے لیے اور خود میرے کہنے پر اب کیا یہ سنگین قدم اٹھا کر ہمیشہ کے لیے ان کی ذات سے کھلواڑ کروں؟"

اس نے براہ راست نازش کی آنکھوں میں دیکھا۔

"ممکن ہے نینی کو بانڈہ سے واپسی پر سلیقے طریقے سے اعتماد میں لے کر بتایا جا سکتا ہے اگر ادھر ڈائریکٹ فون ہوتا تو

میں ابھی ان سے رابطہ کرلیتی۔ وہ ماں ہیں، کتنی بھی ناراض سہی بالآخر مان جائیں گی۔"
"مگر اپنے دل کو کیسے مناؤں!" لہجے میں محسوس کی جانے والی تلخی تھی۔
"اور یوں بھی میں شادی کے لیے لڑکی منتخب کرچکا ہوں۔" وہ نظر موڑ کر قالین کے سبز خانوں پر ... ہوئے گویا ہوا۔
"میں نہیں مانتی تمہارا ایسا مزاج ہی نہیں ہے۔" نازش بے یقین و ششدر دیکھتی رہ گئی۔
"نہ مانیں۔ ایک دن "ثبوت" پیش کردیں گے۔ اب برائے مہربانی میرے گلے پر رکھی چھری ہٹانے کی اجازت دیں۔" وہ اس کے ردعمل سے قدرے مطمئن ہوکر بولا۔
"یہ نہیں ہوسکتا۔ شادی تو تمہیں اس سے کرنی ہی پڑے گی۔" وہ اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ... مہران نے گہری سانس خارج کرکے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔
"اور وہ جو میری "منتخب شدہ" خاتون ہیں۔ وہ کہاں جائیں گی؟" اس کے انداز میں استہزا کے رنگ تھے۔
"اس سے بھی کرلینا بعد میں۔" وہ کچھ جھجکتے ہوئے بالآخر نظر جھکا کر دھیمے سے کہہ گئی۔ اگرچہ ... زبان سے نکالتے ہوئے ضمیر نے کوڑیالے سانپ کی طرح لہرا کر وار کیا تھا کہ یہی نکتہ اپنے خاوند کے ... کیوں نہیں سوچ لیتی۔
مہران بہت دیر تک اس کے چہرے پر نگاہ جمائے جیسے کسی فیصلے پر پہنچنے کی جنگ سے نبرد آزما تھا۔
"میں نے تم سے آج تک کچھ نہیں مانگا مہران! آج خود بلایا ہے اور دست بستہ تعاون کی خواستگار ہوں۔ میری خالی جھولی میں کیا ڈالو گے۔ سہاگ کی سلامتی یا عمر بھر کے لیے راندۂ درگاہ ہوجانے کا زخم۔" وہ ... اس کے گھٹنے تھام کر گویا ہوئی۔
"ظاہر ہے، وہ یہاں آگئی تو میرا خیال، میری ذات دانیال کے سامنے ہمیشہ کے لیے بے وقعت ہوجائے ... دیکھتے نہیں۔ وہ کس درجہ جنونی و نڈر ہوگئے ہیں۔"
وہ ایک عجیب مشکل میں گرفتار ہوگیا۔
"میری سمجھ میں نہیں آرہا آپ کو کیا ہوگیا ہے نازش! اتنی احمقانہ سی بات منوانے کے لیے اپنے ... نیچے اتر آئی ہیں۔ یہ ملتجی اور عقل و شعور سے عاری جذباتی انداز آپ پر سوٹ نہیں کرتا۔ میں ایک ذمہ دار آفیسر ہوں۔ کاغذ کا گڈا تو نہیں ہوں جسے کھیلنے کے لیے دوسرے کے نام لگادیا جائے۔" وہ تلملا ...
"نینی کے علم میں آیا تو میں ہمیشہ کے لیے اپنی نظروں سے گرجاؤں گا اور پھر یہ بھی تو سوچیے لوگ ... ایمر جنسی شادی پر کتنی باتیں بنائیں گے۔ میرا حلقۂ احباب فیلڈ کے آدمی، ملنے جلنے والے۔ ایک ... میں۔"
"شروع میں ہر بات انہونی لگتی ہے۔ بعد میں خود بخود ایڈجسٹ منٹ ہوجاتی ہے۔ لوگ کچھ عرصہ ... دیں گے۔" وہ جلدی سے بات کاٹ کر بولی۔
"لیکن۔"
"کوئی جواز، کوئی دلیل، کوئی تجویز نہیں مہران۔ صرف ہاں اور ناں میں جواب دو۔" اس کے انداز میں ... لچک پاتے ہی نازش نے ضدی انداز اپنا لیا تھا۔ جانتی تھی، اسی طرح اس سے منوا سکتی ہے۔
"میری ذات کو اپنی مرضی سے خرچ کرنا چاہتی ہیں ناں۔ اچھا ٹھیک ہے۔ کرلیجیے میرے ... لیکن میری کچھ شرائط ہیں جنہیں منوائے بغیر میں ایک قدم آگے نہیں بڑھاؤں گا۔" بہت دیر ... اپنے بھڑکتے سلگتے اعصاب پر قابو پانے میں کامیاب ہوگیا۔ اب لب و لہجہ پرسکون ہوچکا تھا۔
"تم جو چاہو منوالو۔ آج تم نے ثابت کردیا ہے کہ بھائی بہنوں کا مان رکھنے کے لیے جان کے ساتھ ... بھی کھیل جایا کرتے ہیں۔" وہ تو جیسے نثار ہوکر رہ گئی تھی۔
"نمبر ایک یہ شادی خفیہ ہوگی اور اس کا علم میرے، آپ کے اور میرے دو ساتھیوں کے علاوہ ...

... بہت دور آبائی گاؤں میں رکھوں گا۔ وہ کبھی بھی مسز مہران کے طور پر متعارف نہیں ہوگی۔ میں اسے یہاں سے ... نہیں ہوپائے گی۔ نمبر دو۔ اصل شادی میں اپنی پسند سے کروں گا اور وہی شہر میں میری بیوی کہلائے گی۔ اس کو گھر میں لاؤں گا اور صرف وہی میرے بچوں کی ماں بنے گی۔ ارشین کو یہ مقام نہیں حاصل ہوگا۔ نمبر تین جب بھی میری قوت برداشت ختم ہوگی اسے چھوڑ دوں گا۔"
"استغفراللہ۔" نازش نے بے اختیار دہل کر کلیجے پر ہاتھ رکھا تھا۔
"یہ شرائط ہیں یا اسے زندہ درگور کرنے کا منصوبہ۔" وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے مہران کا بے رحم و خونی انداز ملاحظہ کررہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایسی وحشت تھی کہ نازش کو اس سے خوف آنے لگا۔
"اگر شرائط منظور ہوں تو بتادیجیے گا۔ اس سے زیادہ آپ کی مدد کرنے کی نہ مجھ میں طاقت ہے نہ ظرف۔ مجھے اپنوں سے حساب لینا آتا ہے۔" وہ باہر نکلنے لگا۔
"سنو ایک منٹ۔" نازش تھکے ہوئے انداز میں پکارنے لگی۔
"اس وقت صورت حال ایسی ہے کہ سب سے زیادہ ضرورت تمہارے اقرار کی ہے۔ چلو جیسی تمہاری مرضی۔ ہم اپنے اعمال کے لیے خدا کے آگے جواب دہ ہیں۔ یہ بتاؤ کل شام تک پہنچ جاؤ گے ناں۔ میں کچھ ضروری تیاری کرلوں گی۔ تم اپنے ساتھیوں سمیت ادھر ہی آجانا۔ تمہارے ہاں گئے تو سفیان یا ناظر بھید پاسکتے ہیں۔ میں ارشین کی امی سے بات کرکے انہیں بارات کا ٹائم بتادیتی ہوں وہ لوگ بھی نہایت سادگی سے کرنا چاہتے ہیں۔ صرف خاندان کے لوگوں کو بلایا ہے۔ میں آنٹی کو تاکید کردوں گی کہ دولہا کے عہدے اور خاندان کے بارے میں زیادہ چرچا نہیں ہونا چاہیے۔"

◆◆◆

"اور یہ شاہد آفریدی کا چھکا اور گینڈ باؤنڈری لائن سے باہر۔" سفیان کا نعرہ مردوں کو جگانے کے کام آسکتا تھا۔
"عقل کے ساتھ ساتھ بینائی سے بھی گئے سفی میاں! غور سے دیکھیے۔ سری ناتھ اس کا کیچ لے چکا ہے۔" ناظر نے افسوس ناک نظروں سے اسے دیکھا۔
"اچھا خیر اب باری ہے انضمام الحق کی۔ اسے بال کرائیں گے گنگولی۔"
"اور یہ انضمام الحق بھی رن آؤٹ ہوگئے۔" پانچ منٹ بعد ناظر کی طرف سے مسرت آمیز نعرہ برآمد ہوا۔
"ابھی ہمارے دوسرے شیر جوان پڑے ہیں۔" سفیان نے حقارت سے بال کو دیکھا۔ "تشریف لاتے ہیں اعجاز احمد۔"
"یہ لو اعجاز احمد کو پرشاد نے کلین بولڈ کردیا ہے۔ اب کرو جو کرنا ہے۔"
"میں نہیں مانتا۔ امپائر نے جانبداری دکھائی ہے۔" سفیان اڑ گیا۔
"اچھا یہ بات ہے۔ چلو تھرڈ امپائر سے پوچھ لیتے ہیں۔" ناظر نے کندھے اچکائے۔
"بس مجھے نہیں پتا یہ بے ایمانی ہے۔" بالآخر اس نے بلا پھینک دیا اور گھاس پر لیٹ گیا۔
"اچھا چلیں اب کی دفعہ آپ انڈیا کی ٹیم بن جائیں۔" ناظر نے مصالحت کی راہ دکھائی۔
"مجھ کو کشتوں کے پشتے لگ جائیں گے۔" سفیان نے چیلنج کرنے والی نظروں سے اسے دیکھا۔
"ارے جائیں۔ وہ ماضی کی بات تھی اب تو پاکستانی ٹیم میں وہ دم خم ہے کہ چٹکی میں مسل دیں۔ مخالف کو بس یہ بلتا ہے تو پھر ہم تمہیں جیت کر دکھائیں گے۔ چلو کراؤ بال۔ میں بدستور پاکستان کی ٹیم ہوں یاد رہے۔" ... پہلا اجارہ داری سے آزاد کردیں۔" ناظر نے ہنس کر چھیڑا۔
"سنبھل کر دوبارہ دو موٹے ڈنڈوں سے بنائی گئی وکٹوں کے پاس آکھڑا ہوا۔ ناظر حسب سابق گیند کرانے لگا۔
"اب میری طرف سے معین خان سامنا کرے گا۔" سفیان نے بلا کریز پر ٹھونکتے ہوئے بے نیازی سے اطلاع ...
"اور میری طرف سے انیل کومبلے اوور کرائے گا۔" ناظر نے گیند پھینکی اور شام کے سائے میں سرسبز لان

میں ہونے والے اس دلچسپ و عجیب نظارے پر داور کو جی بھر کر ہنسی آگئی۔ وہ کھلے گیٹ سے ... ہوا تھا۔ پہلے تو ہونق بنا ان کی طرف دیکھتا رہ گیا تھا۔ اب سارا کھیل سمجھ میں آیا تھا۔ دونوں اپنی ... نمائندگی کر رہے تھے۔ ناظر کو بیٹنگ کرنے سے پہلے دس دفعہ سفیان کو آؤٹ کرنا تھا "آل ٹیم آؤٹ" بعد ہی اس کی باری آسکتی تھی۔ ایک بڑا سا بھالو دیوار کے ساتھ رکھی کرسی پر بٹھا رکھا تھا۔ اس کی آنکھ پر بین کا چشمہ اٹکایا ہوا تھا۔ سفید اوور آل بھی پہنایا گیا تھا۔ یہ موصوف "ایمپائر" کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

"لو بھئی پاکستانی ٹیم نے دو سو چھیاسی رنز بنائے ہیں۔ اب تیس منٹ کے وقفے کے بعد دوبارہ کھیل ہوگا۔" آخری بار آؤٹ ہونے کے بعد سفیان بلا بغل میں دبا کر بھالو میاں کے پہلو میں رکھے سیل سے چلنے والے جاپانی ریڈیو کے کان مروڑنے لگا۔ داور ایسی جگہ پر کھڑا تھا کہ آسانی سے نظر نہیں آسکتا تھا۔ وہ ... تقریباً "تقریباً" چپکا ہوا تھا اور اس پرلطف تماشے سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"ہم ہیں پاکستانی ہم تو جیتیں گے، ہاں جیتیں گے۔" ایف ایم ون ہنڈرڈ ون ہوتے ہی جنید جمشید کی آواز بن کر سماعتوں میں جذب ہونے لگی۔

"آہ — بھوت سفی میاں۔" اچانک ناظر کی نگاہ داور پر پڑی تھی۔

"لاحول ولا قوۃ اب سفیان آفریدی ایم ایس سی آنرز بھوت نظر آنے لگا۔ تمہیں دس نمبر کے موٹے چشمے کی ضرورت ہے ناظر میاں۔" اس نے برا سا منہ بنایا مگر دوسرے ہی لمحے ناظر کی نظروں کا ہدف دیکھ کر اچھل کھڑا ہوا۔

"آپ جناب آپ کون ہیں؟" ناظر نے گھگھیاتے ہوئے انداز میں دریافت کیا تھا۔

"وہی جنہیں آپ اس دن آلو کی بھجیا بنانے کی خبر سنا رہے تھے۔" وہ بڑے مطمئن و مسرور انداز میں ان کے نزدیک آیا تھا۔

"ویسے ہمارا کام بھی خبریں دینا ہی ہے۔ بذریعہ اخبار۔" اس نے اپنا ہاتھ پہلے سفیان کی طرف بڑھایا۔

"اوہ میں سمجھ گیا۔ داور بھائی جرنلسٹ بھائی جان کے دوست غائبانہ تعارف تو ہے آپ سے۔" ... پرجوش انداز میں مصافحہ کیا اور پھر اخلاق سے اندر لے آیا۔

"میں بیٹھنے نہیں آیا۔ یہ بتاؤ مہران کہاں مل سکے گا اس وقت' اس نے فون کر کے شام چار بجے گھر ... کی تھی۔" وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"اگر آپ کو ٹائم دیا ہے پھر لازماً" تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔" ناظر کوک کا گلاس تھماتے ہوئے اطلاع دے رہا تھا۔

"جی ہاں، جب تک آپ ہماری خدمات و بکواسیات سے بہرہ مند ہوں۔" سفیان شرارت سے ہنسا۔

"ناظر پیارے! ہمیں کوک کا نہیں پوچھو گے۔" لہجے میں بڑی مطلبی سی مٹھاس تھی جسے ناظر میاں فوراً سمجھ گئے۔ لہٰذا اس کے لیے لایا ہوا دوسرا گلاس اپنے لبوں سے لگا لیا۔

داور دلچسپی سے ایک عام سے ملازم کو گھر میں مالکوں کے ساتھ برابری و بے تکلفی کرتے دیکھ رہا تھا۔ ... واضح انداز تھا ناظر کا۔

"ہائیں مجھے پوچھا تک نہیں اور خود شروع ہوگئے۔" سفیان صدمے کی سی حالت میں دیکھتا رہ گیا۔

"آپ کے نصیب میں نہیں تھا۔ صبر کے گھونٹ لیں اب۔"

"صبر کے گھونٹ کوک کی طرح رنگ دار تھوڑی ہوتے ہیں۔" سفیان نے منہ لٹکایا۔ "ویسے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی بھائی صاحب۔ ہماری کتابوں رسالوں میں یوں تو ہر رنگ کی تشبیہ موجود ہے۔ مگر کسی کی نظر کرم نہیں پڑی۔ دیکھیے ناں بوتل گرین، کافی کلر، چاکلیٹی حتیٰ کہ بسکٹی کلر بھی لباس کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر پیپسی ہنوز محروم ہے۔ حالانکہ یہ رنگ بھی تو مستعمل ہے۔"

... ناظر نے تائید کی "جملہ کچھ اس طرح ہونا چاہیئے۔ نازنین وماہ جبین نے پیپسی ... سفی میاں کا اعتراض بجا ہے۔ ... فراک پہن رکھی تھی۔ جس پر کافی کلر کے ڈاٹس تھے۔ چاکلیٹی رنگ کی لیس لگی تھی۔"

... داور اپنا بے ساختہ قہقہہ کسی طرح نہ روک سکا۔

"بہت اچھے۔ ... گویا پیپسی، کافی اور چاکلیٹ کو ایک ہی "دسترخوان" پر لے آئے ہو۔" اس نے جی بھر کر حظ اٹھایا۔

اسی لمحے مہران کی گاڑی کا مخصوص ہارن بجا۔

ناظر گیٹ کھولنے کے لیے تیزی سے باہر لپکا تھا۔

"آپ کے مہمان آئے ہیں بھائی جان۔" ناظر نے ڈرائنگ روم کی طرف اشارہ کیا۔ سیاہی مائل سادہ شلوار ... میں گاڑی کی چابی نکالتے ہوئے مہران کی شکل سنجیدگی و تصویر بنی ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے ناظر اطلاع دیتے ہوئے محتاط و مؤدب تھا۔

"کون داور؟" مہران تیز تیز قدموں سے اندر آیا۔

"میرے کمرے میں آؤ اوپر۔" رسمی علیک سلیک کے بعد وہ داور کو اپنے ہمراہ بیڈ روم میں لے آیا۔ اسے ... نشست سنبھالنے کا اشارا کرتے ہوئے مہران نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

"الٰہی خیر' کیا حبس بے جا میں رکھ کر ٹارچر کرنے کا پروگرام ہے؟" داور نے گھبرانے' بوکھلانے کی ایکٹنگ کی۔ مہران کے پراسرار انداز کو دیکھتے ہوئے اسے یہ جاننے میں دیر نہیں لگی تھی کہ معاملہ بہت اہم اور رازداری کا متقاضی ہے' تاہم شرارت سے بھی باز نہیں رہ سکتا تھا کہ عادت سے مجبور تھا۔

"سنجیدگی سے سنو میری بات۔" مہران کے لہجے میں تحکم تھا۔

"میں ابھی تھوڑی دیر بعد شادی کر رہا ہوں۔ خفیہ شادی اور اس راز کو تمہارے سینے سے دوسرے سینے میں منتقل نہیں ہونا چاہیے۔ سمجھ رہے ہو ناں میری بات۔" داور کے اعصاب پر جیسے کسی نے بم پھوڑ دیا۔ وہ بری طرح اپنی جگہ اچھلا۔

"یا اللہ کہیں میرے کان تو نہیں بج رہے۔ تمہارا بیڈ کتنی دور ہے' میں فوری طور پر زور سے گر کر بے ہوش ہونا چاہتا ہوں۔"

وہ واقعی تڑ سے اس کے بے داغ بیڈ پر گر گیا۔

"تمہیں ابھی میرے ساتھ چلنا ہے نازش کے ہاں۔ وہیں سے لڑکی کے ہاں جائیں گے۔ میں اپنے ایف ایس سی کے زمانے کے ایک قابل اعتماد دوست ڈاکٹر رضا کو بھی اطلاع دے چکا ہوں۔ وہ چند لمحوں میں یہاں موجود ہو گا۔ وہ بارہ کہو میں واقع سینٹر میں منشیات کے عادی اور نفسیاتی بیماریوں سے دوچار مریضوں کا علاج کرتا ہے۔ اپنی ڈاکٹر ہے اور اپنے پیشے سے عشق میں مجھ سے بھی آگے ہے۔ بہت ریزرو اور خاموش مزاج آدمی ہے۔ ... کی کرید نہیں کرتا۔"

"خدا بھلا کرے نہ کرے مگر بھائی صاحب ہمارا تو کام ہی یہی ہے۔ کریدنا' ٹٹولنا' تولنا اور کسی طرح خبر اگلوانا۔ یہ ظلم ہے۔ کچھ تو بتاؤ کوئی ہیڈ لائن' ضمنی' سرخی' کوئی رپورٹ۔" داور بے چارگی سے گویا ہوا۔ درحقیقت اس کے ... حواس الٹ پلٹ کر رہ گئے تھے۔ ... جیسا خشک و بے آب و گیاہ سا شخص اور خفیہ شادی وہ بھی فوری۔ داور کا بھیجانہ الٹتا تو اور کیا ہوتا۔

"زیادہ وضاحت و گہرائی میں نہیں جانا چاہتا۔ مختصراً" اتنا جان لو کہ یہ طوق اپنی بہن کا گھر بچانے کے لیے مجبوراً ڈال رہا ہوں "سرکاری" اور معاشرتی سطح پر بندھن کو سامنے نہیں لانا چاہتا۔"

"مگر کیوں؟" داور بے وقوفوں کی طرح اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"بس کیوں کو یہیں ڈراپ کر دو اور مجھے تیار ہونے دو۔"

مہران نے برہمی سے اس کی صورت دیکھی۔ اس کے چہرے کے مصمم تاثرات دیکھ کر لامحالہ داور کو خاموش ہونا پڑا۔ ... نے ایک طویل سانس خارج کی پھر صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے وارڈ روب سے کپڑے نکالتے

مہران کی طرف دیکھنے لگا۔

"بندۂ خدا یہ تو بتا دو جس بے چاری کا نصیبہ پھوٹ رہا ہے اس کا اسمِ شریف کیا ہے؟" وہ اپنے مخمور ترنگ میں لوٹنے لگا۔

"کوئی تو ہوگی۔ دیکھو گے تو جان بھی لوگے۔" اس کے لہجے میں تلخی در آئی۔ کپڑے نکال کر اس نے رخ کیا مگر اس سے پہلے انٹرکام پر ناظر کو کچھ پھل اور کھانے پینے کی چیزیں بیڈ روم میں پہنچانے کی ہدایت بھولا تھا۔ داور ان لوازمات میں گم ہو گیا۔ اتنی دیر میں وہ غسل سے فارغ ہو کر بالوں میں برش چلاتا ہوا ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کا ذہن عجیب و غریب خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ سوچ سوچ کر اعصاب گئے تھے۔

ذات کی آزادی یا تشخص پر ڈاکہ ڈالنا سب سے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اسے ہر قدم پر زنجیر کی صدا آ رہی تھی۔ آج تک زندگی کو اپنی مرضی و محنت سے تراشا تھا۔ جبر، دھونس اور زیادتی سے بنے کے رنگوں سے کبھی آشنائی نہیں ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی اس کی شخصیت کے بے پناہ اعتماد و افتخار اور مگر اب کے کڑا امتحان درپیش تھا۔

"بہت قرض چڑھ گیا ہے تم پر ارشین بخاری۔" اس نے آئینے میں بے خوابی کے گلابی ڈورے آنکھوں میں جھانکا۔

"اور اب دیکھنا۔ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں کیا یاد کرو گی کہ کس مہران آفریدی سے تمہارے کھوکھلے و بے شعور وجود کو دنیا کے لیے مجسم عبرت نہ بنایا تو میرا نام بدل دینا۔"

اس کی سوچ میں چھپی وحشت و بربریت آنکھوں میں بھی جھلک آئی تھی۔ جیسے کہیں کوئی بھیڑیا غرایا ہو۔

"کسی کی شادی میں جا رہے ہیں کیا؟" سفیان دستک دے کر اندر آ گیا تھا۔ نک سک سے تیار سیاہ ملبوس بھائی جان کو دیکھ کر تحسین بے ساختہ شرارت کے روپ میں لبوں سے ادا ہوئی تھی۔ مہران کا ہاتھ رک گیا۔

"اور جو اسے خبر ہو جائے کہ میں اپنی شادی اٹینڈ کرنے جا رہا ہوں۔" مہران کے دل میں بھونچال سا آیا۔ کتنی خواہش تھی یہاں کے مکینوں کو اس کی شادی کی۔ کیا کیا خواب دیکھ رکھے تھے اور نئی جوان آنکھوں میں سجائے بیٹھی ہیں۔ رنگ و خوشبو کا سیلاب لانے کی، سارا شہر شریک محفل بنانے کی، اپنے ہاتھوں سے کی احساس جرم رہ رہ کر اس کے ذہن میں ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ نینی کے مان میں خیانت کرنے کا یہ عمل ہوش و حواس میں سرانجام دے گا۔ کیا بیٹے مجھ جیسے ہوتے ہیں؟ محسن کش اور خائن (کہ خواب بھی تو کسی کی امانت ہوا کرتے ہیں۔)

"بھائی جان! ڈاکٹر رضا آئے ہیں۔" ناظر کے اطلاع دینے پر وہ داور کو ہمراہ لے کر نیچے آ گیا۔ ڈاکٹر شرٹ اور بلیک پینٹ میں بریف کیس ہاتھ میں تھامے عجلت کی تصویر بنے کھڑے تھے۔ ان کا جسم فربہ سر کے بال اڑے اڑے سے تھے۔ دیکھنے میں وہ پینتیس سال سے کم کے نہیں لگتے تھے۔ داور ان سے حیران تھا۔

"بظاہر تو موصوف مہران کے ہم جماعت و ہم عمر نہیں لگتے۔" بعد میں مہران نے وضاحت کی تھی کہ شدید بیماری کے باعث ڈاکٹر رضا نے آٹھ سال کی عمر سے اسکولنگ شروع کی تھی۔ دوسرے پیچیدگیوں میں پڑ کر عمر سے زیادہ لگنے لگے تھے۔ بالوں کی کمی اور آنکھوں پر چڑھے موٹے موٹے چشمے گواہی دے رہے تھے۔

انہوں نے اس سے ایک سوال نہیں پوچھا اور ہمراہ چل پڑے۔ خود مہران نے ہی جو بتایا سو بتایا۔ گاڑی میں بٹھا کر وہ لان میں موجود سفیان اور ناظر کی طرف آیا تھا۔

"ہم ایک کیس کے سلسلے میں شہر سے باہر جا رہے ہیں۔ رات دیر سے واپسی ہوگی۔ بلکہ ہو سکتا ہے

[illegible] بہر حال میں انفارم کر دوں گا۔"

بے اختیار اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔ زندگی میں پہلی بار گھر والوں سے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے [illegible] کبھی آتا تھی۔ تمہاری اور صرف تمہاری وجہ سے ارشین۔ خیر سارے ہی حساب بے باق [illegible] یہ نوبت [illegible] ذرا انتظار۔

[illegible] کا دھیان رہے۔ آفیشل کالز ریکارڈ کر لینا۔ خدا حافظ۔"

◆ ◆ ◆

انتہائی فیصلے پر پہنچنے کا بھی کوئی لمحہ ہی ہوتا ہے۔
کہ جب انسان اپنی زندگی کی تباہی و خاتمے پر عمل درآمد کی ٹھان لیتا ہے۔ اس میں عمر و علم اور ذہانت و امارت کی قید نہیں ہوتی۔ اس "لمحے" کو چھونے والا باشعور و بارسوخ اور تعلیم یافتہ بھی ہو سکتا ہے اور الف بے سے نابلد [illegible] دنیا میں رہنے والا غیور دیہاتی بھی۔
اور لمحے کے اس انتہائی جذباتی دباؤ کے نتیجے میں ایک قیمتی و نایاب وجود ایک زندہ و تابندہ ہستی موت کی آغوش میں چلی جاتی ہے۔
ارشین اس اثر انگیز "لمحے" کی گرفت سے بچنا چاہتی تھی کہ موت کی دانستہ خواہش ہار کا اعتراف ہوا کرتی ہے اور وہ حالات سے ہار کر بزدلی کی موت نہیں مرنا چاہتی تھی۔
ہر چند کہ ان دو دنوں میں اسٹوڈیو کے ویران و تاریک ماحول میں بارہا اندر سے ترغیب ابھری تھی۔
"کچھ کھا کر سو رہو۔ اتنی ذلت و رسوائی کے بعد بھی کیا جینے کی حسرت باقی ہے؟" ملامت کے طمانچے ضمیر کا منہ لال کر رہے تھے۔ مگر اس نے خود پر قابو رکھا تھا۔ وہ دو دن سے دنیا سے کٹی ہوئی تھی۔ شاہین دن میں دو مرتبہ کھانے کی ٹرے تھما دیتی تھی اور بس۔ دروازہ باہر سے لاک تھا۔
وہاں کیا "تیج" ہو رہا تھا، یہ جاننا اس کے اختیار سے باہر تھا۔
اس کا جی چاہتا تھا، پاگلوں کی طرح گلی گلی صدا لگاتی پھرے۔
"بھلے سے اپنی اولاد کو ایک وقت کا کھانا نہ کھلاؤ مگر نہیں اپنی محفوظ و معتبر محبت سے نواز دو کہ کہیں کل کلاں کو یہ کمی دور کرنے کے لیے وہ کسی غلط در پر دستک نہ دے بیٹھیں۔ بے شک انہیں ریشم و اطلس کے بستر پر نہ سلاؤ مگر اپنی شفقت کی چادر میں پناہ دو، مبادا وہ اس پناہ کی تلاش میں دشمنوں کے کیمپ میں جا ملیں۔ انہیں اپنی ذات کا تحفظ بخشو کہ کہیں اس کے حصول میں وہ عزت و شرافت گنوا کر برائی کے گڑھے میں نہ گر جائیں۔ والدین کی محبت و تحفظ کے بغیر اولاد معاشرے کا منفی اور قابل افسوس پہلو بن جاتی ہے۔
مہران آفریدی سے شادی! دوسرے معنوں میں اپنے موت کے پروانے پر دستخط۔
وہ سوچ سوچ کر لرز رہی تھی۔ اس فولاد میں ڈھلے بے رحم انسان سے ہر انتہائی اقدام کی توقع کی جا سکتی تھی۔ پھر [illegible] خیال آیا۔
[illegible] محشر بپا ہونے سے پہلے یہاں سے بھاگ جائے۔ کہیں دور چلی جائے؟
[illegible] اس کے پراگندہ ذہن کے الجھے بکھرے ہیجانی خیالات تھے جن پر عمل کرنا اس کی فطرت کو گوارا نہیں تھا [illegible] بھی نہیں سکتی تھی۔ ہاں ایک کام ضرور کر سکتی تھی کہ اپنے دل و دماغ اور سوچ کو پتھر بنا لے اور اس نے [illegible]

◆ ◆ ◆

[illegible] مہمان آ گئے ہیں۔ راشد بھائی اور رقیہ انہیں ریسیو کر رہے ہیں۔ اماں جی کہہ رہی ہیں۔ آپ بھی آئیں [illegible]

[illegible] بخاری صاحب کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں مگر جونہی ان سے نظر ملی، زبان حرکت [illegible] کے قدم لڑکھڑا گئے۔
[illegible] محبت آرا بیگم۔ جہنم زادی، زندگی بھر کی سزا۔"

بخاری صاحب کی دھیمی آواز میں درندوں جیسی غراہٹ چھپی تھی۔ صباحت کے بدن کا رواں رواں دہشت سے کھڑا ہو گیا۔ پاؤں آگے بڑھنے سے انکاری ہو گئے۔ وہ شوہر کی فطرت آشنا تھیں، پہچانتیں۔ ماضی کے بہت سے ایسے مناظر ان کی یادداشت میں محفوظ تھے۔ جب وہ کسی بات پر مشتعل ہو کر کسی کو روئی کی طرح دھنک کے رکھ دیتے تھے۔ غصے میں وہ بالکل وحشی ہو جاتے تھے۔

وہ غیرارادی طور پر چند قدم پیچھے ہو گئیں اور سہمی سہمی نظروں سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"مم۔ میرا۔ تو کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے پہلے بھی آپ کو سمجھایا تھا کہ اسے ملازمت کی اجازت نہ دیں اور۔" وہ تھوک نگل کر جلدی سے بولیں۔ "آپ نے خود اسے شہ دی تھی۔"

"بکواس بند کرو۔ میرے دماغ میں آتش فشاں پھٹ رہا ہے۔ اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہوں۔ کہیں تمہاری یا تمہارے بطن سے پیدا ہونے والی کی جان لے لوں۔" شدت غیظ سے ان کا جسم کانپنے لگا۔

"عورت کا وجود ہی نجس ہوتا ہے۔ باعث ذلت اور باعث ندامت۔ بھلے سے بیٹی ہو یا بیوی یا بہن۔ میری مت ماری گئی تھی جو یہ سوچ بیٹھا کہ بیٹا ہو یا بیٹی، تعلیم و ملازمت کے دونوں برابر حقدار ہوتے ہیں۔ اگر بیٹا ماں باپ کا بوجھ بانٹ سکتا ہے۔ تو بیٹی بھی بانٹ سکتی ہے۔ اس میں حرج ہی کیا ہے لیکن نہیں عورت تو بذات خود ایک بوجھ ہے۔ مرد کی عزت نکالنے والی، اسے کمزور بنانے والی۔"

وہ سر تھام کر شکست خوردہ سے بستر پر بیٹھ گئے۔ اب چہرے کے کھنچے ہوئے عضلات قدرے ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

"اے بیٹے! تم دونوں تو یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ باہر بارات آئی کھڑی ہے۔ تمہارے ابا جی مارے شرم کے کہہ رہے ہیں کہ یہ کیا ڈرامہ ہے۔ باپ استقبال کرنے کے بجائے اندر گھسا بیٹھا ہے۔ ارے کچھ ہم بڈھوں کے بھی کان میں ڈالو بات۔ نہ صاف بتاتے ہو نہ چھپاتے ہو۔ کیوں اس عمر میں برداشت آزمانے پہ تلے ہوئے ہو۔ چپ چاپ شادی طے کرنا اور چپ چپاتے رخصتی۔ آخر ایسی بھی کیا قیامت آ گئی۔ ادھر لڑکی کو قیدی کی طرح کمرے میں بند کر رکھا ہے۔ کل گھڑی دو گھڑی کو اس سے بات ہوئی تھی۔ وہ رو رو کر آدھی ہو رہی تھی کہ زبردستی ادھر شادی نہ کریں۔ یہ کیا چکر ہے۔ کیوں اس مظلوم کو ناحق ستا رہے ہو۔"

دادی کے اندر داخل ہوتے ہی فضا میں رچی خون آشام آندھی جیسے تھم سی گئی۔ صباحت کی جان میں جان آ گئی۔ وہ بے اختیار ساس کے مہربان وجود کے پیچھے چھپ گئیں۔ کہ اس مرحلے پر "کمک" کی سخت ضرورت تھی۔

"وہ مظلوم نہیں، اس گھر کی عزت و غیرت کی قاتل ہے۔" بخاری صاحب شدت جذبات سے چیخنے لگے۔ "یہ جو عذاب آپ نے میرے گلے ڈالا تھا ناں!!" انہوں نے دانت پیس کر صباحت کی طرف اشارہ کیا۔

"اس نے اپنی غلیظ فطرت اولاد میں منتقل کر کے مجھے تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اسی کی غفلت نے یہ دن دکھایا ہے۔ اگر اسے ایسا ویسا کوئی شبہ تھا تو پہلے کیوں نہ بتا دیا۔ میں اس کی ٹانگیں توڑ دیتا۔ ہاتھ کاٹ دیتا یا پھر گلا۔" وہ بے بسی سے ہاتھ مسلنے لگے۔

"اب مجھے الزام دے رہے ہیں۔ خوامخواہ میرے سر ہو رہے ہیں۔" صباحت کا احتجاجی لہجہ گلوگیر تھا۔ "میں نے کہا تھا۔ نہ دکھائیں اسے گھر سے باہر کی راہ۔ کہیں کوئی چاند نہ چڑھا دے۔ اس کے دماغ میں فتنے جگانے، بیدار کرنے کے لیے من مانیوں کی اجازت نہ دیں۔ مگر آپ نے میری ایک نہ سنی۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے لہجے میں شکوہ کناں تھیں۔

"اک عمر گنوا دی۔ مگر بخت کی کالک نہ دھل پائی۔ روز اول سے ہر معاملے، ہر مسئلے کی میں ذمہ دار ہوں۔" ساس کی موجودگی نے گویا ان کی ہمت و جسارت کو سوا کر دیا تھی۔ اک عجب ضرب دے دی تھی۔ اک عجب ہمت محسوس ہوئی تھی۔

دادی بے چاری حیران پریشان کھڑی بہو، بیٹے کا منہ تک رہی تھیں۔

"یہ کیا دنگل شروع کر دیا تم دونوں نے۔ باہر بیٹی کی بارات آئی بیٹھی ہے اور تم آپس میں الجھے ہو۔" بیٹے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اس کے قریب آ گئیں۔

"اے بیٹے! اٹھو۔ میرے بچے۔ چل کر مہمانوں سے ملو، یہ معاملے پھر طے ہوتے رہیں گے۔" وہ پیار بھرے لہجے میں ان کا بازو تھپتھپانے لگیں۔ "اٹھو، بیٹی کو دعاؤں کے سائے تلے رخصت کرو۔"

"میرے دل سے اب تاحیات اس کے لیے دعا نہیں نکل سکتی۔ بند کر دیا ہے میں نے اس کے نام کا خانہ اور کان کھول کر سن لیں، آج کے بعد میں نے اس کا نام کسی کی زبان سے سنا تو خود کو گولی مار لوں گا۔" ان کی آنکھیں خون چھلکانے لگیں۔

ب ہانپتی کانپتی دادی نے بے اختیار سینے پہ ہاتھ رکھ کر جیسے بھاگتے ہوئے دل کو تھاما۔

"دین ہے بیٹے ایسے کٹھور بول نہیں بولتے۔ اولاد اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو تم اپنا دل اور ظرف کشادہ کر لو۔ اسے معاف کر دو۔ بیٹی ہے تمہاری۔" وہ خوشامد پر اتر آئیں۔

"بیٹی نہیں وہ موت ہے میری۔ میری آن بان اور آبرو کی موت۔" وہ کراہ کر بستر پر ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئے اور بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

"اماں جی سے کہیں، رسمی کارروائی کر کے جلد از جلد اس گھر کے در و دیوار اس کے وجود سے پاک کر دیں۔ اسے ہمیشہ کے لیے یہاں سے دفعان کر دیں۔ میں اپنی عزت کے جنازے کو کندھا دینے نہیں آ سکتا۔ اور نہ اس سورما کی شکل دیکھنا چاہتا ہوں جس نے اسے بہکا کر میری ذلت کا سامان کیا۔ اب آپ لوگ جائیں۔ میں تنہائی چاہتا ہوں۔"

اور دونوں خواتین ناچار باہر نکل آئیں۔

"مجھے تو پہلے ہی اس بدذات کے ضدی اور بے خوف تیور کھٹکتے تھے۔ بارہا ان سے کہا تھا، اس کے رنگ ڈھنگ پر نظر رکھیں۔ اس پر سختی کریں۔ مگر میری سنتے ہی کب تھے۔" صباحت بری طرح کڑھتے ہوئے ساس سے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگیں۔

"یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے بیٹی۔ ساری رام کہانی آرام سے سنوں گی۔ فی الحال تو سامنے کا سوچو۔ اور یہ بارات کیسی ہے۔ نہ باپ نہ ماں، نہ بھائی اور نہ عزیز رشتہ دار۔ فقط ایک بہن اور دو دوست۔ لڑکا تو بلاشبہ بہت اچھا ہے۔ ماشاء اللہ شہزادوں جیسی شکل و صورت پائی ہے۔ امبرین بتا رہی تھی پولیس کا اعلیٰ افسر ہے۔ کھاتے پیتے گھر کا ہے۔ لیکن ایسی خوش بخت گھڑیوں میں اس کے گھر والے شریک کیوں نہیں ہیں۔ سچ پوچھو تو میرا دل وسوسوں میں گھرا ہوا ہے۔"

"اب تو جو خواری ہونی تھی ہو چکی اماں جی۔" صباحت آہ بھر کر گویا ہوئیں۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کس کے کارن ہوئی یا کس کی منشا سے ہوئی۔ امبرین۔ اے امبرین۔ ادھر آؤ۔"

انہوں نے لاؤنج میں متذبذب کھڑی امبرین کو آواز دی جو ابھی ابھی قورمہ بنا کر کچن سے آئی تھی۔ وہ اور شاہین، بی بی جان کے حکم پر صبح سے کچن میں مصروف تھیں۔ قورمہ، چکن پلاؤ، نان کباب اور فیرنی۔ یہ کھانے کا مینیو تھا۔ کباب اور نان بازار سے منگوا لیے تھے۔ باقی چیزیں گھر میں بنائی تھیں۔

"اسٹور میں پیٹی کے اوپر ایک ٹرنک پڑا ہے۔ اس میں سرخ کامدار ساڑھی اور زیورات کے کچھ ڈبے ہیں۔ نکال لاؤ اور اسے پہنا دو۔" انہوں نے چابی امبرین کے حوالے کر دی۔

"کسے؟" وہ ناسمجھی کے عالم میں ان کی صورت دیکھنے لگی۔

"اسے ہی۔ جس نے باپ کے اونچے شملے میں آگ لگائی ہے۔" وہ قہر سے چیخ چیخ گئیں۔ امبرین نے گھبرا کر باہر کا رخ کیا۔ پھر کچھ سوچ کر بی بی جان بھی اس کے ہمراہ اسٹور روم میں آ گئیں۔ انہوں نے ایک کونے میں پڑا لیدر کا نیا بیگ نکالا۔ پھر ٹرنک اٹھا کر پیٹی میں ہاتھ ڈال کر آٹھ دس قیمتی سوٹ پیس نکالے اور بیگ میں بھر دیے۔ امبرین ٹرنک کھول کر پیک کی ہوئی کورے، دبکے اور تلے کے کام سے مزین چمچماتی ہوئی سرخ ساڑھی اٹھا کر لے گئی۔ بی بی جان نے زیورات کے کچھ ڈبے لیدر بیگ میں ڈال دیے۔

"کبھی نامراد کے لیے بنایا تھا، بڑے ارمانوں سے۔ کیا خبر تھی وہ دل پر راکھ چھڑک دے گی۔" انہوں نے ٹھنڈی

سانس لی۔
"یہ سیٹ اسے پہنا دینا۔" انہوں نے ایک مخملی کیس ساڑھی کے اوپر رکھ کر علیحدہ کیا۔ "بازو دیے ہیں اور ہاں اس کے چار پانچ نئے سلے ہوئے اچھے والے سوٹ اور ایک دو جوڑی جوتوں کی دینا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو چاؤ سے بناتی سلواتی۔ خریداری کرتی مگر اب اتنے محدود ٹائم میں اور کیا ہو۔" وہ آزردگی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ لاکھ ناراض سہی مگر تھیں تو ماں۔ ان کے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔ شکل دیکھنے لگی۔ ماؤں والی ساری ہی مخصوص فکریں نمایاں تھیں۔
"کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو، جلدی جلدی ہاتھ چلاؤ۔ اتنا کام پڑا ہے۔" وہ جھنجھلا کر برس پڑیں۔
"اور ہاں۔ شاہین سے کہو۔ "اسے" کھانا کھلا دے۔ کل سے ایک لقمہ نہیں توڑا۔ اس طرح مر جائے گی۔" وہ باہر نکل گئیں۔
رقیہ بیگم (سعد کی امی) نازش کے پاس بیٹھی مہمانداری نبھا رہی تھیں۔ دادا اور راشد صاحب باہر مردوں کے پاس تھے۔ مولانا صاحب کو بلایا جا چکا تھا۔
"دولہا بھائی تو بہت خوبصورت ہیں باجی!!" ثمرین نے معصومیت سے آنکھیں پھیلائے اسے بتایا تو وہ رہ نہ سکی۔ چپکے سے ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے جھانک کر ثمرین کی بات کی تصدیق کرلی۔ سنجیدہ و سحر انگیز اور باوقار و شاندار شخصیت۔ اسے فطری سی مسرت ہوئی۔
"خدا کرے، یہ آپی کے ساتھ بہت اچھے رہیں۔ انہیں خوش رکھیں۔" اس نے صدق دل سے
"امبر کے ساتھ چل کر کھانا لگواؤ۔ ادھر لٹکی کیا کررہی ہو۔" عدنان کے اکھڑے ہوئے کرخت جان نکالنے کو کافی تھے۔
"مم۔ میں جارہی تھی بھیا۔" وہ بوکھلائے گھبرائے انداز میں کچن میں چلی گئی۔ بے نیاز و کھلنڈرے کے انداز آج عجیب رکھائی، سختی لیے ہوئے تھے۔ شاید حالات و واقعات اسی طرح انسانی مزاج کو بدلا ہوا کرتے ہیں۔
اس نوعمر لڑکے کے لہجے میں آج ایک سخت گیر وانا پسند مرد بول رہا تھا۔
"یہ سب کیا ہو رہا ہے باجی۔" وہ بادام، کشمش اور ناریل کے پیکٹ تلاش کرتی امبرین سے الجھ لگی۔
"اوپر سے نازو باجی اور سعد بھائی بھی یہاں نہیں ہیں۔" سعد کو حسب معمول ویک اینڈ پر ہی آنا تھا۔ ہفتہ پہلے اپنے سسرال کی عزیز کی عیادت کے لیے ملتان روانہ ہوگئی تھی۔ دونوں موجودہ صورتحال سے
"وہ ہوتے بھی تو کیا کرلیتے۔" امبرین زہرخند لہجے میں کہہ کر فیرنی کی سجاوٹ کرنے لگی۔
"کم از کم آپی کا دل ہی بہل جاتا۔" شاہین کا حساس و معصوم دل بہن کی حالت پر کڑھ رہا تھا۔ "ایسی ہوگئی ہیں جیسے قبر سے نکلنے والا مردہ۔ سارا خون نچڑ گیا ہے۔ صبح میں ناشتہ دینے گئی تو نقاہت سے اٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ آنکھیں مسلسل جاگنے اور رونے سے لال انگارہ بن گئی تھیں۔ شکل بگڑی تھی۔ مجھ سے تو دیکھا نہیں گیا۔"
"جو غلط بیج بوتا ہے، اسے کڑوا پھل ہی کھانے کو ملتا ہے۔ اپنی آپی بھگتیں اب اور یوں بھی اس کا ہوا ہے۔ اتنا بہترین مرد مل گیا ہے اور کیا چاہیے۔ بس ازلی ناشکری اور خود پرست ہیں وہ۔"
"تم کیا کہہ رہی ہو باجی۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔" شاہین اس کے ناقابل فہم تاثرات اور لب و لہجے پر استعجاب کا مجسمہ بنی اس کی صورت دیکھتی رہ گئی تھی۔
ارشین کسی صورت ساڑھی و زیورات پہننے پر آمادہ نہیں تھی۔ شاہین اور امبرین نے پورا زور لگا دیا۔ اس نے کھانے کو بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ وہ زچ ہو کر دادی کو بلا لائیں۔ جن کی کوششوں سے وہ سادہ کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ دادی نے زبردستی سونے کی چھ چوڑیاں اور دو انگوٹھیاں بھی کسی نہ کسی طرح اس سے زیادہ ان کا بس نہیں چلا۔

"... تیار کردیا ہے؟" بی بی جان اندر آگئیں۔
امبرین نے متذبذب انداز میں بیگ کی طرف اشارہ کیا جس کی تلاشی لے کر ارشین نے قیمتی "ہاں۔ مگر۔" امبرین کے زیورات کے ڈبے اور بیس ہزار کی نوٹوں کی گڈی نکال کر کاؤچ پر رکھ دی تھی۔ اب بیگ میں صرف پہننے کے عام سوٹ اور ایک جوتوں کی جوڑی تھی۔
"یہ چیزیں کیوں نکال کر پھیلائی ہیں؟" بی بی جان پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے ارشین کی طرف متوجہ ہوئیں۔
... بے رخی اور اجنبیت تھی۔
"یہ عنایات اپنے پاس رکھیں بی بی جان! میں یہاں سے کچھ بھی نہیں لے جانا چاہتی۔ جو چاہیے تھا۔ اس کے لیے تو نامرادی ہوں۔ یہ بے جان چیزیں میرے مان، اعتماد اور کھوئے ہوئے ولولوں کا مداوا نہیں بن سکتیں۔ اپنا سب کچھ تو ہار چکی ہوں۔ حتیٰ کہ زندگی بھی۔ فقط اک راکھ کا ڈھیر باقی بچا ہے سو اس جلی ہوئی عمارت کی آرائش سے حاصل۔ میں تو یہ بھی ساتھ نہیں لے جانا چاہتی۔" اس نے ہاتھوں سے چوڑیاں اتارنی شروع کیں۔ لہجہ عجیب ٹوٹے آئینوں کا عکس لیے ہوئے تھا۔
"اگر تمہارا مجھ سے کوئی رشتہ بنتا ہے تو ان کو مت اتارنا۔" یہ ان کے جملے کا اثر تھا کہ ارشین کے ہاتھ سلو موشن میں رک گئے۔
"خالہ جی! ہماری امانت ہمارے سپرد کردیجیے۔ بسم اللہ کیجیے۔ لمبا سفر ہے اور رات سر پر آنے کو ہے۔" نازش دروازے پر آکر بڑے سلیقے اور سبھاؤ سے مخاطب ہوئی۔ اسے گھر واپس بھی پہنچنا تھا۔ پروفیسر دانیال کی رات گیارہ بجے کی فلائیٹ تھی اور وہ چاہتی تھی ان کے آنے سے پہلے گھر پہنچ جائے۔ وہ فی الوقت اس سارے قصے میں اپنے کردار کو ان کی نظر سے پوشیدہ رکھنا چاہتی تھی۔
"تمہاری ہی ہے بی بی! ہمیشہ کے لیے۔" بی بی جان کے دھیمے لہجے میں بلا کی تلخی تھی۔
دادی نے کڑھائی کی سیاہ ملتانی چادر ارشین کے گرد اوڑھا کر اسے گلے سے لگا کر ماتھے پہ بوسہ دیا۔ وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت و بے لچک کھڑی تھی۔
"جیتی رہو۔ خوش رہو۔"
"جاؤ۔ خیر سے سدھارو۔ اب اس موقع پر کیا کہوں۔" ٹھنڈی سانس لے کر بی بی جان اس کے قریب آگئیں اور پھر سر پر ہاتھ رکھ دیا۔
"یہاں تو جو کیا سو کیا۔ اب اپنی نئی زندگی میں زہر نہ گھولنا۔ مرد جو کہے اسے تابعداری سے سر جھکا کر مان لینا چاہیے۔ اسی میں عورت کی خوش بختی و امان ہے۔ اگر تم نے ماں باپ کا دل دکھا کر من مانیاں نہ کی ہوتیں تو آج والدین کے سائے تلے عزت و مسرت سے رخصت ہوتیں۔" ان کا لہجہ سرد اور بے تاثر ہوتا گیا۔
"شریف گھرانوں کی لڑکیوں کے یہ طور طریقے نہیں ہوا کرتے۔ تم نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔"
"کیا بات ہے صباحت۔ یہ وقت شکووں کا نہیں ہے۔ بیٹی کو محبت اور دعاؤں سے وداع کرو۔" دادی نے نرمی سے ٹوک دیا تھا۔ رقیہ بیگم بھی اندر آگئیں اور اس کے ہاتھ پر چند سبز نوٹ رکھ کر خلوص سے دعائیں دیں۔
شاہین نے آگے بڑھ کر بے اختیار آپی سے لپٹنا چاہا مگر بی بی جان کی سنگین نظروں نے اس کے قدم منجمد کردیے۔ امبرین خاموشی سے اپنی جگہ ایستادہ رہی۔ ثمرین چوکھٹ پکڑے معصومانہ سی بے نیازی سے آنکھیں پٹپٹا رہی تھی۔ عدنان باہر گیٹ پر مہران اور دیگر مردوں کے ساتھ الوداعی مصافحہ کررہا تھا۔ راشد صاحب اچھے رشتہ دار کی ساری ذمہ داریاں پوری کررہے تھے۔ نازش، ارشین کی کمر میں ہاتھ ڈال کر تھپتھپاتے ہوئے دروازے کی طرف لے گئی۔
شاہین کی حسرت زدہ نظریں نکتے کی طرح منظر سے معدوم ہوتی بہن کو دیکھنے لگیں۔ ہر زبان، ہر چیز ساکت تھی۔ فضا گم صم تھی اور ارشین میکانکی انداز میں آگے بڑھتی چلی جارہی تھی۔ گیٹ کے باہر مہران کی گاڑی کھڑی تھی۔ عدنان نے بہن سے نظریں چرائیں، پچھلا دروازہ کھولا۔ نازش نے

سہج سے اسے بٹھادیا اور پھر خود بھی ساتھ بیٹھ گئی۔ دوسری گاڑی میں داور اور ڈاکٹر رضا تھے۔ مہران ڈرائیو کر رہا تھا۔

بالآخر یہ قافلہ روانہ ہو گیا اور نازش کے گھر کے آگے جا ٹھہرا کہ یہی حکمت عملی طے ہوئی تھی۔

"وہاں پہنچتے ہی مجھے موبائل فون پر اطلاع دینا۔" نازش گاڑی سے اتر کر مہران سے گویا ہوئی۔ جبکہ داور اور رضا کی گاڑی کی سمت بڑھ گیا تھا۔

"بہت شکریہ۔ میں تمہارے تعاون کے لیے ممنون ہوں۔" اس نے دونوں دوستوں سے ہاتھ ملا جانے کا اشارا کرتے ہوئے واپس آگیا۔

"گھبرانا نہیں۔ میں جلد ہی آؤں گی تم سے ملنے۔ کچھ عرصے کی بات ہے بس۔ نینی سے مل کر معاملہ ہی تمہیں اسلام آباد واپس بلالیں گے۔"

نازش نے ارشین کا جھکا ہوا سر تھپتھپایا تھا۔ نازش کے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی مہران نے سیٹ سنبھالی اور پھر گاڑی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

◆◆◆

نازش جس وقت گھر میں داخل ہوئی۔ شام کے سات بج رہے تھے، وہ خاصی مطمئن تھی۔ ابھی پر کے کراچی سے واپس آنے میں کافی ٹائم پڑا تھا۔

"آپا! بی بی کیا کر رہی ہے۔" وہ مہوش کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"وہ جی تھوڑی دیر پہلے تو صاب جی سے کھیل رہی تھی۔ اب شاید اوپر لاؤنج میں کارٹون دیکھ رہی ہے۔"

"صاب جی۔" نازش کے ہاتھوں کے سارے طوطے اڑ گئے۔ وہ درحقیقت بری طرح ہراساں ہو کب آئے۔" اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ "وہ جی دو گھنٹے تو ہو ہی گئے ہوں گے۔ کہہ رہے فلائٹ مل گئی تھی۔"

"یا اللہ خیر۔" اس کی سانسیں رکنے لگیں۔

"میرے متعلق کچھ پوچھا تھا؟" وہ دھیمی سی لرزیدہ آواز میں گویا ہوئی۔

"ہاں جی۔ میں نے بتادیا تھا کہ مہران صاب کے ساتھ کہیں گئی ہیں۔ انہوں نے ان کے گھر کے پتا چلا مہران بابو آفس کے کام سے باہر گئے ہیں۔ کل صبح آئیں گے۔ پھر جی وہ گاڑی لے کر کہیں نکل کہاں۔" تفصیل سن کر نازش کا دل کسی پاتال میں جا ڈوبا تھا۔ وہ ان کی غیر معمولی ذہانت اور باخبری تھی۔

"کہاں گئے ہوں گے؟ ارشین کے گھر کے آس پاس یا کسی "مخبر" سے ملنے۔" وہ خوف کی وادی تھی مگر بہرحال سامنا تو کرنا ہی تھا۔ وہ یوں بیڈ روم تک آئی جیسے پاؤں میں چکی کے بھاری پاٹ بندھے محال ہو۔ اندر نیم تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ دروازہ کھولتے ہی باہر سے آنے والی روشنی میں بیڈ پر دراز واضح ہو گیا تھا۔

"دانیال......؟" اس نے ہمت کر کے زبان کھولی۔ "آپ کب آئے......؟"

"تمہاری توقع کے خلاف جلدی آگیا۔ خیر تم سناؤ۔ ہو آئیں۔ "بھائی" کی شادی کی تقریب سے دھیمی آواز ابھری اور وہ بری طرح اچھل پڑی۔

"کیوں...... بہت حیرانی ہو رہی ہے!" اس ملگجے اندھیرے میں بھی ان کے ہونٹوں کی زہریلی مسکرا جاسکتی تھی۔ وہ جھک کر سگریٹ سلگا رہے تھے۔

"تمہاری تھوڑی بہت انوالومنٹ کا تو مجھے علم تھا اور میں نے اسے تمہارا حق سمجھ کر نظر انداز میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ زندگی کی سب سے اہم اور مشکل جنگ میں تم مخالف کیمپ

بنی شکست کا سامان کروگی۔ خیر اس شکست کو فتح میں کیسے بدلنا ہے۔ یہ میرا کام ہے لیکن پہلے تمہارا مواخذہ ضروری ہے۔" اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ان کے برفیلے لہجے میں کوئی چونکا دینے والی بات ضرور تھی کہ نازش کا دل پتے کی طرح کانپ اٹھا۔

"جو عورت شوہر کے مقابلے میں دوسرے فریق کی حمایت و مدد کرتی ہے۔ بھلے سے وہ اس کا خونی و قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو، وہ بھروسے اور محبت کے قابل نہیں رہتی۔" دانیال نے بے رحمی سے فیصلہ سنا دیا۔

"تمہیں ارشین کے معاملے میں جو بھی اعتراض و خفگی تھی۔ مجھ سے کہتیں۔ میرے ساتھ جھگڑتیں مگر تم نے اپنے "رشتے دار" کو رازدار بنا کر چکر چلا کر مجھ سے میری خوشی چھین لی۔ کیا یہ عمل سازش، بددیانتی اور دھوکہ دہی میں شمار نہیں ہوتا!" انہوں نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا۔

"تم نے ظاہر ہے، تمہیں اعتماد میں لے کر تمہاری رضامندی کے بعد ہی اسے بیاہ کر گھر میں لانا تھا مگر تمہیں شاید بہت جلدی تھی یا شاید ایس پی کا تعلق مجھ سے زیادہ مستحکم تھا۔ بہرحال میں نے تمہاری کل کی فلائٹ سے کراچی کی سیٹ کنفرم کرا دی ہے۔ جو کچھ لے جانا چاہو لے لو۔ کیونکہ اب تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے والدین کے پاس رہنا ہے۔"

قیامت ٹوٹ ہی پڑی۔ نازش پر جیسے جان کنی کا عالم طاری ہو گیا تھا۔

☾ ☾ ☾

مہران کی گاڑی کو اسلام آباد سے روانہ ہوئے سات گھنٹے ہو چکے تھے۔ اب منزل بہت قریب آگئی تھی۔

ضلع نارووال کا ایک گمنام و پسماندہ چھوٹا سا گاؤں وِن کوٹ تھا۔ پسماندگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اہل قریہ علم کی روشنی کے ساتھ ساتھ ابھی تک برقی روشنی سے بھی محروم تھے۔ بجلی، پانی، گیس، ٹیلی فون، ہسپتال، اسکول جیسی سہولیات کے انہوں نے صرف نام سن رکھے تھے۔ عملاً "برتنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ یہ علاقہ پاک بھارت سرحد سے بہت زیادہ دور نہیں تھا۔ تقسیم سے پہلے یہاں ہندو اور سکھ خاندان آباد تھے۔ ان کے بنائے ہوئے زیادہ تر مٹی گارے اور اکا دکا لال اینٹوں کے مکانات میں سے بیشتر ابھی تک سلامت تھے اور وقت کی شکست و ریخت سے محفوظ تھے۔ خصوصاً" لکڑی کے بنے ہوئے نقش کاری والے دروازے کھڑکیاں اور شیشم کے موٹے شہتیروں سے بنی گھروں کی چھتیں ہنوز قائم و دائم تھیں۔

تقسیم کے بعد کلیم کے ذریعے مسلمان مہاجران گھروں میں آباد ہو گئے تھے۔ ان ہی میں مہران کے پردادا بھی شامل تھے۔ ایک وسیع و کشادہ مکان اور کچھ زمینیں مل گئی تھیں۔ یہ الگ بات تھی کہ پردادا کے جوان بیٹے کا دل یہاں نہ لگ سکا اور وہ باپ کی وفات کے بعد گاؤں چھوڑ کر مستقل پشاور آباد ہو گئے۔ وہیں مہران کے والد صاحب کی پیدائش ہوئی۔ مہران بچپن میں کبھی کبھار باپ کے ساتھ یہاں آیا کرتا تھا۔ سادہ دل لوگ ان کے عہدے کی وجہ سے بڑی عزت و محبت سے پیش آتے تھے۔ بعد میں وہ اکیلا بھی کئی بار یہاں آ چکا تھا۔ سفیان بھی ایک دو مرتبہ یہاں آیا تھا۔

مہران دانتوں پر دانت جمائے ہونٹ بھینچے مسلسل گاڑی دوڑا رہا تھا۔ پکی سڑک کب کی جدا ہو چکی تھی اب پہیوں کے نیچے کچی، تنگ، ناہموار اور جگہ جگہ گڑھوں سے مزین گلی نما سڑک تھی۔ گاؤں کے بالکل پاس چاروں اطراف کھیتوں کا طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یوں جیسے مکانات فصلوں کے سرسبز حصار میں مقید ہوں۔

ان کا آبائی مکان گاؤں کے اختتامی سرے پر تھا جس سے آگے قبرستان کا احاطہ شروع ہو جاتا تھا۔ اس علاقے میں درختوں کی بہتات تھی۔ کچھ کے بارے میں مقامی لوگ وثوق سے کہتے تھے کہ یہ تقسیم سے بھی دس بیس برس قبل کے لگائے ہوئے ہیں۔ ان قدیم اور عمر رسیدہ درختوں کے بارے میں طرح طرح کے توہمات اور عقائد مشہور تھے۔ باقی دنیا سے کوسوں دور رہنے والے اس چھوٹے سے گاؤں میں بے شمار ایسی روایات و رسوم برس ہا برس

سے عقیدت و تقدیس کے ساتھ روا رکھی جا رہی تھیں جو مہذب و روشن خیال دنیا میں رہنے والوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔

فضا تاریکی کے غلاف میں لپٹی ہوئی تھی۔ فقط جھینگروں، مینڈکوں، گیدڑوں، کتوں اور دیگر جانوروں کی آوازیں خاموشی کا پردہ چیر کر سماعتوں میں خوف و ہراس جگا رہی تھیں۔ اندھیرے میں ڈوبی اس دور افتادہ جگہ پر عجیب سی پراسراریت محسوس ہو رہی تھی۔

اک خوف آمیز وحشت۔

ذہن کو آکٹوپس کی طرح جکڑ لینے والی سراسیمہ کیفیت۔ رگوں میں دوڑتے خون کو جما دینے والی، جال میں پھنسا دینے والی خاموشی اور مہیب سیاہی۔

گاڑی کی دو روشن آنکھوں کے جھماکے نے زنگ آلود قبضوں کے سہارے ایستادہ لکڑی کے قدرے اونچی چوکھٹ والے دروازے کو نمایاں کر دیا تھا۔

مہران انجن بند کر کے نیچے اتر آیا۔ گاڑی احاطے کے اندر نہیں جا سکتی تھی۔

"باہر آؤ۔" اس نے سپاٹ لہجے میں مخاطب کیا۔

وہ جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئی۔ ہلنے کی سکت ہی کہاں رہی تھی۔

"باہر آؤ۔ ورنہ گاڑی کو آگ لگا دوں گا؟"

اس کی ایک ہی غراہٹ ارشین کے حواس سلب کر گئی۔ وہ میکانکی انداز میں بیک ڈور کھول کر باہر آ گئی۔ ایک ہی زاویے سے بیٹھے رہنے سے جسم اکڑ گیا تھا۔ دسمبر کی سرد ہوا ہڈیوں میں گھس رہی تھی۔

مہران نے پینٹ کی پاکٹ سے چابی نکالی اور دروازے کے اوپر کے فریم سے لگی بھاری زنجیر نما کنڈی پرانی طرز کے فولادی تالے میں گھمانے لگا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔

کچھ ساعت بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ کواڑ دھکیل کر بغیر پیچھے مڑے اونچی دہلیز پھلانگ کر اندر چلا گیا۔ ارشین نے بھی پیروی کی۔ قدموں میں لرزش تھی۔ اندر وسیع صحن تھا مگر اجڑا ہوا اور اونچی اونچی بے ترتیب گھاس اُگی تھی۔ مہران دالان عبور کر کے اگلے دروازے کی چابی پر طبع آزمائی کر رہا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی ایک بڑا سا چوکور شکل کا برآمدہ نما خالی کمرہ ان کا منتظر تھا۔ جس کے دائیں طرف بھی ایک دروازہ تھا سامنے اور بائیں طرف ایک کمرہ تھا۔

مہران نے بائیں سمت والے دروازے کے کواڑ دھکا دے کر کھول دیے پھر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔

ٹارچ کی ناکافی سی روشنی میں ارشین نے در و دیوار پر نظر دوڑائی۔

پورا کمرہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ دیواروں پر جالے لٹکے ہوئے تھے۔ فرش پر گرد و غبار کی موٹی تہہ اس بات کی نشاندہی کر رہی تھیں کہ مکان سالوں سے کسی انسان کے زیر استعمال نہیں رہا۔

بائیں کونے میں لکڑی کے پٹ والی کھڑکی تھی۔ جس سے ذرا ہٹ کر ایک مونجھ کی "نیم مردہ" سی چارپائی پڑی تھی۔

سامنے دیوار پر کاہی کلر کے رنگ و روغن والی مستطیل شکل کی دیوار گیر الماری تھی۔ مہران اس کے تالے پر چابیوں کا گچھا باری باری آزما رہا تھا۔

ارشین کو اس قبر نما کمرے سے عجیب سا خوف محسوس ہوا۔ گھٹن اور دباؤ کی کیفیت ہو رہی تھی۔ الماری کا تالہ کھل گیا۔ اندر چار خانے تھے۔ سب سے نچلے خانے میں مٹی کے تیل سے جلنے والی پرانی سی لالٹین موجود تھی۔

مہران نے جیب سے ماچس نکالی اور لالٹین کی ڈنڈی اوپر اٹھا کر روئی کے تیل میں بھیگی بتی کو شعلہ دکھایا۔ بتی کے جلتے ہی اس نے ڈنڈی گرا کر لالٹین کا شیشہ نیچے کر دیا اور اس کی کنڈی پکڑ کر دیوار میں لگی ایک کیل

"دیکھیے ملکۂ عالیہ! آپ کو اپنا یہ محل کیسا لگا۔ یقیناً" آپ کے شایان شان ہوگا۔ یہیں رہنا ہے اب آپ کو اپنی موت تک۔"

اتنی طویل ہم سفری کے بعد پہلی مرتبہ وہ باقاعدہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ لہجہ قطعی بے تاثر تھا مگر تیور۔! سبز آنکھوں میں انگاروں کا رقص جاری تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑنے لگی۔ نور آگ اگل رہے تھے۔

یہ اس وقت کیسا ہو رہا تھا؟ یہ خونی موڈ، یہ آتشیں انداز، یہ قیامت آسا لہجہ!

"ملکۂ عالیہ! کیا آپ بتانا پسند فرمائیں گی کہ اس سارے کھیل کے لیے خادم کا انتخاب کیوں کیا گیا۔ پس پردہ کون کیا تھے اور اس ڈرامے کے پیچھے کن عزائم کی تکمیل مقصود ہے۔؟"

وہ ایک ایک قدم چلتا ہوا عین اس کے مقابل آن ٹھہرا۔ لہجہ اب بھی حیرت انگیز طور پر پرسکون اور سپاٹ تھا۔ اس کے قرب کی مہک خوف بن کر ارشین پر حملہ آور ہوئی۔ اس نے لاشعوری طور پر قدم پیچھے ہٹانے کی سعی کی۔

"دلبر مہران صاحب! اگر آپ میرے کسی گناہ کی سزا کے طور پر......"

اس کا جملہ مکمل بھی نہ ہو پایا تھا کہ ایک زوردار تھپڑ اس کے بائیں گال پر پڑ گیا۔ چٹاخ کی آواز نے ملگجے ماحول میں دور تک بازگشت پھیلائی تھی۔ وہ ششدر سی گال پر ہاتھ رکھے خوفزدہ انداز میں اس کی صورت دیکھتی رہ گئی جہاں اپنے سنگدلانہ طرز عمل پر کوئی جوابی شرمندگی تحریر نہیں ہوئی تھی۔

"آئندہ اپنی ناپاک زبان سے میرا نام لینے کی جرات کی تو اسے کاٹ کر ہتھیلی پر رکھ دوں گا۔ جو پوچھا جائے صرف اسی کا جواب لازم ہے تم پر۔ ایک تیسرے درجے کی کنیز ہو میری۔ فقط معمولی سی بے ضمیر عورت۔ اپنا مقام ہمیشہ کے لیے ذہن کے خانے میں محفوظ کر لو۔ تمہیں دلیل، وضاحت اور صفائی دینے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ بولو کس کے کہنے پر تم نے یہ مکروہ کھیل رچایا۔ کون ہے تمہاری پشت پر؟ کیا لیلیٰ شاہ تمہاری ساتھی ہے؟ اور یہ بھی یادداشت میں لکھ لینا میں تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتوں گا کہ رعایت صرف انسانوں کو دی جاتی ہے۔ تم اس صفت سے محروم ہو، اس لیے ہر غیر انسانی سلوک کی مستحق ہو۔"

وہ الماری کی طرف مڑا اور دوسرے خانے میں ترتیب سے رکھے بے شمار ہتھیاروں کا جائزہ لینے لگا۔ تلوار، خنجر، نیزے، بھالے، تیر کمان اور کوڑے نما چابک، فن سپہ گری کا سارا ہی سامان موجود تھا جو اس کے دادا نے اس کی دلچسپی کے پیش نظر باقاعدہ اسے سکھایا تھا۔ اس کا نشانہ بہت سچا تھا۔ وہ جب بھی یہاں آتا گاؤں کے چند شوقین جوانوں کے ساتھ مل کر مقابلہ بازی ضرور کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اسلام آباد میں بھی ایک اسپورٹس کلب میں باقاعدہ ٹریننگ لی تھی۔ بس قدرتی طور پر یہ فنون اس کا شوق تھے۔

"میں چاہوں تو ایک ساتھ چار خنجر تمہارے جسم میں اتار سکتا ہوں، اور میرا دعویٰ ہے کہ ان میں سے ایک نشانہ بھی خطا نہیں ہوگا۔ یا تیر کمان کے ذریعے تیر سیدھا تمہارے دل میں پیوست کر سکتا ہوں۔ میری تلوار کا ایک ہی وار تمہاری گردن اڑانے کے لیے کافی ہوگا۔ لیکن میں تمہیں آسان موت کا تحفہ نہیں دوں گا۔ سسکا سسکا کر ماروں گا۔ کچھ تو سینے میں بھڑکتی آگ پر چھینٹے پڑیں۔"

اس نے جھک کر چمڑے کا ڈیڑھ میٹر لمبا چابک اٹھا لیا۔

"گاؤں والے اسے اڑیل اور سرپھرے گھوڑے کو سدھا کر تانگے میں جوڑنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔"

وہ آہستہ آہستہ اس کے نزدیک آ گیا۔ لہجہ بہت دھیما اور نارمل تھا۔

ارشین بری طرح سٹپٹا کر پیچھے ہو گئی۔ اس کا دل گویا کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ روئیں روئیں سے خوف پسینہ بن کر پھوٹ پڑا تھا۔

"آخری بار پوچھ رہا ہوں۔ بتاؤ کون ہو تم؟ کس مافیا سے تعلق ہے تمہارا۔ لیلیٰ شاہ تمہارے پاس کیوں آئی تھی۔ کیا یہ شادی بھی اسی پلان کا ایک حصہ ہے؟" اس نے کوڑا لہرایا اور خطرناک تیوروں سے اس کی سمت دیکھا۔

"میری بات سنیں۔ خدا کے واسطے پہلے میری بات سن لیں۔ آپ کے تمام مفروضات غلط ہیں بھی۔"

شائیں کی آواز کے ساتھ چابک سانپ کی طرح لہرا کر اس کے جسم پر پڑا۔ بے ساختہ ایک ہمالہ منہ سے نکلی تھی۔ اگلے لمحے وہ یکلخت کٹے ہوئے شہتیر کی مانند تڑپ کر گرد آلود فرش پر آڑی ترچھی کے گرد لپٹی سیاہ کڑھائی والی چادر جھٹکے سے دور جاگری تھی۔ سرخ جھلملاتی سنہرے کام والی ساڑھی بڑے دھبوں سے داغ دار ہو گئی تھی۔ اس کا پلو دور تک بکھرتا چلا گیا۔ اس چابک کی ضرب اتنی کاری کے بلاؤز کی پشت لہو سے بھیگ گئی تھی۔

"میرے ساتھ غلط بیانی کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔" وہ پھنکارا۔

وہ زمین پر پڑی ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی مگر اس بے رحم۔۔۔ دیوتا کے چہرے پر کوئی زم نہ ہوا۔ سکون سے کھڑا رہا۔

"بس اتنی ہی برداشت تھی؟" وہ طنزاً مسکرایا۔

"چاہو تو اس سے بھی اونچا چیخ سکتی ہو۔ گاؤں کے آخری کنارے پر مکان ہے۔ یہاں کوئی تمہاری نہیں آئے گا۔ ہاں دوسری طرف قبرستان کے مردوں کو کھڑکی کھول کر ضرور حالت زار بتا سکتی ہو۔ واپسی کی جلدی ہے۔ پھر آؤں گا "تفصیل" سے حساب لینے۔"

وہ کوڑا الماری میں بند کر کے تالا لگا کر مڑا۔

"میں نے ٹھکانا فراہم کر دیا ہے اب اپنے کھانے، پینے، سونے اور زندہ رہنے کے تمام اقدام تم ہوں گے۔ میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ کیونکہ یہ سودے دل کی رضا سے طے پاتے ہیں۔ میری بلا سے تم مزدوری کر کے پیٹ بھرو۔ تمہاری زندگی یا موت سے مجھے قطعاً "دلچسپی نہیں ہے۔ ہاں اگر یہاں سے کی کوشش کی تو میں تمہیں وہ سزا دوں گا کہ تم گڑگڑا کر مجھ سے موت کی بخشش مانگو گی۔"

اس کی چنگھاڑ ایسے درندے سے مشابہہ تھی جس کے منہ کو انسانی خون لگ گیا ہو۔

پھر اس کے بعد وہ رکا نہیں تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ ہاں جانے سے پہلے خبردار کر گیا تھا۔

"جان پیاری ہے تو باہر کا کنڈا لگا لو۔ یہاں فصلوں میں جنگلی سور، گیدڑ اور سانپ عام پائے جاتے دروازہ دیکھ کر انہیں اندر تشریف لانے میں کوئی قباحت نہیں ہو گی۔"

چند ساعت بعد گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی پھر یہ آواز بھی رفتہ رفتہ معدوم ہوتی گئی۔

اب چاروں طرف خاموشی کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

لالٹین کی دھیمی پڑتی ہوئی لو اس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ تیل کی مقدار بتدریج کم ہو رہی کی طلب پوری نہ کی گئی تو کچھ دیر بعد وہ بجھ جائے گی۔

وہ گرد آلود فرش پر اوندھی پڑی درد سے کراہ رہی تھی۔ پوری پشت خون سے بھر گئی تھی۔ اتنے زوں کی مرلے کو سو درے کے مصداق مزید نڈھال کیے دے رہی تھی۔ اٹھنا تو دور وہ کروٹ لے کر سیدھا ہونے لاچار تھی۔

نحیف جسم میں اتنی جان ہی نہ تھی۔ بایاں گال الگ سرخ ہو کر سوجن کا شکار ہو رہا تھا۔ ایک ایک سے درد کی گرم تیزابی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

اس نے کہنیوں کے بل اٹھ کر دروازہ بند کرنا چاہا مگر ایک انچ بھی نہ سرک سکی۔ بری طرح زمین پر آرہی۔ آب کے ضبط کی طنابیں ہاتھ سے چھوٹ گئیں۔ وہ سسکیاں لے کر تڑپ تڑپ کر رات کے ڈھائی بجے کا عمل تھا۔ قبرستان کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ ارد گرد نہ بندہ نہ پرندہ۔ اجاڑ سنسان زمین تاریک مکان اجنبی جگہ، جان لیوا تنہائی، بے بسی کی انتہائی کیفیت اور فضا میں پرواز کرتی عجیب و غریب میں جانور اور حشرات الارض کی تمام اقسام شامل تھیں یہ آفات اس کی روح قبض کرنے کو کافی

لیکن ایسے پراسرار و آسیب زدہ ماحول میں تو اچھے اچھوں کو دانتوں پسینہ آجائے۔

ہو سی لیکن ایک لڑکی تھی۔ ایسے پر اسرار و آسیب زدہ ماحول میں تو اچھے اچھوں کو دانتوں پسینہ آجائے۔ آخر کو وہ ایک لڑکی تھی۔ آہستہ آہستہ دھیمی پڑتی گئی۔ کمزور سی رخصت ہوتی ہوئی روشنی در و دیوار پر عجیب سے ڈراؤنے لالٹین کی لو تھی یوں جیسے مختلف جن بھوت مل کر بھنگڑا ڈال رہے ہوں۔ سردی کا شدید احساس رگوں میں ابھار رہی تھی ہو گیا لو بالکل بجھنے کے قریب تھی جب اس کی نظر کھلے دروازے پر ایستادہ دو انگارہ نما بے کی طرح پیوست ہو گیا نیلے رنگ کے جانور پر پڑی۔ جو بڑی بھرپور نظروں سے اپنا شکار تاڑ رہا تھا۔ اس کے رونگٹے آنکھوں والے ٹھم گئیں۔ مہران کی پیشن گوئی سچ نکلی تھی۔ وہ ایک جنگلی سور تھا جو بھوک کھڑے ہو گئے۔ دل کی دھڑکنیں سے بے آبادی کی طرف آنکلا تھا۔

وہ خوف سے پاگل ہوتے ہوئے زور سے چیخی تھی۔ اسی لمحے دروازے پر پرسکون انداز میں کھڑا جانور غصے میں اس کی طرف بڑھا۔ اس کے بڑھتے قدم بدستور ارشین کے جسم سے زندگی اور ہوش کے آثار ختم کرتے رہے تھے۔ اس کی گھگھی بندھ گئی۔ جانور کے منہ سے ہلکی ہلکی غراہٹ خارج ہو رہی تھی۔

اس کے لبوں پر کلمہ طیبہ کا ورد جاری تھا اور حواس بتدریج مفلوج ہوئے جا رہے تھے۔ پھر وہ ہوش و خرد کی دنیا سے غافل ہو کر بہت دور چلی گئی۔

◆◆◆

صبح دس بجے وہ گھر پہنچا تھا۔ ہارن کی آواز سن کر ناظر کچن سے بھاگتا ہوا گیٹ کھولنے آیا تھا۔ اس کے سلام کا جواب دے کر وہ تیز قدموں سے اندرونی دروازے کی طرف بڑھا۔

"ہو ہو۔ ظل پناہ تشریف لے آئے؟" دروازے کے پاس ہنستا مسکراتا سفیان استقبال کے لیے موجود تھا۔ اس نے آج یونیورسٹی سے چھٹی کی تھی۔

"کیا مصیبت ہے۔ پرے ہٹو۔" سفیان لاڈ دکھاتے ہوئے کندھے سے لگا ہی تھا کہ مہران نے بری طرح جھڑک دیا۔ اس کا موڈ سخت خراب تھا۔ سفیان کے چہرے پر پہلے حیرت کے اور پھر شرمندگی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ خاموشی سے ایک طرف ہو گیا۔

مہران دیکھے بغیر جھلائے قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

"کیا حال ہے بیٹے۔ ٹھیک تو رہے؟" لاؤنج میں اون سلائیوں میں مگن ہلکی زرد شال اوڑھے نینی کو دیکھ کر سچ مچ اس کے چھکے چھوٹ گئے۔

"ممی آپ؟" سلام کرنے کے بعد وہ بادل نخواستہ ان کی طرف بڑھا۔ "آپ کب آئیں؟" لہجہ دھیما اور دبا دبا سا تھا۔

"آج صبح ہی آئی ہوں۔ سفیان نے بتایا آپ آفس کے کام سے رات سے گئے ہوئے ہیں۔ لیکن بیٹے! ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ کے آفس سے فون آیا تھا۔ وہ آپ کے متعلق پوچھ رہے تھے۔ کیا آپ ان کو بھی بتا کر نہیں گئے تھے؟"

وہ گہری نظروں سے اس کا چہرہ کھوج رہی تھیں۔ مہران کی پیشانی پسینے سے بھیگ گئی۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ عجب مشکل آن پڑی تھی۔ اس کا بوکھلایا ہوا غیر مطمئن اور اعتماد سے خالی نروس انداز نینی کے لیے خاصا عجب خیز تھا۔ تاہم وہ اس طرز عمل کو کام کی زیادتی کا ردعمل سمجھ کر اس کا کندھا تھپتھپاتے شفقت سے گویا ہوئیں۔

"جاؤ میری جان نہا دھو کر کپڑے بدل لیں۔ میں ناشتہ لگواتی ہوں۔"

مہران ندامت کے سمندر میں غرق ہونے لگا۔ دھوکا دہی اور فریب کاری کا احساس ناگ کی طرح اعصاب ڈس رہا تھا۔ ممتا کے چھلکتے جذبات سے لبریز اس سادہ و مشفق خاتون کا مان کس بے دردی سے اس نے مٹی میں ملایا تھا۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کا قابل فخر بیٹا ان سے چھپ کر خفیہ شادی کر چکا ہے تو صدمے سے پتھر ہو ہی

جائیں‘ شاید کبھی اسے معاف نہ کریں۔ یا خدانخواستہ اتنی غیر متوقع خبر پر جان سے ہی گزر جائیں
ایسا کوئی لمحہ آئے۔

مہران نے بے ساختہ جھرجھری سی لی۔ ایک بار پھر ارشین کا گلا گھونٹنے کی تمنا شدت سے
"کتنا گرادیا ہے تم نے مجھے۔ یقین نہیں آتا کہ یہ میں ہوں ایک جھوٹا‘ فریبی اور ظالم و قاہر
نفرت سے ہونٹ بھینچتے ہوئے سوچا۔

سفیان خاموشی سے اندر آکر اپنی کتابوں میں گم ہو چکا تھا۔ مہران نے دل ہی دل میں خود پر
اسے اپنے پاس بلایا۔

"جی بھائی جان" وہ مودب و محتاط انداز میں سر جھکائے اس کے روبرو کھڑا ہو گیا۔ اس کی معصوم
مہران کو بے ساختہ پیار آگیا۔

"اصل میں میں سخت تھکا ہوا تھا۔ اس لیے غصے میں آگیا۔" اس نے نرمی سے سفیان کے
پھیلا دیا۔ فراخدل سفیان کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔ بعض اوقات کسی کا معمولی سا معذرتی رویہ
منسلک سارے گلے شکوے بہالے جاتا ہے۔ دل کی سلیٹ پر لکھے بدگمانی کے سارے حروف مٹا
سمجھتا ہوں بھائی جان۔ لیکن آپ پہلے تو کبھی اتنے غصے میں نہیں آتے تھے" سفیان کا استعجاب فطری
اک گہری سانس خارج کی۔

"پہلے ایسی مشکل بھی تو نہیں پڑی تھی۔ میں تو اپنی فطرت ہی بھلا بیٹھا ہوں۔ کیا تھا اور کیا بنا دیا
نے۔" وہ دل ہی دل میں خود سے ہم کلامی کرتے ہوئے اوپر چلا گیا۔

نہانے کے باوجود ذہنی و جسمانی کسلمندی دور نہیں ہوئی تھی۔ بہر حال یونیفارم پہن کر وہ
مشین کے پاس رک کر بکھرے ہوئے کاغذات سمیٹ کر باری باری پڑھنے لگا۔ ایک پیغام درنایاب
بھی تھا۔

سفیان پڑھائی کے ساتھ ساتھ ایف ایم آن کیے ابرار الحق کے گیت "بھیگا بھیگا سایہ دسمبر ہے
تنہائی ہے۔" پر سر دھن رہا تھا۔

ناظر نے ٹی وی آن کر رکھا تھا جہاں پاکستانی چینل پر رات کے پروگرام دن میں دوبارہ نشر کیے جار
فلمی گانوں کا پروگرام تھا۔ کمپیئر کہہ رہی تھی اور اب باری ہے فلم "دوپٹہ جل رہا ہے۔" کے پر
پھر گانے کے بول شروع ہو گئے۔ بول سنتے ہی مہران کی رگیں کھنچنے لگیں۔

ہو سکے تو میرا ایک کام کرو
شام کا اک پہر میرے نام کرو

اس کی دونوں مٹھیاں شدت غیض سے بھنچ گئیں۔ کوئی پرانا منظر ذہن پہ دستک دے رہا تھا
اسکرین پر آب و تاب سے روشن ہو رہا تھا۔ کچھ یاد دلا رہا تھا۔ تیز ہوا سے اڑتا سبز آنچل‘ سیاہ بکھری
آنچل میں قید سنہری دمکتا ہوا چہرہ۔

سفیان کی ارشین سے شوخیاں اور جواب میں اس کا حجاب‘ گھورتی ہوئی شرمندہ و نروس نظریں
ہو کر مڑا اور دوسرے لمحے کھٹاک سے ٹی وی کا سوئچ ساکٹ سے نکال کر زمین پر دے مارا۔

"ہر وقت ناچ گانے میں دھیان لگائے رکھتے ہو۔ کچھ پڑھنے لکھنے کا بھی ہوش ہے یا نہیں؟ اب
پیپرز سر پر ہیں اور نواب زادے کو عیاشی سوجھ رہی ہے۔" وہ بری طرح اس پر برس پڑا۔
"چلو اپنی کتابیں نکالو اور سفیان کو اپنے بنائے ہوئے نوٹس چیک کراؤ۔" اس کی آنکھوں کے
ناظر کی روح بھسم کر گئے تھے۔ وہ گرتا پڑتا بے اوسان قدموں سے کتابیں لینے دوڑا تھا۔

مہران طیش سے سر جھٹکتے قدموں کی زوردار دھمک پیدا کرتے ہوئے بغیر ناشتہ کیے گھر سے باہر نکل
حیران پریشان صورتحال ملاحظہ کر رہا تھا۔

بھائی جان کو۔ یہ تو ایسے کبھی نہ تھے۔ اتنی پرسکون اور متحمل فطرت کا مالک یکلخت آتش فشاں
کیا ہو گیا ہے؟" وہ ٹھوڑی پہ ہاتھ جمائے فکرمندی سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔ غور کرنے پر اس کا دماغ بو جھل

حقیقت انسانی فطرت دنیا کی پیچیدہ ترین مشین ہے۔ یہ آج بھی موجودات عالم کے لیے اک معمہ بنی ہوئی
کمپیوٹر ایج کا جدید انسان ابھی تک غار کے دور میں‘ جنگلی جانوروں کے درمیان پرورش پانے
والے انسان کی وحشی و منتقم اور حاسد و خود غرض حیوانی فطرت کے اثر سے باہر نہیں نکل سکا۔ یہ جذبات کسی نہ
کسی سبب اس کے باطن میں موجزن ہیں۔ تبدیلی یا ترقی فقط اتنی ہوئی ہے کہ ہم نے اپنے "ظاہر" پر تہذیب
تعلیم و قابلیت اور ضبط و برداشت کا خول چڑھا لیا ہے۔ جبلی خواہشات کو زیر کرنے کا ہنر سیکھ کر اندر کی جاگتی
وحشتوں کو سلا دیا ہے۔ جب یہ خول بیرونی حالات کی سخت مہمیز لگنے پر چٹختا ہے تو ہمارے اندر چھپی وحشتیں‘
سفاکی اور سنگی فطرت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

اسی لیے سیانے کہتے ہیں کہ ظاہری اعمال اور صورت و کردار فقط آدھی فطرت کے عکاس ہوتے ہیں۔ بقیہ
فطرت دل و دماغ میں پلنے والے جذبات و احساسات پر مشتمل ہوتی ہے۔

مہران اس وقت ایسی ہی ہیجانی کشمکش میں مبتلا تھا۔ بحیثیت ایک انسان کے اسے اپنے طرز عمل پر سخت
شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔ لیکن جب اپنی ذات اور عزت نفس کو بیچ میں لاتا تو خود کو حق بجانب پاتا۔ اپنا آپ
مظلوم لگنے لگتا۔

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں ظالم بھی ہو اور مظلوم بھی چونکہ وہ ایک باضمیر‘ اور رحمدل
طبیعت کا مالک تھا اس لیے بار بار خود کو احتساب کے کٹہرے میں کھڑا پاتا تھا۔

آفس پہنچتے ہی اس نے خود کو کرسی پر گرا دیا اور سر ہاتھوں میں تھام کر میز کی سطح سے ٹکا دیا۔ اس کا دماغ بری
طرح جل رہا تھا۔ جسم کا خون آگ کی طرح گرم ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ چاروں اطراف سے شدت سے
بھڑکتی ہوئی لال سرخ چنگاریوں میں گھر گیا ہو۔ یہ چنگاریاں اس کے رؤیں رؤیں میں بارود سلگا رہی تھیں۔

"سر کیا میں اندر آسکتی ہوں؟"
اچانک ہی شعلہ فشاں فضائیں نغمہ بار ہو گئی تھیں۔
مہران نے ہیجانی موڈ میں سر اٹھایا۔

دروازے پر ٹھنڈی میٹھی نقرئی چاندنی اپنی سیمابی کرنیں بکھیر رہی تھی۔ اس کی گلابوں سی رنگت پارے میں
پھول کھلا رہی تھی گویا‘

"ہوں۔" اس کے سر کے اشارے پر یونیفارم میں ملبوس درنایاب نروس سے انداز میں اندر آگئی۔
"سر۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے خدانخواستہ۔" اس نے مہران کے عجیب و غریب عالم میں گم صم بیٹھنے کو
محسوس کیا۔ جھجکتے ہوئے انداز میں نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا اور پھر کانپ کر رہ گئی۔
مہران کی انتہائی چمکدار سبز روشن آنکھیں اس وقت خون کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔
"میں اب ٹھیک ہوں۔" مہران نے انداز نشست تبدیل کرتے ہوئے قدرے پرسکون انداز میں اس پر نگاہ
ڈالی۔
"بیٹھئے مس۔ لیلیٰ شاہ کے کیس میں کہاں تک پہنچی ہیں؟"
"سر آج کل اس کی ایف ٹین میں واقع "ہاٹ شاٹ کلب" میں آمدورفت خاصی بڑھ گئی ہے۔ میری
معلومات کے مطابق یہ ایک جدید طرز کا وسیع و عریض احاطے پر پھیلا ہوا کلب ہے جہاں تعیش پسند امراء کے علاوہ
پاکستان میں مقیم غیر ملکی افراد بھی روزانہ شوق سے آتے ہیں۔ کئی تو باقاعدہ کلب کے ممبرز ہیں۔ لیلیٰ شاہ کا اکثر
غیر ملکیوں سے بے تکلفانہ میل جول ہے۔ میرا خیال ہے کلب میں اس کی خفیہ طریقے سے روزانہ نگرانی کی
جائے تو اس کے مثبت اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔"

اس کے خلاصے پر مہران سوچ میں پڑ گیا۔

"کلب کے بارے میں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ دو سال سے یہاں کا باقاعدہ ممبر ہوں۔ اکثر بلاناغہ جاتا ہوں۔ بس دو تین ہفتوں سے مصروفیت کے سبب ٹائم نہیں نکال سکا۔ بہرحال کلب اسے دیکھ لوں گا۔ آپ اس کی بیرونی نقل و حمل پر نظر رکھیے گا۔ بلکہ اس کی ایف سیون والی کوٹھی کے لیے کسی اے ایس آئی کی ڈیوٹی لگا دیجیے۔"

"ٹھیک ہے سر۔" نایاب کے لہجے میں کسی حد تک اعتماد کا عنصر نمایاں تھا پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سر وہ بابا آپ کے متعلق پوچھ رہے تھے۔ آپ نے ان سے وعدہ کیا تھا۔" وہ پزل سے انداز میں مخاطب ہوئی۔

"آں۔ ہاں۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ بے فکر رہیے۔ ضرور نبھاؤں گا۔ شاید بہت جلد آپ کے بابا سے ملنا پڑے۔"

وہ ایک لحظہ سر اٹھا کر اس پر نگاہ ڈالنے کے بعد کام میں منہمک ہو گیا۔

◆◆◆

امبرین گھٹنوں پہ چہرہ ٹکائے بڑی دیر سے لاؤنج کی سیڑھیوں پر بیٹھی سوچ رہی تھی۔

"تو کیا واقعی وہ اب دوبارہ کبھی یہاں نہیں آئیں گی ان کا وجود' ان کی آواز' ان کی ہنسی' ان کی موجودگی کا بشاش تاثر' ان کے لباس کی سرسراہٹیں اس گھر کے لیے محض عہد رفتہ کا حصہ بن کر رہ جائیں گی؟" میں گزرے ایام رقص کرنے لگے جب وہ اس سے اتنا قریب تھی کہ دل میں آنے والی ہر اچھی بری سوچ شیئر نہ کر لیتی کو چین نہیں پڑتا تھا۔ کتنے اچھے تھے وہ دن پھر ایسا ہوا کہ بدگمانی کی خود رو گھاس نشوونما پا ہو گئی کہ محبت کے نوخیز گلاب اس میں چھپ کر مرجھاتے چلے گئے۔

اچھا ہوا یا برا۔ بہرحال تکلیف دہ تو ہے۔ وہ دھوپ چھاؤں جیسی ہم سفر ہمیشہ کے لیے جدائی کے لیے ہو گئی تھی۔

شاید باہر کا دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔ اس کا احساس اسے اس وقت ہوا جب سعد لاؤنج میں عین برابر سامنے اس سے دو چار فٹ کے فاصلے پر آ کھڑا ہوا۔ وہ غالباً "گھر سے اطلاع ملتے ہی فوراً" ادھر آ گیا تھا۔ پہلے ہی ویک اینڈ پر یونٹ سے گھر لوٹا تھا۔ یونیفارم بھی نہیں بدلا تھا۔

"ارشین کہاں ہے؟" بغیر کسی تمہید کے وہ براہ راست سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔

امبرین نے بے طرح چونکتے ہوئے اس کی سمت دیکھا اور اضطراری انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں نادیدہ طوفان مچل رہے تھے۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے جیسے وہ بڑی مشقت سے خول چڑھائے ہوئے ہو۔

"آ۔ آپ کو آنٹی نے بتا دیا ہو گا۔ آپی کی شادی ہو گئی ہے۔" وہ عجیب ہونق سے لہجے میں بولی۔

"جانتا ہوں میں۔" سعد کا لہجہ تیز اور ترش تھا۔ "لیکن کیا شادی کے بعد لڑکی کے لیے والدین کا گھر اجنبی ہو جاتی ہے؟ کل اس کی رخصتی ہوئی تھی۔ روایت کے مطابق آج اسے تم لوگوں کے درمیان میکے میں ہونا چاہیے۔ وہ آ چکی ہے یا آنے والی ہے؟" اس کا انداز مبہم اور سمجھ میں نہ آنے والا تھا۔

"نہ آئی ہیں۔ نہ آئیں گی اور نہ انہیں کوئی لینے چھوڑنے جائے گا۔ یہ طے شدہ امر ہے۔ آپ کو بابا نے کہانی کیا ہے۔" امبرین کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

سعد الجھن کے عالم میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ امبرین نے اس 'نازک صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ رازداری کے عالم میں چند قدم آگے بڑھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ ان کا اور ایس پی صاحب کا زبردست چکر چل رہا ہے۔ بعد میں آپی کی صاحب بھی سائیڈ رول میں اس ڈرامے میں شامل ہو گئے تھے۔ وہی پروفیسر صاحب جن کے ہاں آپی

[illegible] نے معاملہ ایس پی کے حق میں ہموار ہوتا دیکھا تو ثبوت کے طور پر آپی کے تحریر کردہ چند پرانے خط [illegible] انہوں [illegible] کو دکھانے کے لیے لے آئے۔ بابا جان ان کی فوری شادی اور گھر سے ہمیشہ کے لیے رخصتی پر بضد [illegible] "بابا جان [illegible] آپی نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایس پی صاحب کی بہن کو فون کے ذریعے صورت حال سے آگاہ کیا۔ [illegible] تھا' بھلے سے کالے چور سے کر دیتے۔ سو بدنامی سے بچنے کے لیے انہوں نے ایس پی سے [illegible] کو رخصت [illegible] چاہیے [illegible] لیے گھر کے دروازے ان پر بند کر دیے۔"

[illegible] کا چہرہ لمحہ بہ لمحہ شدت جذب سے سرخ ہو رہا تھا۔ ضبط سے اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

"مجھے ایس پی کے گھر کا ایڈریس چاہیے۔" وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر بے تاثر لہجے میں گویا ہوا۔ امبرین ہکا بکا اس کی صورت دیکھنے لگی۔

"وہ تو میرے پاس نہیں ہے۔ لیکن آپ ایڈریس لے کر کیا کریں گے؟" وہ انجانے خدشات اور واہموں میں مبتلا ہونے لگی۔

"میں ایک بار ارشین سے ملنا چاہتا ہوں۔ دوبدو اس سے بات کر کے معاملے کی تہہ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"کیا آپ کو میری زبان پر اعتبار نہیں ہے؟" وہ بگڑنے لگی۔ دل ہی دل میں تلملا رہی تھی۔

"اعتبار برسوں کی پرخلوص رفاقت کا ثمر ہوتا ہے۔ یہ پل دو پل کی بات نہیں ہے۔" وہ دو ٹوک گویا ہوا۔

"میں ارشین کو مدتوں سے جانتا ہوں۔ اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ اس کی فطرت خود غرضی اور فریب کاری کے عنصر سے پاک ہے۔ میں نہیں سمجھتا وہ گھریلو ذمہ داریاں اور اپنا شخصی وقار و استقلال بھلا کر اتنے سطحی پن کا مظاہرہ کر سکتی ہے اگر اسے پسند کی شادی کرنا ہوتی تو بہت پہلے کر چکی ہوتی۔ اتنے سنہرے برس اور مواقع ضائع نہ کرتی۔ میں اس سے مل کر حقیقت حال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ان مجبوریوں کا کھوج لگانا چاہتا ہوں جن کا شکار ہو کر اسے اپنی طبیعت کے خلاف فیصلہ قبولنا پڑا۔"

امبرین اس کے چہرے اور لہجے سے پھوٹنے والے یقین و مان اور مضبوطی پر جوش غضب سے کانپنے لگی۔ نہ جانے کون سا منتر جنتر پڑھ کر جادوگرنی نے سعد کے دل کے گرد حصار باندھا تھا۔ ٹوٹ کر ہی نہ دیتا تھا۔ وہ دانت کچکچا کر رہ گئی۔ کوئی حربہ کارگر نہیں ہو رہا تھا۔

"کوئی مجبوری نہیں تھی انہیں۔ اپنی مرضی سے پسندیدہ راستے کا انتخاب کیا ہے۔" وہ جل کر بولی۔ ارشین کے لیے امڈتے وقتی ہمدردانہ جذبات پل میں بھک سے اڑ گئے تھے۔

"ہو سکتا ہے۔" سعد کا لہجہ قدرے سست پڑ گیا۔ "لیکن میں یہ بات اس کی زبان سے کہلوانا چاہتا ہوں۔ اپنے کانوں سے اس کا اعتراف و اقرار سننا چاہتا ہوں۔ میں اپنے ذرائع سے ایس پی مہران آفریدی کے گھر کا پتا ڈھونڈوں گا۔" وہ کا لہجہ اٹل تھا۔ امبرین پیر پٹخ کر رہ گئی۔ وہ اس کے بعد ٹھہرا نہیں تھا۔ اکھڑے اکھڑے موڈ میں دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

◆◆◆

"آپ تو یوں جی جان سے تیار ہو رہے ہیں جیسے اپنی سسرال جانا ہو۔" ناظر نے خاصے جارحانہ عزائم کے ساتھ [illegible] کی تیاریوں پر چوٹ کی۔

"[illegible] بھئی پہلا امپریشن زوردار پڑنا چاہیے۔ اسی طرح دھاک بیٹھتی ہے۔" سفیان نے اپنے گرے [illegible] کرتے کے کالر اکڑائے۔

"[illegible] ابھی تک نہیں آیا یہ لڑکا۔ صبح دسیوں مرتبہ تاکید کی تھی کہ چھ بجے لازمی پہنچ جانا مسز آصف کے ہاں چلنا ہے۔" [illegible] ساڑھی میں ملبوس نینی پریشان سی بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی آئیں۔ ان کا اشارہ مہران کی طرف تھا۔

"[illegible] وعدے کے بہت پابند ہیں۔ ہمیشہ قول نبھاتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ایمرجنسی میں کہیں جانا پڑ گیا [illegible]" نے تشویش سے گھڑی کی طرف دیکھا جس کی سوئیاں پونے سات بجا رہی تھیں۔

"[illegible] سمجھتی ہوں اس کی تاخیر کا باعث۔" نینی نے سر جھٹک کر منہ ہی منہ میں کہا۔ سچ تو یہ تھا کہ پہلی مرتبہ

انہیں مہران کے رویے سے کوفت محسوس ہوئی تھی۔ فاریہ والے معاملے میں وہ بالکل بھی تعاون نہ
اسی لیے جان بوجھ کر لیٹ ہوا تھا۔ انہیں اس کی شادی کی جتنی جلدی تھی' وہ اتنے ہی تاخیری حربے
انہوں نے ابھی سفیان وغیرہ کو اس سلسلے میں کوئی اشارہ نہیں دیا تھا۔ محض اتنا بتایا تھا کہ مسز آصف
جاننے والی ہیں اور دونوں گھرانے باہمی ملاپ کے ذریعے اپنے تعلقات مزید مستحکم بنانے کے خواہش
مسز آصف نے ان سب کو آج رات کے کھانے پر بلایا تھا۔

سات بجے کے قریب فون کی بیل بجی تھی۔ ناظر نے ریسیو کیا۔
"بھائی جان کا فون تھا نینی! وہ آفس کے کسی کام سے پنڈی گئے ہیں۔ رات گیارہ بجے تک آ رہے ہیں آپ لوگ چلے جائیں۔ ان کا انتظار نہ کریں۔" ناظر کے بتانے پر نینی خفا ہونے لگیں۔
"بہت تنگ کرتا ہے یہ لڑکا۔ بہرحال آپ لوگ تو نکلو۔ مسز آصف انتظار میں ہوں گی۔"
"نینی! میرے پاس ایک تیر بہدف نسخہ ہے بھائی جان کے مرض کا۔" سفیان نے سفید ایف ایکس کھولتے ہوئے کہا۔ "شادی اور وہ بھی فوری اور زبردستی۔"
"بے کار ہے۔" ناظر نے فتویٰ دیا۔ "انہیں زنانی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی زمین پر اتری ہے جو ان کے معمولات و عادات پر اثر انداز ہو سکے۔"
"یہ دنیا ہے پیارے۔ یہاں کوئی امر ناممکنات میں شامل نہیں ہے۔" سفیان نے گاڑی ڈبل روڈ پر لیتے گیئر بدلا۔ "انسانی فطرت کی نیرنگیاں انوکھی ہیں۔ آپ کسی بھی وقت کسی بھی شخص سے ایکسپیکٹ کر سکتے ہیں جو درخت بہت اونچے اور مضبوط ہوں' وہ گرتے بھی بہت زور سے ہیں۔ وقت ہر ناقابل تسخیر عنصر کو زمین دکھانے پر قادر ہے۔ اور سچ پوچھو تو اللہ تعالیٰ نے وقت کی رفتار کے علاوہ ناپائیداری اور تبدیلی کی گنجائش رکھی ہے۔ سب زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ بس وقت رفتار نہیں بدلتی۔ وہ اسی ترتیب و سکون اور معمول کے ساتھ صدیوں سے صبح و شام کے پہیے پر ہے۔"
"بڑی گہری اور خوبصورت باتیں کرنے لگے ہو بیٹے۔" انہماک سے سنتی ہوئی نینی کا وجود خوشی سے ہو گیا تھا۔ انہیں اس چنچل ونٹ کھٹ لڑکے سے اتنے فلسفیانہ جواب کی توقع نہیں تھی۔
"ذرہ نوازی ہے جناب۔ ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔ ابھی تو بہت ساری صلاحیتیں کھل کر سامنے آنی ہیں۔"
براہ کرم ڈرائیونگ پر توجہ رکھیے۔ شیخی میں آ کر ہم سب کو دن میں تارے نہ دکھا دیجئے گا۔" ناظر نے کہا۔
وہ بہت جلد مسز آصف کے گھرانے سے گھل مل گئے تھے۔ اظہر کیڈٹ کورس مکمل کر کے پنڈی میں جونیئر آفیسر کے طور پر پوسٹڈ ہو چکا تھا۔ وہ سفیان سے لمحوں میں فری ہو گیا تھا۔ فاریہ بھی ان سادہ مزاج مؤدب و مہذب لڑکوں کی کمپنی سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہوئی۔ مما کے تعارف کروانے پر وہ حیرت سے بول پڑی تھی۔
"ارے۔ آپ وہی ہیں ناں جنہوں نے ہمیں لفٹ دی تھی۔ میرے ساتھ میری دوست امبرین تھی۔ اس کی طبیعت خراب تھی اس دن۔" اس نے باری باری نینی اور سفیان کی طرف دیکھا تھا۔ نینی نے اسے گلے لگا لیا تھا۔
"سر سے پیر تک وہی ہیں۔ مجھے بھی اچھی طرح یاد ہے کہ آپ اس دن ارشین کی بہن کے ساتھ بیٹھی تھیں۔" آصف صاحب تھوڑی دیر بیٹھ کر معذرت کرتے ہوئے ضروری کام سے باہر چلے گئے۔
"بھائی جان" کی شان میں قلابے ملا رہا تھا۔
"آپ انہیں بھی ساتھ لے کر آتے ناں مجھے اور فاریہ آپا کو پولیس افسران سے ملنے کا بڑا شوق

مخاطب ہوا تھا۔
لہجے میں مخاطب "سفیان ناظر کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑا۔ "سنتے ہو ناظر میاں۔ بچہ تمیز کہتے ہیں آنٹیل مجھے مار۔
لوہا ہے کر رہا ہے۔ ارے بھیا۔ سادہ منش شہریوں کی کیا مجال کہ پولیس افسران کی موجودگی کی ہولناک فرمائش بیان کر رہا ہے۔ ارے بھیا۔ سادہ منش شہریوں کی کیا مجال کہ پولیس افسران کی موجودگی کی
جتنا ممکن ہو ان کی صحبت سے بچو۔ ایک بار جس سے "مل" لیں وہ تاحیات مصائب سے گلے ملتا ہے۔ اپنی زبان دھو لو اور فوراً" سے پیشتر تائب ہو جاؤ کہ آئندہ ایسی بھیانک خواہش کا اظہار نہیں کرو گے۔ ورنہ کم بختی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ قبر تک۔"
کیا اول فول بک رہے ہو۔ خدانخواستہ۔" نینی نے سفیان کو ڈانٹ پلائی پھر ملائمت سے اظہر سے مخاطب ہوئیں۔

"یہ تو یونہی آپ سے چھیڑ خانی کر رہا ہے بیٹے۔ اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ میں نے اپنا ایڈریس آپ کو دے دیا ہے۔ بہن اور امی کے ساتھ خود آ کر ملنا۔ سارے واہمے دور ہو جائیں گے۔ میرا بیٹا بہت نرم دل' فرض شناس لیکن دھیمی طبیعت کا مالک ہے۔ سفیان تو خوامخواہ بہکا رہا ہے۔"
انہوں نے ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر مہران کی تعریف کی ہرچند کہ تھوڑی دیر پہلے اس پر خفا ہو رہی تھیں۔
واپسی نہایت خوشگوار اور بشاش موڈ میں ہوئی۔ مہران کی جیپ پورچ میں کھڑی تھی۔ گویا وہ آ چکا تھا۔
"کھانا کھائیں گے بھائی جان؟" ناظر اپنی معمول کی ذمہ داری نبھانے کے لیے اس کے کمرے میں دستک دے کر داخل ہوا تھا۔
"نہیں۔ کھا کر آیا ہوں۔ شکریہ۔ تم جاؤ۔" وہ بستر پر سیدھا لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ لہجہ دھیما تھا۔ اس کے جانے کے بعد نینی آ گئیں۔
"السلام علیکم نینی۔" وہ احتراماً بستر سے اٹھ بیٹھا۔ "آئیے۔ بیٹھیں پلیز۔"
"کیا بہت ضروری کام تھا بیٹے۔" انہوں نے اس کے بیڈ کی پٹی پر بیٹھتے ہوئے شفقت سے اس کی پیشانی پر بکھرے سیاہ چمکدار بالوں کا گچھا ہٹایا۔ مہران نے محبت سے ان کا ہاتھ تھام کر اس کو بوسہ دیا۔ کتنا نرم و شیریں اور سندر سا دل تھا اس عورت کا۔
"جی۔ ایک نئے کیس پر کام کر رہا ہوں۔ آپ بتائیے کیسی رہی آج کی دعوت؟" اس نے خوبصورتی سے ان کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔
"سب نے تمہیں مس کیا۔ بڑے نیک لوگ ہیں۔ خوشیاں اور محبتیں بانٹنے والے۔"
"نینی! میں آج آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔" معاً وہ لہجہ بدل کر مخاطب ہوا۔
"آپ میری شادی کی خوشی دیکھنا چاہتی ہیں ناں! ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ یہ شادی میری پسند سے ہو گی۔"
"کیوں نہیں۔ آپ کی پسند اور رضامندی کے بغیر میں زبردستی کیسے کسی کو بہو بنا کر لا سکتی ہوں۔ ایسا کرنا ہوتا تو بہت پہلے کر لیتی۔" نینی مسرت بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔
"اسی لیے تو میں آپ سے اصرار کر رہی تھی کہ مسز آصف کے ہاں چل کر فاریہ سے مل لیں اور اسی وجہ سے تو ابھی باقاعدہ رشتہ نہیں ڈالا۔"
"فاریہ نہیں نینی۔ لڑکی میں منتخب کر چکا ہوں۔"
وہ عجیب سے انداز میں سر جھکائے گویا ہوا۔ ایک لمحے کو نینی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ پھر انہوں نے خود پر قابو پا لیا۔
"ٹھیک ہے بیٹے۔ اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اولیت آپ کی پسند کو حاصل ہے البتہ افسوس اس بات کا ہے کہ پہلے کیوں نہ بتا دیا۔ میں فاریہ والے معاملے میں انوالو نہ ہوتی اب بات کرنا مشکل ہو جائے گا۔ خیر یہ بتائیں۔ کون ہے وہ اور کیا کرتی ہے؟"
"وہ آپ کی پسند پر پورا اترے گی۔ مجھے یقین ہے بلکہ سفیان اور ناظر بھی اس سے مل کر خوش ہوں گے۔ آپ

تسلی رکھیے۔"

"پھر کب ملوا رہے ہیں اسے ہم سے۔" نینی بے قرار نظر آئیں۔

"ملوا دوں گا وقت آنے پر۔ ابھی فی الحال میں دفتری معاملات میں الجھا ہوا ہوں۔" مہران نے تم سرہلاتے ہوئے اطمینان بخش انداز میں شب بخیر کہہ کر چلی گئیں۔

مہران نے نماز کے بعد کے معمولات نبٹائے 'سورۃ ملک' سورۃ رحمٰن' اور یٰسین شریف کی تلاو بستر پر آگیا۔ ذہن متفرق خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ دل و دماغ پر عجیب سا بوجھل پن طاری تھا نازش کا خیال آیا۔ اس نے فون کے ذریعے حالات سے آگاہ کرنے کی تلقین کی تھی جسے وہ بھول گیا اس نے ٹائم دیکھا۔ رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ اس نے احتیاط سے نمبر ملایا۔ دوسری نے ریسیو کیا۔

"او جی بی بی صاحب تو جی کراچی چلی گئی ہیں۔ گھر چھوڑ کر۔"

"کیا۔ کراچی؟ گھر چھوڑ کر۔" وہ چکرا گیا۔

"ہاں جی۔ صاحب جی ان سے بہت ناراض تھے کہ وہ ان سے پوچھے بغیر کیوں گئیں آپ کے ساتھ سامان سمیٹ کر گھر سے ہمیشہ کے لیے نکل جانے کا حکم دیا اور یہ بھی کہا کہ اب دوبارہ واپس نہیں آ کے زہریلے اژدہے یکلخت اس کے جسم کو ڈس گئے تھے۔

جس کا گھر بچانے کے لیے وہ پل صراط سے گزرا وہی بے امان ہو گئی تھی۔ خانماں برباد ہو گئی تھی۔ اور ریاضت اکارت گئی تھی۔ مہران کا حال ایسا تھا جیسے کوئی جواری اپنی زندگی کی سب سے بڑی بازی ہا رہ گیا ہو۔

اس نے بے جان سے انداز میں ریسیور رکھ دیا اور بھوکے شیر کی طرح کمرے میں چکرانے لگا۔

"سو ایک اور جرم تمہارے کھاتے میں درج ہو گیا ہے ارشین! اب میرے دل میں قیامت تک ت رحم کا ایک قطرہ نہیں سما سکتا۔ تم خون آشام بلا ہو۔ تمہاری ذات میں اندھیرے ہی اندھیرے ہیں سایہ پڑتا ہے اس کے مقدر کی عبارت کا ورق سیاہ ہو جاتا ہے۔ تم سراپا ظلمت ہو لہٰذا تمہیں مٹ ہے۔"

اس کا ہر ہر موئے تن خون و آتش اگل رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ کمرے کا فرش اپنے چٹان جیسے قدمو رہا پھر اعصاب پر قابو پانے کی ایک ترکیب ذہن میں آ گئی۔

بستر پر نیم دراز ہو کر اس نے سائیڈ ٹیبل سے فون اٹھایا اور ایک نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو۔" مترنم کھنک، لطیف آواز نے فضا میں مچلتے سارے شعلے اپنی برودت میں جذب کر کے تھی۔

"یہ میں ہوں مہران۔" اس کا دھیما لہجہ بہت دلکشی لیے ہوئے تھا۔

"سس۔ سر۔ آ۔ آپ اس وقت میرا مطلب ہے" درنایاب حیرت سے پاگل ہو گئی۔

"ہوں۔" وہ ریسیور کان سے لگا کر تکیہ سیٹ کرتے ہوئے بیڈ پر لیٹ گیا۔ "میں نے ڈسٹرب تو نہیں کی آواز ناقابل یقین حد تک نرم تھی۔

"نن۔ نہیں سر۔ بالکل بھی نہیں۔" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں جلدی سے بولی تھی۔ اور پھر وہ کافی دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا۔

◆◆◆

"صباحت بہن آپ! آیئے پلیز تشریف لایئے۔ آج کیسے ہماری یاد آ گئی۔" رقیہ بیگم نے حیرت چھپاتے ہوئے روایتی مہمان نوازی اور خوش خلقی کا مظاہرہ کیا تھا۔ صباحت سے ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئیں۔ ان کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ آنکھوں سے لگتا تھا جیسے کئی دنوں سے نیند

تھکن زدہ اور ست تھی اور انداز میں پژمردگی تھی۔ رقیہ بیگم سمجھیں ارشین کی رخصتی کے بعد ممتا کی روایتی بے قراری کے باعث اس کیفیت کا شکار ہیں۔ انہوں نے دلجوئی کی خاطر ارشین کا قصہ چھیڑ دیا۔

آپ کا دکھ سمجھتی ہوں صباحت بہن۔ نازو کو رخصت کرنے کے بعد میں بھی اسی طرح ہاتھ پاؤں چھوڑ کر تھی۔ حوصلہ کیجیے یہ تو دستور زمانہ ہے۔ خدا بچی کو اپنے گھر میں شاد آباد رکھے۔ خیر سے آج تیسرا دن کے سسرال سے کوئی خیر خبر آئی؟"

سب خیریت ہے۔" صباحت گول مول سے انداز میں گویا ہوئیں۔ وہ اس موضوع سے کنی کترا رہی کے سسرال میں لڑکیوں کا میکے جانا پسند نہیں کیا جاتا بس کبھی کبھار عید شبرات پر گھڑی دو گھڑی کو تو اور بات ہے۔ ارشین تھوڑی دیر کے لیے آئی تھی کل۔ خوش تھی اور اسے ہونا بھی چاہیے۔" انہوں دروغ گوئی سے کام لیا پھر اصل مقصد کی طرف آ گئیں۔

بہن! مجھے تمہارے بھائی صاحب نے بات کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ وہ چاہتے ہیں ارشین کے بعد اب کی ذمہ داری سے بھی جلد فارغ ہو جائیں۔ پھر یوں بھی نسبت ٹھہرے تو برسوں گزر چکے ہیں۔ ہمیں فرض سے نپٹنا تھا اسی انتظار میں امبرین کے معاملے میں ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ خیر سے وہ بوجھ اتر گیا۔ اب کی جلدی ہے۔ تم راشد بھائی سے صلاح مشورہ کر کے تاریخ طے کر لو۔"

نے روانی سے ما فی الضمیر بیان کر دیا۔ رقیہ بیگم پہلے چونکیں پھر کچھ متفکر سی ہو گئیں۔ بہو لانے کی تو بھی عجلت و بے قراری تھی۔ راشد صاحب بھی اس معاملے میں ان کے ہم خیال تھے۔ اصل خطرہ سعد کی سے تھا۔ برسوں یونٹ سے لوٹتے ہی ارشین کی شادی کی خبر سن کر جس طرح سناٹے میں آیا تھا اور جس گھر سے نکلا تھا اس نے رقیہ بیگم کو متوحش کر دیا تھا۔ سعد نے چھٹی کا اگلا دن بھی گھر سے باہر گزارا تھا۔ یونٹ روانہ ہو گیا تھا۔ اس کا موڈ ناقابل فہم اور رویہ پراسرار سا تھا۔

"یہ تو خوشی کی بات ہے صباحت بہن! ہماری تو ایک مدت کی تمنا ہے امبرین بیٹی کو گھر لانے کی۔ میں ذرا راشد سے مشورہ کر لوں اور نازو ملتان سے آ جائے تو ہم حاضر ہو جائیں گے۔" انہوں نے اپنی بھرپور مسکراہٹ یقین دلایا۔

میں سوچ چکی تھیں کہ ہر صورت سعد کو رضامند کر کے دم لیں گی۔ زبان اور عہد کی بات تھی۔ پھر خود چل کر آئی تھیں۔ انکار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اگرچہ انہیں بیٹے کی طرف سے سرکشی کا تھا لیکن یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی تھیں کہ راشد صاحب اسے راہ راست پر لے آئیں گے۔ وہ باپ کی بات مانتا تھا۔

◆◆◆

ڈیوٹی آف ہونے پر وہ اپنے کوارٹر کے بجائے میس میں آ گیا اور ایک خالی ٹیبل پر کہنیاں جما کر ہاتھوں ٹھوڑی سجا کر کچھ سوچنے لگا۔ دوپہر دو بجے راشد صاحب نے کینٹ فون کیا تھا۔

بیٹے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ایک مدت سے آپ کی نسبت طے ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں اس کو تبدیل کر دیں۔ آپ نے بتایا تھا کچھ دنوں میں آپ کی میجر کے عہدے پر پروموشن ہو جائے گی اور شاید کے ساتھ ہی آپ کے پوسٹنگ آرڈر بھی آ جائیں۔ میں اور آپ کی امی چاہتی ہیں آپ نئی جگہ اپنی بیگم کو کر جائیں۔ چنانچہ ہم نے آج سے ٹھیک ایک ماہ بعد کی شادی کی تاریخ طے کی ہے۔ آج شام یا شاید کل صاحب کے ہاں جا کر فائنل کر آئیں گے۔ میں نے سوچا پہلے آپ کو مطلع کر دوں۔ آپ کو کوئی اعتراض تو

تھا کہ راشد صاحب کی شخصیت اتنی مدلل، دوٹوک اور فیصلہ کن تھی کہ اگلا بندہ کچھ کہنے کے لیے جواز میں ہلکان ہو جاتا تھا۔ وہ اتنی دلفریب ادا سے مخاطب کو اپنی بات کے سحر میں لیتے تھے کہ انکار کی بن سو وہ بھی گم صم رہ گیا تھا۔

میں ابھی شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں۔ اگر یہ پروگرام کچھ عرصے کے لیے ملتوی

ہو جائے تو۔" آپ نے ممکنہ حد تک نرمی و عاجزی اور مصلحت پسندی سے کام لیا تھا۔

"اس کی گنجائش نہیں نکلتی بیٹے۔ اور کچھ" انہوں نے رسانیت سے جواباً سوال کیا اور وہ ... رہ گیا۔ سارے الفاظ گلے میں پھنس گئے تھے۔ اور کہتا بھی تو کیا کہتا۔

راشد صاحب اپنی دانست میں بات مکمل کر کے خدا حافظ کہتے ہوئے ریسیور رکھ چکے تھے ... خود سے لڑتا جھگڑتا رہا۔

"آخر مجھ میں اتنی جرات کیوں نہیں ہے کہ برملا گھر والوں سے کہہ سکوں کہ میں ایسی ... گزار سکتا۔ دل پر اترے وہ نقوش اتنے گہرے ہیں کہ انہیں مٹانا یا ان کے دھندلے ہونے کا ... نہیں ہے۔ وہ کہیں بھی ہوتی۔ کسی کے سنگ ہوتی۔ اگر میرے دل کو یقین آجاتا کہ وہ خوش و خرم ... ہے تو خدا کی قسم میں دوبارہ پلٹ کر اس کی راہوں میں نہ آتا۔ خود پر کڑے پہرے بٹھا لیتا اور چپ ... میں لگ کر اس کی خوشیوں کی دعائیں کرتے ہوئے زندگی کے دن پورے کر لیتا۔ مگر اب جبکہ ایک ... معاملہ گڑبڑ نظر آرہا ہے۔ میں کیسے چین سے بیٹھ سکتا ہوں۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اس کے ساتھ ... ہوا۔ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔ وہ خوش نہیں ہے۔" وہ کسی نادیدہ نکتے پر نظر جمائے محویت ... جال بن رہا تھا۔

"میں اپنے والدین کو کیسے یقین دلاؤں کہ میں "ایک" کا ہو کر ایسا ڈوبا ہوں کہ دوسری عورت کے ... رہا۔ "اس" نے گنجائش ہی کہاں چھوڑی ہے۔ برسوں سے مسند دل پر اسی شان سے متمکن ہے اور ... کینوس ایسے ہوتے ہیں جہاں نقش ثانی ابھر ہی نہیں سکتا۔ اب تاحیات کسی دوسری عورت کی ضرور ... بیدار نہیں ہو سکتی۔ دل کی بند سرنگ تک پہنچنے کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں بچا۔"

"ہیلو سر۔" سلیوٹ کی زوردار آواز پر سعد نے سر اٹھایا۔ ایک نوجوان اسمارٹ سا جونیئر آفیسر ... میں مسکراتا ہوا مخاطب تھا۔

"ہیلو لیفٹیننٹ۔ کیا حال ہیں؟" سعد نے اس کی یونیفارم کے بیج پر نظر دوڑاتے ہوئے اسی حساب ... کیا۔

"سر۔ شاید آپ مجھے پہچانے نہیں۔ میں اظہر ہوں۔ کیڈٹ کورس کے دوران میں نے کچھ عرصہ ... بھی اٹینڈ کی تھیں۔"

"اوہ۔" سعد کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک جاگی۔ "سو فیصد اظہر ہو۔ میں پہچان گیا۔ بیٹھو۔"

وہ سعد کے رویے میں گرمجوشی پا کر پل بھر میں قدرے بے تکلف ہو گیا۔ سعد کو اس باتونی اور سادہ ... کی معیت اچھی لگی۔ باتیں کرتے کرتے یونہی روانی میں اظہر نے اپنے جاننے والے ایس پی اور ا... تذکرہ کیا۔ "کیا تم ایس پی مہران آفریدی کو جانتے ہو؟" سعد بری طرح اچھل پڑا۔ یہ تو اچانک ... معلوم ہوئی تھی۔ وہ ویک اینڈ کے اگلے دن اس کے دفتر کے گرد چکر لگاتا رہا تھا۔ پہلے سوچا تھا آفس ... لیکن ذاتی معاملات آفس میں زیر بحث لانا بڑا معیوب امر تھا۔ وہ کچھ فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ اس لیے ... بے نیل و مرام واپس لوٹ آیا تھا لیکن یہ اضطراب اسے یہاں چھاؤنی میں بھی اپنے حصار میں لیے ... کسی طرح ایس پی کے گھر کا ایڈریس مل جائے۔

"کیا تم ایس پی صاحب کی شادی میں شریک ہوئے تھے؟" کچھ سوچ کر سعد نے سوال کیا۔ اب ... باری اظہر کی تھی۔ وہ بھونچکا رہ گیا تھا۔

"شادی؟ کیا ان کی شادی ہو چکی ہے؟ لیکن ان کی امی تو بتا رہی تھیں ابھی دونوں بہنوں کی۔ تینوں بہن... شادی نہیں ہوئی۔ بلکہ بات بھی طے نہیں ہوئی۔" وہ سخت حیران تھا۔

"اوہ۔ ایم سوری۔ مجھے کچھ مغالطہ ہو گیا تھا۔ میرا دھیان پنڈی کے ایس پی کی طرف چلا گیا تھا۔" ... سعد نے فوراً بات بنائی لیکن اندر سے وہ ہل کر رہ گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے ایس پی نے گھر والوں ...

... مگر اس کی بہن تو رخصتی میں شریک تھی؟ اور اہم نکتہ یہ ہے کہ پھر ارشین کو کہاں لے ... یہ قدم اٹھایا ہے۔

... بہت فکرمند ہو رہا تھا۔

"... ایس پی صاحب کے گھر کا پتا بتا سکتے ہو۔" وہ اچانک اظہر سے مخاطب کیا۔

"... مجھے ایس پی صاحب ... لیکن آپ۔"

"... سر۔ میرے پاس چٹ پر لکھا ہوا ہے۔ ... اصل میرے ایک عزیز کا کیس پھنسا ہوا ہے۔ پولیس نے ناجائز دباؤ کے ذریعے معاملہ بگاڑ دیا ہے۔ اسی ... میں ذاتی طور پر ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔" سعد کی ہوشیاری اور موقع شناسی قابل داد تھی۔

"... کیوں نہیں۔ سر میں ابھی اپنے روم سے جا کر لا دیتا ہوں۔"

◆ ◆ ◆

"مجھے ایس پی صاحب سے ملنا ہے۔ بہت ضروری کام ہے۔ ایمرجنسی میں ہی شمار کر لیجیے۔" گیٹ کھولنے ... والا لڑکا سامنے آیا تو سعد نے پوچھنے سے پہلے ہی بعجلت بتا دیا۔

"... تشریف لائیے۔ وہ چینج کر کے آتے ہیں۔" لڑکا کچھ سوچ کر اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا تھا۔ سعد اس ... آراستہ وسیع و عریض کوٹھی کا چپہ چپہ نظروں سے کھوج رہا تھا جیسے اچانک "مطلوب" سامنے آجانے کی ...

"... مہمان کی تواضع کی؟" ناظر کوک کا گلاس تھما کر نکلنے کو تھا جب آسمانی آرام دہ شلوار قمیص میں سفید ... دراز قد وجیہہ و شکیل خوبصورت مرد داخل ہوا۔ اس کی آواز کا بھاری پن صنف مخالف کے لیے ... بے حد کشش انگیز اور دلکش و گمبھیر تھا۔ سعد نے اتنا مکمل مردانہ حسن اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ... وہ بے اختیار اسے دیکھتا رہ گیا۔ یقیناً "وہی مہران تھا۔ تاہم اسے ایس پی سے حسد محسوس نہ ہوا۔ اگر وہ ... کے حق میں اچھا ہے تو پھر اسے اس سے کوئی پرخاش نہ ہوگی۔

"میرا نام سعد ہے۔ میں ارشین بخاری کے پڑوس میں رہتا ہوں۔ ہماری ان سے خاندانی قرابت داری ہے۔ ... سے ملنے کی غرض سے آیا ہوں۔" سعد نے شرافت و سادگی سے ہاتھ ملانے کے بعد کہہ ڈالا۔

مہران کی سفید پیشانی پر آہستہ آہستہ بل پڑتے گئے۔

"میں پوچھ سکتا ہوں آپ کس سلسلے میں "محترمہ" سے ملنا چاہتے ہیں؟ اور یہاں کا پتا آپ کو کس نے دیا۔" ... لہجہ سرد تھا۔

"میں ان کا رشتہ دار ہوں۔ خیریت دریافت کرنے آیا ہوں اور ان کی والدہ اور بہنوں کی ایما پر یہاں تک پہنچا ... کیا میرا اقدام معمول کے مطابق اور مناسب نہیں ہے؟"

... سرعت حالات کے مطابق اپنے بیان میں ترمیم کر لی تھی کہ اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ مہران نے ... کا جائزہ لیا۔

"بہتر ہوتا اگر آپ اپنے "رشتے داروں" سے تمام حالات جان کر یہاں تشریف لانے کی زحمت کرتے۔" پھر وہ ... مخاطب ہوا۔

"جن حالات میں یہ شادی ہوئی اور جس طرح اس کے والدین نے اسے ہمیشہ کے لیے گھر سے رخصت کیا اس ... دوبارہ رابطے کی اصولاً "گنجائش نہیں نکلتی۔ اور یہ بات بھی ان کے علم میں تھی کہ شادی کے وقت میری ... ساتھ نہیں تھی انہیں اس شادی کی کوئی اطلاع نہیں تھی اور نہ ابھی تک ملی ہے۔ کچھ مصلحتوں کے ... لیکن نہیں ہے فی الحال۔ آپ جس کی تلاش میں آئے ہیں۔ وہ یہاں نہیں ہے اور جہاں ہے وہاں آپ کو ... اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

... کا لہجہ بے لچک تھا۔ سعد اس شخص کی گفتگو سے اندازہ لگا چکا تھا کہ اس کی حسیات بہت تیز ہیں۔ وہ ... بات سو تدبر اور نکتہ رسی کا مالک تھا۔

"... ؟" سعد نے بے چینی سے استفسار کیا۔ "وہ خیریت سے تو ہے ناں۔ اور کیا آپ کو مجھ پر کسی قسم

کا شک و شبہ ہے کہ؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" مہران نے فوراً" بات کاٹ دی۔ "آپ ایک شریف آدمی ہیں اور
اندازہ ہے پر خلوص اور ایثار طبع بھی ہیں۔ ورنہ کون رشتے دار دوسرے کے لیے بلاوجہ تردد کرتا ہے
آپ سے کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن میں آپ کو آپ کی کزن سے نہیں ملوا سکتا۔ اس سلسلے میں آپ
کیجیے گا۔"

اس کا انداز حتمی تھا اور لہجہ قطعیت لیے ہوا تھا۔ سعد کی پریشانی میں اضافہ ہوگیا۔ جب اعتبار
کیوں ملنے کی اجازت نہیں دے رہا؟۔ آخر کیا مسئلہ ہے۔

"آپ نے انہیں کہاں رکھا ہے؟" وہ بے کل سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ آپ کو نہیں بتایا جا سکتا۔" مہران نے رکھائی سے جواب دیا۔

"لیکن کیوں؟" سعد بے اختیار چیخ پڑا۔

"سچ سچ بتائیں آپ نے ارشین کے ساتھ کیا کیا ہے۔ کن حالوں میں ہے وہ۔ خدانخواستہ کہیں
ساتھ ساتھ ہی اس کا دل ڈوبنے لگا۔

☾ ☾ ☾

"میں کہہ چکا ہوں یہ آپ کا معاملہ نہیں ہے "قانونی اعتبار سے اب "وہ" میری ملکیت ہیں۔ اور
ہوئی چیز کے ساتھ مالک جو بھی سلوک روا رکھے جائز ہے۔"

مہران خشک و سرد لہجے میں بات مکمل کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ لامحالہ سعد کو بھی نشست برخاست
دروازے کی طرف بڑھنے سے پہلے اس نے مہران کا چہرہ ٹٹولا شاید وہ کچھ بتا دے۔
کچھ ایسا کہہ دے جس سے بے قراری کی تیزی ہوتی تو مدھم پڑ جائے۔ مگر وہاں اٹوٹ سکوت ر
قدموں سے واپسی کا سفر طے کرتے ہوئے سعد کو راستہ لمبا بہت لمبا اور تکان سے بھرپور لگا تھا۔

"بھائی جان! یہ صاحب کون تھے؟" ناظر نے گیٹ سے نکل کر روڈ کراس کرتے سعد پر متجس نگاہ

"کوئی بھی ہوں۔ تم سے مطلب؟" وہ جیسے الٹ پڑا تھا۔ ناظر خوفزدہ ہو کر سر ہلاتا ہوا کچن کی طرف

"نان سینس۔" مہران خدا جانے کس بات پر جھنجھلاتا اوپر اپنے کمرے میں آگیا۔ آئینے کے سا
کر برش کرتے ہوئے اچانک ہی اس کی نظر دیوار پر لگے کیلنڈر پر پڑی تھی۔

"اوہ۔ گویا چار دن گزر چکے ہیں۔" اس نے طویل سانس لے کر شنیل کی شیشی ڈریسنگ ٹیبل
اپنے سینے پر پرفیوم کی پھوار ڈالتے ہوئے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

"پتا تو کرنا چاہیے۔ کن حالوں میں ہے۔" ضمیر نے راہ دکھائی۔ فرض شناسی اور احساس ذمہ داری
الگ شور مچا رہے تھے۔

"ہر چند کہ وہ کسی رحم کی مستحق نہیں ہے لیکن ایک مرتبہ خبر ضرور لینی چاہیے۔"
مہران شخصی لحاظ سے لاکھ مضبوط سہی مگر تھا تو اسی معاشرے کا فرد جہاں مرد اور عورت کے کردار
کرنے کے لیے الگ الگ باٹ استعمال کیے جاتے ہیں۔
مرد کے کردار کی مضبوطی اور وفاداری سو گناہوں کے باوصف بھی پہاڑ جتنا وزن رکھتی ہے اور عورت
ایک دھبہ' ایک الزام' ایک غلطی اسے تنکے سے بھی ہلکا کر دیتی ہے۔ معاشرے کی نظر میں معتوب
مجرم بنا دیتی ہے۔
مہران مردوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جو اپنی عورت کے حال و ماضی پر کسی غیر مرد کا سایہ
نہیں کر سکتے۔ کجا یہ کہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے پیش آیا ہو۔ وہ کیسے بھول سکتا تھا اس
ارشین کی رضامندی واضح کرتے جملوں کو۔
وہ کیسے بھول سکتا تھا نازش کی خوبصورت آنکھوں سے برستے آنسوؤں کو جو پروفیسر دانیال کے ا

طرح مہران کے روبرو بیٹھے تھے۔
ساون بھادوں کی
اس نے ارشین کو پروفیسر کے ہمراہ دیکھا تھا۔
کا بدنام زمانہ فوٹو گرافر لیلیٰ شاہ سے تعلق واسطہ رہا تھا۔
کہ اس کا بدنام زمانہ
فیصلہ کرنے والا ایک روایتی شکی اور پوزیسو فطرت کا مالک مرد تھا۔
ارشین کے خلاف جاتا تھا اور چونکہ
کا اس درجہ انتہا پر پہنچنا ایک قدرتی امر تھا۔
جذبات و احساسات

◆ ◆ ◆

پہلے تو زنانی چیخ سن کر میں یہی سمجھا کہ کسی بھوت پریت کی شرارت ہے۔ پہلا کلمہ پڑھتے
اور کلہاڑی کا دستہ مضبوطی سے پکڑ کر گلی مڑنے کو تھا جب میری نظر مکان کے کھلے دروازے پر
تھوڑی بہت روشنی بھی جھانک رہی تھی۔ جانے کیا من میں سمائی کہ میں ہمت کر کے چوکھٹ
آیا۔ اور اندر آ کر کیا دیکھا۔ توبہ توبہ۔ یا الٰہی تیری ہی پناہ ہے۔"
لال دین نے بے اختیار جھرجھری سی لے کر اپنی بیوی کی طرف دیکھا تھا۔
سہا جوڑا اور بانہوں میں سونے کا زیور پہنے وہ سوہنی سی زنانی فرش پر پڑی تھی اور سور اس کے
جمائے چیر پھاڑ کرنے کے لیے بالکل تیار جھکا کھڑا تھا۔ بس اللہ نے سبب بنا دیا اس کی زندگی کا
سیکنڈوں کا فاصلہ رہ گیا تھا موت سے۔ میں نے پیر دستگیر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے کلہاڑی کا وار سیدھا
گردن پر کیا۔ وہ زخمی ہو کر زنانی کو چھوڑ کر میری طرف لپکا۔ پر تو تو جانتی ہے میری کلہاڑی کی دھار کو۔ اس
آٹھ دس گرا چکا ہوں۔ سو اس سے نپٹ کر زنانی کو ہلا جلا کر دیکھا۔ کندھے پر پنجوں کے کھرونچے تھے
خون نکل رہا تھا۔ خدا خوفی کر کے جیسے تیسے اٹھا کر اپنے گھر لے آیا۔"
"ٹھیک ہے لال دین! مگر میں پوچھتی ہوں اب ہوگا کیا۔ آج پانچواں دن ہے اس کی بے ہوشی کو۔ حکیم جھگی
دوا سے کندھے اور پشت کے زخم تو کچھ ٹھیک ہو گئے ہیں مگر بدن تاپ سے یوں جھلس رہا ہے۔ جیسے
انگیٹھی پر دھرا ہو۔ ہمارے پاس تو اتنے پیسے بھی نہیں ہیں کہ شہر لے جائیں یا وہاں سے کسی ڈاکٹر کو

فکرمندی سے سفید کھیس میں لیٹی ہوش و حواس سے بیگانہ پر حرارت تمتماتے چہرے والی ارشین کو دیکھ
جس کے بازوؤں پر عجیب سے دیسی مرہم کا لیپ کیا گیا تھا۔
جو کر سکتے ہیں وہی کریں گے۔ اللہ مالک ہے میں سوچتا ہوں جانے کس گھر کی ہے۔ کس کے جگر کا ٹکڑا ہے۔
کیسے پہنچی اور ان حالوں میں کیوں ہے۔ چہرے مہرے اور لباس سے تو کسی اچھے پڑھے لکھے خاندان سے
اس علاقے کی نہیں لگتی۔ کہیں ایس پی باؤ کی رشتہ دار تو نہیں۔ ان ہی کے گھر میں تو پڑی تھی۔"
پالا دینا! باؤ جی اپنے گھر کی لڑکی کو یوں پھینک کے جائیں گے بھلا۔" برکتے نے ملامت انگیز
پھر دوبارہ غور سے ارشین کا چہرہ ٹٹولا۔
پچھلے چار دن سے جی میں چبھ رہی ہے۔" برکتے نے سرگوشیانہ انداز میں خاوند کی توجہ اپنی

جب اسے چارپائی پر ڈال کر مجھے زخم دھونے کا کہہ کر باہر گئے تھے تو میں نے دیکھا کہ اس کی کمر پر ایک انگل
پڑی ہوئی تھی۔ جس سے خون رس رہا تھا۔ لاس کا نشان اور سوجن ابھی تک مدھم نہیں ہوئی۔
بازوؤں پر زخم ڈالے تھے پھر جسم کے پچھلے حصے پر چوٹ کیسے آئی "
استفہامیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے جیسے سوچ کے ایوان میں جگمگاتے غیر واضح
کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ پھر لال دین گہری سانس لے کر پٹکا کندھے پر ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑا
جب یہ ہوش میں آئے گی بات تو جب ہی کھلے گی ساری۔ میں چلتا ہوں کھیتوں پر۔
اسے کہہ امیر دین کے لیے روٹی لسی لے جائے۔ وہ صبح سے مونجھی کاٹنے لگا ہوا ہے۔ دوپہر ویلا

آگیا ہے۔"

"بڑی محنت کرتا ہے میراپت۔ شالا جیوندا رہے۔" برکتے کے لہجے میں ساری ماںتا کا فخر و غرور ا...

"تو بھی جا کے ہاتھ بٹا دے اب۔" پھر وہ خاوند کے سر ہوگئی۔

"جا رہا ہوں۔ صبح سے دو چکر تو لگا آیا ہوں۔ کتنی بار کہا ہے جوان بیٹے کا مقابلہ مجھ بڈھے سے ... کھن کھائی ہڈیوں میں جان ہی کہاں رہی ہے۔" لال دین بڑبڑ کرتا کھسا ہوا بوسیدہ کھسہ اڑس رہا تھا۔

"لاڈو۔ ری لاڈو۔ کہاں جا مری ہے نی چھوکری۔" برکتے اپنی بیٹی کو صلواتیں سناتی پکار رہی تھی۔

"آگئی بے بے! توبہ ہے۔ تم تو منہ میں باجا رکھ کے بیٹھ جاتی ہو۔ رانو بھابھی کے ساتھ مقبولاں روٹیاں لگا رہی تھی۔"

سولہ سترہ سال کی الھڑ، نوخیز اور دوشیزگی کی دیہاتی چھب سے چور چور کھلنڈرے مزاج کی لڑکی بار رکھ کرماں کے پاس آئی تھی۔ وہ لال فلیٹ کریپ کے کرتے شلوار میں ہری اوڑھنی بے ترتیبی سے ... ہوئے تھی۔

اس کے پیچھے اس سے دو تین برس بڑی سفید مکھن کی سی رنگت والی شاخ گل کی مانند لچکتی ہو... سوٹ اور زیور سے سجی لڑکی برآمدے میں آرہی تھی۔ یہ یقیناً "رانو" تھی 'امیر دین کی بیوی۔ ابھی ایک ... اس گھر میں آئی تھی۔ اس کی سمٹی سمٹی شرمائی جھجکی ادائیں' چہرے پر بکھرتی گلنار سی دمک اور انداز سے دلہناپے کی تمام علامتیں روز روشن کی طرح عیاں تھیں۔

"روٹیاں لگا رہی تھی یا ولایت سے منگوانے چل دی تھی۔ کون سا ویلا سر پر آگیا ہے۔ بچہ کھیتوں ... ہوگا۔"

برکتے نے بیٹی اور بہو پر بیک وقت کڑی نگاہ ڈالی تھی۔ لال دین باہر نکل گیا تھا۔ بہو جلدی جلدی ... بنانے لگی۔ جانتی تھی امیر دین گرمی چھوڑ سردیوں کے موسم میں بھی لسی اور مکھن ملائی کے بغیر کھ... تھا۔

رانو کو ابتدائی رت جگوں کی وہ سرگوشیاں بھی یاد تھیں جب اس کے سر کے سائیں نے اس ... وجود کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"لگتا ہے رب سائیں نے تجھے گوشت کے بجائے دودھ مکھن سے بنایا ہے۔"

چنگیر میں پانچ چھ روٹیاں رومال میں لپیٹ کر رکھنے کے بعد ایک طرف گلاس اٹکایا ساتھ میں رکا... مکھن کا آمیزہ رکھا اور روٹیوں کی تہہ میں ڈھیر سارا اچار جمانے کے بعد رانو نے چنگیر لاڈو کی طرف بڑھا...

"تو خود ہی چلی جا اڑیے۔ میرو بھائی کا جی خوش ہو جائے گا۔" لاڈو کو بھائی بھابھی کی بے قراری ... شوخی سے سرگوشی میں بولی تو رانو شرما گئی۔ اندر سے تو وہ بھی یہی چاہ رہی تھی کہ ساجن کے لیے خود ... جائے۔ مگر ساس سے حیا کے مارے کہہ نہیں سکتی تھی۔

"بے بے نے تجھے کہا ہے۔" وہ دھیرے سے نند سے مخاطب ہوئی۔

"تو کیا ہوا۔ ہم میں سے کوئی بھی چلا جائے۔ بے بے نے میرے اوپر ٹھپہ تو نہیں لگا دیا۔" لاڈو ... سے پلو کھینچا۔

"ٹھہر میں بات کرتی ہوں۔" پھر وہ بے بے کے پاس برآمدے میں چلی آئی۔ برکتے مرغی اور اس ... جمع کر کے سوکھی روٹی کا چورا بنا کر ڈال رہی تھی۔

"بے بے! مجھے ماسی نوراں کے ہاں سپارہ پڑھنے جانا ہے۔ پیشی (ظہر) ہونے والی ہے۔ بھابھو میرا ... لے جائے گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ پر سن۔ سپارہ پڑھ کر سیدھا گھر آنا 'ادھر سہیلیوں میں جڑ کے نہ بیٹھ جانا ... دھونے والا ہے۔ کل ساتھ والے پنڈ میں فوتگی پر جانا ہے۔ تیرے باپ کے پرانے جاننے والوں ...

"... برکتے نے نصیحت کی۔

... "لاڈو فوراً" اڑنچھو ہوگئی۔ رانو کو "خوش خبری" سنا کر۔ اسے مقبولاں ماسی کی رجو کے ساتھ بارہ ... رجو دوپہر کا کھانا بنا کر فراغت سے اپنے گھر کے سامنے لگے پیپل کی چھاؤں میں اس کی منتظر ... کھیلتا تھی۔

... رانو پانچ دن سے نیم مردہ پڑی بن بلائی "مہمان" کے پاس آکر سر منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے جسم کی حرارت ... چنگیر تھام کر دوسرے ہاتھ میں لسی کا ڈول اٹھاتے ہوئے اک نئی ترنگ سے گھر سے ... برابر کردی۔

... کون سا دور تھے۔ گاؤں کے اطراف ہی میں تو تھے۔ دو چار منٹ بعد وہ مونجھی (چاول) کی فصل میں ... امیر دین کے سامنے تھی۔

... "یہ چاند کہاں سے چڑھ گیا۔" اپنی نوخیز دلہن کو دیکھتے ہی امیر دین کی آنکھوں میں نشہ اتر آیا۔ مسکرا کر چنگیر اور ڈول گھاس بھری پگڈنڈی پر رکھتے ہوئے اس کے پاس بیٹھ گئی۔

... "میں نے سوچا آج میں روٹی لے جاؤں۔" اس نے کلائی کی چوڑیوں سے ساز چھیڑا۔

... اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی۔ میری تو ساری تھکن اتر گئی۔" امیر دین نے بے قرار نظروں سے کھیتوں ... نظر دوڑائی۔ سردیوں کی خوشگوار دھوپ چمک رہی تھی۔ کوئی ذی روح نظر نہ آیا تو وہ لپک کر دلہن کے ... آگیا۔

"... نہوں۔ کیا کرتے ہو۔ کوئی آجائے گا۔ ابا بھی ادھر ہی آرہا تھا۔" رانو نے گھبرا کر دور ہونے کی ناکام کوشش کی۔

"... بے کا تو اچھی طرح مزاج پہچانتی ہے۔ دو قدم نہیں چلتا کہ کوئی یار بیلی ٹکر جاتا ہے۔ بس شروع ہوگئے باتوں ... صبح سے شام ہو جائے کھڑے کھڑے۔ وہ اتنی جلدی کہاں آنے لگا۔"

... رانو نے اس کے شانے پر سر ٹکاتے ہوئے مخاطب کیا۔

"... وہ زنانی کون ہے۔ جو چار پانچ دن سے آنکھ بند کیے بے ہوش پڑی ہے۔ کیا اس سے پہلے ابا نے اسے ایس پی باؤ ... دکھا ہے۔؟" رانو اپنے فطری تجسس کو زبان دیے بغیر نہ رہ سکی۔

"نہیں۔ ایس پی باؤ تو خود بھی سال دو سال بعد بھولے بھٹکے ادھر کا چکر لگاتا ہے۔"

"تو پھر وہ زنانی کہاں سے آگئی۔"

"... کیا خبر ہے۔" امیر دین نے جواب دیا۔

"مجھے اس غریب پر بڑا ترس آتا ہے۔ بڑی دکھی لگتی ہے بلکہ سچ پوچھ تو مجھے وہ جانور سے زیادہ کسی انسان کے ظلم ... دکھائی دیتی ہے۔" رانو سچ مچ اس مظلوم عورت سے انسیت محسوس کر رہی تھی۔ جتنی بار اسے ... اداس ہو جاتی تھی۔

"... کوئی تو ہوگا اس کے آگے پیچھے۔ بلکہ ہونا چاہیے۔" اس نے کھوئے ہوئے سے انداز میں امیر دین کی ... دیکھا۔

"... اگر کوئی ہوتا تو اب تک خیر خبر لینے ادھر آچکا ہوتا۔" امیر دین نے اپنا خیال پیش کیا۔ پھر وہ مزید بولا۔

"... ہو سکتا ہے اس نے کسی کے خوف سے بھاگ کر یہاں پناہ لی ہو۔ اللہ کرے جلدی سے اپنے ہوش میں لوٹ ... معاملہ کھلے۔ ایسا نہ ہو کل کلاں کو کوئی مصیبت کھڑی ہو جائے۔" امیر دین بھی فکر مند تھا۔

"... لگتا ہے آج کوئی یار نہیں ملا راہ میں۔" دور پگڈنڈی پر نمودار ہونے والے ہیولے کو دیکھتے ہی رانو اپنا آپ سنبھالتی اٹھنے لگی۔

... کیف آور ہنسی ہنستے ہوئے دوپٹہ دانتوں میں لیتی پرے ہوگئی۔ ... " امیر دین نے آہ بھری اور جیسے بڑی کڑوی گولی نگلتے ہوئے کہا۔ رانو ...

◆◆◆

ہاٹ شاٹ کلب کے تینوں فلورز پر حسب معمول زندگی کی رونقیں عروج پر تھیں۔ تیرا فلور
بڑے پیمانے کے دیگر فنکشنز کے لئے مخصوص تھا۔ سب سے نچلا فلور جم خانہ' ایکسر سائز روم' سونا
اور دیگر جدید ترین کھیل و تفریح کے لوازمات سے آراستہ تھا۔ درمیانے فلور پر ریسٹورنٹ اور
بیں شیشے کے درودیوار سے مزین ایک جدید ترین کیفے بار بھی تھا جہاں عموماً غیر ملکی اور امراء
نظر آتی تھی۔ مہران سرمئی شرٹ اور سیاہ جینز میں سیاہ گاگلز ماتھے پر ٹکائے ابھی ابھی جم خانے سے
تھا۔ اس کی متلاشی و متجسس نظریں ہال کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

بظاہر وہ ٹیبل منتخب کرکے آرام سے بیٹھ چکا تھا۔ مگر نظریں ہنوز ادھر ادھر تھیں۔ اور پھر
ہوئی۔

لیلیٰ شاہ کسی امریکی ادھیڑ عمر مرد کے ساتھ بیٹھی نظر آگئی تھی۔ وہ نیلے ٹراؤزر' سفید ہائی نیک جرسی
میں ملبوس خاصی پرکشش لگ رہی تھی۔ شانوں پر بکھرے سیاہ تراشیدہ بال اک ادا سے آگے پیچھے
چیز لگتی تھی۔ موبائل بائیں ہاتھ میں تھا۔ دائیں ہاتھ میں بھاپ اڑاتی کافی کا کپ تھا۔ مہران نے
لیا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ اس کی میز کی طرف چلا آیا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی لیلیٰ شاہ کو در خور اعتنا نہیں
نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ مگر اب مجبوری تھی۔

لیلیٰ شاہ کے گہری سرخ لپ اسٹک سے چمکتے گہرے ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ امریکی
دریں اثناء اٹھ کر چلا گیا تھا۔

"پتا کرنا چاہیے آج سورج کدھر سے نکلا تھا۔ آج آسمانوں پر بسیرا کرنے والے خاکساروں کے
آئے ہیں۔" اس کے چہچہاتے ہوئے لطیف استہزا کو مہران نے بمشکل برداشت کیا تھا۔ وہ بڑے ضبط
معاملہ آگے بڑھانا چاہتا تھا۔

"کیسے مزاج ہیں مس لیلیٰ۔"

"اس سے بڑھ کر بدنصیبی کیا ہوگی کہ ابھی تک "مس" ہی ہیں۔ مسز نہیں بن سکے۔ خصوصاً
جب کہ آپ بھی کسی کو مسز بنا چلے ہیں۔" وہ برجستگی سے گویا ہوئی۔

شیشے کی دیواروں پر مشتمل ہال کی چھت گویا چھناکے سے مہران پر آن گری تھی۔ واضح طور پر وہ
"جانتی ہیں' آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" پیشانی پر چمکتا پسینہ رومال سے صاف کرتے ہوئے وہ بظاہر
میں مخاطب ہوا اندر اعصاب شکن جنگ برپا ہو چکی تھی۔

اس کو کیسے خبر ہوئی۔ تو کیا واقعی یہ شادی دونوں کے خفیہ پلان کا حصہ تھی' ارشین نے جو کچھ کیا
ہدایت و رفاقت کے سبب کیا۔؟ ایک سوچی سمجھی ترکیب کے عین مطابق مہران کے جسم میں
لگیں۔ خون میں جیسے انگارے بھر گئے تھے۔

"فکر نہ کریں۔ جیسے یہ راز آپ کے سینے میں دفن ہے اسی طرح ہمارے دل میں بھی حفاظت
ہو جائے گا۔ بے اعتباری کیوں دکھاتے ہیں صاحب۔ ہم تو پہلے بھی بارہا عرض کر چکے ہیں کہ ایک بار
بڑھائیے۔ وعدہ رہا عمر بھر دست تعاون پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔ ہم تو آپ کے پرانے شناساؤں میں
سچ پوچھیں تو یہ عمل کا رد عمل ہے محض۔ آپ کو بھی تو کچھ عرصے سے ہماری بہت فکر ہو رہی تھی۔
نازک سی ایس آئی کو ہمارے پیچھے دوڑا کر۔ ہمیں حکم دیا ہوتا خود اپنی سرگرمیوں کی رپورٹ لے کر آپ
پیش ہو جاتے۔"

لیلیٰ شاہ کا مسکراتا ہوا مطمئن و بشاش لب و لہجہ مہران کے اعصاب پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ پھر اس
سانس لی۔ اس جیسی چالاک' مکار اور ذہین و ہوشیار عورت سے کیا بعید تھا۔

"کیسی ہیں ہماری مصورہ صاحبہ!" وہ جیسے بڑی اپنائیت سے ارشین کا پوچھ رہی تھی۔ مہران کا خون
"آپ کس حد تک ارشین کو جانتی ہیں؟" لہجہ بھنچا ہوا تھا۔

"ایک دوسرے کو جان سکتے ہیں۔"

بس حد تک رازدار و وفادار دوست ایک دوسرے کو جان سکتے ہیں۔ مہران کے اندر جیسے کوئی آتش فشاں پھٹنے کو تھا۔ لیلیٰ شاہ کی باخبری اور
لیلیٰ شاہ نے بڑی بے پروائی سے پتا پھینکا۔ مہران کے اندر جیسے کوئی آتش فشاں پھٹنے کو تھا۔
بے تکلفانہ شناسائی اس بات کا بین ثبوت تھی کہ وہ پوری طرح لیلیٰ شاہ کے مکروہ دھندوں
کی ذات سے
ثبوت تھی۔

دیکھیے اب تو آپ سے رشتے داری نکل آئی ہے۔ اصولاً تو آپ کو ہمارے ساتھ رعایت بخشنا چاہیے۔
سادہ لباس والوں کو ناحق مشقت پر لگا رکھا ہے۔ کم از کم وہ پھولوں کی ملکہ' حسن کی وہ شہزادی کیا بھلا سا نام
کچھ بچتی۔ نہیں ہے' ہمارے پیچھے خوار ہوتی ہوئی۔"

مہران کا ذہن کہیں دور فراٹے بھر رہا تھا۔ لیلیٰ شاہ کے پاس اس کی نجی زندگی کا اتنا اہم راز آنا خطرے کی گھنٹی تھا
فی الفور واپس لوٹ جانے کا ارادہ باندھ لیا۔

◆◆◆

طے ہو چکی تھی۔ ٹھیک بیس دن بعد اسے پیا دیس سدھار جانا تھا۔ سرخوشی و مستی جیسے لہرا لہرا مبرین کا وجود
اسے اپنے حواسوں پر یقین نہیں آیا تھا۔
کیا واقعی منزل مراد قریب ہے؟"
آرزوؤں کے نشاط انگیز لمحات دریچہ زندگی میں در آنے کو ہیں۔ ارشین کے ہاتھوں مسخر ہونے والے قلعے پر
کے بام کا پرچم لہرانے کو ہے۔
فاتح بننے والی ہے۔

احساس و ادراک ایسا نشہ آور تھا کہ گھر کی پابند و محکوم فضا کی گرمی نسیم بہاراں لگنے لگی۔
اسی فضا میں بھی اس کے گالوں اور پیشانی پر اگنے والے ستاروں کو بجھا نہ پائیں۔ وہ خوش رہنے لگی۔ ناسازگار
سے بے خبر بس اپنے خوابوں کی حسین دنیا میں گم۔
کیا ہو رہا ہے۔؟ بابا جان کی پہرے داریاں اور بی بی جان کی سختیاں کتنی شدت اختیار کر چکی ہیں؟ اسے
واسطہ نہ رہا تھا۔

بس چند روز اور ہیں کٹھنائیوں کے۔ پھر اس محبوس و مقید کیفیت سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پالوں گی۔" وہ جیسے
حوصلہ دیتی۔

کی توقع اور خدشات کے عین مطابق ارشین کی رخصتی کے اگلے روز سے اسے کالج جانے سے روک دیا
شاہین کو ویسے ہی میٹرک کے پیپرز کی تیاری کے لیے اسکول سے چھٹیاں ہو چکی تھیں۔
بہت پڑھ لیا بی بی! بڑی نے کیا کم آسمان پر تارے جڑے ہیں جو تمہاری کسر رہ گئی ہے۔" بی بی جان نے
جواب دے دیا تھا۔ گھر سے باہر نکلنے پر بھی مکمل پابندی عائد کردی گئی تھی۔ پہلے بھی کون سا کھلے عام
تھی مگر اتنا ضرور تھا کہ ضرورت کی چیزیں' کپڑا جوتا اور دیگر ذاتی اشیاء خریدنے کے لیے ارشین بی بی
کے تیوروں کی پروانہ کرتے ہوئے بہنوں کو ہمراہ بازار لے جاتی تھی سو اب وہ چھوٹ بھی گئی۔
خریدنا ہو کاغذ پر لکھ کر عدنان کو دے دو۔" بابا جان نے آرڈر جاری کیا تھا۔ شاہین جی بھر کر کڑھی تھی۔
لڑکیوں کی ضرورت کی سو چیزیں ہوتی ہیں۔ اب ہر شے تو مردوں سے نہیں منگوائی جا سکتی۔ پھر پہننے اوڑھنے
کی اشیاء بندہ اپنے ناپ اور پسند سے خریدتا ہے۔" پھر اس کے لبوں سے سرد آہ نکلی تھی۔
آپی ہوتی تھیں تو کتنی سہولت رہتی تھی۔ بن کہے ضرورت اور فرمائش کی چیز حاضر کر دیتی تھیں۔ ان
کا ہونا بہت اچھا تھا۔"
مبرین دانستہ چپ رہی تاہم دل میں بات کا وزن محسوس کیے بنا نہ رہ سکی تھی۔ جدید اسٹائل کے سوٹ' نئے
جیولری' میک اپ کی نفیس کولیکشن اور دیگر آرائشی چیزیں ارشین فراخدلی سے بہنوں کی نذر کر دیتی تھی۔
ان کے لیے خریدتی تھی اور انہیں استعمال کرتے دیکھ کر خوش ہوتی تھی۔ اس کا دل گہرا سمندر تھا گویا۔

موسم، تقریب اور موقع محل کے حساب سے وہ ان کی ڈریسنگ وغیرہ کا بھرپور خیال رکھتی تھی۔

اس کے جانے کے بعد بی بی جان نے میک اپ وغیرہ کا سارا سامان اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔

"لڑکیاں ہار سنگھار کرتی اچھی نہیں لگتیں۔" یوں بھی اب سنسر شپ کی پالیسی سخت ہو گئی تھی۔ ذرا ایک کلپ لگانے پر بھی فرد جرم عائد ہونے کا خطرہ رہتا تھا۔

امبرین نے پرسوں یونہی بے دھیانی میں کاجل آنکھوں میں لگایا تو بی بی جان نے فوراً "صاف کروا دیا۔

"تمہارے باپ نے دیکھ لیا تو ہڈی پسلی ایک کر دے گا۔"

"اری کم بخت کیا لوٹھا سی سینہ تانے پھر رہی ہے۔ ڈھنگ سے دوپٹہ سر پر ڈال۔ یہ گلے میں ڈالنے کا نہیں ہوتا۔ خبر نہیں بھائی سامنے ہے۔"

شاہین شانوں پر دوپٹہ ڈالے اپنے مخصوص انداز میں لاؤنج میں آئی تھی کہ بی بی جان کی پھٹکار لیے۔

"وہ بھائی ہی تو ہے بی بی جان۔ اور پھر میں اپنے گھر میں ہوں۔" شاہین منمنائی۔

"بھائی ہے تو کیا بے حیائی سے اس کے سامنے پڑتے ہیں۔" انہوں نے دانت پیس کر اس کی طرف۔ "ان ہی "فیشنوں" نے بڑی کو تباہ کیا تھا۔ کیا تم نے بھی اس کی راہ پہ چلنا ہے۔؟"

"بی بی جان۔ مجھ سے نہیں لائی جاتیں یہ الٹی سیدھی چیزیں۔ ان کا نوکر نہیں ہوں۔"

سدا کا غیر ذمہ دارانہ فطرت رکھنے والا عدنان گھریلو کاموں کی بجا آوری سے صاف کنی کترا گیا تھا۔ بی بی جان نے سودا سلف لانے کی ذمہ داری اس پر ڈالی تھی اس کے مزاج آسمان پر جا پہنچے تھے۔ پہلے یہ معاملات ارشین کے سپرد ہوا کرتے تھے۔ سو ہر کوئی بے فکر تھا۔ اب بابا جان کے آرڈیننس کے مطابق گھر چلانے کی ذمہ داری براہ راست بی بی جان اور عدنان کے کندھوں پر آ پڑی تھی۔ لڑکیوں کو دروازے سے باہر جھانکنے کی ابھی اجازت نہیں تھی۔ "جا مرا بچہ۔ میرا چاند۔" بی بی جان عدنان کو پچکار رہی تھیں۔ اور وہ بیزاری و نخوت سے پاؤں پٹختا۔ ارشین آپی ہوتی تھیں تو ماحول کتنا کھلا کھلا اور ہلکا پھلکا لگتا تھا۔ کتنا آسرا تھا ان کا۔

گزرا ہوا ایک ایک لمحہ شاہین کو آپی کی یاد دلاتا تھا۔

ثمرین بھی اداس تھی۔ دادا دادی کا تو اس بن دل ہی نہ لگا تھا یہاں۔ وہ اس کی رخصتی کے تیسرے دن اپنا سامان اٹھا کر لیے گاؤں واپس چلے گئے تھے۔

"امبر کی شادی سے ایک ہفتہ پہلے آجائیں گے۔ ابھی کچھ روز گاؤں میں گزارنے کو جی چاہتا ہے۔" انہوں نے جواز پیش کیا تھا۔

عدنان لاکھ لاپروا اور کھلنڈرا سہی تاہم وہ بھی بڑی بہن کی گھر سے تکلیف دہ دربدری پر افسردہ تھا۔

فقط بی بی جان، بابا جان اور امبرین کے چہرے اس معاملے میں سمندر کی طرف خاموش اور منجمد تھے۔ جانے ان کے دلوں میں کیسا جوار بھاٹا مچل رہا تھا۔ "اوپر" سے تو سکوت تھا "اندر" کے تلاطم کی کیا صورت تھی۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

◆◆◆

یوں ایک اجنبی علاقے میں زخمی حالت میں یکہ و تنہا اور بے آسرا چھوڑ آنے کا فیصلہ غیر دانشمندانہ تھا۔ وہ جان سے چلی گئی تو جرم کا پھندا اس کے گلے میں بھی فٹ ہو سکتا تھا۔ وہ پولیس میں تھا۔ اقدام قتل اور قتل ناحق کی تمام شقوں سے واقف تھا۔ یوں بھی مرنے والے کے ورثاء کی گردن پہلے پھنستی ہے۔ وہ شبہے کی زد میں آتے ہیں۔ تفتیش و تحقیق تو بعد کی باتیں ہیں۔

اس نے غیر ارادی طور پر کار کی رفتار بڑھا دی۔ راستے میں بار بار مال مویشی آگئیں۔ بھینسیں اور بکریاں آجاتی تھیں۔ ان کے پیچھے دس بارہ سال کے لڑکے لڑکیاں تھے۔ گاؤں والے مویشیوں کو پانی پلانے اور ستانے کے لیے دن میں دو وقت ندی پر لے کے جاتے تھے۔ پانی پینے کے بعد مویشی نہر کے کنارے ... چرنے لگتے اور ان کی نگرانی کرنے والے بچے ندی کے کنارے بے فکری سے کھیل میں مشغول ہو جاتے۔ یہ ندی چناب اور جہلم کے ملے جلے پانیوں کو سمیٹ کر ہمراہ لاتی تھی۔ آج کل سردیاں تھیں ورنہ بچے کپڑوں کا جوڑا دبا کر ندی پر آجایا کرتے تھے۔ سارا سارا دن اپنے مویشیوں کے ہمراہ پانی میں گھسے کلیلیں کرتے۔ ان کی مائیں اور دیگر عورتیں دھونے والے کپڑوں کی گانٹھ باندھے دوپہر کے لیے روٹی اور اچار توشہ دان میں ڈال کر ندی کنارے ڈیرے ڈال لیتی تھیں۔ کپڑے، بچے اور مال ڈنگر بھی دھلتے رہتے اور گپ شپ بھی چلتی رہتی۔ ان کے مرد کھیتوں سے فارغ ہو کر حقے بازو کے گھیرے میں لیے ندی کے اطراف میں لگے درخت کی چھاؤں میں آ بیٹھتے۔

ایک عجب پر رونق سا میلہ لگ جاتا تھا گویا۔

مہران نے آس پاس کی فصلوں پر نگاہ دوڑائی۔ چاول کاٹے جا چکے تھے بس اکا دکا کھیت رہ گئے تھے۔ اب زمین کو گندم بونے کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ گنے کی فصل پک کر تیار تھی۔ ایک کسان اپنی بھینسوں کے لیے چارہ کاٹ کر گٹھے میں لا رہا تھا۔ اس کا آٹھ دس سالہ بچہ کھیت کی باڑ پر بیٹھا گنا چوس رہا تھا۔ مہران نے منشی کے کہنے پر پچھلے سال اپنے کھیتوں میں ٹیوب ویل لگوایا تھا۔ جو اس وقت چل رہا تھا، لوہے کے موٹے قطر کے پائپ سے پانی کی زوردار دھار نکل کر سیمنٹ کے پانچ فٹ گہرے حوض میں گر رہی تھی۔ حوض کی ایک دیوار میں چوڑا شگاف تھا جہاں سے مٹی کے نالے کے ذریعے پانی فصلوں تک پہنچتا تھا۔

گاڑی گھر کے آگے بند کر کے اس نے اونچی دہلیز پھلانگی اور اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ خالی کمرہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ گرد آلود فرش پر سوکھے خون کے سیاہی مائل دھبے دیکھ کر اس کی پیشانی پر تشویش کی لکیریں کھینچ گئی۔

اس نے اطراف میں نظر دوڑائی۔ ارشین کا درمیانے سائز کا بیگ اسی طرح کھاٹ پر رکھا ہوا تھا۔

مہران نے آگے بڑھ کر اسے کھولا۔ دو کاٹن کے سوٹ اور ایک جوڑا جوتوں کا۔

وہ کچھ سوچتا ہوا بند مٹھی سے ہلکے ہلکے پیشانی کو ٹھوکے دیتا باہر آگیا۔ صحن میں اونچی اونچی جنگلی گھاس چڑھی ہوئی تھی۔ "کہاں جا سکتی ہے۔؟" قدرتی طور پر فکر سوار ہو گئی۔

"سلام باؤ جی۔ باہر گڈی کھڑی دیکھ کر میں اندر آگیا۔ مجھے پتا تھا پوچھ تاچھ کے لیے آپ کو بندے کی ضرورت ہوگی۔ آپ کی زنانی کو تو نہیں ڈھونڈ رہے جی۔"

ملگجی دھوتی اور میلے سے کرتے میں ملبوس پگڑی سر پر اٹکائے مضبوط جسامت کا بوڑھا لال دین لشتم پشتم پیچھے سے نمودار ہوا تھا۔ مہران نے اس کی طرف رخ پھیر کر حیران نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

"ہاں۔ کیا تمہیں اس کے متعلق خبر ہے لال دین؟" آواز میں تحکم در آیا۔

"ہاں جی۔ وہ میرے ہی گھر پر ہے۔ پر بڑے برے حالوں میں ہے باؤ جی۔ اس کے زخم خراب ہونے لگے ہیں۔ تپ سے بدن تنور بنا ہوا ہے۔ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی۔ برکتے اور بچیوں کی جان پر بنی ہوئی ہے جی۔ خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو ذمہ داری تو ہم پر ہی آئے گی جی۔ آپ میرے ساتھ آکر دیکھ لو باؤ جی۔" لال دین پھولے سانسوں اور بے اوسان لہجے میں ساری رپورٹ پیش کر رہا تھا۔ جیسے جلد از جلد بری الذمہ ہونے کا چارہ کر رہا ہو۔

مہران گہری سانس لے کر اس کے ہمراہ چل پڑا۔ لال دین کا کوٹھا اس کے مکان سے زیادہ دور نہیں تھا۔

"ہائے میں مر جاواں۔ نی بھاہو دیکھ تو کیسا سوہنا چندور گا شہری بابو آیا ہے ابے کے ساتھ۔" لاڈو ڈیوڑھی سے ... میں جاتے مہران کو دیکھ کر سرگوشیانہ رانو سے مخاطب ہوئی تھی۔ وہ دونوں رسوئی میں ... لاڈو نے رسوئی کی کھلی کھڑکی سے یہ منظر ملاحظہ کیا تھا۔

"... چینی والی اچھی سی چاء بنا لے۔ لاڈو تو گلی میں کھیلتے لطیف کو آواز دے۔" برکتے اپنے دوپٹے کے پلو میں ... گانٹھ کھولتے ہوئے اندر آئی تھی۔ گانٹھ کھلنے کے بعد اندر سے دس روپے کا تڑا مڑا نوٹ برآمد ہوا۔

"کیا ہے بے بے۔" آٹھ نو سالہ طیفا بادل نخواستہ کھیل چھوڑ کر اندر آیا تھا۔
"جا جا کے نکو کی ہٹی۔ (دوکان) سے بسکٹ لے آیا اور دیکھ راستے میں نہ کچر کچر چبا جانا۔" برکتے نے حفاظت سے نوٹ طیفے کو تھما کر کڑے تیوریوں سمیت تاکید کی۔ بچہ جھپاک سے باہر نکل گیا۔
"کیا یہ ایس پی باؤ ہے بے بے۔" لاڈو نے اشتیاق سے دریافت کیا۔
"ہاں۔ اور دیکھ پڑچھتی (کارنس) سے چینی کے کپ سنبھال کے اتارنا۔ تیرے ہاتھوں میں ہروقت ... رہتی ہے۔"
برکتے نصیحت کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اس کا رخ کمرے کی طرف تھا جہاں مہران کھیس اور رضائی ... کی دہلیز پر دستک دیتی ارشمین کے پاس کھڑا اسے گھور رہا تھا۔
برکتے نے اس کے جسم سے لہو پونچھنے کے بعد اپنا سوٹ پہنا دیا تھا۔ اڑے رنگ اور بھدے پرنٹ کا سفید اور نیلی ڈبیوں والا ڈھیلا ڈھالا لباس' بازوؤں پر ہلدی' تیل اور عجیب و غریب جڑی بوٹیوں کا زرد لیپ۔ ایک دم سفید بے جان چہرہ' نیل پڑا تپتا ہوا انگارہ بدن۔
اس کی حالت دیکھ کر وہ سناٹے میں آ گیا۔
بے اختیار جھرجھری سی لے کر جھکا اور تکیے پر دھرا نرم ہاتھ تھام کر نبض ٹٹولنے لگا۔ ہاتھ بخار کی وجہ سے بری طرح دہک رہا تھا۔
"یہ جی۔ آپ کی جاننے والی ہے کوئی۔؟" برکتے نے ہچکچا کر مہران کی صورت دیکھی۔
"ہاں۔" وہ گہری سانس لے کر سیدھا ہو گیا۔ "رشتہ دار سمجھ لو۔ یہیں رہیں گی اب تم لوگوں کے ... زخم کیسے آئے۔ تم لوگوں کو کیسے پتا چلا اس کے متعلق۔"
وہ میاں بیوی کی حیرت و بے یقینی سے پھیلتی آنکھوں کے سوال نظرانداز کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔ جواب میں لال دین نے تفصیل سنا دی۔
"اسے شہر کے اسپتال لے جانا ہو گا۔" اس کے زخموں کا جائزہ لیتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔ پھر اپنی ایف ایکس کسی طرح تنگ گلی سے گزار کر لال دین کے دروازے پر لے آیا۔
کھیس ہٹا کر ارشمین کا بے ہوش وجود بازوؤں میں اٹھاتے ہوئے وہ جھجک سا گیا۔ پہلی بار کسی جوان عورت کو چھوا تھا۔ یہ لمس اس کے لیے قطعی اجنبی تھا۔ اس کے ہاتھوں میں عجیب سی جھنجھناہٹ ہونے لگی۔ کار کی پچھلی سیٹ تک پہنچانے کا مرحلہ جیسے پہاڑ سر کرنے سے بھی زیادہ کٹھن اور تکلیف دہ ہو گیا۔
لال دین نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا۔ مہران نے جیسے تیسے اسے تھام کر لرزتے ہاتھوں سے بٹھایا اور لٹا کر کھیس ڈالنے کے بعد لمبی لمبی سانسیں لینے لگا یوں جیسے کسی بھاری بوجھ سے نجات پائی ہو۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے لال دین اور برکتے کا شکریہ ادا کیا اور پھر گاڑی کا رخ نارووال شہر کی طرف موڑ دیا۔

◆◆◆

میں تیری تلاش میں نکلا تھا
اور کہاں کہاں نہیں بھٹکا تھا
مت پوچھ کہ کیا میرا حال کیا
تیرے عشق نے مالا مال کیا
تیرے عشق نے

وہ اس وقت زیرو پوائنٹ کے چوک پر امن کی فاختہ کی تصویر والے قد آدم بورڈ کے قریب کھڑا تھا۔ آگے چھوٹے بڑے سرمئی چٹان کے پتھروں سے ایک پہاڑی ڈھلان بنا کر اس پر مصنوعی آبشار گرائی گئی تھی۔ ڈی اے والوں نے بلاشبہ اس منظر کو قدرتی رنگ دینے اور ماحول کی خوبصورتی بڑھانے کے لیے ...

... پہاڑی کی چوٹی سے گرتا پانی زیر زمین پتھریلے راستوں سے گزر کر نالے کی شکل میں بہتا آگے چلا جاتا تھا۔ ... نیلے پینٹ والے سائن بورڈ پر ٹیکسلا کی طرف جانے والی سڑک کی نشاندہی کی گئی تھی۔
... سڑک کے کنارے بنے فٹ پاتھ پر بیٹھتے ہوئے تھکی تھکی نظریں اطراف میں دوڑائیں۔
... کسی پولیس والے کی نظر میں نہیں آیا تھا ورنہ کانسٹیبل اسے چوک میں یوں بے خبر کھڑے دیکھ کر ... مٹانے کے لیے ضرور اس کی طرف بڑھتا۔ اسلام آباد کی کشادہ شاہراہوں پر جہاں جدید ترین کاروں' ... اور سرکاری ویگنوں کا خاموش اژدھام امڈا رہتا تھا پبلک رش یہاں نہ ہونے کے برابر تھا۔ ہر کام جیسے مشینی ... تیز رفتاری سے ہوتا تھا۔ اہم عہدوں پر فائز مصروف شخصیات کے پاس اتنا فالتو وقت ہرگز نہیں تھا کہ ... سرسبز و شاداب اور فطری حسن سے مالا مال نفیس و جدید شہر کے چپے چپے پر بکھری رعنائی کو رک کر نظروں میں ... کی چاہ کرتے۔
... بھی خوبصورتی لوٹنے تھوڑی آیا تھا۔
... دنوں سے اسلام آباد اور پنڈی کی سڑکیں ناپ رہا تھا۔ ہر سیکٹر' ہر گلی محلے کا چکر کاٹا تھا' ہر راستے پر ٹھہر کر ... بھی۔ پاؤں تھک گئے۔ حوصلوں کے بادبان ٹوٹنے لگے' بدن تھکان سے تڑخنے لگا مگر دل کی بے قراریوں ... شنوائی نہیں پائی تھی۔
"کہاں ڈھونڈوں تمہیں۔ کس پاتال میں کھو گئی ہو۔" وہ سلگتے اعصاب لیے دل گرفتگی سے سوچ رہا تھا۔
... اور ٹرانسفر آرڈر کے ساتھ ہی اسے دس دن کی چھٹی مل گئی تھی۔ چھٹی آرام کرنے کے لیے ملی تھی۔ ... اس کی روح کو آرام کہاں تھا۔ وہ ایک دن بھی ٹک کر گھر نہیں بیٹھا۔ کتنے ہی بے مقصد چکر ایس پی مہران ... لگا لیے تھے۔ شاید کسی جھروکے سے' کسی کھڑکی سے اس کا چہرہ دکھائی دے جائے۔ اس کی امیدیں ... ہو جاتیں۔ آرزوئیں گلی گلی کی خاک چھاننے پر مجبور کرتیں۔ بے چینیاں ست پڑتے قدموں کو مہمیز ... نازو ملتان سے واپس آئی تھی۔ یہاں کی روداد سن کر وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔
"جو ہوا سو ہوا۔ تم اس کی ہم عمر ہو۔ بہن ہی نہیں ہم راز بھی ہو۔ کچھ سمجھاؤ اسے۔ مجھے اس کے تیوروں سے ... دہشت ہوتی ہے نازو۔" رقیہ بیگم سعد کی روش پر سخت پریشان تھیں۔ کھانا پینا' سونا جاگنا' ہنسنا بولنا' وہ تو جیسے ہر ... فراموش کر بیٹھا تھا۔
"... سودائی بنے بیٹھے نہیں ہو سعدی! کچھ شرم کرو۔ جس کے عشق میں خوار پھر رہے ہو' وہ اپنے گھر کی ہوئی ... بہن تمہارے نکاح میں آنے والی ہے۔ ذرا سوچو اب اس سے تمہارا کیا رشتہ بنتا ہے۔" نازو نے ... اسے لتاڑا تھا۔ معاملے کی نزاکت کا احساس دلایا تھا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ بے حرکت بیٹھا رہا۔
"... فلموں کہانیوں میں ہی اچھے لگتے ہیں۔ تم کوئی بچے نہیں ہو۔ سمجھدار اور باشعور مرد ہو۔ عقل کا ... دل کی کھڑکی پر قفل چڑھا دو۔"
"... اس کا ویران۔ دل پھر تا ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ وہ جواباً" خاموشی سے گھر سے باہر نکل آیا تھا۔
"... اس وقت خود اپنے بس میں نہیں ہوں نازو۔ اپنی ذات پر اختیار تو کب کا اٹھ چکا۔ جس نے اسیر کیا ہے وہ ... اپنی ہمراہ لے گئی ہے۔ اب کوئی جذبوں کی کتنی ہی چابیاں آزمالے یہ قفل نہیں کھلنے والا۔"
... الجھتا گردن موڑ کر زیرو پوائنٹ والی ڈبل روڈ کے بیچ ایک لائن میں ایستادہ الیکٹرک پولز پر ... سلک کے آرائشی پٹڑوں کو دیکھنے لگا جو ہوا کے جھونکوں سے جھنڈیوں کی طرح اڑ رہے تھے۔ ... شام کے سائے اترنے لگے۔ لامحالہ وہ واپسی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔
... دیر تک وہ بے خیالی میں فٹ پاتھ پر پیدل چلتا رہا۔
"... سواری۔ بھائی جی ایک سواری۔ چلو گے۔ او بھائی صاحب۔" زرد رنگ کی ٹیوٹا ہائی ایس کا کنڈیکٹر جیسے ... چیختا تھا۔
... بیٹھ گیا۔ گاڑی کشادہ سڑک پر ہموار اسپیڈ سے دوڑنے لگی۔ ڈرائیور غالباً" شوقین مزاج

آدمی دکھائی دیتا تھا۔ اس نے ٹیپ ریکارڈ آن کر رکھا تھا۔

تمہارے شہر کا موسم بہت سہانا لگے
میں ایک شام چرا لوں اگر برا نہ لگے
جو ڈوبتا ہو تو اتنے سکون سے ڈوبو
کہ آس پاس کی لہروں کو بھی پتا نہ لگے

سعد کی چٹختی سماعتوں پر نغمگی کی شبنم سی برسنے لگی۔ تپتے اعصاب پر ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ انہماک سے گانے کے بولوں پر کان لگا دیئے۔

کچھ اس ادا سے میرے ساتھ بے وفائی کر
کہ تیرے بعد مجھے کوئی بے وفا نہ لگے
ہمارے پیار سے جلنے لگی ہے اک دنیا
دعا کرو کسی دشمن کی بد دعا نہ لگے

دنیا تو کیا جلتی اس کی اپنی آنکھیں جلنے لگیں۔ ایک پرسوز سی کیفیت اسے اپنے حصار میں باندھ رہی تھی۔

تمہارے بس میں اگر ہو تو بھول جاؤ ہمیں
تمہیں بھلانے میں شاید ہمیں زمانہ لگے

وہ بے اختیار اس شعر پر پھڑک کر رہ گیا۔ دل ہی دل میں بار بار دہرایا۔ زمانہ کیا صدیاں بھی لگ جائیں تو ہوگا۔ اس نے سوچا۔ شاعر نے بھی جانے کس عالم میں بول لکھے ہوں گے۔ شاید میری طرح۔ خود سے ... کی اذیت میں پگھلتے سلگتے دل و دماغ کے ساتھ۔
اس کی سوچیں بری طرح ایک دوسرے سے الجھ رہی تھیں۔ بے ربط، بے معنی اور ٹوٹی پھوٹی شکستہ ... دس دن کی چھٹی گزارنے کے بعد وہ یونٹ روانہ ہو گیا۔
"ایک ہفتہ رہ گیا ہے شادی کو۔ تم چھٹیاں بڑھا لو۔" رقیہ بیگم اور نازو نے احتجاج کیا تھا۔
"جا کر صورت حال تو ملاحظہ کرنے دیں۔ آجاؤں گا سی او سے بات کر کے۔" وہ چڑ کر بیزار انداز میں ... اس کے ساتھ کیپٹن احسان کی بھی پروموشن اور ٹرانسفر ہوئی تھی۔ دوستوں سے بات ہوئی اطلاع ... نارووال کے قریب کے بارڈر "جیسڑھ" کی طرف بھیجا جاتا تھا اور دوسرے کو گوجرانوالہ ٹرانسفر کیا جا رہا ... سعد کے ذہن میں جیسے برقی رو دوڑ گئی۔ ایک خیال جگنو کی طرح ذہن میں جگمگایا۔ اگلی صبح وہ سی او ... درخواست لیے کھڑا تھا۔
"سر! میری دلی خواہش ہے کہ مجھے بارڈر ٹرانسفر کر دیا جائے۔ سر میں آپ سے ریکویسٹ کرتا ... اجازت و منت سے عرض گزار ہوا۔
"لیکن ہم نے تو اس کے لیے میجر احسان کا انتخاب کیا تھا۔" سی او صاحب اس کا بغور جائزہ لے کر ... ہلکے ہلکے مارنے لگے۔
"سر! ابھی فائنل تو نہیں کیا ناں۔ پلیز سر۔" وہ بری طرح مچل گیا۔ کافی دیر تک انہیں قائل کرنے ... کرتا رہا۔ تھوڑے رد و کد کے بعد انہوں نے ہامی بھر لی۔ لیکن خبردار کرنا بھی ضروری سمجھا۔
"سوچ لو جوان! بارڈر پر بہت چوکس رہ کر ڈیوٹی دینا ہوتی ہے۔ آئے دن چھٹی بھی نہیں ملا کرتی ... بھی وہاں نہیں بلوائے جا سکتے۔ سویلین کے داخلے پر پابندی ہے۔" "حتیٰ کہ سیکیورٹی کے سبب عموماً ... صحیح پوزیشن بتانے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ وہ صرف مخصوص کوڈ میں بات کر سکتے ہیں۔"
"اوہ سر۔ نو پرابلم۔" سعد مسرت سے گلنار چہرہ لیے بولا۔ دل میں سوچا "یہی تو میں چاہتا ہوں کہ ... جہاد کسی کو میرا سراغ نہ مل سکے کم از کم مخصوص مدت تک۔

... پہلے ہی سوچ چکا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ شادی کے اس ہنگامے کو کون سا حتمی موڑ دینا ہے۔ بس لائحہ ... نہیں کر پا رہا تھا سو اب وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔

◆ ◆ ◆

... شادی ہو رہی ہے یا آپ کی نماز جنازہ پڑھوانے کے انتظامات ہو رہے ہیں خدانخواستہ۔ ... میت ہے یہ ... تماشا ہوا کرے گا۔ ارشین آپی کی دفعہ میں تو چلو صورت حال ہی ایسی تھی مگر اب کیا قباحت ہے۔ ... کی طرح منانے اور محسوس کرنے کا حق کیوں نہیں دیا جاتا ہمیں۔"
... جھنجلا رہی تھی۔ بابا جان نے ڈھولک بجانے اور مہندی مایوں وغیرہ کی رسومات ادا کرنے کی اجازت ... تھی۔ حتیٰ کہ شادی کا جوڑا پسند کرنے کے لیے بھی امبرین کو بازار جانے کی ممانعت کر دی تھی۔ بی بی جان ... کے ساتھ جا کر کپڑوں اور زیورات کی شاپنگ کر رہی تھیں۔ شاہین نے شوخ و کامدار کپڑے بنوانے چاہے تو ... نے سختی سے منع کر دیا۔
... امبرین کی ہو رہی ہے یا تمہاری۔ فالتو میں پیسے اور وقت برباد کرنے کا بہت شوق ہے تم لوگوں کو۔ کپڑا تو ... ڈھانپنے کے لیے ہوتا ہے کوئی ضرورت نہیں ان فضولیات کی۔ تمہاری ماں جو مناسب سمجھے گی لے آئے ...

اور جو کچھ بی بی جان اپنی سمجھ کے مطابق خرید کرلائی تھیں اسے دیکھ کر شاہین سلگ کر رہ گئی تھی۔
ہونہہ۔ یہ شادی کا سامان ہے یا سوئم کا۔ یا اللہ کیا ساری عمر یونہی ترسنا ہے سچی خوشیوں اور خواہشوں کے لیے۔ اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا۔
"کوئی بات نہیں۔ ہمیں کون سا سارا شہر بلانا ہے۔ جشن پر۔" امبرین نے رسانیت سے سمجھایا۔ حیرت انگیز ... بہت مطمئن اور پرسکون تھی۔
زندگی کی اولین خواہش اس کے ماتھے کا جھومر بننے والی تھی۔ پھر وہ کیوں چھوٹی موٹی خوشیوں کے لیے جلتی رہتی۔

◆ ◆ ◆

"دو دن رہ گئے ہیں شادی میں راشد۔ خدا کے واسطے سعد کا پتا کروائیں۔ اب تو گھر آئے مہمان بھی لڑکے کی ... کے متعلق بار بار پوچھنے لگے ہیں۔"
رقیہ بیگم ہلکان و نڈھال اپنے شوہر سے مخاطب تھیں۔ گھر میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ نازو نے ... کی لڑکیاں جمع کر کے ڈھولک ان کے سپرد کر دی تھی۔ کوٹھی کے سامنے والا حصہ رنگ برنگی لائٹوں سے جھلمل کر رہا تھا۔ عزیز و اقارب شادی میں شرکت کے لیے مختلف شہروں سے آچکے تھے۔ سارا سارا دن ... شادی بیاہ کے گیت بجتے رہتے۔ سعد کے ہم عمر کزن بارہا اس کا پوچھ چکے تھے۔
... نے یونٹ پتا کیا تھا۔ اس کا تبادلہ بارڈر پر ہو گیا ہے۔ انہوں نے کوڈ نمبر دیا ہے رابطے کے لیے۔ کوشش ... آپ خود کو سنبھالیں۔"
راشد صاحب فون پر جتے ہوئے تھے۔ پریشان تو وہ بھی کچھ کم نہ تھے مگر بہر حال مضبوط قوت ارادی کے مالک ... تحمل کا مظاہرہ کر رہے تھے۔
"خالہ جان! یہ رجسٹری آئی ہے خالو جان کے نام۔" نازو کی سسرال کی ایک لڑکی اندر آئی تھی۔ راشد صاحب ... اس کے ہاتھ سے لے کر کھولا۔
... ابو اور امی جان!
السلام علیکم
... احساس ہے کہ میرا خط پڑھ کر آپ فوری طور پر مجھے شوٹ کر دینے کا ارادہ کریں گے مگر میں اپنی جگہ مجبور ... سالوں سے ایک ہی بات کہتا آرہا ہوں۔ آپ لوگوں نے کبھی اس پر دھیان نہیں دیا۔ میں نے

بہت پہلے آگاہ کر دیا تھا کہ میرا اور امبرین کا کوئی جوڑ نہیں بنتا۔ ہم ایک دوسرے کو کچھ نہیں دے سکتے
زندگی گزارنے سے کیا حاصل۔ میں تنہا رہ کر بہت خوش ہوں۔ مجھے شادی کی خواہش یا ضرورت نہیں
آپ پہلے مان جاتے تو بات اتنی آگے نہ بڑھتی۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس مرحلے پر لڑکے والوں کی طرف سے [illegible]
دو طرفہ رسوائی کا سبب بنے گی مگر ابو جان! ماسوائے جذبۂ شہادت کے کوئی اصول یا رسم انسانی زندگی [illegible]
نہیں ہوتی۔ امبرین کے حق میں یہی بہتر ہے کہ تا عمر ٹھوکریں کھانے اور ترسنے تڑپنے کے بجائے [illegible]
برداشت کر لے۔ یقین مانیں ابو میں بے بس ہوں۔ میرا انتظار نہ کریں۔
آپ کا مجرم۔ آپ کا بیٹا۔
سعد۔

◆ ◆ ◆

"مجھے پرائیویٹ وارڈ روم نمبر سیون کی مریضہ کا حال پوچھنا ہے۔ میں ان کا شوہر ہوں۔ اسلام آباد [illegible]
کر رہا ہوں۔" مہران نے ماتھے سے پسینے کے قطرے پونچھتے ہوئے جیسے بدقت تمام جملے ادا کیے تھے۔
"اوہ مسٹر آفریدی۔!!" ڈاکٹر فرخ کا لہجہ بدل گیا۔
"ریسپشن سے معلوم ہوا تھا کہ آپ پہلے بھی دو تین مرتبہ مجھے کال کر چکے ہیں۔ دیکھیے جناب آپ کی [illegible]
کیس انتہائی سیریس ہے۔ جسمانی طور پر تو وہ تقریباً جلد ہی تندرست ہو جائیں گی مگر ذہنی اعتبار [illegible]
نہایت مخدوش ہے۔ یہ طویل بے ہوشی ذہنی معذوری کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ ہمارے بورڈ نے اس پر
اپنی رپورٹ تیار کی ہے۔ بہتر ہوگا فون کرنے کے بجائے آپ خود یہاں تشریف لے آئیں۔"
"میں نے بتایا ناں ڈاکٹر۔ میری ڈیوٹی کچھ اس قسم کی ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ بغیر اطلاع کے غیر حاضر [illegible]
معطل بھی کیا جا سکتا ہوں۔" مہران نے رازداری کے خیال سے اسپتال میں اپنے سرکاری عہدے کو [illegible]
ورنہ وہ شہر کے ایس پی کے پروٹوکول کے مطابق ملتا تو اب تک ارشین کے کمرے کے اندر باہر چھ چھ پولیس [illegible]
آن ڈیوٹی کھڑے ہوتے۔ وہ تیسرے دن اسلام آباد لوٹ آیا تھا۔ پھر ایک اہم مشن کے سلسلے میں دن [illegible]
سر اٹھانے کی فرصت نہ مل سکی ورنہ اس کا ارادہ تھا کہ ویک اینڈ پر ضرور نارووال جائے گا۔ اسپتال کے [illegible]
چارجز کے لیے وہ ایڈمٹ کرانے کے ساتھ ہی خطیر رقم کا چیک تھما آیا تھا۔
"میں کوشش کروں گا کہ اس ویک اینڈ پر اسپتال آؤں۔ چارجز کی آپ فکر نہ کریں۔"
"جناب چارجز سے زیادہ اہمیت انسانی جان کی ہوتی ہے۔" ڈاکٹر فرخ نے زور دے کر کہا۔ "لواحقین کا [illegible]
کے ساتھ ہونا لازمی ہوتا ہے تاکہ خدانخواستہ کوئی ایمرجنسی پڑ جائے تو بروقت کارروائی کی جا سکے۔ آپ [illegible]
کے شوہر ہیں۔ آپ کا یہاں ہونا ازحد ضروری ہے۔" وہ جیسے ناراضگی کے عالم میں گویا ہوئے۔
"او کے۔" ڈاکٹر فرخ نے ابھی فون رکھا ہی تھا کہ پیرامیڈیکل اسٹاف کا ایک بندہ تیزی سے اندر داخل ہوا۔
"سر! آپ کو ایمرجنسی وارڈ میں کال کیا گیا ہے۔ بارڈر سے ایک کیس آیا ہے۔ لانس نائیک کو گولی لگی [illegible]
اس کے ساتھ میجر بھی ہیں۔ وہ معمولی زخمی ہیں۔"
"اوہ۔ کون میجر بھٹی! ان کو تو میں جانتا ہوں۔" ڈاکٹر فرخ فوراً چل پڑے لیکن میجر بھٹی کی جگہ گندمی [illegible]
اور مضبوط قد کاٹھ کے جوان میجر کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ میجر کے بائیں بازو پر کہنی کے قریب پٹی بندھی [illegible]
"کیا میجر بھٹی کا تبادلہ ہو گیا ہے جناب؟" ڈاکٹر فرخ نے ہاتھ ملانے کے بعد فوراً زخمی لانس نائیک کی [illegible]
توجہ کی۔
"یس ڈاکٹر۔ ان کی جگہ میں تعینات کیا گیا ہوں۔ میجر سعد علی۔" سعد نے دوستانہ مسکراہٹ سے [illegible]
دیا۔ ڈاکٹر فرخ نے لانس نائیک کی ٹانگ سے گولی نکال کر مہارت سے زخم صاف کیے پھر فراغت کے بعد
باتوں میں لگ گئے۔ انہیں میجر کا غمگین سا دھیما انداز عجیب سا لگا تھا۔
"آپ کہاں سے آئے ہیں میجر؟" انہوں نے اپنائیت سے سوال کیا۔
"اسلام آباد سے۔ ابھی ایک ہفتہ ہوا ہے۔" سعد کسی دھیان سے چونک کر بولا۔

[illegible] ہوتے ہی "استقبال" ہو گیا۔" ڈاکٹر فرخ نے لطیف پیرائے میں اس کے زخم کی طرف اشارہ کیا۔ سعد
مسکرا دیا۔
"[illegible] معمول کا حصہ ہے۔ روز کا کھیل۔"
"[illegible] کیا دارالحکومت میں رہنے والوں کے دل فولاد میں ڈھلے ہوئے ہیں؟ ایک صاحب ہیں کوئی
[illegible] کا میجر۔ پندرہ دن قبل اپنی قریب المرگ بیوی کو ایڈمٹ کرا کے گئے تھے۔ اب تک
[illegible] شخصیت ہیں غالباً۔
[illegible] پوچھا۔ بے یار و مددگار اور لاوارثوں کی طرح پڑی ہے غریب۔"
[illegible] ڈاکٹر کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ وہ اپنے خیالوں میں گم تھا۔ آج رجسٹری مل گئی ہوگی گھر والوں کو۔ کیا
[illegible] ہو گا ابو کا۔ اور بخاری لاج والوں کا۔ وہ اس طوفان کا اندازہ کر سکتا تھا۔
[illegible] ہو جوان اب۔ کہو تو تمہارے گھر اطلاع کر دی جائے۔" وہ اپنے خیالوں سے نکل کر لانس نائیک خیر دین
[illegible] متوجہ ہوا۔ "کہاں ہے تمہارا گھر۔"
[illegible] بالکل فٹ فاٹ ہوں سر۔ دو ایک دن میں چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو خود چلا جاؤں گا۔ ایسی حالت میں
[illegible] اور لاڈو پریشان ہوں گی۔ میں جی ادھر قریب کے گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ کسی سے بھی دین کوٹ
[illegible] دین کا پتا پوچھ لیں۔"

(((

ہر انسان کی شخصیت کے دو روپ یا دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک اچھا ایک برا، جو پہلو غالب ہو وہ نمایاں ہو کر اس
[illegible] بن جاتا ہے دوسرا پس پردہ چلا جاتا ہے۔ مثلاً "جس پر نیکی غالب ہو اس کی شخصیت کا تاثر ایک اچھے اور
[illegible] انسان کے طور پر ابھرتا ہے۔ اس کی خامیاں دب جاتی ہیں۔ لوگوں کو نظر نہیں آتیں (حالانکہ وہ شخصیت
کے اندر موجود ہوتی ہیں) اور جس میں برائی کا تناسب زیادہ ہو اس کی اچھائیاں کسی کو دکھائی نہیں دیتیں فقط برائی کا
پہلو سامنے آتا ہے۔ نیکیاں (جو کہ بہرحال کہیں نہ کہیں اس کی شخصیت کی تہہ میں موجود ہوتی ہیں) چھپ جاتی
[illegible] اور وہ ایک برے اور وحشی انسان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے توڑ مروڑ کر نیکی و بدی کا لیبل
[illegible] کر کے عظیم مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔ یہاں فقط دو انتہائی تناظر سے انسانوں کو جانچا جاتا ہے۔ جو اچھا ہے وہ سر تا پا
[illegible] اس کا ہر اقدام راست اور ہر رویہ منطق کے عین مطابق ہے۔ وہ کبھی کوئی غلطی، کوئی جرم نہیں
[illegible] اس کی نیکی و پارسائی سند کا سا درجہ رکھتی ہے اور جو برا ہے وہ ہر لحاظ سے برا ہے۔ اس سے کبھی کسی بھلائی
[illegible] نہیں کی جا سکتی۔ اس غیر فطری رویے نے معاشرے میں دو قابل افسوس کرداروں کو جنم دیا ہے ایک وہ جو
[illegible] پیشہ اور عادی مجرم ہیں۔ (معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے عناصر جو رفتہ رفتہ نیکی و راستی کے معانی بھول جاتے
[illegible]

[illegible] وہ جنہیں معاشرہ ان کی پارسائی و پاکبازی کے سبب سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے اور وہ اس مسلسل و
[illegible] پذیرائی کے نتیجے میں خود پسند اور انتہا پرست بن جاتے ہیں۔ ان کی شخصیت میں لچک، رعایت اور گنجائش
[illegible] رہتی۔ زہد و تقویٰ کا غرور اور خلق خدا کی ستائش انہیں اس مقام پر پہنچا دیتی ہے جہاں بشری کمزوریاں
[illegible] عام لوگ حقیر و ذلیل اور خطاکار دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنا ہر عمل، ہر اقدام غلطی سے مبرا سمجھتے ہیں۔
[illegible] اسی گروہ سے تھا۔ "جو ہم نے کہا، سنا، کیا یا سمجھا وہی برحق ہے۔ باقی سب غلط ہے۔ جھوٹ ہے۔"
[illegible] تو یہ ہے کہ۔

بندگی کے لیے لازم نہیں تقویٰ کا غرور
اظہار ندامت بھی تو ہو سکتی ہے

[illegible] اپنی شخصیت، ذہانت، نیکی، انسان دوستی اور سچائی کے باعث چاہا اور سراہا گیا تھا۔ اس نے آج تک
[illegible] لیے تحسین و رشک اور توصیف کے رنگ دیکھے تھے۔ لوگ اس کی پارسائی کی مثالیں دیتے تھے۔
[illegible] کر کے اس کے لیے پر اعتبار کرتے تھے۔ اس جیسا بننے کی آرزو کرتے تھے۔ اس رویے نے لاشعوری

طور پر اسے محتاط بنا دیا تھا کہ اس سے متعلقہ قریبی رشتوں کو بھی ہر لحاظ سے مکمل دیکھنا ہونا چاہئے خود کو۔

(جب تو سوچ ہے کھانے والا بھی متقی و پاکباز عورت کا طلب گار ہوتا ہے تو پھر پارسائی کا عوضانہ اس سے کم پر کہاں راضی ہو سکتا ہے۔)

یہی وجہ تھی کہ وہ ارشین کے معاملے میں خود کو حق بجانب خیال کرتا تھا وہ جس مخصوص عینک سے شخصیت جانچتا تھا وہاں وہ ایک ناقابل معافی گناہ کی سیاہ چادر میں لپٹی دکھائی دیتی تھی۔ اپنی دھتکار کا منطقی جواز تھا اس کے پاس یہ کہ۔

اس کی بیوی کا ذاتی اور قومی کردار ٹھیک نہیں ہے۔ وہ ایک غیر مرد کے ساتھ ملوث رہی ہے۔ ملک کی پشت پناہی کر رہی ہے (لیلیٰ شاہ کی گفتگو نے رہی سہی گنجائش بھی ختم کر دی تھی) لہٰذا ایک منافق سے وہ اس کے ساتھ جو سلوک کرے سو کم ہے۔

سوچ راہ دکھاتی بھی ہے اور راستے سے بھٹکاتی بھی ہے اور بعض اوقات تو ایسا بھٹکاتی ہے کہ پرکھ "تہذیب و اخلاق اور اکتساب" اس ریلے میں کمزور تنکے کی طرح بہہ جاتا ہے۔ فقط وحشتیں باقی وحشتیں جو غار کے زمانے سے لے کر اب تک کسی نہ کسی روپ میں انسان کے ساتھ ساتھ رہی ہیں ہوتا تو انسانی تاریخ کے اوراق خون سے رنگے ہوئے نہ ہوتے۔

رقیہ بیگم جیسے پاؤں میں چکی کے پاٹ باندھے صباحت کے گھر تک پہنچی تھیں۔ ہمراہ نازو بھی تھی سے نظریں نہیں اٹھ رہی تھیں۔ انہوں نے کچھ کہنے سننے کے بجائے کانپتے ہاتھوں سے سعد کا خط بی بی جان نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو رقیہ بیگم ان کے قدموں میں جھک آئیں۔

"ہم آپ کے گنہگار ہیں صباحت بہن۔ زبان ساتھ نہیں دیتی کہ بیٹے کے ہاتھوں ملنے والی ذلت سناؤں۔ اس نے شادی سے انکار کر دیا ہے جان بوجھ کر لاپتا ہو گیا ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا پھوٹ کر رو دیں۔

صباحت پتھرائی ہوئی نظروں سے ماں بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ نازو نے مختصراً خط کا متن سنا دیا۔

دوش کس کو دیتے۔ مجرم تو شاید تقدیر تھی۔ صباحت نے چپ چاپ شاہین کے ہاتھ میں خط دے کر کمرے میں جانے کا اشارہ کیا۔ وہ زبان سے بیٹی کو تقدیر کا فیصلہ سنانے سے لاچار تھیں۔ رقیہ بیگم اور تلافی کے بعد شرمندہ قدموں سے واپس لوٹ گئیں۔ صباحت امبرین کے پاس آ گئیں جو بے یقینی الفاظ کو گھور رہی تھی۔ دادی اور شاہین اسے تسلیاں دے رہی تھیں۔ انہوں نے زیادہ افراد کو بلانے گھر کے لوگ تھے۔ کچھ آس پڑوس کے آٹھ دس آدمی مدعو تھے۔ سو انہوں نے دو دن بعد بارات تھی۔

"بی بی جان! آپ میری بہن کو بلائیں ناں۔ میری پیاری ارشین آپی کو۔" دفعتاً امبرین کھلکھلا کر کھڑی ہوئی۔

"اس سے کہیں ڈھول باجے کے ساتھ آئے۔ اس کے لیے جشن کا دن ہے ناں جو چاہتی تھی وہ کر دکھایا کے عاشق صادق نے۔ کوئی مجھے ٹھکرائے، میری تذلیل کرے، مجھے کم تر گردانتے ہوئے اس کی کرے۔ اسے کتنی خوشی ہوتی تھی اس بات سے وہ زندگی کے ہر میدان میں مجھے پیچھے رکھنا چاہتی تھی ہر چیز، ہر خوشی پر اپنا حق سمجھتی تھی۔ بتا دیں اسے اس کی خود پرستی کے مینار پر ایک اور جھنڈا آج گڑ گیا اس کے انداز میں دیوانگی سی امنڈ آئی۔ سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ یقیناً وہ اپنے ہوش کھو رہی

"اے بیٹی! اپنے جی کو سنبھالو۔ اس غریب کو کاہے کی خوشی چڑھنے لگی۔" دادی نے اسے شانوں

آنسو قطروں کی طرح ان کے چہرے کی جھریوں میں جذب ہو رہے تھے۔

"میرے بیٹے کے برے نصیب، کسی بیٹی کا سکھ دیکھنا نہیں لکھا۔ صباحت بیٹی! اسے بھی بتا دو" وہ

غم سے نڈھال لہجے میں مخاطب ہوئیں۔

"ٹوٹتے ہوئے کو کیوں کوستی ہیں۔ دعا دیں اپنی لاڈلی پوتی کو سارے گھر کو مرقد بنا گئی ہے۔ پاس تھی تو سلگاتی آگ لگانے سے باز نہ آئی۔ بی بی جان پوچھیں تو سہی اسے بلا کر۔ کیا بگاڑا تھا میں نے اس کا۔"

دادی کی بانہوں میں مچل مچل پڑی۔

"کیوں پاگل بن رہی ہو۔ تمہارے بابا جان دیکھیں گے تو غصے ہوں گے۔ لوگ کیا کہیں گے۔"

آگے بڑھیں اور اسے پکڑ کر بستر پر لٹا دیا۔

غم کی تصویر بنی تڑپتی پھڑکتی ارشین کو کوستی امبرین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آپی نے کیا برا کیا ہے بہن کے یہ کوسنے تکلیف دے رہے تھے۔

"تمہارے باپ کو خبر کروں اس قیامت کی۔"

قدموں سے سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔ قدم جیسے آگے بڑھنے سے انکاری ہو رہے

"بھلا کوئی اس طرح بھی بہنوں سے دشمنی کرتا ہے۔ کتنا چھوٹا دل ہے ارشین آپی کا۔ کتنا سیاہ اور" امبرین پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ شاہین افتاں و خیزاں پانی کا گلاس لے آئی تھی۔

"یہ لو پانی پیو۔" دادی اس کے سرہانے بیٹھ کر سر سہلا رہی تھیں۔ دم بخود کھڑی شاہین ان کے گلاس امبرین کے پاس لے آئی۔

"مجھے زہر لا دو بس"۔ امبرین نے ہذیانی کیفیت میں ہاتھ مار کر گلاس گرا دیا۔ شاہین خوفزدہ

فی الحال رشتہ بھی نظر میں نہیں جو اس کالک کو لوگوں سے چھپا لیں۔" دادی خود کلامی روئیں۔ ان کا دل کٹا جا رہا تھا۔ ممکنہ بدنامی کے سیاہ جھکڑ پورے خاندان کو لپیٹ میں آ رہے تھے۔

چھوٹی کی دفعہ میں لڑکا بھاگ گیا۔ کیا ان کی لڑکیاں اتنی عیب دار ہیں؟"

سوال، ہر آنکھ میں، ہر چہرے پہ لکھے نظر آ رہے تھے۔

سمندر میں ڈوب رہی ہوں۔ خود اپنی نظر سے گر رہی ہوں دادی۔ اس سے تو بہتر تھا، وہ خود ایک ہی بار مجھے سولی پہ چڑھا دیتی۔"

ہم بے کسوں کا کیا دوش۔ جتنی لکھی ہے اتنی تو کاٹنی ہی ہے۔ صبر کرو، جو بارش لاتا ہے، وہ اس نے تکلیف دی ہے۔ وہی وسیلہ بھی بنائے گا۔" دادی آنسو پیتے ہوئے اسے تھپکنے لگیں۔

اسے امبرین کی خود غرضانہ سوچ اچھی نہیں لگی۔ ارشین آپی نے کیا کسی کے ساتھ برا تھیں۔ امبرین اتنی جلدی ان کی محبتیں بھول گئیں اور وہ یہاں ہوتیں تو شاید ایسی کی طرح معاملہ سنبھال لیتیں۔

تک تو لا سکتی تھی زبان تک نہیں کہ اس کی اجازت نہیں تھی۔

◆◆◆

تلاش کرنے سے کوئی نہ کوئی سرا ہاتھ آ ہی جاتا ہے۔ "حقیقی دکھ یہ ہے کہ وقت پر نہیں کا اہتمام اس وقت میسر آئے جب بصارت روٹھ چکی ہو۔ زندگی کی خوشخبری اس کی آخری تمنا بھی ختم ہو چکی ہو۔" "حاصل تلاش" کا بروقت حصول بھی اعلا درجے کی سعد کو خبر بھی نہ ہوئی کہ جس کی تلاش میں سرگرداں ہے وہ فقط چند قدموں کے "نسی سا" پر جھول رہی ہے۔

بڑے نیک دل اور سخی بادشاہ ہیں۔ میرا بہت خیال رکھا ہے۔ میں مجبور کر کے

انہیں اپنا پنڈ دکھانے یہاں لایا ہوں۔ ذرا اچھی طرح خاطر کرنا۔ کوئی کسر نہ رہ جائے۔" خیر دین بھی
بٹھا کر باورچی خانے میں آیا تھا۔ اس کا زخم ٹھیک ہو چکا تھا۔
"فکر کیوں کرتا ہے خیرو! جس نے میرے پتر کی اتنے دن دیکھ بھال کی۔ اسے میں اپنے ہاتھوں سے
پہناؤں۔ میں نے اپنی سب سے موٹی دیسی مرغی ذبح کرائی ہے۔ تیری بھابی آدھا گوشت بھون رہی
چاولوں میں ڈال دے گی اور ساتھ میں ولایتی چینی والا زردہ پکایا ہے۔ مکھن کا پیالہ صبح دودھ بلو کر نکالا ہے۔"
برکتے نے فر فر مینو سنا دیا اور کسی ترمیم و تصحیح کے لیے سیانے بیٹھے کا منہ دیکھنے لگی۔
"ٹھیک ہے بے! پر برتن خوب نئے نکور ہونے چاہئیں۔" خیر دین کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔
"کیوں جی ہولا کرتا ہے ویرا۔ میں نے اپنے داج (جہیز) کا سیٹ نکالا ہے۔ تو چل کر پردہ کرا۔"
کی تپش سے لال بھبھو کا چہرہ لیے رانو نے دیور کی تسلی کرانا ضروری خیال کیا۔
"اچھا بھابی۔ بھائی امیر کھیتوں سے کب تک آئے گا۔"
"طیفے کو بھیجا ہے بلانے۔" برکتے نے جواب دیا۔
"آپ نے ناحق تکلف کیا ماں جی۔ میں سادہ غذا کا عادی ہوں جو ملے خوشی سے کھا لیتا ہوں۔"
دسترخوان پر سجی چیزیں دیکھ کر سعد اندر تک شرمندہ ہو گیا۔ خواہ مخواہ ان غریبوں کا بجٹ تباہ کرایا۔ وہ
جانتا تھا گاؤں والے بھلے سے کسی سے ادھار مانگ کر مہمان کی خاطر کریں۔ لیکن سادہ دال روٹی ان کے
دین ایمان کے خلاف ہے۔ مہمان ان کے لیے سچ مچ خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔
"پتا نہیں ایس پی باؤ کی رشتے دارنی کیسی ہو گی۔ اللہ کرے ٹھیک ہو چکی ہو۔ تیسرا ہفتہ ہو گیا ہے
رہے تھے۔ اب وہ نہیں رہے گی۔" باتوں کے دوران ہسپتال کے ذکر پر برکتے کو وہ زخمی لڑکی یاد آئی تو
ٹھنڈی سانس بھری تھی۔
"کس ایس پی کی رشتہ دارنی؟" لامحالہ سعد کے کان کھڑے ہو گئے۔
"اسلام آباد سے آتا ہے جی۔ کبھی کبھی۔ اس کا گھر اور کچھ زمینیں ہیں نا یہاں۔" لال دین نے جواب
دیا۔
"اسلام آباد، ایس پی، رشتہ دارنی، گھر۔" سعد کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔ یہ
تلاش تک پہنچتا ہے۔
"کیا نام ہے بابا اس ایس پی کا۔" سعد نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔
"معاف کرنا پتر! نام تو مجھے یاد نہیں اور نہ کبھی پوچھنے کی ہمت ہوئی۔"
"اس کی شکل و صورت کیسی ہے؟" سعد نے ہمت نہ ہاری۔
"اونچا لمبا شہزادوں جیسی شان اور دبدبے والا۔ ہری چمکتی ہوئی آنکھیں لال گلابی رنگت۔ میں نے
میں نے اپنی پوری زندگی میں اتنا سوہنا اتنا خبصورت مرد نہیں دیکھا۔" لال دین کہہ رہا تھا اور سعد کو
زمین آسمان گھوم رہے تھے۔
"اس کا گھر کہاں ہے۔ میرا مطلب ہے جہاں اس کی رشتے دارنی رہتی ہے۔" نوالہ اس کے ہاتھ سے
گیا۔ وہ بے تابانہ لال دین کا چہرہ کھوج رہا تھا۔
"او جی وہ سخت بیمار تھی۔ اسے شہر کے کسی ہسپتال میں داخل کرانے لے گئے تھے ایس پی باؤ۔"
"ہسپتال کا نام معلوم ہے تمہیں؟" وہ بے چینی سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"نہیں میجر صاب۔" لال دین اس کی بے قراری دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔
"اچھا ماں جی! میں اس وقت جلدی میں ہوں پھر آؤں گا۔"
وہ بمشکل رسمی شکریہ ادا کر کے جیپ میں بیٹھا اور نارووال کے اطراف کے تمام ہسپتال چھان مارے۔ کوئی
کلینک تک نہ چھوڑا۔ شام گئے ذہن میں خیال آیا وہاں تو دیکھا ہی نہیں جہاں لاکس ناتیک کو داخل

ڈاکٹر فرخ کے چند الفاظ یاد آ گئے۔
ان کے ساتھ ہی ڈاکٹر فرخ وہ تیز تیز قدموں سے ڈاکٹر فرخ کو ڈھونڈتا ان کے ڈپارٹمنٹ تک آیا۔ وہ اسے
دیکھ کر حیران تھے۔ "میں ایک کام سے آیا ہوں۔" سعد نے کم سے کم لفظوں میں اپنا مدعا بیان کیا۔
"میں اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے مسٹر آفریدی کی وائف ہمارے ہاں ایڈمٹ ہے۔ اسی کے بارے
میں آپ سے بات کر رہا تھا۔" قرار ملتے ہی سعد کی جان میں جان آ گئی۔
"وہ ہمارے ہمسائے میں رہتی تھیں۔ ان کی فیملی سے قریبی تعلقات رہے ہیں کیا میں انہیں دیکھ سکتا ہوں" وہ
انہیں دیکھنے کا انتظار کا ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔
"ان کی ڈاکٹر" ڈاکٹر فرخ مایوسی سے گویا ہوئے۔ "خیر آئیے میرے ساتھ"۔
"ان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے" سعد نے سہم کر انہیں دیکھا۔
"دماغ تو نہیں لیکن اندر سے بالکل خالی ہے۔ اس کی تھنکنگ پاور اور میموری میں ایسوسی ایشن نہیں ہو
رہی شاید انہوں چہرے یا عزیز رشتے داروں سے مل کر ذہن پر کوئی تصویر پرنٹ ہو سکے۔ اس وقت تو انجکشن کے
زیر اثر سو رہی ہے" وہ اشارہ کرتے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔
سفید بیڈ پر سر تک کمبل سر تا پا لپٹا ہوا تھا۔ ڈاکٹر فرخ نے کمبل سرکا دیا۔ سعد نے اسے دیکھا اور پھر خواہش کی
کہ نہ دیکھا ہوتا ارشین کے نام پر بے جان ہڈیوں کا ایک پنجر بستر پر پڑا تھا۔ سرسوں جیسی پیلی پھٹک رنگت،
اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں، نحیف جسم زندہ لاشہ جو اپنے دفنائے جانے کا منتظر ہو۔ وہ آنکھوں میں چمکتے آنسوؤں
کو چھپانے کے لیے تیزی سے بستر کے قریب بیٹھ گیا اور اس کا ناتواں ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگا لیا۔
"یہ تم نہیں ہو ارشی! شاید میری آنکھیں دھوکا دے رہی ہیں۔ مگر نہیں تمہاری خوشبو تمہارے ہونے کا پتا دے
رہی ہے۔ کس نے پہنچایا ہے تمہیں موت کے منہ میں۔ بولو" وہ کتنی ہی دیر خود کلامی کرتا رہا۔

◆◆◆

امبرین کی ذہنی و جذباتی کیفیت میں کسی قدر تبدیلی کے لیے دادا نے بابا جان کو مشورہ دیا تھا کہ اسے دوبارہ کالج
جانے کی اجازت دے دیں۔ ورنہ گھر میں دیواروں سے سر پھوڑ کر پاگل ہوتی رہے گی۔ بابا جان نے منظوری دے
دی۔ یوں تقریباً ایک ماہ دس دن بعد دوبارہ کالج جانے لگی۔ بہت زیادہ عرصے کی غیر حاضری بہرحال نہیں تھی سو
اسے سخت سست کہنے کے بعد کلاس میں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ فاریہ اس کی "واپسی" پر بہت خوش تھی کہ
اسے بات کہنی مل گئی تھی۔ امبرین نے فی الحال اسے ارشین کی شادی اور اپنے اوپر گزرنے والی ٹریجڈی کے
متعلق نہیں بتایا تھا۔ یہی بی جان کی ہدایت تھی۔
"گھر والوں میں دکھ پھول کر خواہ مخواہ چرچا نہ کرنا۔ زبان بند اور آنکھیں کھلی رکھنا۔"
امبرین نے گاڑی چلانی سیکھ لی تھی۔ بابا جان نے امبرین کو پک اینڈ ڈراپ کرنے کے لیے اسی کی ڈیوٹی لگائی
تھی۔
کالج گیٹ پر فاریہ کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی جب اس نے نینی کے چھوٹے بیٹے سفیان کو دیکھا۔
وہ جینز اور ٹی شرٹ میں گاڑی سے پشت ٹکائے دونوں بازو سینے پر لپیٹے غالباً نینی کے انتظار میں گیٹ کی طرف منہ اٹھائے
کھڑا تھا۔ بلیک جینز اور سفید پل اوور میں اس کا اسمارٹ اور وجیہہ سراپا نمایاں ہو رہا تھا۔ اچانک سفیان کی نظر
امبرین کی طرف اٹھی۔
اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی اُمڈی پھر شوق اور دلچسپی کی کیفیت جھلکنے لگی۔ وہ ایک طویل
لمحے کے لیے اسے دیکھ رہا تھا اسے امبرین کی گھبرائی ہوئی بھولی بھالی صورت پہلی نظر میں اچھی لگی تھی جب وہ نینی
کے گھر جھوڑنے گیا تھا۔
فاریہ کا ڈرائیور آ گیا ہے۔ او کے بائے۔" فاریہ اپنی گاڑی کا مخصوص ہارن پہچانتے ہی عجلت میں روانہ ہو گئی تھی
کالج سے باہر درخت کی چھاؤں میں کھڑی تھیں۔ سفیان دائیں طرف گاڑی کیے کھڑی کے چند قدموں

کے فاصلے پر تھا۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ امبرین، پہچانا مجھے!" وہ محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا باہر آگیا۔ لہجہ مہذب اور شائستہ تھا۔

"جج جی۔" اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں کھسکتا دوپٹہ سر پہ جمایا۔

"پلیز آپ پزل نہ ہوں۔ میں یہ پوچھنا چاہتا تھا ارشین آپا کالج کیوں نہیں آرہیں؟ [illegible] بتائے طویل غیر حاضری پر معطل کر دیا گیا ہے۔ کیا وہ بیمار ہیں خدانخواستہ یا شہر سے باہر گئی ہوئی ہیں۔"

امبرین کی رگ رگ میں آگ بھڑکنے لگی۔ یہ تو وہ سعد اور بی بی جان کی گفتگو خفیہ طور پر سن [illegible] کہ ایس پی مہران نے گھر والوں سے چھپ کر شادی کی ہے۔ اسے شہر میں نہیں رکھا [illegible] سے واپس لوٹا تھا۔ وہ شاید انتقاماً "سفیان کو بتا بھی دیتی لیکن اس کے لہجے کی تشویش محسوس کر کے [illegible] یہ شہرے ارشین آپا کے ازلی شیدائی۔ خبر ہوئی تو سب سے پہلے اسے سر آنکھوں پہ بٹھانے [illegible] بھی کیوں دیکھیں آپی۔

"ان کی شادی ہوگئی ہے۔ میاں کے ساتھ کراچی میں ہوتی ہیں" اس نے بے رخی سے جھوٹ [illegible]

"اچھا کمال ہے۔ اطلاع بھی نہیں دی۔" وہ آدھا خوش اور آدھا بددل ہوا۔

"خیر آپ سنائیں۔ ٹھیک تو ہیں؟ میں نے پہلے آپ کو کبھی اس گیٹ پر نہیں دیکھا۔" [illegible]

"پہلے میں کالج بس پر جاتی تھی پچھلے گیٹ سے" امبرین نے نظر جھکا کر مدھم لہجے میں جواب دیا۔ [illegible] اسے سفیان کی توجہ، اس کی نظر اور موجودگی اچھی لگ رہی تھی۔

"آج کل میں ہی نیٹی کو پک اینڈ ڈراپ کرتا ہوں۔ ایم ایس سی آنرز کے پیپرز کے بعد فراغت ہے [illegible] نے غیر محسوس طریقے سے اپنے بارے میں معلومات فراہم کر دیں۔

پھر وہ اکثر ہی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کبھی موقع پا کر سلام دعا بھی ہو جاتی۔ سفیان نے عام لڑکوں کی طرح کبھی کسی پارک یا ہوٹل میں ملاقات کی فرمائش نہیں کی تھی۔ اس کی گفتگو بھی کسی قسم [illegible] بازاری ڈائیلاگ سے پاک تھی۔ بہت سنجیدگی اور اپنائیت سے خیر خیریت پوچھ کر وہ اپنی راہ لیتا [illegible] ٹھکرائے جانے کی ذلت سہنے کے بعد ایک دم ملنے والی قدر دانی سے بہل سی گئی تھی۔ اب وہ کسی قدر [illegible] تکلفی سے اس سے بات کر لیتی تھی۔ سفیان بہت عزت و احترام سے اسے مخاطب کرتا تھا۔ ہاں جب ارشین کے متعلق کوئی بات چھیڑتا تو امبرین کا پارہ چڑھنے لگتا تھا۔

◆◆◆

میں کون ہوں، کہاں ہوں، سیاہی کی اس پھیلتی ہوئی چادر میں کوئی مانوس نقش نظر کیوں نہیں آرہا [illegible] پاؤں اور گردن کو کس نے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔

میں خود کو محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ اس تاریک منظر کی دھند ہٹا کر پرچھائیوں اور ہیولوں کو واضح [illegible] ہوں۔

کوئی مجھے اس اندھیری قبر سے باہر کیوں نہیں نکالتا۔ مجھے آواز کیوں نہیں دیتا۔ لیکن یہ کون ہے [illegible] آہٹ ہے۔

"ارشین! میری طرف دیکھو۔ مجھے پہچانو۔ مجھ سے بات کرو۔ میں سعد ہوں۔ سعدی۔" وہ گھٹنوں کے [illegible] پر بیٹھ گیا اور بیڈ کی پٹی سے ٹکا اس کا برف کی طرح ٹھنڈا کمزور سا ہاتھ اپنے ہاتھوں کی حرارت سے [illegible] ارشین نے پلکیں کھولنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی جیسے ان پر منوں ٹنوں وزن آگیا [illegible] ارتعاش بہرحال حوصلہ افزا تھا۔ ڈاکٹر فرخ کے اشارے پر اس نے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔

"ارشین! ارشی! دیکھو آنکھیں تو کھولو۔ کیا اس قدر ناراض ہو کہ دیکھنا بھی گوارا نہیں ہے۔" [illegible] سے اس کے رخسار تھپتھپائے۔ اس کی آواز ارشین کے اعصاب جھنجھوڑ رہی تھی۔ اسے پہچان کی [illegible]

[illegible] اس آواز میں اک بے قراری، اک انجانی سی تمتماہٹ اور اپنائیت کی گرمی تھی۔ جو اس کے جامد احساسات کا گلیشیئر پگھلا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور ایک ٹک سامنے دیکھنے [illegible]

[illegible] اپنا چہرہ عین اس کے سامنے لے آیا اور اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

"[illegible] سعدی ہوں ارشی۔ پہلے کیپٹن تھا۔ اب میجر سعد ہو گیا ہوں۔ کیا مجھے مبارکباد نہ دو گی؟" سعد نے اس کی [illegible] میں جھانکا۔ وہاں اک مہیب سناٹا تھا۔

[illegible] بے جان اور سپاٹ نگاہ۔ سعد سے اس کی یہ اجنبیت اور بیگانگی دیکھی نہ گئی۔

"[illegible] طرح کیوں کر رہی ہو ارشی! کیوں مجھے دکھ دیتی ہو۔" وہ دلبرداشتہ ہو گیا۔

"پلیز میجر!" ڈاکٹر فرخ نے کندھا تھام کر اٹھا دیا۔

"[illegible] کام کر دکھایا ہے جو ہم ڈاکٹرز تین ہفتوں میں نہ کر سکے۔ پہلے یہ کسی کی آواز نہیں پہچانتی تھی۔ نہ [illegible] ردعمل کا اظہار کرتی تھی۔ یوں سمجھ لو ایک روبوٹ مشین کی طرح تھی۔ احساسات اور جذبات سے قطعی [illegible] اب یہ اپنے حال میں واپس لوٹ رہی ہے۔ چیزوں اور لوگوں سے ایسوسی ایٹ کر رہی ہے۔ مجھے سو فیصد [illegible] کل پرسوں تک یہ بالکل نارمل ہو جائے گی۔"

"ان شاء اللہ" سعد نے قدم بڑھاتے ہوئے زیر لب دہرایا۔

ڈاکٹر فرخ کا یقین پختہ تھا۔ دوسرے دن جب سعد ڈیوٹی سے فارغ ہو کر اس کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ ہوش میں تھی۔ کھٹکے پر اس نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ سعد کا چہرہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شناخت کے عکس اتر آئے۔

"ارشی! اب تو پہچان گئی ہو نا؟" سعد بے تابانہ اس کے بیڈ کی طرف لپکا تھا۔ ارشین کے پپڑی زدہ ہونٹ ہلے۔ اس کی پلکوں میں ارتعاش پیدا ہوا۔ اس نے آنکھیں بھینچ کر دوبارہ کھولیں تو سعد نے دیکھا وہ لبالب پانیوں سے بھری ہوئی تھیں جو اس بات کی علامت تھی کہ حالات کی تمام تر تلخیاں اور اذیتیں اس کے شعور سے ہم آہنگ ہو چکی ہیں۔ اسے ادراک ہو چکا ہے کہ وہ ان حالوں میں کس کارن پہنچی ہے۔

سعد بیڈ کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ ارشین کی کنپٹیوں کے پاس آنسوؤں کا اک سیل رواں جاری تھا۔ [illegible] بالکل خاموش لیٹی تھی فقط آنکھ کا پانی بول رہا تھا۔

"[illegible] آنسو بزدلوں کی متاع ہوتے ہیں۔ بہادر لوگ کبھی نہیں روتے"۔ سعد نے جیب سے [illegible] نکال کر اس کے آنسو صاف کیے۔ اس کا دھیما لہجہ اپنائیت کی نرمی لیے ہوئے تھا۔

"اب میں بہادر نہیں رہی" مدتوں کے سکوت کے بعد چند لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی زبان سے ادا ہوئے تھے۔ [illegible] "ایک بدنام، بے کار اور بدصورت بوجھ بن گئی ہوں زمین پر"۔ اس نے کراہ کے ساتھ گردن [illegible] چھت پر نظریں جما دیں۔

"[illegible] یہ کس نے کہہ دیا خدانخواستہ۔" اس کی ذہنی توڑ پھوڑ اور بے بسی کی کیفیت سعد کے لیے حیران کن [illegible] اسے ایک پرامید، بشاش اور پراعتماد لڑکی کے روپ میں دیکھا تھا جو مسائل کے بڑے سے بڑے [illegible] سے ٹکرانے کی ہمت رکھتی تھی، جسے راستے کی کوئی مشکل پسپا یا خوفزدہ نہیں کر سکی تھی۔ ہر قسم کے [illegible] اس کے اعصاب پرسکون اور چہرہ پرعزم رہتا تھا۔

"[illegible] کے بعد ایک بات سمجھ میں آئی ہے۔ عورت کی ساری زندگی نیزے کی انی پر گزرتی ہے۔ یہاں [illegible] گنجائش نہیں اور جو کبھی تھک کر ایسا کرنے کی غلطی کی تو پلک جھپکنے کی مہلت میں وہی انی اس [illegible] ہو جاتی ہے۔ یہاں پہلی خطا ہی آخری ہے۔ کوئی رعایت، سفارش یا صفائی کام نہیں آتی۔ [illegible] نہیں بچاتی۔"

[illegible] اس کی بے ربط اور مبہم باتوں سے کچھ اخذ نہ کر سکا۔

"یہ تو میں جانتا تھا۔ کوئی بات تمہیں مسلسل پریشان کر رہی ہے تم باوجود اصرار کے بتانے پر آمادہ نہ تھیں پھر کچھ ایسا ہو گیا کہ براہ راست پوچھنے کی نوبت نہ آ سکی۔ مجھے لوگوں نے بہت کچھ بتایا ہے۔ سمجھایا ہے میں نے کسی کے کہنے پر اعتبار نہیں کیا۔ اس لیے کہ میں حقیقت تمہاری زبان سے سننا چاہتا تھا۔ کیا تم مجھے صحیح حالات سے آگاہ نہیں کرو گی؟"

وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ رہا تھا۔ ارشین نے گہری سانس لے کر نظریں

"واقعہ چھوٹا ہے 'جرم بڑا ہے۔ کیا بتاؤں تمہیں اور کہاں سے شروع کروں۔ اس کی ذات کی احترام میں قدر کرتی تھی۔ دل میں اس کے لیے عزت اور احترام کا جذبہ تھا۔ مسائل نے گھیرا تنگ کیا تو مشاورت کی غرض سے اس سے اپنے حالات شیئر کیے۔ جواباً "اس نے زندگی شیئر کرنے کا پروپوزل دیا میں زمانے بھر کی تھکی ہوئی ذمہ داریاں نبھاتی لڑکی کچھ حق میرا بھی تھا زندگی پر۔ اسے والدین سے بات کرنے کی راہ دکھلا دی۔ لیکن پھر اس کی بیوی سے مل کر احساس ہوا۔ میں اپنا نہیں کسی کا حق لینے جا رہی ہوں۔ میں نے قدم واپس موڑ لیے مگر اس نے اسے انا کا مسئلہ بنا لیا۔ بعد میں جو کچھ ہوا 'وہ مجھ جیسی لڑکی کے ساتھ ہونا ہی چاہیے میں اسی لائق تھی۔"

اس نے آنکھوں میں اترتی اشکوں کی بے آواز بوچھاڑ بے دردی سے الٹی ہتھیلی سے رگڑی۔ کمرے میں صحرائی سکوت طاری رہا بس خاموشی باتیں کرتی رہی۔

"کیا تم اس سے محبت کرتی تھیں؟" سعد کی آواز کمرے میں یوں ابھری جیسے گھور اندھیری رات میں سے ہوا کے دوش پر لہراتی کوئی مدھم سی صدا۔

ارشین نے اذیت سے اس کی طرف دیکھا جیسے اس سوال سے شدید دکھ ہوا ہو۔

"ڈیڑھ سال میں نے اس کے ادارے میں ملازمت کی تھی۔ بات چیت 'میل ملاپ' رومانس یا افیئر کے بہترین مواقع میسر تھے۔ یہی کچھ کرنا ہوتا تو اصولاً "فائدہ اٹھا کر گزرتی۔ محبت کبھی میرا مسئلہ نہیں رہی یہ دل تو صدا کا ویران و بے آباد کھنڈر ہے۔"

وہ اپنے ہاتھ کی ہتھیلیاں دیکھ رہی تھی۔

"سارا قصور تمہارا ہے۔ تم ایک بے وقوف اور احمق لڑکی ہو۔ بنی پھرتی ہو عقلمند۔ مجھ سے نہیں کہہ سکتی تھیں؟" سعد اپنی برہمی چھپا نہیں سکا۔

"ہاں واقعی سارا قصور میرا ہے۔" اس نے آہستگی سے تسلیم کیا۔

"میرا مقصد تمہاری دل آزاری کرنا نہیں تھا۔" سعد اس کے خاموش انداز پر شرمندہ ہو گیا۔ "تم مجھ سے کہتیں تو۔ کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آتا اس مسئلے کا۔"

"تم کیا کر لیتے؟" ارشین نے گہری سانس لے کر اس کی طرف دیکھا۔

"شادی کر لیتا تم سے۔" سعد نے ایکدم کہہ دیا۔ "آخر ایس پی سے بھی تو کی ہے ناں اور جس کے بارے میں سوچ رہی ہو اس سے بھی کرنے کو تیار تھیں۔ تمہیں سہارا درکار تھا۔ مضبوط اور پر اعتماد ساتھ چاہیے تھا تو میں تمہیں فراہم نہ کرتا! یا مجھ پر اعتبار نہیں تھا۔" وہ تلخ ہونے لگا۔

"وہ وقت کیا تھا اور اس کے کیا تقاضے تھے نہ میں تمہیں سمجھا سکتی ہوں اور نہ تم سمجھ سکو گے۔" بگڑنے پر وہ سنجیدہ ہو گئی۔

"شادی میری منزل نہیں تھی۔ مجھ پر بہت سی ذمہ داریاں تھیں۔ وہ تو بس ایک تھکن آلود لمحہ تھا جب میں نے پروفیسر سے رجوع کیا تھا۔ اگر وہ لمحہ یونہی گزر جاتا تو یہ سب کچھ کبھی نہ ہوتا۔ مگر وہ سیاہ نقطے کی طرح ایسا ٹھہرا کہ اس کی تھکن میری پوری زندگی پر محیط ہو گئی۔ تم بہت سی باتیں نہیں جانتے"

"دیکھو ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈھونے سے انسان جلدی تھک جاتا ہے۔ تم نے خواہ مخواہ ایثار و قربانی کا خود پر غیر ضروری جبر اور ضبط و تحمل کا خول چڑھا لیا تھا۔ بہن بھائی فقط تمہاری ذمہ داری تو نہیں

والدین خدا کے فضل سے بقید حیات تھے۔ وہ اپنی اولاد کی دیکھ بھال کر سکتے تھے۔ تمہارے لیے یہی مناسب تھا کہ ان کا بوجھ بانٹ لیتیں۔ لیکن تم بلاوجہ کولہو کا بیل بنی کام میں جتی رہیں۔ بے مقصد وقت گنواتی رہیں۔ ذرا جا کر پوچھو ان سے جن کے لیے تم نے سنہری دن رات برباد کیے۔ وہ کس انداز میں تمہیں یاد کرتے ہیں؟۔ انہیں نفرت ہے تم سے۔ تمہارے نام پر ان کی زبانیں زہر اگلتی ہیں۔ باعث شرمندگی ہے ان کے لئے تمہارا وجود تمہارا تعلق۔" سعد کا لہجہ تیز اور تیکھا تھا۔

ارشین دامن بازو کو موڑ کر اس پہ سر ٹکائے چپ چاپ کسی غیر مرئی نکتے کو گھورتی رہی۔

"دوسری غلطی تم نے میرے اور اپنے معاملے میں امبرین کو گھسیٹ کر کی۔ کیا ہو جاتا اگر میری تم سے شادی ہو جاتی۔ ٹھیک ہے امبرین مجھے پسند کرتی تھی اور میری وجہ سے تم سے حسد بھی کرتی تھی لیکن ہم اس کے پابند تو نہیں تھے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔" ارشین نے خفگی سے ٹوکا۔ "کیا میں اپنی بہن کو دکھ دے کر گھر بساتی؟۔ امبرین ہی نہیں میرے والدین کی بھی یہی مرضی تھی۔ ہرچند کہ تمہاری فطرت کی وجہ سے میں امبرین کے رشتے پر راضی نہیں تھی لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ بہن کا رشتہ تڑوا کر خود کر لیتی؟"

"اور کیا اب انہیں دکھ نہیں ہوا ہو گا" سعد طنزیہ بولا۔

"میری حیثیت اس وقت مغرور دولہا کی سی ہے محترمہ"۔

"کیا مطلب ہے؟" ارشین کا دل کسی اتھاہ گہرائی میں جا ڈوبا۔

"جی ہاں 'ہو سکتا ہے میرے یا آپ کے والد حضور بندوق لے کر میری تلاش میں نکلے ہوئے ہوں۔" پھر اس نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" ارشین صدمے سے چور چور ہو گئی۔ آواز ویسے بھی نقاہت کے باعث سرگوشی نما تھی۔ ذرا سا بولنے پر سانس پھول جاتی تھی۔ "کتنا بڑا طوفان آیا ہو گا میرے خدا" اسے یہاں بیٹھے جھکڑوں اور بگولوں کی شدت محسوس ہو رہی تھی۔

"اس سے کچھ کم ہی ہو گا جو امبرین کے اجڑنے پر دونوں گھروں میں آتا۔ چلو اب کچھ دیر کے لیے خاموشی سے لیٹ جاؤ۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" وہ بات ٹال کر اسے کمبل اڑھانے لگا۔

"مجھے بولنے دو بہت دن ہو گئے گونگے پن کا عذاب اٹھاتے ہوئے۔" وہ اس اچانک دھچکے پر گم صم بیٹھی تھی۔

"بولنا ہی چاہتی ہو تو مجھے ایس پی صاحب کے متعلق بتاؤ۔ پروفیسر کو تو ایک ہیڈ لائن میں سمیٹ دیا۔ ایک کھمنی پولیس آفیسر صاحب کے لیے بھی ہو جائے۔ یہ کیسے اور کیونکر بیچ میں آئے۔" وہ سمجھ نہیں سکی سعد طنز کر رہا تھا یا اسے ایسا لگا تھا تاہم وہ اس کا لہجہ نظر انداز کر گئی۔

"خوب گویا بہن بھائی نے انتقام لینے کی غرض سے پیش قدمی کی تھی موصوف کا "حسن سلوک" تو یہی کہہ رہا ہے کیا خیال ہے"۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ بمشکل پھیکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لا سکی تھی۔ "سعد! تمہیں لیلیٰ شاہ یاد ہے۔ میں نے ایک بار تم سے ذکر کیا تھا"۔

"تھرڈ کلاس فوٹو گرافر؟" سعد نے تحقیر آمیز انداز میں سر جھٹکا۔ "جس سے تمہاری جھڑپ بھی ہوئی تھی آرٹس کونسل میں اور پھر تم نے اس سے بات کرنا چھوڑ دی تھی۔"

"ہاں لیکن وہ دوبارہ میرے کالج آ گئی تھی۔ بڑی ڈھیٹ شے ہے۔ ایس پی صاحب اس کی خفیہ نگرانی کرا رہے تھے انہوں نے دیکھ لیا اور یوں میں بھی اس معاملے میں ملوث ہو گئی۔ وہ بیوی سے زیادہ مشتبہ "مجرمہ" کو سادہ لباس میں گرفتار کر کے لائے ہیں۔ وس کوٹ میں نظر بند کیا گیا ہے مجھے۔"

وہ اتفاقوں کے جال میں جکڑی دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔ سعد دم بخود بیٹھا اس کا بیان سن رہا تھا جیسے یقین نہ آ رہا ہو۔

"پہلی رات سے "تفتیش" کا آغاز کر دیا گیا تھا"۔
"گویا اسی لیے اپنی کوٹھی لے جانے کے بجائے اس ویرانے میں لا پھینکا تھا"۔ سعد کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔
ارشین نے اپنا بیان جاری رکھا۔
"انہوں نے تشدد کے وہی دو روایتی طریقے اپنائے۔ پہلے جسمانی اذیت دی۔ پھر ذہنی اور نفسیاتی اذیت سے گزارنے کے لیے اس دہشت ناک اجنبی ماحول میں اکیلا چھوڑ گئے۔ وہ کسی طرح میرے اعصاب کو شکستہ کر کے مجھے توڑنا بکھیرنا چاہتے تھے۔ میری عزت نفس اور خودداری و اعتماد کو ریزہ ریزہ کر کے اقرار جرم پر مجبور کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ چاہتے ہیں۔"
سعد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔
"وہ چاہتے ہیں، میں دو باتیں قبول کر لوں۔ ایک تو یہ کہ میں برے کردار کی لڑکی ہوں جو دوسروں کے گھر اجاڑنے کے لیے مردوں کو بے وقوف بناتی ہے۔ دوسرا میرا تعلق جرائم پیشہ افراد سے ہے، میں ان کی معاونت کر کے حب الوطنی کی چادر کو داغ دار کر رہی ہوں اور تم جانتے ہو، پولیس والے اپنے مفروضوں کو منوانے کے لیے ہر انتہا سے گزر جاتے ہیں۔ وہ اپنے شک کے دائرے سے آگے دیکھنے کے عادی نہیں ہوتے۔"
"بس کرو ارشین!" سعد کا تنفس تیز ہو گیا۔ "مجھے اس مہذب درندے کے کارنامے سننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ تم ٹھیک ہو جاؤ۔ پھر میرے ساتھ چلنا۔ وہ نہیں بسانا چاہتا تو نہ سہی۔ تم کیوں اس کے انتقام کی بھینٹ چڑھو۔ طلاق لے۔۔۔"
"نہیں سعد!" اس کا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔ "دوبارہ ایسی بات نہ کرنا۔ یہ سزا میرے والدین کی نافرمانی کی ہے۔ میں نے زندگی میں بہت سی غلطیاں کی ہیں۔ جانے کس کس کا دل دکھایا ہو گا۔ بھگتنے دو اب مجھے یہ عذاب۔ شاید اسی طرح کفارہ ہو جائے"۔ اس نے آنکھیں موند کر ان پر بازو رکھ لیا۔
"تم پاگل ہو گئی ہو"۔ سعد سر تا پا جھنجلا گیا۔
"تم نے سنا ہو گا۔ سونا آگ میں تپ کر کندن بنتا ہے۔ حالات کی بھٹی میں جھلس کر شاید میرے کردار کا کھوٹ بھی نکھر جائے۔ ایس پی صاحب میرا ضبط، میرا حوصلہ اور جرات آزمانا چاہتے ہیں۔ ہر طرف بے دست و پا کر کے میری ثابت قدمی کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ میں انہیں مایوس نہیں کروں گی۔ تم تیر آزماؤ ہم جگر آزمائیں۔"
پھر اس نے بازو ہٹا کر سعد کی طرف دیکھا۔ "تم کل سے یہاں مت آنا سعد۔ ایس پی صاحب میری زندگی میں آسانی اور خوشی کا داخلہ ممنوع سمجھتے ہیں۔ شاید یہ لمحاتی سکھ بھی ان کو گراں گزرے۔ ایسا نہ ہو شک کا نیا در کھل جائے۔"
"تم اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کرو گی؟ اسی عقوبت خانے میں عمر گزار دو گی؟"۔ ارشین نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔ جواب اس کے پاس تھا بھی نہیں۔ کچھ دیر تک تکلیف دہ خاموشی کی چادر تنی رہی۔
"تمہاری خیر خبر لینے وس کوٹ تو آ سکتا ہوں ناں۔" اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔
"مگر نہ ہی آؤ تو بہتر ہو گا۔ آگے تمہاری مرضی" وہ کچھ تامل کے بعد آہستگی سے گویا ہوئی۔
"اچھا خدا حافظ" وہ ایک شکستہ سی نگاہ ڈالنے کے بعد تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل گیا۔ ارشین کی نظریں ہتھیلی پر جمی ہوئی تھیں۔

◆◆◆

جب کوئی میرے ہاتھ میں تقدیر دیکھتا
میں جھک کے اپنے پاؤں کی زنجیر دیکھتا

"یہ تھے جناب مرزا لال بجھنگ دہلوی۔ اب میں دعوت کلام دیتا ہوں جناب بابا دقیانوسی صاحب کو"۔ ناظر سر سے کھسکتی ٹوپی سلیقے سے جما کر گھاس پہ رکھا دوسرا کاغذ اٹھا لیا اور ترنم سے پڑھنے لگا۔
"ذرا اختصار سے کام لیجیے مولانا۔ آپ کی غزل ڈیڑھ سو میٹر لمبی ہوتی ہے۔ میری باری کب آئے گی"۔ سفیان سے رہا نہ گیا۔
"حضور نے ارشاد کیا تھا کہ پہلے میرے یعنی دائیں بازو والے شاعر حضرات اپنا کلام سنائیں گے۔"
"مجھے کیا خبر تھی تمہارے شاعروں کا تعلق ریس لگانے والے گھوڑوں سے ہو گا۔" سفیان جل کر بولا۔
دونوں سفید کرتے پاجامے میں جالی دار ٹوپیاں اوڑھے چوکڑی مارے آمنے سامنے لان میں بیٹھے تھے۔ درمیان میں ایک شمعدان اور پان الائچی کی پلیٹ رکھی تھی۔ مشاعرے کو مزید اثر انگیز بنانے کے لیے اگربتی بھی سلگا دی گئی تھی۔ ناظر نے گیندے کے پھولوں کا ہار گلے میں لٹکایا ہوا تھا۔ مشاعرے کے انعقاد کا اعلان تین روز قبل ہوا تھا جس میں آٹھ شعراء نے شرکت فرمانا تھی۔ یعنی فی کس چار چار شاعر آئے تھے۔
نہ جانے کہاں کہاں اور کس کس دیوان سے ٹوٹے جوڑ کر غزلیں گھڑی گئی تھیں۔ خدا خدا کر کے ناظر نے دوسرا کاغذ نپٹایا اور پھر اس کے تیسرے شاعر کی باری آئی۔
"بابا دقیانوسی کے بعد اب زحمت کلام دیں گے جناب نیاز دار چینی"۔
ناظر نے تیسرا کاغذ اٹھا لیا اور غور سے اپنا ہی لکھا ہوا سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔
"یہ کیا نام ہوا نیاز دار چینی؟" سفیان نے دخل در نامعقولات کیا۔
"کہاں سے شاعروں کو مٹی سے کھود کر برآمد کر رہے ہو؟" وہ کلس کر پوچھنے لگا۔
"نیاز اصلی نام ہے، داران کا تخلص ہے اور چینی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی اعتراض؟" ناظر نے خم ٹھونک کر اپنے نادیدہ و غیر مرئی شاعر کا دفاع کیا اور غزل پڑھنے لگا۔

دار ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

"ڈوب کے مرو، یہ تو میر کا شعر ہے۔" سفیان نے غم و غصے سے لرزنے کی کوشش کی۔
"افسوس تم کو میر سے محبت نہیں رہی"۔ ناظر نے سر ہلایا۔
"یہاں اپنا کون پڑھ رہا ہے میاں صاحبزادے۔ ہم ہوئے تم ہوئے میر ہوئے۔ سب اسی شوخ کے اسیر ہوئے"
"جلدی جلدی اپنے شاعر مکاؤ۔ میرے شعراء اپنا کلام سنانے کو بے تاب ہیں۔ نینی کو کالج سے پک کرنا ہے۔ بھائی جان کے اچانک آفس سے اٹھ کر گھر آ جانے کے چانسز بھی کافی زیادہ ہیں۔ کتنے رہ گئے ہیں اور؟ بھائی جان کو اگربتی کی خوشبو سے الرجی ہے۔ پکڑے گئے ناں تو یہی اگربتیاں ہماری تربت پہ سلگیں گی۔ دیکھتے نہیں آجکل کتنے خونخوار اور خوفناک موڈ میں گھر لوٹتے ہیں"۔
"بس میرا آخری شاعر رہ گیا ہے۔ جناب نجیب الطرفین غالبا" یہ حضرت صرف ایک شعر لے کر آئے ہیں۔" ناظر نے چوتھا کاغذ اٹھایا۔ عرض کیا ہے:

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالبا"
شرم تم کو مگر نہیں آتی

"شعر چوری کی کم سے کم سزا پھانسی ہونی چاہیے"۔ سفیان نے غور و خوض کے بعد تجویز کیا۔
"ہمت ہے تو رپورٹ لکھوا دیں۔" ناظر نے ڈنکے کی چوٹ پر کہا۔ "اخبار میں، بازار میں، یا تھانے میں، اب اپنے شاعروں کی پٹاری کھولیں۔"
سفیان نے اپنے کاغذات کا پلندہ پھرولنا شروع کیا۔ بڑا دانت پیستا شکریہ تھا۔
"نوازش نوازش، بندہ کس قابل ہے۔" ناظر جھک کر ڈھٹائی سے آداب بجا لایا۔
"ویسے تو آپ اس قابل ہیں کہ آپ کا سر مبارک گنجا کر کے اس کی ہموار سطح پر زندہ کاکروچ رکھ کر پیریڈ کرایا جائے شعر چرانے کی سزا کے طور پر۔ لیکن خیر۔ میں دعوت کلام دوں گا مسٹر وائس گائے کو۔"
اپنے پہلے شاعر کا کلام پڑھا۔ عرض کیا ہے:

ازدس اے فش

نو دس ازمائی وش

"یہ کیا بکواس ہے۔ یہ کوئی شعر ہے"۔ ناظر پہلے ہی شعر پر اکھڑ گیا۔

"یہ انگریزی کلام ہے۔ میرے ذاتی انگریزی شاعر کا' کرلو جو کرنا ہے"۔

"یہ شعر نہیں ہے۔" ناظر نے گھاس پر مکا مار کر احتجاج کیا۔

"تو کیا گیدڑ ہے؟" سفیان نے گھورنے کے بعد دوسرا کاغذ اٹھا لیا۔ "اب تشریف لاتے ہیں ہم رہے۔"

"یہ یہ شاعروں کے نام ہیں؟" ناظر کی تلملاہٹ قابل دید تھی۔

"اب کیوں مرچیں لگ رہی ہیں۔ تم بھی تو عجیب الخلقت چیزیں برآمد کر کے لائے تھے"۔ اس سے پہلے کہ جھگڑا طول پکڑتا مہران کی سرکاری گاڑی کا ہارن بجنے لگا۔

"باپ رے باپ' اگربتیوں کی خوشبو کا کیا کریں"۔ وہ بوکھلا کر ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ مہران اپنی دھن میں گاڑی بند کر کے اندر چلا گیا۔

"سفیان! پچھلی سیٹ پر ایک شاپر پڑا ہوگا۔ وہ نکال لانا۔" سیڑھیاں چڑھتے ہوئے مہران کو اچانک یاد آیا۔ اس نے چابیاں سفیان کی طرف اچھال دیں۔

"اور ناظر۔ تم بہت اچھی سی کافی کے ساتھ کچھ سینڈوچز وغیرہ میرے کمرے میں پہنچاؤ۔"

"بھائی جان! لنچ نہیں کریں گے۔؟" ناظر نے ڈرتے ڈرتے اس کی شکل پہ چھائی گمبھیرتا کا نوٹس لیا۔ "میرا مطلب ہے کھانا بالکل تیار ہے۔"

"نہیں صرف پندرہ بیس منٹ ہیں میرے پاس۔ چینج بھی کرنا ہے۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر اوپر چلا گیا۔ شاپر کندھے پہ ڈالے چابیاں گھماتے سفیان لاپروائی کے عالم میں اجازت لے کر اس کے کمرے میں آیا تھا۔

مہران وارڈروب سے پریس شدہ لباس نکال رہا تھا۔ وہ پولیس یونیفارم میں تھا۔ چہرے سے جھنجلاہٹ عیاں تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو۔ سفیان چاہتے ہوئے بھی کچھ پوچھنے کی جرأت نہ کر سکا۔

"لیجیے بھائی جان!" مہران کے اشارے پر اس نے شاپر یونہی سائیڈ پر ڈال دیا۔ شاپر کا منہ کھلا تھا۔ زنانہ سوٹ کھسکتا ہوا بیڈ پر آرہا۔

"یہ یہ ڈریس" سفیان کی پھیلی ہوئی حیران نظر کپڑوں سے ہو کر بھائی کے چہرے تک پہنچی اور مہران کا رنگ واضح طور پر بدلا تھا۔

"کچھ نہیں۔ یہ وہ۔ کسی کے ہیں۔" مہران سچ مچ بدحواس ہو گیا تھا۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر سمیٹنا چاہا اور سفیان نے دیکھا کسی بوتیک سے لیے گئے عمدہ زنانہ سوٹ تھے۔ ایک سفید اور دوسرا سبز۔ مہران نے کبھی زندگی میں زنانہ شاپنگ نہیں کی تھی اور نہ ہی اس کی نوبت آئی تھی۔ گھر میں ممی تھیں وہ اپنی شاپنگ خود کرتی تھیں۔ پھر ایک یہ زنانہ خریداری اور اس سے بڑھ کر چہرے اور آنکھوں کی بوکھلاہٹ و پریشانی۔ سفیان اس عجیب و غریب سچویشن کو کوئی بامعنی رنگ دینا چاہتا تھا مگر اس کا بھائی کی زندگی کا یہ پہلو اس کے لیے ناقابل یقین حد تک حیران کن تھا۔ مہران نے عجلت سے سمیٹنے کی کوشش کی تو چند چیزیں اور بھی سفیان کی نگاہ کی زد میں آگئیں۔ ہیئر برش' کتاب کے سائز کا آئینہ' ٹوتھ برش اور ٹوتھ پیسٹ۔

"تم جاؤ میں باتھ لوں گا۔" شاپر الماری کے خانے میں ڈال کر مہران نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ لہجہ اعتماد اور مضبوطی سے خالی تھا۔ جانے کیوں سفیان کو اس کی شخصیت کی یہ کمزوری اچھی نہیں لگی۔

مضبوط و مستحکم اور قطعی انداز میں دیکھا تھا۔ وہ متذبذب قدموں سے باہر نکل گیا۔

"ڈاکٹر فرخ' میں مہران آفریدی بات کر رہا ہوں۔ اب مریضہ کی طبیعت کیسی ہے؟ کب تک ڈسچارج ہو گی۔ میں تھوڑی دیر بعد روانہ ہو رہا ہوں"۔ دروازہ بند کرتے ہوئے چند جملے سفیان کی سماعت سے ٹکرائے۔

"ڈسچارج ہو جائیں گی؟!" وہ نئی الجھن میں پڑ گیا۔

"یہ کیا چکر ہے۔ کہیں وہی تو نہیں در نایاب' جن کا اکثر فون بھی آتا ہے۔" وہ کھویا کھویا سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ اسے حیرت و شکایت فقط اتنی تھی کہ بھائی اس طرح چھپا کیوں رہے ہیں۔ اگر وہ کسی لڑکی کو پسند کرنے لگے ہیں تو جھوٹ بولنے یا پردہ پوشی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے سیاہ پینٹ اور وائٹ شرٹ میں ملبوس شاپر اٹھائے مہران کو آفس کی چابیاں ڈھونڈتے دیکھا۔

"میں کل شام تک لوٹوں گا۔"

"کہاں جا رہے ہیں بھائی جان"۔ سفیان نے نجانے کیوں بغور اس کا چہرہ کھوجا۔

"شہر سے باہر۔ ایک ضروری کام ہے۔" اس نے دھیمے لہجے میں جواب دے کر گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

سفیان بہت دیر تک کھڑا سوچتا رہا۔

◆◆◆

"ان کے کوئی ہمسائے تھے۔ غالباً' رشتہ دار بھی میجر سعد۔ آپ یقیناً' جانتے ہوں گے۔ ان ہی کی اچانک آمد نے ان کا کنکشن بحال کیا ہے۔"

مہران کے فراخ پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ تاہم وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

"وہ اب ٹھیک ہیں لیکن جسمانی کمزوری باقی ہے۔ آپ مقوی اور صحت بخش غذا استعمال کرائیں۔ خوشگوار ماحول فراہم کریں اور ان کے آرام و سکون کا خاص خیال رکھیں۔ ذہن پر کوئی بوجھ نہیں پڑنا چاہیے۔" وہ طاقت کے کچھ ٹانک اور انجکشن لکھ کر دے رہے تھے۔ لہجہ پیشہ ورانہ تھا۔

"ریسپشن سے ڈسچارج سلپ بنوا لیجیے گا۔ وش یو گڈ لک"۔

ڈاکٹر نے دوائیوں کی پرچی مہران کی طرف بڑھائی جسے اس نے باہر آ کر صفائی سے موڑ کر پھینک دیا۔

"ہونہہ کس طرح کھلاتا ہوں تمہیں طاقت بخش دوائیں۔ اتنی رعایت بہت کافی ہے کہ اب تک زندہ رکھا ہے۔ تمہارے ناپاک خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا لیکن تمہیں تندرست یا خوش باش دیکھنا کیسے گوارا کروں۔" اس کا ذہن شعلوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

تیز قدموں سے کوریڈور عبور کرنے کے بعد وہ اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ نرس ارشین کا ہاتھ تھام کر باتھ روم سے لا رہی تھی۔

نرس نے اسے بستر پر بٹھانے کے بعد ٹانگوں پر کمبل ڈالا۔ ایک نظر اس باوقار اور سحر طراز شخصیت کے مالک پر ڈالی اور فارغ ہونے کے بعد ارشین کو آرام کا مشورہ دیتی کمرے سے نکل گئی۔

ارشین اسے سامنے پا کر خوفزدہ سی ہو گئی تھی' اس نے سانس روک کر دزدیدہ نگاہ مہران پر ڈالی اور پھر سکڑ گئی۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

بڑی جدوجہد کے بعد وہ بمشکل خود کو اس سے بات کرنے پر آمادہ کر سکا تھا۔

بہت آہستگی سے اس نے جواب دیا۔

"معذوروں کی طرح بستر پر کیوں پڑی ہو۔" وہ بے مہر سے انداز میں بولا۔ "کیا اسی بہانے سزا کا ٹائم کم کرنا چاہتی ہو؟ "محل سرا" میں تمہارا انتظام ہو رہا ہے۔ اٹھو چل کر کاروبار سلطنت سنبھالو"۔ اس کا لہجہ زہریلا تھا۔ "میں فطرتاً" رحم دل واقع ہوا ہوں۔ تمہاری اچھی قسمت۔ اس میں ضرورت کی چیزیں ہیں۔" اس نے شاپر بیڈ پر پھینکا۔ "حالانکہ تم اس رحم دلی کی مستحق نہیں ہو۔ بہرحال' اٹھو"۔

وہ کھڑا ہو گیا۔ ارشین نے بستر سے پاؤں نیچے اتارے اور آہستہ آہستہ چند قدم چل پھر لڑکھڑا سی گئی۔

"میں عورت کی قربت سے گھبراتا ہوں۔ اداؤں کے یہ جال نہ ہی پھینکو تو بہتر ہے۔ مجھ پر اثر انداز
گے۔" طوعاً و کرہاً" مہران نے اس کا بازو تھام کر گرنے سے بچایا۔
اس کی گرفت شکنجے کی طرح سخت اور بے رحم تھی۔
"آپ بازو چھوڑ دیں۔" وہ اذیت ناک انداز میں کراہی۔
"کیوں؟" وہ اس کی چھلکتی آنکھوں میں دیکھنے لگا جو اس وقت بہت قریب تھیں۔ ساتھ ہی اس نے
اس کا کندھا جکڑ لیا۔ اس کی سفاک انگلیاں گرم سلاخوں کی طرح اس کی جلد میں کھبنے لگیں۔
"تو پھر مار ڈالیں مجھے۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔
"اتنا آسان انجام نہیں مائی ڈیر! میں تمہیں پل پل مرتا دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ سنگدلی سے مسکرایا۔
رات تو محض ٹریلر تھا۔ پوری فلم ہنی مون پر دکھاؤں گا۔ جو تمہاری ناسازیٔ طبع کے باعث لیٹ ہو
ارشین پوری جان سے کانپ گئی۔ چہرے سے ہاتھ ہٹا کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ
استہزائیہ مسکرایا۔
"کیوں۔ کیا ہنی مون کا لفظ پہلے کبھی نہیں سنا؟ حالانکہ تمہاری جیسی عورتیں تو۔" وہ اس کی نم
سے اوپر کرتا ہوا دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ "میں چاہتا ہوں تم اتنا روؤ کہ
آنکھیں اندھی ہو جائیں۔ اتنی مشقت جھیلو کہ تمہارا رنگ روپ اجڑ جائے۔ اتنی ذلت اٹھاؤ کہ
اعصاب جواب دے جائیں اور تم پاگلوں کی طرح گلیوں میں نکل جاؤ۔ لوگ تمہیں پتھر ماریں، دو وقت کی
لیے ترسائیں۔ میری خواہش ہے میں تمہارا عبرت ناک انجام دیکھنے کے لیے زندہ رہوں۔
جملے جیسے تیزاب میں غوطہ کھا کر اس کے خوبصورت سرخی مائل ہونٹوں سے ابل رہے تھے۔ چند لمحے
دم بخود لب بستہ کھڑی رہ گئی۔
آواز کی تپش اور سفاکی اس کے لمس میں بھی بدرجۂ اتم موجود تھی۔ ارشین کو لگا وہ چند لمحے اور اس کے
حصار میں رہی تو اس کی نبض رک جائے گی۔ روح جسم کے پھندے سے آزاد ہو جائے گی۔
"اور یہ ہمسایہ نما رشتے دار کا کیا چکر ہے۔ وہ نوجوان تم تک پہنچ گیا۔ میں تمہاری سزا میں معمولی تخفیف
روادار نہیں ہوں۔ وہ دوبارہ دکھائی نہیں دینا چاہیے تمہارے حق میں یہی اچھا ہوگا۔ چلو"۔ مہران نے اسے
آگے دھکیلا۔
ڈیوز کلیئر کرا کے وہ ہسپتال کے احاطے میں کھڑی ایف ایکس کی طرف آ گیا۔ ارشین ڈگمگاتے قدموں
کی تقلید کر رہی تھی۔
"پیچھے بیٹھو۔ اپنی اوقات کے مطابق۔ میرے ساتھ کی سیٹ پر فقط وہ بیٹھے گی جو سچ مچ دل اور حیات کی
ہوگی۔ قانوناً" دوسری لیکن حقیقتاً" میری پہلی بیوی۔" ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر پچھلا لاک کھولتے ہوئے
نے حقارت سے مخاطب کیا۔ ارشین نے چونک کر سر اٹھایا۔ بات اتنی مشکل نہیں تھی جو سمجھ میں نہ آتی۔
"تمہاری ڈرائیوری کے علاوہ اور بھی بہت سے کام ہیں میرے پاس فالتو نہیں ہوں میں۔" مہران
ثانیے کی تاخیر برداشت نہیں ہوئی۔ بری طرح برس پڑا۔ وہ جلدی سے دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔
اختتام سفر دین کوٹ کے اس بوسیدہ مکان پر ہوا۔ لال دین کی بیوی گاڑی دیکھ کر ادھر آ گئی تھی۔ خیر
دریافت کرنے کے بعد اس نے رضا کارانہ طور پر یا شاید خیر سگالی کے جذبے کے تحت مکان کی صفائی
مدد دینا چاہی لیکن مہران نے سہولت سے منع کر دیا۔
"بی بی خود کریں گی۔ شکریہ۔ آپ جائیں۔"
ارشین کو نقاہت کے مارے چکر آ رہے تھے۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ جی چاہتا تھا کہیں بستر
دے تو اوندھی لیٹ جائے۔
"یہاں پہ قدم رکھنا دشوار ہے۔ برآمدے میں جھاڑو رکھی ہے۔ غالباً" اسے صفائی کے لیے ہی استعمال

...الجھن سے حکم دیتا تھا۔ طنز کی کاٹ اور تمسخر کا زہر ملا کر۔
...نے جھاڑو اٹھائی اور ہمتیں مجتمع کرتی ہوئی برآمدے کا گرد آلود فرش صاف کرنے لگی۔ ایک کمرہ تو وہ تھا
جہاں اس رات لایا گیا تھا جو فقط کھری چارپائی اور دیوار گیر الماری پر مشتمل تھا۔ دوسرا کمرہ برآمدے کے عین
...کھول کر دیکھنے پر حیرت ہوئی۔
...فرنیچر موجود تھا۔ قدیم وضع کا مگر کسی قیمتی لکڑی سے بنا۔ ڈیزائن بے شک نصف صدی پہلے کا تھا مگر اس
...نقش و نگار اور نفاست میں برصغیر کے فن تعمیر کے کسی ماہر کاریگر کا ہنر جھلکتا تھا۔
...کے پٹ والی دیوار گیر بند کھڑکی کے ساتھ رکھا پانچ فٹ چوڑا اور چھ فٹ لمبا پلنگ سیاہی مائل چمکدار
لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ پلنگ سنگل تھا لیکن دو افراد کے لیے بہت کافی تھا۔ اس پر سرخ مخملیں چادر بچھی تھی۔
...پائنتی پر رکھی شنیل کی رضائی اور فرش پہ بچھی دری کا رنگ بھی سرخ تھا۔
...کے سامنے والی دیوار کے ساتھ خوبصورت بازوؤں والی دو آرام کرسیاں تھیں جن کے آگے شاہ بلوط کی
...کونوں والی میز رکھی ہوئی تھی۔
بڑی دیوار میں لکڑی کی بہت بڑی الماری تھی جس کے بے شمار خانے بیک وقت کپڑے، جوتے، کتابیں،
...زیور اور دیگر ضروری اشیاء رکھنے کے کام آتے ہوں گے۔
...دیوار میں کشادہ آتش دان تھا۔
...پسماندہ گاؤں میں ایسا آرام دہ اور پر آسائش کمرہ اسے حیرت ہوئی۔
مہران کے پردادا تن تنہا رہتے تھے، انہوں نے مزید تعمیر کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے مکان کا وسیع احاطہ
...خالی چھوڑ دیا تھا۔ وہ کمرہ جو پہلی رات ارشین کو تفویض کیا گیا تھا غالباً" اسٹور روم کے طور پر بنایا گیا تھا اسی
...میں سردی گرمی کے لحاظ سے کوئی سہولت مہیا نہیں کی گئی تھی۔ فرنیچر کا انتظام بھی نہیں تھا۔
"مجھے اور کتنی دیر برآمدے میں بیٹھنا ہوگا۔" وہ جھلاتا ہوا اندر آیا تھا۔
"اس درجہ پھوہڑ ہو کیا۔ ایک کمرہ تک صاف نہیں ہو رہا۔ بھلے سے اپنے "بیڈ روم" کا تنکا نہ ہلاؤ۔ لیکن میرا
...کی طرح چمکنا چاہیے۔ میں یہاں آؤں یا نہ آؤں یہ تمہاری روز کی ڈیوٹی ہے اور ہاں علاوہ صفائی کے میری
اجازت کے بغیر یہاں قدم رنجہ فرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں تمہاری حیثیت کے مطابق ٹھکانا فراہم کر دیا
...اسی پہ قناعت کرو۔" وہ کٹھور پن کے بم گرا کر دوبارہ باہر آ گیا۔
...صفائی کرنے کے بعد فرنیچر پر کپڑا پھیرنے لگی۔ دری جھاڑو سے کسی حد تک گزارے لائق بن گئی
...صفائی مکمل کرنے کے بعد وہ باہر آ گئی۔ اپنا کمرہ صاف کرنے کی اس میں بالکل ہمت نہیں رہی تھی۔ کچن اور
...روم کی صفائی بھی کل پہ موقوف کر دی۔
...بال مل جائے گا۔" وہ نڈھال سی برآمدے میں اینٹوں سے بنے سخت بینچ پر بیٹھ گئی جو دیوار کے ساتھ بنایا
...کے ایک کونے پر اس وقت مہران ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔
..." اس کے بیٹھتے ہی مہران فوراً" اٹھ گیا۔ اس نے انگلی سے صحن میں دو دو تین فٹ لمبی نوکیلی جنگلی
...کے ہینڈ پمپ کی طرف اشارہ کیا تھا۔
...وہاں تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے گھاس کے سرے نوکدار اور تیز ہیں۔ یہ تو جسم میں گھس جائیں گے۔"
...اس کی طرف دیکھنے لگی۔ جواب میں وہ اس کے کمرے یعنی اسٹور روم میں چلا گیا اور دیوار گیر
...درانتی نکال لایا۔
...رسائی کا طریقہ" اس نے درانتی بینچ پر رکھ دی اور محظوظ ہونے والے انداز میں مسکرایا۔ ارشین
...دیکھنے لگی۔ گویا اشارہ تھا کہ درانتی سے گھاس کاٹو اور راستہ بناؤ۔
...بہت تھک چکی ہوں۔ میرا پورا جسم ٹوٹ رہا ہے"۔ اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا لگ گیا۔
...جب تھکن مٹ جائے تب ٹرائی کر لینا۔" اس نے بے حسی سے شانے اچکا دیے۔

"کیا آپ میں اتنی سی انسانیت بھی نہیں ہے۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

"نہیں" وہ بالکل پرسکون اور سپاٹ رہا۔

"انسانیت کا تعلق انسانوں سے ہوتا ہے۔ وطن دشمنوں کی ایجنٹ بے باک و بدقماش عورت، ایک بے کردار لڑکی کسی رحم کی مستحق نہیں، کس منہ سے انسانیت کی بات کرتی ہو" اس نے غضبناک نظروں سے اسے دیکھا۔

"لیلیٰ شاہ سے اس ڈرامے کی ہدایات لیتے وقت یقیناً" تاریخ کا تعین بھی کرلیا ہوگا۔" ... پیس کر کہا۔ "جب ہی تو وہ مجھے شادی کی مبارکباد دے رہی تھی۔ جی چاہتا ہے تمہارے ٹکڑے کر کے چیلوں کووں کو کھلا دوں۔ اتنی پکی ہو! اتنے تشدد کے بعد بھی اگل کر نہیں دے رہیں۔"

دفعتاً" اس نے آگے بڑھ کر ارشین کے بال مٹھی میں جکڑے اور جھٹکا دے کر بنچ سے نیچے گرایا۔ "... رابطہ کرتی ہو اس عورت سے؟ کس کے ذریعے سگنل دیتی ہو۔؟" مہران کی آنکھوں سے خون جھلک ... کے اندر کا روایتی پولیس آفیسر بیدار ہو گیا تھا۔

"بتاؤ۔ ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گا۔" اس نے اس کا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ ابلتے ہوئے فوارے نے ارشین کے ساتھ ساتھ مہران کی سفید براق قمیص بھی رنگین کر ڈالی تھی۔

"رک جاؤ۔ یہ کیا کر رہے ہو تم۔" ایک توانا ہاتھ نے مہران کو دھکا دے کر ارشین کو اس کے پنجوں سے چھڑایا تھا۔ مہران نے پلٹ کر دیکھا۔

وہ میجر سعد تھا جو ایک ہفتے بعد اس کا پتا پوچھنے ہسپتال آیا تھا۔ ڈسچارج ہونے کی خبر سن کر وہ سیدھا یہاں پہنچا تھا۔

مہران خطرناک تیوروں سے سعد کی طرف بڑھا۔

"تم یہاں کیا کرنے آئے ہو مسٹر پڑوسی۔" وہ سرد مہری سے سعد سے مخاطب تھا۔ "یہ تمہارا مسئلہ نہیں، جاؤ یہاں سے۔" سعد نیم جاں ارشین کو اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تاکہ تم آسانی سے اسے قتل کر سکو۔ مہذب وحشی۔ اذیت پرست انسان" سعد کا جی چاہ رہا تھا کہ پورا برسٹ اس شقی کے جسم پر خالی کر دے۔

"لاوارث اور بے آسرا سمجھ کر کشتۂ ستم بنا رہے ہو ناں۔ اس کے والی وارث ابھی زندہ ہیں۔ ... میں تمہاری ایک نہیں سنوں گا۔ چلو میرے ساتھ۔" یکلخت مہران کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم نمودار ہوا۔

"یہ ہم میاں بیوی کا آپس کا معاملہ ہے۔ ارشین! سمجھاؤ اسے بھی۔" اس نے پلٹ کر اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں میں پیوست کردیں۔ ہڈیوں کے گودے تک میں اتر کر ٹھٹھرا دینے والی کچھ کہتی ہوئی عجب سی ... جانے کیا تھا جس نے ارشین کا پورا وجود برف بنا دیا۔

"یہ انسانی جان کا معاملہ ہے خونی بھیڑیے۔" سعد اپنے حواسوں میں نہیں رہا تھا۔

"تم جاؤ سعد پلیز، میری بات مان لو۔" دوپٹے سے پیشانی کا لہو پونچھتی ارشین بنچ کے کونے کا سہارا لے بیٹھی۔

"بس، سن لیا ناں 'اب جاؤ یہاں سے۔" مہران کے اعصاب حیرت انگیز طور پر پرسکون رہے تھے ... ٹھنڈا اور بے تاثر تھا۔

"اسے میڈیکل ٹریٹ منٹ کی ضرورت ہے سنگدل آدمی" سعد نے بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے مہران کو گھور کر دیکھا۔

"میں نے کہا ناں۔ یہ میرا مسئلہ ہے۔ جو مناسب سمجھوں گا کروں گا برائے مہربانی آپ تشریف لے جائیے ... رہا دروازہ۔"

تذلیل و توہین اور صدمے سے چور قدموں سے وہ نا چاہتے ہوئے واپس چلا گیا۔ حق ہمسائیگی کے ...

... تھی۔ وہ سراپا اس پر حق رکھتا تھا۔ اور پھر یہ دیہات تھا جہاں شوہر سے پٹنا ... مہران کی وہ قانونی ملکیت ... فرائض میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

... مرد ... سناٹا چھا گیا۔

... کے بعد برآمدے میں ... لیجیے ناں" ارشین نے بنچ پر رکھی درانتی اٹھا کر کانپتے ہاتھوں سے مہران کی طرف ... کیوں ... کتنے جتن کر کے اپنے حواس بحال رکھے ہوئے تھی۔ آواز ڈوبتی ہوئی اور بے حد دھیمی تھی۔

... نے ہونٹ بھینچ کر درانتی جھپٹی اور صحن میں گھاس پر دے ماری۔

... اس نے ارشین کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اٹھایا۔ لہجہ بھنچا ہوا اور منتشر تھا۔ اسٹور روم کی اتنی بری حالت ... کچھ سوچ کر وہ اسے سہارا دیے اپنے کمرے میں لے آیا اور فرش پہ بچھی دری پہ لٹا ... گھٹنے لگا۔ ... مہران کا ... سرخ غلاف میں لپٹی گدی اٹھا کر اس کے سر کے نیچے رکھی، آتشدان جلایا پھر لکڑی کی ... پھولدار ... میڈیکل باکس نکال کر اس کی پیشانی کی ڈریسنگ کرنے لگا۔ وہ جب بھی ون کوٹ کا چکر لگاتا تھا ... کا نیا اسٹاک ساتھ لے آتا تھا کہ کہیں ایمرجنسی ضرورت پڑ سکتی ہے اس کے کچھ کپڑے بھی ... اس نے بدل لیے تھے۔ سکون کا انجکشن لگانے کے لیے آستین اوپر چڑھائی تو اس کے سنہری بازو کا نرم لمس مہران کی انگلیوں کی پوروں میں اتر کر بولنے لگا۔ ارشین گردوپیش سے بے خبر غنودہ سی کیفیت میں ... لیٹی تھی۔

... نے سر جھٹک کر اپنا کام مکمل کیا پھر لال دین کے ہاں چلا آیا۔

"... گھر کا باتھ روم اور کچن صاف کرانا ہے۔ کوئی کام والی عورت مل جائے گی۔"

"... اپنی لاڈو جو ہے۔ بڑی پھرتیلی ہے کام کاج میں۔ جا ری لاڈو جا کر باؤ جی کے ہاں صفائی کر دے۔"

مہران نے سوچا 'وہ صفائی کے بعد پچاس کا نوٹ بچی کے ہاتھ میں تھما دے گا پھر اس کی نظر طفیفے پر پڑی۔ اس ... آٹھ نو سال کے اس ہوشیار بچے کو بلایا۔

"... تندور سے روٹیاں اور سالن لے آؤ۔ ان میں سے دو روپے تمہارے"۔ اس نے لال دین کے احتجاج ... اس کے گھر سے کھانا نہیں کھایا۔

"... یہ گھاس بھی کاٹ کے صاف کر دوں"۔ پچاس کا نوٹ ملتے ہی لاڈو سراپا نیاز بن گئی تھی۔ اس نے رگڑ رگڑ کر کچن اور باتھ روم چمکایا تھا۔ باتھ روم میں بیسن اور فلش سسٹم موجود تھا۔ تین چار سال پہلے جب مہران کو ... دو تین دن کے لیے ٹھہرنا پڑا تو فلش اور ٹیپ وغیرہ کی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔ چنانچہ اگلے روز اس ... شہر سے مزدور بلوا کر کام شروع کرا دیا تھا۔ سینٹری کا سارا سامان اس نے اسلام آباد سے منگوایا تھا۔ جدید ... سفید ٹائیلنگ 'اسٹائلش بیسن اور وائٹ موڈ فٹنگ کے بعد باتھ روم کسی بنگلے کا حصہ بن گیا تھا گویا۔ البتہ ... بھاگنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

"... صحن کی صفائی کر دوں؟" لاڈو نے دوبارہ دریافت کیا۔

"... نہیں رہنے دو ... بی بی خود کر لیں گی"۔ وہ کچھ سوچ کر بولا۔

... لاڈو ٹکر ٹکر صورت دیکھنے لگی۔ "وہ تو جی بیمار ہیں اور پھر وہ شہری ہیں درانتی پکڑنا بھی نہیں آتا ہوگا۔ ... والی گھاس کاٹنا عام آدمی کا کام نہیں ہے جی ہم تو عادی ہیں روز کا کام ہے ہمارا"۔

"... عادی ہو جائے گی۔" مہران نے سختی سے کہا تو وہ چپ ہو گئی۔

"... دکان سے لالٹین میں تیل بھروا لاؤ۔" اس نے لالٹین لاڈو کو تھما دی۔

... کے سائے گہرے پڑنے لگے تھے۔ کمرے میں روشنی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد لاڈو ... اپنا کام کر کے لوٹ آئے۔

... جلانے کے بعد مہران نے باہر کا پھاٹک بند کیا اور کھانا لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ برتن بر کتے نے ... تھے کمرے میں لالٹین کا مدھم اجالا بکھر گیا۔

"اٹھو کھانا کھالو۔" وہ ٹرے میز پر رکھنے کے بعد فرش پر اس کے قریب بیٹھ گیا اور اس کا کندھا ہلایا۔
ارشین نے اڑے اڑے حواس سمیٹتے ہوئے کڑی مشقت کے بعد تھکن آلود پلکیں اٹھائیں۔ چہرے... خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے" وہ لالٹین کی روشنی میں کچھ زیادہ ہی زرد دکھائی دے رہی تھی۔

"بتایا ناں' قدرت نے فطری رحمدلی کا مادہ عطا کیا ہے۔ خطرناک مجرموں کے لیے بھی حتی الوسع ترا... رکھتا ہوں۔ دیکھو میں نے تمہیں اپنے کمرہ خاص میں جگہ دی ہے۔ اتنی سخت سردی میں ٹھٹھرا... گرم اور خوشگوار ماحول فراہم کیا ہے۔ ورنہ اصولاً "اس وقت تمہیں گرد سے اٹے ٹھنڈے اور ... بان کی چارپائی پہ دراز ہونا چاہیے تھا۔"

مہران نے اس کا بازو آنکھوں سے ہٹایا اور شانوں پہ ہاتھ پھیلا کر زبردستی اٹھا دیا۔
"فکر نہ کریں۔ کل سے وہیں پہ ٹھکانا ہوگا۔" وہ سر جھکائے نقاہت بھری آواز میں گویا ہوئی۔ کمزوری ... سے اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔

"تمہیں جی بھر کر ہمارا شکر گزار ہونا چاہیے۔ باتھ روم اور کچن کی صفائی سے خلاصی دلا دی ہم نے، گھاس البتہ تم خود کاٹوگی۔"

مہران کا پر غرور لہجہ اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ کرم یا غضب کرنے کا پورا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے۔
"یہاں رہنے کے لیے سخت جان بننا ہوگا۔ پرانے نخرے بھول جاؤ اور یہ روز روز بیمار پڑنے کا ڈرامہ بند کردو۔ ابھی تو نجانے کتنے معرکے ہوں گے۔ چلو شروع کرو۔" وہ رعب سے بولا۔ مگر ارشین ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"مجھے واقعی بھوک نہیں ہے۔ میں بس لیٹنا چاہتی ہوں۔"
مہران نے ایک نظر بغور اس کے سراپے کو دیکھا۔ پھر بے نیازی سے دری سے اٹھ کر کرسی پہ بیٹھ گیا اور کھانے لگا۔

ارشین دوپٹہ درست کرتی ہوئی دوبارہ لیٹ گئی اور دونوں بازو قینچی کی شکل میں آپس میں لپیٹ کر آنکھوں پہ رکھ لیے۔ وہ سکڑی ہوئی پڑی تھی۔
کچھ دیر بعد اسے کسی نرم گرم چیز کے اپنے اوپر پھینکے جانے کا احساس ہوا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ لحاف سفید کمبل جسے نکالنے کے بعد مہران الماری بند کر رہا تھا۔

"میں نہیں چاہتا' صبح دری پہ تمہارے بجائے ٹھنڈ سے اکڑی لاش سے ملاقات ہو۔ اس طرح میرے ... پلان کا کیا بنے گا۔"

وہ بے حسی سے کہتا ہوا کمرے کا دروازہ بند کرنے لگا۔ کھانا وہ کب کا کھا چکا تھا۔ دروازے کی چٹخنی چڑھا کر وہ پلنگ پر آگیا۔ عادتاً "سونے سے پہلے قمیص اتار کر سرہانے رکھی اور پھر سرخ شنیل کی رضائی میں دبک گیا۔
ارشین چپ چاپ کمبل گردن تک کھینچ کے لیٹ گئی اور آنکھیں بند کرلیں۔ لالٹین پلنگ کے پاس والی ... میں رکھی ہوئی تھی۔ اس کی روشنی مہران کو ڈسٹرب کر رہی تھی۔
"مجھے روشنی میں نیند نہیں آتی۔ بتی بجھا رہا ہوں۔ تم نے بھی یقیناً" اس وقت سوئی نہیں پرونی ہوگی۔" ... کر اس نے کھٹاک سے لالٹین کا شیشہ ہینڈل سے اوپر اٹھایا اور پھونک مار کر جلتی لو بجھا دی۔ اب کمرے میں ... اندھیرا تھا۔

دور کہیں سے گیدڑوں اور کتوں کے چیخنے کی آواز آرہی تھی۔ جھینگر اور مینڈک اپنے اپنے سر الاپ رہے تھے۔ ماحول پر اس وقت رات کی جادوگرنی کا سحر بول رہا تھا۔

◆◆◆

جانے کون سا پہر تھا جب کسی نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا تھا۔
"... کے سوئی ہو؟ اٹھو، باہر کا دروازہ بند کرلو۔ ہاں اگر جنگلی جانوروں سے دوبارہ ملاقات کا اشتیاق ہے تو ... میں شہر واپس جارہا ہوں۔"
... آنکھیں کھولتے ہی جالی والی ٹوپی اتارتا مہران قریب کھڑا نظر آیا تھا۔ وہ غالباً "فجر کی نماز ادا کرکے ... آیا تھا۔

"... جا رہے ہیں؟" ارشین کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ وہ ٹھٹھک کر اٹھ بیٹھی' ایک قدرتی سا خوف خود بخود ... کا احاطہ کرنے لگا۔ جائیں گے تو جانے کب واپس آئیں۔ ہفتے دو ہفتے بعد یا شاید اس سے بھی زیادہ' وہ اتنا ... اس ویران جگہ پر کس طرح رہ سکے گی. جبکہ یہاں کا ماحول' رہن سہن' لوگ' ضروریات ہر چیز اس کے لیے اجنبی ہے۔

مہران غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے غالباً "تمام تاثرات پڑھ رہا تھا۔
"... ابھی بھی وقت ہے۔ اپنے تمام گناہوں کا اعتراف کرلو اور پھر مجھ سے رحم کی درخواست کرو۔ شاید ... کچھ تخفیف کردی جائے۔ کم از کم "ٹھکانہ" تو بدلا جاسکتا ہے۔ یہاں کے بجائے نسبتاً "کسی بہتر ... منتقل کیا جاسکتا ہے۔" وہ پہلی بار قدرے رسانیت سے مخاطب ہوا۔
ارشین کے ہونٹوں پر ایک بے نام سی مسکراہٹ در آئی۔
"کس کس گناہ کا اعتراف کریں ایس پی صاحب! خطاؤں کی گٹھڑی بہت بھاری ہے۔ آپ سے اٹھائی نہیں ... ہم تو سرتاپا گناہ ہیں۔" لہجہ مدھم اور تھکا ہوا تھا۔
"تمہاری یہ جو نام نہاد مضبوطی اور بہادری ہے ناں' یہاں رہ کر سب نکل جائے گی۔" اس کے انداز پر وہ ... ہوگیا۔ "مجھے تو حیرت ہے۔ کس درجہ بے حمیت اور بے حس عورت ہو تم۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتی تو ... شرم سے اپنا وجود دنیا سے مٹا چکی ہوتی۔ تمہیں ذرہ برابر احساس نہیں کہ تم برائی کی کس دلدل میں دھنسی ... اس پر طرہ یہ کہ نیک اور معصوم بن کر بیٹھی ہو۔ اپنی خاموشی سے یہ جتانے کی کوشش کرتی ہو کہ تم ... اور میں تم پر ظلم ڈھا رہا ہوں۔ صبر و رضا کی پتلی بن کے دکھاتی ہو مجھے چیلنجنگ انداز سے یہ واضح کرنا ... ہو کہ تم ہر معاملے سے نپٹنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔"
... ارشین حسب معمول چپ چاپ بے تاثر صاف سلیٹ چہرہ لیے بیٹھی سن رہی تھی۔
"... ہے ایس پی صاحب! کہ حالات اچھے ہوں یا برے' میں ہمت نہیں ہارتی۔" وہ سر جھکا کر ... مخاطب ہوئی۔ اس کا ایک ہاتھ دری پر متوازی لکیریں کھینچ رہا تھا۔
"... یہاں اکیلے اور خالی ہاتھ گزارا کرنا' دن کاٹنا اور سب سے بڑھ کر رات سے دن کرنا سچ مچ کی ذہنی اذیت ... خوف کے انسان فوت بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن اب کیا کیا جائے۔" اس نے سر اٹھا کر آسمانی بلو شلوار ... کف بٹن بند کرتے مہران کی طرف دیکھا۔
"... تو پھر بھی خاصا آسان کام ہے محترمہ! یہاں پل پل فوت ہونے کا تجربہ حاصل ہوگا تو خود بخود مزاج ... جائیں گے۔" وہ مڑ کر عین اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ لہجہ تمسخرانہ اور طنزیہ تھا۔
... بالکل سیاہ آنکھیں جن میں عجیب سی سادگی اور نرمی تھی۔ مہران نے نگاہ موڑ لی۔
... کی جھلاہٹ کا شکار ہو کر جاگرز کسنے لگا۔
"... عورتیں خود پہ مردانگی کا کاغذی خول چڑھا کر ظاہر یوں کرتی ہیں۔ جیسے ایک عالم ان کی قوت تسخیر کے ... میں چاہتا تھا تمہارا کھوکھلا بھرم قائم رہے۔ لیکن اب مقابلے پر اتر آئی ہو تو اس رحم دلی کی ضرورت باقی ... اس نے کچھ سوچ کر والٹ دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔ پھر اس سے دو تین قدموں کے فاصلے پر ٹھہر کر ...

کچن میں مٹی کا چولہا ہے جہاں لکڑیاں جلا کر کھانا بنانا پڑتا ہے۔ لکڑیاں چننے کے لیے کھیتوں میں جانا

ضروری ہے۔ چھوٹا سا گاؤں ہے فقط ایک دکان ہے جس سے بنیادی ضروریات کی چیزیں ہی مل سکیں
یہاں سے پون گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔ لیکن اس کی ہیئت بھی ماڈرن دیہات جیسی ہے۔ اسلام آباد
والوں کو تو ایسا ہی لگے گا۔ بجلی، گیس، ٹیلی فون اور دل بہلاوے کے لیے ٹی وی ریڈیو کتابیں کچھ بھی
ہو سکتا۔ دیہاتی ماحول کا تمہیں تجربہ نہیں۔ اس کے باوجود اگر کسی جادوئی چھڑی کے ذریعے تم خود کو
خوش اور مصروف رکھ سکتی ہو تو میں یہ حیرت انگیز کارنامہ دیکھنے کے لیے گاہے گاہے چکر لگاتا رہوں گا
اس بے سرو سامانی اور قید تنہائی کے عالم میں تمہارے اعصاب کتنے عرصے تک تمہارا ساتھ دیتے ہیں
کی چابیاں اٹھا کر باہر نکلنے لگا۔

"ہاں جب شکست خوردہ ہو کر اعترافات کرنا چاہو اور مدد کی بھیک طلب کرنا چاہو تو یہ کارڈ رکھ لو۔ میرے
آفس کا ایڈریس درج ہے اس پر۔"

بے پروائی سے کارڈ برآمدے کے اینٹوں سے بنے بینچ پر پھینکتے ہوئے وہ بیرونی دروازے کی طرف
بیٹھ کر چابی گھماتے ہوئے اس نے آخری کھوجتی ہوئی بھرپور نگاہ اس پر ڈالی، ارشین اب بھی پرسکون تھی
تھی۔ یہی سکون و سکوت مہران کو غصہ دلاتا تھا۔ کیا غضب کی انا ہے محترمہ میں۔ آخر یہ جھکتی کیوں نہیں
بے کسی اور لاچاری کا واسطہ دے کر پاؤں کیوں نہیں پڑتی۔ معافی کے لیے سر کیوں نہیں پٹختی۔ کیسے تنا
سے تنی کھڑی ہے۔ بدھ مت کے مجسمے کی طرح دنیا سے بے نیازی، قناعت پسندی اور بے صلہ ریاضت
بنی بیٹھی ہے۔ ہونہہ، نکل جائے گا سارا دم خم۔ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔ کیا ڈھٹائی ہے۔
کوئی شرمندگی، کوئی ملال نہیں۔ مہران کا رواں رواں سلگ رہا تھا۔

◆◆◆

"صا، صاب جی... آپ۔" پورچ میں کھڑی آپا کی آنکھیں حیرت و مسرت سے پھیل گئی تھیں۔
"کیوں بھئی، کیا تم ہماری فوتگی کی مصدقہ اطلاع وصول کر چکی تھیں۔" ٹیکسی کو فارغ کر کے ربنواز
مہدی متبسم چہرے سمیت اندر داخل ہوئے تھے۔ اور کریم کلر کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھے۔
تیزی سے اپنے بیڈ روم کا فاصلہ عبور کر رہے تھے۔ غالباً "طویل فلائٹ کی تھکا دینے والی نشست کے بعد
چاہتے تھے۔
"ہائے اللہ، توبہ توبہ، کیسی باتیں کرتے ہیں صاب۔" وہ ان سے ایک قدم پیچھے چل رہی تھی۔ "میں تو
کہہ رہی تھی کہ اس بار دو مہینے لگا دیے آپ نے۔ پہلے اتنے عرصے تک باہر کے ملک کہاں ٹھہرتے تھے
اس نے چوری سے اپنے نفیس و بردبار مالک کو دیکھا۔
"مگر خیر اب کون سا بی بی جی اور بے بی گھر میں ہیں جو...۔"
"شٹ اپ، آتے ہی میرا سر کھانا شروع ہو گئی ہو۔ جاؤ نسرین سے کہو کافی بنائے۔" جیسے رٹے ہوئے
نمک دانی الٹ دی گئی تھی۔ وہ تیزی سے رومال اور قلم جیب سے نکال کر ڈریسنگ ٹیبل پر پھینکنے لگے
"اچھا جی۔" آپا سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگی لیکن پھر دروازے پر اٹک سی گئی۔
"صاب جی! ایک بات سن لیں بس، وہ نازش بی بی جی ہر چوتھے پانچویں دن فون کر کے آپ کا پوچھتی رہتی
مہوش بے بی بھی بہت یاد کرتی ہے۔" وہ ڈرے ہوئے انداز میں بتا کر چھپاک سے نکل گئی۔ ان کے ٹائی
ڈھیلی کرتے ہاتھ ایک لمحے کو لرز کر رک سے گئے۔
اولاد فیکٹری میں تو نہیں بنتی کہ ایک کھو جائے تو دوسرا سیمپل خرید لیا جائے۔ مہوش میں ان کی جان تھی
کتنی منتوں مرادوں کے بعد خدا نے گڑیا سی بیٹی سے نوازا تھا۔ وہ کام کے سلسلے میں برطانیہ گئے تھے لیکن
یہیں کہیں بیٹی میں اٹکا رہ گیا تھا۔ کپڑے تبدیل کر کے باہر آئے تو نسرین کافی لے آئی تھی۔ ساتھ
اسنیکس بھی تھے۔ لیکن دانیال نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ طبیعت پر دھند سی چھا گئی تھی۔
"میرا موڈ نہیں ہے۔ لے جاؤ یہ سب چیزیں۔" بے دلی سے کہہ کر وہ کارنس پر رکھی اپنی اور مہوش کی

...پاس کھڑے ہو گئے۔ ہاتھ بڑھا کر فریم اٹھایا۔ کچھ دیر دیکھتے رہے۔ سبز فراک میں سرخ ربن بالوں
میں ... مندی اور سرشاری کی تازگی لیے نو دس سالہ بچی مگن سے انداز میں مسکرا رہی تھی۔ انہوں نے
تصویر چوم لی۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی۔
دوسری طرف جیسے موت کا سناٹا چھا گیا۔
"پروفیسر دانیال کے دو تین بار ہیلو کہنے پر نازش کی دکھ کی آنچ سے سلگتی آواز ابھری۔ دانیال کی پیشانی
... اٹ گئی۔
... حساب میں میری خبر گیری ہو رہی ہے۔ پوچھ سکتا ہوں۔؟" وہ بگڑتے ہوئے انداز میں مخاطب ہوئے۔
... شوہر ہیں آپ کیا میرا فرض نہیں بنتا۔"
... ضرورت سے زیادہ فرائض نبھا چکی ہیں۔ اب کسی اور کو بہرہ مند ہونے کا موقع دیں۔" ان کے ہر انداز
... دوری اور اجنبیت چھلک رہی تھی۔
... اور میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ آپ آئے دن فون کر کے کس دھڑکے کی تصدیق کرتی ہیں۔ اپنی جاسوسی
... رہنے دیں۔ "اسے" گھر لایا تو ڈبیا میں بند کر کے نہیں رکھوں گا۔ تم کہو گی تو تمہاری تسکین کے لیے
... خبر لگوا دوں گا۔ مہوش کو فون دو۔" وہ اکھڑے ہوئے انداز میں بولے۔
... "وہ بیٹی کی آواز سنتے ہی شفقت پدری سے مغلوب ہو کر سارا غصہ بھول گئے۔ کافی دیر تک محو گفتگو
... پھر فون رکھا تو خود کو نسبتاً "ہلکا پھلکا محسوس کیا۔
... اب وطن واپس لوٹ آئے ہیں تو ایس پی مہران آفریدی صاحب سے بھی دو دو ہاتھ ہو جائیں۔" وہ
... نیم دراز ہو کر اگلا لائحہ عمل تیار کرنے لگے۔ پھر کچھ سوچ کر لاکر سے اسٹامپ پیپر نکالا۔
... مس ارشین! آپ سے تو "تفصیلی" حساب لیا جائے گا۔" وہ ارشین کے ہاتھ کی تحریر اور دستخط بغور
... کرتے ہوئے پھنکارے۔
... میں نے کہا تھا ناں۔ مجھے دھوکا نہ دینا، میرے ساتھ فراڈ نہ کرنا، مجھے انسان سے حیوان بننے پر مجبور نہ کرنا۔" وہ
... اسٹامپ پیپر پہ درج جملوں سے مخاطب تھے۔
... اور اب یہ میرا کام ہے کہ کس طرح ایس پی بہادر کا پتا کاٹ کر تمہیں اپنے قدموں میں لا پھینکوں گا۔ عنقریب
... میں ہو گی۔ دانیال مہدی کو آج تک کسی محاذ پر عورت سے شکست نہیں ہوئی۔ دیکھنا کیسی چال چلتا
... تیار ہو جاؤ میرا وار سہنے کے لیے۔" ان کا ذہن آگ کی طرح بھڑک رہا تھا۔

◆◆◆

"یہاں کیوں کھڑی ہیں امبر آپا جی۔" پورچ میں گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی امبرین نے چونک کر سر اٹھایا۔
... شاہین لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر آئی تھی۔
... کیا اس کے متعلق بھی کوئی آرڈیننس جاری کر دیا گیا ہے۔؟" وہ عجیب سے بیزار و باغیانہ انداز میں گویا
...
"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔" شاہین اس کے لٹھ مار لہجے کو نظر انداز کرتی ہوئی تحمل سے بولی۔ "بابا جان دیکھیں
... تو غصے ... گے۔"
... تمہاری آتی جاتی سانسوں پر بھی خفا ہوتے ہیں۔ کون سی نئی بات ہے۔" امبرین تلملاتی ہوئی تند آواز میں
... تم رہنا سدا کی بزدل، ڈرپوک یونہی ڈر ڈر کے عمر برباد کرتی رہنا۔"
... شاہین کی سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ وہ آنکھوں میں ہراس لیے بڑی بہن کی
... جانچ رہی تھی۔
... امبرین کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اتر آئی۔

"میں اب ان کے تماشوں کی حصہ دار نہیں بنوں گی۔ زندہ انسانوں سے کھیلنا ان کی عادت ہے۔ م
بھینٹ چڑھوں۔" اس کی سرکشی دوچند ہو گئی۔
"یا الٰہی خیر۔" شاہین نے بھاگتا ہوا دل تھاما۔ اور خوفزدہ سی نگاہ امبرین پر ڈالی۔
نجانے کیوں اس کے تصور میں بارود سے بھری سرنگ کا نقشہ کھنچ گیا۔ جو کسی لمحے پھٹ پڑنے کو تیار ہو۔
"قابل رشک نہ سہی کسی حد تک قابل برداشت تو گزر ہی رہی تھی۔ پھر بی بی جان نے سعد ۔۔۔
کر کے میری زندگی اور سوچ کو نیا رنگ دے دیا۔ جب خبر تھی کہ وہ پسند نہیں کرتے تو کیوں مجھے اس رشتے ۔۔۔
اور جب میں چل پڑی تو قدموں تلے سے زمین کھینچ لی۔" امبرین کی آنکھوں میں برسات امڈنے لگی۔
"یہ رشتہ مجھ سے پوچھ کر باندھا نہ توڑا۔ لیکن عذاب سارے میری جھولی میں آگرے۔ نقصان کر ۔۔۔
بتاؤ۔"

شاہین مجرمانہ سی خاموشی لیے ساکت کھڑی رہی۔
"ارشین آپی اپنی راہ ہولیں، بابا جان کی سخت گیری کی دیوار میں کوئی دراڑ نہیں آئی۔ بی بی جان کے لیے
بیٹا کافی ہے۔ تم اپنی دنیا میں گم ہو۔ تم سے کیا کہوں میں۔ دکھوں کے لیے فقط میرا دل، میری جان نشانہ بنی
ہے۔"

وہ جانے کس وجہ سے اس درجہ بھری ہوئی اور غم زدہ تھی۔
"ایسی کیا بات ہے جو آپ کو دکھی کر رہی ہے امبر باجی! آپ مجھ سے کہیں۔ میں سنوں گی آپ کی بات"
شاہین اس کے یاسیت سے لبریز لب و لہجے پر سراپا ہمدردی بن گئی۔
"دیکھو شاہین! آخر مجھے کہیں تو پڑاؤ ڈالنا ہے ناں۔" امبرین خود پر قابو پا کر قدرے سنبھل کر مخاطب ہوئی۔
"سعد کے ہاتھوں جتنی رسوائی اور تذلیل اٹھانا پڑی اس کے بعد میرا جینے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ شاید کسی
پاگل پن میں میں اپنی جان بھی لے لیتی۔ لیکن پھر جیسے نئی زندگی کا نشان مل گیا۔ "اس" کا رویہ، لب و لہجہ
اپنائیت میری ذات کا افتخار، غرور و ناز اور اعتماد لوٹانے کا باعث بن گیا۔ اب میں "اسے" کھونا نہیں چاہتی کسی
بھی قیمت پر۔"

امبرین کے انداز میں ضد اور ہٹ دھرمی نمایاں تھی۔
شاہین ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔ اسے کوئی سوال و جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔ بہن کی انتہا پسندی
اور جذباتیت سے واقف ہونے کی بنا پر وہ کسی قسم کا مشورہ دینے کا خطرہ بھی نہیں مول لے سکتی تھی۔ امبرین کی
ذہنی کیفیت اس درجہ شدت اختیار کر چکی تھی کہ معمولی سی رکاوٹ اس کے اعصاب تباہ و برباد کر سکتی تھی۔ وہ
برداشت کی آخری چٹان پر کھڑی تھی۔ ہلکا سا مخالف جھٹکا اس کی دماغی رو میں بھونچال برپا کر سکتا تھا۔ پھر وہ اسی
کیفیت میں ہر غیر متوقع اقدام کر گزرتی۔ اسی لیے شاہین چپ رہی۔ یہ نہیں پوچھا کہ وہ موصوف کون ہیں۔
"مسئلہ یہ ہے کہ ارشین آپی کی "مہربانی" کی وجہ سے یہ بیل بھی منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔" امبرین
بتانے لگی۔

"وہ کیسے۔" اب کی دفعہ شاہین فطری تجسس دبانے میں ناکام رہی۔
"بابا جان کبھی نہیں مانیں گے۔" امبرین کا لہجہ منتشر اور متفکر تھا۔ وہ ہولے ہولے اپنی پیشانی مسل رہی تھی۔
"مگر وہ کیوں۔" وہ ہونق بنی پوچھ بیٹھی۔
"اس لیے کہ وہ لڑکا ایس پی کا بھائی ہے۔ ہمارے بہنوئی صاحب۔ جناب مہران آفریدی کا۔" وہ زہر خند لہجے میں بولی۔
شاہین بری طرح اچھل پڑی۔ "وہ آپ کو کہاں ملے اور کیا آپ ارشین آپی سے کبھی مل چکی ہیں؟
وہ۔؟" اس پر بے قراری سوار ہو گئی۔
"یہ سعادت حاصل نہیں ہو سکی۔" امبرین کسی گہری سوچ میں تھی۔
"خیر، میں نے سوچ لیا ہے۔ اب کی بار ہر صورت جیت میری ہوگی۔ بہت تماشا بن چکی بہت جھیل لیا۔

۔۔۔ زمانے پر میرا حق ہے۔" شاہین اس کی بڑبڑاہٹ سنتی اندر پلٹی تھی۔ امبرین نے بھی چند ثانیے بعد واپس
۔۔۔ کرنا چاہی۔ اسی لمحے ڈاکیا ایک سفید لفافہ گیٹ کے اوپر سے اچھال کر بیل بجاتا ہوا چلتا بنا۔ امبرین نے
۔۔۔ اٹھا لیا۔ وہ بی بی جان کے نام تھا۔
۔۔۔ علی۔" زمان و مکاں نظروں میں ڈول کر رہ گئے۔ اس نے بے اختیاری کی سی کیفیت میں کھول لیا۔
۔۔۔ مختصر سا پرچہ برآمد ہوا۔

۔۔۔ بات آئی ہے۔"
۔۔۔ کے سارے گلے سر آنکھوں پر۔ لیکن اس وقت میں اپنی صفائی دینے کے بجائے بہت اہم بات آپ
۔۔۔ پہنچانا چاہتا ہوں۔ تاکہ آپ کی وساطت سے اس کی کچھ امداد رسی کی جا سکے۔ میں تو اپنی سی کر کے ہار گیا۔
۔۔۔ میری رسائی اور اختیار سے باہر ہے۔ ارشین بارڈر سے قریب کے گاؤں وسن کوٹ میں ہے اور کن حالوں
۔۔۔ ہے؟ آپ دیکھیں گی تو کلیجہ کانپ جائے گا۔ اس کا نام نہاد شوہر تشدد کے تمام داؤ پیچ اس پر آزما رہا ہے۔ آپ
۔۔۔ کو مطلع کر کے فوراً" اس کے پاس پہنچیں۔ اسے آپ لوگوں کی مدد کی سخت ضرورت ہے۔ پورا
۔۔۔ میں لکھ رہا ہوں۔"
امبرین بہت دیر تک خط ہاتھ میں لیے کھوئی کھوئی سی کھڑی رہی۔ ایک عجیب سا احساس اس کا دل چھلنی کرنے
۔۔۔ اور کچھ پگھل رہا تھا۔ پھر نجانے سوچ کی کون سی تند رو آئی۔ اس نے کاغذ مٹھی میں بھینچ کر توڑ مروڑ کر ڈسٹ
۔۔۔ ڈال دیا۔

۔۔۔ دیر سے لاؤنج کے کوچ پر گم صم بیٹھا تھا۔
"سفیان بیٹے۔" نینی کے ہاتھ کا مشفق لمس شانے پر محسوس کرتے ہوئے اس نے آہستگی سے گردن گھما کر
۔۔۔ دیکھا۔
"کیا اتنی دیر سے ایک ہی پوز میں بیٹھے کیا سوچ رہے ہو۔" وہ اس کے پاس بیٹھ گئیں۔
"کچھ نہیں نینی یونہی۔" وہ الجھا الجھا سا مسکرا دیا۔
"میں سوچ رہا تھا بھائی جان کی شادی اب ہو جانی چاہیے۔"
"گویا یہ اپنی شادی کے خواب دیکھ رہے تھے۔ مجھ سے شرط لگا لیجیے۔" ناظر ایک خوبصورت سی سیاہ پتھر کی بنی
۔۔۔ میں تین کپ چائے لگا کر اندر داخل ہوا۔ چائے تھما کر وہ دوبارہ کچن میں چلا گیا تھا۔
"آپ اس کی تخریبی کارروائیوں پر دھیان نہ دیا کریں نینی۔" سفیان جھینپ کر مسکرا دیا اور ایف ایم ٹیون
۔۔۔ کرنے لگا۔
"کیا حرج ہے بھئی۔ بلکہ اچھا ہے ایک ساتھ دونوں بھائی نپٹ جائیں۔" نینی کی مسکراہٹ میں آمادگی نمایاں
۔۔۔
سفیان نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
"۔۔۔ تو نہیں البتہ منگنی اگر۔۔۔۔" اس نے ایک دم جھجک کر بات لبوں میں داب لی اور خجالت سے سر
۔۔۔ نینی نے ایک بھرپور معنی خیز نظر اس کے وجیہہ چہرے پر ڈالی اور کچھ سوچ کر ہنس پڑیں۔ پھر ہاتھ بڑھا
۔۔۔ اپنی طرف موڑا۔
"۔۔۔ یہ بات ہے۔" ان کی حلیم و خلیق مسکراہٹ میں چھپی شرارت سفیان کو جھینپنے پر مجبور کر رہی تھی۔
"۔۔۔ شرافت سے بتا دیں کون ہے وہ میری متوقع بہو۔ ایک لحاظ سے اچھا ہی ہوا جو میرا کام آسان کر دیا۔
۔۔۔ کا تو یہ عالم ہے کہ ابھی تک بڑے کو بھی نہیں نپٹا پائی۔" ان کے لہجے میں بھرپور تازگی تھی۔
"۔۔۔ خفا تو نہیں ہیں نینی۔" نجانے کیوں سفیان فکر مند ہو رہا تھا۔ نینی نے مسکراتی نظر اس پر ڈالی۔ وہ سر
۔۔۔ انگلیاں مسل رہا تھا۔
"۔۔۔ سیدھے نام و مقام بتاؤ۔ ٹہلاؤ نہیں مجھے۔" انہوں نے اس کے سر پر پیار بھری چپت رسید کی۔
"۔۔۔ تمہارا انتخاب مجھ سے بہتر ہی ہوگا۔ ابھی تو مہران کا کارنامہ دیکھنے کا تجسس ہے۔ کتنے دن سے کہہ

رہی ہوں لڑکی کو مجھ سے ملوا دو یا پھر اس کا ایڈریس بتا دو تاکہ بات آگے بڑھے۔ گھر بیٹھے تو ایسے کام ہونے سے رہے۔" وہ بہت پرجوش اور سرگرم عمل نظر آئیں۔

"نینی! آپ اسے جانتی ہیں۔ مل بھی چکی ہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔ "ارشین آپا کی چھوٹی بہن امبرین۔" جیسے کوئی زوردار چھناکا ہوا تھا۔

نینی سکتے کے عالم میں ایک ٹک بے یقینی سے اس کی صورت دیکھنے لگیں۔ ان کا ہنستا مسکراتا بشاش [illegible] گلیشیئر بن گیا تھا۔

"کیا بات ہے۔ آپ کو میرا انتخاب پسند نہیں آیا کیا۔؟" سفیان ان کے دم بدم بدلتے تاثرات سے [illegible] ہو گیا۔ ان کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا تھا۔

"آپ کو کہاں ملی وہ۔؟" انہوں نے بمشکل خود پر قابو پا کر سرد لہجے میں پوچھا۔

"وہ کالج میں، میرا مطلب ہے جب آپ کو کالج پک کرنے جاتا تھا۔" سفیان کا سارا اعتماد اور لاابالی پن [illegible] سے اڑ گیا۔

"کل سے آپ مجھے لینے نہیں آئیں گے۔ ناظر کا ڈرائیونگ لائسنس بن چکا ہے۔ آئندہ سے وہ مجھے پک اینڈ ڈراپ کرے گا۔" ان کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ سفیان کا دل کسی گہری کھائی میں جا گرا۔ وہ زبان کو تائید و تردید کے لیے جنبش تک نہ دے سکا۔ نینی کے چہرے پر گہرا تفکر چھا گیا تھا۔

"اور میں دوبارہ آپ کی زبان سے امبرین کا نام نہ سنوں۔ اس قصے کو یہیں ختم کر دیں۔" وہ اپنی [illegible] ناگواری چھپا نہیں سکیں، کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ایک منٹ نینی۔" وہ تیزی سے ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ "میں آپ کی رضامندی کے بغیر کوئی قدم اٹھانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ کو ہر اختیار حاصل ہے۔ صرف چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ پلیز یہاں بیٹھیں۔" اس نے منت کے سے انداز میں ان کے شانے تھام کر دوبارہ کاؤچ پر بٹھا دیا۔

"کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔؟" وہ تھکے تھکے سے انداز میں ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔

"میں نے نوٹ کیا ہے، کچھ عرصے سے آپ ارشین آپا کے تذکرے سے بیزار ہو جاتی ہیں۔ میں نے جب ان کے بارے میں پوچھا آپ ناگواری سے ٹال گئیں۔ بھائی جان کی بات اور ہے۔ انہیں تو ویسے بھی [illegible] مہمانوں سے سلام دعا شاق گزرتی ہے۔ لیکن آپ کے انداز میرے لیے حیران کن ہیں۔ شروع شروع میں تو آپ ارشین آپا کے لیے بہت پرجوش ہوا کرتی تھیں۔ اصرار سے گھر بلاتی تھیں۔ آپ ہی نے تو انہیں ہم سے متعارف کروایا تھا۔ پھر نجانے کیا ہوا بھائی جان کو ان کی صورت سے چڑ ہو گئی۔ ان کا آنا کھٹکنے لگا۔ اور اب آپ [illegible] کو ریجیکٹ کرنے کی یہی وجہ ہے۔؟" وہ سنجیدگی سے سوال کر رہا تھا۔ نینی سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"کیا ارشین آپا کی بہن کو بہو بنانا آپ کے لیے ناقابل قبول ہے۔"

"تم یہی سمجھ لو۔" وہ اضطراری لہجے میں گویا ہوئیں۔ سفیان کچھ دیر تک خاموش رہا۔ جیسے کسی نتیجے تک [illegible] چاہ رہا ہو۔

"تمہارے اور ان کے گھرانے کے طور طریقے مختلف ہیں بیٹے۔" نینی نے رسانیت سے مخاطب کیا۔ "[illegible] رہن سہن اور مزاج ان سے میل نہیں کھاتا۔ سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ میں ایسا نہیں چاہتی۔ امبرین [illegible] آپ جس سے کہیں، جہاں کہیں، میں رشتہ لے جانے کو تیار ہوں۔" وہ دوبارہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "اور اب [illegible] سے بحث نہ کرنا۔ میں آپ کو سمجھا نہیں سکتی اور آپ اپنا مطالبہ منوانے کے لیے [illegible] منت سے مخاطب ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں اک دکھ سا جھلک رہا تھا۔

"ٹھیک ہے نینی۔ جیسے آپ کی مرضی۔" طویل سانس لینے کے بعد سفیان نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ [illegible] سعادت مندی سے سر تسلیم خم کر لیا۔

"جیتے رہو، خوش رہو، آباد رہو۔" نینی نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی۔ اس کی فرمانبرداری نے انہیں [illegible]

[illegible] ناراض نہ ہونا میری جان۔" ان کا لہجہ بھیگ گیا۔ "میری طرف سے دل برا نہ کرنا۔ مجھے افسوس ہے، [illegible] خواہش پوری نہیں کر سکی۔ لیکن میں مجبور ہوں بیٹے۔ کچھ معاملات اس طرح الجھ کے رہ جاتے ہیں کہ [illegible] کے لیے ان میں ہاتھ ڈالنا گویا مزید بگاڑ کا باعث بن جاتا ہے۔"

"[illegible] نہ کریں نینی۔" اس نے خلوص سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔ "یہ آپ کا حق ہے۔ ماں باپ اولاد کی [illegible] اور خوشی کے لیے اچھا ہی سوچتے ہیں۔ اگر آپ کی مرضی نہیں ہے تو بات ختم، بھول جائیے کہ میں نے [illegible] کسی خواہش کا اظہار کیا تھا۔"

"[illegible] بیٹے۔" وہ جاتے جاتے کچھ سوچ کر ٹھہر گئیں۔ "مجھے مسز آصف کی فیملی بہت پسند ہے۔ بلکہ [illegible] کی بھی ان کے بچوں سے پکی دوستی ہو گئی ہے۔ مہران نے تو اپنی پسند بتا دی ہے۔ میں چاہتی ہوں اس کی [illegible] کے ساتھ آپ کی منگنی یا نکاح وغیرہ کی رسم ہو جائے۔ آپ کو فاریہ کیسی لگتی ہے۔ آپ سے دو ڈھائی برس [illegible] سادہ دل، خوش مزاج اور مخلص لڑکی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔" [illegible] امید سے بیٹے کا چہرہ پڑھ رہی تھیں۔

"میں نے کہا ناں نینی! جو آپ مناسب سمجھیں۔ لیکن پلیز ابھی نہیں۔ مجھے ذہنی لحاظ سے آمادہ ہونے کے لیے [illegible] چاہیے۔" وہ بہت آہستگی سے گویا ہوا۔

"ٹھیک ہے۔ اب آپ اپنے بیڈ روم میں جا کر سوئیں۔ رات بہت ہو گئی ہے۔" نینی کہہ کر اپنے کمرے میں [illegible] گئیں۔

سفیان نے ان کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ وہ امبرین سے کیا کہے گا۔ سچ تو یہ تھا کہ اس کے احساس دلانے پر اسے نینی سے بات کرنے کا خیال آیا تھا۔ آج [illegible] جب وہ نینی کو پک کرنے اپنی مخصوص جگہ پر گاڑی پارک کر کے اس سے ٹیک لگائے کھڑا ہوا تھا تو ہمیشہ کی [illegible] امبرین چند قدم کے فاصلے پر درخت کے پاس کھڑی عدنان کا انتظار کر رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ [illegible] کے سے انداز میں مسکرائے تھے۔

"[illegible] مزاج ہیں آپ کے۔ پڑھائی کیسی جا رہی ہے۔" روزانہ کی طرح سفیان نے وہی معمول کے سے [illegible] دہرائے تھے۔

"ہم کب تک یونہی ملتے رہیں گے۔" امبرین نے عجیب سے لہجے میں دریافت کیا۔

"کیا مطلب۔" وہ چونکا۔

"مطلب یہ کہ کسی دن میری گاڑی جلدی آ سکتی ہے۔ میرا بھائی اس طرح آپ کو میری خیریت دریافت کرتے [illegible] سوچے گا جو اسے سوچنا چاہیے۔ اس کے علاوہ میری کلاس فیلوز، گیٹ کا چوکیدار اور ٹیچرز یا خود آپ کی [illegible] بات چیت کو کوئی رنگ دے سکتی ہیں۔ اگر ہم یہاں کے بجائے کہیں اور......" امبرین دانستہ چپ [illegible] کہاں؟" اور اس سوال کا جواب سفیان کے دماغ نے دیا تھا۔

"[illegible] سے بات کروں گا۔ پھر شاید ان چور راستوں کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔" اس نے مستحکم اور [illegible] کہا تھا۔ لیکن اب گومگو کے عالم میں سوالیہ نشان بنا بیٹھا تھا۔

[illegible] بہتر سمجھا کہ امبرین سے دوٹوک بات کر کے معاملہ نپٹا دے۔ اگلے دن نینی کی ہدایت پر ناظر انہیں [illegible] گیا تو سفیان بھی ساتھ بیٹھ گیا۔ مخصوص جگہ پر گاڑی رکوا کر وہ اتر گیا۔ وہ جانتا تھا گیٹ سے نکل کر نینی [illegible] کے بجائے اپنی گاڑی کا نمبر تلاش کرتی تھیں۔ ناظر اس کی ہدایت پر گاڑی ڈبل روڈ کے دوسری [illegible]

"[illegible] مجھے علم نہیں ہے کہ آپ میرے احساسات سے کس حد تک واقف ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں [illegible] ہونے کے ناتے بہت پہلے آپ کو دل میں ایک مقام دے چکا تھا۔ میں آپ سے یہ بات ایک

مضبوط تعلق جوڑنے کے بعد کہتا لیکن سچوئیشن ایسی ہوگئی ہے کہ اب اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ غزدہ
وجہ سے آپ کے گھر والوں اور ارشین آپا سے بدظن ہیں۔ انہوں نے انکار کر دیا ہے۔" سفیان نے
ساری بات بتادی۔

"اوہ خدایا۔ پھر وہی ارشین آپی' کہاں کہاں تک کانٹے بوگئی ہو میری راہ میں۔" وہ زہر سے نیلی ہو گئی
جیسے کسی سوچ کی سرکش لہرائڈی۔

"قرار تو شاید میرے طرف کی "پارٹی" بھی نہ کرتی۔ مجھے اندازہ تھا۔ سنیں سفیان! کیوں نہ ہم کورٹ
کرلیں۔ پھر اس کے بعد شہر چھوڑ دیں گے۔ کہیں دور چلے جائیں گے۔ ہمارے "بڑے" تو ہو سکتا ہے
ہمارے سکون کی راہ میں حائل رہیں گے۔" اس نے جیسے بڑے پتے کی بات کہہ کر امید بھری نظروں سے
طرف دیکھا۔

سفیان تو جیسے کھڑے قد سے نیچے گر پڑا۔ اس نے یوں امبرین کو دیکھا جیسے پہلی بار دیکھ کر اصلیت پہچاننے کی
کوشش کر رہا ہو۔

اسے خود پر جی بھر کر شرمساری ہوئی۔

یہ تھا میرا انتخاب' اس پر ایک مدت سے تصورات کی دنیا سجائے بیٹھا تھا۔ اتنا ہلکا پن' ایسی شرمناک خو
نسوانی غیرت و خودداری اتنی سستی ہے اس کی نظر میں ۔۔۔؟

اس درجہ عظیم بے حسی و سرکشی کا مظاہرہ وہی کر سکتا ہے جو فقط اپنی خواہشات کا غلام ہو۔ کوئی ہوش
اتنی بے باکی سے اظہار مدعا نہیں کر سکتی۔ "گھن آرہی ہے مجھے آپ کے وجود سے' میں خود اپنی نظر
ہوں۔ حیرت ہے آپ فاریہ کی بیسٹ فرینڈ ہیں' لیکن آپ پر اس کا ہلکا سا سایہ بھی نہیں پڑا۔ آپ میرا
تھیں اور فاریہ نینی کا' اور اب مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ تو میرا انتخاب کیوں تھا۔" سفیان کا لہجہ صدمے
سے مغلوب ہو کر دھیما پڑ گیا۔

"ایسے کون سے لعل ٹکے ہیں فاریہ میں۔" احساس توہین' ٹھکرائے جانے کی ذلت' نا آسودگی اور جانے
کیسی محرومیوں نے امبرین پر پاگل پن طاری کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بھاپ نکل رہی تھی۔

سفیان نے ایک چبھتی ہوئی ناپسندیدہ نظر اس پر ڈالی۔

"جب میں یہاں آرہا تھا تو سوچا تھا' نینی کے حکم پر آپ کو اپنی زندگی سے خارج تو کر رہا ہوں' لیکن تم
ایک کسک' ایک خلش بن کر میرے ساتھ ساتھ رہے گی۔ الحمدللہ۔ خدا کی قدرت نیاری ہے۔ اس
کسک اور خلش کا خاتمہ اسی جگہ کر دیا ہے۔ میری دعا ہے زندگی کے کسی موڑ پر آپ کی شکل دکھائی نہ دے
تیز تیز قدموں سے سر جھٹکتا اپنی گاڑی کی طرف آگیا۔

"کیا ہوا۔؟" ناظر شروع سے اس کا رازدار تھا۔ وہ فکرمندی سے اس کے بھینچے ہوئے ہونٹ اور
پیشانی پہ لکھی تحریر پڑھ رہا تھا۔

سفیان فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گیا۔

"میں نے ایک بار تم سے کہا تھا ناں کہ ابھی تو فقط اس کا خاکہ سامنے آیا ہے۔ اس کے رنگ ڈھنگ ا
ہوئے۔ اسے کردار اور مزاج کی کسوٹی پر نہیں پرکھا۔ اس کے بعد ہی پتا چل سکے گا کہ معاملہ کس طرح
جائے۔ سو وہی ہوا ہے۔" سفیان اب پرسکون ہو چکا تھا۔

"سفی میاں! نینی آرہی ہیں۔" ناظر کی نظر سامنے پڑی۔

"کوئی بات نہیں۔ اگر وہ پوچھیں گی تو میں یہاں آنے کی وجہ بتادوں گا۔" سفیان کا لہجہ پر اعتماد تھا
یقین ہے وہ خفا بھی نہیں ہوں گی۔ مجھے خوشی ہے کہ ان کے ایک انکار نے مجھے صدیوں تک پہنچے
پچھتاوے سے بچالیا۔ اب میں ان کی خوشی میں واقعتاً "دل سے خوش ہوں۔"

◆◆◆

"امی! کھانا کھالیں۔" شاہین نے سیڑھیاں چڑھتی امبرین کو دیکھ کر ہانک لگائی۔
"... بھوک نہیں ہے۔" وہ بے رخی سے کہہ کر بغیر رکے اوپر چڑھتی گئی۔
"کسی نے دعوت کر رکھی تھی باہر۔؟" لاؤنج میں تخت پہ بیٹھی بی بی جان فطری کھردرے پن سے
بولیں "نہاری ... کل کالج سے واپسی پر بھی کچھ نہیں کھایا۔ آج بھی دوپہر سے منہ باندھے پھر رہی ہو' بات کیا
ہے بی بی۔"

... مجبور تھیں کہ سیدھے سبھاؤ تشویش کا اظہار نہیں کر سکتی تھیں۔ ورنہ اندر سے اس کی آدم بے
زاری اور گوشہ نشینی پر بہرحال فکرمند تھیں۔

"اب مزید برا کیا ہو سکتا ہے۔؟" وہ بے تاثر مگر سرد لہجے میں بڑبڑائی۔
... کو کوسنے لینے سے بدنصیبی کا پھیر واپس نہیں چلا جائے گا۔ ٹھوکریں تو "وہ" بھی کھارہی ہوگی۔ سعد
... کے گھر گیا تھا۔ ماں کو سرے سے شادی کی خبر ہی نہیں ہے۔ "اسے" کس پاتال میں چھپایا ہے یہ بھی نہیں
... انہوں نے بے حال سے انداز میں تکیے سے ٹیک لگائی۔ ارشین کے لیے کوئی نرم گوشہ بہرحال دل میں
... کر بیٹھا ہوا تھا۔

"قسمت کی سلیٹ پر ایک ہی کالا ماتمی رنگ ٹھہر گیا ہے۔ جب تک جئیں گے یہ سیاہی ساتھ ساتھ چلے گی۔
... کو لکیر پیٹتی ہو۔ اپنے جی کو ٹھہراؤ۔ جانے کن کن زخموں کے ٹانکے ادھڑنے لگے تھے۔"
امبرین نے جواب نہیں دیا وہ زینہ طے کر کے غائب ہو چکی تھی۔ شاہین نقش فریادی بنی جہاں کی تہاں کھڑی
... کی صورت دیکھ رہی تھی۔ رات کا اندھیرا غالب آچکا تھا۔ دادا دادی گوٹھ واپس چلے گئے تھے۔ بابا جان
حسب معمول اپنی لائبریری میں بند تھے۔ ثمرین سونے کی تیاریوں میں تھی اور عدنان ٹی وی کے آگے ڈٹا ہوا تھا۔
"جانے کون سا خناس بھرا ہوا ہے اس کے دماغ میں۔" ان کا روئے سخن شاہین کی طرف ہو گیا۔ انداز برہمی کا
"... قسم کھالی ہے میری اولاد نے سب کے سب ماں کے پاؤں تلے انگارے بچھائیں گے۔ ارے میں تو پہلے
... پہ لوٹی ہوں۔ شعلوں کی چادر اوڑھ کے سوتی ہوں۔ نہ دن کا آرام نہ رات کا سکھ۔ یا اللہ کن گناہوں کی سزا
... رہی ہے۔" ان کا جی بھر آیا۔

شاہین خاموشی سے رات کے کھانے کے برتن سمیٹ کر اپنے اور امبرین کے مشترکہ کمرے میں آگئی۔ امبرین
... چت لیٹی ہوئی کسی گہری سوچ میں مگن تھی۔ شاہین نے اس کے برابر تکیہ سیٹ کیا اور ٹیوب لائٹ بجھا کر
... بلب جلانے کے بعد اپنی جگہ پر آگئی۔

"شاہین!" کچھ توقف کے بعد امبرین کی آواز ابھری۔

شاہین نے چونک کر اس کی طرف گردن موڑی۔ اس کا چہرہ قطعی سپاٹ اور صاف تھا۔ "اگر تم اس وقت کسی
... کرنے کی فرمائش کرو تو میں با آسانی پوری کر سکتی ہوں۔" شاہین پر جیسے کسی نے سوتے میں زندہ سانپ
... پھینک دیا تھا۔ وہ جھٹکا کھا کر اٹھ بیٹھی۔

"... کیا کہہ رہی ہو۔" امبرین بہت سکون انداز میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔
"... بالکل جھوٹ نہیں کہہ رہی۔ میرے لیے یہ کام نہایت آسان ہے۔ میں براہ راست خودکشی نہیں کر سکتی۔
... بزدل ہوں۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔ ہاں بالواسطہ یعنی پھانسی کے پھندے تک پہنچ کر جسم کو روح
... سے آزاد کرانے کی انتہائی خواہش مند ہوں۔" اس کا لہجہ بڑا نارمل اور ٹھہرا ہوا تھا۔ شاہین یوں تھر تھر
... جیسے اسے باری کا بخار چڑھ گیا ہو۔ وہ انتہائی خوفزدہ نظروں سے امبرین کی صورت دیکھ رہی تھی۔
"... باجی پاگل ہو گئی ہیں۔؟" اس کے ذہن میں ایک سہمی سہمی سی سوچ بیدار ہوئی۔
"... کیا دیکھ رہی ہو۔" وہ ڈھٹ کر بولی۔ "قاتل اور مجرم بننے میں کون سے ہاتھی گھوڑے لگتے ہیں۔ وہ بھی
... ہوتے ہیں دو ہاتھوں پیروں اور آنکھوں والے۔ ہمارے تمہارے جیسے۔"
شاہین کا دل سینہ توڑ کر باہر آنے کو تھا۔ امبرین اس کے تاثرات نظرانداز کرتی ہوئی اطمینان

سے اٹھی۔ کرسی پر رکھا کالج بیگ کھولا اور کوئی چیز نکال کر دوبارہ بیڈ پر آ گئی۔

امبرین متوحش سی اس کی حرکات و سکنات دیکھ رہی تھی۔

کمرے کی ملگجی سی روشنی میں ماچس کی تیلی کا شعلہ بھڑکا اور پھر ایک نامانوس سا دھواں فضا میں گردش کرنے لگا۔ دھک دھک کرتے کلیجے سمیت شاہین نے اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

امبرین سگریٹ کے کش لیتی ہوئی مسرور انداز میں بیڈ کی ٹیک سے کمر ٹکائے بیٹھی تھی اور دھوئیں کے مرغولے بنا رہی تھی جیسے منجھا ہوا فنکار اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا ہو۔

"ہاں 'اب ٹھیک ہے۔ مجھے پریکٹس ہو ہی گئی۔ صبح تو بار بار کھانسی آ رہی تھی۔" اس نے خود کو داد سے نوازا۔

"یہ آپ نے کہاں سے لی۔" وہ چکرا کر رہ گئی تھی۔

"کالج کی ایک دوست سے۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"کیا کالج کی لڑکیاں بھی سگریٹ پیتی ہیں۔" شاہین کے اعصاب پر ایٹم بم گرا۔ "ہاں' جن کو شوق ہو اونچے گھرانے کی لڑکیاں یا پھر ہم جیسی ٹھکرائی ہوئی 'ٹوٹی ہوئی' زندگی سے بیزار۔" وہ بڑی بے نیازی سے کہہ رہی تھی۔ شاہین کا دم گھٹا جا رہا تھا۔

"لیکن یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔" وہ ڈرے ڈرے انداز میں گویا ہوئی۔

"مت پڑھاؤ مجھے نیکی و پارسائی کے اسباق۔" وہ یکلخت غرا کر الٹ پڑی تھی۔

"ہونہہ 'تم' بوسیدہ و بے کار لوگوں کی ذہنی اختراع 'ایمانداری' نیک نیتی 'مضبوط کردار' محبت خلوص لفظوں کے گھروندے 'جن میں بند ہو کر ہم حقائق سے فرار حاصل کرتے ہیں۔ لعنت بھیجتی ہوں میں ہر سچائی پر۔"

اس نے سگریٹ ختم کر کے آخری ٹکڑا کرسی کی پشت سے مسلا اور ڈسٹ بن میں پھینک کر لیٹ گئی۔ شاہین دم بخود اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

◆◆◆

پھر اگلا دن طلوع ہوا۔

"ارے تم کہاں تھیں۔ میں نے پورا کالج چھان مارا۔" فاریہ نے دور سے ہی اسے ثناء کے گروپ کے ساتھ ٹہلتے دیکھ لیا تھا۔

"کیوں کیا کام ہے۔؟" امبرین نے اکھڑے ہوئے انداز میں دریافت کیا وہ ثناء کے گروپ سے وقتی طور پر الگ ہو گئی تھی۔

"یہ تم کن لڑکیوں کے ساتھ پھر رہی ہو۔ جانتی ہو' یہ کتنی خطرناک اور بدنام ہیں۔" فاریہ اس کے تیور نظر انداز کرتے ہوئے رسانیت سے گویا ہوئی۔

"تمہاری سمجھ کا قصور ہے۔ ورنہ اچھی خاصی شہرت رکھتی ہیں۔ ثناء سمیت تین چار لڑکیوں کا شمار تو ماڈل گرلز میں ہوتا ہے۔" وہ روکھائی سے بولی۔

"جانے بھی دو اب۔ میں نے دیکھی ہوئی ہے ان کی ماڈلنگ۔ تھرڈ ریٹ رسالوں میں نیم عریاں پوز میں کھنچی گئی تصویریں ان کی اخلاقیات کا پردہ چاک کرنے کو بہت کافی ہیں۔" فاریہ تلخی سے بولی۔ "اور پھر ان کے حلیے دیکھے ہیں۔؟ جیسے اپنی نمائش کرانے آتی ہوں۔ اوپر تک چڑھائی آستین 'کھلے گریبان' بکھرے بال اٹھی شلواریں 'رنگے ہوئے چہرے اور سگریٹ نوشی۔ توبہ' زنانہ غنڈہ گردی کا عمدہ اشتہار دکھائی دیتی ہیں ایک اسلحے کی کمی باقی ہے۔ کلاسز لینے کے بجائے کینٹین اور گراؤنڈ میں ڈیرا جمائے بیٹھی رہتی ہیں۔ جانے کتنی بار پرنسپل کی نظروں میں آ کر جھاڑ جھپاڑ کھا چکی ہیں مگر اسٹائل نہ بدلا۔"

"معلومات کا بے حد شکریہ 'میں اپنا برا بھلا خود بہتر جانتی ہوں۔ سمجھیں تم۔" وہ کٹ کٹ کر کہتی ثناء کے گروپ میں شامل ہو گئی۔ فاریہ کو ہکا بکا چھوڑ کر۔

"ہو میری جان' آج کل ٹھیک سے نیند تو آئی ناں۔" ثناء نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر بے تکلفی سے دریافت کیا۔

"ان سگریٹوں میں جیسے کوئی جادو بند تھا۔ اتنا لطف اور سرشاری تو مجھے کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ مجھے کیا پتا تھا اس کی کیف اور ہوتی ہے۔"

"ہاں بھی یونہی تو مرد اس کے دیوانے نہیں ہوتے۔" ثناء نے ٹھٹھا لگایا۔

"یہ ہمارا خاص تحفہ ہے۔ یوں سمجھ لو آنٹی لیلیٰ شاہ کی عنایت ہے۔ وہ یہ مخصوص برانڈ خود تیار کر کے ضرورت مندوں کو فراہم کرتی ہیں۔ اسے شرطیہ طور پر دنیاوی غم بھلانے اور سکون و سرور بہم پہنچانے کا ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔ لو ایک اور پیکٹ۔" ثناء نے بیگ سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اس کی طرف اچھالا۔

"یہ لیلیٰ شاہ تمہاری آنٹی ہیں۔؟"

"میری کیا ہم سب کی آنٹی ہیں۔ ان ہی کی مہربانی سے ہم ماڈلنگ کی دنیا میں وارد ہوئے ہیں۔ وہ اپنے گھر پر کورسز بھی کراتی ہیں۔ کہو تو تمہیں ان سے ملوا دوں۔؟ بڑی چیز ہیں بھئی' ان کی کوٹھی کالج سے زیادہ دور نہیں ہے پیدل واک ہے۔ کبھی کبھار وہ کالج بھی آ جاتی ہیں۔"

پھر اتفاق ایسا ہوا کہ تیسرے دن کالج کے یونین ویک کے سلسلے میں منعقد کیے گئے "ڈریس شو" میں اچانک ملاقات لیلیٰ شاہ سے ہو گئی۔ ثناء نے خاص طور پر اس ملاقات کا اہتمام کیا تھا۔

لیلیٰ شاہ بڑی خوشدلی سے ملی۔

"میں یہاں نئے چہروں کی تلاش میں آئی تھی۔ کیا تم ماڈلنگ کرو گی۔" وہ دلچسپی سے امبرین کے پرکشش سراپے کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کے انداز میں بے تکلفی نمایاں تھی۔

"ارے نہیں' مجھے اس کی اجازت نہیں ملے گی۔" امبرین نے بے ساختہ کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"میں نے لڑکیوں کے شارٹ کورسز کا اہتمام کر رکھا ہے۔ کبھی آؤ ناں لیلیٰ منزل 'انسٹیٹیوٹ میرے گھر کے پورشن میں ہی ہے۔"

"جی ضرور۔" اس نے مروت میں سر ہلایا۔

"جانے کیوں تمہارا وجود مجھے دیکھا دیکھا لگ رہا ہے۔ شکل تو خیر نہیں ملتی لیکن تمہارا قد و قامت 'فگر اور سب ہو بہو ہی ہے۔ چہرہ چھپا دیا جائے تو دونوں ایک دوسرے کی کاربن کاپی لگو۔"

لیلیٰ شاہ بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

امبرین کو عجیب سی بے چینی لاحق ہونے لگی۔

"آپ کس کی بات کر رہی ہیں۔؟" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"نورین بخاری کی ایک مصورہ ہیں۔"

"وہ تو میری بڑی بہن ہیں۔"

یہ انکشاف تھا یا جشن مسرت پر چھوٹنے والے پٹاخے۔

لیلیٰ شاہ نے ایک دم اٹھ کر اسے گلے سے بھینچ لیا۔

"بہت اچھا ہوا' بہت ہی اچھا ہوا۔" وہ تمتمائی ہوئی آواز میں بولی۔ اس کی تو جیسے لاٹری نکل آئی تھی۔

"گویا تم چیز ہو ہوائی ڈیر۔ بس یوں سمجھو تم اپنی سب سے بڑی خیر خواہ کے پاس پہنچ گئی ہو۔ میں تمہاری زندگی کے سارے غم دور کر دوں گی۔ تمہیں دولت کے انبار میں دفن کر دوں گی۔"

امبرین اس کی دیوانگی پر ششدر کھڑی اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔

◆◆◆

مہران آفس سے گھر واپس آچکا تھا۔ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد وہ دونوں بازوؤں کا تکیہ بنا کر پڑا
کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ وہ اس وقت سیاہ شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔ اس کی سرخ و سفید رنگت
میں یوں دمک رہی تھی۔ جیسے افق کی سیاہی کے پس منظر میں ڈوبتا گلابی آتشی شعاعوں والا سورج۔ گلابی
آنکھوں کا رنگ دیکھ کر بہار رت کا جوبن یاد آجاتا تھا۔ کھلتی ہوئی سبزا اور تروتازہ چمک دمک والا۔
معاً کچھ سوچ کر اس نے سائیڈ ٹیبل سے فون اٹھایا اور ایک اخبار کا نمبر ملانے لگا۔

"کرائم رپورٹر داور صدیقی آفس میں ہوں گے۔؟ میں ان کا دوست بات کر رہا ہوں۔" رپورٹر حضرات
شام چھ ساڑھے چھ کے بعد آفس میں مل جاتے ہیں اسی انداز سے اس نے نمبر ڈائل کیا تھا۔ اس نے
مکمل تعارف نہیں کروایا۔

"ہاں جی مل جائیں گے، پتا کراتا ہوں۔"
تھکے ہارے آپریٹر نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں جواب دیا۔ پھر غالباً "ریسپشن" کے پاس سے گزرتے کسی
قاصد کو مخاطب کیا تھا۔

"اوئے محمود! جا داور صاحب کو ڈھونڈ کے لا کہیں سے۔ یا دیکھ کہاں بیٹھے ہیں تاکہ ادھر کال ٹرانسفر
چپراسی اور "چھوٹے" ٹائپ کے ملازمین کی خودی بلند کرنے اور عزت بڑھانے کے لیے عام طور پر اخبارات
نائب قاصد کے عہدے مخصوص کیے جاتے ہیں۔

"اوجی ہال میں تو نہیں ہیں۔" وہ چند لمحوں بعد رپورٹ دے رہا تھا۔
"او ہو کسی سب ایڈیٹر یا ایڈیٹر کے کمرے میں دیکھ لو۔" آپریٹر نائب قاصد پر بھنایا "اخبار کی پیسٹنگ
ہو رہی ہے۔ ٹھہرو میں ڈیسک میں ملا کر دیکھتا ہوں۔ آپ ہولڈ رکھیے گا جناب۔" آخری جملہ مہران سے
ہو کر کہا گیا تھا۔ مہران صبر و سکون سے ہولڈ آن کی مخصوص میوزیکل ٹون سنتا رہا جو کچھ دیر بعد بند ہو گئی
آپریٹر براہ راست لائن پر تھا۔

"جناب پتا چلا ہے داور صاحب آفس میں ہی ہیں۔ او کرامت صاحب، جناب ایک منٹ آپ کے
یعنی رپورٹر داور صاحب کا کوئی اتا پتا کوئی نام نشان مل سکتا ہے۔"
اچانک وہ بیچ میں ہی چلا کر کسی اندر آتے رپورٹر سے مخاطب ہو گیا۔

"یار! ذرا میرے گھر کا نمبر ملا دینا۔ چھوٹا بچہ بیمار ہے۔ خیریت پوچھنا ہے۔ ہاں داور، ارے بھئی اس
ماسوائے کینٹین کے کہاں پایا جا سکتا ہے۔ چائے کی پانچ چھ پیالیاں چڑھا کر ہی اس کی آنکھیں پوری طرح
ہیں۔" کرامت صاحب نے اپنا کام اور داور کا مقام دونوں روانی کے عالم میں بیان فرما دیے۔

"اوئے محمود! جا کینٹین سے داور صاحب کو بلا کے لا۔" آپریٹر نے دوبارہ چلا کر نائب قاصد محمود کو آواز
کیا تھا۔

آٹھ منٹ بعد داور کی تھکن سے چور بیزار آواز سننا نصیب ہوا۔
"کون ہے بھائی، کس کو میرے بغیر چین نہیں آ رہا۔" اس نے اونگھتے جھومتے حواسوں سمیت دریافت کیا
"دو گیلن چائے چڑھا کر بھی نشہ نہیں اترا تمہارا۔؟" مہران جھلا کر مخاطب ہوا۔ داور تو داور اس کے فرشتوں کا
نشہ بھی ہرن ہو گیا ہوگا۔

"حسین و جمیل ایس پی۔؟" اس کے سوال میں تحیر اور تصدیق کے رنگ تھے۔ "تمہیں کیسے یاد آگئی ہم
کی اور وہ بھی اس وقت۔"

"مجھے تم سے ٹاپ سیکریٹ بات کرنی ہے۔ جس کے لیے میرا آفس، گھر، پبلک پلیس اور فون چاروں میں
ایک بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ کیا تم اس وقت مجھے اپنے گھر پر مل سکتے ہو۔؟"
"گھر پر۔؟" داور کچھ سوچنے لگا۔ "ہاں گھر تو ایک ہے اپنا۔ اس کا ایڈریس بھی یقیناً یاد ہونا چاہیے۔ کہیں
میں پڑا ہوگا اس کی البتہ خبر نہیں ہے۔"

مہران حیرت سے گنگ ہو گیا۔ "تم رہتے کہاں ہو۔ کیا اپنے گھر نہیں جاتے۔؟ اور تمہارے گھر

ضرور تھے مگر نجی معاملات آپس میں کبھی زیر بحث نہیں آئے تھے۔ داور تو پھر "آفریدی ہاؤس"
مہران کی فیملی سے گزارے لائق تعارف بھی تھا۔ لیکن اس کے گھر بار کے متعلق مہران کی

ٹھہرے نائٹ برڈز۔ دن کو سونا راتوں کو جاگنا جیسا کہ الوؤں اور عاشقوں کا شیوہ رہا ہے۔ رات
آخری کاپی پریس میں جاتی ہے اس کے بعد ہی اخباری کارکن اور مالک لمبی تان سکتے ہیں۔
ڈیوٹی آورز کا زیادہ حصہ دن کو ہو گھروں کو سدھارتے ہیں اور ہمارے جیسے بے آسرا خانہ
سر رکھ کے نیند پوری کر لیتے ہیں۔" داور ہنسا۔
ایک عدد گھر جانا کم ہی ہوتا ہے۔ ہفتے میں دو ایک بار چکر لگا لیتے ہیں۔ تم ایڈریس نوٹ کر لو
گھنٹے کی رخصت لے کر آتا ہوں۔ ویسے معاف کرنا وہ ڈربہ نما حیوانات جیل تمہارے قدم
کے لائق نہیں ہے۔ آب پارہ میں جو لال کوارٹرز کا سلسلہ ہے ناں اسی کے بائیں جانب مکان

مہران پھرتی سے ذہن نشین کر رہا تھا۔ مگر ایک سوال بار بار اس کے ذہن میں چکرا رہا تھا کہ داور
صحافی اس درجہ بے توقیری بلکہ فقیری میں زندگی کیوں بسر کر رہا ہے۔ بے شک صحافت سے
بمشکل سفید پوشی کا بھرم ہی رکھتے ہیں۔ مگر اب ایسی بھی قیامت نہیں آئی کہ اس درجہ غربت و
نظر آئیں۔

زمانے کا تالہ ہے اس کی حیثیت نمائشی ہے اور وہ مقفل بھی نہیں ہے فقط ہینڈل میں
مقصد یہ ہے کہ کوئی بھولا بھٹکا ہم پیشہ دوست آنکلے تو تالہ دیکھ کر سمجھ جائے میں گھر پر نہیں ہوں۔
دعوت عام ہے۔ جس کے جی میں آئے وہ پائے روشنی۔ ہم نے تو دل جلا کے سر عام رکھ دیا۔
نکال کر سیدھا اندر چلے جانا۔ ایک کچن ہے ایک باتھ روم اور تیسرا دروازہ ڈرائنگ کم بیڈ روم
اسٹور البتہ تمہیں لاک ملے گا اس میں مال و دولت کا خزانہ ہے۔ یعنی کتابوں کا ذخیرہ۔" داور یقیناً
کا اعلا مظاہرہ کر رہا تھا۔
نہ گھر والی۔؟ فقط اک بندہ ناچیز باقی ہے۔ مزید تفصیلات ملاقات پر۔ میں پندرہ منٹ میں پہنچ رہا
ہو جائے تو اسٹور روم کا لاک کھول کر کتابیں رسالے دیکھ لینا۔ چابی میرے تکیے کے غلاف میں

کے خستہ حال اور بے رنگ و روغن چھوٹے سے کوٹھڑی نما گھر میں داخل ہوا تو سیلن اور گھٹن
جو اس بات کی علامت تھی کہ مکان کم کم ہی مکینوں کے وجود سے آشنا ہوتا ہے۔ داور کے
چوپٹ کھلا تھا۔ بیڈ روم کی تو فقط تہمت تھی اس کٹیا پر۔ پلستر اکھڑی دیواریں جن پر جالے لٹک
جو یہاں وہاں اخبارات سے بھری ہوئی تھی۔ ایک کونے میں رکھا ملگجا سا بیڈ جس کے سرہانے
ایک قیمتی چیز تھی گھر کی وہ بھی غیر ملکی خبریں اور کبھی دل بہلاوے کو گانے سننے کے لیے

کھونٹی پر تین چار کپڑوں کے جوڑے لٹک رہے تھے۔ دروازے کے پاس بوٹوں کا ایک جوڑا
بیڈ کے ساتھ ایک کرسی کا اہتمام کیا گیا تھا جس کے سامنے چھوٹا ٹیبل تھا اور بس۔
رسائل رکھے تھے مہران انہیں بیڈ پر ڈال کر کرسی پہ ٹک گیا اور داور کا انتظار کرنے لگا۔
ایک عدد ڈیک کے علاوہ کیا ملنا تھا۔ ڈیک بھی کافی پرانا اور سنگل فنکشن والا تھا۔ جب
منٹ ہو گئے تو اس نے وقت گزاری کے کیے میلے تکیے سے چابی برآمد کی اور داور کا کتب خانہ

کھول لیا۔ یہ دیکھ کر اس کی حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ اس قدر بے ترتیب لائف اسٹائل کے اندر سینکڑوں پر مشتمل ان کتابوں، رسالوں اور اہم دستاویزات کو نہایت سلیقے اور ترتیب کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ اس سچے اور کھرے صحافی کا کل سرمایہ حیات یہی علم تھا۔ مہران نے بے ساختہ اس کے لیے عزت محسوس کی۔

"آہ، دشت کو دیکھ کر گھر یاد آیا۔ یہی سوچ رہے ہو گے تم، ہے ناں۔" کچھ ساعت بعد داور مسکراتا ہوا سامنے تھا۔ دونوں بیڈ روم میں آ گئے۔

کرسی سنبھالتے ہوئے مہران نے بیڈ پر گرتے داور کو غور سے دیکھا۔ گولڈن فریم اور گول شیشوں والی عینک کھڑی ستواں ناک پر ٹکائے، گدی تک پھیلے گھنے مگر کنگھی سے قطعی محروم بے ترتیب گھنگریالے بال، سانولے دبلے پتلے مگر چست و پھرتیلے جسم والے اس صحافی کی عام سی شخصیت میں کچھ تھا جو اسے قابل توجہ بناتا تھا۔ شاید اس کی ذہین تیز آنکھیں، عمومی واقعات سے خصوصی خبریں برآمد کر لینے والی زیرکی، انداز و اطوار کی قلندرانہ مستی و سادگی۔ کچھ تو تھا۔

"کوئی بھید ہے تمہارے اندر۔ تم بظاہر خبطی، جھکی اور سر پھرے آدمی کا سا تاثر دیتے ہو، لیکن بہ باطن اور پہنچی ہوئی چیز ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔" مہران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا یقین لہجے میں گویا ہوا۔

"تمہاری سرچ لائٹ سے زیادہ متحرک اور حساس آنکھوں سے کیا اور کون چھپا ہے۔" داور کی ہنسی میں اعتراف بھی تھا اور تحسین بھی۔ "میں اصول مہمانداری کے پہلے تقاضے کے مطابق تمہارے لیے چائے بناتا ہوں۔"

"رہنے دو یہ تکلفات۔ وقت بہت کم ہے۔" مہران نے سہولت سے منع کر دیا۔ "لیکن مجھے مختصراً اپنا بیک گراؤنڈ بتاؤ پہلے۔"

"چھوٹی سی رام کہانی ہے اپنی۔" داور نے گہری سانس لی۔ "اکلوتا تھا، ابو انجینئر تھے اور مجھے بھی بنانے کے خواہش مند تھے۔ ہماری اپنی کوٹھی تھی لاہور میں۔ اب تو وہ جگہ اولڈ لاہور کہلاتی ہو گی۔ میں ناخلف، ضدی اور نادان بھی تھا۔ ایف ایس سی کے بعد کہہ دیا آگے بی۔ اے کروں گا انجینئرنگ یونیورسٹی میں میرٹ پر آنے کے باوجود داخلہ نہ لیا۔ ابو نے سختی سے اپنا مطالبہ منوانے کے لیے زور لگایا تو جان چھڑا کر گھر چھوڑ آ گیا۔ پھر اس کے بعد دھکوں کی ایک لمبی قطار ہے۔ پیٹ کی خاطر محنت مزدوری بھی کی اور کبھی فٹ پاتھ کے مزے بھی لوٹے۔ کسی طرح صحافت میں ایم۔ اے کر ہی ڈالا۔ پھر یہاں نوکری مل گئی۔ پیسہ تو ہے مگر کرنے یا سجانے سنوارنے کا کام ایک جھنجھٹ ہی لگتا ہے۔ فقیرانہ بودوباش کی عادت جو پڑ گئی تھی سو وہ نہیں چھٹی۔ عیش کرتے ہیں خود میں اور پیشے میں گم ہو کر۔"

مہران کو اس کی درویشانہ قناعت پسندی، جاہ و حشمت اور تعیش پسندی سے کنارہ کشی اور شان استغنا پر پیار آیا۔ جن کے دل غنی ہوں انہیں روپیہ پیسہ اور ہیرے جواہرات، کنکر پتھر ہی لگتے ہیں۔

"تم واپس کیوں نہ گئے اپنے والدین کے پاس۔"

"امی کا تو میرے بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ ابو چار سال پہلے وفات پا گئے۔ لاہور سے ہمارے ہمسائے اسلام آباد شفٹ ہوئے تھے، ایک دن سرِراہ مل گئے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا۔" داور نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ انگوٹھے سے دری کا کونہ مسل رہا تھا۔ غالباً "باپ کو دیے گئے دکھ کے احساس نے دل پر بھاری بوجھ ڈال دیا۔"

"اب واپس کس کے پاس جاتا۔ دل ہی بجھ گیا تھا۔ کوٹھی جوں کی توں بند پڑی ہے۔ میرا ابھی لاہور جانے اور نہ مجھ میں اتنی ہمت تھی۔ لاکر میں پڑے بھاری مالیت کے زیورات، ابو کا بینک بیلنس اور ایک... نے کسی چیز میں دلچسپی لی۔ سابقہ پڑوسی کافی دفعہ کہہ چکے ہیں کہ ابو کے وکیل سے مل کر حق وراثت وصول کر لوں مگر میرا جی نہیں مانتا۔ میں کیا کروں گا ان پر قابض ہو کر۔ انہیں اپنی ملکیت بنا کر۔"

جس لکشمی کے پیچھے ساری دنیا پاگل ہوئی پھرتی ہے اسے وہ سادہ منش، باریک بین اور منطقی استدلال...

ٹھکرائے بیٹھا تھا۔ اسی کو کہتے ہیں۔

ع نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے

مہران کو اس کا غیر جذباتی اور غیر جانبدارانہ طرز گفتگو اچھا لگا۔ اس نے بغیر کسی لگی لپٹی کے کل حکایت کہہ ڈالی۔

"فرمائیے وہ کون سے راز و نیاز تھے جسے آپ چھپ کر شادی کا منصوبہ بنانے والوں کی طرح خفیہ رکھنا چاہتے تھے۔" داور کی ازلی شوخی و شرارت لوٹ آئی۔ "ویسے یہ نیک کام آپ کر بھی چکے ہیں۔" اس نے دزدیدہ نظروں سے مہران کا شگنوں سے سجا چہرہ دیکھا۔

"یہ نہیں چلے گی۔ کہا تو ہے کسی دن ساری تفصیل بتا دوں گا۔ فی الحال باعث تشویش یہ ہے کہ اس شادی کی خبر لیلیٰ شاہ تک کیسے پہنچی۔ شادی مکمل رازداری کے ساتھ کی گئی تھی۔ مجھے خدشہ ہے لیلیٰ ہاتھ میں آئے اس ہتھیار کو بلیک میلنگ کے لیے استعمال کرے گی۔ اسے علم ہے کہ میں فی الحال اس شادی کو اناؤنس کرنے سے گریزاں ہوں اور وہ اس کمزوری کا فائدہ اٹھائے گی۔ پچھلے دنوں پولیس نے اس کے گروہ کے دو ٹرک پکڑے ہیں۔ وہ زخمی ناگن کی طرح حساب چکانے کو بے تاب بیٹھی ہے۔ مجھے "کسی" پر شک تو ہے مگر ثبوت فی الحال نہیں کر سکتا۔"

اس کی آنکھوں میں ارشین کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ اس نے "ہاٹ شاٹ کلب" میں لیلیٰ شاہ سے ہونے والی تمام گفتگو دہرا دی۔ داور اخبار کا رول بنا کر ٹھوڑی کے نیچے رکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

"یار ایس پی! تم یہ شادی اناؤنس کیوں نہیں کر دیتے۔ آخر کیا چیز مانع ہے۔" اس نے مہران کی سمت دیکھا۔

"میں نے ان کی مرضی اور شمولیت کے بغیر شادی کی ہے۔ یہ عظیم دھوکہ دہی ان کی جان بھی لے سکتی ہے۔ میں ان کا مجرم ہوں۔"

"لیکن اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔ تمہیں بہرحال انہیں آگاہ کرنا ہی ہو گا۔ ساری عمر تو پردہ پوشی نہیں کی جا سکتی۔"

"ساری عمر کی بات کون کرتا ہے۔ میں جلد ہی اس ڈرامے کو منطقی انجام تک پہنچا دوں گا۔ بہتر ہے ممی اس معاملے سے بے خبر ہی رہیں۔ کچھ عرصے کی بات ہے بس۔" مہران بے حسی سے ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بیٹھ گیا۔

"معاف کرنا، میرے پلے کچھ نہیں پڑا۔" داور ہونقوں کی طرح اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"تمہیں بتا دوں گا کسی روز۔ فی الحال وہ بات سنو جس کے لیے میں نے اس جگہ کا انتخاب کیا ہے۔" مہران کا لہجہ سرگوشیانہ تھا۔ داور بے تابی سے اس کے قریب کھسک آیا۔

"یوں سمجھو گولڈن نیوز ہے تمہارے اخبار کے لیے۔ اس کے لیے پہلے سے بنائی ہیڈ لائن بھی تبدیل ہو گئی تو یقین نہیں ہو گی۔ تمہارے کسی ساتھی صحافی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گی۔ پہلی بمباٹ کوریج تمہارے اخبار کی طرف سے ہی ہو گی۔"

کالموں میں سنسنی خیز انکشافات اور واقعات کی سب سے پہلے اپنے اخبار میں رپورٹنگ کے لیے باقاعدہ دوڑ لگانے والا داور مزید قریب گھس آیا۔

"ہم دارالحکومت کے ایک نواحی علاقے میں ہیروئن کے خفیہ اڈے پر آج رات چھاپہ مار رہے ہیں۔ مشن کے لیے انتہائی ذمہ دار اور مستعد پولیس افسران کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ہم سادہ لباس میں فیکٹری کا محاصرہ کریں گے۔ تم اپنا کیمرہ، ٹیپ ریکارڈ اور وڈیو کیمرہ وغیرہ حفاظت سے لباس میں چھپا لو۔ وہاں تمہیں لیلیٰ شاہ کے چہیتے اور اس کے گروہ کے اہم بندوں سے ملاقات کا موقع بھی ملے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" اتنے اہم ترین آپریشن کی چشم دید رپورٹنگ کا تصور داور کے جسم میں سنسنی دوڑانے لگا۔ یقیناً یہ ایک تہلکہ خیز رپورٹ ثابت ہو گی۔ "مگر کہاں پہنچوں، اور کب۔" اس نے بے چینی سے دریافت کیا۔ مہران جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اٹھ کھڑا

"رات ایک بجے۔ ہیڈکوارٹر سے کچھ فاصلے پر۔ میں گاڑی روک کر تمہیں پک کرلوں گا۔ مگر یہ سیکورٹی رسک ہے۔"

"ہم تو پہلے ہی سر پہ کفن باندھے تیار ہیں صاحب! ہمارے پیچھے کون سے رونے والے بیٹھے ہیں۔" بے فکری سے ہنس کر شعر پڑھا۔

اب کون منتظر ہے ہمارے لیے وہاں
شام آگئی ہے لوٹ کے گھر جائیں ہم تو کیا

◆◆◆

سفیان کے یونیورسٹی کے دوست عامر کے والد انتقال کر گئے تھے۔ وہ ان کے سوئم میں شرکت کی غرض سے ان کے آبائی شہر ڈسکہ جا رہا تھا۔

"بیٹے! واپسی پر وسن کوٹ کا چکر بھی لگا لینا۔ گندم کی بوائی کا موسم ہے۔ منشی سے مل کر حساب کتاب کر لینا۔ اسے بیج اور کھاد کے پیسے بھی چاہیے ہوں گے۔" نینی نے تاکید کی۔ وہ عجلت میں گھر سے روانہ ہوا تھا۔ اس نے ٹرین سے سفر کرنے کو ترجیح دی تھی۔

سوئم سے فارغ ہو کر وہ وسن کوٹ کے لیے عازم سفر ہوا۔ ویگن کے ذریعے نارووال شہر پہنچا۔ آگے تانگہ کرایے پر لیا۔ جب اپنے گھر کے دروازے پر اترا تو رات کا اندھیرا افق ڈھانپ چکا تھا۔ تانگے والا پیسے لے کر واپس روانہ ہو گیا۔

دروازے پر تالہ نہیں تھا۔ وہ چونک گیا۔ اندر کی طرف دھکیلا تو وہ بند ملا۔

"یہ کیا چکر ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ پھر کچھ سوچ کر اینٹوں کی دیوار پھلانگ گیا۔ صحن میں لمبی لمبی گھاس چڑھی ہوئی تھی۔ برآمدے میں روشنی آرہی تھی۔

"یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔" وہ سخت حیران تھا۔ اندر آیا۔ برآمدے کے بائیں طرف اسٹور کا دروازہ کھلا تھا۔ لالٹین روشن تھی۔ کھری چارپائی پر کوئی سفید کمبل اوڑھے بیٹھا تھا۔ قدموں کی آواز پر رخ موڑا اور پھر جیسے اس طرف بجلی چمک گئی۔

"ارسین آپا۔ آپ یہاں۔" چارپائی کی پائنتی پر رکھے شاپر سے جھلک دیتے سفید اور سبز زنانہ سوٹ سفیان کی نظروں کی گرفت میں آچکے تھے۔

اور یہ شاپر اور سوٹ وہی تھے جو سفیان نے چار پانچ دن قبل مہران کے ہاتھ میں دیکھے تھے۔

◆◆◆

صبح کے پونے چار بج رہے تھے۔

بہت دیر تک بیل جاتی رہی۔

"اُفوہ کیا مصیبت ہے۔" لاؤنج کے ساتھ والے کمرے میں سویا ناظر نیند میں جھولتا ہوا لاؤنج میں آیا۔

"ہیلو۔" اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں مخاطب کیا۔

"ہیلو۔ کون سفیان۔؟" ادھر سے کسی نے عجلت میں کہا۔

"نہیں جی، وہ تو ڈسکہ گئے ہوئے ہیں اپنے دوست کے والد صاحب کی وفات پر۔ آپ کون۔" ناظر چوکس ہو گیا۔

"ناظر! بات کر رہے ہو کیا۔؟" بولنے والے کا لہجہ گم صم اور شاکڈ تھا۔

"جی ہاں۔" اس شناسائی و آگاہی نے ناظر کو پریشان کر دیا۔

"مگر آپ کون ہیں جناب۔" مخاطب کا لہجہ جیسے خطرے کا الارم بجا رہا تھا۔

"میں داور بات کر رہا ہوں ناظر۔ دیکھو بھئی ایک اہم اطلاع دینی ہے ذرا حوصلے سے سننا۔ آنٹی تک پہنچانا۔

گولی لگ گئی ہے۔ آج رات ایک اہم آپریشن تھا۔ فائرنگ کے دوران گولی ایسی جگہ لگی کہ بچت

مزید کیا کہہ رہا تھا ناظر کے اعصاب اسی جملے نے جھنجوڑ کر رکھ دیے تھے۔" ایس پی صاحب کے

○○○

"میری بات سن رہے ہو ناں۔ ہیلو ہیلو۔" داور اس کا غیر متوجہ انداز محسوس کر چکا تھا۔

"جی۔" ناظر جھرجھری لے کر حال میں واپس آیا۔ "بھائی جان کہاں ہیں؟ کیسے ہیں؟" اس کا حلق خشک ہو

"انہیں آئی سی یو میں رکھا گیا ہے۔ ہمز ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں۔ تم نینی کو لے کر فوراً پہنچو۔"

"اور بھائی اب ٹھیک تو ہے ناں۔" ناظر کا دل کسی نے مٹھی میں بھینچ رکھا تھا۔

"پسلی میں لگی تھی دل سے کچھ نیچے۔ ڈاکٹرز کو تو بچت ناممکن لگ رہی تھی۔ لیکن بہرحال۔ گولی نکال لی گئی آپریشن ہو چکا ہے۔ کامیابی یا ناکامی کا پتا اس کے ہوش میں آجانے کے بعد چلے گا۔ ایمرجنسی وارڈ کے سامنے

کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔ خوفزدہ قدموں سے نینی کے بیڈ روم کا دروازہ دھڑ دھڑایا۔ نینی افتاں و خیزاں

"مہران ٹھیک ہے ناں؟" اطلاع پاتے ہی انہوں نے چکرا کر دل تھام لیا تھا۔

"انشاء اللہ ٹھیک ہی ہوں گے۔ آپ چینج کرلیں۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔" اس کی اپنی عقل خبط ہو رہی تھی۔

"میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے بیٹے۔" نینی اس کے شانے سے سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ "خدا خیر اتنے خطرناک مشن پر نکلا تھا۔ جاتے ہوئے کہہ رہا تھا' نینی! دعا کیجیے گا۔ جان ہتھیلی پہ رکھ کر جا رہا ہوں۔" ان کا لہجہ بھرایا ہوا تھا۔

"حوصلہ رکھیں نینی!" ناظر نے ان کے گرد بازو دراز کر کے تھپتھپایا۔

"بھائی جان کو کچھ نہیں ہوگا اور آپ تو ہم سب کو پڑھایا کرتی تھیں کہ جان خدا کے بعد ملک و قوم کی امانت ہے۔" وہ دارسانیت سے سمجھا رہا تھا۔

"میں نے اپنے بچوں کو خدا کو سونپ دیا تھا۔ میرے پاس تو یہ ویسے بھی کسی کی امانتیں ہیں۔ بس کیا بیٹے اب دل کمزور ہو گیا ہے۔ نئے امتحانوں سے گزرنے سے خوف آنے لگا ہے۔ ماں ہوں ناں۔"

خود کو سنبھالتی سفید چادر اوڑھنے لگیں۔

ان کے بیٹھنے کے بعد گاڑی آگے بڑھا دی۔

خاموش تھے۔ مگر دل کے اندر جیسے وحشت ناچ رہی تھی۔ انجانے خدشے اور واہمے دھڑکنیں مرتعش صبح کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ داور اپنی بتائی ہوئی جگہ پر بغیر کسی تگ و دو کے مل گیا۔ ایف ایکس خود ہی پک کر آگیا تھا۔

"السلام علیکم آنٹی!" نینی کے بھیگے ہوئے بے اوسان اور خود سے بیگانہ لب و لہجے سے بے قراری و بے کلی "مہران کیسا ہے؟ پلیز بیٹے مجھے طفل تسلیاں نہ دینا۔ سیدھی اور سچی بات بتا دو۔ بہت حوصلہ ہے میرے سینے میں۔ میں نے اپنے شوہر اور مہران کے والدین کے جنازے اپنی موجودگی میں لوگوں کی تعزیتیں وصول کی ہیں کہہ دو جو کہنا چاہتے ہو۔ میرے دل کی کمزوری کا خیال نہ کرو۔"

آنسو ایک ترتیب سے آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے رخسار بھگو رہے تھے۔

"یقین کریں، ڈاکٹر بتا رہے ہیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوش آجائے گا۔ آئیے چلیں میرے" اور مخلص سے لہجے میں جانے کیا تھا کہ نینی کا اکھڑ رہا گنا دل ٹھہر سا گیا۔ وہ سراپا دعا بنی اس

کے ساتھ چلنے لگیں۔
پون گھنٹے کے طویل ترین اور صبر آزما انتظار کے بعد بالآخر آئی سی یو کا براؤن گلاس ڈور کھلا۔
باہر نکلتے دو ڈاکٹرز کی سمت اٹھیں ان کے چہروں پر اطمینان بخش مسکراہٹ تھی۔
"سب ٹھیک ہے جناب! ہم انہیں پرائیویٹ روم میں شفٹ کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ لوگ
مل سکیں گے۔" ان کی جان میں جان آئی۔
مہران نے ہوش میں آتے ہی رپورٹ پوچھی تھی۔ داور نے اچھی طرح تسلی کرادی کہ مال پکڑا گیا
تھانے میں بند ہیں۔ کل کے اخبارات میں ساری تفصیل آجائے گی۔
داور مہران کی تسلی بخش صورت حال کا یقین کرنے کے بعد آفس جانے کے لیے اٹھ گیا۔ اسے
دھلوانا تھی۔ واقعات کی تحریری رپورٹ لکھ کر کمپیوٹر سیکشن میں دینی تھی۔
"میں شام کو آؤں گا آنٹی۔ ہاسپٹل کی کینٹین سے آپ کے اور ناظر کے لیے ناشتہ بھجوا رہا ہوں اور
ضرورت ہو تو......"
"نہیں بیٹے! آپ کا بہت بہت شکریہ آپ کیوں تکلیف کرتے ہو۔" نینی سراپا نیاز و تشکر تھیں۔
"تکلیف کیسی آنٹی۔ آپ شام تک رکیں گی؟" وہ اپنائیت سے بولا۔
"اس کی ضرورت نہیں ہے نینی! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ دو چار دن میں زخم بھر جائیں گے۔ کل
ڈسچارج سلپ بنوالوں گا میں اتنا عرصہ بستر پر نہیں گزار سکتا۔ آپ پلیز گھر چل کر آرام کیجیے۔ پولیس کے لوگ
میرے پاس۔ وہ دیکھ بھال کرلیں گے۔"
مہران نے ان کا ہاتھ تھام کر نرمی سے کہا۔
"نہیں بیٹے! آپ آنکھوں کے سامنے ہو تو جی کو قرار مل گیا ہے۔ میں یہیں رہوں گی۔" وہ فلاسک سے
نکالنے لگیں۔ داور سلام کرکے چلا گیا۔
"ماشاء اللہ بہت سعادت مند اور نیک دل بچہ ہے۔ کسی سلجھی ہوئی مہذب فیملی کا لگتا ہے۔" نینی داور کی
تعریف میں رطب اللسان تھیں۔ انہیں یہ شائستہ و مؤدب اور سادہ دل نوجوان بہت اچھا لگا تھا۔
"ہاں، لیکن غرور نام کو نہیں ہے۔ اس کا لائف اسٹائل دیکھیں گی تو دنگ رہ جائیں گی۔ مست الست، بے پروا
بے نیاز اس کی سادگی میں جو سحر اور کشش ہے وہ بڑے بڑے شاہوں کو نصیب نہیں ہوئی۔" مہران کے لہجے میں
بے ساختہ تحسین تھی۔
"نینی! سفیان کب تک آجائے گا ڈسکہ سے۔" اسے اپنے زندہ دل شوخ و شریر بھائی کی غیر موجودگی کھٹک رہی
تھی۔
"کل صبح تک آجائے گا۔"
"بھائی جان! میں آپ کا سر دبا دوں؟" خلوص و محبت کے اظہار پر مشتمل اس عجیب و غریب پیشکش پر مہران بے
ساختہ ہنس پڑا ناظر نے بڑی سوچ بچار کے بعد خدمت گاری کا ذریعہ چنا تھا۔
"تم بس ایک اچھی سی کافی پلادو۔" مہران نے اسے قریب بلا کر شفقت سے کمر تھپتھپائی۔
مسکن ادویات کے زیر اثر کچھ دیر بعد وہ غافل ہوچکا تھا۔ اہم سرکاری شخصیات پریس اور محکمے کے
افسروں کا سارا دن تانتا بندھا رہا۔ اس کا پرائیویٹ روم پھولوں اور پھلوں سے اٹ گیا تھا۔ شام تک یہ سلسلہ
جاری رہا۔
"ویمن پولیس اسٹیشن سے سب انسپکٹر درنایاب آئی ہیں بھائی جان۔"
وہ سو کر بیدار ہوا تو ناظر نے مستعدی سے اطلاع دی۔ وہ ٹھٹک گیا۔
"کہاں ہیں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے ناظر کی طرف دیکھا جو نینی کی ہدایت پر پھلوں کے ٹوکرے اٹھا رہا
تھا۔ نینی نے زائد پھل فروٹ جنرل وارڈ کے مریضوں اور لواحقین میں تقسیم کرنے کی ہدایت کی

نینی کے پاس بیٹھی ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے یہاں آکر آپ کو دیکھ گئی تھیں۔ آپ سو رہے
والے روم میں
کے لیے مہران کے آفیسر نے علیحدہ سے کمرہ مخصوص کروا دیا تھا تاکہ آنے جانے
کے ساتھ تیمارداروں
رش نہ لگا رہے۔
نینی درنایاب کے ساتھ چلی آئیں۔
انہوں نے بڑھ کر محبت سے اس کی پیشانی چومی۔
میرا بیٹا؟" صدقے کے طور پر دو بکرے یتیم خانے اور ایدھی سینٹر بھجوا دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میرے بچے کو
آؤ بیٹی! بیٹھو ناں۔ آپ کھڑی کیوں ہو۔ کافی دیر سے یہ بچی آئی بیٹھی ہے۔"
اشارے پر درنایاب جھجکتی ہوئی آگے آگئی اور بیڈ کے دائیں طرف رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ
تھی۔
طبیعت اب کیسی ہے؟" وہ انگلیاں مروڑتی ہوئی بوکھلائے ہوئے انداز میں مخاطب تھی۔
تشویش اور فکرمندی تھی۔
مہران نے آہستگی سے سر ہلایا پھر نینی کی طرف گردن موڑی۔
آپ نے ان کی کچھ تواضع بھی کی یا یونہی بٹھائے رکھا ہے۔"
اصرار کیا لیکن یہ کچھ لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوئی۔ جب آئی تھی تو بہت پریشان تھی۔"
خصوصی توجہ کے پیش نظر درنایاب کا از سر نو جائزہ لینے پر مجبور ہو گئیں۔
رنگت، براؤن گولڈن گھٹنوں تک لٹکتی چوٹی، دراز قامت۔ سراپا مرصع و مرقع نازک سراپا۔
کے جھرنے جیسے پھوٹے پڑ رہے تھے۔
نگینے کی طرح اس کی رعنائی و زیبائش کا ہر انداز مکمل یکتائی لیے ہوئے تھا۔
نظروں میں ستائش تھی۔ دوسری نگاہ انہوں نے اپنے بیٹے کی شاندار شخصیت پر ڈالی جس کی وجاہت و
کی محتاج نہیں تھی۔ غیر ارادی طور پر ان کے ذہن میں ایک محاورہ روشن ہوگیا۔
سورج کی جوڑی۔"
مہران کے اگلے جملے نے ان کے خیال کو حقیقت کا جامہ پہنا دیا۔
ہیں جن سے ملنے کے لیے آپ بے تاب تھیں۔"
نے سنجیدگی سے ان کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں پہلے بے یقینی و حیرانی کے رنگ اڑے پھر تبسم
لیے۔
پہلی خیال تھا۔" وہ ذومعنی انداز میں مسکرائیں تو درنایاب کنفیوز سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
سر! یہ بکے میں آپ کے لیے لائی تھی۔" سرخ تر و تازہ گلاب اس کے سرہانے رکھ کر وہ نینی
لگی۔
ملا ہے بیٹے۔ میں آپ کے والدین سے ملنا چاہتی ہوں۔"
ہو کر ان کی صورت دیکھنے لگی۔ نینی نے نرمی سے اس کا شانہ دبایا۔ اگلے لمحے جیسے وہ بات کی
تہہ تک پہنچ گئی۔ اس کے رخسار شفق رنگ ہو گئے۔ کنول سی آنکھوں میں حیا کی سرخ ڈوریاں تیرنے لگیں۔
بجھ گئی تھیں۔ پھر وہ ٹھہر نہیں سکی۔
بازو رکھ کے گہری نیند سو چکا تھا۔

◆◆◆

مہران کے صبح صبح ون کوٹ سے روانہ ہونے کے بعد برکتے خیر سگالی کے جذبے کے تحت اسے دیکھنے
کی حالت کے پیش نظر اس نے ازراہ ہمدردی تین چار دن تک تینوں ٹائم کھانے اور چائے پانی کا

دھیان رکھا تھا۔ وہ اپنی بیٹی یا لڑکے کے ہاتھ روٹی سالن بھجوا دیتی تھی۔ اس کی بیماری اور اکیلے پن کی وجہ
تین راتوں سے اس کے پاس سوئی تھی۔ ارشین اس کی پور پور شکر گزار تھی کہ خود اس میں ناطاقتی کے
باعث مل کر پانی پینے کی استطاعت بھی نہ تھی۔

آج بھی وہ اپنے کمرے میں نڈھال بیٹھی تھی۔ برکتے کی بیٹی لاڈو نے اس کے کمرے میں جھاڑو لگا کر برتن
صاف کر دیے تھے۔ کھانا پہنچانے کا ٹائم ہو رہا تھا کھٹکے کی آواز پر وہ یہی سمجھی کہ طیفا یا لاڈو کنڈی کھٹکھٹا
ابھی اٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ سفیان اچانک سامنے آ گیا۔

دونوں بت بنے سکتے کے عالم میں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

سفیان کو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ حیرت سے برا حال تھا۔

"یہ آپ ہیں یا میری نظروں کو دھوکا ہو رہا ہے۔" وہ حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔

"تم اندر کیسے آئے؟" ارشین نے خود کو سنبھال کر پوچھا لیکن سفیان تو حواس کھو بیٹھا تھا۔

اس کے ذہن میں جس ارشین کا تصور محفوظ تھا۔ وہ ایک خوش مزاج، خوش لباس، خوش اطوار، بہ
نفیس و دلکش پرسنالٹی کی مالک خاتون تھی ایک نامور آرٹسٹ، منجھی ہوئی لیکچرار اور ایک سلجھی ہوئی نوساراً
یہ اس کے سامنے کون کھڑا تھا؟

ملگجے بدرنگ سے سلوٹ زدہ لباس میں، زرد بے رونق رنگت اور بجھی ہوئی آنکھوں والا اجڑا ہوا
ہوئے بے ترتیب بال، سفید پڑتے ہونٹ اور بیمار سراپا۔

"آپ یہاں۔ کیوں اور کیسے اور اس حال میں؟ پلیز ارشین آپا مجھے بتایئے ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"
وہ چیخ پڑا۔

ارشین نے سکون سے اس کے ہاتھ الگ کر دیے۔

"آؤ، بیٹھو اب آ ہی گئے ہو تو جان بھی لو گے۔ کاش تم یہاں نہ آتے۔"

"میں تو اتفاقاً زمینوں کا حساب کرنے ادھر چل نکلا تھا۔ کیا خبر تھی کہ۔" وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔

"آپ کب سے ہیں یہاں۔ مجھے تو بتایا گیا تھا آپ شادی کے بعد کراچی چلی گئی ہیں۔"

"دوسرے کمرے میں آ جاؤ۔ وہاں آتشدان اور کرسیاں بھی ہیں یہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے۔" ارشین نے
کیل سے لٹکی لالٹین اٹھالی۔

"اور آپ، آپ یہاں اس تنگ و تاریک خالی کوٹھڑی میں چلہ کاٹ رہی تھیں؟" اس کا لہجہ تیز ہو گیا۔
ارشین نے مہران کے کمرے کا تالا کھولا اور لالٹین ہاتھ میں لیے اسے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا
جیسے پیر پٹختا آرام کرسی کی طرف بڑھا تھا۔

"کیا کر رہی ہیں آپ یہاں بتاتی کیوں نہیں ہیں آخر؟ پلیز آپا! میرے اعصاب پر رحم کیجیے۔ اتنی ہمت
نہیں ہے مجھ میں۔"

سفیان نے بے چارگی کے عالم میں اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"اور بھائی جان!" اس کی نظروں میں وہ شاید جھلملانے لگا۔

"وہ یہاں آئے تھے۔ بلکہ آتے رہتے ہیں۔ یا شاید وہی آپ کو یہاں لائے تھے اور کیا آپ کسی مرض
ڈاکٹر فرخ کے زیر علاج رہی ہیں۔" اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ ارشین مضمحل سے انداز میں مسکرائی۔

تیرے پاس کتنے سوال تھے
میرے پاس کس کا جواب ہے

"اپنے دماغ پر بوجھ نہ ڈالو سفیان! میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکوں گی۔"

"بی بی! اے بی بی! ادھر ہو یہ کھانا لے لو۔" برکتے بولتی ہوئی دروازے کی چوکھٹ پر آ ٹھہری۔ "باہر کون
چھوڑا ہوا ہے بی بی خدانخواستہ.........."

نظر سبز جرسی اور سیاہ ٹراؤزر میں ملبوس ہوائیاں اڑتے چہرے والے سفیان پر پڑی اس کی بولتی بند ہو
گئی۔

"ایس پی باؤ کے نکے بھائی ہو ناں۔" سفیان پچھلے سال آیا تھا یہاں۔ برکتے کو شکل پہچاننے میں
دیر نہیں ہوئی۔

"برکتے خالہ اندر آ جاؤ۔ مجھے تم سے کچھ سوال کرنا ہیں۔" سفیان کا لہجہ گھمبیر سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔
"یہ کھانا ان کو دے دو خالہ۔ لمبے سفر سے آئے ہیں۔" ارشین آہستگی سے سامنے سے ہٹ گئی اور واپس اپنے
کمرے میں آ گئی۔

"بی بی کو کیسے جانتی ہو خالہ۔ دیکھو مجھے شروع سے ایک ایک بات بتاؤ۔" برکتے نے الف تا یے فر فر قاعدہ سنا
دیا جیسے پہلے سے بے تاب بیٹھی ہو۔ اتنا عجوبہ نما واقعہ اس کے پیٹ میں تک بھی تو نہیں رہا تھا۔
فضل دین نے اس رات کن حالوں میں بی بی کو دیکھا۔ اس کی مدد کی۔ اس کے جسم پر تشدد کے نشان دیکھ کر برکتے
کو کیا خیال آیا۔ پھر ایس پی باؤ کب ہسپتال لے کے گئے۔ کتنے دن بعد لوٹے۔ لاڈو اور طیفے کے تاثرات۔ ایس
پی باؤ کا بی بی کے ساتھ رویہ بیماری کی پروانہ کرتے ہوئے چھوڑ کر جانا اور ان لوگوں کا تعاون، اظہار، تعجب ذاتی
بات۔

ہر جملے کے ساتھ سفیان کے قدموں تلے کی زمین انچ انچ سرکتی جاتی تھی۔ برکتے کا بیان ختم ہوا تو وہ گویا خلا میں
معلق ہو چکا تھا۔

"کیا یہ دنیا اتنی بدصورت ہے، اتنی بدرنگ اور بھیانک ہے" ابھی امبرین والا واقعہ ذہن سے محو نہیں ہوا تھا کہ
بھائی کا وحشیانہ روپ حواس مختل کرنے کو عیاں ہو گیا۔
سفیان کو دو ماہ پہلے کا وہ منظر یاد آ رہا تھا جب مہران داور اور ڈاکٹر رضا کے ساتھ شام کو کہیں نکلا تھا۔ صبح دس بجے
لوٹا تو اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہا تھا۔
بات بے بات غصہ، تلخی، جھلاہٹ، درشتی چھلکاتا سبز آنکھوں کا وہ خونی تاثر۔
سفیان کے ذہن کی اسکرین پر تاثر کو نمایاں کر رہی تھی۔
یہ بات تھی اس نے گہری سانس فضا کے سپرد کی۔
"خالہ! تمہارا بہت شکریہ۔ تم نے میرا اتنا خیال رکھا۔ میں اب پہلے سے کافی بہتر ہوں۔ کل سے گھر سنبھال
لوں گی تم زحمت نہ کرنا اور آج اپنے بچوں کے پاس جا کر سوؤ۔ طیفے کو تمہارے ساتھ سونے کی عادت ہے۔ وہ
تنگ کرتا ہو گا۔ بہت مہربانی۔"

ارشین بے آواز قدموں سے اندر آ گئی۔

"ایسی بات نہ کہو بی بی۔ تم بھی میری بیٹیوں جیسی ہو۔ اچھا میں چلتی ہوں رب راکھا۔"
ارشین باہر کا تالا لگا کر واپس آئی تو سفیان اسی پوز میں بت بنا بیٹھا تھا۔
"کھانا کیوں نہیں کھایا۔ یہ تو ٹھنڈا ہو گیا یونہی۔" ارشین نے عام سے نارمل انداز میں مخاطب کیا۔
سفیان نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ نگاہ ملی۔ جانے اس کی آنکھوں میں کیسے محسوسات مچل رہے
کہ ارشین سے دیکھا نہ گیا۔ بے ارادہ نظر چرا کر دامن جھاڑنے لگی۔
"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟" اس کی گمبھیر برفیلی چپ نے ارشین کی روح ہلا کے رکھ دی تھی۔
"کتنے چہرے ہوتے ہیں آخر ایک چہرے کے پیچھے۔ میں تو کھوج کھوج کے تھک گیا۔ پرت پرت کھنگال
لی پھر بھی یوں لگتا ہے جیسے قریب ترین ہستی ابھی تک پردوں سے نکل کر سامنے نہیں آئی۔ کوئی اسرار باقی ہے گویا
مجھے انسان شناسی پر بڑا گھمنڈ ہوا کرتا تھا۔ آج پتا چلا میں تو طفل مکتب ہوں۔" اس نے تھک کر کرسی کی پشت
سے ٹیک لگا لی۔ آواز کے سارے رنگ پھیکے تھے۔ ارشین نے چپ رہنا بہتر سمجھا۔
"ویسے تو مجھے کسی حد تک اندازہ ہو چکا ہے۔ لیکن آپ تصدیق فرما دیجیے۔ بھائی جان سے آپ کا کیا رشتہ

ہے۔"

"وہی جو تم سمجھے ہو۔" اس نے مجرمانہ انداز میں سر جھکا کے بمشکل جواب دیا۔
"شادی ہو چکی ہے۔" جھٹکا اتنا شدید تھا کہ سفیان ہل کر رہ گیا۔ ارشین نے گہری سانس لے کر سرہلایا وہ بدستور سر جھکائے ہاتھ مسل رہی تھی۔
"کیوں کیا آپ لوگوں نے ایسا؟ اس طرح سارے زمانے سے چھپا کر" وہ بری طرح ٹوٹنے لگا۔
"نینی کو پتا چلے تو جان سے گزر جائیں خدانخواستہ۔" احساس شکستگی سے وہ چور چور تھا۔
"گھر والوں کو شامل نہ کرنے میں ایسی کون سی قباحتیں دامن گیر تھیں جو......"
"بس کرو سفیان کیوں امتحان میں ڈالتے ہو۔" اس نے بات کاٹی۔
"تہہ تک پہنچے بغیر فقط سطح چھو کر سمندر کا حال بتانا انصاف نہیں کہلاتا۔ بات مکمل ہونے تک اپنا تبصرہ محفوظ رکھنا چاہیے۔" وہ اٹھ کر آتشدان کی چنگاریاں کریدنے لگی۔
"اور اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔ یہ شادی میرے والدین اور تمہاری نازش اپیا کے باہمی تعاون سے سرانجام پائی تھی۔ شاید تمہارے علم میں ہو کہ نینی اور نازش خود رشتہ لینے ہمارے گھر آئی تھیں۔ بعد میں نینی کا ارادہ بدل گیا۔"

سفیان کے لیے یہ انکشاف بچھو کے ڈنک کی مانند تکلیف دہ تھا۔ نینی نے تو کبھی ذکر بھی نہیں کیا اور نازش اپیا۔
"نینی کیوں شامل نہیں ہو سکیں؟" وہ جیسے کسی پراسرار داستان کے اوراق وقفے وقفے سے پڑھ رہا تھا۔
"اتفاق سے وہ اس دوران کہیں گئی ہوئی تھیں۔ دوسرا پروفیسر دانیال نے انہیں بدظن کر دیا تھا۔" مہران نے اس بارے میں سرسری سا تذکرہ کیا تھا۔
"دانیال بھائی نے مگر کیوں؟۔" سفیان بے صبری سے پوچھنے لگا اس کی حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔
"اس لیے کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ اسٹامپ پیپر پر یہ بات لکھوا چکے تھے۔" وہ زچ ہو کر پھٹ پڑی۔ "وہ کسی زمانے میں میرے باس ہوتے تھے۔ ہماری سلام دعا تھی۔ جو بعد میں ان کی طرف سے پسندیدگی اور پھر بالآخر دیوانگی میں ڈھل گئی۔ میں نے بھی جانے بوجھے بغیر کم عقلی میں ہاں کر دی۔"
سفیان سانس روکے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔
اے دنیا تیرے کتنے بھید! کتنے رنگ! تو کیسی گتھی! تیری اتھاہ تیرا اصل ہے کیا۔"
سفیان جیسا ہنستی کھیلتی ہموار شاہراہ زندگی پہ چلنے والا معصوم دل مسافر پے در پے انکشافات کے خارزار سے گزرتے ہوئے چکرا کر رہ گیا تھا۔
جنہیں وہ آج تک آئیڈیل بنا کر پوجتا رہا تھا۔ ان جیسا بننے کی کوشش کرتا تھا ان کے ساتھ قریبی تعلق استوار ہونے پر فخر و ناز محسوس کرتا تھا آج ان سب کی قلعی کھل رہی تھی۔
بھائی جسے وہ فرشتوں سے زیادہ پاکیزہ و مصفا سمجھتا تھا۔
ارشین جسے بہن بہن کہتے اس کی زبان سوکھتی تھی۔
نازش اپیا جن کی شفقت میں ممتا کی سی مٹھاس اور راحت بٹتی تھی۔
اور دانیال بھائی جو اس کی نظر میں دنیا کے سب سے پروقار اور نفیس انسان تھے۔
آج سب کو عظمتوں کے آسمان سے نیچے گرتے دیکھ رہا تھا۔
"پھر کیا ہوا۔؟" وہ دھندلائی ہوئی آواز میں پوچھنے لگا۔
"پھر میں نازش اپیا سے ملی۔ انہوں نے پروفیسر کی نفسیات سے آگاہ کیا تو میرے ہوش ٹھکانے آ گئے دانیال کی مذموم کارروائیوں سے حفاظت کی خاطر انہوں نے تمہارے بھائی کا رشتہ بھیجا تھا۔ لیکن میری طرف سے انکار ہو گیا۔"
"پھر یہ شادی" وہ ٹھٹکا ارشین ہونٹ کاٹنے لگی۔

پیر صاحب نے مجھے اغوا کر کے اپنی مرضی کی تحریر لکھوالی تھی۔ پانسہ پلٹتا دیکھ کر اسے میرے والد صاحب نے طیش میں آ کر تین دن کے اندر اندر میری شادی کرادی اور ہمیشہ کے لیے گھر سے ... کر دیا۔ انہوں نے ...

... کر دیا۔"
... کسی غیر مرئی طاقت کے زیر اثر بتاتی چلی گئی۔
... بھائی جان نینی کی ناراضگی سے بچنے کے لیے آپ کو یہاں لے آئے۔" سفیان نے کچھ سمجھ کر سرہلایا۔

... سلوک، یہ غیر انسانی رویہ۔ وہ تو کسی بے زبان جانور پر ظلم ہوتا برداشت نہیں کر سکتے۔ اس کے ... کا خیال رکھتے ہیں ان کی رقیق القلبی تو بدنامی کی حد تک مشہور ہے۔"
... کھولتے ہوئے پانی میں اپنا عکس نظر نہیں آتا اسی طرح انسان کی شخصیت بھی آزمائش اور حقیقت ... ڈالے بغیر کھل کر سامنے نہیں آتی۔ ہم کیا ہیں، اور کیا کر سکتے ہیں ہم میں کتنی صلاحیت و جرات ہے ... اندازہ مصیبت کی گھڑی میں ہوتا ہے باقی سب خوش گمانیاں ہیں جو ہمیں اپنی ذات سے اکثر لاحق رہتی ...

... کے لہجے میں تفکر اور تجربہ بول رہا تھا۔
... کے لیے اپنے بھائی کا یہ روپ ناقابل یقین بلکہ ناقابل برداشت حد تک تکلیف دہ تھا وہ سوچ بھی نہیں ... بھائی جان اس حد تک جا سکتے ہیں، اتنے خونی اور وحشی بھی بن سکتے ہیں۔
... بھائی جان کو آپ سے کیا دشمنی تھی۔" وہ تھک کر پوچھنے لگا۔
... جیسی لوز کیریکٹر کی لڑکی ان کی بیوی بننے کے لائق نہیں تھی۔ لیکن نازش کی خانگی خوشیوں کی خاطر ... کڑوا گھونٹ پینا پڑا لہٰذا ایسا تو ہونا تھا۔"
... نے سادگی سے تسلیم کر لیا۔ سفیان دیکھتا رہ گیا۔
... انتہا ہے یا انہوں نے خود کو پتھر کر لیا ہے! انسان اچھا ہو یا برا اپنی غلطی اور جرم کا اعتراف کرنا گویا اس ... زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتا ہے، وہ کسی قیمت پر قصور مان کر ہلکا پڑنا پسند نہیں کرتا پھر یہ اتنی آسانی سے ... کے مراحل کیسے طے کر گئیں۔
... سے بات کروں گا۔ صدمہ اپنی جگہ لیکن دل کی خوشی کے لیے انسانی جان کو داؤ پر نہیں لگایا جا سکتا۔ ... ہمارے گھر کی عزت ہیں۔ جو جائز مقام بنتا ہے آپ کو دلوائیں گے۔ میں کل ہی جا کر صورت حال واضح ..." سفیان نے متانت اور سنجیدگی سے اظہار خیال کیا۔ ارشین کے ہونٹوں پر بھولی بھٹکی سی مسکراہٹ ...

... خوش فہم ہو تم۔ بچے ہو ناں ابھی سوچ کا بھولپن آہستہ آہستہ ہی شعور کی پختگی میں ڈھلے گا تم خود کو اس ... ہلکان مت کرو بس اپنے مستقبل اور کیریئر کو سامنے رکھو۔" اس کا انداز تفہیمی بھی تھا اور تادیبی بھی۔
... شرم آ رہی ہے آپ سے بھائی جان نے شہید باپ کے نام کی لاج بھی نہ رکھی یہ تو ہماری خاندانی روایات ... ہمارے ہاں خواتین کو عزت و تکریم کی اونچی مسند پر بٹھایا جاتا ہے۔ عورت ذات کا احترام تربیت کا ... سمجھا جاتا ہے۔ جو کچھ ہوا اس کی کیسے اور کیونکر تلافی ہو سکے گی۔"
... کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔
... کچھ نہیں ہوا تم خوامخواہ خود کو ہلکان نہ کرو سفر سے تھکے ہوئے لوٹے ہو۔ ہاتھ منہ دھو کر آرام کرو صبح ... جانا ہوگا۔" ارشین کا اطمینان قابل دید تھا۔
... کو لاک کر کے اس بھوتوں کی کوٹھڑی میں کیوں آرام کر رہی تھیں؟۔" وہ کچھ دیر تک اس کی ... کے بعد پوچھنے لگا۔
... کا آرڈر تھا۔" وہ پلکیں جھپکا کر بولی۔

"میرے خدا۔" سفیان کا جی چاہا خود کو گولی مار لے۔

"میری بات سنو سفیان۔ میں نے یہ سب کچھ اس لیے نہیں بتایا کہ اپنی مظلومیت اور ایس پی صاحب کا ڈھنڈورا پیٹ کے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکوں۔ قصوروار میں بھی ہوں۔ میں نے بڑھتے قدموں کی حوصلہ افزائی کیوں کی۔ وقت پر جاگ کر ان کا گھناؤنا روپ جانچ چکی ہوتی تو آج یوں نہ رلتی پھرتی۔ غلطی کا خمیازہ تو بھگتنا پڑتا ہے نا بھئی۔"

وہ حد درجہ پرسکون دکھائی دے رہی تھی۔

"آپ کیا ہیں ارشین آپا؟ میں آپ کو سمجھ نہیں سکا۔" وہ گہرا سانس لے کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ارشین نے اس کی بات ان سنی کر دی۔

"اور دیکھو خوامخواہ اپنے بھائی سے متنفر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا ردعمل فطری ہے۔ بدگمانی کی آگ میں برے بھلے کی تمیز نہیں رہتی۔ آہستہ آہستہ وہ ٹھیک ہو جائیں گے میرے ساتھ۔ تم زندگی ہو۔ بھائی بہنوں کے رشتے کے بیچ خلا نہیں آنا چاہیے اور تم ان سے کسی قسم کی کوئی بات نہیں کرو گے۔ میری تاکید سمجھ لو۔"

وہ پلنگ کا تکیہ درست کر کے رضائی کی تہہ کھول رہی تھی۔

"چلو آجاؤ شاباش۔" ناچار وہ بستر پر آ گیا۔ ارشین لالٹین لے کر باہر نکل گئی تھی۔

نیند بھی یونہی کچی پکی سی آئی۔ ایک مرد ہو کر اسے رات کے اس وحشت ناک سناٹے میں گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ وہ بھلا کس طرح اکیلی راتیں بسر کرتی ہو گی یہاں؟ انہی سوچوں میں صبح ہو گئی۔

نماز فجر ادا کر کے وہ ڈھیلے قدموں سے کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گیا اور صحن کی مخدوش حالت پر نظر دوڑانے لگا۔ پھر کچن میں آیا۔

گرد سے اٹی الماری، مٹی کا فرش، پہ بنا چولھا، دو چار زنگ آلود تسلے توا اور دو ٹوٹے کپ۔

"کیوں صبح صبح معائنہ کر کے شرمندہ کر رہے ہو۔ اصل میں ابھی تک یہاں قدم دھرنے کی نوبت نہیں آئی۔ اب اللہ کے فضل سے بھلی چنگی ہو گئی ہوں تو دو چار دن میں گھر سیٹ کر لوں گی۔" وہ منہ دھو کر سیدھی اس کے پیچھے آئی تھی۔ ٹھوڑی اور کنپٹیوں کے پاس سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

"یہ جگہ کسی صورت رہنے کے قابل نہیں ہے۔ آپ میرے ساتھ اسلام آباد چلیں۔ وہاں ہمارا ایک فلیٹ ہے۔ عرصے سے خالی پڑا ہے۔ فرنشڈ اور آرام دہ بھی ہے۔ جب تک نینی کے ساتھ مل کر معاملہ سیٹ نہیں ہو جاتا آپ وہیں قیام کیجیے گا۔" سفیان نے پلٹ کر سنجیدگی سے فیصلہ سنا دیا۔

"تمہارے خلوص کا بے حد شکریہ۔ میں ایس پی صاحب کی اجازت کے بغیر یہاں سے قدم باہر نہیں نکال سکتی۔" اس نے رسانیت سے انکار کر دیا۔

"اور یوں بھی میں یہاں رہ سکتی ہوں۔ کسی نہ کسی طرح ایڈجسٹ ہو جاؤں گی۔"

"اس بے سروسامانی کے عالم میں" وہ اچنبھے سے گویا ہوا۔ ارشین نے سر ہلا دیا۔

"چلیں مجھے ضروری سامان کی لسٹ بنا دیں۔ میں شہر سے لے آتا ہوں۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"سامان بھی آ جائے گا۔ تم زحمت نہ کرو۔ ایس پی صاحب کو پتا چلا تو سخت خفا ہوں گے۔"

"ایس پی صاحب خدا ہیں کیا ہمارے۔" وہ اپنی برہمی پہ قابو نہ پا سکا۔

"بری بات تمہارے بڑے بھائی ہیں۔" اس نے ٹوکا۔

"اچھا آپ یہ تو رکھیں مجھے صورت حال کا اندازہ ہوتا تو زیادہ رقم ہمراہ لے آتا۔" اس نے چند بڑے نوٹ اس کی طرف بڑھائے مگر اس نے سہولت سے واپس اسی کی سائیڈ پاکٹ میں اڑس دیے۔

"میں نے کہا نا۔ میں کچھ کر لوں گی۔ سب انتظام ہو جائے گا۔ تم اب چلنے کی تیاری کرو۔"

"...نینی جی سے ملاقات باقی ہے۔ بلکہ ایسا کرتا ہوں آپ کو ان سے ملوا دیتا ہوں وہ آپ کا خیال رکھے گا۔"

...معمولی ضبط و برداشت سفیان کو امتحان میں ڈال رہا تھا۔

...ارشین کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"...شعر سنو گے۔"

میری انا کی شکست ہے، نہ دوا کرو، نہ دعا کرو
جو کرو تو اتنا کرم کرو، مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو

"...تازیانہ سنائیں اتنا۔" وہ آہستگی سے رخ موڑ گیا تھا۔

...جو زبان بیان کرنے سے قاصر تھی آنکھوں اور چہرے سے چھلک رہا تھا۔

◆◆◆

...ایک روز مزید وسن کوٹ ٹھہرا۔ ارشین کی نانا کے باوجود وہ بھاری معاوضے اور آمدورفت کے اخراجات ...شہر سے ایک ڈاکٹر اس کے تفصیلی چیک اپ کے لیے لے آیا تھا۔ نسخے کے مطابق دوائیوں کے ڈھیر بھی ...ارشین سخت خفا تھی۔

...روز وہ اسلام آباد کے لیے روانہ ہوا تو اس کے ذہن میں ایک جامع پلان تھا۔

"...کچھ دنوں کی بات ہے۔ پھر آپ ہمارے درمیان ہوں گی۔ ہماری پیاری سی قابل صد احترام بھابھی بن ..." یہ بات اس نے اس وقت عزم سے دہرائی تھی جب ارشین شدومد سے اسے منع کر رہی تھی۔

"...تمہیں قسم ہے اس عزت اور محبت کی جو تم میرے لیے اپنے دل میں رکھتے ہو۔ جب تک ایس پی ...نہ چاہیں ہرگز ہرگز بھی محشر کھڑا نہ کرنا۔ یہ تمہارے کرنے کے کام نہیں ہیں۔ وہ جب مناسب سمجھیں ...کر دیں گے۔"

...کی واضح تنبیہہ کے باوجود اس کے دماغ کے کسی گوشے میں ایک منصوبہ پرورش پا رہا تھا۔ لیکن پھر اسے ...ترک کرنا پڑا۔ دوپہر پنڈی اسٹیشن پر اترتے ہوئے اس نے مقامی اخبار خرید کر سرسری نظر ڈالی تو وہ خبر ...سرخی کے روپ میں سامنے آ گئی۔ چونکہ وقوعہ کے رات مشن مکمل ہونے تک اخبار کی تمام کاپیاں ...چکی تھیں اس لیے یہ خبر عین اسی روز جگہ نہیں پا سکتی تھی اب اگلے دن طمطراق سے پنڈی، پشاور اور ...کے ہر مقامی اخبار میں اشاعت پذیر ہوئی تھی۔

...کو تو اپنا بھی ہوش بھول گیا۔ وہ اسٹیشن سے سیدھا ہسپتال دوڑا تھا۔ تاہم اطمینان بخش صورت حال کا ...کے بعد مہران کی ہدایت پر گھر واپس آ گیا تھا۔ نینی بھی اس کے ہمراہ گھر لوٹی تھیں۔ وہ فرط مسرت سے بار ...بات دہرائی تھیں۔ "خدا نے میرے بچے کو نئی زندگی دی ہے۔ بے شک اختیار تو اسی ذات تبارک و ...تعالیٰ میں ہے لیکن بندہ بشر جان کے دھڑکوں سے نجات کیسے پائے۔" سمجھتے بوجھتے ہوئے بھی جی کو قرار ...اس وقت وہ کچن میں سوپ کے لیے مرغی دھو رہی تھیں۔ سفیان اسٹول پہ جھولتا بے دھیانی کے عالم ...میں ...اس کی سوچ کے طائر کہیں اور پرواز کر رہے تھے۔

"...کی فرمائش کر رہا ہے۔ کیا خیال ہے بنا لوں۔ ہیوی تو نہیں ہو جائے گا۔"؟

...اپنی سوچوں میں منہمک یونہی بولا۔ نینی نے اس کی بے توجہی پر پلٹ کر دیکھا۔

"...کہاں ہو آپ؟" انہوں نے پیار سے پوچھا۔

"...بتائیے گا نینی۔" وہ بدستور خلا میں کسی نقطے پر نگاہ و ذہن مرتکز کیے ہوئے تھا۔ "کیا ایسا ہو سکتا ...نہایت مہذب و شائستہ اور نیک و پارسا ہوتے ہوئے کوئی ایسی حرکت کر گزرے جو اس کے ...کردار سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔؟" اس کا سوال اس کی ذہنی الجھن کا عکاس تھا۔

"مثلاً" وہ کسی معاملے میں انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وحشی و سنگدل بن جائے اس کی تمام شائستگی بے رحمی و بے حسی میں تبدیل ہو جائے۔؟" سفیان نے سوچتی ہوئی نظریں ان پر جما دیں۔

"دیکھو بھئی، نفس تو ہر انسان کے اندر موجود ہوتا ہے۔ تعلیم، تہذیب اور تربیت کے ذریعے اسے دبایا جا سکتا ہے لیکن ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اسے نفس کہہ لو، حیوانی جبلتیں کہہ لو یا شیطان کا نام دے لو۔ کوئی انسان اس سے مبرا نہیں ہے۔"

وہ چاولوں میں ڈالنے کے لیے فریزر سے مرغی نکال رہی تھیں۔

"لیکن نینی۔" وہ نچلا ہونٹ دانتوں سے چباتے ہوئے غیر مطمئن سا دوبارہ مخاطب ہوا۔ "ایک شخص ایک وقت میں اچھا اور برا کیسے ہو سکتا ہے۔؟" وہ سوالیہ نظروں سے نینی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ولیم میکڈوگل نفسیات کی دنیا کا بہت بڑا نام ہے۔ وہ کہتے ہیں انسان و حیوان میں بہت سی جبلتیں ہمیشہ سے موجود رہی ہیں۔ ان کو سیکھنے کے لیے کسی علم، تجربے یا ذاتی کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ یہ اس کے ساتھ ہیں اور وہ ان ہی جبلتوں کے تحت اپنے رد عمل کا اظہار کرتا ہے۔ اگر موقع محل کے مطابق ... ہوئے ہو تو اس اعتبار سے انسان کی جبلت کا رد عمل بھی شدید ہو گا۔" نینی سوپ کے لیے کارن فلور کا پیک ... کرتے ہوئے رسان سے بتا رہی تھیں۔

"کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی ہے بات۔" سفیان نے سر ہلایا۔ "اچھا میں اپنی تسلی کے لیے ایک اور طرح سے آپ سے سوال کرتا ہوں۔ فرض کریں کسی شخص کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ اسے ناگوار خاطر فریضہ برداشت کرنا پڑا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگلا فریق دھوکے باز، قابل نفرت اور برے کردار کا مالک ہے۔ ایسی صورت میں کیا اس کی نفرت اور انتقام کی فطری جبلت انتہا کو چھو جائے گی۔؟"

"بالکل۔ یہ ہو سکتا ہے۔" انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

"لیکن اس کی سوچ، تعلیم، تربیت، اس کی سیکھ پرکھ ان جبلتوں پر اثر انداز نہیں ہو گی۔؟"

"ہاں۔ تعلیم و تربیت سے فطری حیوانی جبلتیں کم یا زیادہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن مٹتی بہر حال نہیں ہیں۔ بھوک، پیاس، جنس، اور دیگر جبلتیں تہذیب و معاشرت کے نتیجے میں اعلیٰ انسانی اقدار اور سلیقے ... ڈھل جاتی ہیں۔ غذا حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ قانونی طریقے سے شادی ... کی مشترکہ ذمہ داریاں نبھانے کی سمجھ بوجھ ملتی ہے۔" نینی کارن فلور مکس کرنے کے بعد تیزی سے ... لگیں۔

"لیکن ان سب باتوں کے باوجود کب، کہاں اور کس موڑ پر انسان کی تعلیم و تربیت جواب دے جائے اس کے جید عالم فاضل بھی حتمی رائے نہیں دے سکتا۔" انہوں نے بات ختم کی۔

"آپ چل کر شاور لے لو۔ پھر لنچ کر کے تھوڑی دیر آرام کر لینا۔ میں اتنے میں یہ کھانا پیک کر لوں۔ مہران کے علاوہ ناظر اور داور بھی ہوں گے۔"

"میں بھی کپڑے تبدیل کر کے آپ کے ساتھ ہاسپٹل چلوں گا۔ اکٹھے لنچ کریں گے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ سفر سے تھکے ہوئے لوٹے ہو۔ بہتر ہو گا کچھ دیر آرام کر لو۔" دروازے سے نکلتا سفیان ... گیا۔ وہی الفاظ، وہی خیال رکھنے کا مشفق و مہربان انداز، وہی نرمی گفتار اور دھیما پن۔ اسے آج ... پہلی ملاقات میں ہی اپنی اپنی اور شناسا سی کیوں لگی تھی۔ اس سے مل کر، بات کر کے، تبادلہ خیال کر کے ... بار اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ سے اس سے مانوس رہا ہے۔ آپس میں برسوں سے واقفیت اور وابستگی ... ہے۔ شاید یہ اس کی اور نینی کی فطرت کے ملتے جلتے رنگ تھے جو آشنائی کی تصویر بنانے میں معاون ثابت ... تھے۔

بے اختیار سفیان کا جی چاہا وہ نینی کو بتا دے۔ حقیقت آشکار کر دے۔

وہ تڑپ کر مڑا بھی تھا۔ لیکن اگلے ہی لمحے خود بخود زبان پتھر کی ہو گئی۔ وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

... نا متوقع اور جان لیوا رد عمل۔ بھائی کا خطرناک ایکسیڈنٹ اور ارشین کا سخت تاکیدی پریشان چہرہ نگاہوں میں گھوم گیا۔

بے بسی کی اذیت میں جتنا سلگتا باہر نکل آیا۔

ہاسپٹل میں بہت دیر تک بھائی کے پاس بیٹھا اس کی صورت دیکھتا رہا۔ رعب و جلال اور بڑے پن کا لحاظ اسے مجبور کر گیا تھا۔

"... میں نہ بتا پاؤں۔" وہ اپنی بزدلی و شکست کا خود سے اعتراف کرنے لگا۔ "جب بھائی جان اتنی جرات و ... قطعی انداز کے باوجود نینی کے جذبات کو دھچکا پہنچانے کے خوف سے چپ ہیں تو میں کس دل سے ان کا امتحان لوں۔ کم از کم موجودہ صورت حال میں جبکہ بھائی جان موت کے منہ سے بال بال بچے ہیں۔ نینی ... اعصابی طور پر بہت نڈھال ہوں گی۔ ان کے غسل صحت کے بعد البتہ......"

"سفیان تو لگتا ہے بہت دور پہنچا ہوا ہے۔ بھئی ناظر۔ اپنے دوست کو ہلا جلا کر چیک کرو۔ کہیں یہ نقل بمطابق اصل تو نہیں ہے۔"

مہران بڑی دیر سے اس کے افسردہ و سنجیدہ صورت کا جائزہ لے رہا تھا۔ خلاف توقع اس کا موڈ بشاش اور ہلکا پھلکا ...

سفیان چونک کر مسکرا دیا۔

"نہایت سے دور بہر حال نہیں پہنچا۔" اس کے سادہ مگر معنی خیز جملے پر مہران نے دھیان سے اس کی شکل ...

"تشویش کی کوئی بات نہیں ہے بھائی جان۔ موصوف پر آج کل قنوطیت سوار ہے۔ کہیں غلطی سے پڑھ بیٹھے ہیں کہ فلسفی کی طرح باتیں کرنے اور پوز بنانے سے بندہ کم از کم صورت سے احمق نہیں لگتا۔"

ناظر نے سفیان کی بے کیفی کو امبرین والے واقعہ سے مرتسم کرتے ہوئے اس جملے کے ذریعے گویا اسے موثر ... کیا تھا۔

"... تو لگتا ہے ناں بھائی۔؟" اسی دم داور اپنے مخصوص شریر و بے پروا اسٹائل میں اندر داخل ہوا تھا۔ "... تو ہم سب ہی ہیں کسی نہ کسی زاویے سے۔" سفیان اس سے ہاتھ ملا کر سابقہ پھیکے سے موڈ میں ... لگا۔

مہران ایک بار پھر گہری نظر سے اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ سفیان آج کیسا بدلا بدلا سا لگ رہا ہے۔

"تم کچھ عجیب سے لگ رہے ہو۔ کوئی بات ہو گئی ہے کیا۔؟" اس نے بالآخر کہہ بھی دیا۔ "زمین آسمان بدل گئے ہیں بھائی۔ یوں لگتا ہے جیسے "آج" پیدا ہوا ہوں۔ زندگی کتنی "بارودہ" ہوتی ہے۔ لمحوں میں نہیں، دنوں میں، سالوں میں "کھلتی" ہے اور وہ بھی ادھوری سی۔ جیسے "جھلکیاں" دیکھ رہے ہوں۔" سفیان کے دل میں ... پھوٹ کر باہر نکلتا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں بھائی جان۔!" وہ نظر جھکا کر دھیمی آواز میں گویا ہوا۔ (میں شرمندہ ہوں ارشین آپا کہ ... ہونے والے ظلم کا حساب نہیں لے سکتا۔ رشتے آگ کی زنجیر ہوتے ہیں۔ اتار کر سائیڈ پر رکھو تو بھی آنچ ... پہنچتی رہتی ہے۔)

... گہری سانس لے کر دوبارہ بڑے بھائی کا چہرہ پڑھا جو مردانہ دلکشی کا نادر نمونہ تھا۔ مہران کا ہر انداز نارمل تھا۔ لیکن سبز آنکھوں میں تیرتے وحشت کے سائے اجنبی تھے۔

"... تحسین و جمیل ایس پی صاحب۔ "کسی" کو اطلاع دینی ہو تو خادم اپنی خدمات سمیت حاضر ہے۔" داور ... آنکھوں میں سمو کر مہران کی طرف دیکھا تھا۔

"... شکریہ۔" مہران کے انداز میں تلخی جاگ اٹھی۔ سفیان اور ناظر نینی کے بلاوے پر باہر کاؤنٹر کی طرف

"ہاں بھئی۔ شہزادی حسن آرا بیگم کی موجودگی میں آپ کو "ان" کی یاد کیوں ستانے لگی جنہیں "قید" کر چکے ہیں۔ سنا ہے کل ہسپتال میں ایک بے حد حسین و جمیل لیڈی پولیس آفیسر تشریف لائی تھیں جو بیڈ کے پاس کرسی پہ جم گیا۔ انداز چھیڑنے کا سا تھا۔
"عنقریب تم انہیں میرے گھر میں دیکھو گے۔ "آفریدی ہاؤس" کی مستقل مکین کے طور پر۔"
داور بری طرح اچھل پڑا۔
"میں تو مذاق کر رہا تھا یار۔" وہ ناک سے پھسلتی گولڈن فریم والی عینک کا زاویہ درست کر رہا تھا۔
"مگر میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" مہران نے چہرہ اس کی سمت موڑا۔ لامحالہ داور کو سنجیدہ ہونا پڑا۔
"شادی غالباً" آپ کر چکے ہیں بھائی صاحب۔" اس نے جیسے یاد دلانا چاہا۔
"نہیں۔ صحیح معنوں میں اب کروں گا۔" اس کا لہجہ ہموار اور ٹھہرا ہوا تھا۔
"اور وہ جو "پہلے" کی تھی۔ ایک گواہ تو ہم بھی ہیں۔"
"وہ قدرت کا عذاب ہے' جی کا جنجال اور جان کا وبال۔" اس کی آواز سلگنے لگی۔ داور اس اچانک جھٹکے سے سنبھل نہ سکا۔
"حیرت ہے۔ یہ تم ہی بولے ہو ناں۔ کچے پکے فیصلے کرنا تمہاری فطرت کا حصہ تو نہیں تھا۔ اچانک شادی اور یہ دھواں دھار بے زاری و شدت پسندی۔"
"زندگی کے ہر معاملے میں متوازن رویہ رکھنے والا مہران آفریدی صرف ایک معاملے میں شدت پسند ہے' انسان کا خالص پن۔ میں خود بھی ایسا ہوں اور اپنے سے وابستہ لوگوں میں بھی یہی کھرا پن دیکھنے کا متمنی ہوں۔ پھر بیوی تو یوں بھی "ذات شریک" ہوتی ہے۔ اسے سرتاپا پاک و صاف ہونا چاہیے۔ اس کی ہر ادا بے ساختہ معصوم اور "بے خبری" کی حیا سے بوجھل ہونی چاہیے۔ میں ملاوٹ اور بددیانتی برداشت نہیں کر سکتا۔"

مہران کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ دہکتے انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔
سبحان اللہ۔

کیا کہوں' کیا تلاش کرتا ہوں
ایک رشتہ تلاش کرتا ہوں
جس میں کوئی بھی نقص و عیب نہ ہو
وہ فرشتہ تلاش کرتا ہوں

سو یہی تمہارا حال ہے۔ او بھائی' جناب حسین و جمیل ایس پی صاحب' عالی جاہ' بندہ پرور وغیرہ وغیرہ ہوش کے ناخن لو بھیا۔ کس دنیا میں رہتے ہو۔ کھول آنکھ زمیں دیکھ' فلک دیکھ' فضا دیکھ۔ آج کے الیکٹرانک دور میں ایسے فرشتے دستیاب نہیں ہیں جن کے دل کی کتاب ہمیشہ سے صاف و سادہ رہی ہو۔ جو یہ دعویٰ کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے۔ خود سے بھی اور دوسروں سے بھی۔ ارے بابا۔ عمر کا وہ نرم و لطیف دور ہر کسی پہ آتا ہے۔ جس میں کتابوں میں پھول رکھنا' ستاروں اور ہواؤں سے سرگوشیاں کرنا' کسی کو پسند کرنا' متاثر ہونا' آئیڈیل تراشنا یا کسی کے بارے میں شاعرانہ و افسانوی انداز میں سوچنا اچھا لگتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تم جیسوں پر جھونکے کی طرح یہ دور گزر جاتا ہے اور کوئی عمر بھر کے لیے اس "یوٹوپیا" میں محصور ہو جاتا ہے۔" داور دل کھول کر ہنسا اور لطف اندوز ہوا۔

"میں اسے جذبوں میں خیانت کا نام دیتا ہوں۔"
"جی نہیں۔ اسے انسانی فطرت کہتے ہیں۔ زمین پر فرشتے نہیں بشر آباد کیے گئے ہیں۔ بشر۔ جو خطا کا پتلا ہے' بہکتا اور بھٹکتا ہے' لیکن توبہ کے بعد پھر اسی طرح پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے روز اول اتارا گیا تھا۔ اصل میں زندگی ساری عقلیں سکھا دیتی ہے۔" داور بے پروا اسٹائل میں گہری حقیقتیں بیان کر جاتا تھا۔

میں نے سوچا تھا۔ زندگی میں کبھی شادی کی تو ایسی لڑکی کا انتخاب کروں گا جو پاک و صاف اور خالص دل و دماغ کی ہو۔ جس کی سوچیں غیر کے تصور سے آلودہ نہیں رہی ہوں گی۔" مہران پر اس وضاحت کا چنداں اثر نہ ہوا۔

"بولو' اس درجہ انتہا پسندی ٹھیک نہیں ہوتی۔ حالات کے تقاضے سامنے رکھ کر دیکھو۔ خود ہمارے نظریات میں پل پل تغیر آتا ہے۔ جو آج سچ اور واضح ہے۔ وہ کل جھوٹ اور مبہم لگنے لگتا ہے۔ ہم احساسات بھی... ہم فراست کی انتہا سمجھ کر اپنی پیٹھ ٹھونکتے ہیں کل اسی کو حماقت سے تعبیر کرنے لگتے ہیں۔ نقل کو آج ... محسوس ہوتا ہے اور موجودہ برس عقل و دانش کا امین قرار دیا جاتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہوا... پچھلے سال کا سال..." داور نے وقار سے سوال کیا۔ مہران خاموش رہا۔
"بڑی بات یہ کہ زمین سے دانہ گندم سمیٹتے وقت خودرو جھاڑیوں کے بیج بھی ساتھ میں شامل ہو جاتے ہیں کسان چھان پھٹک کر الگ کر لیتے ہیں۔ ملاوٹ کا نام دے کر کوئی ہوش مند ساری گندم باہر پھینکنے کی حماقت نہیں کرتا۔ ... میری نیک خواہشات ہمیشہ سے تمہارے ساتھ رہی ہیں۔ چلتا ہوں ایڈیٹر صاحب یاد کر رہے ہوں گے۔ جب تک ایک عدد چٹپٹی سی سیاسی جھڑپ نہ ہو جائے انہیں چین نہیں پڑتا۔"
... بھرپور کھلے ہوئے شاداب موڈ سمیت اٹھ کھڑا ہوا۔

◆◆◆

ہم آدمی سے فرشتہ تو ہو نہیں سکتے
جو داغ پڑ گئے دامن پہ دھو نہیں سکتے
دیا ہے وقت نے جینے کا جو نیا احساس
ہم اس کو اب کسی قیمت پہ کھو نہیں سکتے

یہ سوچ کر کہ ذہن و دل کی جنگ جیتنے کے لیے جسمانی صحت کی بحالی لازمی امر ہے۔ اس نے سفیان کی لائی ہوئی دوائیں استعمال کی تھیں۔
سفیان صبح دم رخصت ہوا تھا۔ دوپہر کا کھانا برکتے کا بیٹا پہنچا گیا۔ سر شام وہ دواؤں کے زیر اثر کنڈی چڑھا کر سوئی تو پڑی رہی اور پھر صبح کی خبر لائی۔
نیند سے اٹھی تو اس نے حیرت انگیز طور پر خود کو فٹ اور ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ تیز رو اعصابی جھٹکا گزر جانے کے بعد احساسات میں قدرتی سا ٹھہراؤ آ جاتا۔ اسے لگا جیسے پرانی توانائیاں لوٹ آئی ہیں۔ شعور کے بکھرے اجزاء یکجا ہو گئے ہیں۔ نماز پڑھنے کے لیے اس نے مہران کے کمرے کا لاک کھولا۔ الماری سے جائے نماز برآمد کی اور خشوع و خضوع سے شروع ہو گئی۔
"اے خدا۔ مجھے صبر اور استقامت عطا فرما۔ اگر یہ آزمائش ہے تو سرخرو ہونے کا موقعہ دے۔ اگر ظلم ہے تو ظالم کے ذہن میں عدل کی روشنی اتار دے۔ اگر میرے گناہوں کی سزا ہے تو مجھے کفارہ ادا کرنے کی توفیق دے اور اگر یہ تیری رضا ہے۔ میری تقدیر کا باب ہے تو پھر مجھے اپنی رضا پہ خوش اور مطمئن و مسرور ہونے کا حوصلہ عطا کر۔" وہ آنسو جو اتنے دنوں سے نہیں بہے تھے۔ خدا کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہی ضدی و نافرمان بچے کی طرح مچل پڑے حتیٰ کہ دعا کے لیے اٹھے ہاتھوں کا پیالہ ان گداز اشکوں کی بوندوں سے لبریز ہو گیا۔ قلب و جاں کی کثافت دھلتی چلی گئی۔
... نئے مناظر اور ان کے تقاضے اسے اپنی طرف بلانے لگے۔ اس کی فطری مضبوطی و جرات مندی لوٹ آئی تھی۔ قابل رحم بننے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ گرتوں کا ہاتھ تھام کر اٹھانے کوئی نہیں آتا۔ ہمت کرنے کے لیے اپنے وجود کا احساس دلانے کے لیے ذاتی کوشش و عمل شرط اول ہے۔
ہمارا ... اپنے عزم کو میر کارواں جانو' حوصلے کو راستے کا ساتھی خیال کرو' اور امید کو چراغ منزل سمجھو

پھر سفر میں پڑنے والا ہر صحرا گلزار بن جاتا ہے۔ نماز پڑھ کر وہ صحن میں چلی آئی۔
ابھی سورج نکلنے میں کچھ دیر باقی تھی۔ ہلکا ہلکا سرمئی اُجالا کائنات پہ سائبان کی طرح بکھرا ہوا تھا۔
اس نے ایک گہری طویل سانس لی۔ فضا میں سبزے کی خالص قدرتی مہک، کچی مٹی کی سوندھی خوشبو
مویشیوں کی مخصوص دیہاتی بساند اور لکڑیوں کے جلنے کی زندگی بخش بو بن پھیلی ہوئی تھی۔ دیہاتی
ہیں۔ طلوع آفتاب سے پہلے ناشتے کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں، سو ماحول میں ایک چہل پہل سی تھی
بوڑھوں عورتوں اور مردوں کی آوازیں تھیں۔ سورج کی شرمیلی کرنوں کے پردہ چاک ہونے کا منظر پہلی مرتبہ
نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

وگرنہ عام طور پر دن کا آغاز نہ ختم ہونے والی عجلت بھری مصروفیات کے ساتھ ہوتا تھا۔ کالج کے لیے تیاری
ناشتہ کرنا، ثمرین اور شاہین کی اسکول رپورٹ اور متعلقہ مسائل کی سماعت اور مناسب تشفی۔ عدنان کو ہر دم
ضروری کام ناشتے کی ٹیبل پر یاد آتا تھا۔

"مجھے بائیولوجی کا جرنل چاہیے تھا آج پریکٹیکل چیک کرانے کی آخری تاریخ ہے۔" اور وہ کتنا ڈانٹتی تھی
کل کیوں نہیں یاد کروایا۔ پھر

"ہم کالج ٹرپ پہ جا رہے ہیں آج سر نے کہا تھا، پرمیشن لیٹر لکھوا لانا اور پانچ سو روپے بھی چاہییں ہوں گے۔"

"اُفوہ عدنان! یار جانتے تو ہو مجھے صبح صبح قلم و کاغذ سے کھیلنا زہر لگتا ہے۔" وہ مارے باندھے بیگ سے بال
پوائنٹ نکالتی تھی اور کوفت سے اجازت نامے کے چار حرف گھسیٹتی تھی۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ کب چھوڑیں گی کالج" امبرین اس کے اٹک جانے پر بگڑتی تھی۔

"بس ایک منٹ تیار"

"تمہارے بابا جان کی دوائیاں ختم ہو گئی ہیں۔ واپسی پر لے آنا" بی بی جان کو اچانک کچھ یاد آ جاتا تھا۔
اور جب دادا دادی ہوتے تو مزید ہڑبونگ مچتی تھی۔
پھر بھی وہ ڈھیروں ذمہ داریوں کے باوجود خود کو ہشاش بشاش رکھتی تھی۔ تھکن کا احساس غالب نہیں آنے دیتی
تھی۔

"کس کی نظر لگ گئی میری زندگی کو۔" دو گرم سلگتے ہوئے قطرے اشک ٹپکے تھے۔
"مجھے نہیں معلوم تم سب کن کن ناموں سے مجھے یاد کرتے ہو گے لیکن خدا کی قسم اس دل میں تم لوگوں کے
لیے صرف اور صرف محبت ہے دعائیں ہیں اور ملنے کی تڑپ ہے۔"
وہ ٹہلتی ہوئی بالآخر برآمدے کے بیچ پر بیٹھ گئی۔

"لطیفے! اپنے بھائی امیر دین کو بلوا دو۔" بچہ چائے لے کر آیا تو ارشین نے رسان سے مخاطب کیا۔ تھوڑی دیر
بعد گہرے نیلے گھسے ہوئے شلوار قمیص میں پرانی گرم لوئی لپیٹے امیر دین نے دروازہ بجا کر برآمدے میں آگیا۔

"سلام آتا ہوں بی بی۔" یہ سلام دعا کا مخصوص انداز تھا۔

"وعلیکم السلام۔" ارشین نے سر ہلایا "امیر دین شہر کے کسی اچھے سنار کو جانتے ہو میرا مطلب ہے کوئی بھروسے
کا آدمی ہے تمہاری نظر میں۔"

"ہاں جی، حاجی فتح محمد کی دکان ہے ادھر سارا پنڈ ان ہی سے زیور بندے بنواتا ہے۔ بے بے نے رانو کی بالیاں کے
لیے کانٹے بھی حاجی صاحب سے بنوائے تھے پندرہ سولہ سالوں سے وہ یہی کام کر رہے ہیں۔" امیر دین کے لہجے
میں چستی اور سمجھ بوجھ کا عنصر نمایاں تھا۔

"آپ کو کوئی ہار بندا بنوانا ہے؟۔"

"ارے نہیں۔" وہ اپنی کلائی میں سجی چھ سونے کی چوڑیوں میں سے دو اتار کر مہران کے لائے خالی شاپر میں
لپیٹ رہی تھی۔

"یہ لو، سنبھال کے جیب میں رکھ لو، نہیں حاجی صاحب کو بیچ دینا۔"

"بیچ دیں گی بی بی؟" امیر دین نے یوں کہا جیسے وہ خدانخواستہ دین بدلنے کا ارادہ کر بیٹھی ہو۔
"زیور پیسے کی ٹھوس شکل ہے اور پیسے کی ضرورت کسے نہیں ہوتی۔"
"وہ تو جدی پشتی امیر ہیں شہنشاہ لوگ ہیں" اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔
"مہربانی ہو گی تمہاری۔" ارشین نے نرمی سے ٹوکا اور کھڑی ہو گئی۔
سمجھاتا چلا گیا۔ مگر اس کی حیرانی کو ٹھکانا نہیں مل رہا تھا۔
"رانو شہر جا رہا ہوں میں۔"
کمرے میں آکر سفید صافہ ڈھونڈنے لگا۔ رانو رضائی کہ تہہ لگاتے ہوئے تعجب سے مڑی۔
"آج ہلوال میلہ دیکھنے جاؤ گے۔"
"آکر جاؤں گا بلکہ تم بھی چلنا میرے ساتھ، وہاں چوڑیوں اور پراندے کلپ کی دکانیں بھی لگی ہیں،
لے لینا۔" امیر دین نے محبت بھری نگاہ اپنی بیوی پر ڈالی۔
"جھولوں والے بھی ہوں گے۔؟" کچھ سوچ کر رانو نے اشتیاق سے پوچھا۔
امیر دین شاپر میں لپٹی چوڑیاں احتیاط سے دیکھنے لگا۔
"لے چلیں گے۔ پر پہلے بے بے سے اجازت لے لینا کہیں وہ بعد میں ناراض نہ ہوں۔ ارے یہ
چوڑیاں ہائے کتنی پیاری ہیں کہاں سے آئیں میرو۔"
اس کے نزدیک پہنچی تھی۔
"یہ کسی کی امانت ہیں۔" امیر دین ہاتھ سے وزن کا اندازہ کر رہا تھا رانو نے اس کے ہاتھ سے لے لیں،
لگی۔
"بھاری ہیں ڈیڑھ دو تولے کی تو ہوں گی۔ بتا نا کیوں نہیں کس کی ہیں۔"
"بی بی کی ہیں، وہ ایس پی باؤ کے گھر جو رہتی ہے۔" امیر دین گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔ "جو کبھی دیکھا نہ سنا
سامنے ہے اب کیا زمانہ آگیا ہے رانو اکیلی عورت ذات اتنے اونچے گھر کی لڑکی اور کھانے پہننے کو
گزارے کے لیے زیور بیچ رہی ہے۔ ساری عمر شہر بتا کے اب اس اجاڑ جگہ پہ دھکے کھا رہی ہے۔ کیا
تو عقل کام نہیں کرتی۔ تو ان سے بات کرتے ہوئے کسی بہانے سے پوچھنا۔" امیر دین فکر مند بھی

"لطیفا بتا رہا تھا ابھی تو وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔"
"ٹھیک ہیں وہ۔" وہ چوڑیاں دوبارہ اپنی تحویل میں لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دوپہر ہونے سے پہلے وہ لوٹ

اس نے رقم اور رسید ارشین کو تھما دی۔ وہ صحن کی گھاس کاٹنے کی کوشش میں تھی۔
"میں آپ کا کام کر دیتا ہوں۔" امیر دین کی رگ ہمدردی پھڑکی۔
"یہ ایک منٹ یہ بے بے کو دے دینا۔ کہنا نہ رکھے تو بی بی ناراض ہو جائیں گی۔" ارشین نے گن
سرخ نوٹ الگ کر دیئے۔ آخر برکتے ایک ہفتے سے اُسے تین ٹائم "کھلا" رہی تھی۔ امیر دین منع

"رکھ لو اپنی خوشی سے دے رہی ہوں۔" اس نے نوٹ امیر دین کی اوپری جیب میں اٹکا دیئے۔
حالات سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔
"وہ کیا نام ہے نکو کی ہٹی کدھر ہے۔ کچھ چیزیں لینی ہیں۔"
"آئیں میرے ساتھ۔" وہ دکان پر پہنچا کر لوٹ گیا۔ پکی اینٹوں کا چوکور چھوٹا سا کوٹھا تھا جہاں
جانوروں کی ضرورت کی بنیادی چیزیں موجود تھیں جانوروں کے لیے کھل سوڑی، گڑ، بنولے وغیرہ اور
دال، سبزی، چینی، چائے کی پتی، بناسپتی گھی، مسالا جات بسکٹ اور دیگر اشیاء شامل تھیں

سلوراسٹیل کے بنے کچھ میلے چمچے پلیٹیں اور چائے کی کیتلی بھی لٹک رہی تھی۔
"آؤ جی آؤ خیرنال لگدا اے باجی جی نویں آئے ہو۔" کالی مربھکی صورت والے دبلے پتلے نم
نے دھوتی سنبھالتے ہوئے سواگت کیا۔
"ہاں میں نئی آئی ہوں مگر اب تم ہمیشہ یہیں دیکھو گے۔" ارشین ناقدانہ انداز میں جائزہ لے
رہی تھی۔ لپٹن کی چورا چائے کی پڑیاں ہار کی شکل میں دکان کے اگلے حصے میں لٹک رہی تھیں۔ س
سگریٹ جیسے بگلہ مارکہ وغیرہ کے پیکٹ بھی دکھائی دے رہے تھے۔
"او جی بھئی جی آیاں نوں خیرنال تواڈا اپنا پنڈ ہے" اپنے لوگ نے۔" خیرنال "غالبا" تکو کا تکیہ کلام تھا
"غلطی ہوگئی مجھے لسٹ بنا کر لانی چاہیے تھی۔" وہ بڑبڑائی۔
"اچھا بھئی تکو بھائی ایسا کرو پہلے یہ سلور اسٹیل کے برتن الگ کرلو ایک پتیلا چائے کی کیتلی چار پ
ڈوئی اور بڑا چمچہ بھی شامل کرلو تمہارے پاس کپ نہیں ہیں؟۔"
"کپ تو ہیں باجی پر اس کے ساتھ پرچیں نہیں ہیں۔ پنڈ کے لوگ چینی کی پیالیاں استعمال کرتے
لیے۔" تکو مستعدی کے ساتھ مطلوبہ سامان ایک طرف ڈھیر کرتا جارہا تھا۔
"چلو خیر بغیر پرچ کے ہی دے دو آں ہاں چھ کپ الگ کرلو۔" وہ کچھ سوچ کر بولی۔ برتنوں کا جھنجھ
آجاؤ نمک مرچ مسالے کی طرف کیا چھوٹے پلاسٹک کے ڈبے ہوں گے تمہارے پاس؟"
"مل جائیں گے باجی ان میں ڈال دیتا ہوں ایک ایک پاؤ کافی رہے گا۔" وہ پسی ہوئی مرچوں کا وزن کر
"بہت کافی ہوگا" اس کے بعد مسور ماش اور چنے کی دال کے تین پیکٹ علیحدہ سے بنادو" ایک ایک کلو
وہ امور خانہ داری کی تمام ضروری اشیاء اسٹاک کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اس نے چائے کا بڑا پیک طلب
بناسپتی گھی کا پانچ کلو کا ڈبہ دکان میں موجود تھا۔ دس کلو کا چینی کا تھیلا تلوانے کے بعد اس نے آٹے کی تھ
تھیلی الگ کروائی پھر شام کو پکانے کے لیے آلو مٹر کی سبزی خریدی۔
"باجی جی! خیرنال تسی لہسن تے گنڈا (پیاز) نہیں لو گے ہانڈی پکانے کے لیے۔"
"ارے۔" اپنے بھلکڑپن پر وہ خود ہی شرمسار ہوگئی۔ "مجھے یاد نہیں رہا بھائی پانچ کلو پیاز اور لہ
حساب سے دے دو۔"
ڈھائی ہزار روپے کا ٹوٹل بنا تھا تکو نے یکمشت اتنا کمانے کا کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا۔ اس کی
کھلی جارہی تھیں۔ خود لہک کر تین پھیروں میں سارا سامان گھر پہنچایا تھا۔
"کیا یہاں گیس کا سلنڈر مل سکتا ہے جس پر کھانا پکاتے ہیں۔" اس کے سوال پر تکو جاتے جاتے ٹھہر گیا
"نہیں باجی جی یہاں کہاں سے ملن لگا شہر سے پتا کرالو ویسے مشکل ہی ہے خیرنال کبھی قسمت سے ل
تو ہور بات ہے لوک لکڑیوں کے بالن سے کام چلاتے ہیں۔"
"اچھا۔" وہ کچھ مایوس ہوگئی مٹی کے چولہے پر آگ جلا کر چائے یا سالن روٹی بنانے کا تجربہ اس
مشکل ترین مرحلہ ثابت ہوا۔ کبھی دھوئیں کے مرغولے حلق میں پھنس جاتے تو کبھی لکڑیاں آگ پکڑ
انکار کردیتیں۔ ایک گھنٹے میں چائے کے دو کپ تیار ہوئے تھے۔ اسے ذائقہ بھی اچھا نہ لگا۔
بڑی کٹھن آزمائش ہے بھئی۔" دودھ کی فراہمی کے لیے اس نے برکتے سے صاف صاف بات کرلی تھ
روزانہ آدھا کلو کے حساب سے مہینے کی پہلی تاریخ کو وہ گاؤں کے ریٹ کے مطابق رقم دے گی۔
اس نے شام تک تقریباً "سارا صحن جھاڑ جھنکار سے پاک کردیا۔ زنگ آلود کائی زدہ نلکے کو لاڈو سے مرمت
منگوا کر چالو کردیا تھا۔ پھر سوکھی گھاس کو ایک جگہ ڈھیر کرکے آگ لگادی۔
دونوں کمروں برآمدے اور کچن کی صفائی وہ صبح ہی مکمل کرچکی تھی۔ رات کو تھک کر چارپائی پر لیٹی تو جسم
بند غیر معمولی مشقت پر احتجاج کرنے لگا۔
باہر کی ساری کنڈیاں چیک کرنے کے بعد اس نے اپنا کمرہ بھی اندر سے بند کرلیا تھا۔ لالٹین عین سرہانے

گزرنے والی آج پہلی تنہا رات تھی۔
تھی کہ اسے ڈر نہیں لگ رہا وہ اس آسیب زدہ تاریکی اور سناٹے سے خوفزدہ نہیں
یقین دلا رہی بار بار واقع قبرستان کی قربت اس کے اندر خوف کے پنجے نہیں گاڑ رہی تھی۔ وہ خیالات کا بہاؤ
موڑنے کی کوشش کرنے لگی۔
جوڑیوں پر جم گئی جن میں سے دو کم ہوچکی تھیں۔
واقعی دور اندیش ہوتی ہیں۔ جانے کیا سوچ کر بی بی جان نے اتارنے سے منع کردیا تھا۔" وہ

گزارا چل گیا لیکن آئندہ کے لیے کوئی جامع لائحہ عمل سوچنا ہوگا۔" وہ غور کرنے لگی۔
مجھے کسی روز شہر کا چکر لگانا چاہیے کسی اسکول کالج آرٹ سینٹر یا فائن آرٹس سے متعلق کمپنی
کوئی چھوٹی موٹی آسامی خالی ہوگی یا اس کا امکان ہوگا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پینٹنگز یا پورٹریس
فروخت کرنے والے کسی پروپیرائٹر کا اتا پتا مل جائے بہرحال یہ معلومات خود جا کر ہی مل سکیں گی۔
کچھ حاصل کرنے کے لیے جان ماری تو کرنی ہی پڑتی ہے۔"
بازاروں پبلک رش اور عوامی جگہوں پر پائے جانے والے مخصوص فکرو نظر کے لوگوں سے
اس کا مسئلہ نہیں تھی کہ عمر گزاری تھی اس دشت کی سیاحی میں وہ کوئی سولہ سترہ برس کی تھی تو
عمر اور ذہن کی مالک تھی۔ دو تین جگہ جاب کا تجربہ تھا رنگ برنگے لوگوں اور رویوں سے واسطہ رہا
گھر کے تمام بیرونی کام سنبھالے ہوئے تھی۔ بجلی و گیس کے بل جمع کرانے سے لے کر سودا
تک بھانت بھانت کے آدمیوں سے چج چج سے واقف تھی۔ اپنی مخصوص خود اعتمادی اور بے
باہر نکل کر پیش آنے والے مسائل سے نبٹنا خوب آتا تھا۔
عذاب آفریں لمحوں میں بھی مجھے اپنی تعلیمی اسناد بیگ میں ڈالنا یاد رہ گیا تھا۔" اس نے اپنی
اسی لمحے گیدڑوں کی تیز چیخ و پکار اور آہ و زاری اسے جھنجھوڑ گئی۔ اس نے ہول کر کمبل میں منہ

خیریت سے یہ رات گزر جائے۔" ہر اس قطرہ قطرہ اعصاب بھگو رہا تھا۔ گھڑی بھی نہیں تھی کہ
"شائد ساڑھے گیارہ کا ٹائم ہوگا۔"
طویل شب تنہائی یہ جان لیوا وحشی سکوت کب ہوگی صبح۔" وہ بے چین ہوئی اسے انسانی وجود کی
ضرورت محسوس ہوئی۔
وقت کوئی آجائے خواہ کوئی بھی۔" اس نے دل سے دعا کی۔

○○○

دفع کی مناسبت سے کسی نے کہا ہے تنہائی کی وحشت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ بعض اوقات
بے جانی دشمن کو بھی زندہ رکھنا پڑتا ہے۔ نیند کی شدید خواہش کے باوجود اس کی آنکھیں بے
ساری رات جلتی رہی اور وہ کمبل کی "پناہ" میں ملفوف دھڑکتے پھڑکتے دل سے سوتی جاگتی

لکھے گئے ہیں مقدر میں رت جگے ایسے
کہ نیند آنکھوں میں ہے اور سو نہیں سکتے

◆◆◆

گاؤں میں کوئی بوڑھی بے سہارا عورت مل سکتی ہے۔ جس کے آگے پیچھے کوئی نہ ہو اور جو رات کو

میرے پاس ٹھہر جایا کرے۔ میں اس کے کھانے، پینے اور آرام کا پورا خیال رکھنے کی کوشش کروں گی۔"

وہ اگلے دن برکتے کے گھر چلی آئی تھی۔ امیر دین اور لال دین ناشتے کے بعد کھیتوں میں جا چکے تھے اور مٹی گارے کو پانی کے ذریعے آپس میں ملا کر مٹی کے چولہے پر لیپ کر رہی تھی۔ رانو میلے کپڑوں کو میں جمع کر کے گانٹھ بنا رہی تھی۔ غالباً "آج ندی پہ جانے کا پروگرام تھا۔ ارشین کی آمد پر وہ کام چھوڑ کر بیٹھنے کے لیے چارپائی کی پائنتی پر سفید کھیس بچھانے لگی۔ مہمان نوازی کی ایک قدیم روایت کے تحت کھیس ڈالنے کے بعد اس نے سفید پھولدار کڑھائی والا موٹا سا نیا نویلا تکیہ سرہانے کی سمت رکھا اور ہو کر دوبارہ "سابقہ" کارروائی میں مشغول ہو گئی۔

"بے بے! وہ ہے نا گونگی بوا، وہی بے چاری جو بہری بھی ہے بلکہ اب تو اسے دکھائی بھی کم دیتا ہے۔ ہل کے پانی بھی نہیں پیا جاتا۔ سارا دن اکیلی اپنی کوٹھڑی میں پڑی رہتی ہے۔ کوئی کھانا اور چائے پانی دے جائے ورنہ بھوکی پیاسی بیٹھی رہے گی۔ شکر ہے اس کے ہمسائے اچھے ہیں تین ٹائم پوچھ لیتے ہیں۔"

"اے ہاں، ٹھیک یاد دلایا تو نے۔ بیٹی کہو تو اس کے پاس لے چلتی ہوں۔ اس نمانی نے ساتھ زندگی بڑی تکلیف اٹھا رہی ہے اس بڑھاپے میں۔ ستر برس سے کچھ اوپر ہو گی۔" برکتے نے ٹھنڈی سانس لی۔ "رب چلتے پھرتے اٹھائے۔ بندے کو کسی کا محتاج نہ کرے۔ اخیر عمر کے دکھ ہزار گنا دیتے ہیں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں خالہ۔ کیا اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔" ارشین کو افسوس ہوا۔

"پہلے خاوند ہوتا تھا وہ پچھلے سال فوت ہو گیا۔"

"کوئی اولاد؟"

"ایک ہی لڑکا تھا۔ بڑا سوہنا، بڑا ہی نیک مگر۔۔۔۔" رقیق القلب برکتے کی آنکھیں بھر آئیں۔ "ایک دن بھوتوں کے ڈیرے پر جا نکلا پھر تین دن بعد اس کی لاش ملی، جلی کٹی۔"

"بھوتوں کا ڈیرہ۔۔۔" ارشین نے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

برکتے کے یقین، اعتماد اور سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"ہاں بی بی۔ یہاں سے کچھ دور ہے"

"مجھے گونگی بوا سے ملوا دو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "خالہ اگر میں پکا پکا اسے اپنے پاس رکھ لوں؟" اس نے نظریں برکتے پر ٹکائیں۔

"تو بھلا اس سے اچھی بات اور کیا ہو گی۔ اس کو بھی آسرا مل جائے گا۔"

"بس ٹھیک ہے اس کا سامان، کپڑے اور چارپائی اٹھوا لاتی ہوں۔"

"وہ میرے ساتھ آنے پر راضی ہو جائے گی؟"

"اس کو تو اپنی سانسیں پوری کرنی ہیں۔ جدھر دھکا دے دو اسی کھائی میں پڑی رہے گی۔" اس بیان نے ارشین پر بہت اثر کیا۔ زندگی بھی کبھی کیسے بے بس موڑ پر لے آتی ہے۔

"لاڈو! مٹی لگالی ہے تو ہاتھ دھو کے ماسی مقبولاں کو بتا آ، ہم "سوئے" پہ جا رہے ہیں۔ وہ بھی کپڑے لے کر آجائے۔ اکٹھے نکلیں گے۔"

رانو نے لاڈو [illegible] بتایا۔ وہ اب ایک رومال میں روٹیاں اور اچار رکھ رہی تھی۔ گاؤں کی زیادہ تر عورتیں ندی پہ جاتی تھیں۔ ندی کو یہاں کی مقامی زبان میں "سوئے" کہا جاتا تھا۔

"بی بی آپ بھی چلو گی سوئے۔" رانو نے جھجکتے ہوئے آفر کی۔

"یہ تم لوگ مجھے بی بی کیوں کہتے ہو؟" ارشین نے دلچسپی سے سرخ و سیاہ پرنٹ کے ریشمی کپڑوں میں ملبوس، چاندی کی بالیوں سے آراستہ دلہن کی طرف دیکھا جس کا الھڑپن ازدواجی تجربے سے گزرنے کے بعد بھی کہیں کہیں جھلک مار جاتا تھا۔

"کچھ کہنا اتنا ہی ضروری ہے تو "آپا" کہہ لیا کرو۔"

[illegible] لوگ ہو جی۔" وہ سادگی سے جواباً بولی۔

[illegible] چھریاں چلاتی ہو۔ مہمانوں کو زخم نہیں لگاتے۔"

[illegible] کا اترا ہوا چہرہ بجھ گیا۔ سادہ ذہن رانو کے دماغ میں یہی خیال آسکتا تھا کہ آپا نہ کہنے کی وجہ سے چپ [illegible] کا تاثر مٹانے کو دوبارہ بولی۔

[illegible] آپ آؤ ناں ہمارے ساتھ۔ ادھر سوئے پہ بہت مزہ آتا ہے۔ نہر کا ٹھنڈا پانی، کنارے پہ اگے [illegible] فصلیں اور بچوں کی رونقیں۔"

[illegible] چلوں گی ابھی تھوڑا کام ہے۔"

[illegible] ماسی مقبولاں کے ساتھ روانہ ہونے کی ہدایت کرتی ارشین کو لے کر گونگی بوا کی طرف آ گئی۔

[illegible] شہر جانے کے لیے سواری کہاں سے ملتی ہے۔"

[illegible] تانگے والا ہے ناں۔ وہ اور اس کا بیٹا دن میں تین چار پھیرے لگا لیتے ہیں۔ گاؤں میں سے کسی نے جانا ہو [illegible] پہلے اس کو بتا دیتا ہے وہ تانگہ ٹائم پر اس کے گھر لے آتا ہے۔"

[illegible] تم مجھے حاکو کا گھر بھی دکھا دو۔ میں اس سے بات کر لوں گی۔ اسے شہر کی مختلف جگہوں کا اچھی [illegible]"

[illegible] باتیں کرتی ہو بیٹی۔ برسوں سے تانگہ چلا رہا ہے۔ اب تو بیٹا بھی جوان ہو گیا۔ بڑی بڑی جگہیں تو ایک [illegible] شہر کے ہر مکان کا نمبر اور اتا پتا معلوم ہے۔ وہ کہتا ہے آنکھیں بند کر کے بھی تانگہ چلاؤں تو صحیح جگہ ہی [illegible]"

◆◆◆

[illegible] اس کی نظریں اسکرین پر بے ہنگم سے لباس میں تھرکتی حسینہ پر جمی تھیں۔ لیکن ذہن کا ارتکاز کسی گھمبیر [illegible] لاؤنج کا دروازہ کھلنے اور کسی کے اندر آنے کی خبر نہیں ہوئی۔

[illegible] بری بات۔" آتشی گلابی مرینہ کے خوبصورت سوٹ میں ملبوس فاریہ نے اس کی آنکھوں کے آگے [illegible]

[illegible] نے جھینپ کر اسکرین سے نظریں ہٹالیں اور چینل بدلنے لگا۔

[illegible] اور سوچ رہا تھا عزیزہ۔" سلام میں پہل کرنے کے بعد وہ گویا ہوا۔

[illegible]؟ لیکن میرا نام تو فاریہ ہے۔" اس نے بلا کا تعجب ظاہر کیا۔

[illegible] آپ کو علم و ادب کی تھوڑی بہت ہوا لگ گئی ہوتی۔" سفیان اپنے مخصوص شوخ و شریر موڈ میں واپس [illegible]

[illegible] "بے ادبی" کا ایوارڈ دے سکتے ہیں۔ ہماری طرف سے اجازت ہے۔" فاریہ نے بڑی آسانی سے [illegible] تسلیم کر لی تھی۔

[illegible]" وہ صوفے کی پشت پر اپنا بازو پھیلا کر اچٹتی نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

[illegible] ڈرائنگ روم میں نینی آنٹی کے پاس بیٹھی ہیں۔ ہم نے اخبار میں مہران بھائی کے آپریشن [illegible] کافی دنوں سے خبر کے لیے آنا چاہ رہے تھے لیکن موقع نہیں مل سکا۔ کراچی سے ہمارے کچھ [illegible] ہوئے تھے۔" وہ پھسلتا ہوا دوپٹہ شانوں پر جمائی مگن سے انداز میں بتا رہی تھی۔ لفظوں کی ادائیگی میں [illegible] اور سادگی کا نکھار تھا سفیان نے اس کا بطور خاص نوٹس لیا۔ وہ اب کی بار چوٹ نہیں کھانا چاہتا تھا۔

[illegible] گھر پر نہیں ہیں۔ پریس کلب اور کچھ سماجی تنظیموں نے مل کر ان کی ٹیم کے اعزاز میں میریٹ میں [illegible] تھوڑی دیر پہلے شرکت کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔" وہ اسے نظروں میں تول رہا تھا۔

[illegible] فاریہ کو افسوس ہوا۔ "اب کی بار بھی ہم ان سے شرف ملاقات حاصل نہ کر سکے۔ مجھے سخت اشتیاق [illegible] ان کی غیر معمولی خوبصورتی اور بہادری کے اتنے قصے سن رکھے ہیں کہ۔۔۔۔" وہ بات ادھوری [illegible]

"اشتیاق کی ان چنیدہ "مشقوں" کا اطلاق شریک زندگی کے انتخاب پر تو نہیں ہوتا؟" سفیان نے
سے شرارت جگائی۔

"میرا مطلب ہے یہ "پیس" اد کے ہو سکتا ہے؟" وہ عین اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔
فاریہ نے ہڑبڑا کر اس کے وجیہہ سراپے پر نگاہ دوڑائی۔ سیاہ جینز اور بلیک اینڈ وائٹ چیک کی قمیص میں
آنکھوں میں بلا کی شریر چمک لیے وہ براہ راست اس کی طرف متوجہ تھا۔ الفاظ مبہم تھے مگر نظروں کا مفہوم
آسان تھا۔ فاریہ کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ اس نے آہستگی سے پلکیں گرالی تھیں۔
"میں دیکھوں ناظر کچن میں کون سے تجربات کر رہا ہے؟" وہ جھجکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے لگ
جیسے وہ بری طرح نروس ہو رہی ہے۔ یہ احساس نیا نیا سا تھا۔
"اجازت ہے جناب۔" سفیان نے ایک طرف ہو کر راستہ دیا۔ "اچھا ہے ابھی سے پریکٹس ہو جائے"
نے فاریہ کے شفاف چہرے پر گلال بکھرتا دیکھا۔ وہ تیزی سے کچن میں غائب ہو گئی۔
سفیان کے لبوں پر دل فریب مسکراہٹ چھا گئی۔ شرم و حیا کے یہ فطری عکس نگاہوں کو بہت بھلے لگے تھے
وہ مسز آصف کو سلام کرنے کی غرض سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔
"بہن! میں بہت جلد آپ کی طرف چکر لگاؤں گی۔ میری ایک امانت آپ کے گھر میں ہے۔" نئی کے لہجے
خوشی چھلک رہی تھی۔
"جم جم آئیے بہن! ہمارا جو کچھ ہے وہ ہم سے زیادہ آپ کا ہے۔" مسز آصف ملنسار انداز میں گویا
ہوئیں۔
"میں چاہتی ہوں، دونوں بیٹوں کی ایک ساتھ بات پکی کر دوں شادی بھلے سے آگے پیچھے ہو جائے۔ مہران
لیے لڑکی دیکھ رکھی ہے۔ پرسوں رشتے کے سلسلے میں ان کے ہاں گئی تھی۔ جلد ہی جواب مل جائے گا۔ اب سفیان
کے لیے مجھے آپ کے پاس درخواست لے کر آنا ہے۔ آپ کا دیکھا بھالا ہے۔ مزاج، عادات، تعلیم ہر چیز آپ
سامنے ہے۔ باقاعدہ طریقے سے میں آپ کے ہاں آکر بات آگے بڑھاؤں گی۔"

◆◆◆

"بھئی مان گئے تمہیں نایاب۔ کیا ہیرے کی کان دریافت کی ہے۔ مجسم فتنہ، فساد... وہ کیا کہا ہے اپنے احمد
بھائی صاحب۔"

سنا ہے حشر ہیں اس کی غزال سی آنکھیں
سنا ہے ہرن اسے دشت بھر کے دیکھتے ہیں
رکے تو گردشیں اس کا طواف کرتی ہیں
چلے تو اس کو زمانے ٹھہر کے دیکھتے ہیں

عروسہ نے بادامی پینٹ اور سیاہ شرٹ میں ملبوس مختلف سماجی و سیاسی شخصیات میں گھرے مہران آفریدی
دیکھتے ہوئے زور سے نایاب کے بازو میں چٹکی بھری تھی۔ درنایاب نے بے اختیار اس کا ہاتھ جھٹک کر بازو سہلا
"سی، جنگلی بلی۔ یہ کیا طریقہ ہے۔" وہ پنک ڈبل جارجٹ کے جدید تراش خراش کے سوٹ میں ملبوس
موم کی گڑیا لگ رہی تھی۔
عروسہ اپنے خوبصورت کرلز سے سجے سر کو پیچھے کی طرف جنبش دیتی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ بات بات پر ہنسنا
با آواز بلند قہقہہ لگانا اس کی عادت تھی۔
"آگے بھی تو سن بڑی آفت غزل ہے یہ۔"

سنا ہے دل کو اسے تتلیاں ستاتی ہیں

"اگر یقین نہیں آتا تو آنکھوں سے دیکھ لے کتنی بے شمار "تتلیاں" منڈلا رہی ہیں موصوف کے گرد۔ شوخ
بھی اور ہائی فائی جینٹری کی "ماہی منڈا" ٹائپ چھوکریاں بھی۔ چیز ہی ایسی ہے بھئی کیا کیا جائے۔ مقناطیسی اثر

نے مصنوعی ٹھنڈی آہ بھری۔
شعر یاد آ رہا ہے اسی بات پر۔"
اور ... " درنایاب نے ہاتھ جوڑے۔ "شاعر سے شادی کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تو دوسروں
کے واسطے ... کا امتحان لیتی پھرے۔"
... چھوت کا مرض ہے۔ چھونے سے خود بخود لگ جاتی ہے۔ کیا کیا جائے۔"
... کا جان دار قہقہہ فضاؤں میں بکھر گیا۔ دونوں میں کالج کے زمانے سے گہری دوستی چلی آ رہی تھی۔ بی اے
... درنایاب پولیس میں بھرتی ہو گئی اور عروسہ اپنے میاں نجیب احمد کے ساتھ بیاہ کر دوبئی چلی گئی۔ نجیب
... گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ شوقیہ شاعری کرتا تھا۔ اس کی تین کتابیں بھی مارکیٹ میں آ چکی تھیں۔ ان
... دوبئی میں ہوتی تھی۔ آج کل دونوں میاں بیوی پاکستان آئے ہوئے تھے۔ عروسہ کا قیام میکے میں تھا۔ اس
... شہر کی ممتاز کاروباری شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ اسی حساب سے وہ فنکشن میں شریک تھی تاہم نایاب
... "آفیشل" تھی۔
... بھائی کراچی سے کب تک آ جائیں گے؟"
... کا کوئی لفڑا چل رہا ہے۔ کہہ رہے تھے معاملات سیٹ کرنے میں ڈیڑھ دو ماہ تو لگیں گے۔" عروسہ نے
... ہوئے جواب دیا۔
... ٹھہو گے اب یا کام کے بعد واپسی کا ارادہ ہے۔"
... کو تو جانا ہی ہو گا۔ میں البتہ چار چھ ماہ یہاں رہنے کا پروگرام بنا کر آئی ہوں۔ اب دیکھو۔" عروسہ نے
... اپنے کرلز میں انگلیاں گھمائیں۔
... میری دلی خواہش ہے تمہاری شادی اٹینڈ کر کے جاؤں۔ کب تک پروگرام ہے۔ تمہاری متوقع ساس
... رہا ہے؟"
... کیا کہہ سکتی ہوں۔ ابھی تین چار روز پہلے تو ہمارے گھر سے ہو کر گئی ہیں۔" درنایاب بے اختیار جھینپ

... دبے لفظوں میں پیغام ڈالا ہے۔ کہہ رہی تھیں اگلے ہفتے جواب لینے آئیں گی۔"
... ہوتے ہوئے کرا لے شادی۔ بار بار اتنی دور سے نہیں آیا جاتا مجھ سے۔" وہ شرارتی ہوئی۔
... قبر سے بھی نکال لاؤں گی۔ آیا نہیں جاتا۔" درنایاب نے اپنی بے تکلف اور ہمراز سہیلی کا ہاتھ
... ماری۔
... شادی میں، میں نے جتنے گانے گائے تھے ان سب کا قرض اتارنا ہے۔ میری تو کوئی بہن بھی نہیں ہے۔
... میں بچوں کے ساتھ آباد ہیں۔ امی جنت مکانی کی عمر نے وفا نہ کی کہ اولاد کی خوشیاں دیکھتیں۔ تم ہی
... بابا جان تو تجھے پتا ہے کتنے سیدھے سادے اور اللہ لوک بندے ہیں۔"
... فکر کیوں کرتی ہے۔ تجھے "آفریدی ہاؤس" میں دھکا دیے بغیر نہیں جاؤں گی۔" عروسہ بڑے سرد

... بات ابھی سے گھول کے پی جا کہ موصوف کو اپنی اس سوا چار فٹ چوٹی میں باندھ کے رکھنا۔ کھلا نہ
... خطرناک مردانہ حسن بڑے قیامتیں جگاتا ہے پھر اس کے پاس خاندانی نجابت اور دولت و حشمت کے
... اختیارات کی کرسی بھی ہے۔ پارسائی گویا سونے پر سہاگہ۔ ارے ایسے مردوں کو سنبھالنا بڑا جان
... ہوتا ہے۔ عورت کو سوتے میں بھی آنکھ کھلی رکھنی پڑتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عام سے 'مرد کے ساتھ
... اور مطمئن رہتی ہے۔ پائیدار اعتماد، وہموں اور دھڑکوں سے نجات اور گہرے سکون کا احساس۔
... نکل گئی۔ اچھی بھلی اس دور پار کے کزن آفاق سے بات چل رہی تھی۔" عروسہ لاابالی پن چھوڑ کر

سیریس ہو گئی۔

"وہ تو تجھے پسند بھی بہت کرتا تھا۔ برسوں سے تیرا تمنائی رہا ہے۔ کیا بنا اب اس کے کیس کا۔"

"اب کیا بن سکتا ہے۔" نایاب نے کندھے سے سرکتا دوپٹہ سلیقے سے جماتے ہوئے ایک نظر دور کھڑے مہران پر ڈالی جس پر حسب معمول بے شمار توصیفی نگاہیں ٹکی ہوئی تھیں۔

"اس کا پروپوزل دو سال پہلے کا آیا رکھا ہے۔ گاہے گاہے اس کی امی اور بہنیں چکر لگاتی رہتی ہیں۔ کوئی خاص موڈ نہیں بن رہا تھا اس لیے بابا جان انہیں ٹالتے رہے۔ اب فائنل کرنے والے تھے کہ "سر" آ گئیں۔"

"انکل کا کیا ارادہ ہے؟"

"ظاہر ہے آفاق کی فیملی سے رشتہ داری ہے۔ دیکھے بھالے لوگ ہیں پھر میں نے بھی کبھی ذاتی طور پر ناپسند نہیں کیا۔ ایم بی اے کے بعد وہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر کام کر رہا ہے۔ مزاج کا ہنس مکھ اور پر جوش ہے۔ بندے کو بور نہیں ہونے دیتا اگر "سر" کا پروپوزل نہ آتا تو شاید میں بابا جان کے پوچھنے پر انکار نہ کرتی کہ اس کی کوئی تک نہیں بنتی تھی لیکن اب ایسا ممکن نہیں ہے۔ بابا جان نے انتخاب مجھ پر چھوڑ دیا ہے۔"

"اور تجھے "سر کے سرتاج" بننے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

عروسہ نے پھر ہنسی کی جلترنگ بجائی۔ "آفاق بے چارے کو خاصا صدمہ ہوا ہوگا۔ تو نے زیادتی کی ہے اس کے ساتھ۔"

"تجھے بڑی ہمدردی ہو رہی ہے۔" نایاب نے خفگی سے اسے گھورا۔

"بکواس نہیں کرو۔ وہ ایسے ویسے مرد نہیں ہیں۔ بڑا رکھ رکھاؤ اور وقار ہے ان کی شخصیت میں۔ تم بھی کبھی ان کے سامنے اپنا چھچھورا پن نہ دکھانا۔ انسانوں کی طرح تمیز ادب سے بات کرنا۔"

"بھئی ہم سے "لفافے" لپیٹ کر نہیں ملا جاتا۔ کیا کہتے ہیں بھائی سلیم کوثر۔"

ہم جیسے تھے ویسے ہی نظر آئے سو ہم پر
اے دوست اداکاری کے موسم نہیں آئے

"ایسا مکلف و مغرور آدمی بھی کس کام کا جس سے دل کی بات کہنے کے لیے ہمت و حوصلے کا کام لینا پڑے۔" عروسہ نے ٹھوک کر جواب دیا۔

"شکر ہے کھانا لگ گیا ہے ورنہ میرا سارا دماغ چاٹ لیتیں۔ چلو آؤ۔"

میزوں کی لمبی قطار میں ویٹرز کھانا سرو کرنا شروع کر چکے تھے۔

◆◆◆

"میں نے تمہیں منع کیا تھا یہاں آنے سے۔" وہ دروازہ کھولتے ہی سعد کو سامنے پا کر پریشان ہو گئی۔ لہجے میں سختی اور تادیب تھی۔

"تمہاری خیریت معلوم کرنے آیا ہوں۔" آف وائٹ شلوار قمیص میں چہرے پر قطعیت اور سنجیدگی لیے سامنے ایستادہ تھا۔

"میں بالکل خیر خیریت سے ہوں۔ شکریہ، آئندہ زحمت نہ کرنا۔" وہ ہنوز دروازے پر ڈٹی کھڑی تھی۔ سعد کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔ اسے اس سے اس درجہ بے مروتی اور بے گانگی کی امید نہیں تھی۔

"اس انداز کو ایس پی صاحب کی ہدایت سمجھوں یا تمہاری خواہش۔!" اس کی آواز بجھ گئی۔

"میری دلی خواہش سمجھ لو۔ کوئی حرج نہیں۔" وہ دو ٹوک بولی۔

"یہ تم کہہ رہی ہو؟" وہ راکھ ہو گیا۔

"مگر خیر، تمہارا بھی قصور نہیں۔ یہ معاملہ ہمیشہ سے یک طرفہ رہا ہے۔ یقین کرو مجھے اپنے آپ

نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔" وہ جوتے کی ٹو سے زمین کریدتا آہستگی سے گویا ہوا۔

"اس دل نے ... کر پھونکو تاکہ میں اپنے آپ میں واپس لوٹ آؤں۔"

"باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے سعد۔ ان سے نہ مجھے تسکین ملے گی اور نہ تمہیں۔"

"نہیں ہے۔ کیا تم ساری عمر اس کال کوٹھڑی میں گزارو گی۔ کیا تھیں اور کیا بن گئی ہو۔ یاد کرو کبھی تم با اختیار اور معزز خاتون ہوا کرتی تھیں۔ معاشرے میں ایک نام تھا، مقام تھا، سماجی حیثیت تھی اور اب قدیم کے اس کھنڈر میں بھٹکی ہوئی بے چین روح کی طرح ٹکراتی پھرتی ہو۔ کوئی واقف کار ملے تو پہچاننے سے انکار کر دے۔ تمہارے معمولات، رہن سہن، لباس، انداز اور مصروفیات۔ ہر شے بدل گئی ہے اور اس کا ذمہ دار پولیس آفیسر ہے۔ ظلم سہنا بھی ظالم کی مدد کے مترادف ہوتا ہے ارشین۔ خدارا مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔" وہ اسے ایک طرف ہٹا کر اندر آ گیا۔

"کیسا ظلم، خوش نصیبی ہار جائے اور بد نصیبی جیت جائے تو یہی ہوتا ہے۔ جب میں اسے ظلم نہیں مانتی تو تم مجھے احساس مظلومیت میں مبتلا کرنا چاہتے ہو۔"

وہ اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ لہجہ جھلایا ہوا اور ناراض تھا۔

"جو ہوا برا ہوا لیکن اب اسے بدترین نہ بناؤ ارشین۔ کیا تمہیں مجھ پر ترس نہیں آتا؟" اس کے لہجے میں بے بسی کی کسک تھی۔

"ایک بیاہتا عورت سے ایسی باتیں کرنا زیب نہیں دیتا۔ میں اپنے شوہر کے گھر میں ہوں۔ اس کی حسب منشا زندگی گزار رہی ہوں۔ شادی کے بعد معمولات میں تبدیلی آنا فطری سی بات ہے۔ تم بلاوجہ تردد کر رہے ہو۔"

وہ اس درجہ مضبوط اور پر اعتماد دکھائی دی کہ سعد کشمکش و پیچ میں پڑ گیا۔ وہ لاکھ سنگ و آہن بنتی۔ تھی تو انسان۔ خواب ٹوٹنے پر رنج و کرب اور تکلیف محسوس کرنا قدرتی عمل ہے۔ کہیں یہ نفسیاتی بیماری تو نہیں۔ سعد اندیشے سے سوچنے لگا۔

"تم ڈاکٹر فرخ کے پاس دوبارہ چیک اپ کے لیے گئی تھیں۔"

"میں پاگل نہیں ہوں میں۔ سب سمجھتی ہوں۔" وہ جھلائی۔

"کیا تم خوش ہو؟"

"ہاں بہت خوش ہوں۔" مشینی انداز میں فوراً جواب آیا۔

"تم اب جاؤ، پلیز۔"

"قسم کھا لی ہے تم نے میری زندگی برباد کرنے کی۔" وہ گہری سانس لے کر پلٹا۔

"خدانخواستہ میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔"

"دشمن تو تم ہو۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔

"دشمن جاں، رہزن دین و ایماں، رہزن عقل و خرد، آرزوؤں کی قاتل اور، اور کیا کہوں۔"

لڑکھڑاتے ڈھلے قدموں سے دروازے پر پہنچا۔

"خدا حافظ۔"

اس کے جانے کے بعد ارشین نے دروازہ بند کر کے اس سے کمر ٹکا لی۔ دو آنسو چپکے سے ٹوٹ کر مٹی میں جذب ہو گئے۔

"یہ سب ضروری تھا سعد۔"

"مجھے ضبط کا طویل راستہ طے کرنا ہے۔ تمہاری مسلسل مداخلت مجھے کمزور بنا دیتی ہے۔" اس نے ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے نیلے شفاف آسمان پر نظریں جما دیں۔

◆◆◆

"گھبرا گئے۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔" شاہین اپنے اور امبر کے مشترکہ کمرے میں بیٹھی الجبرے کی

ایکسرسائز کاپی پر اتار رہی تھی جب امبرین دھاڑ سے دروازہ کھول کر گرتی پڑتی اندر آئی۔
"ہاں ہاں۔ بالکل ٹھیک ہوں۔ میرا بیگ پکڑاؤ مجھے۔" اس کے انگ انگ سے بے قراری و بے چینی جھلک رہی تھی۔
"خاک ٹھیک ہیں؟" شاہین خفا ہوئی۔ "چہرے پہ پسینے چھوٹ رہے ہیں۔ رنگت پیلی پھٹک ہو رہی ہے۔ ہاتھ پاؤں بوڑھے لوگوں کی طرح کانپ رہے ہیں۔ ہوش اڑے ہوئے ہیں۔ توبہ، آپ ٹھیک سے کھانا کیوں نہیں کھاتیں۔ کیوں اپنی جان کی دشمن ہو رہی ہیں۔ آنکھوں کے نیچے کتنے گہرے حلقے پڑ گئے ہیں۔"
امبرین اس کے لیکچر سے بے نیاز بیگ کی درمیانی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال رہی تھی۔ جھپٹ کر اک سگریٹ گھسیٹا اور باتھ روم میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ شاہین نے اذیت کے اثر سے بے حال سانس اندر کھینچی اور باتھ روم کے دروازے پر خالی خالی نظریں جما کر کچھ سوچنے لگی۔
امبرین نے اسے سختی سے تنبیہہ کی تھی۔
"اگر تم نے میری اسموکنگ کے متعلق بی بی جان سے کوئی بات کی تو میں یہ گھر چھوڑ دوں گی یا کسی کمرے میں پھانسی چڑھ جاؤں گی۔"
کم سن اور کمزور دل شاہین ایسی خطرناک دھمکی سن کر جیتے جی فنا ہو گئی تھی۔
"میرے تو باپ کی بھی توبہ بھئی۔" وہ دل ہی دل میں ہول کر اپنے سابقہ ارادے سے تائب ہو گئی تھی۔
کمرہ اوپر کی منزل پر تھا اور دیگر حصوں سے الگ تھلگ تھا۔ بی بی جان یا بابا جان شاید ہی ادھر جھانکتے تھے۔ امبرین باتھ روم میں گھس کر اسموکنگ کرتی تھی۔ فضا میں چکراتا دھواں اور نچلی منزل تک نہیں جاتی تھی۔ اسی لیے امبرین کا یہ "شغل" ماسوائے شاہین کے اب تک کسی کی نظر میں نہیں آیا تھا اور ایسا ہونے کے امکانات بھی دکھائی نہیں دیتے تھے۔
"چین آئے میرے دل کو دعا کیجیے۔ او میرے دل کے چین، ہو ہو ہو۔" امبرین پرجوش انداز میں سگریٹ کا پیکٹ دونوں ہاتھوں میں بال کی طرح اچھالتی باتھ روم سے برآمد ہوئی۔
شاہین نے بغور جائزہ لیا۔
اب وہ اپنی سدھ بدھ میں دکھائی دیتی تھی۔ تروتازہ مخمور، سرشار۔ جیسے نشہ پورا ہو گیا ہو۔
"نشہ" او مائی گاڈ۔" خیال کی برقی رو اتنی زور آور تھی کہ وہ بری طرح اچھل کے کھڑی ہو گئی اور خوف بھری نگاہوں سے امبرین کا چہرہ تاڑنے لگی۔
"کیا بات ہے بھئی۔ یہ تمہاری صورت پہ ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔" امبرین کی آواز بوجھل اور مست ہو رہی تھی۔
"کیا ہے ان سگریٹوں میں۔" شاہین کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔
"سگریٹوں میں کیا ہوتا ہے۔ تمباکو بھئی اور کیا۔" امبرین اس کے بے وقوفانہ طرز تفتیش پر ہنس دی۔
"کبھی کبھی چرس یا ہیروئن بھی سگریٹوں میں بھری ہوتی ہے۔ پڑھا نہیں ہے آپ نے اخبار میں؟"
"کم آن یار بہت بدھو ہو۔" وہ بستر پر دراز ہو گئی۔ اس کی آنکھیں خمار سے بند ہو رہی تھیں۔ "لائٹ بند کر دو مجھے نیند آ رہی ہے۔"

◆◆◆

"اس لڑکے کی افتاد طبع سے میں سچ مچ عاجز ہوں۔" نینی اپنی طبیعت کے برخلاف جھلائی ہوئی تھیں۔
سفیان نے چونک کر کتاب بند کر دی۔
"پہلے پہلے تو ہاتھ نہیں دھرنے دیتے تھے۔ خدا خدا کر کے "منشان" لگایا بھی تو پھر رسی تڑانے لگے۔"
"کیا کہتے ہیں اب۔" سفیان نے گہری سانس لے کر دھیان سے نینی کی صورت دیکھی۔
"یہی کہ اتنی جلدی کیا تھی ان کے گھر جانے کی۔ بتاؤ بھلا ابھی کوئی کسر رہتی ہے مزید تاخیر کرنے کی۔"

سفیان کے اعصاب پر نوبت بجنے لگی۔
"تو کیا آپ گئی تھیں لڑکی والوں کے ہاں۔" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔
"ہاں دوبارہ گئی اور انہوں نے حامی بھر لی ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی باقاعدہ رسم کریں گے۔" وہ آنے والی خوشیوں کا [illegible] کھل سی گئیں۔ لہجہ از خود خوشگوار ہو گیا۔
سفیان کے چہرے پر تفکرات کے بادل امنڈنے لگے۔
"نینی! اتنے دن ہو گئے ہیں رشتے کی بات چلائے اور آپ نے ابھی تک مجھ سے اپنی ہونے والی بھابھی کا نام نہیں پوچھا۔ کہاں تو روز سر کھایا کرتے تھے۔"
نینی بہت غور سے اس کے تاثرات ملاحظہ کر رہی تھیں۔
"دھیان نہیں رہا۔ چلیے اب بتا دیجیے۔" اس کا انداز کسی قسم کے جوش و خروش سے قطعی عاری تھا۔ نینی [illegible] گرفتار ہو گئیں۔
"ہاں ہاں۔ کون ہیں وہ خوش نصیب۔" وہ آواز میں زبردستی بشاشت پیدا کرتے ہوئے بولا۔
"پولیس ڈپارٹمنٹ سے تعلق ہے۔ ایس آئی در نایاب۔ ماشاء اللہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ طبیعت کی دھیمی اور کم گو [illegible]"
بجھے بجھے سے انداز میں بتانے لگیں جیسے سفیان کی عدم توجہی اور بددلی سے رنجیدہ ہو گئی ہوں۔
"ہوں۔" گویا اس کا اور ناظر کا شک درست نکلا تھا۔ یہ پہلی خاتون تھی جسے بھائی از خود فون کرتے تھے اور [illegible] ملنے کے لیے بلا اعتراض راضی ہو جاتے تھے۔
"کیا آپ میرے ساتھ اس کے گھر نہیں چلو گے؟ اصولاً "آپ کو بھابھی کو دیکھنے اور ملنے کی زبردست جستجو ہونی چاہیے۔" اس کی خاموشی نینی کو کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھی۔
"کیا شادی کے بعد بھی سروس جاری رکھیں گی؟" وہ بات گول کر گیا۔
"میرا خیال ہے مہران ایسا نہیں چاہے گا۔ خود میں بھی نہیں چاہتی۔ دونوں میاں بیوی صبح کے گئے سر شام گھر [illegible] لگے تو ہمیں اس شادی سے کتنے نفلوں کا ثواب ہو گا؟ بہو گھر میں ہو گی تو رونقیں پھوٹیں گی۔ انسانی آوازوں [illegible] دیوار کا سناٹا ٹوٹے گا۔ کیا آپ کو بھابھی گھر لانے کی خوشی نہیں ہے سفیان۔" وہ اچانک سنجیدہ ہو گئیں۔
"[illegible] نہیں "کس" بھابھی کو گھر لانے کا ارمان ہے۔"
"بابا جان کیا سوچ کر یہ ڈرامہ کر رہے ہیں؟ کس بات کے انتظار میں ہیں۔ نینی کو اس راز سے کب آگاہ کریں [illegible]"
خیالات اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔
"نینی! میں آفس کے کام سے لاہور جا رہا ہوں۔ لیٹ نائٹ واپس آؤں گا۔" ڈارک براؤن جینز پر وائٹ براؤن [illegible] براؤن گلاسز ماتھے پہ ٹکائے مہران بہت تیزی سے سیڑھیاں طے کر کے نیچے آیا تھا۔ ہاتھ میں آفس کی [illegible] چابیاں تھیں۔
سفیان نے اس کی دلکش و مضبوط سراپے پر کھوجتی ہوئی نظر ڈالی۔ اس کا سرخ و سفید چہرہ چٹان کی طرح بے تاثر [illegible] سپاٹ تھا۔ عام حالات میں بھی اس کی شکل دیکھ کر موڈ کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہوتا تھا اب تو معاملہ ہی [illegible]
کیسے کر سکتا ہے اتنی خوبصورت اور حسین و دلکش عمارت کے پیچھے اکھڑی ہوئی بدوضع اینٹوں کا چناؤ کیا گیا [illegible] سفیان کا دل بے طرح دکھا تھا۔ وہ بھائی کی دوہری شخصیت قبول نہیں کر پا رہا تھا۔
"کیوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم مجھ سے ناراض ہو۔ تمہاری آنکھیں شکایت کرتی ہوئی دکھائی دیتی [illegible]" مہران بہت غور سے سفیان کا چہرہ ٹٹول رہا تھا۔
"یہ مجال، یہ طاقت کہاں مجھے۔" اس کے بظاہر سادہ و لطیف جواب میں غیر محسوس طریقے سے تلخی در

آئی۔

"تمہارا ایم ایس سی کا رزلٹ کب آرہا ہے؟" مہران کو اس کا انداز پسند نہیں آیا۔ پیشانی پر ناگواری کی لکیریں کھنچنے لگیں۔

"عنقریب۔ شاید ایک دو ہفتے بعد۔" وہ فطری ادب و اطاعت سے مجبور ہو کر سنبھل گیا۔ وہ چاہتا بھی تو ان سے اونچی آواز میں بدتمیزی سے کلام نہیں کر سکتا تھا کہ یہ اس کی تربیت کے خلاف تھا۔

مہران کچھ سوچتا ہوا ننی کو سلام کرنے کے بعد باہر نکل گیا تھا۔ لاہور میں کام سے فارغ ہونے کے بعد اس نے گھڑی دیکھی۔ شام کے ساڑھے پانچ ہو رہے تھے۔

ایک خیال آتے ہی اس نے جیپ کا رخ لاہور سے اسلام آباد واپس جانے کی بجائے وسن کوٹ کی طرف موڑ دیا۔ وہ تقریباً بیس دن بعد دوبارہ ادھر کا رخ کر رہا تھا۔

◆◆◆

مغرب سے کچھ پہلے ہی ماسی مقبولاں کے تندور پر میلہ لگ گیا تھا۔

عورتوں اور لڑکیوں کے ہاتھ میں آٹے کی پراتیں تھیں۔ وہ باری کے انتظار میں بیٹھی فل اسپیڈ سے "حالات حاضرہ" پہ تبادلہ خیال کر رہی تھیں۔

وہی روایتی ساس بہو کے جھگڑے۔ میاں کی تند خوئی اور بد سلوکی کے قصے۔ نندوں، دیوروں کی شکایتیں۔ روٹی دال کی مشکلات۔

روز مرہ کی کھٹی میٹھی لڑائیاں۔ ادھر ادھر کی غیبتیں اور بہت کچھ۔

ارشین بھی کچھ دنوں سے آٹا گوندھ کر تنور پر لے آتی تھی۔

جو عورتیں روٹی لگانے کے فن سے واقف تھیں اور اپنا بالن (آگ جلانے کے لیے سوکھی لکڑیوں کا ایندھن) ساتھ لاتی تھیں ان کو مفت پڑتا تھا۔ باقی عورتیں اناج یا روپے پیسے کے بدلے ماسی مقبولاں سے روٹیاں لگواتی تھیں۔ آمدنی کی دوسری صورت یہ تھی کہ کوئی چھڑا چھانٹ، راہ گیر یا نیا آنے والا تنور سے روٹی اور سالن خرید لیتا تھا گویا یہ ایک طرح سے چھپر ہوٹل کا کام بھی دیتا تھا۔

"نی پرے ہٹ پہلے مجھے لگا لینے دے۔ میسی سے میرا ویر اور بھرجائی آئے ہیں۔ ابھی جا کے سوجی کا حلوہ بھی بنانا ہے۔" گہرے سانولے رنگ کی بھرے بھرے جسم والی تاجی نے لاڈو کے فارغ ہوتے ہی تنور کے پاس کھڑے ہو کے جگہ بنانی شروع کر دی۔

"کی کردی ایں کڑیے۔ ہن ایس کڑی دی باری ہے۔ کنی دیر دی آ کے بیٹھی ہے۔ لیا دھیے۔" ماسی مقبولاں نے تاجی کو جھڑک کر ارشین کی پرات کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"کوئی بات نہیں ماسی۔ پہلے تاجی کو فارغ کر دو۔ مجھے کون سا جلدی ہے۔" ارشین نے روادار مسکراہٹ سمیت کہا۔ اس کی نظریں گاؤں کی طرف آنے والی کچی سڑک پر جمی تھیں جہاں اس وقت عملاً بچوں اور بھینسوں کا قبضہ تھا۔

لڑکے بالے دن بھر مویشیوں کو چرانے اور سوئے پر نہلانے کے بعد اب واپس لوٹ رہے تھے۔ برگد اور پیپل کے درختوں پر چڑیوں، کووؤں اور دیگر طائران خوشنوا نے آفت مچا رکھی تھی۔ فضا میں تندور اور چولہوں سے نکلنے والے دھوئیں اور مختلف پکوانوں کی مہک رچی ہوئی تھی۔

مارچ کے مہینے کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسی مناسبت سے گندم کے کھیتوں میں ہری ہری شاخیں بالشت برابر لمبی ہو گئی تھیں۔

دن اپنے اختتامی لمحات میں تھا۔

ہاتھ میں دبے پیسے ماسی مقبولاں کو پکڑاتے ہوئے اس نے تیار شدہ روٹیوں کی پرات اٹھانی چاہی۔ اسی لمحے نظر چوکی تھی۔

بہنوں کو احتیاط سے "کراس" کرتی ہوئی گھر کی طرف بڑھ رہی تھی۔

...ہاتھ میں پرات لرز گئی۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ جیپ کے شور نے ...خواتین کی بولتی بند کر دی تھی۔ ان کی کھوجتی ہوئی نظریں بلا ارادہ ارشین کی طرف اٹھ گئیں۔

...آئے ہیں باجی۔" تاجی نے مسکرا کر پوچھا۔ اس کی پیشانی پر موتی چمکنے لگے۔ بمشکل سر ہلا کر ...قدم اٹھاتی گھر کی طرف چلی۔

...دیکھ چکا تھا۔

...ارشین نے اندر سے کنڈی لگائی اور مرے مرے قدموں سے صحن و برآمدہ عبور کر کے ...داخل ہوئی۔

...مسور کی دال اور دوسری میں دو روٹیاں رکھ کر وہ اپنے اسٹور نما کمرے میں آ گئی جہاں آثار قدیمہ ...ضعیف و لاچار بوڑھی اس کی منتظر تھی۔

...کھانا کھا لو۔" اس نے گونگی بوا کی نحیف کمر میں ہاتھ ڈال کر سہارا دیتے ہوئے چارپائی سے اٹھایا۔

...سامنے پلیٹیں رکھنے کے بعد وہ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرنے لگی تاکہ بے دانتوں کی گونگی بوا ...بآسانی چبا سکے۔ پانی لا کر چارپائی کے کنارے رکھنے کے بعد اس نے الماری سے مہران کے کمرے ...برآمدے میں آ کر دروازے کا قفل کھولنے لگی۔ وہ روزانہ صفائی کرنے کے بعد لاک لگا دیتی تھی۔

...باتھ روم کا دروازہ کھلا۔ کمرے اور باتھ روم کے دروازے ایک دوسرے سے محض چند فٹ ...تھے۔ تبتل کی مخصوص و ساحر خوشبو ارشین کے اطراف میں چکرانے لگی۔

..." تالا کھول کر ہاتھ میں لیتی ہوئی وہ پلٹی اور آہستگی سے سلام کیا۔ وہ اس کے پیچھے کھڑا دروازہ کھلنے ...رہا تھا۔ نگاہوں کا تصادم اچانک ہوا۔

...احساس و جذبات کے۔ سابقہ اجنبیت و رکھائی لیے وہ سائیڈ سے ہو کر اندر داخل ہو گیا۔

...راستے میں آنے والی بے مصرف و بے مطلب چیز پر یوں ہی بھولے سے سرسری نگاہ اٹھ جائے۔

...ارشین بھی اندر آ گئی۔

...آتشدان جلا دوں؟ ویسے اب اتنی ٹھنڈ نہیں رہی۔" وہ صلح جوئی کے موڈ میں تھی۔

...نے سوال و جواب کی اجازت نہیں دی۔ تم جا سکتی ہو۔" وہ پلنگ پر بیٹھ کر جوگرز اتارنے لگا۔ لہجے ...ہوا تھا۔

...کا گہرا احساس لیے ناچار وہ باہر آ گئی۔

...پہلے اسے سخت بھوک لگ رہی تھی لیکن اب مہران کی آمد کے بعد کھانے کی شکل دیکھنے کو جی نہیں ...

...کھانا کھائیں گے یا..... کیسے پوچھوں وہ تو صورت تک دیکھنے کے روادار نہیں ہیں۔" وہ عجیب ...

...سفیان کی آمد، گاؤں والوں کے تاثرات۔ اسے بہت سی باتیں ڈسکس کرنا تھیں مگر کیسے اس ...آغاز کرے۔

...کے پاس آ بیٹھی۔

...خود ہی آرام سے وہ چپل میں سٹر پٹر کرتا کمرے میں آ گیا جہاں حیرت اس کی منتظر تھی۔

...دو چارپائیاں۔ جن میں ایک پر کمزور ڈھانچا سی بوڑھی عورت دراز تھی۔ ہاتھوں پہ جال کی ...اور چہرے پہ جھریوں کی گہری لکیریں اس کے بدحال بڑھاپے کی گواہ تھیں۔

...لگ رہی؟" ارشین۔ اس کو آسانی لحاف اوڑھاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ بوا سن ...اپنی تشفی کے لیے اور شاید تنہائی کا احساس دور کرنے کے لیے وہ اس سے مخاطب

ہو جاتی تھی۔ اب وہ بوا کے اشارے کسی حد تک سمجھنے لگی تھی۔
"اچھا، اچھا۔ ابھی بتی جلاتی ہوں۔" وہ دیوار سے لٹکی لالٹین کی لو کو ماچس سے جلانے لگی۔
"یہ کون ہے؟" وہ منظر کا جائزہ لینے کے بعد پُر تحکم لہجے میں مخاطب ہوا۔
"ایک بے سہارا عورت ہے۔ بولنے اور سننے کی حس سے معذور ہے۔ نظر بھی کم آتا ہے۔ میں نے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔"

وہ دھڑکتے دل سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ امید تھی کہ جواب میں سخت سست یا صلواتیں سننے کو ملیں گی لیکن حیرت انگیز طور پر وہ خاموش رہا اور برآمدے کے کونے میں کھڑے ہو کر ناقدانہ انداز میں صحن کی طرف دیکھا۔ گھانس پھونس غائب ہو چکی تھی۔ نلکے کے آگے صاف ستھرا سیمنٹ کا چبوترہ نمایاں تھا۔ بائیں طرف کے حصے کو کھیت کے سے انداز میں کھود کر تیار کیا گیا تھا۔ کچھ کیاریاں بھی بنی ہوئی تھیں۔ کونے میں لگا پھولوں کا درخت اور اس سے کچھ فاصلے پر امرود اور لیموں کے پیڑ کے پتوں پر تازہ تازہ پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔

"اس "کھیت" میں کیا اگایا ہے؟" لہجہ تمسخر سے بھرپور تھا۔
"کچھ سبزیوں کے بیج بوئے ہیں۔ امیر دین سے منگوائے تھے۔"
"غالباً "سبزیاں بیچ کر گھر چلانے کا ارادہ ہے۔" وہ استہزائیہ بولا۔
"ضرورت پڑنے پر ایسا بھی کر سکتی ہوں۔" اس نے ضبط سے کام لیا۔
"بلکہ ضرورت پڑنے پر سبزی کیا عزت بھی بیچ سکتی ہوں۔ ہے ناں....." اس نے بات کاٹ کر چبھتے ہوئے انداز میں بے رحمی کا مظاہرہ کیا۔
"آپ کے لیے کھانا لاؤں؟" وہ ضبط کے کڑے مرحلے سے گزری تھی۔ غم آشنا دل یہ ستم بھی خاموشی سے جھیل گیا۔

"تم نے خوامخواہ اپنا ٹیلنٹ ضائع کیا۔ فلموں، ڈراموں میں جاتیں تو بڑا نام کماتیں۔ بدقسمتی سے مجھے ان میں دلچسپی نہیں ہے اس لیے حسب توفیق داد و تحسین سے نوازنے سے قاصر ہوں ورنہ تمہاری ڈرامہ بازی کی صلاحیت پر ایک شاندار قصیدہ تو ضرور ہونا چاہیے تھا۔"

مہران سلگتی ہوئی نظریں اٹھا کر اتنی دیر میں غالباً پہلی مرتبہ دھیان سے دیکھا۔ اس کی صحت پہلے سے بہتر ہو گئی تھی۔ قدرتی آب و ہوا نے چہرے کی کھوئی ہوئی رونقیں دوبارہ بحال کر دی تھیں۔ اسی کے لائے ہوئے سبز کاٹن کے لباس میں۔

وہ سرسبز ماحول سے کسی حد تک ہم آہنگ نظر آ رہی تھی۔ چہرے پر سکون، آنکھوں میں تحمل کا پہرہ، انداز میں متانت۔ مہران نے نظریں ہٹا لیں۔

ارشین دھونے والے برتن جمع کر کے نلکے کے پاس بیٹھ گئی تھی۔
مہران باورچی خانے میں داخل ہو گیا جو نئے پرانے برتنوں اور اشیائے خورد و نوش کی موجودگی کے باعث بھرا بھرا لگ رہا تھا۔ مٹی کے یو (U) شیپ کے چولہے میں کچھ لکڑیاں ابھی تک سلگ رہی تھیں۔
"کیا یہ خود لکڑیاں چننے جاتی ہے؟"
وہ حیران قدموں سے دوبارہ برآمدے میں آ گیا اور سیمنٹ کے بینچ پر بیٹھ گیا۔
"یہ سامان کہاں سے آیا؟" ایک فطری تجسس بہرحال لاحق تھا۔ اس نے سوچتی ہوئی نگاہیں سامنے برتن دھوتی ارشین پر ٹکائیں پھر اسے اس کی کلائی میں پڑی سونے کی چوڑیاں نظر آ گئیں۔ ان میں سے دو کم تھیں۔ وہ خود بخود سمجھ گیا۔

وہ دھوئے ہوئے برتن احتیاط سے سنبھال کر اٹھی تو مہران کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر گڑبڑا گئی۔ شہلی اچکا کر وہ کندھے جھٹکتا دوبارہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ کافی دیر تک صحن کی پگڈنڈی نما گزرگاہ پر مجتمع کرتی رہی۔

... پہنچ کر کواڑ دھکیلتے ہوئے اس کے کمرے میں آ گئی۔
"... آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" وہ اپنی جھونک میں اندر آئی تھی مگر اس پر نگاہ پڑتے ہی جھجک کر ٹھہر گئی۔

... بیٹھا پسلی کے پاس کی جگہ پر ڈریسنگ بدل رہا تھا۔ قمیص تکیے پر دھری تھی۔ اس کو سامنے پا کر چونکا پھر ... کام مکمل کرنے لگا۔
"... کیا ہوا؟" اس نے بے ساختہ نظریں جھکانے کے بعد از سرِ نو کن اکھیوں سے زخم کا جائزہ لیا۔ مہران نے ... کی زحمت گوارا نہیں کی۔
"... کیسے لگی؟" اس کے لہجے میں تشویش تھی۔
"... والے پھولوں کی سیج پر نہیں سوتے محترمہ۔ مقابلہ ہو گا تو زخم بھی آئیں گے۔" وہ عجیب اکھڑے اکھڑے انداز میں گویا ہوا۔
... اتارنے کے بعد اب زخم پر اینٹی سیپٹک پاؤڈر چھڑکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بیٹھنے کی وجہ سے، پاؤڈر زخم کے بجائے سینے پر پھوار کی صورت میں گرتے گئے۔
"میں آپ کی مدد کر دیتی ہوں۔" ہمدردی کی پھڑکتی رگ نے اسے چپ چاپ نظارہ کرنے کے بجائے ... اکسایا تھا۔
... کنارے کے پاس آ کر رکی پھر بیٹھ گئی۔
"... کوئی مضائقہ نہیں۔ خدام و کنیزیں مالکوں کے آرام کے لیے ہی رکھی جاتی ہیں۔" وہ سیدھا لیٹ گیا اور ... بازو رکھ لیا۔
... کے دل میں نیزہ اتر گیا۔ اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے غضب کی مردانگی لیے بستر پر بکھرے لمبے ... کو دیکھا پھر خاموشی سے پلنگ کی پائنتی پر رکھے میڈیکل باکس سے بینڈیج مرہم اور روئی وغیرہ ...

... جبر کر کے آنکھوں کی تہہ میں ابلتی نمی کو دل میں اتارنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ جیسے گرم آگ اگلتا ... مہران آنکھوں پر بازو دھرے تمام تاثرات محفوظ کر چکا تھا۔
... آہستگی سے آگے جھک کر زخم کا معائنہ کیا۔
... بائیں جانب بالکل دل کے قریب دائرے کی شکل میں ڈھائی انچ قطر کا زخم تھا۔ "اف ذرا سا اوپر لگتا تو ... دل میں گھس جاتا۔" اس نے جھرجھری سی لی پھر نرمی سے سینے پر ہاتھ رکھا اور مرہم لگانے لگی۔ مہران نے ... بازو ہٹایا اور اس کی طرف دیکھا۔ عجیب سی نظر تھی وہ۔
"... آئی ایم سوری شاید میرا ہاتھ زخم سے ٹچ ہو گیا۔" وہ گھبرا کر معذرت کرنے لگی۔
... خاموش رہا۔

"... بات کرنا چاہتی تھیں مجھ سے؟" اس کا لہجہ کسی قسم کے تاثر سے خالی تھا۔
"... گاؤں والوں کے لیے میرے رشتے کا واضح تعین کر دیجیے۔ ان کے لیے ناقابل فہم ہے کہ میں شہر میں ... اچانک تن تنہا اس دور افتادہ جگہ پر آ بسی ہوں۔ ایک بااختیار و باحیثیت پولیس آفیسر کی "رشتہ دار" کا ... میں ان کے درمیان رہنا انہیں کسی طور ہضم نہیں ہو رہا خصوصاً" یہ امر بھی بجائے خود شکوک ... باعث ہے کہ اکیلی عورت کے گھر بنا کسی شرعی رشتے کے ایک مرد گاہے بگاہے ملنے اور قیام کرنے آتا ... منہ سے بھلے وہ کبھی ایسی باتیں مجھ سے نہ کہیں لیکن آنکھوں کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔" وہ حد ... انکساری سے گویا تھی۔
"... آنکھوں کی زبان؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولا۔ لہجہ ناقابل فہم تھا اور انداز ہنوز وہی تھا ... مشکل میں قطعی کوئی گنجائش نہ ہو۔

"نہیں۔" اس نے ایک اذیت قلب و جاں میں اترتی محسوس کی۔ "اب میں ہر قسم کے دعوے سے تہی
ہو چکی ہوں۔"

"کس قسم کا "تعین" چاہتی ہو میرے اور اپنے رشتے کے بیچ۔" وہ سپاٹ انداز میں بولا۔ وہ بے بسی سے ہونٹ
کاٹتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بھی اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ نظروں میں کیا تھا وہ سمجھنے سے قاصر رہی۔

"میں کیا بتاؤں آپ کو۔" وہ سر جھکا کر انگلیاں مسلنے لگی۔ "یا تو آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں انہیں صحیح
رشتے کا بتا سکوں یا۔۔۔۔"

"دماغ تو خراب نہیں ہے' میرا تماشا بنانا چاہتی ہو۔ سارے زمانے میں مشہوری ہو جائے گی کہ ایس پی کی بیگم
یہاں جلوہ افروز ہیں۔"

وہ اس کی بات کاٹ کر غضب ناک ہوا۔

"تو پھر یہ رشتے داری کی بیخ نکال دیجیے۔ میں از خود ان کو قائل کر لوں گی کہ میں ایک بے سہارا اور لاوارث لڑکی
ہوں جسے از راہ ہمدردی ایس پی صاحب نے اپنے آبائی مکان میں رہنے کی اجازت دی ہے۔ میں کوئی کہانی گھڑ کر
اپنے طور پر انہیں مطمئن کر لوں گی۔"

اس نے اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے لاتعلقی سے کہا۔ ارشین کے ضبط کے ٹانکے ادھڑنے لگے۔ جی چاہا سب
کچھ چھوڑ چھاڑ کر جنگلوں میں نکل جائے۔ اتنے اعلا درجے کی شقاوت' پتھریلے پن اور بے رحمی و سفاکی کی اس
سے کبھی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ اسے اس کا پرانا روپ یاد آیا۔

انتہائی شائستہ و احترام آمیز لہجہ اور انداز تخاطب

بے تکلف تو وہ کبھی بھی نہیں رہا تھا لیکن اس کے گریز و اجتناب میں بھی ایک گونہ اپنائیت و رواداری پائی جاتی
تھی۔

اور اب کس درجہ اجنبی اور وحشی لگتا ہے۔

اس نے چہرے کا رخ موڑ کر کن انکھیوں سے اس کی سمت دیکھا جو اس کے اتنا قریب تھا کہ وہ اس کی دھڑکنیں
گن سکتی تھی مگر اس درجہ قربت کے باوجود دل گویا نوری سالوں کے فاصلے پر تھے۔

پھر وہ کسی الہامی کیفیت میں گھر کر نرماہٹ بھرے لہجے میں مخاطب ہوئی۔

"ایس پی صاحب! یہ ہم کن چکروں میں پڑ گئے ہیں۔ اس طرح تو اپنے اصل سے بہت دور ہوتے چلے جائیں
گے شاید غاروں کے زمانے میں۔ ہم پڑھے لکھے ہیں' مہذب سوسائٹی کے پروردہ ہیں' شعور و آگہی کی منازل طے
کر چکے ہیں پھر ان وحشتوں میں وقت اور اپنا آپ گنوانے سے کیا حاصل۔ نقصان صرف میرے ہی کھاتے میں نہیں
ہو رہا ہے۔ آپ کے بھی تو ہیں۔ اپنے آپ پر نگاہ دوڑایئے۔ آپ خود سے بچھڑ کر کتنے دور نکل آئے ہیں۔ یہ روپ
آپ پر جچتا نہیں ہے۔" وہ دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔

"پلیز' غور تو کیجیے۔ خود اپنے ساتھ آپ کتنا ظلم کر رہے ہیں۔ میرے زخموں کو بھول جائیے۔ میں اپنی بات
ہرگز ہرگز ایسا نہیں کہہ رہی۔ میں طویل عرصے تک اہتمام کے ساتھ دکھ سہ سکتی ہوں۔ کچھ لوگ اسی لیے بنائے
بھیجے جاتے ہیں کہ وہ دکھوں کے سائے میں پل کر جوان ہوں اور ان کی رفاقت میں عمر بسر کریں۔" وہ بینڈیج مکمل
کر کے چیزیں سمیٹ کر میڈیکل باکس میں رکھنے لگی۔

"یقین کریں میں دکھوں سے نہیں ہار سکتی کہ میرا اور ان کا برسوں کا ساتھ ہے۔ ہم ایک دوسرے سے اچھی
طرح آشنا ہیں۔ خوشی میرے لیے ایک اجنبی احساس ہے۔ اب تک انہی کو خوشیوں کی طرح "منایا" ہے۔ بس
مجھے دکھ سے ٹوٹ کر' تھک کر گر تا دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ میں آپ کو کن لفظوں میں سمجھاؤں کہ فقط دکھ ہی
وہ مخلص ساتھی ہے جس نے اب تک ساتھ نہیں چھوڑا۔" وہ آہستگی سے پلنگ سے نیچے اتر آئی۔

"تم امن کی فاختہ کا روپ دھار و یا ستی ساوتری بن کر دکھاؤ۔ مجھ پر ان ڈراموں کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔" وہ ۔۔۔ اور سرد لہجے میں بولا۔

"میں بتا چکا ہوں۔ ۔۔۔ مجھے موقع تو دیجیے۔ میں ایک ایک بات الف تا یے دہرانے کو تیار ہوں۔ کم از کم میرے دل میں یہ میخ تو
۔۔۔ کہ میں الزامیہ ہی سہی ملک دشمن عناصر کی کارپرداز ہوں۔" اس نے ہمت نہیں ہاری۔

"کہا نا نہیں۔ میں جانتا ہوں تمہارا ہر لفظ فریب اور ہر بیان جھوٹ پر مبنی ہو گا۔" اس کا ذہن جس
۔۔۔ پر چل نکلا تھا اب اسے بدلنا ممکن نہیں رہا تھا۔

"۔۔۔ ضمیر کو گواہ بنا کر سچ کہوں گی۔" وہ عاجزانہ گویا ہوئی۔

"۔۔۔ تمہارا سچ سننے کا خواہاں نہیں ہوں۔" وہ برہم ہوا۔

۔۔۔ نے گہری سانس لے کر چھت کی طرف دیکھا تھا۔

۔۔۔ تکیے پر رکھی قمیص اٹھا کر پہننے لگا۔ کف لنکس اور گریبان کے بٹن بند کرنے کے بعد اس نے جاگرز پہنے
۔۔۔ کر اہوا۔ ارشین کا وجود پتھر میں ڈھل کر اپنی جگہ جم چکا تھا۔

"۔۔۔ کے متعلق کچھ پوچھنا' بتانا چاہتی تھی مگر اب اس درجہ بددلی طاری ہو چکی تھی کہ زبان جنبش کرنے
سے انکاری۔

"۔۔۔ جا رہا ہوں۔ دروازہ بند کر لو۔"

"۔۔۔ جلدی۔" جتنی بے ساختگی سے اس کے منہ سے پھسلا تھا اتنی ہی تیزی سے وہ اس کی طرف مڑا تھا۔

"۔۔۔ مطلب ہے صبح چلے جایئے گا۔ اب تو اندھیرا ہونے لگا ہے۔" وہ اس کے عجیب سے انداز میں دیکھنے پر
۔۔۔

"۔۔۔ جانا ہے تو ابھی کیا اور تب ہی کیا۔" وہ تنک مزاجی سے گویا ہوا۔

"۔۔۔ کی ضرورت ہے تو مجھ سے کہہ سکتی ہو۔" لہجہ حاکمانہ تھا۔ نخوت سے لبریز۔

"۔۔۔ میں مانگنے کی قائل نہیں ہوں۔" وہ متانت سے مسکرائی۔

۔۔۔ نے کس بات پر بھنا تا قدموں کی دھمک پیدا کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

۔۔۔ کے باہر کھڑی جیپ کا دروازہ کھولتے ہوئے ایک لمحے کو اس کے ہاتھ رکے تھے۔ اس نے دروازے کے
۔۔۔ مانند تصویر کھڑی ارشین کی طرف دیکھا جیسے کچھ کہنے کا ارادہ ہو پھر ارادہ بدل کر جیپ میں بیٹھتے ہی
دروازہ بند کیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

"۔۔۔ کوئی صلوات یا طعن و تشنیع باقی رہ گئی تھی سنانے کو؟" ارشین دھیرے سے مسکرا کر سوچنے لگی۔ اس
۔۔۔ تو وہی بات صادق آتی تھی کہ۔

اس درجہ صبر پر تو اسے بھی یقین نہ تھا
اس نے ریاضتوں کو بھی طعنہ بنا لیا

◆◆◆

"۔۔۔ بعد صورت دکھائی بیٹے۔" نینی نے پروفیسر دانیال مہدی کی طرف دیکھ کر محبت سے کہا۔

"۔۔۔ مدت سے حاضری کے لیے تڑپ رہا تھا' بس مصروفیات۔ خیر' اپنی بہو سے تو ملوایئے۔" وہ پورچ
۔۔۔ کرنے کے بعد کی رنگ انگلیوں میں گھماتے ہوئے بظاہر بشاش و پرجوش انداز میں مخاطب تھے۔
۔۔۔ ہوئی ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔

۔۔۔ شال سنبھالتی ہوئی متعجب انداز میں ان کا چہرہ دیکھنے لگیں پھر فراخدلی سے مسکرائیں۔ "اوہ اچھا گویا
۔۔۔ خبر ۔۔۔ ہماری تلاش مکمل ہونے کی۔ بھئی! میں تو خود یہ خبر تم لوگوں تک پہنچانے کو بے تاب تھی۔
۔۔۔ فون کیا تھا۔ ملازمہ نے بتایا نازش اور مہوش کراچی گئی ہوئی ہیں۔ کب تک آ جائیں گی واپس۔ مجھے
۔۔۔ نازش کی سخت ضرورت ہے بھئی۔ بہنوں کے سب مان' ارمان اور شگن شگون اسی کو کرنے ہیں۔"
۔۔۔ سر سے پیر تک ان کے وجود پر چھایا ہوا تھا۔

"آہ' کتنی بے خبر اور بھولی ہیں نینی آپ۔ اپنے ایس پی بہادر آپ کو ہر زحمت سے نجات دے چکے ہیں" وہ تمسخر سے ہنسے۔
"بہو تو کب کی آچکی ہے۔ چور دروازے سے ہی سہی۔ بہن بھائی دونوں نے مل کر جو کھچڑی پکائی تھی اس میں آپ کو شریک کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اسی لیے ارشین بخاری صاحبہ کو یہاں کی بجائے کہیں اور رکھا گیا ہے۔" وہ زہرخند ہوئے۔ وطن واپس آکر اتنا تو کھوج لگا ہی چکے تھے کہ شادی ہر لحاظ سے خفیہ رکھی گئی تھی۔
"کیا کہہ رہے ہو بیٹے؟" انہوں نے چکراتے ہوئے سر کو تھاما اور یوں دانیال کی طرف دیکھا جیسے سارا کا سارا اندھیرے میں ڈوب گیا ہو۔
"جی ہاں' وہی ارشین بخاری جس نے چالبازی دکھا کر مجھے اپنے جال میں پھنسایا تھا' وہی اخلاق و کردار سے خالی وجود' آپ کا چہیتا بیٹا اپنے نام لگا آیا ہے۔ اس سے معلوم کر کے بتایئے گا موصوفہ کو کن خلاؤں میں بند کر کے رکھا ہے۔ کچھ یادداشتیں ہیں میرے پاس اسے لوٹانے کے لیے۔"
"نہیں' نہیں۔ مہران ایسا نہیں کر سکتا۔" ان کا وجود انکشاف کی تند و تیز آندھیوں کی زد میں سوکھے پتے کی طرح لرز گیا پھر وہ ایک طرف کو ڈھے گئیں۔
"نینی! کیا ہوا آپ۔۔۔۔؟"
دور لان میں پائپ سے کیاریوں میں پانی دیتا سفیان بھاگتا ہوا ان تک پہنچا تھا۔ جوں ہی انہیں تھاما وہ اس کے بازوؤں میں لڑھک گئیں۔ دانیال کی موجودگی' نینی کی بے ہوشی۔ سفیان کے سوال کا واضح جواب تھی۔ مہران کی جیپ کے ٹائر چرچرائے تھے۔

○○○

دانیال مہدی بم گرا کے رخصت ہو چکے تھے۔
مگر نینی ہوش و حواس کی دنیا سے بہت دور جا چکی تھیں۔ ان کی حالت کے پیش نظر مہران اور سفیان فوری طور پر انہیں الشفاء انٹرنیشنل ہاسپٹل میں لے آئے' جہاں بڑی کوششوں کے بعد وہ ہوش میں آئیں۔ بہت خفیف سا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔
"اب کیسی طبیعت ہے نینی؟" سفیان کمبل درست کرتا ہوا محبت سے ان کے بازو تھام کر گویا ہوا۔ مہران صم بکم سا سرہانے کی سمت کھڑا تھا۔ کچھ اس طرح کہ نینی کی نظروں سے اوجھل تھا۔
ان کی نظروں کا سامنا وہ کر بھی کیسے سکتا تھا۔ احساس جرم اس کے دل کو آرے کی طرح کاٹ رہا تھا۔
"سفیان۔" طویل سکوت کے بعد نینی نے کراہ کر کروٹ بدلی۔ "میرے کوئٹہ جانے کے انتظامات کروا دو۔ میں باندہ واپس جانا چاہتی ہوں۔ اپنے مرحوم شوہر کے آبائی مکان۔" ان کا لہجہ سپاٹ تھا۔
"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں نینی۔؟" سفیان کے اعصاب پر صدمے کی تیز ضرب لگی۔
مہران نے چونک کر شرمسارانہ انداز میں نینی کا چہرہ ٹٹولا۔
"آپ ہمیں چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہیں نینی۔!" سفیان بے ساختہ جھکا اور ان کے ہاتھوں پر بوسہ دیا۔
"میرا آپ لوگوں سے رشتہ ہی کیا ہے۔" انہوں نے سرد آہ کھینچی۔
"نینی۔" سفیان کی آواز بے یقینی کی اذیت سے پھٹ سی گئی۔
"صحیح ہی تو کہہ رہی ہوں۔" وہ بے اختیار رو دیں۔ "سگے اور منہ بولے رشتوں میں کیا فرق ہوتا ہے؟ یہ حقیقت آج کھلی ہے مجھ پر۔ سب کہتے تھے' سمجھاتے تھے بلکہ ڈراتے تھے کہ غیر کا خون کبھی اپنا نہیں بنتا۔ ریت پہ گھر بناتی ہو۔ اک دن پچھتاؤ گی جب تمہارے ہاتھوں لگائے گئے بوٹے تناور درخت بن کر تمہاری ہی کمزور بیل کو سہارا دینے سے انکار کر دیں گے اور میں کہتی تھی۔۔۔۔"
وہ ہچکیوں سے رو رہی تھیں اور مہران کا فولادی وجود اشکوں کی اس تیز دھار میں پگھل کر پانی بنا جا رہا تھا۔
"بھلا سگا فرمانبردار بیٹا ماں کی رضا کے بغیر دلہن بیاہ کے لا سکتا ہے؟ اس کے ارمانوں کا خون کر سکتا ہے؟ بھلا

جسے ماں ریجیکٹ کر چکی ہو۔ جس کی دہلیز پر ماں ذلت سے دوچار ہو چکی ہو۔ اتنی چپ چھپاتے' اتنی خاموشی سے جیسے کوئی گناہ چھپایا گیا ہو۔ میں کیسے اپنے دل کو سنبھالوں۔" وہ بلک رہی تھیں۔
مہران سے مزید ضبط نہ ہو سکا۔ وہ بے ساختہ ان کی طرف بڑھا اور ان کے دونوں پاؤں تھام لیے۔
"پلیز مجھے اپنے لفظوں کے انگاروں سے نہ جھلسائیں۔ نینی! میں آپ کو کس طرح اور کیونکر یقین دلاؤں کہ مجھے ٹریپ کیا گیا تھا۔ اصل نقصان تو میرا ہوا ہے۔ میں کہیں کا نہیں رہا۔ اس عورت نے مجھے تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے۔ میں دن رات اذیت کی بھٹی میں سلگتا ہوں۔ نجات چاہتا ہوں۔ بھٹک بھٹک کر خاک ہو چلا ہوں۔"
اس کا تکلیف دہ حد تک بجھا ہوا لہجہ نینی کے حواس جھنجھوڑ گیا تھا۔ انہوں نے خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔
اس نے کسی غیر مرئی طاقت کے زیر اثر الف تا یے ساری داستان کہہ سنائی۔
"آپ حکم دیں تو میں آپ کے سامنے ابھی اسی وقت اسے طلاق دینے کو تیار ہوں۔ یہ بات طے ہے کہ مجھے اسے نہیں اپنانا۔ وہ میرے قابل نہیں ہے۔ آپ کی بہو کہلانے کے لائق وہی ہو گی جسے آپ اپنے ہاتھوں سے بیاہ کر لائیں گی۔"
وہ ان کی منتیں کروا رہا تھا۔ نینی نے دھیرے سے بنا کچھ کہے آنکھیں موند لیں اور بازوؤں میں سر دے کر چہرہ چھپا لیے۔
کمرے میں بوجھل سا سناٹا طاری ہو گیا۔ مہران ہونٹ بھینچتے ہوئے ادھر ادھر دیکھے بغیر باہر نکل گیا۔ نجانے کیوں اسے سفیان کی بولتی ہوئی شکوہ کناں آنکھوں سے خوف آ رہا تھا۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ سفیان اس معاملے سے پہلے سے باخبر ہے۔ محض بھائی کی آن کی خاطر چپ سادھے ہوئے تھا۔
اسے عجب سی شرمندگی ہو رہی تھی نینی سے' سفیان سے' اپنے آپ سے' اردگرد کے ماحول سے غرضیکہ ہر شے سے کترا رہا تھا۔
عزت انسان کی مضبوطی' اعتماد اور طاقت ہوتی ہے۔ یہ چھن جائے تو اپنا آپ ہلکا اور کمزور لگنے لگتا ہے۔ جیسے سر سے کوئی سائبان ہٹ گیا ہو۔ اس نے آج تک گھر والوں کی نظر میں اپنے لیے محبت و عقیدت اور احترام کے جذبات ہی دیکھے تھے۔
اب ان آنکھوں میں لاتعلقی' شکوے شکایات' ملامت اور افسوس کے عکس دکھائی دے رہے تھے۔
سب کچھ برداشت کرنا مہران کے لیے ایک تکلیف دہ اور اذیت ناک مرحلہ تھا۔ نینی مزید دو ہفتے ہسپتال میں رہیں۔
وہ بالکل نچڑ کر رہ گئی تھیں۔ زیادہ تر خاموش پڑی رہتیں۔ ناظر اور سفیان سے تو پھر بھی ایک دو باتیں کر لیتیں۔ مہران کو سامنے دیکھتے ہی آنکھیں موند کر چہرہ دوسری طرف کر لیتی تھیں۔ اس کو دیکھ کر ان کی سنبھلی طبیعت بگڑنے لگتی تھی۔ ان کی حالت کے پیش نظر ہارٹ سرجن نے معذرت خواہانہ انداز میں مہران کو سمجھایا تھا۔
"ایس پی صاحب! برا نہ مانیں تو آپ اپنی والدہ کی صحت یابی تک ان کے سامنے نہ آئیں۔ کسی شاک کی وجہ سے وہ آپ کا سامنا برداشت نہیں کر پاتی ہیں اور ان کے دل اور دماغ کی رو میں گڑبڑ ہونے لگتی ہے۔"
مہران ندامت میں گڑ کر رہ گیا۔
اسے اپنے آپ سے نفرت محسوس ہونے لگی۔
یہ دروازے تو میں نے اپنے ہاتھوں سے بند کیے ہیں۔
اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔
اس کے دل کو آبلہ بنانے کا خطاوار میں خود ہوں۔

وہ ڈیوٹی سے واپس آکر سفید ایف ایکس ادھر ادھر کی سڑکوں پہ دوڑاتے ہوئے گھنٹوں پٹرول پھونکتا، کڑھتا رہتا۔

نینی کی بیماری کی اطلاع ملتے ہی مسز آصف اپنے شوہر اور فاریہ و اظہر کے ہمراہ ہسپتال آئی تھیں۔ سلمیٰ اپنے والد صاحب کے ساتھ آئی تھی۔ داور تو روز ہی دو تین بار چکر لگا لیتا تھا۔

دانیال مہدی بھی رہ نہ سکے۔

ایک تو رشتے داری کا لحاظ تھا دوسرے دل کے کسی گوشے میں دبکی ضمیر کی ملامت تھی جس کہ کچھ بھی سہی اس نازک دل شیشہ سی عورت کو ان حالوں میں پہنچانے کے ذمہ دار وہی تھے۔

پہلی مرتبہ وہ آئے تو نینی سو رہی تھیں۔

البتہ دوسری مرتبہ وہ ہوش میں تھیں۔

دانیال قدرے جھجک کر حال چال دریافت کرنے کے بعد نکلنے لگے تو نینی پیچھے سے پکاریں۔

"بیٹے! نازش کو یہاں بلا دو۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

اور دانیال انہیں انکار نہ کر سکے۔ یوں بھی وہ اپنی بیٹی مہوش کے بغیر بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپتے رہے، مزید صبر کا یارا نہ رہا تھا۔ سو نینی کا حوالہ دیتے ہوئے جتانے والے انداز میں کراچی فون کر کے نازش کو آنے کا اجازت نامہ مرحمت فرما دیا۔

نازش گھر سے ہو کر سیدھی ہاسپٹل نینی کے پاس آئی تھی۔

اس نے نینی کی شاکی نظروں کے جواب میں ان کے پاؤں چھو لیے۔

"جو مرضی سزا دے لیں نینی! میں آپ کی مجرم ہوں کہ میری وجہ سے مہران آپ کی نافرمانی کرنے اور ... اٹھانے پر مجبور ہوا۔ میں خود غرضی میں اپنے گھر کی آگ اس کی جھولی میں ڈال آئی تھی اور اس خود غرضی کی ... قدرت کی طرف سے مجھے مل گئی۔ چار ماہ سے میکے بیٹھی تھی۔ اب آپ کے طفیل دوبارہ لوٹی بھی ہوں تو دل ... خالی ہیں۔ کچھ بھی نہیں ہے میرے پاس۔ وہ مجبوراً گھر میں تو لے آئے ہیں مگر دل میں شاید کبھی بھی ... پائیں۔"

نازش کی آنکھ سے آنسو چھلک رہے تھے۔

"ہم عورتوں کے بھی عجیب نصیب ہوتے ہیں۔ مرحلہ، مرتبہ یا مقام کچھ بھی رہا ہو، دل اور ہاتھ ہر طرح خالی رہتے ہیں۔ مرد کبھی بیٹا بن کر ماں کا دل اجاڑتا ہے، کبھی شوہر بن کر بیوی کے جذبات سے کھیلتا ہے تو کبھی ... یا بھائی کی حیثیت سے ارمانوں کا خون کر کے اپنے فیصلے مسلط کرتا ہے۔ عورت جو تا عمر مرد کے پیچھے بھاگتی ... اس کے ہاتھ کیا آتا ہے بھلا؟ خواری، پچھتاوا، بے وقعتی کا احساس! پھر بھی وہ مرد کی ذات اور رضا کو مقدم ... ہے۔" نینی خود سے باتیں کر رہی تھیں۔

"عورت ایسا کرنے پر مجبور ہے نینی۔" نازش نے ٹھنڈی سانس لی۔ "مرد کے سہارے کے بغیر وہ جائے کہاں۔ اکیلی کہاں تک معاشرے سے لڑ سکتی ہے۔ غیر تو غیر اس معاملے میں اسے اپنوں سے بھی حمایت ... ملتی۔"

"میں مہران کو کبھی معاف نہیں کروں گی بلکہ میں چاہتی ہوں، وہ آئندہ کبھی میرے سامنے نہ آئے ... کی حدیں نہ آزمائے۔"

نینی کا فیصلہ حتمی تھا جسے نازش یا سفیان کی سفارش بھی بدلنے پر قادر نہیں تھی۔

دو ہفتے بعد انہیں ڈسچارج کر دیا گیا۔

وہ گھر واپس آ گئیں مگر اب انہوں نے خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیا تھا۔ کھانا بھی وہیں منگوا لیتیں۔

مہران تک ان کا پیغام پہنچ گیا تھا کہ وہ کسی صورت ان سے ملنے کی کوشش نہ کرے۔

اتفاقاً کبھی سامنا ہو بھی جاتا تو نینی رخ پھیر لیتیں۔ ان کی آنکھوں سے جھلکتی سرد مہری اور اجنبیت ...

... کی طرح تر و تازہ ہو جاتی تھی۔ وہ خود بھی زیادہ تر باہر کے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ کم کم ہی گھر پر دکھائی دیتا اور ناظر کی شوخیاں دم توڑ چکی تھیں۔

... خاموشی کے مہیب سائے چھائے رہتے۔ جسے کبھی کبھار مسز واصف کے بچوں اور نازش کی آمد منتشر کرتی، پھر وہی سکون و جمود طاری ہو جاتا۔

◆◆◆

"تم نے ثناء کو تو نہیں دیکھا۔؟" امبرین نے لڑکھڑاتے ہوئے بمشکل تمام اس کے قریب پہنچ کر پوچھا ... کالج چھان چکی تھی مگر ثناء کے گروپ کا کچھ سراغ نہ ملا تھا۔

"... منٹ پہلے ہاسٹل کی بیک سائیڈ کی طرف جاتے دیکھا تھا اسے۔ تم کیسی ہو، طبیعت تو ٹھیک ہے ...؟" فاریہ اتنے دنوں بعد اسے از خود مخاطب ہوتے دیکھ کر حیران پریشان کھڑی تھی۔ کافی عرصے سے دونوں میں سلام دعا بھی نہیں ہوئی تھی۔ امبرین اسے دیکھتے ہی نفرت سے منہ موڑ لیتی تھی اور فاریہ اس کے کٹھور رویے پر دل مسوس کر رہ جاتی۔

... نہ جانے وہ کس رو میں بے دھیانی میں مخاطب کر بیٹھی تھی۔

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ وہ ثناء۔۔۔"

لیکن وہ بالکل ٹھیک نہیں تھی۔ صبح بی بی جان نے اس کی حالت دیکھ کر روکا بھی تھا۔

"... دیکھو ذرا اپنی، برسوں کی بیمار نظر آرہی ہو۔ ضروری نہیں ہے تو کالج مت جاؤ۔"

مگر وہ ضد کر کے چلی آئی تھی۔ اس کے سگریٹ کا پیکٹ ختم ہو گیا تھا۔ کل ویک اینڈ تھا اور بغیر سگریٹوں کے وہ بن جل کی مچھلی کی طرح تڑپی تھی۔ رات کانٹوں پر بسر کی تھی۔ پورے بدن میں اینٹھن، تشنج اور کھنچاؤ ... ہو رہا تھا۔ بڑی دقتوں سے خود کو گھسیٹ کر لائی تھی کہ طلب پوری کرنا بھی ضروری تھا۔

نہ جانے کس مخصوص برانڈ کے سگریٹ تھے جنہیں استعمال کرنے سے اس پر سرور طاری ہو جاتا تھا۔ پیکٹ پر برانڈ کا نام یا مونوگرام وغیرہ نہیں تھا ورنہ وہ کسی طرح دکان سے جا کر لے آتی۔

فاریہ سے مزید بات کیے بغیر بے توازن قدموں سے اس طرف لپکی جہاں ثناء کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا۔

... گھاس پر چوکڑی مارے بیٹھی لاپروائی کے عالم میں ایک انٹرنیشنل فیشن میگزین کے صفحات کھنگال رہی ... امبرین کی آمد پر چونک کر سر اٹھایا اور مسکرائی۔

"... میری جان! میں ابھی تمہاری تلاش میں نکلنے والی تھی۔" اس نے بے تکلفی سے امبرین کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ ...

"... ثناء! میں کل سے عذاب میں مبتلا ہوں۔ میرے سارے سگریٹ ختم ہو گئے ہیں۔ مجھے لگ رہا ہے میری ... ہو گئی ہے۔" امبرین بری طرح ہانپ رہی تھی۔

"... میرے پاس بھی یہ آخری رہ گیا تھا۔ آج لیلیٰ منزل جا کر لیلیٰ آنٹی سے اور خرید لاؤں گی۔"

"یہ سگریٹ لیلیٰ منزل سے ملتے ہیں۔؟" اب سگریٹوں کے حصول کے ذرائع معلوم کرنا ضروری ہو گیا تھا کہ ... چارہ نہیں رہا تھا۔

"... نے بتایا تھا ناں آنٹی یہ مخصوص برانڈ خود تیار کر کے سپلائی کرتی ہیں۔ بہت سی کالج کی لڑکیوں سے ان کا ... چل رہا ہے۔ ہمارا گروپ لڑکیوں میں یہ سوغات متعارف کرانے کے بعد انہیں لیلیٰ آنٹی کے گھر کی ... بتاتے ہیں۔"

"... ملتا ہے ایک پیکٹ۔؟" امبرین سگریٹ ختم کرنے کے بعد قدرے سکون اور آرام محسوس کر رہی ...

"... آنٹی کے معاوضہ وصول کرنے کے اپنے اصول اور طریقے ہیں۔ ویسے تو ہر پیکٹ کی قیمت پانچ سو روپے ... اگر کوئی نقد ادائیگی نہ کرنا چاہے یا رقم نہ دے سکے تو لیلیٰ آنٹی کسی اور طریقے سے اپنا حساب پورا کر لیتی ...

ہیں۔ مثلاً یہ دیکھو۔"

اس نے میگزین کے صفحات الٹے۔ ایک دم امبرین کی آنکھوں کے سامنے کچھ ہوا۔ اک جھماکا سا ہوا۔ آنکھیں چندھیا گئیں۔

اور امبرین نے بے ساختہ دہل کر دل پہ ہاتھ رکھ لیا۔

حسن فطرت کا یوں بے محابا و بے تحاشا نظارہ۔ وجود زن کے ریشے ریشے کی خبر دیتی یہ قیامت خیز جلوہ آرائیاں۔

"کیا ہے یہ سب۔۔۔؟" اس نے لرزتے ہوئے رسالہ پرے پھینک کر بے اختیار آنکھیں میچ لیں۔

ثناء بہت سکون و لاپروائی کے عالم میں بالوں میں انگلیاں گھما رہی تھی۔

"یہ اشتہار ہیں گارمنٹس کے اور یہ ماڈلنگ ہے۔ ماڈل گرلز کے مختلف پوز ہیں۔"

"ماڈلنگ؟ ایڈورٹائزنگ؟ یوں کہو ناں اس بہانے لڑکیوں کے حسن بلاخیز اور نسوانیت کی تصویر کشی ہے۔ اوہ خدایا۔" امبرین نے دھڑکتے دل کو تھام کر جھرجھری سی لی۔

ثناء کو اس کی ناگواری اور ناپسندیدگی کچھ بھائی نہیں۔ ترچھی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے اس قسم کے میگزین اور نظارے پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ ساری دنیا میں دھوم دھام سے ایسے رسائل شائع ہوتے ہیں۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد انہیں خریدتی ہے' پڑھتی' سوری دیکھتی ہے۔" وہ شریر سے انداز میں مسکرائی۔

"یہ الگ بات ہے کہ کچھ ممالک میں ایسے رسالے ڈھکے چھپے انداز میں پبلش ہوتے ہیں اور ایک خاص طبقہ ان کا باقاعدہ قاری اور خریدار ہے۔ اب تو اس قسم کی ماڈلنگ عام ہو گئی ہے۔ کوئی نئی بات نہیں رہی اس میں۔ یہ ہونق پن چھوڑو اور دیکھو کس قدر زبردست فوٹوگرافی کی ہے لیلیٰ آنٹی نے۔"

"کیا' فوٹوگرافی کے یہ کمالات تمہاری لیلیٰ آنٹی کے ہیں۔۔۔؟" وہ اچھل پڑی اور بے یقینی سے اس کی صورت دیکھنے لگی۔

"میری ہی نہیں اب تمہاری بھی لیلیٰ آنٹی ہیں۔" ثناء معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"تم لیلیٰ آنٹی کو جانتی نہیں ہو۔ ارے وہ بین الاقوامی سطح کی مانی ہوئی نامی گرامی فوٹوگرافر ہیں۔ بہت سے ملکی غیر ملکی رسائل کے لیے کام کرتی ہیں اور رسائل بھاری معاوضے کے عوض اپنی حسب منشا ان کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ رسائل کے ایڈیٹرز اور پبلشرز کی ڈیمانڈ کے مطابق اپنے آرٹ کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ عموماً "شریفانہ" قسم کے رسائل کے لیے صاف ستھری ماڈلنگ کراتی ہیں اور "دوسری" قسم کے ملکی و غیر ملکی میگزینز کے لیے ان کی ضروریات کے مطابق سین' ماڈل اور پروڈکٹ کو ایکسپوز کرتی ہیں۔"

امبرین مخمل جو اس لیے دم سادھے تفصیلات سن رہی تھی۔

"یہ "اس" قسم کے رسائل کے لیے وہ ماڈل کہاں سے لیتی ہیں۔"

امبرین نے ڈرتے ڈرتے گھاس پر رکھے میگزین کی طرف انگلی اٹھائی جس کا ٹائٹل ہی ہیجان خیزی کی بھرپور عکاسی کر رہا تھا۔

"یہیں کی' ایشیاء کے مشرقی حسن کی ڈیمانڈ تو یوں بھی مغربی ممالک میں بہت زیادہ ہے۔"

یہ ایک اور نیا دھماکا تھا۔

"مشرقی لڑکیاں ایسے بے ہودہ رسائل میں کام کرنے پر راضی ہو جاتی ہیں۔۔۔؟" اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پیسہ کسے برا لگتا ہے میری جان۔" ثناء نے آنکھ دبا کر کہا۔

"یوں بھی ایکسپوژر اس طرح ہوتا ہے کہ ان کی آسانی سے شناخت نہیں ہو پاتی۔ میرا مطلب ہے ان کے قریبی جاننے والے پہچاننے سے قاصر رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ دیکھو۔ کیا تم پہچان سکتی ہو یہ ماڈل کون ہے۔۔۔؟"

… ایک اور میگزین نکال کر صفحہ کھولا اور انگلی رکھ کر امبرین کے آگے کیا۔

… یہ ایک چمکدار قیمتی پتھر کے جیولری سیٹ کا اشتہار تھا اور ماڈل کے جسم پر زیور کے لبادے کے سوا کچھ …

… دیر تک ماڈل پر نظر جمائے رکھنے کا یارا نہ ہوا۔ اس نے گہری سانس لے کر میگزین ثناء کی طرف … سہلاتے ہوئے کہا۔

"… نہیں پہچان سکی۔ کوئی غیر ملکی لڑکی دکھائی دیتی ہے۔" ثناء ٹھٹھا مار کر ہنس پڑی۔

"… دھوکا۔ اسی سے اندازہ کر لو ہماری لیلیٰ آنٹی کے فن کی بلندیوں اور مہارت کا۔ ارے بھئی یہ اپنی … ہمارے گروپ کی لڑکی۔"

امبرین حیرت سے بت بن گئی۔ "مگر' مگر یہ نیلی آنکھیں' یہ سنہری بال۔۔۔"

"… لینز اور سنہری وگ کا کمال ہے بھئی۔"

"… تو میں کبھی پہچان نہ سکتی۔" امبرین نے اعتراف کیا۔

"… اس ایک ایڈ کا اس کو کتنا معاوضہ ملا ہے؟ نوے ہزار روپیہ۔ وہ ایک مڈل کلاس سفید پوش گھرانے … چاندی ہو گئی اس کی۔ کبھی خواب میں بھی اتنی بڑی رقم نہیں دیکھی ہو گی اس نے۔ ابھی تو لیلیٰ آنٹی … اسے اس کے کام کے مطابق معاوضہ نہیں دلوا سکیں۔ کیونکہ یہ اس کی پہلی ٹرائل تھی اس لیے … آفر کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھی مگر اب اس کا نکھر' اس کی اسمارٹنیس اور خوبصورتی کیمرے کی آنکھ … ہو چکی ہے۔ اب لاکھوں کی آفر اس کی منتظر ہوں گی۔"

"… لڑکی کے گھر والے۔۔۔؟ انہیں اپنی بیٹی کے کارنامے کا پتا نہیں چلا۔" امبرین اچنبھے کے عالم میں گویا … نہیں پوچھا کہ اتنے سارے پیسے کہاں سے آئے۔ کس نے دیے۔۔۔؟"

"… منزل میں آنٹی نے مختلف کورسز کروانے کے لیے ایک انسٹی ٹیوٹ کھول رکھا ہے۔ اس کی آڑ لے … چل رہا ہے۔ کبھی تم بھی چلو لیلیٰ منزل۔ دیکھنے کی چیز ہے۔ بڑی عالیشان عمارت ہے۔ یہاں کالج … کہو تو آج چھٹی کے بعد چلیں۔۔۔؟"

"… نہیں' توبہ' کبھی نہیں۔" امبرین پوری جان سے کانپ گئی اور کانوں کو ہاتھ لگایا۔ ثناء عجیب سے … مسکرائی۔

"… یہ کارڈ رکھ لو۔ اس پر لیلیٰ آنٹی کا ایڈریس لکھا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کبھی ضرورت پڑ جائے۔"

… سنبھال کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ امبرین نے یوں ہی لیلیٰ شاہ کا کارڈ پکڑ لیا۔ "اچھا' وہ ثناء' بات سنو۔ کل میں … لے لوں گی۔ تم مجھے سگریٹ کا پیکٹ لا دو گی لیلیٰ منزل سے۔۔۔؟"

"ٹھیک ہے۔ اوکے مائی ڈیر۔ بائے بائے۔" ثناء ہاتھ ہلا کر تیز تیز قدموں سے وہاں سے چل پڑی۔

… ہونٹوں پہ چپکی پراسرار سی طنزیہ مسکراہٹ کہہ رہی تھی۔

… جانے کی ضرورت تو بہت جلد پڑے گی میری ننھی چڑیا۔ آخر کب تک گھر والوں کی نظر بچا کر پیسے … خریدتی رہو گی۔ ہم سے کیا چھپا ہے بھئی۔"

◆◆◆

"… ایس پی صاحب! ہم سے کچھ تاخیر ہو گئی۔ ورنہ بنفس نفیس آپ کی والدہ ماجدہ کو اطلاع فراہم کرتے۔ … ملک سے باہر تھی۔ بین الاقوامی سطح کی ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی کی طرف سے کام کی آفر … جانتے ہی ہیں ہمارے کام دھندوں کو۔ ایک پاؤں ادھر ہوتا ہے تو ایک ادھر۔ سخت بے چین تھی … ہی پہلی "خوش خبری" یہ کان میں پڑی کہ جناب ایس پی صاحب نے محاورتاً "نہیں حقیقتاً" … میں ڈال کر ہیروئن فیکٹری پہ کامیاب چھاپا مار کر مال پکڑا ہے۔ سوچا اس "عظیم" کارنامے پر … کر فون کیا تو آپ کی والدہ نے فون اٹھایا۔ میں نے کہا ادھار کیا رکھنا لگے ہاتھوں انہیں بھی

ہنرمند اور "منافع بخش" بہو کے آنگن میں اترنے کی خبر دے دوں۔ مگر بات کرنے پر پتا چلا وہ پہلے سے اتر
ہو چکی ہیں۔ بہرحال۔"

لیلیٰ شاہ کا مخصوص کھنکتا ہوا بے باک قہقہہ مہران کی سماعت میں آگ بن کر اترا تھا۔

اس کے بظاہر شیریں و بے نیاز لہجے میں سے ٹپکتی برہمی، غیض و غضب اور تلملاہٹ مہران محسوس کر
تھا۔ ظاہر ہے اتنے اہم اڈے کی مخبری اور تباہی لیلیٰ شاہ اور اس کے "آقاؤں" کے لیے سخت ہزیمت کا باعث
تھی اور گویا انتقاماً "بدلہ لینے کے لیے" لیلیٰ شاہ نے باقاعدہ منصوبہ بنا کر نینی کو فون کیا تھا تاہم شومئی قسمت کہ اس
کے گھر والے آگاہ ہو چکے تھے۔ اب اس نے مایوس ہو کر مہران کو ٹیلی فون کیا تھا۔ وہ کوئی نئی چال چلنے کی تیاری
میں تھی۔

مہران نے بغور اس کی گفتگو سنی تھی۔ اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے بڑے طریقے سے وہ چالاک مچھلی کو جال میں
لانے کی حکمت عملی طے کرنے لگا۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ مخاطب ہوا تو اس کا لہجہ پرسکون اور ہموار تھا۔

"ایک بات بتائیں مس لیلیٰ! آپ کس بنیاد پر ارشین سے دوستی اور قربت رکھنے کی دعویدار ہیں۔؟"

"کمال ہے، آپ کو ابھی تک یقین نہیں آیا؟ ارے بھئی ہم تو جنم جنم کی ساتھی ہیں۔" اس نے کھنکھناتے
لہجے میں کہا۔

"مجھے ایسا نہیں لگتا۔" مہران کے لہجے میں شک و شبے کی واضح جھلک در آئی جو بڑے دنوں کی سوچ بچار کا نتیجہ
تھی۔ "آپ اس کے بارے میں کیا جانتی ہیں؟ دونوں میں کوئی قدر مشترک نہیں۔ نہ ماضی میں اور نہ حال میں۔
ایسے میں، میں یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں کہ آپ بلف کر رہی ہیں اور خفیہ ذریعے سے حاصل ہونے والی
معلومات کو میرے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

"آپ سے کس نے کہہ دیا کہ ہمارا حال و ماضی مشترک نہیں ہے۔ واضح ثبوت ہیں میرے پاس، ماضی
بھی اور حال کے بھی۔" لیلیٰ شاہ کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔

"پوچھیے گا اپنی زوجہ محترمہ سے کہ کیا وہ کسی البرے سانتو کو جانتی ہیں۔؟"

"البرے سانتو؟ کون ہیں یہ موصوف۔" مہران کا لہجہ کھنچ گیا۔

"تفصیلات اسی سے دریافت فرمائیے گا۔ مختصراً یہ کہ وہ ایک فرنچ انجینئر تھا۔ آرٹ کا دلدادہ تھا جیسا کہ عموماً
فرانسیسی موسیقی، خوشبو اور آرٹ کے شیدائی ہوتے ہیں۔ پاکستان ٹورسٹ کے طور پر آیا تھا۔ میری اور اس کی
پہلی ملاقات لندن کے ٹیوب اسٹیشن پر ہوئی تھی۔ وہیں سے دوستی کا آغاز ہوا۔ پاکستان واپس پہنچ کر بھی میں نے
اس سے خط و کتابت کا اور ٹیلی فونک رابطہ رکھا۔ وہ میری پیشکش اور خواہش پر پاکستان آیا تھا پھر کافی عرصہ یہاں
ٹھہرا بھی تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس کے ساتھ وقت گزارنے کے بعد میں نے سنجیدگی سے شادی کرنے کا سوچا تھا۔
شاید ایسا ہو بھی جاتا مگر پھر ارشین درمیان میں آ گئی۔"

"کیا مطلب۔؟" مہران انہماک سے سنتا ہوا چونکا۔

"اس نے البرے سانتو کو مجھ سے بدگمان کر کے کچھ اس طرح اپنی مٹھی میں کیا کہ وہ مجھ سے شادی والے
معاملے میں سوری کہہ کر فرانس واپس چلا گیا۔"

لیلیٰ کے لہجے سے نفرت کے ساتھ ساتھ اضطراب کا دھواں بھی اٹھ رہا تھا۔

"یہ تو تھی ماضی کی جھلک۔ حال کی "قربت و تعلق داری" کے ثبوت بھی بہت جلد آپ تک پہنچ جائیں گے۔
خود فیصلہ کیجیے گا کہ ہم میں کتنی "دوستی" یا "رشتے داری" ہے۔" فون بند ہو چکا تھا۔ مہران تحیر سے فون کا ریسیور
تکتا رہ گیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ارشین اور لیلیٰ شاہ کے تعلق کی زنجیر کے بارے میں اس کے شکوک کمزور پڑتے
جا رہے تھے اور وہ کسی واضح ثبوت کی غیر موجودگی میں یہ سوچنے پہ مجبور ہو گیا تھا کہ اس معاملے میں ارشین کی حد
تک بے قصور ہے کیونکہ کوشش کے باوجود وہ اس کا لیلیٰ شاہ کے ساتھ حالیہ لنک پکڑنے میں ناکام رہا تھا اور اب

پہنچا تھا کہ لیلیٰ شاہ نے موقع محل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ارشین کے ساتھ برائے نام تعلق کو اپنے
مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے مگر اب البرے سانتو کے حوالے نے گرد پڑتے ہوئے شکوک کے آئینے کو
نمایاں کر دیا تھا۔

...کے رابطے کو مغالطہ قرار دے کر نظرانداز کر بھی دیا جائے تو بھی یہ البرے سانتو کا حوالہ کس خانے میں
...؟

...ہاتھ پشت پر باندھے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ چہرے پر سوچوں کا جال تھا۔ بے شک وہ ایک ذہین پولیس
...کے پاس کارروائی کرنے اور ثبوت حاصل کرنے کے بہتیرے ذرائع تھے اور وہ اپنے اثر و رسوخ
...جن کو استعمال کر کے درست معلومات حاصل کر سکتا تھا۔

...پولیس والے بھی بہرحال انسان ہی ہوتے ہیں۔ ان سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ وہ کوئی ولی اللہ نہیں ہوتے
...قائم کردہ ہر اندازہ صحیح نکلے۔ بسا اوقات دماغ اور ذہانت لڑانے کے باوجود معاملے کا اصل سرا ہاتھ نہیں
...تفتیش کا رخ غلط راستے کی طرف نکل جاتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ بالکل سامنے کی چیز آنکھوں سے
...ہو جاتی ہے اور انسان خوامخواہ پیچیدہ زاویوں پر دماغ کھپاتا رہتا ہے۔

مہران کو اس کیس میں مختلف پہلوؤں پر تفتیش کرنا تھی۔ اس لیے گتھی الجھ کر رہ گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ لیلیٰ شاہ
...فوٹوگرافر ہونے کے ساتھ ساتھ ہیروئن مافیا کے ایک طاقتور گروہ کی خفیہ ایجنٹ بھی ہے۔ مسئلہ یہ تھا کہ
...ناقابل تردید ثبوت ہاتھ میں نہ آ جاتا وہ لیلیٰ شاہ جیسی بااثر و متمول "سوشل پرسنالٹی" پر ہاتھ نہیں ڈال
...تھا۔

...اور نایاب کی رپورٹ۔ حالات و واقعات کی ہم آہنگی و مناسبت اور لیلیٰ شاہ کی معنی خیز گفتگو سے یہ بات
...تھی کہ ارشین کا بھی خفیہ طور پر اس مافیا سے کوئی تعلق ہے اور وہ ہیروئن سپلائی کرنے والے اس گروہ
...کا رکن ہے مگر ارشین کی ہر طرح کی خفیہ نگرانی، ذہنی و جسمانی تشدد اور طرز تفتیش کے باوجود مہران کو اس کا
...نہیں مل سکا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا اس ضمن میں ارشین کی ذات کو کس طرح بری الذمہ قرار دے یا کر،
مزید "زیر تفتیش" رکھے۔

ایک اور توجہ طلب پہلو یہ تھا کہ اگر ارشین لیلیٰ شاہ کے ساتھ رابطے میں نہیں ہے تو پھر اس خفیہ شادی اور اس
...رونما ہونے والے پل پل کے واقعات کی رپورٹ لیلیٰ شاہ تک کون پہنچا رہا ہے۔؟

سرکاری ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ گھریلو سطح پر ہونے والی پیچیدگیوں نے بھی اس کا ذہن بوجھل کر رکھا تھا۔
...کی خاموشی یا "زبان بندی" نے اس کا سکھ چین لوٹ لیا تھا۔ کتنے دنوں سے سفیان اور ناظر سے رسمی سی
...بھی نہ ہوئی تھی۔

...الگ استفسارات مرتب کیے اسے گھیرنے کے چکر میں تھی۔ نینی، نایاب کے بابا لئیق احمد صاحب کے
...رشتے کے لیے اپنی خواہش کا اظہار کر چکی تھیں اور ادھر سے مثبت ردعمل بھی وصول ہو چکا تھا۔ اب وہ
...کی طرف سے منگنی کی تاریخ لینے کے لیے انتظار کر رہے تھے۔
...جان لکھانا لگ گیا ہے۔"

...کب تک سوچوں میں کھویا رہتا کہ ناظر دروازے پر دستک دینے کے بعد اندر آ گیا تھا۔
...لاتے ہوئے ٹہلنا ختم کر کے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

◆◆◆

...تیز بارش ہو رہی تھی۔
...جل تھل تھا۔ پورا صحن پانی میں چھپا چھپ ڈوبا ہوا تھا۔ عصر کے بعد کا وقت تھا غالباً مگر بادلوں کی سیاہ
...اس طرح آسمان کو ڈھانپ رکھا تھا کہ اندر باہر کی فضا ملگجے اندھیروں میں تبدیل ہو گئی تھی۔ پہلے جیپ کا
...ہارن بہت بری طرح بجا تھا۔

ارشین کینوس پر انہماک سے تصویر بنانے میں مگن تھی۔ دستک کی آواز پر کام چھوڑ کر صحن عبور کرکے بیرونی دروازے پر پہنچی تھی۔

جب تک مہران اچھا خاصا بھیگ چکا تھا۔

دروازہ کھول کر سلام کرنے کے بعد واپس پہنچنے تک ارشین بھی کسی حد تک بھیگی تھی۔

"ایک منٹ رکیے گا۔ میں آپ کے کمرے کی چابی لے آؤں۔"

برآمدے میں آکر ارشین معذرت خواہانہ انداز میں اپنے کمرے کی طرف مڑی۔ کچھ سوچ کر مہران بھی جھٹک کر پانی کے قطرے جھاڑتا اس کے پیچھے آگیا۔ سبز روغن کی الماری سے کچھ فاصلے پر ایزل پر ایک ادھوری تصویر اپنی تکمیل کی منتظر تھی۔ کونے کی ایک چارپائی پر رنگ اور برش رکھے تھے۔ دوسری پر کوئی بوا کھوڑی لحاف لپیٹے نیم دراز تھی۔ اسے سامنے پا کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

مہران نے اشارے سے اسے سلام کیا۔ بے چاری جواب تو دے نہیں سکتی تھی۔ سر ہلا ہلا کر اس کا سلام قبول کیا۔

"یہ سامان کون لایا۔؟" مہران کینوس پہ بنی تصویر کا جائزہ لے رہا تھا۔ اونچے اونچے گھنے درختوں میں گم قبرستان جس کے پس منظر میں ڈوبتے سورج کی کرنیں ایک قبر کے سرہانے کھڑے دعا مانگتے آدمی کی شبیہ پر براہ راست پڑ رہی تھیں۔

"میں حاکو تانگے والے کے ساتھ جا کر شہر سے لائی تھی۔" وہ آہستگی سے جواب دے کر چابی لے کر باہر برآمدے میں آئی اور تالہ کھولنے لگی۔

کمرے کی تاریکی دور کرنے کے لیے اس نے لالٹین جلائی اور اسی کی روشنی میں الماری کھول کر مہران کے لیے سفید شلوار کرتا نکالا۔

"آپ چینج کرلیں۔"

مہران نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے کپڑے لے لیے اور باتھ روم چلا گیا۔

"یا حیرت۔ آج عالی حضرت نے بلا چوں چرا کیے میری بات کیسے سن لی۔"

ارشین حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہوئے آتش دان کی لکڑیوں کو آگ دکھانے لگی۔

"کھانا لاؤں یا چائے۔؟" مہران کی واپسی پر اس نے مشینی انداز میں دریافت کیا۔ وہ سرخ قالین پر آتشدان کے قریب بیٹھی تھی۔

"فی الحال کچھ نہیں۔" مہران قدیم زمانے کی بھاری آرام دہ کرسی گھسیٹ کر آتشدان کے پاس لایا اور اس پر بیٹھ سا گیا۔

"گھر میں سب خیریت ہے؟ آپ تقریباً ایک ماہ بعد دوبارہ آئے ہیں۔"

"میرے آنے جانے کا حساب مت رکھا کرو۔" وہ الجھتے ہوئے بولا اور اس پر سرسری نظر ڈالی۔

وہ اسی پرانے سبز کاٹن کے سوٹ میں ملبوس تھی جو وہ ایک دفعہ لایا تھا۔ کپڑے بھیگ کر جگہ جگہ سے جسم سے چپک گئے تھے انہیں سکھانے کے لیے ہی آتش دان کے آگے بیٹھی ہوئی تھی۔

مہران کی نظر محسوس کرتے ہی وہ کچھ سمٹ سی گئی۔

"تمہارا سفیان سے کوئی رابطہ ہوا ہے پچھلے دنوں۔؟"

اس سوال نے ارشین کو بوکھلا سا دیا۔ "کس لیے پوچھ رہے ہیں؟ کیا کوئی نئی فرد جرم عائد کرنا چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔" وہ تذبذب میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "وہ تقریباً ڈیڑھ ماہ پہلے یہاں آیا تھا اتفاقاً۔" تلخی تھی۔

"اور تم نے اپنی مظلومیت ثابت کرنے کے لیے ساری داستان کہہ سنائی۔" اس کے انداز میں "تم" اس نے

"اس سے مجھے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ جو سچ تھا میں نے اس کے بے حد اصرار پر بتا دیا۔" اس نے سے جواب دیا۔

...پ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ پروفیسر دانیال مہدی صاحب کے ذریعے میری اس حماقت کی خبر نبنی تک ...

...ارشین کی سانسیں رکنے لگیں۔ "انہوں نے کس طرح ری ایکٹ کیا۔"

..."بتا پٹل رہی ہیں۔ خطرناک ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔" وہ سرد آواز میں مخاطب تھا۔

...نے مجرمانہ انداز میں سر جھکا لیا۔

...نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

...لے معاملے میں اس کی بے گناہی ثابت ہو بھی جاتی تب بھی پروفیسر دانیال کا حوالہ اور اسٹامپ پیپر ...راضی نامہ" اس کی ذات کو ساری عمر کے لیے نامعتبر بنانے کو کافی تھا۔

...ساری ذات میں ہر طرف کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ ایک کو نکالا جائے تو دوسرا چبھن دینے لگتا ہے۔ کوئی کس ...مارے قریب آئے۔ اس کے لیے اسے ایک ایک کانٹے کے نکلنے کا انتظار کرنا ہوگا اور جب تک ایسا ہوگا ...ن تم نکل چکا ہوگا۔" وہ اس کے قریب آیا اور بازوؤں سے تھام لیا۔

...مطلب میں سمجھی نہیں۔" ارشین اس کے عجیب و غریب تبصرے کی تہہ تک نہیں پہنچ سکی۔ مہران سنی ...کے سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

...ئی بار پروفیسر دانیال نے خواہش کے رنگ بھر کر تمہارے چہرے کے ایک ایک نقش کو نظر اور دل میں اتارا ...ہاری آنکھوں، ہونٹوں اور سراپے کی قصیدہ خوانی کے پس پردہ اپنی طلب کا اظہار کیا ہوگا۔ اور اور نجانے ...نہیں چھوا ہوگا۔" مہران نے شدت جذب سے نچلا ہونٹ کاٹا۔ غیرت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

...صاحب پلیز۔" ارشین بے ساختہ چیخ پڑی اور رد عمل کے طور پر اپنا آپ اس کی گرفت سے چھڑانا ...ے فولادی بازوؤں کے حصار میں وہ ہل بھی نہ سکی۔

..."کیا ایسا نہیں ہوا ہوگا۔ مرد عورت کے افیئر میں کیا ایسا نہیں ہوتا؟ تم کوئی انوکھی ہو کہ اس حد تک ...ئی ہوگی۔ یہی ہوتا ہے۔ یوں ہی ہوتا ہے اور یہاں اسی دنیا میں ہوتا ہے۔"

...نہیں جانتی افیئر لڑاتے ہوئے فریقین کن "مرحلوں" سے گزرتے ہیں۔ مگر آپ کو اتنا ضرور بتاؤں گی کہ ...مہدی کے ساتھ ایسا کوئی تعلق نہیں رہا۔ انہوں نے مجھے پروپوز کیا تھا۔ جو کوئی بھی کر سکتا ہے۔ کیا ہم ...ے کی زبان پکڑ سکتے ہیں۔؟" وہ روہانسی ہو گئی۔

...نے ان کو شہہ تو دی۔ ان کی حوصلہ افزائی کی۔ کسی سے کمٹ منٹ کرنا معمولی بات نہیں ہوتی۔" وہ ...ت گویا ہوا۔

...نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ صرف اتنا کہا تھا کہ اس سلسلے میں گھر والوں سے رجوع کریں۔ وہی فیصلہ کریں گے ...ان ہی کو یہ اختیار دے رکھا ہے اور کیا کرتی۔"

...تم نے دیا تھا۔ اسٹامپ پیپر پر نکاح کی رضامندی لکھ کر دے دی تھی اور کس طرح کہتیں۔" وہ پھنکارا۔

...نے کبھی مجھ سے پوچھا؟ یا مجھے صفائی کا موقع دیا؟ آپ تو خود سے ہر بات فرض کرکے بدگمانی کے کانٹے ...لائے بیٹھے ہیں۔ میں نے پروفیسر صاحب کی فطرت جان لینے کے بعد مکمل کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔ ...کے جرم میں انہوں نے اغوا کرکے جبراً اسٹامپ پیپر پر من پسند تحریر لکھوائی تھی۔"

...سے انکار کر سکتی تھیں۔ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ لڑکی کا کسی مرد کو اپنی تحریر دینا گویا عزت ...دینے کے مترادف ہوتا ہے۔؟ ایسی بھول کا بہت کڑا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔" وہ ناراضگی سے بولا۔

...سب پتا تھا۔ مگر اس وقت کیا کرتی۔ یا عزت دیتی یا تحریر۔ انہوں نے صاف بتا دیا تھا کہ جو سودا منظور ہے ...۔ ویران اجاڑ جگہ پر کون تھا جو انہیں من مانی سے روکتا۔ کوئی ایک چیز گنوائے بغیر میں وہاں سے نہیں ...نا آج ہر بات صاف صاف بتانے کی ٹھان چکی تھی۔

باہر بارش زور پکڑ گئی تھی۔ تیز بوچھاڑ کے ساتھ آندھی اور طوفان کے جھکڑیوں چل رہے تھے گویا
درختوں کو جڑ سے اکھاڑنے کا عزم کر چکے ہوں۔
ہوا کی شائیں شائیں چابک کی طرح پودوں، فصلوں اور مکانات کی دیواروں پر ضربیں لگا رہی تھی سیلاب
سیاہی تو تھی ہی سورج غروب ہونے کے بعد اب مکمل اندھیرا چھا چکا تھا۔
بادلوں کی گھن گرج میں کہیں کہیں کسی جانور کی سہمی ہوئی آواز سنائی دے جاتی تھی۔
کمرے میں آتشدان کی جلتی لکڑیوں اور لالٹین کا پیلا نارنجی اجیارا سا تھا۔ سرخ شنیل کے کور والے
رکھی سرخ شنیل ہی کی رضائی اور تکیے نارنجی روشنی میں چمک رہے تھے اور فرش پر بچھے سرخ دبیز کارپٹ
انسان ایک دوسرے کے بے حد نزدیک کھڑے آنکھ اور زبان کے ذریعے ایک دوسرے سے سوال جواب کر
تھے۔

مہران کے بازو ارشین کے شانوں کے گرد حائل تھے۔ اس کے وجود کی ساحرانہ مہک اور لطیف تپش ارشین
بوکھلائے دے رہی تھی۔ وہ اس کی جارحانہ عزائم کا پتا دیتی۔ سخت و سرکش گرفت سے نکلنا چاہتی تھی کہ
جانے کیا سوچے ہوئے تھا۔ ایسا تو کبھی بھی نہ ہوا تھا۔
آج کیا نئی بات تھی۔!
اسی لمحے بہت زوردار کڑک سنائی دی۔
اس قدر دل دہلا دینے والی کڑک تھی کہ ارشین جیسی مضبوط دل کی لڑکی بھی خود پہ قابو نہ رکھ پائی۔ بے اختیار
مار کر مہران کے وجود میں پناہ لینے کو قریب ہو گئی۔
مہران نے اسے اپنی طرف سمیٹ لیا اور جھک کر پوچھنے لگا۔
"کیا ہوا، ڈر لگ رہا ہے۔؟" ارشین کے لمس کی نرمی، آسودگی عطا کرنے والی گرماہٹ اور سکون دینے
حیات پرور لطافت نے مہران کی سوئی ہوئی تمام فطری حسیات کو جگا دیا تھا۔ افسرانہ چولا اتر گیا تھا۔ اس وقت وہ
عام مرد تھا۔ ایک ذمہ دار اور خیال رکھنے والا شوہر۔
اس حسن سلوک کی شاید ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت اس کے ذہن سے ارشین کی ذات سے
شکوک و بدگمانی کے بہت سے جالے صاف ہو چکے تھے۔ اسی لیے وہ اس کے وجود کے قربت اور مہک کو پوری
محسوس کر رہا تھا۔ اپنے اندر جذب کر رہا تھا۔
"حالانکہ تم جیسی عورت کو تو اب ڈرنا نہیں چاہیے۔ اتنے عرصے سے اکیلی رہ رہی ہو۔" خدا جانے یہ طنز
تحسین و ستائش۔ وہ ستم گر کے لحظہ بہ لحظہ بدلتے تیور اور جذبات سے کیونکر اس کے موڈ کا اندازہ کر سکتی تھی کہ
گھڑی میں بھوت گھڑی میں اولیا ہو والی مثال تھا۔
"کیا اکیلا رہنے سے انسان بہادر اور نڈر ہو جاتا ہے۔؟" ارشین نے جھکی پلکوں کو اٹھاتے ہوئے مرتعش
میں سوال کیا اور ساتھ ہی الگ ہونا چاہا۔
"کم از کم زندگی کو قریب سے دیکھنے اور برتنے کا ہنر ضرور آ جاتا ہے۔" وہ اس کی سیاہ چمکدار آنکھوں
آنکھیں ڈال کر جھکا۔
"رات ہو گئی ہے۔ آپ آرام کریں، میں ذرا گونگی بوا کو دیکھ لوں۔" مہران کے عجیب انداز، رویے میں
نرمی و توجہ اور آنکھوں اور لمس سے جھلکتی استحقانہ گرم لپک نے اسے اس رشتے کی موجودگی کا احساس دلایا
دونوں کے درمیان ایک اٹل حقیقت کی طرح پل بن کر کھڑا تھا۔
ملانے کے لیے تعلقات بڑھانے کے لیے آگے کی طرف دیکھنے اور پچھلا بھول جانے کے لیے۔
دونوں حقیقی معنوں میں شاید آج پہلی بار ایک دوسرے کی شرعی حیثیت کو تسلیم و محسوس کر رہے تھے۔
جس قسم کے حالات رہے تھے میاں بیوی کے بجائے جیلر اور قیدی کا سا تعلق دکھائی دیتا تھا۔
"بوا سو چکی ہیں۔ تم اتنی ٹھنڈ میں کہاں جاؤ گی۔" وہ اسے بازوؤں میں جکڑے پلنگ پر لے آیا اور سوال

"... یہ جگہ دو افراد کے لیے کافی ہے۔" مہران کا لہجہ سادہ و پر سکون تھا۔
ارشین کو کیا ہوا۔ اس کا جی چاہا، چیخیں مارتی ہوئی پچھواڑے کے قبرستان میں نکل جائے اور ایک ایک
... بار بار کر روئے۔
... اتنی ناروا سہنے اور قطرہ قطرہ زندگی کا زہر پینے کا یہ صلہ۔
... معذرت بھی نہیں۔ کوئی ندامت، کوئی شرمندگی نہیں۔ میری ذات کو کچل کر یوں پیروں تلے روندا
... کوڑوں سے بھی حقیر کر ڈالا اور اب خیال آنے پر اٹھا کر اپنے برابر بٹھایا بھی ہے تو مطلب نکالنے کے
... مولنے کے لیے۔
... میری پہچان، میری ہستی کا افتخار کہاں ہے۔ کیا فقط یہی کہ میں ایک ضرورت کی چیز ہوں جسے
... کرنے کے بعد پھر سے سرد خانے میں ڈال دیا جائے گا اور رویوں کے کوڑوں سے میری روح زخمی کی

... نہیں کہا۔ کوئی حرف اعتبار، کچھ ایسا کہ لٹے پٹے پندار کی چھید چھید جھولی کو رفو کیا جا سکے۔ میں خود کو
... یقین دلانے کے قابل ہو سکوں۔ کہ میں بھی انسان ہوں۔ ایک باوقار، باحمیت اور معزز انسان۔
... جذبات ہیں۔ مجھے بھی چوٹ لگنے پر تکلیف ہوتی ہے۔
... ساتھ کون ہے۔؟" اچانک ہی مہران کے ذہن میں اک شبہہ اتری تھی۔
... ساتھ۔؟" ارشین کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ کس کس طرح یہ شخص اپنے تیوروں کے بدلتے رنگ ڈھنگ
... کہ مخاطب سنبھلنے کی مہلت بھی نہیں پاتا۔
... جانتی ہو اسے۔؟" مہران نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔
... اگر اسے جاننا ہی کہتے ہیں تو۔" ارشین نے گہری سانس لے کر سر ہلایا۔
... یہ موصوف۔" اس نے سختی سے پوچھا اور ساتھ ہی اپنا بازو اس کی کمر کے گرد سے ہٹا لیا۔ ایک چبھتی
... ارشین کے لبوں کا احاطہ کر گئی۔ جیسے کہہ رہی ہو بس یہی ہے تمہارا التفات و اکرام کہ بدگمانی کے
... پگھل کر پانی کی طرح بہہ گیا۔
... کر اس کے پاس سے اٹھی اور پلنگ سے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑی ہو گئی۔
... سوال کا جواب اسی سے پوچھیے گا ایس پی صاحب جس نے آپ کو بات کا سرا پکڑایا ہے۔ میرا کہا تو
... فریب اور دھوکا بازی پر ہی مشتمل ہو گا۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔
... اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔

◆◆◆

... میری جان۔ لیلیٰ منزل کی کشش تمہیں یہاں کھینچ ہی لائی۔"
... ڈری سہمی بری طرح گھبرائی مگر ہیروئن کی طلب میں نڈھال و بے قرار امبرین کا بڑے تپاک سے

... آ گئی ہو ناں تو سر تا پا ہماری ہو گئی ہو۔ دیکھنا ایسا روپ دیں گے کہ خود کو پہچان نہ پاؤ گی۔"
... امبرین کا سراپا دیکھ رہی تھی۔
... ارشین ہو۔ صرف شکل مختلف ہے۔" لیلیٰ کی آنکھیں ہزار واٹ کے بلب کی طرح چمک رہی

... میں جی بھر کر محظوظ ہو رہی تھی۔ اس کا چہرہ اس کی شیطانی عزائم اور مکروہ ارادوں کا پتا دے رہا

مہران صبح اٹھا تو جی بھر کر خود پر حیران ہوا۔
مجھے کل رات کیا ہو گیا تھا۔؟
یہ میں کس عورت کو اپنی قربت کا شرف بخشنے جا رہا تھا۔؟ کس کو پہلو میں بٹھا رہا تھا۔ وہ جسے میرا دل [illegible]
ناپسند کرتا ہے۔ جس کا رسوا کن ماضی میری غیرت و حمیت کے لیے تازیانہ ہے۔
جس پر رحم کرنا میری دانست میں برائی کی پشت پناہی کے مترادف ہے۔
شاید یہ رات کا سحر تھا۔ فطرت کی آواز تھی۔ یا پھر دل کے تقاضے کہ وقتی طور پر منتقم و متنفر قسم کے جذبات
الاؤ پر برف پڑ گئی تھی۔
اور اب صبح دم بیداری کے ساتھ ہی غیض و غضب اور سنگ دلی کے پرانے رنگ دوبارہ چمک اٹھے تھے
وہی سابقہ نفرت و بیزاری عود کر آئی تھی۔
وہ تیار ہو کر تن فن کرتا کچن میں آیا تو چہرے پر کل والے جذبات کا شائبہ تک نہیں تھا۔ یوں جیسے نیا خول [illegible]
لیا ہو۔
"کب تک بنے گا ناشتہ؟۔ محترمہ! مجھے واپس بھی جانا ہے۔"
"بس چائے بن رہی ہے۔ برکتے خالہ کا لڑکا طیفا ابھی ابھی تازہ دودھ دے کر گیا ہے۔"
وہ چولہے کی سلائی مشین کی طرح کی ہتھی کو اوپر نیچے گھما کر آنچ تیز کرتے ہوئے جلدی سے بولی۔ چولہا [illegible]
میں اسی شیپ کا تھا جس طرح کے سوئی گیس کے عام برنر گھروں میں فٹ ہوتے ہیں۔ فرق یہ تھا کہ یہ سنگل
والا تھا۔ جس کے ساتھ بیضوی شکل کی لمبی سلنڈر نما لوہے کی ٹنکی بنی ہوئی تھی۔ اس ٹنکی میں مٹی کا تیل ڈالا
تھا۔ چولہا جلنے کی آواز باقاعدہ سنائی دے رہی تھی۔ اس کا شعلہ عام گیس کے برنر سے کافی تیز تھا۔ یعنی [illegible]
جلدی چیز پک جاتی تھی۔ چائے ابلنے کے ساتھ ہی ارشین نے ناب گھما کر برنر بند کر دیا۔ یہ "سوغات" اسے [illegible]
خاک چھانتے ہوئے ایک دکان سے ملی تھی۔ اس نے فوراً" سے پیشتر خرید لی کہ لکڑیاں جلا کر آگ دہکانے اور
پر کھانا پکانے کا عمل حد درجہ تکلیف و کلفت کا باعث تھا۔ مہران اس "عجوبے" کے علاوہ بھی دیگر نئی چیزیں
میں آراستہ دیکھ رہا تھا مگر انا ایسی قیامت کی تھی کہ پوچھ کے نہیں دیا۔ دیکھ کر نظر انداز کر دیا۔ البتہ اس کی چوڑ [illegible]
بھری کلائی پر نظر ضرور ٹھہری تھی جہاں مزید دو چوڑیاں کم ہو چکی تھیں۔
"یہ لیں۔" ارشین نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ چائے کا کپ، سلور کی گول پلیٹ میں تلا ہوا انڈا [illegible]
میں لپٹے دو پراٹھے اور خالہ برکتے سے خریدے ہوئے اچار کی چند پھانکیں سلیقے سے سجی تھیں۔
نجانے مہران کو کیا ہوا۔ وہ ٹرے کو ہاتھ لگائے بغیر ایک دم کچن سے باہر نکل گیا اور جب ارشین اس کے انداز [illegible]
حیرت سے سوچتی ہوئی پیچھے نکلی تو وہ تب تک چابیاں اٹھا کر پھاٹک کے باہر کھڑی جیپ کا لاک کھول چکا تھا۔
"بات سنیں ایس پی صاحب۔!" وہ حیران و پریشان اس کارروائی کی وجہ ڈھونڈ رہی تھی۔
"ایسا کیا ہو گیا۔ میں نے تو کچھ کہا ہی نہیں جو۔" وہ دل میں سوال جواب کر رہی تھی کہ اسی اثناء میں [illegible]
اسٹارٹ ہو گئی۔ مہران اس کی بات پر توجہ دیے بنا گولی کی طرح جیپ اڑا کر لے گیا۔
وہ گیلی مٹی پہ بنے ٹائروں کے گہرے نشان دیکھتی رہ گئی۔
"کیا شاہانہ مزاج پایا ہے بادشاہ سلامت نے۔ ہم تو لب ہلانے کے قصور وار بھی نہ تھے پھر کیا بات ناگوار [illegible]
گزری حضور کو۔" وہ مرجھائے ہوئے انداز میں اندر آ گئی۔ ناشتے کے نام پر چند لقمے زہر مار کر کے برتن سمیٹے
گونگی بوا کے پاس آ گئی جو اپنا ناشتہ ختم کر چکی تھی۔ اب وہ گلی کا چکر لگانے کے لیے چادر کی بکل مار کر [illegible]
ڈانگ ٹیکتے ہوئے باہر نکل رہی تھی۔
"بوا! دھیان سے جانا۔ رات بڑا مینہ برسا تھا۔ راستوں پہ پھسلن ہو گی۔" ارشین نے مقدور بھر اشاروں [illegible]
ذریعے بوا کو سمجھایا۔ بوا زور زور سے سر ہلاتی پھاٹک کی طرف بڑھنے لگی۔
ارشین گھر کے کاموں سے نبیٹ کر ایزل کے آگے جت گئی اور انہماک سے اپنا کام مکمل کرنے لگی۔

شہر میں ڈیکوریشن پیسز اور پینٹنگز کی خرید و فروخت میں دلچسپی رکھنے والے "یاسین
[illegible] کے بعد [illegible] سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ ایک آرٹسٹ کی حیثیت سے اپنا اور اپنے کام کا
[illegible] کے مالک محمد یاسین [illegible]
ارشین نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو اس نے کھرے انداز میں صاف بتا دیا تھا۔
[illegible] کے بعد ارشین [illegible] صاف اور سیدھی بات کریں گے۔ بے شک آپ کی بنائی ہوئی تصویروں نے بڑا بزنس کیا
[illegible] اچھی بھی ہوں گی لیکن بات یہ ہے کہ اسلام آباد کے مقابلے میں نارووال ایک چھوٹا سا عام سا
[illegible] کے زیادہ تر لوگ محنت کش طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ گاؤں سے روزگار کے لیے یہاں
[illegible] اردگرد [illegible] کم ہے۔ آرٹ کی سمجھ بوجھ تو خیر کیا ہو گی۔ صاف لب و لہجے میں اردو یا انگریزی بول لیں تو
[illegible] طبقہ [illegible] شہر کا متمول طبقہ گھر کی ڈیکوریشن میں دلچسپی رکھتا ہے مگر اسے بھی صحیح معنوں میں فن
[illegible] فقط [illegible] نہیں کہا جا سکتا۔ سجاوٹ کے نام پر وہ ہر طرح کی الا بلا چیزیں گھر میں بھر لیتے ہیں۔ اس لیے آپ کی
[illegible] ہم اسی صورت میں خرید سکتے ہیں جب اس کی قیمت ہمیں سوٹ کرے اور ہماری آفر یقیناً" آپ
[illegible] کم ہو گی۔ یوں سمجھ لیں جس تصویر کے آپ کو بارہ ہزار ملتے ہیں اس کے ہم زیادہ سے زیادہ دو
[illegible] اگر منظور ہوں تو بسم اللہ کیجیے اور اس ماہ ہمیں دو اعلا قسم کی پینٹنگز بنا دیجیے۔ ہاں اس کو فریم
[illegible] ہمارا ہو گا۔"
[illegible] کا ذریعہ درکار تھا۔ خواہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو تا سو اس نے ہامی بھر لی تھی۔ حاکو تانگے والا
[illegible] تھا۔ اس نے محمد یاسین سے حاکو کا تعارف کروا کر بتا دیا تھا۔
[illegible] بعد اس آدمی کے ہاتھ پینٹنگز بھجوا دوں گی۔ اسی کو پے منٹ کر دیجیے گا۔ اعتبار کا بندہ ہے۔"
[illegible] دکان کے مالک سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر کسی کو اپنی پورٹریٹ بنوانے میں دلچسپی ہو تو اسے مطلع
[illegible] وہ اس فن میں بھی مہارت رکھتی ہے۔ دونوں تصویریں مکمل کرنے کے بعد اس نے احتیاط سے
[illegible] اور حاکو تانگے والے کے گھر چلی آئی۔
[illegible] یاسین ورائٹی سینٹر کے مالک کو دینی ہیں۔ میں نے رقعہ لکھ دیا ہے اس کے نام۔ وہ پیسے آپ کو دے
[illegible]"
[illegible] تو فکر نہ کر۔ میں اکھاں بند کر کے او تھے پہنچ جاواں گا۔ چل وئی میریا شیرا۔"
[illegible] کر جست لگاتے ہوئے تانگے کی اگلی سیٹ پر بیٹھا اور گھوڑے کو چھڑی سے شُشکارنے لگا۔
[illegible] رہا ہوں۔ میں چلا جاتا ہوں باجی کا کام کرنے۔" حاکو کا پندرہ سولہ سالہ شوخ و شریر لڑکا پیرو مچلا تھا۔
[illegible] حرام خورا۔ مینوں خبراں نے تیری آوارگیاں دی۔ سویرے سے تانگہ لے کر کتے کی طرح شہر میں گھوم
[illegible] رات کو واپس مڑیں گا۔" حاکو نے چھڑی اپنے لونڈے کے مارنے کی کوشش کی مگر وہ ڈھٹائی سے ہنس
[illegible]
[illegible] آپ میرے سے کوئی کام نہیں لیتیں۔ ہر ویلے ابے کو ہی ساتھ لے جاتی ہیں۔" باپ کے جانے کے
[illegible] شکایت کی۔ آہستہ آہستہ گاؤں والوں کی جھجک دور ہوتی جا رہی تھی۔ شاید اس میں ارشین
[illegible] فطرت اور ملنساری کا بھی دخل تھا کہ آس پڑوس کے لوگ اجنبیت کی دیوار گرانے لگے تھے۔
[illegible] تمہیں بھی اگلی بار۔ ابھی تو بڑے کام پڑے ہیں۔" اس نے پیرو کے کان کھینچ کر تسلی دی۔
[illegible] واپس آیا تو ارشین نے اس کی محنت اور بھاگ دوڑ کے صلے میں سو روپے زبردستی تھما دیے۔
[illegible] ہوئی۔ [illegible]" وضع دار بوڑھا احتجاج کرتا رہ گیا۔
[illegible] [illegible] ہے۔ اپنے گھوڑے کے چارہ پانی کے لیے رکھ لو۔ میرے کام کے لیے اسے
[illegible] تھے۔"
[illegible] چار ہزار ارشین کی ہتھیلی پر رکھ دیے تھے۔ اتنا تو اس کا حق بنتا تھا۔
[illegible] کرنے کے بعد اس نے ایک ہزار کا نوٹ ہفتہ بھر کے سودا سلف، خالہ برکتے کے دودھ اور انڈوں

کے حساب کتاب اور سبزی خریدنے کے لیے نکالا اور باقی پیسے سنبھال کر سبز پٹ والی الماری میں رکھ دیے۔ زندگی کی گاڑی کسی نہ کسی طرح چل ہی پڑی تھی آخر۔

◆◆◆

امبرین کو لیلیٰ شاہ کی طرف سے اتنے پرتپاک استقبال کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو بڑی ڈری ڈری سی دھڑکتے ... گھری "لیلیٰ منزل" آئی تھی کہ اب آئے بنا چارہ نہ رہا تھا۔

اس نے بہت دفعہ نظر بچا کر بی بی جان کے بٹوے سے رقمیں پار کی تھیں مگر تا بکے۔ انہیں پتا چل گیا کہ ہر دوسرے تیسرے دن پرس سے پانچ سو کا نوٹ غائب ہو جاتا ہے اس کارروائی میں گھر کے بندے کا ہاتھ ہے۔ وہ ایک ایک پہ چیخی چلائی تھیں۔ امبرین سر نیہوڑائے گھنی بنی منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی رہی ... نے بار بار معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا تاہم اس نے ماں کو "چور" کی نشاندہی نہیں کی کہ ایسی صورت میں امبرین اس کی کھال اتار دیتی۔

آخر کار یہ کہ بی بی جان نے پرس کسی محفوظ اور خفیہ جگہ منتقل کر دیا جسے امبرین تلاش بسیار کے باوجود نہ ڈھونڈ پائی۔

پیسوں کی اسے سخت ضرورت تھی کہ رقم کے بغیر سگریٹ نہیں خرید سکتی تھی۔ جب نشے کی طلب نے حد سے سوا ستایا تو کوئی چارہ نہ پا کر وہ کالج کے اوقات میں پیریڈ چھوڑ کر لیلیٰ منزل چلی آئی تھی۔ ذہن میں یہی خیال تھا کہ فی الحال وہ لیلیٰ شاہ سے ادھار سگریٹ مانگ لے گی اور اس کے بدلے اس سے سفارش کرے گی کہ اسے کسی جگہ پارٹ ٹائم جاب دلا دے تاکہ وہ کچھ پیسے کما سکے۔

"لیلیٰ منزل" کریم کلر کی ماربل ٹائلز سے بنی ہوئی شاندار اور وسیع و عریض شاہانہ عمارت کا نام تھا جس کی ... پیشانی پر "لیلیٰ منزل" کے حروف وائٹ ماربل سے کندہ کیے گئے تھے۔ چاروں پلرز بھی سفید ماربل کے تھے۔ فرش سیاہی مائل شیشے کی طرح کے چمکتے دمکتے شفاف قیمتی ٹائلز کا تھا۔ پاؤں رکھتے ہوئے یوں گمان ہوتا جیسے اگر ... سیاہ چیندے والی پانی کی جھیل میں قدم جا پڑیں گے۔

عمارت دو حصوں پر مشتمل تھی۔ گیٹ کھلتے ہی سامنے پورچ نظر آتا تھا جس کے دائیں طرف مرکزی عمارت تھی اور بائیں طرف ایک سیدھ میں تین کمرے بنے ہوئے تھے۔ کمروں کی چھت پر ایک بورڈ آویزاں تھا۔ "ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ فار ویمن۔"

انسٹی ٹیوٹ میں متعلقہ اساتذہ اور لڑکیوں کی چہل پہل تھی۔ معمول کے مطابق کلاسز ہو رہی تھیں۔

اتفاق سے لیلیٰ شاہ اسے مرکزی عمارت کے آگے بنے کورین نفیس گھاس والے لان میں میوزک کی ... ایروبکس کرتی مل گئی تھی۔ ورنہ اسے عمارت کی بھول بھلیاں ہراساں کر دیتیں۔

"آؤ چاند، اندر آجاؤ۔" لیلیٰ اسے ہمراہ لیے مرکزی عمارت کے براؤن ٹنٹڈ گلاس ڈور کا ہینڈل بیک پش کرتی ہوئی اندر آئی۔

"میڈم! آپ کا فون، انگلینڈ سے کوئی جارج ایمرسن بات کر رہے ہیں۔" چھتیس سینتیس برس کی ... دبلی پتلی معمول سے کچھ زیادہ ہی لمبی عورت مودبانہ مخاطب تھی۔

"او کے میں دیکھ لیتی ہوں۔" لیلیٰ نے اس کے ہاتھ سے کارڈلیس لے لیا۔

"تم اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ بڑی خاص مہمان ہیں۔ اپنے گھر کی ہی سمجھ لو۔ اب تم اکثر اسے یہاں دیکھو گی اور امبرین! یہ تارا ہے۔ میری آنکھ کا تارا۔ میرے بیشتر معاملات اور گھر کا حساب کتاب یہی دیکھتی سنبھالتی ہے۔"

وہ اونچا سا قہقہہ اچھال کر بڑی تندہی سے انگلش میں فون پر مصروف ہو گئی۔ تارا اسے ساتھ لیے آگے بڑھ گئی۔

"تشریف رکھیے۔" اندر داخل ہوتے ہی امبرین کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ ڈرائنگ روم کا رقبہ اتنا زیادہ تھا کہ

... کے تین ڈرائنگ رومز بن سکتے تھے۔

... بے حد دبیز کارپٹنگ، تین صوفہ سیٹ ایک آف وائٹ، دوسرا گرے اور تیسرا لائٹ براؤن اور ان ... نفیس ٹیبلز کرسٹل کے بیش قیمت ڈیکوریشن پیسز، نہایت قیمتی اور نادر و نایاب پتھروں کی گلاس ٹاپ ... نمونہ جات اور دیواروں پر مرصع اعلیٰ قسم کی پینٹنگز۔

... طلسم کدے میں کھو کر رہ گئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے نبضیں ٹھہر گئی ہوں۔ ... خواب میں بھی ایسا حسین ڈرائنگ روم اور عالی شان محل نما گھر نہیں دیکھا تھا۔

بمشکل تین منٹ گزرے ہوں گے جب تارا مشروبات سے لدی ہوئی ٹرالی گھسیٹ کر اس کے عین ... لائی۔

"... فرمائیے۔"

... بھاری غیر ملکی واٹر سیٹ کی نفاست و ندرت تو ایک طرف، وہ تین منزلہ ٹرالی پر سجی مشروبات کی بے ... ملاحظہ کر کے بے ہوش ہونے کے قریب ہو گئی تھی۔

... قسم کے پھل کے جوسز، ملک شیک اور فراسٹ وغیرہ تھے۔ دوسری پر پیپسی، مرنڈا، سیون اپ ... کی سافٹ ڈرنکس کے ٹن تھے۔ تیسری میں مارٹینی کی سبز بوتل کے ساتھ بیئر کے ٹن اور ساتھ میں ... میں آئس کیوبز رکھے تھے۔

"... کریں مس۔ اگر ڈرنک بنانا ہو تو بتائیے۔"

... ایکسپرٹ ملازمہ نے تیسری منزل کی طرف اشارہ کیا کہ لیلیٰ شاہ کے خاص مہمان "اس" سے شغل ... تھے۔ امبرین نے گو کہ کبھی ان خرافات کو آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا البتہ اتنا عرصہ نائٹ گروپ کے ... کے بعد شراب کی مختلف اقسام کے بارے میں کافی کچھ جان گئی تھی۔

"... نہیں۔ بس پیپسی ٹھیک ہے۔" اس نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے ہکلا کر کہا۔

... لیلیٰ شاہ واپس آ چکی تھیں۔

"... بھئی! ابھی نئی نئی مہمان ہوئی ہیں ہمارے ہاں۔ تم تو پہلی ہی "اینٹری" میں کلائمکس تک لے ... کر رہی ہو۔"

... امبرین کے قریب صوفے پر بیٹھ کر ٹانگ پہ ٹانگ جما کے ہنسی تھی۔ امبرین اس کی قربت پر سمٹ سی ... اس عورت کے سامنے خود کو اتنا نروس اور بوکھلایا ہوا کیوں محسوس کر رہی تھی۔

"... کرو میری جان۔ کہا ناں اس چار دیواری کے اندر کوئی غم، کوئی دنیاوی پریشانی تمہارے پاس نہیں ..." لیلیٰ نے اس کا کندھا دبایا۔ تارا نے اس کے اشارے پر ڈرنک بنا کر ہاتھ میں تھمائی اور باہر نکل گئی۔

"... مجھے جلدی واپس جانا ہے۔ کچھ دیر بعد میرا بھائی مجھے لینے کالج پہنچ جائے گا۔ اس کے آنے سے ... گیٹ پر موجود ہونا چاہیے۔ میں آپ سے سگریٹ کا پیکٹ لینے آئی تھی۔ میرے پاس اس وقت ... لیکن میں عنقریب آپ کو قیمت ادا کر دوں گی۔"

... ذہنی طور پر تیار ... لیلیٰ کے روبرو دہرانے کے قابل ہوئی تھی۔

"... یہاں تک آنا ہی قیمت چکانے کے برابر ہے۔ غیروں جیسی باتیں کیوں کرتی ہو چندا۔" لیلیٰ نے اٹھ کر ... خانے سے پیکٹ نکال کر اس کی گود میں ڈال دیا۔

"... شکریہ آنٹی۔" امبرین نے متشکرانہ نظروں کا خراج دیا پھر جھجکتے ہوئے بات کا سرا جوڑا۔

"... جاب کرنا چاہتی ہوں آنٹی! کوئی ایسا کام جس میں اوقات کار مختصر ہوں اور دن کی روشنی میں ہوں ... گھر والوں کی طرف سے بے حد منت سماجت کے بعد مشکل سے باہر نکلنے کی اجازت ملی بھی تو وہ ... کے لیے ہی مل سکے گی۔"

... مختصر مدت میں بغیر کسی مشقت کے بیٹھے بٹھائے پیسہ کمانے اور دولت مند ہونے کا تیر بہدف

نسخہ ہے۔" لیلیٰ کو اس کی خواہش اور درخواست پر ازحد مسرت ہوئی تھی۔ (مچھلی خود بخود جال میں آرہی
"نہیں آنٹی!" امبرین نے جلدی سے ہاتھ اٹھا دیا۔ "میں "اس" طرح کی لڑکی نہیں ہوں جسے مجھے ال
سے حاصل کردہ دولت و شہرت کی طلب ہے۔ مجھے صرف اتنا درکار ہے جس سے میری ضروریات
ہو سکیں۔"

لیلیٰ بے حد پراسرار انداز میں مسکرائی۔
"ٹھیک ہے جانم! ابھی مجھے بھی کوئی خاص جلدی نہیں ہے۔" لیلیٰ شاہ بڑبڑائی پھر سنبھل کر اس کی طرف
ہوئی۔

"سنو میرے پاس تمہارے لیے ایک جاب ہے۔ اگر تم کرنا چاہو تو۔ اس گھر کی دوسری اور تیسری منزل
فوٹو گرافی کے کام کے لیے مخصوص ہے۔ دوسری پر اسٹوڈیو ہے اور تیسری منزل پہ تصویریں ڈویلپ کرنے کا
ہے۔ یہاں میری اجازت کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ یہ علاقہ خاص ہے جہاں صرف چیدہ چیدہ لوگوں
رکھنے کی اجازت ہے۔ مجھے اپنے کام کے لیے ایک قابل اعتبار اسسٹنٹ کی ضرورت ہے۔ گو کہ میرا
منٹس، شیڈول اور شعبے سے متعلقہ سازو سامان کا دھیان رکھتی ہے مگر اب کام اتنا پھیل گیا ہے کہ ایک
ڈیولی ناکافی ہوتی ہے۔ میں چاہتی ہوں تم یہ سیٹ سنبھال لو۔ میں تمہیں معقول تنخواہ دوں گی اور ٹائمنگ
اپنی سہولت کے مطابق ایڈجسٹ کر لینا۔"

"مگر میں گھر والوں کو کیا بتاؤں گی۔ میرا مطلب ہے کچھ دنوں میں امتحانات شروع ہونے والے ہیں۔ پھر
بعد کالج چھوٹ جائے گا۔ میں گھر سے کس طرح نکل پاؤں گی۔؟" وہ نیم رضامندی سے گویا ہوئی۔
"کہہ دینا تم یہاں انسٹی ٹیوٹ سے ٹیکنیکل کورس کر رہی ہو اور ادارہ ہنر سکھانے کے ساتھ ساتھ کچھ
وظیفہ بھی دیتا ہے۔"

لیلیٰ شاہ کا دماغ کس قدر شاطر اور برق رفتار تھا کہ ایک منٹ میں مناسب وجہ بھی تلاش کر لی۔ امبرین تو
مطمئن ہو گئی اور دیواروں کی آرائش دیکھنے لگی۔ اس کی نظریں بھٹکتی ہوئی ایک تصویر پر جا رکیں۔ یہ آئل پینٹنگ
تھی۔

جیسے حافظے میں کوئی خاکہ روشن ہوا۔
یہ اتنی جانی پہچانی کیوں لگ رہی ہے۔؟
کہاں دیکھا ہے۔؟
اس نے بھنویں سکیڑ کر سوچا۔
بہت سارے لوگ نارنجی آتشی سورج کو ہاتھوں میں اٹھائے قبر میں دفن کر رہے تھے۔ پس منظر میں
تاریکی اور خوف و ہراس سے دھواں دیتی فضا کا تاثر نمایاں تھا۔ قبر سے کچھ فاصلے پر چند درخت آندھیوں کی زد
بری طرح لرز رہے تھے۔
بڑی عجیب پراسرار اور معنی خیز پینٹنگ تھی۔ دیکھ کر دل و دماغ پر عجیب بوجھل پن اور سراسیمگی طاری ہو
تھی۔

پھر اسے یاد آگیا۔
"یار! میں نے پوری توانائیاں صرف کر کے ایک تاثر ابھارا ہے۔ دعا کرو اس تصویر کو اس کا صحیح قدر دان
جائے۔"
چند سال پہلے کا ایک سین یادداشت کے پردے پر لہرایا۔ ارشین آخری اسٹروک لگانے کے بعد تھک کر
ہو گئی تھی۔ خود کو کاؤچ پر گراتے ہوئے اس نے امبرین کو مخاطب کیا تھا۔
تھوڑی کوشش کے بعد اسے پینٹنگ پر ارشین کا نام اور دستخط بھی نظر آگئے۔
"جس کی نظر پہلی مرتبہ پڑتی ہے وہ اسی طرح ٹھٹکتا ہے لیکن تم تو یقیناً" یہ پہلے بھی دیکھ چکی ہوگی۔ اپنی بہن

کا انہماک ملاحظہ کرتے ہوئے خوبصورتی سے کریدا۔
اس نے گہری سانس لے کر اس کی طرف دیکھا۔ یاد ماضی کی ایک ہلکی سی کسک آنکھوں میں
"اس
گئی تھی۔
آپ ایس پی کی عنایات سے بھیگتی ہوئی یا اس کے ظلم کی آگ میں جلتی ہوئی۔ کیا محسوس کرتی
کتنی زیادتی کی ہے میرے ساتھ۔ آپی! کیا آپ کو کبھی میرا خیال نہیں آیا۔؟) اک آہ بے اختیار دل

نہیں ہے۔ شیری تو یوں بھی کافی لائٹ ہوتی ہے۔ ذرا ذائقہ تو چکھو۔ عادت بھی ہو جائے گی۔"
خوبصورت گلاس میں مشروب انڈیل کر بصد اصرار اسے پلا یا۔
گھونٹوں کے ساتھ ہی اس کی طبیعت مالش کرنے لگی۔ فوراً" کھانسی شروع ہو گئی۔ وہ بے اختیار
مگر پھر آب سرور نے اپنا اصل رنگ جمانا شروع کیا۔ امبرین کو خبر بھی نہ ہوئی وہ دو پیگ پی گئی۔ لیلیٰ
نظروں سے اس کی کارکردگی دیکھ رہی تھی۔
ایک لحاظ سے میرے لیے بہت یادگار ہے۔" لیلیٰ شاہ کی نظریں پینٹنگ پر جمی ہوئی تھیں۔ "یہ میری
ذہن اور میری تکلیف دہ مگر محبوب یادوں کی علامت ہے۔"
نے نظریں موڑ کر امبرین کی طرف دیکھا۔
بہن آج کل کہاں ہوتی ہے۔؟"
بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتی۔" امبرین گھبرا گئی۔ غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز

فہم انداز میں مسکرائی۔
ہے کہ اس کی شادی ایس پی مہران سے اس کی ماں کی مرضی کے خلاف ہوئی ہے اور ایس پی نے اسے
دں میں چھپا رکھا ہے۔"
کچھ سنا تو ہے۔" امبرین گومگو کے عالم میں انگلیاں مسلنے لگی۔
لب ہے ہمارا ڈائریکٹ لنک نہیں ہے ان سے۔"
جان! بتاؤ نا ں ڈائریکٹ لنک۔" لیلیٰ شاہ طمطراق سے مسکرائی اور غور سے امبرین کا چہرہ پڑھنے لگی۔
سمجھی نہیں۔"
ڈگی سب سمجھ جاؤ گی آہستہ آہستہ۔ فی الحال یہ بتاؤ تمہارے اپنی بہن سے تعلقات کیسے ہیں۔ میرا
دائتی بہنوں کی طرح حاسدانہ اور برابری کی سطح کے ہیں یا دوستانہ قسم کے۔؟"
تبسم امبرین کے ہونٹوں پر رقصاں ہو گیا۔
تھے بھی "تعلقات" بھی۔ اب تو بس تماشا رہ گیا ہے دیکھنے دکھانے کو۔ خود تو جو خوار ہوئی سو ہوئی،
کے دروازے پر بھی تالہ لگا گئی۔ برباد دل لیے بیٹھی ہوں اب۔" امبرین کی سپاٹ نظریں دائیں
لیلیٰ شاہ نے ایک پر معنی اور مطمئن نگاہ اس پر ڈال کر سر ہلایا۔ اس کی دائیں ٹانگ مسلسل حرکت

ہوں اب۔ عدنان مجھے لینے کالج کے گیٹ پہ پہنچنے والا ہوگا۔" کچھ دیر بعد وہ گھڑی دیکھ کر گھبرا کر اٹھ

اسے پرتپاک انداز میں رخصت کیا تھا۔

◆◆◆

"میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔ کئی بار اس کی وضاحت کر چکی ہوں۔" نینی نے شال بیگ میں رکھی
"پھر آپ شیخ بانڈہ کیوں جا رہی ہیں اسلام آباد چھوڑ کے۔" سفیان نے سر سے پیر تک بے چینی کی
تصویر بنا ہوا تھا۔
"یوں ہی، آب و ہوا بدلنے کے لیے۔" وہ مسلسل بیگ پر جھکی ہوئی تھیں۔ "مدت گزر گئی چکر لگائے۔ وہ
بارہا اصرار کر چکے ہیں۔ اچھی بات یہ ہے کہ اگلے ہفتے ان کے منجھلے بیٹے کی بارات ہے۔ اسی بہانے شادی بھی
اٹینڈ ہو جائے گی۔"
سفیان پیشانی مسلتا ہوا ہولے ہولے ٹہلنے لگا۔ گاہے گاہے نینی کے سنجیدہ و پرسکوت چہرے کو زدیدہ نظر
سے دیکھ لیتا تھا۔
کوئٹہ کے لیے سیٹ کی بکنگ کل ہی ہو چکی تھی۔ سفیان انہیں ایئرپورٹ تک چھوڑنے جا رہا تھا۔ جانے سے
پہلے نینی نے مہران سے ملنے کی زحمت بھی نہیں کی۔
"بھائی جان سے نہیں ملیں گی؟ وہ بس آتے ہی ہوں گے۔"
بیگ کندھے سے لٹکا کر باہر نکلتے ہوئے سفیان نے انتہائی تعجب سے انہیں دیکھا۔ وہ شال اوڑھ کر گرہ
باندھنے کے بعد خاموشی سے صدر دروازے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔
"نہیں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔
سفیان نے اذیت کی برف قلب پر گرتی محسوس کی۔
(کس کی نظر لگ گئی ہمارے ہنستے بستے خوش و خرم گلشن کو۔) عام حالات ہوتے تو ایسا ہو سکتا تھا؟ نینی جن
صبح بھائی جان کے درشن کے بغیر نہیں ہوتی تھی، جن کا کھانا انہیں سامنے بٹھائے بغیر حلق سے نہیں اترتا تھا،
کی آتی جاتی سانسیں ان کی زندگی سے بندھی تھیں۔ آج کس قدر اجنبیت سے ان کے بارے میں اظہار خیال
کر رہی ہیں۔
اس بار انہوں نے جاتے وقت ناظر کو امور خانہ داری اور دیگر گھریلو معاملات سے متعلق ہدایات بھی نہ
دیں۔ یوں رخصت ہوئیں جیسے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا مسافر۔ نہ پیچھے کی پروا نہ آئندہ واپسی کا خیال و امکان۔
سفیان انہیں ایئرپورٹ چھوڑ کر واپس گھر آیا تو اسے ہر شے سے اداسی اور سناٹا برستا محسوس ہوا۔ یوں لگا،
کسی انجان جگہ پر آ گیا ہو۔ کیا یہ وہی آفریدی ہاؤس ہے؟

ہنگاموں کا مرکز۔
شرارتوں کا گڑھ۔
قہقہوں کا سنگم۔
خوشیوں کا گہوارا۔

یوں لگتا ہے اس کے چپے چپے میں کوئی آسیب آ بسا ہو۔
مہران کی جیپ پورچ میں کھڑی تھی۔ گویا آفس سے آ چکا تھا۔
بنا کسی ارادے کے بلاوجہ سفیان کے قدم اس کے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔
"خواہ مخواہ کی ضد یا بحث سے کچھ حاصل نہیں نازش۔ میں نے بتایا ناں ابھی آپ اس سے نہیں مل سکتیں۔
جہاں بھی ہے، زندہ ہے، خوش ہے۔ فی الحال میں آپ کو اس کے پاس نہیں لے جا سکتا۔"
دروازے کے باہر ہی سفیان کے قدم ٹھٹھک گئے۔ مہران غالباً فون پر نازش سے مخاطب تھا۔
"میں آل ریڈی ٹینس ہوں۔ میری تکلیف کو اور مت بڑھائیں۔ نینی کا رویہ دیکھتا ہوں تو اپنے آپ
سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ جی چاہتا ہے خود کو شوٹ کر لوں۔" مہران کا لہجہ شکستہ تھا۔
"کیا مل گیا اپنی منوا کر تمہیں۔" وہ بہت تھکے تھکے انداز میں کہہ رہا تھا۔ "نہ خود بس سکیں، نہ ہمیں
بسنے دیا۔ زندگی ایک بے
پائیں اور نہ میری ذات کو کوئی سکھ مل سکا۔ فقط خواہ مخواہ کی خواری۔ حاصل وصول کچھ نہ

...تھی تم نے بھٹکا کر جانے کہاں پہنچا دیا۔ اب تو اپنی پہچان بھی مشکل ہو گئی ہے۔"
...ری کی آواز ختم ہو گئی۔ گویا فون رکھا جا چکا تھا۔
...بدبانوں کی سوچوں کے حصار میں چکراتا دستک دے کر اندر آ گیا۔ مہران بیڈ کی پشت سے سر ٹکائے
...عجب سی
...ر کو گھور رہا تھا۔
...نظروں کا زاویہ بدلا۔
...چلی گئی ہیں بھائی جان۔" اچانک کچھ نہ سوجھا تو وہ تمہید کے طور پر یہی بات لے بیٹھا۔
...ناظر نے بتا دیا تھا۔" مہران اس سے نظریں ملائے بغیر آہستگی سے گویا ہوا۔ کچھ دیر تک سناٹا شور
...

...سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔" معاً کمرے کے سکوت میں مہران کی دھیمی آواز ابھری۔
...کون گئے تھے؟" مہران اس سے نظر ملانے سے بدستور گریز کر رہا تھا۔
...سفیان نے گہری سانس لے کر اعتراف کیا۔ اس نے بھی نظر جھکا لی تھی شاید بڑے بھائی کا شرمندہ اور
...دیکھنے کی تاب نہیں تھی۔
...سے ملے تھے؟"

...سب کچھ جان بھی گئے ہو گے۔ آ کر مجھ سے پوچھا کیوں نہیں۔ نینی سے کیوں نہ کہہ دیا۔"
...آپ کی طرف سے "پہل" کا منتظر تھا۔" سفیان نے نگاہ اٹھائی۔ "بھائی جان، جو کچھ ہوا اسے نرم سے
...افسوس ناک ہی کہا جا سکتا ہے۔ میں آپ سے عمر اور عقل دونوں میں چھوٹا ہوں۔ شاید آپ میری
...ت میں مداخلت قرار دیں لیکن میں آپ سے درخواست کروں گا کہ ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی نہ
...تایا کو گھر لے آئیں۔ انہیں ان کا جائز مقام دیں۔ نینی کے ذہن اور جذبات کو جو شاید جھٹکا لگا ہے
...ان کا ردعمل فطری امر ہے لیکن بہرحال وہ ایک ماں ہیں۔ نرم مزاج اور محبت کرنے والی خاتون ہیں۔
...پتھر نہیں بن سکیں گی۔ موم ہو جائیں گی۔"
...سے اٹھ کر وارڈروب ٹٹولنے لگا۔
...بچے ہو۔ معاملے کی بہت سی پیچیدگیوں سے ناواقف ہو۔ حقیقت صرف وہی نہیں ہوتی جو سنائی
...دینے اور محسوس کرنے والی چیزیں بھی حقیقت کہلاتی ہیں۔"
...تک چلے گا بھائی جان۔" سفیان اتنا سیریس اور متفکر کبھی نظر نہیں آیا تھا۔
...اس وقت نینی کی ناراضگی سے بڑھ کر اہم کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"
...نکال کر باتھ روم کی طرف بڑھا۔ گویا گفتگو ختم کرنے کا اشارہ دیا ہو۔ سفیان آزردہ خاطر، مکدر طبیعت
...سے نکل آیا۔
...سے بات کروں گا۔ شاید مل بیٹھ کے کوئی مناسب حل نکل ہی آئے۔" اس نے دل میں ٹھان لی۔

◆ ◆ ◆

...شروع ہو چکی تھیں۔
...اور گونگی بوا کے جمع شدہ میلے کپڑوں کی چھوٹی سی گٹھری باندھ کے "سوئے" لے آئی تھی۔
...آنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی کہ تین چار جوڑے تھے۔ گھر نلکے پہ بھی دھل سکتے تھے مگر
...یکسانیت میں لپٹی خاموش فضا سے فرار حاصل کرنے اور نیا تجربہ کر کے دھیان بٹانے کی غرض سے وہ
...تھی۔
...ہونے کے لیے اس نے جو کنارہ منتخب کیا تھا وہ عام گزرگاہ سے قدرے ہٹ کر اور ویران سا تھا۔
...کے بیچ کہیں کہیں لگے درختوں کا سبزہ، پہاڑی نیلے اور ان پہ بچھی زرد خشک جھاڑیوں کے جھرمٹ

اور دفاع کی غرض سے انیس سو پینسٹھ کی جنگ میں بنائے گئے مٹی کے پرانے مورچے لال نیلے رنگ پائپوں پر مشتمل سوئے کے اطراف کا حسن دوبالا کر رہے تھے۔ پہاڑی ریتلے ٹیلے سے کچھ پرے پانچ پاس ایک خستہ حال پل بھی تھا جو اب استعمال نہیں ہوتا تھا۔ پل کے نیچے سرنگ سی بنی ہوئی تھی جہاں بھینسیں آرام کر رہی تھیں۔

دن ڈھلنے کے ساتھ سورج کی تیکھی عمودی شعاعیں خود بخود نرم اور ترچھی ہو گئی تھیں۔ ان کی تمازت ٹھنڈے شفق رنگ اجالے میں تبدیل ہو گئی تھی۔

وہ اپنے دھیان میں قمیص پر صابن کی ٹکیہ رگڑ رہی تھی جب ریتلے ٹیلے کے پیچھے سڑک سے گزرتی ہوئی جیپ کا انجن اچانک خاموش ہو گیا۔

اس نے ہاتھ سے جھاگ اتارتے ہوئے مصروف انداز میں سر اٹھایا اور پھر پتھر کی ہو کر رہ گئی۔

ہلکے آسمانی مردانہ شلوار قمیص میں پشاوری چپل پہنے مہران بے تکلف اور گھریلو سے حلیے میں نہر کے کنارے کی طرف آ رہا تھا۔ چند لمحوں میں وہ اس کے مقابل تھا۔

شیو بڑھی ہوئی، سبز آنکھوں کے نیچے حلقے، گلابی صحت مند رخساروں کی ماند پڑتی چمک اور ذہنی انتشار کی مضطربانہ کیفیت۔ یہ روپ، یہ انداز ارشین کے لیے قطعی غیر متوقع اور ناقابل یقین تھا۔

(ایسا کیا ہو گیا اس لوہے کے بنے انسان کے ساتھ۔)

"السلام علیکم۔" اس کے قریب آنے پر ارشین نے آہستگی سے کہا۔ مہران نے سر ہلایا اور ایک تنقیدی نظر اس پر ڈالی۔

"کپڑے گھر پہ بھی دھوئے جا سکتے تھے۔" اس نے حسب سابق پتھریلے انداز میں "آغاز" کیا۔

"جی۔" اس نے گہری سانس لی۔ جب اعتراض برائے اعتراض کسی کی عادت بن جائے تو بحث و تمحیص سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

"بس تھوڑے سے رہ گئے ہیں۔ آپ گھر چلیں۔ میں آتی ہوں۔"

لیکن وہ جانے کے بجائے سوئے کے کنارے پر عین ارشین کے سامنے بیٹھ گیا اور ایک ہاتھ پانی میں ڈال کر چیک کیا۔ پانی خاصا سرد تھا۔ اس نے ارشین کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ انگلیوں کی پوریں سرخ ہو رہی تھیں، ہتھیلیوں کے کنارے لٹھے کی طرح سفید پڑ گئے تھے۔

"یہ تو اچھا خاصا سرد ہے۔" اس نے ہاتھ نکال کر ارشین کی طرف دیکھا۔

"تم کیسے کپڑے دھو رہی ہو اس سے۔؟"

ارشین کے ہونٹوں پہ مضمحل مسکراہٹ تیرنے لگی۔

ہم تو بہت سے دوسرے ایسے کام بھی اب کر رہے ہیں، جو پہلے کبھی نہیں کیے تھے۔ کیا کریں برداشت میں بھی لوہے کا چنا بنتے جا رہے ہیں۔

مہران باقاعدہ و بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سوئے کے چکنے کنارے پر پلاسٹک شیٹ بچھائے، دیہات کی دوسری عورتوں کی طرح دوپٹے کو سر پہ منڈھ کے دونوں سروں سے پیچھے کی طرف گرہ لگائے، آستین چڑھائے چھپا چھپ کپڑے پر ہاتھ مار رہی تھی۔ سورج کی نارنجی گلابی کرنیں اس کے خوبانی جیسے سنہری رخساروں پر لالیاں بکھیر رہی تھیں۔ اس نے وہی سبز کپڑے پہن رکھے تھے جو گھس گھس کر کثرت استعمال کے باعث اصلی رنگ و چمک کھو چکے تھے۔

"تم تو پکی دیہاتن لگ رہی ہو۔" مہران بے اختیار مسکرا دیا۔ یہ اس کی پہلی سادہ سی مسکراہٹ تھی جس میں تحقیر و تنفر کا "تڑکا" شامل نہیں تھا۔

ارشین نے خود پہ نگاہ دوڑائی پھر جھینپ کر سر پہ منڈھا دوپٹہ کھول کر اچھی طرح آگے کی طرف کندھوں پہ لیا۔ "تم غالباً" اس مقولے پر عمل کر رہی ہو کہ روم میں رہ کے وہی کرو جو رومن کرتے ہیں۔"

[ار]شین نے فوراً انکار میں سر ہلا دیا۔ "ایک ساتھ، ایک جگہ رہنے سے رہن سہن یا لباس و انداز [میں] ہم رنگی پیدا ہو سکتی ہے مگر سوچ اور عقائد میں یکسانیت نہیں آ سکتی۔ ان لوگوں کے عقائد بہت [سی] صدیوں سے اندھا دھند غیر شرعی اور غیر منطقی روایات کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ علم سے [...] ذہنوں میں اتنی تاریکی بھر دی ہے کہ بعض اوقات یہ جگہ افریقہ کے تنگ و تاریک سیاہ جنگلوں کا کوئی گم [شدہ حصہ] معلوم ہوتی ہے۔ شاید آپ کو خبر ہو یہاں ایک مقام ہے، جو بقول ان کے سانپوں کے بادشاہ "گگا پیر" کی [...] اس مخصوص جگہ کو بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ گگے پیر کی اہمیت کسی ولی بزرگ یا برگزیدہ ہستی [سے کم] نہیں ہے۔ گاؤں کے لوگ اسے خوش کرنے کے لیے چڑھاوے کے طور پر سویاں اور دیگر نذر نیاز لے کر [جاتے ہیں۔] ان کا عقیدہ ہے کہ اس طرح گگا پیر انہیں اور ان کے مویشیوں کو سانپ کے ڈسنے سے محفوظ رکھتا [ہے۔ اگر] کسی کے گھر میں سانپ نکل آئے اور اسے ڈس لے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گگا پیر اس سے ناراض [ہے] اور سزا کے طور پر سانپ کو بھیجا گیا تھا۔ جواباً وہ شخص سویاں یا کوئی میٹھا پکا کر اگلے دن پیر صاحب کی [درگاہ پر] حاضری دینے کا پابند ہو جاتا ہے۔"

"[...] نہیں۔" مہران کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔

"[اس] کے علاوہ گھروں کے کچھ مخصوص کونوں، دیواروں اور قدیم درختوں کے تنوں میں یہ لوگ باقاعدگی سے [دیے جلاتے] ہیں تاکہ ان جگہوں پر ڈیرہ ڈالے جنات و بلیات کے شر سے محفوظ رہیں۔ اگر کسی دن اگربتی نہ [جلائی جائے] تو بقول ان کے جن اور چڑیلیں ناراض ہو کر نقصان پہنچاتی ہیں۔"

"[...] توبہ۔"

"[...] یہاں ایک "بھوتوں کا ڈیرہ" بھی ہے جہاں بھوت، چڑیلیں اور دیگر آسمانی آفات مل کر رقص و [موسیقی کی م]حفل منعقد کرتے ہیں۔" ارشین مسکرائی۔

"[...] کے مخصوص احاطے میں قدم رکھے گا وہ جل کر راکھ ہو جائے گا۔ ایسا ایک سانحہ گونگی بوا کے بیٹے کے [ساتھ بھی ہو چکا] ہے۔"

"[...] وقت نکال کر آیا تو اس ڈیرے کا جائزہ لوں گا۔ خبر تو ہو کس قسم کے "فنکار جن" محفلیں سجاتے ہیں۔ [...] تم نہیں ہوا؟ چھوڑو باقی رہنے دو۔ یوں بھی دھوپ ختم ہونے کو ہے۔ گھر چلتے ہیں اب۔" مہران نے [...] اس کا دایاں بازو گرفت میں لے لیا۔ پانی کے ٹھنڈے ٹھنڈے بہت سے قطرے ارشین کی کلائی سے [...] کی چوڑی ہتھیلی میں جذب ہو گئے۔ اس ٹھنڈک میں بھی اک آنچ تھی جس نے آپس کے لمس کو [...] تھا۔

[...] نے تیزی سے کلائی سے کچھ اوپر کے حصے کو اس کی دباؤ بڑھاتی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔

"[آپ] چلیں میں آ رہی ہوں۔" اس کی جھکی پلکیں لرز گئیں۔

"[...] چلتے ہیں۔" اس کا انداز اور لہجہ قطعی تھا۔ پھر اس نے اچانک اس کی کلائی چھوڑ دی اور کھڑا ہو گیا۔ "[...] فاصلہ مجھے رات ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے نکلنا ہے۔" وہ جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

[...] نے دھلے ہوئے کپڑے نچوڑ کر ایک بالٹی میں ڈالتے ہوئے غور سے اس کی گرفت سے نکلنے والے بازو [کو دیکھا۔] شفاف جلد پہ انگلیوں کے دباؤ اور سختی سے سرخیاں سی پھیل گئی تھیں۔ بازو کا وہ حصہ سلگتا [ہوا محسوس] ہو رہا تھا۔

[...] پلاسٹک شیٹ احتیاط سے اٹھا کر جھاڑنے کے بعد اس نے تہہ کر کے بالٹی میں رکھ لی پھر [...] جیپ کے پاس آئی۔

[...] سے اگلا دروازہ کھول دیا مگر وہ متذبذب کھڑی رہی۔

[...] وہی بیٹھے گی جو صحیح معنوں میں ذات اور حیات کی شریک ہو گی۔" ماضی میں چھوڑے ہوئے [...] تیر اس کی یادداشت میں پیوست ہو گئے تھے۔

"بیٹھتی کیوں نہیں ہو۔" وہ برہم ہوا۔

"آپ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیں۔ میری اتنی اوقات نہیں ہے کہ آپ کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھوں" اس نے بہت سکون سے کہا۔ مہران کو کچھ یاد آگیا۔

"کبھی کبھی ہم گھر آئے مہمان کے لیے سب سے اچھا بیڈ روم سیٹ کر کے دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ مستقل مالک بن بیٹھا ہے۔ اخلاق و مروت کی وجہ سے ایسا کرنا پڑ جاتا ہے۔ تم بھی یہی سمجھ لو۔" وہ تلخ لہجے میں مخاطب ہوا۔

"آپ میرے معاملے میں اخلاق و مروت نہ برتیں۔ کیوں خود پہ جبر کرتے ہیں۔" ارشین اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہلی اور بدستور پچھلے دروازے کے کھلنے کا انتظار کرتی رہی۔

مہران نے دانت بھینچتے ہوئے غضب ناک ہو کر اس کی سمت دیکھا۔ اگلے لمحے زوردار آواز کے ساتھ فرنٹ ڈور بند کیا اور جیپ اسٹارٹ کر کے زناٹے سے نکل گیا۔

وہ شرمندگی و خجالت کی دھند میں لپٹی کھڑی دیکھتی رہ گئی۔ نہ حیثیت دیتے ہو، نہ زندگی سے خارج کرتے ہو۔ پھر یہ "بین بین" بھی کیوں۔ کسی کنارے پہ کیوں نہیں لگنے دیتے۔

وہ بڑی مشکل سے اپنے قدموں کو واپسی کے لیے آمادہ کر پائی تھی۔ جی تو چاہ رہا تھا لوٹنے کے بجائے پیچھے چلی جائے۔ دور بہت دور ماضی اور حال کے ہر ٹانکے کو ادھیڑ کر۔

◆◆◆

"امبرین! ابھی کہاں غائب ہو جاتی ہو تم۔ کتنے دنوں سے ڈھونڈ رہی ہوں۔ تمہیں ایک راز کی بات بتانا تھی۔" آڈیٹوریم کے پیچھے شہتوت کے درخت سے ٹیک لگائے سنسان سے لان کے گوشے میں نیم دراز امبرین کے پاس بیٹھتے ہوئے فاریہ نے دوستانہ خفگی کا اظہار کیا تھا۔

"کہو، کون سا راز افشا کرنا چاہتی ہو۔" سرخ آنکھوں، بکھرے بالوں اور قدرے مسلے ہوئے یونیفارم میں ملبوس امبرین نے ہاتھ میں پکڑی بوتل کا ڈاٹ لگا کر سائیڈ پہ رکھ دی۔

"یہ کیا پی رہی ہو۔؟" معاً فاریہ کی نظر بوتل پہ لگے ٹیگ پر ٹک گئی۔

"پڑھ سکتی ہو تم۔" امبرین کا اطمینان، بے پروائی بلکہ ڈھٹائی قابل دید تھی۔ گویا وہ ہر قسم کی تادیب و تنبیہ اور تفتیش و انجام سے بے فکر ہو چکی تھی۔

"یہ کہاں سے لی تم نے۔ اتنی مکروہ اور گندی چیز۔" فاریہ کی سانسیں حلق میں اٹکنے لگیں۔ "وادکا" کا لیبل صاف پڑھا جا سکتا تھا۔ کیا دیدہ دلیری تھی کہ کالج میں بیٹھ کے پی رہی تھی۔ ٹھنڈے پانی کی ایک فلاسک گھاس پر رکھی ہوئی تھی۔

"تمہیں پوچھنے اور تحقیق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جس کام سے آئی ہو وہ کہو۔"

"کسی نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا امبرین۔ کچھ تو سوچو۔ یہ درسگاہ ہے۔ ایک تعلیمی ادارہ ہے۔ یہ غلاظت کس نے تمہیں لا کر دی ہے۔" فاریہ بے طرح گھبرا گئی تھی۔

امبرین نے اطمینان سے بوتل بیگ میں ڈال لی۔

"اب کہو اور مری کیوں جا رہی ہو یار۔ قیامت تو نہیں آگئی۔"

"اور قیامت کیا ہوگی۔" فاریہ کے حواس قابو میں نہیں آ رہے تھے۔

"میں تمہیں پہلے بھی کہتی آئی ہوں کہ ثنا گروپ سے ہوشیار رہو۔ یہ اچھی لڑکیاں نہیں ہیں۔ ان جیسی لڑکیوں کا اپنا تو کوئی کیریکٹر ہوتا نہیں ہے البتہ شریف لڑکیوں کے کردار کو داغدار کرنے میں کمال کی شہرت رکھتی ہیں۔ تمہارا ان سے بڑھتا ہوا میل جول تمہیں تباہ و برباد کر دے گا امبرین۔ ابھی بھی وقت ہے۔ سوچ لو اور باز آ جاؤ۔" فاریہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھی۔

"اونہہ، سن لیا اور سمجھ بھی لیا۔ اپنی کہو اب تم۔" امبرین نے ہاتھ ہلا کر جیسے مکھی اڑائی۔ فاریہ افسوس…

… دوست ہونے کے ناتے سمجھا ہی سکتی تھی زبردستی احکام تو لاگو نہیں کر سکتی تھی۔ نہ منوا سکتی تھی۔ اب جس طرح امبرین اس سے کٹ کر اکھڑی اکھڑی اور دور دور رہنے لگی تھی اس نے دوستی کے … مضبوطی اور استحقاق کی جڑوں کو کمزور بنا دیا تھا۔ تعلقات میں بے تکلفی کے بجائے جھجک اور … آ گئی تھی۔

"… آفریدی کو جانتی ہو ناں تم۔ وہی جن کی امی ارشین آپی کی کولیگ ہیں۔ اتفاقاً" وہ ہماری جاننے والی نکل … آنا جانا ہو گیا۔ امی بتا رہی تھیں انہوں نے سفیان کے لیے بات کی ہے۔ بات پکی کرنے کے لیے انہیں … آنا تھا مگر پھر وہ اچانک ہاسپٹلائز ہو گئیں۔ آج کل کوئٹہ گئی ہوئی ہیں۔ واپسی پر فائنل ہوگا۔"

… جھکا کر ہونٹوں پہ در آنے والی خوبصورت مسکراہٹ روکی۔ وہ امبرین کے بھسم کر ڈالنے والے … نہ دیکھ سکی تھی۔

"… نہیں اس کو تم۔ کوئی ڈھنگ کا بندہ نہ چھوڑنا۔ چیل کی طرح جھپٹ لیتی ہو تم میسنی گھنی، مشرقی … بن صاحبہ ایک چھوڑ دو۔ دو تین کو گانٹھ میں باندھ کے لے گئیں۔ جو بچا اس پہ تم دعویدار بن … خوب نصیب ہی ایسے ہیں اپنے۔ کیا کیا جائے۔" اس نے دانت پیسے۔

"… بھی نہیں۔" فاریہ ہکا بکا اس کا اشتعال آمیز انداز ملاحظہ کر رہی تھی۔

"بے وقوف کسی اور کو بناؤ بی بی۔ دوغلا پن اوڑھ کے فن کاری کے جوہر دکھا کے لڑکوں کو الو بنا کے … گھٹیا کردار کی گھٹیا لڑکیاں۔ آخ تھو۔" امبرین نے ایک طرف تھوک دیا۔

… رنج کے فاریہ کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔

"اپنے ہوش میں نہیں ہو یقیناً۔" فاریہ نے خوف و دہشت سے کانپ کر کہا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی …

"یہ سب اس ام الخبائث کے استعمال کا نتیجہ ہے۔ میں ارشین آپی سے بات کروں گی۔ یقیناً" وہ اس … لاعلم ہوں گی۔

… ہوئی۔ امبرین کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔

"… کرنا اپنی چہیتی ارشین آپی سے بات۔ اب تو ایک چھت تلے رہو گی دونوں۔ مجھے لوٹ کے خالی کرنے … لوگوں کی جھولی بھی ہمیشہ خالی رکھے، کوئی سکھ نصیب نہ ہو زندگی میں۔"

… آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ بھل بھل آنسو رخساروں پہ بہنے لگے پھر اس نے دانت کچکچا کر حق … فاریہ کی طرف دیکھا۔

"… کم اس کی دیورانی بن جاؤ گی گویا، ہونہہ، سفیان، مائی فٹ۔" احساس ذلت کی تیز آنچ نے امبرین کی … آنکھیں سیال بہا دیا تھا۔ آنکھوں میں وحشت اور دیوانگی کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ فاریہ کو … جا رہی ہیں کہ امبرین ڈھے کر نیچے گرنے والی ہے۔

"… دیورانی۔؟" اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ مہران بھائی کی تو ابھی شادی ہی نہیں ہوئی۔ سنا … ارشین و جمیل ایس آئی سے رشتے کی بات چل رہی ہے۔

"… ارشین آپی کی۔" وہ چبا چبا کر بولی۔

"… شرف ملاقات نہیں بخشا کیا۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔

"… آفریدی، بیگم مہران۔ اب تو جانے کتنے ماہ گزر چکے ہیں یہ معرکہ سر کیے ہوئے۔ کیا تفصیل نہیں … صاحب نے۔"

"… سمجھ میں نہیں آ رہا۔" فاریہ نے بے بسی سے سر تھام لیا۔

"… بتانا بھی تو نہیں ہے۔ مدتوں سے ہماری آپس میں بات چیت نہیں ہوئی۔ ارشین آپی کے بارے میں … علم ہے کہ کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر وہ کالج چھوڑ کر جا چکی ہیں۔ میں نے خیال کیا شاید بحیثیت

آرٹسٹ کے مصروفیات بڑھ جانے کے سبب جاب چھوڑی ہے۔ تمہارے گھر گزشتہ ایک سال سے آنا نہیں ہوا
دراصل آنٹی کے سرد اور تلخ تاثرات نے مجھے دوبارہ جانے سے روک دیا تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ مجھے بالکل
بھی پسند نہیں کرتیں۔ حالانکہ بیچ میں کئی بار میرا دل چاہا کہ میں ارشین آپی سے ملوں۔ ان کی خیر خبر دریافت کروں
مگر پھر تمہارے الجھے ہوئے بیزار و بیگانہ رویے نے مجھے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ فون نمبر تمہارے بابا جان تبدیل
کروا چکے ہیں۔ نیا نمبر دینے کی تم نے زحمت نہیں کی اور میں نے پوچھا نہیں کہ خودداری آڑے آجاتی تھی۔"

"اب بھی مت پوچھو۔ جاؤ اپنی راہ لو۔" وہ اکل کھرے انداز میں گویا ہوئی۔

"مہران بھائی کی کوئی بیگم نہیں ہیں، کم از کم آفریدی ہاؤس میں۔ ہمارا آئے روز کا آنا جانا ہے وہاں، ہوتی تو نظر آجاتی۔"

فاریہ بے چاری معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے روہانسی ہو رہی تھی۔

"مکھی بنا کر چپکا دیا ہوگا کہیں۔" امبرین نے ہذیانی انداز میں قہقہہ لگایا۔ "جادوگروں کا ٹولہ ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

"امبرین! خدا کے لیے خود کو سنبھالو۔ کیوں پاگلوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔" طبعاً مخلص و مہربان فاریہ انتہائی رنجیدگی سے اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔

لا پلا دے ساقیا پیمانہ، پیمانے کے بعد
ہوش کی باتیں کریں گے، ہوش میں آنے کے بعد

امبرین گنگنائی۔

"ارے ان عیاش امیرزادوں کے بڑے ٹھکانے ہوتے ہیں بھولی شہزادی۔ لے گیا ہوگا کسی خفیہ رہائش گاہ پر۔ ماں سے چھپ کے بیاہ رچایا تھا۔ کچھ تو کرنا ہی تھا رازداری نبھانے کے لیے۔"

"نینی آنٹی اس شادی سے بے خبر ہیں؟ یہ کیا معمہ ہے۔" آواز بے یقینی سے چور چور تھی۔

"یہ معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔" امبرین ترنگ میں آگئی۔

"جاؤ اب یہاں سے، سر نہ کھاؤ میرا۔ میرے وجود کا رواں رواں آگ اگل رہا ہے۔ کہیں تم بھی اس آتش فشاں کی لپیٹ میں نہ آجاؤ۔"

"مہران بھائی اور ارشین آپی کی شادی، ناممکن۔ میں آج ہی فون پر سفیان سے تصدیق کرتی ہوں۔" فاریہ کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔

☾ ☾ ☾

"ایک، دو، تین، چار، پانچ، آہ۔ جانے کتنے لاتعداد مہینے ہو گئے کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کیے۔"
سفیان نے ٹھنڈی سانس لے کر انگلیوں پہ گنا تھا۔

"ہوٹلنگ، لانگ ڈرائیو، پکنک، فنکشن۔ کتنے اجنبی لگتے ہیں یہ الفاظ۔" ٹھنڈی سانسیں لینے کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔

"بھلا آخری دفعہ کب گئے تھے ہم باہر۔" اس نے بھنڈی کا مسالہ بھونتے کچن میں مصروفِ عمل ناظر سے دریافت کیا۔

"کون سے باہر؟" ناظر نے چمچہ گھماتے ہوئے بے دھیانی سے پوچھا۔

"وضاحت فرمائیے۔ حوالات سے، ملک سے یا گھر سے باہر۔"

"ذرا سوچو تو ناظر! کتنا دردناک تصور ہے۔ آفریدی ہاؤس میں سیر و تفریح پر نامعلوم مدت کے لیے پابندی لگ چکی ہے۔ آخر کب ہنسیں گے ہم کھل کر، منہ پھاڑ کر اور پورے دل سے۔"

"ہم نہ ہنسیں گے تو کوئی ہم پہ ہنس لے گا بھیا۔" ناظر نے احتیاط سے دیگچی پہ ڈھکنا سیٹ کیا۔ "یہی دستور ہے۔"

...، کریلے اور ٹنڈے کا بھرتا کھلاتے رہتے ہو روز۔ کبھی تو مینیو بدل لیا کرو۔" سفیان نے برا سا منہ بنا کر پکتی بھنڈی کے سالن کی طرف دیکھا۔

... زردہ، چکن کڑھائی، بریانی، قورمے کا دور کب آئے گا اس گھر کی تاریخ میں۔ کچھ تو نیا پن ہونا چاہیے ...

... آپ کی برات اور ولیمے پر مل جائے گا۔" ناظر بے نیازی سے بولا۔ "تب تک سبزیوں پر گزارا کریں۔"

... میں ہلاک ہو جاؤں گا اس نباتاتی تشدد سے۔" سفیان نے چلا کر اعلان کیا۔

... ابھی "بڑے صاحب" کا بارات ولیمہ تو خیر خیریت سے نپٹ جائے۔ حالات کی ڈور ایسے پھنسی ہے کہ ہمارا نام لسٹ میں درج ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔"

... ہو جائیے۔ نینی ایک دن کہہ رہی تھیں، مہران اپنی ضد پہ اڑا رہا تو میں سفیان کی پہلے کر دوں گی۔ گھر ... بھلے سے چھوٹی سہی اور اب تو ویسے بھی آپ کے لیے آصف صاحب کی بیٹی پسند کر لی گئی ہے۔ دیکھ ... بی بی شیخ باندہ سے واپسی کے فوراً بعد آپ کی منگنی کی تیاریاں شروع کر دیں گی۔"

سفیان کا چہرہ یک لخت تاریک ہو گیا۔

... ہوں گی وہ اس وقت، کب آئیں گی واپس اور جانے آئیں گی بھی یا۔۔۔"

... کی باتیں مت کریں سیفی میاں!" ناظر نے بات کاٹ کر ڈانٹا۔

... بھلا کیوں نہیں۔ ان کا گھر ہے، بچے ہیں، مالکن ہیں وہ یہاں کی ہر چیز کی۔"

... ملکیت کو ٹھیس لگ جائے تو مالک ہونے کا فخر و غرور جاتا رہتا ہے۔" وہ یاسیت سے بولا۔

... پہنچانے کا یہ عظیم کارنامہ "بڑے صاحب" نے سرانجام دیا ہے۔" سفیان کوشش کے باوجود طنز ... روک سکا۔

... جواب دینے کا موقع نہیں مل سکا۔ فون کی گھنٹی نے اس کی توجہ بٹا دی تھی۔

... بڑی عمر ہے صاحبزادی کی۔ ابھی ان ہی کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔" ناظر خوشگوار موڈ میں لاؤنج سے لوٹا۔

... بی بی ہیں۔ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" ناظر نے دانت نکالے اور چھیڑ خانی کے سے انداز میں آنکھ ...

... کے دماغ میں فاسد خیالات کا ڈھیر جمع ہو گیا ہے۔ بہتر ہوگا، اس کی صفائی کروا لیں۔ خوامخواہ شریف ... پر انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ شرفاء کی پگڑیاں اچھالنا کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔"

... خفت مٹانے کو ایک ہاتھ اسے جڑا اور بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا لاؤنج میں آگیا۔

... ہاتھ میں لے کر وہ آرام دہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

... السلام علیکم یا عزیزی، کیف حالک۔"

... السلام۔ آگے کیا بولا ہے، سمجھ میں نہیں آیا۔" فاریہ حیران ہوئی۔

... میری عربی پنکچر ہو گئی ہے ورنہ زبان دانی کا مزید مظاہرہ کرتے۔" سفیان نے کان کھجا کر کہا پھر ...

... آپ کو شرمندہ ہونے کی۔ اتنی سی عربی نہیں آتی۔ کیا بنے گا بوقت رخصت۔"

... شرمندگی کا اظہار کیا۔

... رخصت؟" وہ اچنبھے سے بولی۔

... آخری بار رخصت۔ جس کے بعد قبر میں ہر بندہ بشر کو منکر نکیر کے تین سوالوں کا جواب دینا ہوتا ہے۔ ... گنجائش نہیں۔ ایک جواب بھی غلط ہوا تو امیدوار فیل ہو کے جہنم کی اے کلاس میں پہنچا دیا جائے گا۔

یہ سوال و جواب عربی زبان میں ہوتے ہیں۔ تم تو ہو گئیں پکی پکی فیل۔"
"توبہ ہے۔" فاریہ جھلا کر بولی۔ "سچ ہے۔ آپ کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔"
"اے لڑکی! تم اونٹ جیسی بے ڈھب چیز سے مجھ معصوم کا موازنہ نہ کرو۔" سفیان خفگی سے بولا۔
"ہاں، واقعی۔ اونٹ برا مان جائے گا۔" اس نے تسلیم کیا۔
"تم نے گوش گزار نہیں کیا کہ فون کیوں کیا ہے اپنے ہونے والے منگیتر کو۔ تمہاری جگہ میں شرم سے لال
جا رہا ہوں۔"
"منہ اچھی طرح دھو کے رکھیے۔" وہ کچھ شرمائی اور کچھ ناراض ہوئی۔
"ٹھیک ہے۔ ہم دھو لیتے ہیں بلکہ سج بن کے بیٹھ جاتے ہیں۔" سفیان ہنسنے لگا۔ "آپ بھی لال جوڑا زیب
کر لیں۔"
"اور جب تک میں گلی سے کسی باریش آدمی کو پکڑ لاتا ہوں۔" پاکٹ ریڈیو پر ایف ایم ٹیون کرتے ناظر نے
آکر اطمینان سے دخل در نامعقولات کیا۔
"بھئی، شادی کی رسم کو حتمی شکل تو مولوی صاحب ہی دیتے ہیں ناں۔" سفیان کے کھسیا کر گھورنے پر وہ
نکالنے لگا۔
"لو، آ گیا آدم و حوا کی جنت میں ایک شیطان۔" اس نے مایوسی سے فاریہ کو اطلاع دی۔
"آپ کچھ دیر کے لیے باہر دفع مریں۔ یہاں نہایت سنجیدہ قسم کی رومینٹک گفتگو ہو رہی ہے۔"
"پھر تو ظالم سماج کا درمیان میں رہنا بے حد ضروری ہے۔ از روئے فلمی قواعد۔" ناظر نے ڈھٹائی کا ثبوت
کرتے ہوئے سامنے کی نشست سنبھال لی۔
"اس کے بغیر فلمی کہانی مکمل نہیں ہو سکتی۔" ناظر نے مزید ارشاد کیا۔
"میری بات سنیں سفیان بھائی، پلیز۔ میں نے بہت مجبور ہو کر آپ سے رابطہ کیا ہے۔ خدا کے لیے
ہو جائیں کچھ دیر کے لیے۔"
"سفیان بھائی؟ لاحول ولا قوۃ۔" وہ لال پیلا ہونے لگا۔ "تمہارا بھائی ہوگا اظہر، ناظر یا اسی جیسا کوئی اور
سن لو بی بی! میرا نام سفیان ہے۔ مجھے آئندہ اسی نام سے لکھا اور پکارا جائے۔ زیادہ سے زیادہ تم سفی کہہ سکتی ہو
سے اور یہ "آپ" کیا ہوتا ہے۔" اس نے جھڑک کر پوچھا۔
"بھائی کہہ دیا ہونے والی شریک حیات نے۔ ہو، ہو ہو۔" ناظر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ "یہ عزت رہ گئی ہے
کی، اندازہ کیجیے۔ چہ چہ چہ۔ اور "آپ" ہوتا ہے ایک گدھا، سفیان نام کا۔"
"ناظر! ناظر! تم یقیناً میرے ہاتھوں قتل ہونا چاہتے ہو۔ کہاں ہے بھائی جان کا سروس ریوالور۔ اس سے
کہ میرا قاتل بننے کا موڈ بدل جائے، فوراً سے پیشتر حاضر کر دو۔" سفیان نے ٹیبل پر ہاتھ مارا۔ "یہ باہمی
جدل کا شوق بعد میں پورا کر لیجیے گا۔ میری بات سن لیں پہلے۔" فاریہ کا لہجہ سنجیدہ ہوا تو سفیان بھی چھیڑ خانی
کر کے سنجیدہ ہو گیا۔
"ہاں کہو میں سن رہا ہوں۔"
"کیا مہران بھائی کی شادی ہو چکی ہے؟" سنگین سوال کی اچانک یلغار نے سفیان کی رہی سہی چلبلاہٹ بھی
کر دی۔
"تمہیں کس نے بتایا؟" اس نے خالی خالی لہجے میں دریافت کیا۔
"اور کیا ان کی بیوی کا نام ارشین ہے؟" فاریہ نے اس کا استفسار نظر انداز کر دیا۔
اب جواب دینے کو دامن میں کیا رہا تھا۔
"آپ جواب کیوں نہیں دے رہے۔" سفیان کا توقف فاریہ کو شاق گزرا۔ وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔
"اگر یہ سب جھوٹ ہے تو تردید کیوں نہیں کرتے اور اگر سچ ہے تو وضاحت کریں کہ ہم سے کیوں چھپایا گیا؟

انکل اور آنٹی بھی اس بات سے آگاہ ہو چکی ہیں؟"
الحال تو نہیں مگر۔۔۔"
فاریہ! سوری تمہاری بات کاٹ رہا ہوں۔ تمہیں جو بھی اور جہاں تک بھی پتا چلا ہے اسے
تک محدود رکھنا۔ مہربانی ہوگی۔"
میں کسی کو نہیں بتاؤں گی مگر میرا تجسس تو دور کیجیے۔"
متعجب ہو گئی۔ سفیان نے مختصراً ضروری تفصیلات بتائیں۔
ہدایت پر
واپس لوٹ آئیں۔ وہ بہت بد دل ہو کر ہارے ہوئے انداز میں یہاں سے گئی ہیں۔" وہ افسردگی سے

عجیب و غریب انکشافات پر دم بخود رہ گئی تھی۔
ارشین آپا سے مل نہیں سکتے۔ میرا مطلب ہے، جہاں انہیں رکھا گیا ہے، ہم وہاں جا کر انہیں واپس
فاریہ دبے دبے جوش سے بولی۔
اجازت نہیں دیں گے۔"
واپس آئی ورنایاب سے رشتہ طے کیا جا رہا تھا۔ اس کا کیا ہوگا۔"
کیا کہا جا سکتا ہے۔ نینی واپس آئیں گی تو معاملے کا کوئی سر پیر نکلے گا۔ میں تو سخت بور ہو گیا ہوں۔
سپاٹ اور گھٹی ہوئی گھریلو فضا ہے، نہ ذہن کا تناؤ ختم ہوتا ہے، نہ حالات کا۔" سفیان جانے کیسے
کیفیت اس سے شیئر کرنے لگا۔
یہ معاملہ بخیر و عافیت نپٹ جائے۔ ہمیں تو ارشین آپی اور مہران بھائی برابر عزیز ہیں۔" فاریہ نے
کہا۔
کا معاملہ نپٹے گا تو اپنی باری آئے گی۔" سفیان زیادہ دیر تک سنجیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔

◆◆◆

کبھی پہاڑ، کبھی آسمان ہلاتے ہوئے
کٹی ہے عمر مری راستہ بناتے ہوئے
یہ اور بات کہ پھر بھی اٹھائے پھرتا ہوں
میں ٹوٹ پھوٹ گیا زندگی اٹھاتے ہوئے

باجی۔" پیرو دروازے سے ہی شور مچاتا آ رہا تھا۔
بھی کیا ہو گیا۔" وہ گونگی بوا کا بستر جھاڑنے کے بعد چادر بچھا کر انہیں سہارے سے چارپائی پر بٹھا

اس نے یاسین ورائٹی سینٹر پر ایک دو تصویریں دے کر بھیجا تھا۔ واپس آیا تو رقم کے لفافے کے ساتھ
ایک ڈائجسٹ سائز کا میگزین بھی تھا۔
نہیں ہے دکان کا، اس نے دیا ہے۔ کہہ رہا تھا ارشین بی بی کو دے دینا۔ اس کے اندر ایک رقعہ بھی
بولا۔ وہ برآمدے کی دیوار کے ساتھ بنے سیمنٹ کے بینچ پر بیٹھ گیا۔
تم پڑھ کر سناؤ۔"
ڈائجسٹ کے صفحات کھنگال کر سفید تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا اور پیرو کی طرف بڑھا دیا۔
منہ پھاڑ کر ہنسنے لگا۔ "او باجی! مجھے کون سا پڑھنا آتا ہے۔"
ہوگئے ہو، کیا اسکول نہیں گئے کبھی۔" ارشین نے تنقیدی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس عمر
تک ضرور پہنچ جاتے ہیں۔
ہو تو کوئی جائے ناں۔" پیرو نے لاپروائی سے بال سنوارے۔ "جو اکا دکا لوگ پڑھ رہے ہیں، وہ شہر

کے اسکول جاتے ہیں۔"

"کیا اس گاؤں میں کوئی اسکول نہیں ہے؟" ارشین کو سخت تعجب ہوا۔

"مسجد کے ساتھ ایک کمرہ اور برآمدہ ہے' جہاں پڑھنے والے بچے قاعدہ اور تختی لے کر آجاتے ہیں۔ ساتھ والے گاؤں سے ایک میٹرک پاس ماسٹر جی آتا ہے پڑھانے۔ وہ بھی جب اس کا جی چاہے یا بچوں کی مار پیٹ کیے ٹیم گزر گیا ہو۔ ہر مہینے تنخواہ لے لیتا ہے سرکار سے اور موج کرتا ہے خیر سے۔" پیرو ہنسا۔

"تنخواہ کے ساتھ ساتھ تیرے میرے گھر سے دودھ لسی' مکھن' پیڑے' گنا' چاول اور روٹی بوٹی جو کچھ ملے سے منگوا لیتا ہے اور جاتے وقت سامان کو پوٹلی باندھ کے گھر لے جاتا ہے۔"

ارشین کو یہ جان کر حیرت نہیں ہوئی۔

چھوٹی چھوٹی تحصیلوں اور دیہاتوں میں حکومت کی طرف سے تعینات کیے گئے اساتذہ اکرام کا ہمیشہ سے وتیرہ رہا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر شاگردوں کی چمڑی ادھیڑ دینا اور ان سے ہر طرح کی جسمانی و مالی خدمت کروانا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ان کی مطلق العنانی' فرعونیت اور حاکم مزاجی کو بچوں کے والدین بھی چیلنج کرنے کا تصور نہیں کر سکتے۔ وہ من مانی کے ایسے مظاہروں کو استاد و شاگرد کے تعلقات کا لازمی جزو شمار کرتے ہیں۔

"رقعے میں کیا لکھا ہے باجی؟" پیرو نے کاغذ پر نظریں دوڑاتی ارشین کی طرف تجسس سے دیکھا تھا۔

"تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔" ارشین نے کاغذ تہہ کرتے ہوئے کچھ سوچا۔ پھر ڈائجسٹ کے ٹائٹل پر سرسری نگاہ ڈالی۔ "سوشل ڈائجسٹ'" "نام مزے کا ہے۔" "ہر عمر کے افراد کے لیے۔" نیچے لکھا تھا۔

یاسین ورائٹی سینٹر کے مالک نے رقعے میں اسی ڈائجسٹ کے بارے میں بتایا تھا۔ اس میں مختلف کہانیوں مضامین اور مکالمہ جات وغیرہ کو اسکیچز کے ذریعے واضح کیا جاتا ہے۔ آج کل انہیں آرٹسٹ کی ضرورت تھی۔ پرچہ راولپنڈی سے نکلتا تھا' اس کا سب آفس یہاں تھا۔ یاسین صاحب نے سب آفس کا ایڈریس لکھ دیا تھا اور تجویز دی تھی کہ جا کر متعلقہ بندے سے مل لیں۔

"چلو دیکھتے ہیں۔ اگر ڈھنگ کا کام ہوا تو جوائن کر لوں گی۔ چار پیسے ہی ہاتھ آئیں گے۔" اس نے سوچا اور رسالے کے ابتدائی صفحات پر نگاہ ڈالی جہاں رسالے کے ایڈیٹرز اور معاونین کی فہرست درج تھی۔ ایک نام چیف ایڈیٹر کے نام کے بعد ٹاپ پر تھا۔ انتظامی ایڈیٹر' داور صدیقی۔

◆◆◆

"امبرین باجی! خدا کے لیے یہ دھواں چھوڑنا بند کر دیں اب۔ سارے کمرے میں حبس ہو رہا ہے۔ نیچے اچانک کوئی آگیا تو قیامت آجائے گی۔"

شاہین بے طرح پھٹ پڑی تھی۔ بڑی دیر سے اسے انجن بنی چھکا چھک دھواں نکالتے دیکھ رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا ابھی اور اسی وقت بابا جان کو بلا لائے تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے پلی پلائی جوان بیٹی کو بربادی و تباہی بلکہ موت کے کنوئیں میں گرتے دیکھ لیں۔ مگر وہ فطرتاً" بزدل اور کمزور سی لڑکی تھی۔ اتنی ہمت نہیں رکھتی تھی کہ امبرین کے غیظ و غضب کو للکارتے ہوئے گھر والوں کو اس کے کرتوت بتا دے۔ ماں یا باپ جس کو بھی پتا چلتا گھر میں حشر بن جاتا تھا۔ وہ طوفانی جھگڑے چلتے کہ الاماں۔

"گھبراتی کیوں ہو' میری ننھی چڑیا۔" امبرین نے ہنستے ہوئے اس کا گال چھوا۔ "لو مسل دی ہم نے سگریٹ تمہاری خاطر۔"

"اوہ' میرے ساتھ ایسے چیپ انداز میں بات نہ کیا کریں۔" شاہین خجالت سے بولی۔ امبرین کے لب و لہجے میں سارے رنگ لیلیٰ شاہ کے اتر آئے تھے۔ اس نے بی اے فائنل کے پیپرز دینے کے بعد لیلیٰ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ باقاعدہ جوائن کر لیا تھا۔ اب تو ایک ماہ ہو چکا تھا۔

گھر والوں سے اجازت لینا بھی گویا اک مرحلہ تھا مگر طے ہو ہی گیا۔

"لڑکیوں کا انسٹی ٹیوٹ ہے بی بی جان! یہاں کوکنگ' سلائی کڑھائی' کپڑوں کی ڈیزائننگ اور کمپیوٹر وغیرہ کا ہنر سیکھنا تو کوئی بری بات نہیں ہے پھر سکھانے والی بھی عورتیں ہیں۔ گاڑی دروازے سے لے گی اور چھوڑا کرے گی۔ ٹائمنگ بھی دن کے ہیں۔ گھر میں بیکار بیٹھنے سے بہتر ہے کوئی کام سیکھ لوں۔ انسٹی ٹیوٹ کی جگہ بھی دیکھی بھالی ہے۔"

دلیل میں خاصا وزن تھا پھر کام بھی "زنانہ" تھا یعنی امور خانہ داری سے متعلقہ تھا۔ سو ردوکد کے بعد ماں نے رضامندی دے دی اور کسی طرح بابا جان سے اجازت بھی دلوا دی۔ یوں بھی سعد کے معاملے کے ساتھ عین شادی کے دنوں میں جو زیادتی ہوئی تھی' اس نے قدرتی طور پر بی بی جان اور بابا جان کے دل میں نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا۔ انہیں اس کے ساتھ ہونے والے سانحے کا احساس تھا۔ شاید بطور تلافی اسے یہ سہولت فراہم کی گئی تھی۔

ایک ماہ سے باقاعدگی سے جا رہی تھی۔ دس ساڑھے دس تک لیلیٰ شاہ کی بھیجی ہوئی گاڑی آتی تھی اور سہ پہر چار بجے تک واپس چھوڑ جاتی تھی۔

شاہین کے میٹرک کے امتحان ہونے والے تھے۔ وہ بری طرح پڑھائی میں غرق تھی' تاہم امبرین کی سگریٹ نوشی کی علت کے ہاتھوں بری طرح تنگ تھی۔ شروع شروع میں تو وہ یہی سمجھتی رہی تھی کہ بوتل میں بند مشروب' ٹانک یا جوس وغیرہ ہوتا ہو گا مگر اب مشروب کی "نوعیت" سمجھنا دشوار نہیں رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں بہن کی تباہ کن روش پر ہولتی رہتی تھی۔ اسے امبرین کے رجحانات سے بہت گھن آتی تھی مگر وہ اسے روک نہیں سکتی تھی۔ امبرین کی خوش قسمتی تھی کہ ماں باپ اولاد کے معاملات سے حد درجہ لاپروا بلکہ بے خبر رہنے کے عادی تھے۔ اولاد کی خوشی' غم' دکھ' پریشانی یا خوشگوار لمحات کی نہ انہیں کبھی خبر رہی تھی اور نہ کبھی خود جاننے کی کوشش و خواہش کی تھی۔ وہ زندگی کو اپنے اصولوں کے تحت مخصوص روٹین کے مطابق بسر کرنے کے عادی تھے۔ خصوصاً" بابا جان کو تو "آل اوکے" کا سگنل درکار ہوتا تھا۔ ہر شے طے شدہ معمول کے مطابق سیٹ اور اپنی جگہ پر قائم رہے اور ہر کام ایک ترتیب سے ایک ہی طریقے سے انجام پذیر ہوتے رہے اور بس۔

سخت گیری و حاکمیت پسندی کے ساتھ ساتھ اولاد کے معمولات سے بے خبری و بے حسی کا یہ امتزاج بڑا عجیب لگتا تھا۔ کہاں تو انتہا درجے کی سختی' شکوک و شبہات اور الزامات کی بارش اور کہاں یہ حال کہ بیٹی کے رنگ ڈھنگ منفی طرز فکر و عمل سے قطعی لاعلمی۔

"شاہین یار ذرا میرا میرون اور آف وائٹ کنٹراسٹ والا سوٹ تو استری کر دینا۔ مجھے انسٹی ٹیوٹ جانا ہے۔"

باتھ روم سے نہا کر کلی کرنے اور ہاتھ منہ دھونے کے بعد امبرین باتھ روم سے نکل آئی اور نرم و خوشامدی انداز میں ڈائجسٹ کے بائنڈنگ کے نظام انہضام کی ڈائی گرام بناتی شاہین سے مخاطب ہوئی۔

"میں بہت مصروف ہوں۔ پلیز خود ہی زحمت کر لیں۔" اس نے لجاجت سے کہا۔ وہ بدستور جرنل پر جھکی تھی۔

"گاڑی آنے والی ہے' اٹھ جاؤ ناں۔" امبرین جلدی جلدی بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔

شاہین اٹھی اور وارڈ روب سے کپڑے نکالنے لگی۔ اس کی فطرت میں صلح جوئی اور مصلحت پسندی کا عنصر کچھ زیادہ ہی تھا کہ خواہش کے باوجود ناں نہیں کر پاتی تھی۔

لیلیٰ کی گاڑی کا ہارن بجتے ہی باہر نکل گئی۔

لیلیٰ میں حسب معمول چہل پہل تھی۔

بیسمنٹ والے حصے میں کلاسز ہو رہی تھیں۔ وہ دائیں ہاتھ کے مرکزی حصے میں بے دھڑک چلی آئی۔

لیلیٰ کے اسٹوڈیو کا رخ کرتے ہوئے اس نے آج کے کاموں کی فہرست ذہن میں ترتیب دی۔ اب وہ یہاں کی اہم ڈیوٹی سمجھتی جا رہی تھی۔

یہاں کے معاملے میں اس کی بھرپور معاونت کر رہی تھی۔ کاموں میں سرفہرست دن بھر آنے والی کالز اٹینڈ کرنا تھا۔ وہ مصروف خاتون تھی۔ اس کے کام کی بہت مانگ تھی۔

سارا دن اسے مختلف رسالوں، اخباروں اور ایڈورٹائزنگ ایجنسیز کی طرف سے فون آتے رہتے۔ جنہیں وہ
کے سکھائے گئے انداز کے مطابق ڈیل کرتی تھی۔ ماڈل گرلز بھی آتی جاتی رہتی تھیں۔ جب لیلیٰ شاہ کوئی شوٹ
گرافی کے لیے نکلتی تھی تو امبرین کیمرے، لائٹس، ریفلیکٹرز اور دیگر چیزیں سنبھالنے کے لیے اس کے ساتھ
جاتی تھی۔ لیلیٰ کو ہر دوسرے دن مختلف فیشن شوز اور فائیو اسٹار ہوٹلوں کی رنگارنگ تقریبات کے دعوت نامے
موصول ہوتے رہتے تھے۔ وہ جہاں مناسب سمجھتی، شرکت کرتی تھی۔ البتہ امبرین اس کے بار بار اصرار کے باوجود
بھی ہمراہ جانے پر تیار نہیں ہوتی تھی۔ وہ خود کو لیلیٰ منزل کے اسٹوڈیو اور ڈارک روم تک ہی محدود رکھنا پسند کرتی
تھی۔ لیلیٰ نے ڈارک روم میں ہی کلر پرنٹس کے لیے چھوٹا سا پلانٹ لگا رکھا تھا۔ یہ ایک کمپیوٹرائزڈ مشین تھی۔
کئی بار امبرین بھی لیلیٰ کے ساتھ اس عجیب و غریب مشین کے ذرائع سے رنگ برنگی تہلکہ خیز تصویریں نکلتے دیکھ
چکی تھی۔ "ایسی ویسی" ٹرانسپیرینسیز دیکھ کر شروع شروع میں اس کے قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی تھی
اب آہستہ آہستہ عادی ہو رہی تھی۔

لیلیٰ شاہ کی شخصیت، انداز اور طرزِ کلام میں کچھ ایسا جادو تھا کہ امبرین اس پر کھلنے لگی تھی۔ لیلیٰ بڑے طریقے
سے اس سے اپنے مطلب کی باتیں اگلوا لیتی تھی۔ اسے خبر بھی نہ ہوتی اور روانی میں لیلیٰ کے پوچھے ہوئے
سوالات کے جواب دیتی چلی جاتی۔ حتیٰ کہ لیلیٰ نے ارشین کے بیک گراؤنڈ، گھریلو حالات، تعلیمی و دفتری زندگی
دیگر ذاتی پہلوؤں کے متعلق ہر ہر تفصیل حاصل کر لی۔ وہ "کارڈز" جمع کرتی جا رہی تھی، کسی مناسب موقع پر
چلانے کے لیے۔ پروفیسر دانیال، ان کی فیملی، مہران آفریدی سے تعلق اور سعد اور ارشین کے باہمی جذبات کے
بارے میں بھی امبرین تفصیلات بتا چکی تھی یا دوسرے لفظوں میں لیلیٰ نے چالاکی و مکاری سے اس سے یہ
بیانات حاصل کر لیے تھے۔ پروفیسر دانیال والا چکر لیلیٰ کے لیے خصوصی دلچسپی کا مرکز تھا۔ وہ عنقریب پروفیسر سے
رابطہ کرنے کا سوچ رہی تھی۔

ارشین اور مہران کے خلاف ایک نئی چال چلنے اور ماضی کے زخموں کا حساب لینے کے لیے۔
ہاں، البرے سانتو ماضی کا ایک زخم ہی تھا جو انجانے میں ارشین کے ہاتھوں لگا تھا۔

◆ ◆ ◆

لیلیٰ شاہ کا ماضی کیسا تھا؟ وہ کون تھی؟ کس کی بیٹی تھی۔؟
یہ سوچتے ہوئے وہ آج بھی گھبراتی تھی بلکہ وہ بھول جانا چاہتی تھی کہ وہ کون ہے؟ کیا ہے؟ اور کن کن راستوں
سے گزر کر یہاں تک پہنچی ہے۔

وہ ایک کرسچین عورت جیناں کی بیٹی تھی۔ جیناں کے والدین کارپوریشن میں ملازم تھے اور سیالکوٹ کی
سڑکوں پر جھاڑو دیا کرتے تھے۔ جیناں بڑی ہوئی تو وہ بھی ماں باپ کے کام میں ہاتھ بٹانے لگی۔ سڑکوں پر جھاڑو دینے
کے بعد ان کی اگلی ڈیوٹی لوگوں کے گھروں سے کوڑا اٹھانے کی ہوتی تھی۔ اس کا باپ گٹروں اور نالیوں کی صفائی پر
بھی مامور تھا۔ برا بھلا گزارا ہو ہی رہا تھا۔ جیناں کے ماں باپ ہر اتوار کو باقاعدگی سے چرچ جاتے تھے۔ چرچ میں
جیناں کی ملاقات ڈیوڈ سے ہوئی، جو چرچ میں آرگن بجاتا تھا۔ وہ ایک مدت سے جیناں کا اسیر تھا۔ جیناں بھی اس
کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھتی تھی۔ شاید اس کی ایک وجہ دونوں کے یکساں خیالات تھے۔
"یہاں ہماری کیا عزت ہے جیناں ہیں تو ذات کے چوہڑے ناں۔ ذلیل، حقیر اور غلیظ۔ یہاں رہ کر عزت
شہرت اور دولت کے خواب نہیں دیکھے جا سکتے۔"
ڈیوڈ میوزک ڈائریکٹر بننا چاہتا تھا اور شہرت کی بلندیوں کو چھونا چاہتا تھا، ان ہی دنوں اس کی ملاقات لاہور
کسی چھوٹے موٹے فلم پروڈیوسر سے ہو گئی۔ اس نے اسے لاہور آ کر فلمی دنیا میں قسمت آزمائی کرنے کا مشورہ
دیا۔ لہٰذا ڈیوڈ جیناں کو ہمراہ لے کر سیالکوٹ سے بھاگ کر لاہور آ گیا۔
فلم نگری کس کی ہوئی ہے۔ اس کا ظاہر بھی دھوکا ہے اور باطن بھی۔ ڈیوڈ کے میوزک ڈائریکٹر بننے کا خواب
پورا ہوتا نہ ہوتا وہ اپنی محبت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

ہیرا پھیری کرنے والے آدمی امجد شاہ کی نظر جیناں پر پڑی تو اس کا دل اس پہ آ گیا۔ سو اسے ہیروئن بنا کر
ہیروئن بنانے کا جھانسہ دے کر ڈیوڈ سے چھین کر اپنی آغوش میں سجا لیا۔ چند فلموں میں جیناں نے
چھوٹے موٹے رول بھی کیے۔
"میری جان! بڑی بڑی ہیروئنوں کو انڈسٹری میں اپنی جگہ بنانے کے لیے شروع میں ایکسٹرا گرل
درجے کے رول کرنے پڑے تھے۔ دیکھنا ایک دن کہاں سے کہاں جا پہنچو گی۔"
سبز باغ دکھاتا رہا۔ اسی دوران جیناں لیلیٰ شاہ کی ماں بن گئی۔ اس نے بارہا امجد شاہ کو اس ناجائز
بنانے پر زور دیا مگر وہ ہر بار ٹال جاتا۔ بالآخر اس نے صاف صاف بتا دیا۔
"شادی شدہ ہوں، میری بیوی کراچی میں رہتی ہے، دو بیٹیوں کا باپ ہوں، دوسری شادی افورڈ
..."
قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔
"مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا اور اور یہ تمہاری بیٹی! اس کا کیا ہوگا۔" اس نے لیلیٰ شاہ کے ننھے وجود کو گود
وحشت زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔
نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔
"یہ کس کی بیٹی ہے۔ محض میرا نام دے دینے سے اس کی ولدیت کی تصدیق نہیں کی جا سکتی۔ تم
کے ساتھ بھی رہی ہو اور پھر میں مسلمان ہوں اور تم کرسچین۔ بیٹی کے بارے میں کچھ پتا نہیں کہ تم
نہیں ہی رکھنا ہے یا مسلمان بنانا ہے۔"
کے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا۔ ایسے میں ڈیوڈ نے ہی اسے سہارا دیا اور باقاعدہ شادی کرنے کے بعد لیلیٰ شاہ کو
کے ننھیال بھجوا دیا۔
انہیں فلمی دنیا میں جگہ بنانی ہے، اپنا کیریئر بنانا ہے۔ یوں بھی کسی بے وفا کی یادگار کو سینے سے لگا کر
تم اپنے اماں ابا کو لکھ دینا کہ ہم میاں بیوی اپنی مصروفیات کے سبب بچی کی مناسب نگہداشت
کچھ عرصے کے لیے اسے اپنے پاس رکھ لیں۔"
نام و نشان اور مذہب کی لیلیٰ شاہ اپنے کرسچین نانا نانی کے پاس پہنچ گئی اور بستی کے دوسرے
طرح غلاظت میں پلنے لگی۔ ذرا سیانی ہوئی تو ایک مشنری اسکول میں داخل کرا دی گئی جہاں وظیفے کے نام
پڑھنے لگی۔
سال کی تھی جب اس کے نانا، نانی انتقال کر گئے۔ جیناں اسے اپنے ساتھ لاہور لے آئی۔ ایکسٹرا گرل
معمولی درجے کے رول کر کے وہ کسی نہ کسی طرح خود کو زندگی کی دوڑ میں شامل کیے ہوئے تھی۔ ڈیوڈ
ایک میوزک ڈائریکٹر کے اسسٹنٹ کے طور پر کام کر رہا تھا، اس نے دو سال پہلے جیناں کو طلاق دے کر
تھا۔
ساتھ چھوٹا تو جیناں نے عارضی سہارے تلاش کرنا شروع کر دیے جیسا کہ اس نگری کی ریت ہے۔
لوں کے عوض بیچ کر اس نے اتنا بہرحال کما لیا تھا کہ بیٹی کی پرورش کر سکے۔ انہی دنوں ایک ساٹھ
سے اس کی دوستی ہو گئی۔ بوڑھے نے اسے شادی کی آفر کی جیناں نے آفر قبول کرنے میں دیر نہیں
کے بعد بیٹی کو اس نے اپنے پاس ہی بلوا لیا تھا۔
نوجوانی کی عمر اسی بڈھے آرٹسٹ کے گھر میں گزاری، یہیں پر اسے فوٹو گرافی سے دلچسپی پیدا ہوئی
شوق کے پیشِ نظر جیناں نے اسے باقاعدہ فوٹو گرافی کی تعلیم دلوانے کا اہتمام بھی کیا تھا۔ لیلیٰ نے
حسن و جوانی کی قیمت وصول کرنے کے طریقے بھی سیکھ لیے تھے مگر جارحانہ ایکشن کی عادی
چارہ ڈالا بھی تو اس طرح کہ "ایسے ویسے" لمحات کی اسٹل فوٹو گرافی اس ہوشیاری سے کی کہ
پچھتائے۔ لیلیٰ بڑی ہوشیاری سے انہیں بلیک میل کرتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی اپنی ذہانت کے

بدولت ہر جال سے بچ کے نکل سکتی ہے مگر پھر سیر کو سوا سیر مل گیا۔
وہ ہیروئن کا اسمگلر تھا اور بین الاقوامی سطح پر "مال" ایکسپورٹ امپورٹ کرتا تھا۔ اس نے لیلیٰ شاہ کو
میلنگ پر الٹا اسے پھنسوا دیا۔ پھر اپنے کاروبار میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ کچھ ہچکچاہٹ کے بعد بالآخر
شاہ اس دھندے میں شامل ہو گئی۔
یوں بھی اس کی ماں جیناں پھیپھڑوں کے کینسر سے جانبر نہ ہوتے ہوئے پچھلے برس وفات پا گئی تھی۔ وہ
اپنے باس کی ہدایت پر لاہور چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے اسلام آباد منتقل ہو گئی اور پھر سوشل مصروفیات کے پردے
اپنا اصلی چہرہ چھپا لیا۔ وہ اپنا ماضی بھی لاہور دفن کر آئی تھی۔ اپنے تئیں۔
لیکن ارشین کو کسی نہ کسی طرح اس کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں علم ہو گیا تھا۔ پورا نہ سہی ادھورا
تعارف وہ بھی جان گئی تھی مگر اس نے کبھی اسے جتایا نہیں۔
یہ ان دنوں کی بات تھی جب البرے سانتو لیلیٰ شاہ کی خواہش پر پاکستان آیا تھا۔
لیلیٰ شاہ بے شمار مردوں سے آشنا تھی مگر البرے سانتو کی سوبر سنجیدہ اور بھرپور شخصیت نے جانے کیا جادو کر
تھا کہ وہ سنجیدگی سے گھر بسانے کا سوچنے لگی۔ ابھی اسے البرے سانتو کے جذبات کا صحیح طرح سے اندازہ نہیں تھا۔
وہ لیلیٰ منزل میں لیلیٰ کے دوست کے طور پر رہائش پذیر تھا۔ اتفاق سے انہی دنوں آرٹس کونسل میں ارشین
تصویروں کی نمائش تھی۔ لیلیٰ شاہ البرے سانتو کی فرمائش پر اسے پاکستانی آرٹ ورک دکھانے نمائش لے
یہیں وہ واقعہ پیش آیا جس نے لیلیٰ شاہ کو ارشین بخاری سے انتقام لینے پر اکسایا تھا۔
"کس قدر خوب صورت تصویر ہے۔ اس کی معنویت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ مجھے اس تصویر کو تخلیق کر
والے ذہن پہ رشک آتا ہے۔"
البرے سانتو نے تصویر میں گم ہو کر رواں فرنچ زبان میں اظہار خیال کیا۔ لیلیٰ شاہ فرنچ جانتی تھی۔ "آقا او
نے اسے ہر فن میں طاق کر دیا تھا۔ ویسے البرے سانتو کو بھی نت نئی زبانیں سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ وہ پاکستان میں
کر کسی حد تک اردو سمجھنے لگا تھا البتہ بولنے پر قادر نہیں تھا۔
"کیا تم مجھے اس تصویر کی مصورہ سے نہ ملاؤ گی۔ میں اس سے مل کے اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں کہ
اس منظر کا تھیم وہی ہے جو میرے ذہن میں آیا ہے۔"
البرے سانتو بہت دیر تک پینٹنگ کی شان میں قصیدہ پڑھتا اور زمین آسمان کے قلابے ملاتا رہا۔
لیلیٰ شاہ کے ماتھے پر شکنوں کا جال سجنے لگا' البرے سانتو کے معاملے میں وہ حد درجہ سیریس تھی۔ وہ سچ مچ ا
کے دل میں جگہ بنانا چاہتی تھی۔ اسے زندگی میں شامل کرنا اور اس کی زندگی میں شریک ہونا چاہتی تھی۔ لہٰذا
دفعہ اسے رقابت اور حسد و جلن کے جذبات سے واسطہ پڑا۔
"ایسی بھی کیا خاص بات ہے۔ جو آپ اس عام سی پینٹنگ کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں۔
آرٹسٹ سے ملنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ جل کر بولی۔
"تمہیں نہ سہی مجھے تو ضرورت ہے۔" وہ کچھ حیران ہو کر سادگی سے بولا۔
"مجھے آرٹ سے منسلک افراد سے ملنا اچھا لگتا ہے۔"
مجبوراً" لیلیٰ شاہ کو اسے ارشین سے ملوانا پڑا۔
"ان سے ملو۔ یہ ہیں ان تصویروں کی خالق ارشین بخاری اور یہ میرے بہت عزیز دوست اور فن کے قدردا
جناب البرے سانتو فرانس میں رہتے ہیں۔" لیلیٰ شاہ نے جی ہی جی میں تلملاتے ہوئے بظاہر سپاٹ سے انداز م
تعارف کروایا۔ البرے سانتو بڑا پرجوش تھا۔
"یوں تو آپ کا بنایا ہوا ہر فن پارہ نہایت عمدہ ہے مگر اس تصویر کی بات کچھ اور ہے۔" ارشین کی سہولت
لیے وہ فرنچ چھوڑ کر انگلش پر آ گیا۔
ارشین خاصی حیرت زدہ تھی کہ فرانسیسی اپنی زبان چھوڑ کر کسی اور زبان میں بات کرنا اپنی توہین خیال کر

تصویر سے خصوصی لگاؤ ہے۔ میں نے اس پہ بہت محنت کی ہے۔"
مجھے بھی اس تصویر کا تھیم بتانے لگی۔
"تصویر اصل میں انسان کی امید ہے جسے وہ مل کر مایوسی کی قبر میں دفن کر رہے ہیں۔ تیز آندھیوں
فطرت کی پکار ہیں اور سلگتا ہوا دھواں انسان کے دل کی اس کیفیت کی غمازی کر رہا ہے جو امید
لاحق ہوتی ہے۔ یعنی تھیم یہ بنتا ہے کہ بنی نوع انسان اتنی ناامید ہو چکی ہے کہ اپنے ہاتھوں
دفن کر دیے ہیں۔ اپنی امید کا سورج مایوسی کے اندھیروں کے حوالے کرتے ہوئے اس کا دل سلگ رہا
انسان کے اس عمل کے خلاف غم زدہ ہے اور اسے پکار کر روکنا چاہتی ہے۔ آندھی کی زد میں لرزتے
اصل فطرت کا احتجاج ہیں۔"
البرے سانتو سچ مچ متاثر ہو گیا۔ "تصویر دیکھ کر میرے ذہن میں بھی اس سے ملتا جلتا خیال آیا
کا آئیڈیا زیادہ گہرا' پر معنی اور خوب صورت ہے۔"
چلیں۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" لیلیٰ نے اکھڑے ہوئے انداز میں البرے سانتو کو مخاطب کیا۔
آپ سے ملاقات ہو سکتی ہے؟" البرے سانتو نے اشتیاق سے پوچھا۔ "آپ جانتی ہیں ہم فرانسیسی
اور موسیقی کے دیوانے کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ آرٹسٹ ہمارے لیے اتنے ہی قابل احترام
مشرقی لوگوں کے لیے کوئی ولی صوفی۔"
فرانسیسی آرٹ کے سچے قدردان کے طور پر معروف ہیں' ساری دنیا جانتی ہے۔" ارشین اخلاقاً" بولی۔
آنکھوں میں دہکتے الاؤ کو محسوس کر سکتی تھی اس لیے شعوری طور پر بات سمیٹ کر کترا کر دوسری
دوسری اتفاقی ملاقات لوک ورثہ میں ہوئی تھی۔ اور غالباً" دو ہفتے بعد ہوئی تھی۔
ارشین دانیال مہدی کے آرٹ اینڈ آرٹ سینٹر میں کام کرتی تھی' انہی کے ادارے کے کسی مصور کی
نمائش تھی' ارشین کو کولیگ ہونے کے ناتے افتتاحی تقریب میں شریک ہونا پڑا۔
البرے سانتو کی دلچسپی کے پیش نظر مجبوراً" اس کے ساتھ آئی تھی۔ البرے سانتو ارشین سے مل کر پہلے
خوش ہوا۔ بڑی گرمجوشی سے حال احوال دریافت کیا پھر فن مصوری پہ طویل دیر مغز گفتگو میں مصروف
شاہ پیچ و تاب کھاتی بظاہر خاموش کھڑی رہی۔

علیحدگی میں بات ہوئی تو لیلیٰ نے دوٹوک انداز اختیار کیا۔
گفتگو ہو رہی تھی البرے سانتو سے۔ چکر کیا ہے۔ کیا چاہتی ہو تم؟"
یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیا چاہتی ہو۔ اس سوال کا مطلب؟" ارشین کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اسے
انداز اپنی توہین محسوس ہوا تھا۔
یہ کہ البرے کو اپنے "مشرقی طرز مصوری" سے متاثر کرنے یا لبھانے رجھانے کی کوشش مت کرو۔
پہلے سے میں اسے تمہارے فن اور ذہانت کی تعریف میں رطب اللسان دیکھ رہی ہوں۔ اس نے
تمہیں ملوانے کی فرمائش کی تھی اور اب بھی اتنی دیر تک تمہارے گرد منڈلاتا رہا۔ میں یہ سب
کر سکتی۔" لیلیٰ بگڑے ہوئے انداز میں مخاطب ہوئی۔
فن کی طرح تمہاری سوچ بھی گھٹیا' بے حجاب اور بدلحاظ ہے۔" ارشین نے افسوسناک نظروں سے
دیکھا تھا۔ "وہ ایک آرٹسٹک سوچ رکھنے والا سوبر فرانسیسی مرد ہے۔ فنون لطیفہ کی طرف فطری
اس لیے تبادلہ خیالات کرنے سے خوش ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا چکر ہو سکتا ہے۔"
ہوتی تو اسے میری فوٹو گرافی کے شاہکار بھی پرکشش لگتے۔ اس نے میرے اسٹوڈیو میں لگی شاندار
نہیں کہا۔" لیلیٰ سلگ کر بولی۔
کہ جو عریانی اور بے باکی تم اپنی تصویروں میں دکھاتی ہو' اس کے چلتے پھرتے نمونے وہ اپنے ملک میں

دیکھ چکا ہے۔ وہ یہاں مشرق کی پراسراریت کو کھوجنے آیا ہے۔ وہ ایشیائی رنگوں کی دھنک دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر
سے باہر کے منظر دیکھنے کا شائق ہوتا تو یورپ یا امریکہ کا رخ کرتا۔ کہنے کو تم اس کی دوست ہو۔ قریبی تعلق رکھتی
ہو۔ تمہیں اتنا نہیں پتا چل سکا کہ وہ کس مزاج کا آدمی ہے؟" ارشین طنز کیے بغیر نہ رہ سکی۔

اس کھرے کھرے تبصرے نے لیلیٰ کو بھڑکا دیا۔

اس کے منہ میں جو آیا کہتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ ارشین کی ذات پر بھی رکیک انداز میں حملہ کر دیا۔

وہ بھی کب تک برداشت کرتی۔ بالآخر اس کے اوچھے پن اور غلیظ لب ولہجے نے ارشین کے صبر کا پیمانہ چھلکا دیا۔

"کیا سمجھتی ہو تم اپنے آپ کو۔ میرے اگلے پچھلوں تک جانے سے پہلے ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ لو۔ تمہارا تو نام تک مشکوک ہے۔ ولدیت کی بات تو بعد میں آتی ہے۔ ذرا بتاؤ گی مجھے تمہارا اصل نام کیا ہے؟ اور تمہارے والدین کون تھے۔ ایکسٹرا گرل جینایاں، بہت معروف نہ سہی مگر چند کامیاب فلموں میں چھوٹے موٹے رول کر کے اس نے اتنی پہچان ضرور بنالی تھی کہ فلمی تاریخ لکھنے والے اس کی ذات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں دلچسپی لیں۔ میں نے ایک پرانے فلمی رسالے میں اس کے حالات زندگی اور ماضی کے حوالے سے تفصیلی رپورٹ پڑھی تھی۔"

"او، یو شٹ اپ۔" لیلیٰ کی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں۔ اس کا چہرا احساس ذلت اور غصے سے انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ آنکھیں کبوتر کے خون کی طرح لہورنگ تھیں۔

"میرا منہ بند کردینے سے حقائق نہیں بدل جائیں گے۔" ارشین نے خشک لہجے میں کہا وہ اسے اپنی نظروں میں شرمندہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی مگر لیلیٰ کی اشتعال انگیزی نے اسے اس حد تک مجبور کردیا تھا کہ وہ اس کے ماضی کے کریہہ المنظر اور سیاہ چہرے سے نقاب اٹھانے کے درپے ہو گئی تھی۔

اور یہیں سے لیلیٰ شاہ کی زندگی میں تکلیف دہ موڑ آیا۔

دونوں ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے میں ارد گرد سے بے خبر ہو گئی تھیں۔ انہیں پتا بھی نہیں چلا اور فاصلے پر کھڑا البرے سانتو ایک ایک بات سے آگاہ ہوتا گیا وہ اردو بول نہیں سکتا تھا مگر سمجھ بخوبی لیتا تھا۔

اس وقت اس نے کچھ نہیں کہا۔ نہ لیلیٰ شاہ کو کچھ جتایا۔

البتہ اس واقعے کے تیسرے روز اس نے پیکنگ کر لی اور فرانس واپس چلا گیا۔ جانے سے پہلے لیلیٰ کی حیران پریشان صورت دیکھ کر اس نے تفصیلاً جواب دیا تھا۔

"چھ ماہ پہلے لندن کے ٹیوب اسٹیشن پر جب میری تم سے ملاقات ہوئی تھی تو تم نے اپنے بارے میں بتایا کہ تمہارا تعلق اپنے ملک کے ایک معزز اور تعلیم یافتہ مہذب گھرانے سے ہے۔ والدین کی وفات کے بعد تنہا رہتی ہو۔ آرٹ میں قدرتی دلچسپی رکھتی ہو اور ایک معروف فوٹو گرافر ہو۔ میرے سامنے ایک سادہ مزاج، نرم خو، لطیف لطیف ذوق رکھنے والی، خوبصورت اور مہذب ایشیائی لڑکی کا نقشہ کھینچ گیا تھا۔ کیونکہ تم نے خود کو ایسا ہی پورٹریٹ کیا تھا۔ مگر یہاں آکر، تمہارا کام دیکھ کر اور ساتھ رہ کر تمہاری شخصیت کے بہت سے پہلو میرے سامنے آئے جس نے مجھے بالآخر اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ تم وہ نہیں ہو، جو مجھے لگی تھیں۔ میں تمہارے بارے میں سنجیدہ ہو جاتا کہ شادی کر کے ہمیشہ کے لیے مضبوط تعلق بنالیتا۔ شاید میں جلد ہی ایسا کرنے والا تھا مگر اب"

البرے سانتو نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبالیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ مجھے مس ارشین بخاری سے ملنے کا اتفاق ہو گیا اور یوں مجھ پر کھل گیا کہ تم دراصل دوغلی اور دھوکے باز عورت ہو۔ تمہارے بہت سے چہرے ہیں اور ہر چہرہ دوسرے سے زیادہ بدصورت ہے۔ اگر صاف صاف اپنے ماضی کے متعلق بتا دیتیں تو شاید مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ مگر تم مجھ سے جھوٹ بولتی رہیں۔"

"ارشین بخاری، اوہ گاڈ البرے وہ ایک مکار لڑکی ہے۔ وہ سب بکواس جو اس نے کی تھی۔ اس میں کوئی سچائی نہیں ہے۔ مجھ پر یقین کرو۔" لیلیٰ نے آنکھوں میں التجا بھر کر اسے دیکھا۔

"اتنی اچھی اور نفیس مزاج کی لڑکی جھوٹ نہیں بول سکتی۔" البرے نے نفی میں سر ہلایا۔ لیلیٰ شاہ کے دل پر چھریاں چل گئیں۔

"اور اگر بالفرض ایسا ہے تو بھی میں تم سے شادی کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں نے اتنے دن تمہارے ساتھ رہ کر بور اور ناخوش محسوس کیا ہے۔ ہمارے مزاج اور سوچ میں بہت فرق ہے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے نہیں ہیں۔ گڈ بائے۔"

... چلا گیا۔

جاتے جاتے وہ ارشین کی وہ تصویر ہمراہ لے جانا بھول گیا تھا جو اس نے اس روز بڑے جی جان سے نمائش سے خریدی تھی۔ بعد میں وہی تصویر لیلیٰ شاہ کے ڈرائنگ روم کی زینت بنی۔

لیلیٰ جب جب اس تصویر کو دیکھتی تھی اسے البرے سانتو ارشین بخاری اور ان کے ساتھ گزرے لمحات یاد آتے۔

اس نے ایک پلاننگ کے ساتھ ارشین کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کیے تھے۔ دوبارہ سامنا ہوا تو وہ اتنی گرمجوشی سے ملی کہ ارشین حیران رہ گئی۔

لیلیٰ نے یہی ظاہر کیا تھا جیسے وہ ماضی کی ہر تلخ بات بھلا چکی ہے۔ وہ یوں ملی جیسے ان کے درمیان برس ہا برس کی دوستی و محبت رہی ہو۔

مگر اندرون دل وہ کبھی اس زخم کو نہ بھلا پائی جو ارشین کی وجہ سے البرے سانتو کے انکار کی صورت میں اس کے دل پر لگا تھا۔

اب مناسب موقعہ ہاتھ آیا تھا اس حساب کو چکانے کا، خصوصاً جب سے اس کی امبرین سے ملاقات ہوئی تھی اس کے ذہن میں جامع منصوبہ ترتیب پا گیا تھا۔ وہ ایک خاص مقصد کی خاطر امبرین کو اپنے اتنا قریب لائی تھی۔

اب کی بار وہ بڑی ہوشیاری سے گیم کھیلنا چاہتی تھی۔

امبرین سے حاصل کردہ معلومات نے اس کے کام کو اور سہل بنا دیا تھا۔ اب وہ اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کے لیے پروفیسر دانیال کی ذات کو با آسانی استعمال کر سکتی تھی۔

وہ جانتی تھی امبرین اور پروفیسر دانیال اس وقت یکساں طور پر ارشین کے ہاتھوں چوٹ کھائے ہوئے ہیں اور اس سے انتقام لینے کو بے چین ہیں۔

امبرین کی قوت ارادی تو اب یوں بھی ہیروئن کی ایک پڑیا اور ڈرنک تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی طرف سے لیلیٰ شاہ مطمئن تھی۔

اگلا اقدام پروفیسر دانیال سے رابطہ کرنا، انہیں اپنے کام کے لیے ہموار کرنا اور مطلوبہ "تعاون" حاصل کرنا تھا۔ آرٹ گیلری سے آرٹ اینڈ آرٹ سینٹر کا نمبر معلوم کرنے کے بعد لیلیٰ شاہ نے بالآخر ایک دن پروفیسر دانیال کا نمبر ڈائل کر لیا۔

◆◆◆

"اوہو پیرو! آہستہ بھئی آہستہ ذرا آہستہ بھگاؤ اپنا پاکٹ کو۔ میں ابھی تمہاری اس ہوائی سواری کی عادی نہیں ہوئی۔"

رشمین نے بڑی مشکل سے تانگے کی لکڑی کی بنی سیٹ کو تھام کر خود کو اچھل کر نیچے گرنے سے بچایا تھا۔

"میں نے کہا تو تھا باجی کہ زور سے پکڑ کے بیٹھو۔ پھر نہیں گرو گے۔" پیرو اس کی بدحواسی پر ہنسا اور گھوڑے کو آہستہ کرنے کے لیے ہلکی سی لگامیں کھینچیں۔

"تم پہلے بھی ابے کے ساتھ شہر جاتے رہے ہو۔ اب تو عادت ہو جانی چاہیے۔"

"تو بندے۔ حاکو بابا تانگے کو تانگہ سمجھ کر چلاتے ہیں۔ تمہاری طرح اڑن کھٹولا نہیں بنا لیتے اور آہستہ چلاؤ" اس نے خفگی سے ہدایت کی۔

"لو جی۔ آپ ہی تو کہہ رہے تھے عصر کی اذانوں سے پہلے پہلے گھر واپس پہنچنا ہے۔ میں تو ای لیے دوڑا رہا
اے کے شیرو کو۔ چل بھئی ہو لے ہو جا اب دیا شیرا۔"
پیرو نے گھوڑے کو مخاطب کیا۔
ارشین سوشل ڈائجسٹ کے سب آفس گئی تھی۔ آفس انچارج جمیل صاحب سے تفصیلی بات چیت کر کے
اس نے جاب کے لیے اپنے ڈاکومینٹس جمع کروا دیئے تھے۔ انہوں نے تین دن بعد آنے کے لیے کہا تھا۔ گھر
قریب آتا جا رہا تھا۔
"آج سوئے کی طرف جانے والا راستہ خالی پڑا ہے۔ خیر تو ہے کیا گاؤں والے اپنے مویشی سوئے پہ پانی پلانے
اور نہلانے کے لیے نہیں لے کر گئے؟" ارشین نے بائیں طرف کھیتوں کے بیچ سے گزرتی کچی سڑک پر نظر
دوڑائی۔
"آج کل سوا بند ہے جی۔"
"اچھا! کیا پانی بند بھی ہو جاتا ہے؟" وہ حیران ہوئی۔
"ضرورت کے وقت بند کرتے ہیں جی۔ آج کل نہروں کی بھل صفائی ہو رہی ہے۔ فوجی جوان اس کام میں لگے
ہوئے ہیں۔ ہماری نہر بھی بند کرا دی گئی ہے۔ تاکہ اچھی طرح نہروں کا راستہ صاف کیا جا سکے۔ میں کل گیا تھا نہر کی
طرف۔ وہاں ٹریکٹر ٹرالیاں اور دوسری مشینیں نہر سے مٹی نکال کر کناروں پر ڈال رہی تھیں۔ فوج کے سپاہی کام کر
رہے تھے اور افسر لوگ ان کی نگرانی کر رہے تھے۔"
"ہوں۔" ارشین نے سر ہلا کر بے خیالی میں ہوں کہا۔ پھر کچھ سوچنے لگی۔
جیسے کچھ یاد سا آ کے رہ گیا۔ ہاں فوجی افسر کے ذکر پر اسے سعد یاد آ گیا تھا۔
"وہ بھی کہیں بھل صفائی آپریشن کی نگرانی کر رہا ہو گا۔" اس نے سوچا پھر خود ہی اپنی سوچ کی تردید بھی کر دی۔
اس کی ڈیوٹی تو بارڈر پر تھی۔ وہ فوج کے انتظامی معاملات میں کدھر سے آ گیا؟
مگر خیر ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ کہ فوجی زندگی میں ٹرانسفر ہونا معمول کی بات سمجھی جاتی ہے۔
جانے وہ یاد کی کون سی یکساں لہر اٹھی تھی کہ خود بخود فریکوئنسی مل گئی۔
وہ گھر داخل ہوئی تو آم کے درخت کے پاس بچھی گونگی بوا کی چارپائی کے کنارے بیٹھے یونیفارم میں ملبوس سعد کو
دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔
"اسلام و علیکم۔" سعد اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"تم یہاں کیسے آ گئے؟"
"بوا کھلے دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھیں، میں بھی اس کے پیچھے آ گیا اور اشاروں میں بتایا کہ میں ارشین
بی بی کا رشتے دار ہوں۔ اس کی رضامندی سے یہاں بیٹھ گیا۔"
وہ نظر جما کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"تمہاری صحت پہلے کے مقابلے میں قدرے بہتر ہو گئی ہے۔ گھر کا نقشہ بھی بدلا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔
"خوش حالی" آپ کی ذاتی کاوش ہے یا شوہر نامدار کی عنایت و نوازش۔"
"یہاں کس سلسلے میں آنا ہوا؟" وہ اس کا لطیف طنز نظر انداز کرتے ہوئے تکلف سے بولی۔
"میرا ٹرانسفر بارڈر سے دوبارہ اندرون ملک ہو گیا ہے۔ آتے ہی بھل صفائی کے کام کی نگرانی سونپ دی گئی۔
اتفاق سے میری ڈیوٹی اس علاقے کی نہر پہ لگی ہے۔ اتنا قریب ہوتے ہوئے تمہاری خیریت دریافت کرنے کے
نہ آنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔" وہ آہستگی سے بولا۔ ارشین کے انداز کی اجنبیت اور لاتعلقی نے اس
جذبات کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ وہ اس سے اس درجہ بے حسی کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ محبت کرنے والا دل ہمیشہ خوش
فہمی اور خوش امیدی کے حصار میں رہتا ہے۔
وہ یہی سمجھا تھا کہ اتنے عرصے بعد ہونے والی ملاقات یقیناً" اس کے دل پہ جمی تغافل کی برف پگھلا دے گی۔

بڑھ گئی ہے۔ اٹھیں آپ کی چارپائی کمرے میں بچھا دوں۔" وہ سہارا دے کر بوا کو اٹھانے لگی۔ اپریل
دن میں موسم نارمل رہتا تھا البتہ مغرب کے بعد فضا میں ہلکی ہلکی ٹھنڈک کا احساس ہوتا تھا۔
اٹھا لیتا ہوں۔" وہ چارپائی اٹھانے کو تھی کہ سعد نے آگے بڑھ کر خود مونجھ کی چارپائی دونوں ہاتھوں
میں اٹھا لی۔

میں اپنا کام خود کرنے کی عادی ہوں۔"
اس کا احتجاج نظر انداز کر کے چارپائی کمرے میں لے گیا۔ چارپائی مقررہ جگہ پر بچھا کر سعد نے کمرے
طرف رکھے ایزل کی طرف دیکھا۔ برش، رنگ، ادھوری پینٹنگ اسے بہت کچھ بتا رہے تھے۔
ذریعہ ڈھونڈا ہے جینے کا۔"
تکلیف دہ احساس دل میں دباتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔
تمہارا ایس پی شوہر۔ کب ختم کرے گا تمہاری قید بامشقت۔" اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے
سانس لی۔
اس کا لہجہ نظر انداز کرتے ہوئے بوا کی چارپائی پر بستر بچھا رہی تھی۔
سزائیں کبھی ختم نہیں ہوا کرتیں۔ بندہ معاف کر بھی دے تو انسان کا اپنا آپ اسے سزا دیتا رہتا ہے۔ تم
جانے کا ارادہ ہے۔"
کہاں جا سکتا ہوں۔ وہیں کھڑا ہوں جہاں برسوں پہلے ٹھہرنے کا ارادہ کیا تھا۔ جگہ تو تم بدلتی ہو۔ کبھی دور،
کبھی رگ جاں سے زیادہ قریب تو کبھی میلوں کی نارسائی۔ ہر احساس تمہارا دیا ہوا ہے۔ میرے پاس
کچھ بھی تو نہیں۔ دل و جان، سوچ، جذبے، لمحے، خواب، خواہش ہر شے تمہارے سپرد کر چکا ہوں۔ تم
کاٹھ کباڑ سمجھ کر دل کی دہلیز کے باہر پھینک دو، تمہاری مرضی۔"
چارپائی کے سرے پر بیٹھ کر اپنے ہاتھ کے ناخن دیکھنے لگا۔
کیوں پاگل پن کی باتیں کرتے ہو۔ پلیز اس طرح نہ کیا کرو۔ مجھے تمہاری دیوانگی سے ڈر لگتا ہے۔ اپنا
لگنے لگتا ہے۔ کیوں کر رہے ہو ایسا۔" وہ شکستہ لہجے میں گویا تھی۔
رہا ہوں۔" سعد نے سکون سے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔
اور اپنی سونا سی عمر برباد کر رہے ہو۔"
نہیں، تمہاری بربادی کا دکھ ہے۔" سعد کی آواز میں کرب تھا۔ "اگر تم آباد ہو جاتیں، تمہاری زندگی
اور شانتی ہوتی تو شاید میرے دل کو بھی صبر آ جاتا مگر اس طرح۔" وہ چپ ہو گیا۔
ہوں، شادی کا مطلب ہی خانہ آبادی ہوتا ہے۔" وہ زبردستی بشاشت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔
اک نگاہ اس پر ڈال کر رہ گیا۔ اس کی نگاہ کہہ رہی تھی۔
مشقت کو آبادکاری کا نام دے کر تم کس کو دھوکا دے رہی ہو۔ گھر ہے کہ اک ویرانہ ہے۔

مقبرے کی طرح سنسان پڑا ہے۔
ناکردہ گناہوں کی سزا سہتے سہتے آبلہ بن گئی ہے۔
پیٹ کا ایندھن بھرنے اور جینے کا سامان کرتے کرتے دھول مٹی میں ملنے لگا ہے۔
ہو کہ آباد ہو۔ کیا اپنی ہنسی اڑانا تمہیں اچھا لگتا ہے۔
سوچ میں گم دیکھ کر باہر نکل گئی تھی۔
بعد آئی تو اس کے ہاتھ میں سلور کی ٹرے تھی جس میں تین چائے کی پیالیاں تھیں۔ گونگی بوا اور
بعد تیسری پیالی خود لے کر وہ بوا کی چارپائی کے کنارے ٹک گئی۔
ہو؟" سکوت میں ارشین کا دھیما لہجہ اچانک ابھرا تھا۔
سعد نے سر جھکا لیا۔

ارشین کچھ دیر تک شرمندگی دلانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھتی رہی۔
"کیوں دکھ دیتے ہو انکل، آنٹی کو۔ ان کا کیا قصور ہے۔ خرابی تو تمہارے دل و دماغ کی ہے۔" سعد نے تو
میں کچھ نہیں کہا۔
"ان کے پاس جاؤ، ان سے ملو اور اپنی غلطی کی معافی طلب کرو۔ تمہاری وجہ سے انہیں کس درجہ ذلت
پڑی ہوگی اور نازو، وہ بھی اپنے سسرالیوں کے سامنے شرمندہ ہوئی ہوگی۔"
"سب کے جذبات کا خیال ہے تمہیں، سوائے میرے۔" اس کا لہجہ شاکی ہوگیا۔ ارشین نے ان سنی
کردی۔
"کب تک ہو تم یہاں؟"
"آج آخری دن تھا۔ کام مکمل ہوگیا ہے۔ رات آٹھ بجے تک ہم لوگ واپس چلے جائیں گے۔" گویا وہ
جاتے ملنے آیا تھا۔ ارشین نے سکھ کا سانس لیا۔
تھوڑی دیر بعد وہ جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ ارشین بڑی دیر تک اسے سمجھاتی رہی تھی۔
"تمہاری یہ بات مان سکتا ہوں کہ اسلام آباد واپس جاکر امی، ابو سے مل کے معافی مانگ لوں لیکن ان
تمہاری حسب خواہش شادی کی شرط میں کبھی نہیں مان سکتا۔ آئی ایم سوری۔"
وہ خدا حافظ کہہ کر بوا کو اشارے سے سلام کرنے کے بعد باہر نکل گیا۔
"مان جاؤ گے، ایک دن ضرور مان جاؤ گے۔" ارشین اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ "وقت بڑا زور آور
ڈیئر میجر! سب کچھ منوا لیتا ہے۔"
رات کا کھانا پکا کر فارغ ہونے کے بعد وہ بستر میں جا گھسی۔ چادر گردن تک تان کر سیدھی لیٹی وہ بڑی دیر
لالٹین کی کمزور ٹمٹماتی پیلی روشنی میں چھت کی کڑیاں گنتی رہی۔ جانے کتنا وقت بیت گیا۔ ابھی تک آنکھ میں
کی جھپک نہ اتری تھی۔
باہر گلی میں چوکیدار لال دین کا ہوکا گاہے بگاہے سناٹے کو چیرتا کانوں میں گونج رہا تھا۔
"جاگتے رہنا، بھئی او۔ جاگتے رہنا۔"
ساتھ میں لاٹھی کی مخصوص ٹک ٹک بھی سنائی دے رہی تھی۔ پس منظر میں مختلف جانوروں کی بو
آوازیں آرہی تھیں پھر اچانک اس "روٹین" میں خلل پڑ گیا۔
لال دین کی آواز آنا بند ہوگئی۔

○○○

اک شور سا اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی بھاگتے دوڑتے، چلاتے ہوئے لوگوں کی دھاڑیں سنائی دینے لگیں
"ڈاکو آگئے ہیں۔ اوئے پڈ کو ڈاکو پڑ گئے ہیں۔ لوگو! بچو۔"
لال دین نے کراہتے ہوئے چیخ چیخ کر گاؤں والوں کو خبردار کرنا چاہا تھا پھر اس کے ساتھ ہی اس کی آواز
گئی۔
پھر تو جیسے اک قیامت آگئی۔ ارشین دہل کر چادر پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ کانوں سے سہمی ہوا
نیند میں تھی۔
بچوں اور عورتوں کی چیخیں اور مردوں کی پکاریں بلند سے بلند تر ہوتی گئیں۔ کواڑ کھل رہے تھے، گویا
رہی تھیں اور چھینا جھپٹی جاری تھی کہ اسی اثناء میں اس کے گھر کا بند کواڑ پوری قوت سے دھکیل کر توڑا
اگلے لمحے بندوقیں تھامے پانچ چھ لمبے تڑنگے وحشی نما مرد سیاہ ڈھاٹے منہ پر باندھے دھڑ دھڑ کرتے اندر
اب ارشین ان کے درمیان بے یار و مددگار کھڑی تھی۔
گاؤں میں چوری ڈاکے کی واردات اچنبھے کی بات نہیں سمجھی جاتی۔ خصوصاً "چھوٹے موٹے" دیہاتو
جہاں پولیس تھانے بھی کوسوں دور واقع ہوتے ہیں، وہاں ڈاکو دیدہ دلیری سے گروہ کی شکل میں حملہ آور ہو

کے ساتھ دیہاتیوں کے گھروں کو لوٹ کر مال اسباب جمع کرکے ویگن یا جیپ میں رخصت ہوجاتے
مکینان کو ڈرانے دھمکانے کے لیے دو چار ہوائی فائر ہی کافی ہوتے ہیں۔ سیدھے سادے لوگ اسلحے کی
گاؤں والوں کو دیکھ کر ویسے ہی سہم کے پتھر ہوجاتے ہیں، سو جوابی کارروائی کیا عمل میں آئے اور رہا گاؤں کا چوکیدار تو ایک
لاٹھی بردار ہٹے کٹے مسلح افراد سے کیا اور کہاں تک لڑ سکتا ہے۔
انہوں نے آتے ہی لال دین کو دبوچ کر ہاتھ پیر باندھ کے گلی میں پھینک دیا تھا۔ اب بے خوفی سے گھروں
میں گھس کر لوٹ مار کر رہے تھے۔ اسی دوران پھرتے پھراتے ارشین کی طرف آنکلے تھے۔ وہ بچوں اور عورتوں
کے زبانی انداز میں چلانے پر کمرے سے باہر نکل کر برآمدے میں آگئی تھی۔ اس کے لیے چونکہ اپنی زندگی کا پہلا
تجربہ تھا لہٰذا یہ بات ذہن میں نہیں آئی تھی کہ احتیاطی تدبیر کے طور پر چیخ و پکار سن کر کمرے میں بند ہوکر اندر
سے کنڈی لگالے۔ ابھی وہ مخمصے میں ہی تھی کہ چار پانچ افراد دندناتے ہوئے ادھر آنکلے۔
"لڑکی! جو کچھ ہے ہمارے حوالے کردے۔" ایک دیو قامت ڈھاٹا بردار نے کھردرے اور وحشیانہ لب و لہجے
میں اسے للکار کر مخاطب کیا تھا۔
"م۔ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔" وہ سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے جلدی سے بولی۔ اس کا پورا
وجود خوف سے کانپ رہا تھا۔ دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے ابھی نکل کر باہر آپڑے گا۔ تاہم وہ اپنے تحمل ہوتے
اعصاب پر قابو پانے کی کوشش جاری رکھے ہوئے تھی۔ وہ جانتی تھی، اس وقت اللہ کے بعد اس کی حاضر دماغی اور
اعصاب پر کنٹرول ہی اسے بچا سکتا ہے۔ کسی اور طرف سے امداد ملنے کی قطعی توقع نہیں تھی۔ سعد دو گھنٹے پہلے یہاں
سے رخصت ہوگیا تھا اور مہران اسلام آباد میں تھا۔ اس کی آمد کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اب جو کچھ کرنا تھا اسے ہی
کرنا تھا۔
"سیدھی طرح بتادے، زیور پیسہ کہاں رکھا ہے۔ ورنہ۔۔۔" دوسرے نے خوفناک انداز میں دھمکی دی۔ ان
کے لہجے اکھڑے ہوئے اور تہذیب و تمیز سے ناآشنا تھے۔
"بھائی! مجھے کچھ مہینے ہوئے ہیں یہاں آئے ہوئے۔ اکیلی رہتی ہوں۔ محنت مزدوری کرکے روکھی سوکھی کماتی
ہوں۔ پھر بھی تمہاری تسلی نہیں ہوئی تو اندر جاکر دیکھ لو، جو ملے لے لو۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔"
وہ مصلحتاً "عاجزی" سے کام لے رہی تھی۔ وہ جانتی تھی، ان بے رحم اور جنم جنم کے اجڈ وحشی جانوروں کو
غصہ یا اشتعال دلانے میں سراسر اپنا نقصان تھا۔ ان کے دماغ کی رو پلٹ جاتی تو مال و متاع کے ساتھ ساتھ
عزت و آبرو کے لالے بھی پڑ جاتے۔ وہ چاہتی تھی جو لینا ہے، لے کر جلدی سے یہاں سے دفعان ہوجائیں۔
"خبردار! چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو یہیں بھون کے رکھ دوں گا۔"
ایک ڈاکو نے اس کے پہلو میں بندوق کی نال چبھو کر عادتاً "دھمکی دی تھی۔ باقی ساتھی کمروں کی تلاشی لے
رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ جھلائے ہوئے واپس آگئے۔
"استاد۔ اندر تو کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ چار ہزار روپے ملے ہیں الماری سے، باقی کاغذوں پر تصویریں بنانے کا
سامان اور چھریاں، چاقو، خنجر وغیرہ۔ وہ ہمارے کس کام کے۔ چلو استاد، اس کو ایک ہاتھ دے دو۔ کہیں تیزی نہ
دکھائے۔"
اس کے ساتھ ہی ارشین کے سر پر بندوق کا ہلکا سا بٹ لگا، وہ چکرا کر زمین پر گری اور ہوش و حواس سے عاری
ہوگئی۔
کچھ دیر بعد وہ اپنے حواس میں واپس لوٹی تو بہت سارے مردوں اور عورتوں کو اپنے گھر کے آنگن میں کھڑے
پایا۔ ماسی برکتے اور اس کی بہو رانو اس کے پاس بیٹھی اس کی ہتھیلیاں سہلا رہی تھیں۔ اسے ہوش
میں آتے دیکھ کر انہوں نے سکون کا سانس لیا۔
"شکر ہے پتر! رب سائیں نے خیر رکھی۔ ہم تو ڈر ہی گئے تھے۔" تاجی کے باپ غلام علی ترکھان نے نرمی سے
اسے مخاطب کیا۔

"سب طرف خیریت رہی چاچایا۔۔۔؟"
وہ خود پر قابو پاتے ہوئے آہستہ آہستہ اٹھ بیٹھی اور چکراتے ہوئے سر کو تھاما۔

"خیریت کہاں دھیے ۔ برباد ہوگئے ہم غریب نمانے۔" برکتے دہائی دینے لگی۔ "اللہ رکھی نائن کی بیٹی کی چار بعد بارات تھی۔ اس بے چاری کا سارا زیور لتا لوٹ کے لے گئے۔ بالے قصائی کے بیٹے کی دس ہزار کی کمیٹی تھی، وہ بھی چھین کے لے گئے۔ مقبولاں تنور والی کے آٹھ ہزار روپے اور منجھلی بہو کا دس تولے کا زیور لے گئے باقی جن کے ہاں سے تھوڑا بہت ملا، تھیلے میں ڈالتے گئے۔ اللہ سمجھے ان ظالموں کو۔ خون پسینے کی جمع کی ہوئی پائی پائی بٹورلی۔" برکتے نے دوپٹہ آنکھوں پر رکھ کر آنسو جذب کیے۔

"خیردین اور امیردین کی کمائی سے پیسے جوڑ کر میں نے لاڈو کے لیے سونے کے جھمکے اور موتیوں کا دولڑی کا بنوایا تھا کہ سال چھ ماہ بعد اس کا بیاہ کروں گی تو کام آئے گا۔ لاڈو کو بھائیوں کا تحفہ پہن کر استعمال کرنا نصیب نہیں ہوا۔ اللہ ان نامرادوں کو ہدایت دے۔" برکتے کا لہجہ بھرایا ہوا تھا۔

صحن میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جارہی تھیں۔ تین چار لوگوں کے ہاتھوں میں لالٹینیں تھیں۔ گاؤں کے کچھ پرجوش نوجوان ڈاکوؤں کا تعاقب کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ٹھنڈے مزاج کے تجربہ کار بزرگ حضرات انہیں منع کر رہے تھے۔ ڈاکو مسلح ہونے کے ساتھ ساتھ جیپ میں بھی سوار تھے۔ جبکہ گاؤں میں آمدورفت کا واحد ذریعہ تانگہ تھا۔ تانگے اور جیپ کی رفتار کا کیا مقابلہ۔

"کیا ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے؟" ارشین نے برکتے سے دریافت کیا۔

"ہاں دھیے!" برکتے نے ٹھنڈی سانس لی۔ "یہ ہمارے لیے نواں تماشا نہیں ہے۔ چور ڈاکوؤں کا جب دل چاہے جائے، واردات کے لیے آنکلتے ہیں۔ ہر چھ سات ماہ بعد اس گاؤں میں لوٹ مار کے لیے آجاتے ہیں۔"

"پولیس کچھ نہیں کہتی؟ وہ مجرموں کو پکڑتی کیوں نہیں ہے؟"

ارشین کی بات پر ایک بزرگ استہزائیہ ہنسے۔

"جان بوجھ کر سیاپا کون مول لیتا ہے۔ وہ سب کچھ دیکھ سن کر انجان بن جاتے ہیں۔ افسر پوچھ گچھ کریں تو آگے سے بڑھ کر ایک بہانا ہوتا ہے۔ ناکافی اسلحہ، نفری کی کمی، ٹرانسپورٹ کی سہولت کا نہ ہونا یا پھر بروقت اطلاع نہ ملنا۔ کچھ بھی کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں۔"

"او جی میں تو کہتا ہوں یہ ڈاکے بھی پولیس اور ڈاکوؤں کے آپس کے گٹھ جوڑ سے ہوتے ہیں۔ پولیس والوں کو ان کے پروگرام کا سارا پتا ہوتا ہے۔ کہاں جائیں گے، کس وقت پہنچیں گے اور کب واپسی ہوگی۔ یہ معلومات ان کے پاس پہلے سے موجود ہوتی ہیں۔" کسی دل جلے نے کڑھتے ہوئے اظہار خیال کیا تھا۔

مختلف گھروں سے رونے پیٹنے کے ساتھ ساتھ تسلی تشفی کرانے والوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس ہنگامے میں کیسی نیند اور کہاں کی نیند۔ پورا گاؤں جاگ رہا تھا۔ یوں بھی اب فجر کی اذان ہونے میں آدھ پون گھنٹہ ہی باقی تھا۔

پھر آہستہ آہستہ گلیوں سے بھیڑ چھٹتی گئی۔

چوٹ کھائے ہوئے لٹے پٹے دیہاتی تھکے۔ ماندے مایوس قدموں سے گھروں کو لوٹ کر نئے طلوع ہونے والے دن کے کام دھندوں کا آغاز کر رہے تھے۔ زندگی کی اسکرین کتنی ہی دھندلی ہو جائے اس پر ابھرا معمولات کار کا منظر نہیں بدلتا۔ وہ ہمیشہ ایک سا رہتا ہے۔

فجر کے بعد ٹکو کی ہٹی کھلی تو ارشین نے رانو کے بھائی کو بھیج کر پیراسٹامول کی دو گولیاں منگوائیں اور دودھ کے ساتھ کھا کر غافل ہوگئی۔ گزرنے والی اعصاب شکن رات نے جسم کے ساتھ ساتھ اس کے دماغ کی چولیں بھی ہلا کر رکھ دی تھیں۔ وہ ذہنی طور پر خود کو نڈھال اور شکستہ محسوس کر رہی تھی۔ صبح واردات کے بعد اس نے لوگوں کو دبے انداز میں کہتے سنا تھا۔

"یہ بی بی پولیس افسر کی رشتے دارنی ہے۔ کیا یہ اس سے بات کر کے ڈاکوؤں کو پکڑوا نہیں سکتی؟ اس افسر

...لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیے۔ آخر کب تک ہم اپنی حق حلال کی کمائی لٹیروں کے حوالے کرتے رہیں گے۔ ...لوگوں کو یہ خبر نہیں تھی کہ ایسے "سلسلے" جن کی جڑیں صدیوں پر محیط ہوں، یکبارگی اور ...ختم نہیں کروائے جاسکتے۔ جب آتشیں اسلحہ نہیں ہوتا تھا تو چاقو، ڈنڈے یا جسمانی طاقت کے زور پر ...کی جیبیں خالی کرائی جاتی تھیں۔ اب سائنس کی مہربانی کی بدولت ایک سے بڑھ کر ایک جدید ہتھیار ...دہشت گردی کے میدان میں استعمال ہو رہا ہے اور اسی حساب سے پولیس والوں کی بے بسی اور ناکامی ...بڑھتی جارہی ہے۔

◆ ◆ ◆

...پسندی کیا ہوتی ہے۔

...وضاحت شدت پسند شخص کی ذات کے کسی بھی پہلو کا جائزہ لینے سے مل سکتی ہے۔

...رویے میں ہو تو ایسے شخص کی دوستی اور دشمنی دونوں انتہا کی ہوتی ہیں۔ اگر جذبوں میں ہو تو اس کی خوشی ...کیفیات بہت شدید ہوتی ہیں۔ اگر سوچ میں ہو تو ایسا شخص لوگوں کو صرف دو تناظر میں دیکھے گا۔ بہت ...بہت اچھے۔

...میں ہو تو وہ چیزوں یا معاملات کو فقط دو کیٹگریز میں جانچے گا۔ غلط یا صحیح۔

...یہ کہ اس کی سوچ، جذبات، رویے اور عمل میں توازن نام کو بھی دیکھنے میں نہیں آتا۔ درمیانی راستہ ...اس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ وہ زندگی کی ٹرین کو ایک ہی پٹڑی پہ چلاتے رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔

...تو سراپا شدت پسندی کی مثال ہوتے ہیں۔ البتہ کچھ ایسے بھی ہیں جو کسی ایک خاص زاویے سے ...کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کی ایک مثال پروفیسر دانیال مہدی کی شخصیت تھی۔ وہ ویسے تو ایک کامیاب، ...سنجیدہ طبع متین مرد تھے مگر اپنے رویے کے معاملے میں اعلا درجے کے شدت پسند تھے۔ دوستی میں ...گزر جانا اور دشمنی میں حد سے گزر جانا ان کی سرشت میں شامل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب لیلیٰ شاہ نے ...رابطہ کر کے ارشین کے خلاف مشترکہ محاذ کھولنے کی دعوت دی تو انہوں نے کچھ پس و پیش کے بعد قبول

...مشترکہ ہو تو وار بھی مشترکہ ہونا چاہیے۔ تاکہ ایک ہی حملے میں کام تمام ہو جائے۔" لیلیٰ شاہ نے ...انداز میں بات کی تھی۔

...کی حکمت عملی کیا ہے۔ مجھے تفصیلات درکار ہیں۔" وہ سنجیدہ تھے۔

...بات فون کی لائن کے ذریعے تھوڑا انڈیلی جاسکتی ہیں۔" وہ دلربائی سے ہنسی۔

...کے لیے آپ کو غریب خانے پر تشریف لانا پڑے گا یا پھر یوں کریں کہ اپنی چند اچھی سی سولو تصویریں ...نکال کر مجھے بھجوا دیں۔"

...خطرناک جال بچھانے کے تمام انتظامات مکمل کر چکی تھی۔

...میں خود آپ کے پاس آؤں گا۔" انہوں نے فیصلہ کر لیا۔

...منتظر رہوں گی۔" وہ چہک کر بولی۔

...وار ہوگا کہ ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے۔ آپ ایس پی صاحب سے جی بھر کر اپنی شکست کا ...کہ ان کی راتوں کی نیندیں حرام نہ ہو گئیں تو کہیے گا۔"

...ارشین کو ایک بار اپنے قدموں میں جھکانا چاہتا ہوں۔ اب وہ میری ضد بن گئی ہے۔ اسے تسخیر کرنے ...اکڑی گردن جھکانے کے لیے میں کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہوں۔" پروفیسر دانیال کے لہجے میں ...غرایا تھا۔

...اپنی کامیابی پر مسرور ہوتے ہوئے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

◆ ◆ ◆

حسب معمول امبرین لیلیٰ منزل میں موجود تھی۔

آج بڑے دنوں بعد اس کا لیلیٰ سے سامنا ہوا تھا۔ لیلیٰ کی مصروفیات کچھ اس قسم کی تھیں کہ دن کو گھر پر کم کم ہی نصیب ہوتا تھا۔ یوں بھی امبرین چار بجے تک واپس چلی جاتی تھی۔ نشے کے لیے "ڈوز" تارا جاتی تھی مگر آج خصوصی طور پر لیلیٰ نے اپنے ہاتھ سے خفیہ خانے سے ہیروئن کی تھیلی نکال کر اسے دی تو امبرین "آب حیات" دیکھ کر ندیدوں کی طرح تھیلی کھولنے لگی۔

لیلیٰ ہاتھ میں بیگ لیے اس کی طرف سے پشت کر کے ارشین کی بنائی ہوئی پینٹنگ کے آگے کھڑی ہو غور سے تصویر کے خدوخال ٹٹولنے لگی۔

"بڑی محنت کی ہوگی تمہاری بہن نے اس تصویر پر؟"

وہ اسی طرح پشت موڑے مخاطب ہوئی۔ لہجے سے اس کے موڈ یا مدعا کا کچھ اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"جی ہاں کافی وقت لگا تھا۔" امبرین کپکپاتے ہاتھوں سے یہ نشہ آور زہریلا مواد اپنے حلق میں اتار رہی

"امید کا سورج مایوسی کی قبر میں اتارا جا رہا ہے۔" لیلیٰ بغور تصویر دیکھتی ہوئی سوچ کر بڑبڑائی۔ "اور دھوئیں اور آندھی کے ذریعے اپنا احتجاج ظاہر کر رہی ہے۔ خاصی عجیب سی تھیم ہے اس تصویر کی۔"

وہ خود سے باتیں کر رہی تھی۔

"جی۔" امبرین نے مخمور انداز میں جیسے ہنکارا بھرنے کا فرض ادا کیا۔ اس کی بھرپور توجہ ہیروئن کی تھی۔

"ایک بات تو بتاؤ ڈارلنگ۔" دفعتاً لیلیٰ اس کی طرف مڑی۔

"تم ارشین سے دشمنی میں کس حد تک جا سکتی ہو؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"دشمنی؟" نشے نے اس کی سمجھ بوجھ کو متاثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے آنکھیں یوں جھپکائیں جیسے پلے نہ پڑی ہو۔

"سنو میری جان! تمہاری بہن نے تمہارا حق مارتے ہوئے تمہارے منگیتر کو اپنے جال میں پھنسایا اور رشتہ تڑوایا تھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔"

ٹھکرائے جانے کی ذلت برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ خاص طور پر ایسے شخص کے لیے جو حقیقی خوشیوں اور اعتبار کے رشتوں سے محروم رہا ہو۔ لہٰذا ردعمل کے طور پر وہ ہر اس چیز سے نفرت کرنے جس کی وجہ سے اسے ٹھکرایا گیا اور اس کی واحد محبوب ہستی اس سے چھن گئی۔

لیلیٰ شاہ نے انسانی نفسیات کے اسی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے امبرین کے دل میں ارشین کے خلاف غبار کو شدید نفرت میں تبدیل کرنے کی تدبیر کی تھی۔

"تمہارا جسم ہو بہو ارشین کی کاپی ہے۔ گردن سے لے کر ایڑی تک تم ہی بنائی ارشین ہو۔ فقط چہرہ کے نقش مختلف ہیں۔"

لیلیٰ کی نظریں ایکسرے مشین کی طرح اس کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

امبرین کسمسا کر پہلو بدلنے لگی۔

"آؤ اوپر چلتے ہیں اسٹوڈیو میں۔" کچھ دیر تک اس کا بغور جائزہ لینے کے بعد لیلیٰ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ چپک کر رہ گئی تھی۔ امبرین حکم کی تعمیل میں اٹھی تو اس کے قدم ڈگمگا

"مجھے چکر آ رہے ہیں۔" اس نے تحمل ہوتے حواس سمیت سر تھاما۔ پلکوں پر جیسے کسی نے منوں بوجھ تھا۔ آنکھیں کھل کر نہیں دے رہی تھیں۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔

"میں اپنی جان کو خود سہارا دے کر اوپر لے جاتی ہوں۔" لیلیٰ نے بڑے پیار بھرے انداز میں اس کو لیا تھا۔

اسٹوڈیو میں خوبصورتی سے آراستہ سنگل بیڈ پر اسے بٹھانے کے بعد لیلیٰ کیمرہ سیٹ کرنے لگی۔

...نے لگی ہیں؟" امبرین نے بیڈ کی پشت پر سر ٹکا کر مندی مندی آنکھوں سے اس کی طرف
...ام سرو...

...معنی خیز انداز میں مسکرا کر اس کی طرف مڑی۔ "آج ایک خاص الخاص کام شروع کرنے لگی
...سے اس گھڑی کا انتظار کر رہی تھی۔"

...ایک الماری کھول کر پیاز کے چھلکے سے بھی زیادہ باریک اور نرم و ملائم ہلکا گلابی سلیپنگ گاؤن
...کی طرف اچھالا۔

"...لباس بدل لو۔"

...اتنا ہوش تو بہرحال تھا کہ وہ لباس کے نام پر بے حجابی کا کھلم کھلا اعلان کرتا بے ہودہ لبادہ پہننے
...اس نے گاؤن پرے اچھال دیا۔ "نہیں میڈم۔"

...کے تیور سخت ہو گئے۔ البتہ بولی کچھ نہیں۔ چپ چاپ دیوار گیر وال کلاک پر نظریں جما دیں۔

...طبیعت خراب ہو رہی ہے میڈم۔" کچھ دیر بعد امبرین کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔

...وڑا سا اور نشہ دے دیں۔ پلیز۔" اس نے التجا کی تو لیلیٰ نے کچھ سوچ کر خاموشی سے ایک پڑیا اسے

...منٹ کے وقفے کے بعد صورت حال لیلیٰ کے قابو میں آ چکی تھی۔ امبرین بیڈ پر بے سدھ پڑی
...گھنٹوں کے لیے ہوش کی وادی میں لوٹنے سے قاصر تھی۔ لہٰذا لیلیٰ نے اطمینان سے اپنا کام

◆◆◆

...دیر بعد امبرین کی آنکھ کھلی تھی۔

...اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ شام ہو گئی ہے۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

...دیر ہو گئی۔ مجھے گھر بھی تو جانا ہے۔" جونہی اس نے اپنے جسم کو حرکت دی تو اس پر عجیب و غریب
...دینے والا انکشاف ہوا۔

...میرے خدایا۔ کیا ہوا ہے میرے ساتھ

...سراپا ٹھٹھر گئی۔ اس نے جلدی سے دونوں بازو سکیڑ کر اپنے آپ کو ڈھانپا اور پھر پاگلوں کی طرح
...لباس تلاش کرنے لگی۔ ستر پوشی کرنے کے بعد وہ کانپتی ٹانگوں سمیت کھڑی ہوئی اور ابھی دیوار پر
...لائٹ جلانے ہی والی تھی کہ کمرہ خود بخود روشن ہو گیا۔ کوئی اندر داخل ہوا تھا۔

...نے کیا کیا ہے میرے ساتھ؟" لیلیٰ شاہ کی مسکراتی صورت دیکھ کر وہ وحشت زدہ انداز میں اس کی
...اس کا رواں رواں شرم و غیرت سے لرز رہا تھا۔

...تو نہیں کیا۔ پریشان کیوں ہوتی ہو میری چڑیا۔" لیلیٰ شاہ ہشاش بشاش اور پرسکون تھی۔ اس کے
...ہاتھوں کے تازہ پرنٹس تھے۔ غالباً ابھی ابھی ڈرائر سے نکالے گئے تھے۔ کیونکہ وہ ہلکے ہلکے گیلے لگ

...وجہ سے تو میرا کام آسان ہو گیا ہے۔ تمہیں نقصان کیوں پہنچاؤں گی میں۔"

...بے ہوش کر کے آپ نے میری "خراب" تصویریں کیوں لی ہیں۔" وہ دہک کر بولی۔

...تصویریں کب لی ہیں۔ یہ تو تمہاری بہن کی ہیں۔ لو دیکھو۔ مجھے ان تصویروں کو پروفیسر دانیال کو بھی
...نا چاہتی ہوں اب کی دفعہ میں پس پردہ رہوں اور پروفیسر کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلاؤں۔ یوں
...آنکھوں مہران صاحب کے اعصاب پر پھٹے تو زیادہ مزہ آئے گا۔ لو دیکھو یہ تصویریں۔ اس کے بعد
...گھر چلی جانا۔ ڈرائیور کو میں نے کہہ دیا ہے۔"

◆◆◆

"مہران! میں آخری بار کہہ رہی ہوں۔ مجھے ارشین کے پاس لے چلو۔ اس کے بعد ہرگز نہیں کہوں گی زندگی بھر تم سے بات نہیں کروں گی۔"

نازش نے دھمکی و خفگی بھرے انداز میں مخاطب کیا۔

"آپ کی ان ہی ضدوں کی بدولت میں ان حالوں کو پہنچا ہوں۔"

وہ جوتے کے تسمے کھولنے کے لیے جھکتا ہوا چڑ کر گویا ہوا۔

"زندگی عذاب بنا کر رکھ دی ہے سب نے مل کر۔ ینی مجھ سے ناراض ہو کر گھر چھوڑ گئی ہے۔ سفیان الگ خفا پھرتا ہے۔ دُرنایاب کی نظریں روز سوال کرتی ہیں کہ ہم تاریخ لینے کب ان کے گھر آئیں گے۔ دادا اپنے شکووں کے دفتر جمع کیے ہوئے ہیں۔ اوپر سے ان "محترمہ" کی ذمہ داری اور فکریں۔ میں تو عجیب مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔" وہ سچ مچ جھنجلایا ہوا تھا۔

"آپ کیا کریں گی وہاں جا کر؟"

"بھئی اس سے ملوں گی۔ حال چال دریافت کروں گی۔"

"کیوں اپنی شامت بلواتی ہیں۔ اپنے محترم خاوند پروفیسر دانیال صاحب کا پتا ہے ناں۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

"پہلے ہی آپ کا "کیس" خراب ہے۔ "بگ باس" سیدھے منہ بات نہیں کرتے۔ کیوں مزید بگاڑ اور پیچ پیدا کر رہی ہیں۔ آرام سے گھر بیٹھیں اور اپنے میاں کو مٹھی میں کرنے کی کوشش کریں۔ انہیں کچھ دلائیں۔"

"میرے کہنے سننے سے کیا ہوگا۔" وہ اداسی سے بولی۔ "کریں گے تو وہی جو ان کے من میں آئے گا۔"

"مگر آپ انہیں ایسا کرنے سے روک سکتی ہیں۔ اس کا آپ کو حق حاصل ہے۔"

"چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ ارشین کے پاس کب لے جا رہے ہو۔"

"کبھی بھی نہیں۔"

جواب میں نازش بے حد ناراض نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

"دیکھیں نازش! اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" اس کی خفگی کا خیال کرتے ہوئے مہران قدرے نرم پڑ گیا۔

"میری تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ حسد اور رقابت کا جذبہ محسوس کرنے کے بجائے اس سے ہمدردی تعاون کس طرح جتا رہی ہیں۔ آج تک تو یہی پڑھتے اور سنتے آئے ہیں کہ عورت ہر بات برداشت کر سکتی ہے اپنے مرد کو پرائی عورت کا ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ اس کا بس چلے تو اس عورت کو کچا چبا جائے۔"

"انتہا پسندی خواہ کسی بھی روپ، رویے یا جذبے میں ہو قابل مذمت ہی سمجھی جانی چاہیے۔ یہ کوئی فارمولا نہیں ہے کہ حقائق کو سمجھے اور پرکھے بغیر غیرت کے نام پر قتل و غارت گری اور فساد برپا کر دیا جائے۔"

نازش تحمل سے بولی۔

"میں ارشین کو خوامخواہ زیرِ عتاب کیوں لاؤں۔ وہ دانیال کے کام اور شخصیت سے متاثر تھی۔ ان کے انداز اطوار کو پسند کرتی تھی اور ایسے جذبات تو انسان کسی بھی معتبر یا مشہور پرسنالٹی کے بارے میں رکھ سکتا ہے مثلاً "فنکار، کھلاڑی، سماجی یا سیاسی شخصیات۔ کتنے ہی بے شمار لوگ ہیں جن کو عوام سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں یہ کون سی انوکھی بات ہے۔ غلطی تو میرے شوہر سے ہوئی انہوں نے کیوں احترام اور پسندیدگی کے ان جذبات کو غلط معانی پہنائے اور ارشین کے دل و دماغ کو دوسری راہ پر ڈالا۔"

"پسندیدگی محبت کی پہلی سیڑھی ہوا کرتی ہے مادام۔"

"غلط۔ ارشین والے معاملے میں یہ مقولہ غلط ہی کہلائے گا۔ کیونکہ اس نے شادی کرنے کے لیے دانیال کو پسند یا منتخب نہیں کیا تھا۔ یہ پروپوزل اور آئیڈیا دانیال کی طرف سے آیا تھا۔ ہاں اگر عمومی تناظر میں بات کی جائے تو ایسا ہو جاتا ہے لیکن اسی صورت میں جب آپ اپنی پسند کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں

ہوتے تو وقتی کسک اور اذیت ضرور ہوتی ہے مگر پھر بندہ کسی دوسری جگہ شادی کر کے گھر بسا لیتا ہے اور مصروفیات میں پڑ کر سب کچھ بھول بھال جاتا ہے۔ خواہ یہ کیس مرد کا ہو یا عورت کا۔ خصوصاً "ہمارے [illegible] شکار معاشرے میں تو ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے۔ لڑکی چھوڑ لڑکوں کے ساتھ بھی عموماً "یہی سچویشن [illegible] دل ہی دل میں کسی کو پسند کیا۔ ماں باپ نہیں مانے یا کسی اور وجہ سے شادی نہ ہو سکی تو جہاں والدین [illegible] کیا سر جھکا دیا اور پھر اپنے شریکِ زندگی کے ہو کے رہ گئے۔"

"[illegible] ظاہر ہوا۔ اس طرزِ عمل کو منافقت کہا جاتا ہے۔" مہران نے نکتہ اٹھایا۔

"فطرت کی ایڈجسٹمنٹ ہوتی ہے اور سچ پوچھو تو اصل محبت ہوتی ہی شادی کے بعد ہے۔ اس [illegible] شادی کے بندھن میں بندھ کر ہی چکھا جا سکتا ہے۔ باقی سب وقتی ابال ہوتے ہیں جنہیں لڑکا، [illegible] محبت کا نام دے دیتے ہیں۔"

"[illegible] سوچ ہو سکتی ہے، میری نہیں۔" مہران نے نخوت سے ناک چڑھائی۔

"[illegible] شریک سفر چاہیے جو رتی برابر بھی جسمانی و ذہنی، احساساتی یا خیالاتی آلودگی کا شکار نہ ہو۔ ہر لحاظ [illegible] صاف ہو اور یہ کوئی انوکھی خواہش نہیں ہے۔ ہر شخص پاک دامن اور باکردار بیوی کا طالب ہوتا ہے۔"

[illegible] کی گہری کیفیت میں اس کی صورت تکتی رہ گئی۔ مہران کے الفاظ نے اسے دلی تکلیف پہنچائی

"[illegible] پکے مسلمان ہو۔ مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو گے کہ اسلام میں تہمت لگانا کتنا سنگین جرم تصور کیا [illegible] بعد بولی تو اس کا لہجہ تلخی سے لبریز تھا۔ کتنا بے رحمانہ اور کھردرا انداز تھا مہران کا۔ [illegible] المیہ ہے کہ ہم انسانوں کو پہلے سے بنائے ہوئے "معیار" کے مطابق پرکھتے ہیں۔ اگر وہ [illegible] پورا نہ اتریں تو انہیں مکمل طور پر رد کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہر شخص کی [illegible] اور کردار کا تعین اس کے مخصوص ماحول، حالات اور حقائق کے حساب سے کیا جائے۔"

[illegible] میں شکایت، افسوس اور ملامت تھی۔ مہران خفیف سا ہو گیا تاہم اکڑ نہیں ٹوٹی۔

"[illegible] کہہ رہی ہیں جیسے میں نے کوئی انوکھی فرمائش کر دی ہو۔ مجھے ایسی عورت چاہیے جس کا رواں [illegible] صرف میرا ہو۔ کوئی آپ جیسی سچی اور کھری عورت۔"

"[illegible] بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" وہ جھنجھتے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔ "شاید میں یہ بات نہ بتاتی مگر [illegible] کے جالے صاف کرنے کے لیے اپنے اہم راز سے پردہ اٹھا رہی ہوں۔ آج سے بارہ تیرہ برس پہلے [illegible] برس کی تھی میں ایک ڈاکٹر کو پسند کرتی تھی۔ وہ دادا جی کے علاج کے لیے ہمارے گھر آیا کرتا تھا۔ [illegible] بردبار اور متاثر کن شخصیت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے لگی۔ اس کے بولنے کا اسٹائل، چال [illegible] چہرے کا سنجیدہ پن مجھے امپریس کرتا تھا۔ وہ دادا جان کے کمرے میں آتا تو میں کسی نہ کسی بہانے [illegible] چوری چوری اسے دیکھتی رہتی۔ کبھی کبھار اس سے مخاطب ہونے کی جرأت بھی کر لیتی تھی۔ [illegible] ہو جاتا تو میرے لیے اگلے دن کا انتظار کرنا بڑا مشکل ہو جاتا تھا۔ اک بے نام سی بے چینی طاری [illegible] بس گویا اس جذبے کو کوئی نام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ بس یہ تھا کہ اس کی اپنے آس پاس موجودگی "اس [illegible] لذت سے اچھی لگتی تھی۔"

[illegible] میں بول رہی تھی۔ مہران کے وجود میں اضطراب کی لہریں گردش کرنے لگیں۔ وہ مٹھیاں بھینچے [illegible] ضبط کیے خاموش بیٹھا ہونٹ چبا رہا تھا۔ یوں جیسے خود کو کسی ردِ عمل سے باز رکھنے کی کوشش

"[illegible] گیا ہوا" وہ دادا جان کو اپنی شادی کا کارڈ دینے آگیا اور اصرار سے ہم سب کو آنے کے لیے کہا۔"

[illegible]

[illegible] جذبے ٹھنڈے پڑ گئے۔ شروع شروع میں عجیب سی کسک اور خود فراموشی رہی پھر میں نے

خود کو سنبھال لیا۔ پھر کچھ عرصے بعد دانیال میری زندگی میں آئے تو ان کی محبت نے مجھے سب کچھ بھلا دیا۔ شہ
کے بعد جب بھی میں کراچی گئی تو فیملی ڈاکٹر ہونے کے ناتے بہت دفعہ اس ڈاکٹر اور اس کی مسز سے ملاقات ہو
ہے۔ میں نے بڑی خوش دلی سے بڑے نارمل انداز میں ان سے علیک سلیک کی۔ اب بھی ان سے ٹاکرا ہو تا
ہے۔ اپنے پرانے خیالات پر مجھے بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ شادی سے پہلے انسان جذباتی اعتبار سے بڑا نا
اور ناسمجھ ہوتا ہے۔ جذبوں کے صحیح برتاؤ کا سلیقہ تو شادی کے بعد ہی آتا ہے۔"

"آپ کو اس بات کی کوئی پشیمانی نہیں ہے کہ آپ نے اپنے شوہر کو دھوکے میں رکھا؟"

مہران کے چبھتے ہوئے سوال کو نازش نے کوئی اہمیت نہیں دی۔

"پشیمانی کس بات کی۔ جب سے میرا ان سے قلبی اور شرعی ناتا استوار ہوا ہے اس کے بعد سے آج تک
کے علاوہ میرے دل کی چوکھٹ پر کسی کا گزر نہیں ہوا۔ میں نے ان سے کسی قسم کی بے ایمانی نہیں کی۔ پیار کو
تھا کون نہیں۔ اس لایعنی بحث میں نہیں پڑنا چاہیے۔ بس یہ بات سامنے رکھیں کہ ان کے بعد کوئی نہ ہو اورا
خدانخواستہ ایسا ہو تو نہ مرد برداشت کرتا ہے نہ عورت۔"

"آپ تو کر رہی ہیں؟" اس نے برجستہ کہا۔ نازش کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

"میری تو مجبوری ہے۔" وہ شکستگی سے اپنے ہاتھ کی لکیریں دیکھنے لگی۔ "بارہ برس تک ان کے دل کی بے تا
ملکہ رہی ہوں اور جب ملکیت کا یقین کامل ہو جانے کے بعد پاؤں پسار کر بے فکری ہونے والی تھی تو اچانک
سلطنت کا تختہ الٹ گیا۔ میرا مسئلہ دوسرا ہے۔ میں خود اپنی زنجیروں میں لپٹی ہوئی ہوں۔ پاگل پن میرا اپنا ہے
چاہنے کے باوجود نہ میں دانیال سے پوچھ کچھ کر سکتی ہوں نہ جواب طلبی اور نہ انہیں چھوڑ کر جانے کا حوصلہ
مجھ میں۔ میں کسی بھی طرح کسی بھی رشتے سے ان کے قریب رہنا چاہتی ہوں۔ ان سے دوری میرے وجود
دیمک کی طرح کھاتی ہے۔ میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بھلے سے وہ میرے نہیں رہے مگر میری نظروں
سامنے تو ہیں۔ میں انہیں دیکھ سکتی ہوں' چھو سکتی ہوں' ان کا خیال رکھ سکتی ہوں' حتیٰ کہ ان کی پریشانیاں م
لے سکتی ہوں۔ وہ تو وہ میں تو اس عورت سے بھی نفرت نہیں کر سکتی جو ان کی پسندیدہ ہے۔"

مہران دم بخود بیٹھا رحم بھری نظروں سے اس کی شوہر پرستی کی عکاسی کرتی بھرپور دیوانگی ملاحظہ کر رہا تھا۔
دیوانگی ہی تو تھی۔

ناصر یہ وفا نہیں جنوں ہے
اپنا بھی نہ خیر خواہ رہنا

"اچھا ان باتوں کو چھوڑو۔ موضوع مت بدلو۔" وہ سر جھٹک کر پھر حالیہ مسئلے کی طرف آگئی۔ "معمولی سی با
کو ایشو بنا کر معاملہ مت بگاڑو۔ کسی کی خوبی سے متاثر ہو کر اسے پسند کرنا اتنا بڑا جرم نہیں ہے جس کی پاداش
عورت کو سولی پہ لٹکا دیا جائے۔ یہاں محبتیں بچھڑ جاتی ہیں' منگنیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ برسوں کے استوار کیے ہو
رشتے خاندانی جھگڑوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ لوگ دوسری شادیاں کرتے ہیں۔ طلاقوں کے بعد گھر بس جاتے ہیں
حتیٰ کہ ایک بہن مر جائے تو دوسری کو اس کی سیج پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ سوتیلے رشتے استوار کر لیے جاتے ہیں پھر تم
دل اتنا پتھر کیوں ہے۔ تم کس آسمانی حور کے منتظر ہو؟ انسانی نسل فرشتوں سے آگے نہیں بڑھتی۔ ربط اور ر
بہرحال انسانوں سے ہی طے ہوتا ہے۔" وہ اسے سمجھاتے سمجھاتے چڑ گئی تھی۔

"تنی اکڑ اور غرور پارسائی کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ کبھی پچھتاؤ گے خدانخواستہ۔" یہ نازش ہی تھی جو
سخت سست بھی وہ شربت کا گھونٹ سمجھ کے پی لیتا تھا اور اس کی اتنی باتیں سن لیتا تھا۔ ورنہ کس میں ہمت
اس کی غلطیوں کی نشاندہی کرنے کی۔

"تمہیں اس کا کردار اس لیے کھٹکتا ہے کہ اس کا حال و ماضی تمہارے سامنے ہے۔ فرض کرو اپنی مرضی
کسی لڑکی کو پاکیزہ و خالص سمجھ کر بیاہ کر لاتے اور شادی کے کچھ عرصے بعد تم پر منکشف ہوتا کہ وہ ماضی میں
پسند کرتی رہی ہے تو تم کیا کرتے؟" اس نے سوال کیا۔ "کسی کے دل یا سوچ کے خالص ہونے کی کیا ضمانت

تم بے خبری میں بھی تو وار ہو سکتا تھا۔ تب تمہارا کیا ردعمل ہوتا۔"
ہوش بیٹھا چمچ کو پرچ سے بجا کر ماحول کا سناٹا توڑنے لگا۔
رے یہاں یہ ایک روایت بن گئی ہے کہ لڑکیاں اپنے خواب دفنا کر پرانی وابستگیوں کو ماضی کے تالوں میں
ایمانداری سے نئے بننے والے رشتوں کو نبھانے لگتی ہیں۔ تم کچھ بھی نہ کر پاتے۔"
مفروضوں پر بات نہ کریں۔" وہ اکتا کر بولا۔ "میں اتنی جلدی اپنے ذہن و دل کو آمادہ نہیں کر سکتا۔ ابھی
کے بارے میں مطمئن نہیں ہوا۔ تحقیقات جاری ہے۔ اگر بے گناہی کا ٹھوس ثبوت سامنے آگیا تب
ن کا سوچا جا سکتا ہے۔"
کے لیے میرے ساتھ پولیس والوں کی زبان میں بات نہ کیا کرو۔" نازش بھنا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
مسکرا کر اسے جاتا دیکھنے لگا۔
بتا۔۔؟" جونہی نازش اس کے کمرے سے نکل کر نیچے لاؤنج میں آئی' سفیان بے چینی سے قریب آکر
کرنے لگا۔
نہیں بھیا۔" نازش نے گہری سانس لی۔ "وہ نہیں مانتا۔"
پنے دباؤ ڈالنا تھا ناں۔"
ممکن تھا اس سے زیادہ ہی پریشرائز کیا تھا مگر۔" وہ خاموش ہو گئی پھر دوبارہ گویا ہوئی۔ "میں نے کبھی اتنے
انداز میں اس سے بات نہیں کی۔ میرے احترام میں وہ مجبوراً خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ کوئی اور کہتا تو جانے
انا۔ میں نے سوچا۔ نرمی نہ سہی' سختی اور ناراضگی کے اظہار کے ذریعے ہی مان جائے لیکن اس کا دماغ
نے پر چل نکلا ہے' وہاں سے واپس موڑنا مشکل ہے۔ حالات خود بخود ایسے ہو جائیں تو اور بات ہے۔ نینی
ن آیا؟"
ں البتہ میں نے منشی کے نمبر پر رنگ کر کے ان کی خیریت معلوم کر لی تھی۔ اس کے ذریعے انہیں واپس
پیغام بھی دیا ہے۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ اگر چند دن مزید نہ آئیں تو میں خود جا کر انہیں لے آوں گا۔"
ں راستہ معلوم ہے؟"
ایک دو بار نینی کے ہمراہ جا چکا ہوں۔"
یسے پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ شاید ہم دونوں مل کر انہیں کنوینس کر سکیں۔ اگر وہ ارشین
حیثیت سے قبول کر لیں تو پچھتر فیصد مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ میں انہیں ساری بات بتاؤں گی۔ تو
ہر صورت حال واضح ہو جائے گی۔"
ت رحم دل اور نرم خو خاتون ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ ارشین آپا کے موجودہ حالات سن کر پگھل جائیں گی۔
و انہیں شروع سے پسند کرتی رہی ہیں۔ میں خود آنکھوں دیکھی بھیانک تصویر کا نقشہ ان کے سامنے
ے۔" سفیان اس سے بہت سنجیدہ اور بردبار نظر آرہا تھا۔
انسان اپنی زندگی سے ہاتھ دھو رہا ہے۔ دھیرے دھیرے سلگ کر ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ہم کب تک بے
تماشا دیکھتے رہیں گے۔ کسی کو تو پہلا قدم اٹھانا ہو گا۔ بہت ہو گئی مصلحت پسندی۔ دنیا کا ایسا کون سا قانون
ہے جو انسانی جان سے زیادہ قیمتی ہے؟ ہمارے مذہب میں انسانی جان کو ہر شے سے بڑھ کر محترم قرار دیا گیا

کے انگوٹھے سے قالین کا رواں نوچتے ہوئے جذباتی انداز میں کہہ رہا تھا۔
کی گہری سوچ میں گم خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی۔ اسے دوہری فکریں تھیں۔ ایک طرف
سے بھٹکے ہوئے انتقام کی آگ میں جلتے خود سے نالاں و ناراض خاوند کو نئے سرے سے اپنا بنانا تھا اور
ر مہران کا گھر بسانے کی مہم درپیش تھی۔

◆ ◆ ◆

پتا نہیں نازش کی باتوں نے اعصاب کو جھنجوڑ کر بیدار کیا تھا یا اتنے عرصے کی تحقیق کے نتیجے میں اس کی کھل کر سامنے آنے والی بے گناہی کی علامات نے دل موم کر دیا تھا یا پھر ماضی کے کسی نرم جھونکے جیسے لمحے نے احساسات پر پڑا بوجھ کم کر دیا تھا کہ وہ بڑے موڈ میں ون کوٹ روانہ ہوا تھا۔ وہ پھلوں کے بہت سے ٹوکرے، بے شمار کپڑے، جوتے اور دیگر ضرورت کی چیزیں بھی ہمراہ لایا تھا۔

"السلام علیکم۔" وہ اتنے دبے قدموں سے کھلے گیٹ سے اندر داخل ہو کر اسے ڈھونڈتا ہوا اس کے اسٹور نما کمرے میں آیا تھا کہ پینٹنگ میں مصروف ارشین کے ہاتھ سے برش گر پڑا۔

از خود سلام اور وہ بھی اتنے خوشگوار اور اپنائیت آمیز لہجے میں۔ اس نے بے یقینی سے مڑ کر دیکھا۔

سیاہ ہاف بازوؤں والی شرٹ اور سیاہ جینز میں اس کی کھلتی ہوئی سرخ و سفید رنگت دھوپ کی تمازت سے دہک رہی تھی۔ وہ کسی ٹھہرے ہوئے فطری منظر کی طرح حسین، دلکش اور سحر طراز لگ رہا تھا۔

"کیا ہوا۔ ڈر گئیں کیا؟" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

ارشین آنکھیں پھاڑے اس کا بڑھا ہوا خوبصورت مردانہ ہاتھ دیکھتی رہ گئی۔

"کیا ہاتھ نہیں ملاؤ گی۔ بھئی مصافحہ کرنا دوستی کی علامت ہوا کرتا ہے۔" وہ ہلکا سا مسکرا کر سراپا اس کا جائزہ لینے لگا۔

"ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے۔" وہ سنبھل کر گویا ہوئی۔ لہجہ بالکل سادہ تھا۔

"خیر۔ دوستی کا نہ سہی، ایک رشتہ تو بہرحال ہے جس کی رو سے مصافحہ ہی نہیں، معانقہ بھی کیا جا سکتا ہے بلکہ ـــــ" وہ معنی خیز لہجے میں کہتا ہوا شرارت سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑا تھا۔ ارشین کوشش کے باوجود اپنا اعتماد برقرار نہ رکھ سکی اور کنفیوز سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"تم کچھ کمزور ہو گئی ہو اور یہ کیسے فضول سے گھسے پٹے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ میں تمہارے لیے کچھ ڈریسز لایا ہوں۔ ان میں سے کوئی نکال کر پہنو۔ استعمال کی اور چیزیں بھی ہیں۔ میں تمہیں فریش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

میرے کپڑوں کا، کمزوری کا اور استعمال کی چیزوں کا خیال اتنی جلدی آ گیا صاحب۔ ابھی تو میں پوری طرح مٹی میں مل کر دھول بھی نہیں ہوئی۔ ابھی تو جسم میں جان باقی ہے ڈیئر سر۔

وہ دل ہی دل میں تلخی سے مسکرائی تھی۔

جی کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ اب کسی گرم و سرد سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ گویا بے حسی نے چادر کی طرح اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

"تم تیار ہو جاؤ پھر شہر چلتے ہیں۔ تھوڑی سی سیر و تفریح کریں گے۔ رات کو کسی اچھے سے ہوٹل میں ڈنر کریں گے۔ میں رات دس گیارہ بجے واپس روانہ ہو جاؤں گا۔ ایک بہت ضروری کام ہے لیکن چند دن بعد آ جاؤں گا تب تک تم اپنی چیزیں سمیٹ لینا۔ اب تمہیں یہاں نہیں رہنا۔"

کیوں۔ کیا اب ہمارے مقدر بدل گئے ہیں۔

ہمارے ماتھے پر لگا کلنک کا ٹیکہ اتر گیا ہے۔

ہمارے گناہوں کی سیاہی دھل گئی ہے۔

ہماری چنری کے داغ صاف ہو گئے ہیں۔

کڑی ذہنی و جسمانی مشقت سے ٹوٹتے بدن کا رواں رواں سوال کر رہا تھا مگر زبان چپ تھی۔

"فی الحال اسلام آباد کے فلیٹ میں بندوبست کیا ہے۔ کچھ عرصے بعد نینی سے کامیاب مذاکرات کے نتیجے میں عنقریب "آفریدی ہاؤس" میں تمہاری جگہ نکل آئے گی۔"

وہ یوں بات کر رہا تھا جیسے اس کا سارا ماضی دھواں بن کر تحلیل ہو گیا ہو اور ان کے درمیان ہمیشہ سے نارمل تعلقات رہے ہوں۔

"یہ کیا بتا رہی ہو۔"

چند قدم بڑھا کر اس کے عین پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اتنا قریب کہ شنیل کی مسحور کن خوشبو ارشین کے حسِ شامہ ...ی۔ وہ ایزل کی طرف نظریں جمائے ہوئے تھا۔

...تو نمایاں "کسی گاؤں کا منظر ہے۔ کچھ لوگ گھروں سے چیزیں لوٹ رہے ہیں۔ شاید یہاں ڈاکہ پڑا ہے۔"

...کی اتنی قربت محسوس کرتے ہوئے ارشین سٹپٹا کر وہاں سے ہٹنا چاہتی تھی مگر اسی اثناء میں اس نے پیچھے ...کے کندھوں پر ہاتھ پھیلا کر گویا اپنی گرفت میں لے لیا۔

...بہت خوب۔ تم نے بڑی خوبصورتی سے گاؤں والوں کی دہشت، پریشانی اور خوف کا تاثر ابھارا ہے۔" وہ ...آرام اور فرصت سے کھڑا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے گرم اور پرجوش ہاتھوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ ...شین کو اس کے استحقانہ لمس کے لپکتے شعلوں سے وحشت ہونے لگی۔

...محض پینٹنگ نہیں ہے۔ آنکھوں دیکھا واقعہ ہے۔" وہ اس کے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے ...سے گویا ہوئی۔

...کیا مطلب؟" وہ اچنبھے سے بولا۔

...ایک ہفتہ پہلے یہاں سچ مچ ڈاکہ پڑا تھا۔ ڈاکو تمام گھروں میں لوٹ مار کے لیے گھسے تھے۔"

...انکشاف اتنا فوری اور انہونا تھا کہ مہران نے اسے گھما کر اس کا رخ اپنی طرف موڑ لیا اور تفصیل طلب ...سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ارشین نے دھیرے دھیرے سارا واقعہ بتا دیا۔

...نے اسی دن مجھے کیوں نہ اطلاع کی؟"

...کرتی۔" اس نے پلکیں اٹھائیں۔

...کر دیتیں۔ شہر میں بے شمار پی سی او ہیں۔ میں نے اپنا کارڈ تمہیں دیا تھا۔ اس پر گھر اور آفس دونوں کے ...تھے۔" وہ خفا ہو رہا تھا۔

...آپ نے کبھی میری ذمہ داری قبول نہیں کی۔ کس برتے پر اور کس حق کے تحت مطلع کرتی۔ آپ کہہ دیتے ...نہیں تمہارا مسئلہ ہے۔" وہ برجستہ بولی۔ مہران لاجواب ہو گیا۔

...بہرحال میں مقامی ایس پی سے بات کروں گا۔"

...اب کیا فائدہ۔ ایک ہفتہ گزر چکا ہے۔"

...آئندہ کے لیے تو احتیاطی تدبیر کی جا سکتی ہے ناں۔" وہ کچھ سوچ کر دوبارہ اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ ...ڈاکوؤں کا سامنا کرتے ہوئے ڈر تو لگا ہو گا؟"

...ہے۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔ "مگر ڈرنے سے مصیبت ٹل نہیں سکتی تھی، اس لیے کسی نہ کسی طرح ...بندھاتی رہی۔"

...نقصان ہوا؟"

...نقصان کا کیا ہے۔ تھوڑی سی محنت زیادہ کر لو تو پورا ہو جاتا ہے۔" اس کا انداز کہہ رہا تھا۔ آپ اس ...کی بات کریں جو پورا نہیں ہوتا۔ یہاں تو خسارہ ہی خسارہ ہے۔

...واقعی بہادر اور ثابت قدم ہو۔ پہلے میں سمجھتا تھا پوز کرتی ہو۔ کوئی کمزور دل لڑکی اتنے سخت حالات میں ...نہیں کر سکتی۔" مہران نے اس کے گرد اپنے بازوؤں کی زنجیر سی بنا کر رہا سہا فاصلہ بھی مٹا دیا۔ وہ بڑی بے ...کے عالم میں اسے خراج تحسین پیش کر رہا تھا۔ انداز دوستانہ اور گرم جوش تھا۔ یوں جیسے کبھی کوئی چپقلش ...۔ آنکھوں میں لطیف احساسات کی بھرپور چمک مچل رہی تھی۔

...سمجھتے ہیں آپ ڈیئر سر۔ اتنی بہادر ہوتی تو ان بانہوں کا استحقاق سے لبریز حلقہ توڑ کر کب کی نکل چکی ...اس بے بسی اور کوفت سے پھڑپھڑا کر تو نہ رہ جاتی۔ یہ اپنائیت کا مظاہرہ مجھے زخموں پر نمک پاشی کے ...لگ رہا ہے۔ یہ مسکراتا لہجہ مجھے اپنی توہین محسوس ہو رہا ہے۔"

...انا اور عزت نفس پر مہران کا التفات کوڑے کی طرح ضرب لگا رہا تھا۔ وہ ہولے ہولے اس کے بالوں کو

جھٹکتا محویت سے اس کے چہرے کے مختلف نقوش کی تراش کو نظروں میں جذب کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں م
اتنی حدت تھی کہ ارشین کا چہرہ جل اٹھا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ اسے اس طرح پورے اختیارات سمیت گر
نظروں سے دیکھنے سے روک بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس کا شوہر تھا۔

"کل سے تم اس ڈربے کے بجائے میرے والے کمرے میں رہا کرنا۔"

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔ آخر اتنے عرصے سے بھی تو رہ رہی ہوں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"میں کچن میں جا کر دیکھوں۔ گونگی بوا کے لیے دلیہ بنایا ہے۔" اس نے اب کی بار مزاحمت کی تو مہران نے ہا
ہٹا لیے۔ ارشین نے شکر کا کلمہ پڑھا اور جلدی سے باہر نکل گئی۔

بانہوں کے اس حصار میں اس کے لیے کوئی خواب پرور کیف و سرور نہیں تھا۔ جب تک عزت نفس پر پڑ
چوٹ کا اثر زائل نہ ہو جسم آرام و آسائش محسوس کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اس کا "اندر" بھڑ بھڑ جل رہا تھا
باہر سے ٹھنڈی پھوار میں بھیگنے سے کیا فرق پڑتا۔

بیمار تو روح تھی، زخمی تو دل تھا، آبلہ پا تو ذہن تھا پھر جسم سکون پا کر کیا کرتا۔

مہران کے پروگرام تو بہت تھے مگر ابھی وہ اپنے کمرے میں آ کر چینج کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ موبائل پر آفر
سے کال آ گئی۔ ایمرجنسی طور پر اسے فوری ہیڈ کوارٹر طلب کیا گیا تھا۔ مجبوراً اسے عجلت میں لوٹنا پڑا۔

"میں چند دنوں میں آؤں گا۔" وہ جاتے جاتے اس کے پاس رکا تھا۔

"تم چاہو تو گونگی بوا کو بھی ساتھ لے لو۔ ان کا یہاں کون ہے۔ اوکے 'خدا حافظ۔" وہ اس کے گال تھپتھپا کر
رخصت ہو گیا۔

خدا جانے کیوں اس کے اپنائیت جتاتے رویے نے ارشین کو ہسٹریا میں مبتلا کر دیا۔ وہ دروازہ بند کر کے چارپائی
پر پڑ کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اتنا روئی، اتنا روئی کہ تکیہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ آنکھیں سوج گئیں مگر تو
بھی دل نہیں بھرا۔

کیا ہوں میں۔ ہر کسی نے اپنے اپنے طریقے سے، اپنے پیمانے سے میری شخصیت کا وزن کیا ہے۔
اپنی خواہشوں اور سوچوں کے آئینے میں دیکھا اور پرکھا ہے۔ کیا اس دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو مجھے
میری ذات کے حوالے سے پہچانے، مقام دے، اپنائیت کا احساس دلائے۔ اے خدا عذابوں کے یہ سلسلے کہاں
جا کر ختم ہوں گے۔ محرومی پر خالی پن اور تشنگی کا احساس ہو تو ہو، مل جانے پر بھی دل کی خانماں بربادی نہ جائے تو
کوئی کیا کرے۔ کس طرح چین پائے۔ اس التفات کے مظاہرے نے تو اور زخم ہرے کر دیے ہیں۔
اپنی ذات کی پامالی، کم مائیگی اور بے وقعتی کا احساس سوا تر ہو گیا ہے۔
ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس قدر افزائی اور تعظیم و تحسین کے مظاہرہ پر میں سرتاپا اس کی شکر مندی کی تفسیر بن
جاتی مگر دل کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے تاک تاک کر زخموں پر پتھر مارے ہوں۔
کیا ہے یہ انسانی نفسیات کی کہانی۔ انسان کی خود اپنی سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ وہ روتے روتے تھک گئی اور
جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

◆ ◆ ◆

"سر! یہ آج کی ڈاک۔" پیون نے اجازت پا کر ادب سے کچھ لفافے میز پر رکھ دیے۔ مہران انہیں الٹ پلٹ
کر دیکھنے لگا۔ دیگر سرکاری کاغذات کے علاوہ ایک پوسٹ کارڈ سائز کا پھولا ہوا خاکی لفافہ بھی تھا۔ چھونے پر
محسوس ہوا جیسے اندر کوئی کارڈ یا فوٹو گراف ہو۔

"یہ کہاں سے آیا ہے؟" اس نے سرسری سا جائزہ لے کر تحکم سے پوچھا۔

"سر! یہ بھی ڈاک کے ساتھ موصول ہوا ہے۔" سامنے کھڑے اے ایس آئی نے جلدی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں دیکھ لیتا ہوں۔ تم نے فلیٹ کی صفائی کروا کے فرنیچر وغیرہ سیٹ کرا دیا ہے۔"

"یس سر! میں نے اپنی موجودگی میں سارا سامان رکھوا دیا ہے۔ ضرورت کی ہر شے موجود ہے سر۔" اے ایس

...ہاں جائیں۔
...اب تم جاؤ اور ہاں، میں تھوڑی دیر بعد اسلام آباد سے باہر جا رہا ہوں۔ اوپر سے فون آئے تو بتا دینا۔ کل
...آ جاؤں گا۔"

...آئی کے جانے کے بعد وہ بڑی ترنگ میں خاکی لفافہ کھولنے لگا۔ سب سے پہلے ایک سفید پرچی

...ان تصاویر کو دیکھ کر تمہیں ثبوت مل جائے گا کہ میں اور ارشین ایک دوسرے کے کتنا "قریب"
...اور یہ کہ ارشین کے لیلیٰ شاہ سے تعلقات کس حد تک رازدارانہ و بے تکلفانہ تھے۔ فوٹو گرافی
...اصرار پر لیلیٰ ہی نے کی تھی۔ کیونکہ ایسی "رنگین" تصاویر کھنچوانے کے لیے کسی وفادار دوست پہ
...کیا جا سکتا ہے۔ دیکھو اور انجوائے کرو۔

پروفیسر دانیال

...رگوں میں خون کی گردش تیز ہونے لگی۔ اس نے اضطراری انداز میں مٹھیاں بھینچتے ہوئے جونہی
...پر نظر ڈالی، اس کے نیچے سے زمین ہل کر رہ گئی۔
...چہرہ یوں سرخ ہوا جیسے آگ میں تپ کر دہک اٹھنے والا تانبا۔ جھٹکا اس قدر زوردار تھا کہ وہ کرسی پر نہ بیٹھ

...انداز میں کرسی پیچھے ہٹا کر ایک بار پھر کاغذ کی عبارت اور تصاویر پر نظر ڈالی پھر لفافے میں ڈال کر لفافہ
...اور مجسم قہر بنا آفس سے نکل گیا۔
...میرے ہاتھوں سے نہیں بچ سکو گی ارشین! میں تمہارے جسم کی کھال کھینچ ڈالوں گا۔ ایک ہنٹر کھا کر تم
...کے قابل نہیں رہی تھیں۔ آج اس ہنٹر سے میں تمہارے وجود کے چیتھڑے اڑا دوں گا۔ تمہارے
...ایک ریشے کو دردناک عذاب سے آشنا نہ کروایا تو میرا نام بھی مہران نہیں۔
...بخت اس قابل ہی نہیں تھیں کہ مجھ جیسے آدمی کی بیوی بنتیں۔ تم اس منصب کی مستحق ہی نہ تھیں۔
...نایاب جیسی کسی سادہ و پاکیزہ لڑکی کو ہی سجتا ہے۔
...درجہ گری ہوئی اور غلیظ عورت ہو تم۔ بلکہ تم جیسی بلاؤں کو عورت کہنا ہی نہیں چاہیے۔ یہ عورت
...ہوتی۔

...اسٹیئرنگ وہیل کھلونے کی طرح اس کے ہاتھ میں گھوم رہا تھا۔ وہ جلد از جلد وسن کوٹ پہنچنا چاہتا تھا
...کرا پنی غیرت پر لگنے والا داغ مٹا سکے۔

◆ ◆ ◆

...امبر! ادھر تو آؤ۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے۔ چہرہ کیسا پیلا پھٹک ہو رہا ہے۔ جسم بھی دبلا ہو گیا
...تم نے دھیان نہیں دیا اس کی صحت پر۔"
...عرصے بعد گوٹھ سے واپس آئی تھیں۔ امبرین کو لیلیٰ انسٹی ٹیوٹ کی گاڑی ابھی ابھی ڈراپ کر کے
...سنبھالتے ہوئے سلام کر کے چپکے سے اوپر کھسکنے کو تھی کہ دادی نے پکار لیا۔
...کی صحت پر دھیان دوں۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ اپنی جان سے بیزار بیٹھے ہیں۔" صباحت
...کرا ٹھیں۔ ان کے ہاتھ میں چاولوں کی پرات تھی۔
...ٹھیک ہوں۔ پچھلے دنوں کافی موٹی ہو گئی تھی، اس لیے آج کل ڈائٹنگ کر رہی ہوں۔" امبرین
...فراٹے سے بہانہ گھڑا۔
...اس موئی ڈائٹنگ کو۔ اے بٹی! کیا سوکھا اچھوربننا ہے۔ سیدھی طرح کھانا کھا کر تھوڑی چہل قدمی
...کی شکایت نہیں رہے گی۔ کھانا چھوڑنے سے موٹاپا تو خیر کیا جائے گا اور بہت سی بیماریاں لگ

جائیں گی جسم کو توانائی اور طاقت نہ ملے تو خلیے ٹوٹنے پھوٹنے لگتے ہیں۔ بندہ وقت سے پہلے مرجھا جاتا ہے۔"
"اچھا دادی! اب خیال رکھوں گی۔" وہ انہیں ٹال کر اوپر آ گئی۔ شاہین کے میٹرک کے سالانہ پرچے ہو رہے تھے۔ وہ سینٹر گئی ہوئی تھی۔

امبرین درمیانی رفتار پر پنکھا چلا کر بیڈ پر چت لیٹ گئی اور کچھ سوچنے لگی۔

پچھلے چند دنوں سے اُسے ایک عجیب سا احساس پشیمانی ہو رہا تھا۔ جیسے رہ رہ کر ضمیر ڈنک مار رہا تھا۔ گو وہ منزل جا کر وہ ضمیر کے ان کچوکوں کو بھول جاتی تھی مگر جب بھی چند لمحوں کے لیے خود کو حال میں اور ہوش و حواس میں محسوس کرتی، یہ احساس اس کے دماغ میں کنڈلی جما کر بیٹھ جاتا۔

ہلکی سی گڑبڑ کا احساس اسے دس پندرہ دن پہلے بھی ہوا تھا، جب لیلیٰ شاہ نے اس سے ارشین کی تصاویر منگوائی تھیں۔

"ایسی تصویریں لانا جن میں اس کا چہرہ اور نقوش واضح ہوں۔"

"آپ ان تصویروں کا کیا کریں گی؟"

"بتائیں گے تمہیں جانم۔" اس نے اس کے گال چھو کر ٹالا تھا۔

پھر تین چار دن پہلے جس طرح لیلیٰ شاہ نے اس کو مدہوش کر کے بے خبری میں اس کی عریاں تصاویر کھینچی تھیں۔ اس واقعے نے بھی اس کو ہراساں کر دیا تھا۔ خاص طور پر جس انداز میں بعد میں پروفیسر کی تصویروں کو اور ارشین کی تصاویر کے ساتھ کمبائن کر کے فائنل روپ دیا گیا تھا۔ اس نے امبرین کو تھرا کے رکھ دیا تھا۔ یہ تصاویر ایس پی مہران کے پاس جائیں گی تو وہ انہیں دیکھ کر آپی کا کیا حشر کرے گا۔ وہ سوچ کر کانپ کانپ جاتی مگر نشے کے لالچ نے اس کی قوت ارادی کو بری طرح مجروح کر دیا تھا۔

اس کی لگامیں اب اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں رہی تھیں۔ اس کی حیثیت محض ایک کٹھ پتلی کی سی رہ گئی تھی۔

کبھی کبھی تو وہ اپنے انجام کا سوچ کر خوف سے منجمد ہو جاتی۔ اسی روش پر چلتی رہی تو "اینڈ" کیا ہو گا۔ اگر لیلیٰ شاہ نے ناراض ہو کر نشہ فراہم کرنے سے انکار کر دیا تو کیا بنے گا؟ کہاں سے میں اپنی طلب پوری کروں گی اور نشہ نہ ملا تو کس طرح سسک سسک کر مروں گی۔

لیکن یہ سوچیں محض لمحاتی ہوتی تھیں۔ اب اس کے خیالات کا محور فقط یہ رہ گیا تھا کہ کب، کس وقت کہاں سے ہیروئن کی فراہمی ہو سکتی ہے۔ وہ پوری کوشش کرتی تھی کہ کوئی ایسی بات یا حرکت نہ کرے جس سے لیلیٰ خفا ہو جائے۔ کیونکہ اب اس کی زندگی کا انحصار لیلیٰ کے فراہم کردہ نشے پر ہی تھا۔ اس کی کیفیت حد درجہ قابل رحم ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا سیلف کنٹرول زیرو ہو گیا تھا اور دن بدن وہ تباہی کے دہانے کے قریب جا رہی تھی۔

"ارے نینی! آپ۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔" ناظر نے گیٹ کھولتے ہی پہلے چیخ ماری پھر بے اختیار آنکھیں ملنے لگا۔

"شریر۔" نینی نے ایک دھپ لگانے کے بعد شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ کتنی مدت بعد ان میں وہی مشفق و مہرباں انداز، شگفتہ ڈھلی ڈھلائی مسکراہٹ، پیار بھرا نرم گرم انداز۔ نینی کی جھلک آئی تھی۔ ناظر کا دل مسرت سے بھر گیا۔

"ارے بھئی، اتنے محترم و معتبر لوگ گئے تھے انہیں منانے اور واپس لانے۔ کیسے نہ آتیں۔" سفیان اپنے کالر اکڑائے۔

"چلو، اب اندر چلو۔ کیا یہیں پہ رات بتانی ہے۔" پیچھے سے نازش نے اسے آگے دھکیلا۔ وہ دونوں کل بنا کر شیخ باندھ گئے تھے۔ مہران کو بتا دیا تھا۔

"مہران کدھر ہے۔" نینی کے انداز میں چاہت کی وہی سابقہ تڑپ تھی جو مہران کے لیے مخصوص تھی۔

...ئے ہیں۔ کہہ رہے تھے، شام کو وہیں سے وسن کوٹ روانہ ہو جاؤں گا۔ جہاں تک میرا خیال ہے، وہ ...کو لینے گئے ہیں۔" ناظر نے چور نظروں سے نینی کا چہرہ دیکھا۔ وہ ارشین کے ذکر پر نارمل رہیں۔ وہ لوگ ...تھے۔

...واقعی۔" سفیان اچھل ہی تو پڑا۔ نازش بھی متحیر تھی۔

...کیسے آ گیا۔" اس نے تبصرہ کیا۔

...آج خوش خبریوں کا دن ہے۔" سفیان کا لہجہ خوشی سے چھلکا پڑ رہا تھا۔

...لیے خود سے چل دیا لینے۔ ہم خود جا کر اپنی بہو کو لاتے۔ اور ابھی تو لوگوں کو بھی انفارم کرنا ہے۔ باقاعدہ ...تقریب ہوگی۔ دعوتِ ولیمہ ہو گا۔" نینی مصنوعی خفگی سے گویا تھیں۔

...کا دل خوشی سے بھرتا چلا جا رہا تھا۔ شکر ہے نینی کا دل ارشین آپا کی طرف سے صاف ہوا۔ اس نے اور ...محنت بھی بہت کی تھی انہیں قائل کرنے کے لیے۔ مہران کے مظالم سن کر انہیں سچ مچ سخت غصہ آیا ...اسی بات نے انہیں پگھلا بھی دیا تھا۔

...ابھی تو نایاب کے والد صاحب سے معذرت بھی تو کرنا ہے۔" سفیان نے یاد دہانی کرائی۔

...ہاں سب کچھ ہی ہو گا۔"

...اشارہ سمجھیں ناں۔ کسی بہانے سفی میاں اپنی شادی کا ذکر کرنا چاہ رہے ہیں۔" ناظر نے شرارت کی۔

...خوب یاد دلایا۔ نازش بیٹے! ایسا نہ کریں مہران کے ولیمے کے دن سفیان کا نکاح کر دیں۔ رخصتی فاریہ کی ...ہونے کے بعد ہو جائے گی۔ کیا خیال ہے۔"

...نیک خیال ہے۔" سفیان بے ساختہ بول پڑا پھر تینوں کے قہقہے نے اسے اتنا شرمندہ کیا کہ جھینپ ...فوراً وہاں سے چل دیا۔

( ) ( ) ( )

...کتنی ہی ناقابل برداشت سہی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ انسان ازل سے وحشی ہے۔ تاریخ کائنات شاہد ...انسان تمام جانداروں میں سے سب سے زیادہ خونخوار، منتقم مزاج اور بے رحم رہا ہے۔ اتنی تباہی جانوروں، ...اور دیگر جنگلی باشندوں نے نہیں مچائی ہو گی جتنی قیامت خود انسان نے دوسرے انسانوں اور زمین پر بسنے والی ...مخلوق پر ڈھائی ہے۔ اگر اسے عقل و تہذیب اور اخلاقیات کے جال میں نہ جکڑا جاتا تو شاید روئے زمین ...سے زیادہ ظالم مخلوق اور کوئی نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب جب جہاں جہاں اور جس جس موڑ پر اس پر سے ...تمدن کا اوڑھا ہوا لبادہ سرکتا ہے، اس کے اندر چھپ کے بیٹھا وحشی درندہ باہر آ جاتا ہے اور اپنی اصلیت ...دکھاتا ہے۔

...کسی خونی بلا کی طرح وسن کوٹ کے اس گمنام اور تہذیب نو کی روشنی سے محروم گاؤں میں داخل ہوا تھا۔ ...پر خون سوار تھا۔ تصویروں والا خاکی لفافہ شرٹ کی اوپری جیب میں تھا۔ لفافے کا لمس یوں محسوس ہوتا ...سانپوں کی پٹاری سینے پہ دھری ہوئی ہے جہاں سے دو شاخہ زبان لہراتے بے شمار کالے ناگ مسلسل اس کو ...ڈستے اور اس کاٹنے کا اثر اتنا سریع تھا کہ اس کا دل زہر سے نیل و نیل ہو گیا تھا۔

◆◆◆

...گونگی بوا کے پاس بیٹھی اس کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ ساتھ میں حسب عادت باتیں بھی کرتی جا ...رہی تھی۔ خود یہ جاننے کے کہ بوا بے چاری بولنے کے ساتھ ساتھ سننے سے بھی معذور ہے، وہ اسی طرح خود کو ...اور احساس تنہائی مٹانے کے لیے اس کے ساتھ باتوں میں لگی رہتی تھی۔

...فیصلہ آیا ہے بوا! اب ہمیں اس سینٹرل جیل سے کہیں اور منتقل کیا جا رہا ہے۔ ہماری قید بامشقت ...ختم ہو گئی ہے۔ البتہ اسیری کے دن بدستور رہیں گے۔ شنید ہے کہ اسلام آباد کے کسی ٹھکانے پر "نظربندی"

کے انتظامات کیے گئے ہیں۔ تمہیں قید سخت اور نظربندی کے درمیان فرق کرنا آتا ہے بوا؟"

دونوں صحن میں لگے آم کے عمر رسیدہ درخت کے نیچے چارپائی بچھائے بیٹھی تھیں۔ اس کے استفسار پر بوا نے اپنی دھندلائی ہوئی آنکھوں سے ناقابل فہم انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"یہیں تو دونوں ہی قانونی سزاؤں کی قسمیں۔ فرق صرف ماحول اور نوعیت کا ہے۔ نظربندی کی سزا میں اتنی رعایت مل جاتی ہے کہ انسان اپنی مرضی سے کھا پی اور سو سکتا ہے۔ محدود شرائط کے ساتھ من پسند کام کر سکتا ہے۔ قدرے آزادی سے سانس لے سکتا ہے۔ یہ سہولیات قید سخت کی سزا کاٹنے والوں کو حاصل نہیں ہوتیں۔"

اس کے لبوں پر سختیٔ حالات سے کشید کی گئی ایک تلخ اور مجروح مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

اسی لمحے کھٹکا ہوا۔ باہر کا دروازہ کھلا تھا۔ اس لیے آنے والے کو تردد نہیں کرنا پڑا۔ وردی میں ملبوس مہران سیدھا ان کی طرف آیا تھا۔

ارشین کو حیرانی ہوئی۔ بڑی جلدی پھیرا ڈالا ہے اب کے۔

وہ اضطراری کیفیت میں چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی طرف دیکھا۔ پھر جیسے یکبارگی اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

مقابل کے تیور ہی ایسے تھے۔ ہولا دینے والے۔ رگوں میں بہتے خون کو منجمد کر دینے والے۔

بھنچے ہوئے ہونٹ، سرخ خون چھلکاتی آنکھیں، سلوٹ زدہ پیشانی اور قہر و غیض سے تپتے گلابی رخسار۔

"السلام علیکم!" ارشین نے دل ہی دل میں خائف ہوتے ہوئے قدرے سہم کر سلام کیا۔

"اندر آؤ۔" عجیب سا سرد لہجہ تھا اس کا۔

ارشین کو بظاہر برف کی طرح جمے سپاٹ انداز کے پیچھے غضب کے ہزاروں الاؤ بھڑکتے محسوس ہوئے۔

وہ قدم بڑھا چکا تھا اس کا رخ اسی کوٹھڑی کی طرف تھا، جو ارشین کا ٹھکانا تھی اور جہاں ہرے پینٹ والی لکڑی کی الماری میں بے شمار اوزار بکھرے پڑے تھے۔

"کیا ہوا؟ خیریت تو ہے۔" ارشین اس کے پیچھے آتی ہوئی بوکھلا رہی تھی۔ وہ جواباً چپ رہا۔ حتیٰ کہ وہ کمرے میں پہنچ گئے۔

دو چارپائیاں ساتھ ساتھ جڑی ہوئیں۔ پائنتی کی طرف کونے میں رکھا ایزل اور دیوار گیر الماری یہی کل اثاثہ تھا اس اسٹور نما کمرے کا۔

مہران الماری کے ساتھ پشت ٹکا کر دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر ایک جلتی ہوئی گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

ارشین اس کے اس طرح دیکھنے بلکہ نظروں سے بھسم کرنے کے سے انداز پر گھبرا گئی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کوئی انہونی ہو چکی ہے۔

اسے مہران سے بے طرح خوف محسوس ہوا۔

"مس ارشین بخاری۔" طرز تخاطب ہی نئی افتاد کا تعارف ثابت ہوا تھا۔ وہ جواب میں ہاں ناں کچھ بھی نہ بول سکی۔ ٹکر ٹکر صورت دیکھا کی۔

"جب انسان کو اپنے اندر کے بدصورت اور گندے روپ پر شرمساری محسوس نہیں ہوتی تو پھر وہ دنیا دکھاوے کو اس متعفن روح کو نیک و پاک لبادوں میں لپیٹ کر پیش کیوں کرتا ہے؟"

عجیب ناقابل فہم انداز تھا اس کا۔

"میں تو اول روز سے تمہاری 'لائن' سمجھ چکا تھا۔ بس چانسز دیتا رہا کہ شاید کسی پہلو سے بے گناہی تردید بن کر سامنے آجائے۔ نیکی گناہ پر غالب آجائے، ہو سکتا ہے میرے خدشات اور الزامات محض مغالطہ ہوں۔ مگر

نے ثابت کر دیا کہ انسان کا اصل نہیں بدلا کرتا۔ بے وقوف تو میں بنا۔ کانوں سنی اور آنکھوں دیکھی ... پیپر پر لکھے راضی نامے کے ناقابل تردید ثبوت کے باوجود رعایت دے کر معافی کی سرحدوں پر ... شاید عمل بھی کر گزرتا اگر۔"

... کی آنکھوں میں وحشیانہ لپک تھی۔ ان میں انسانی خون کی پیاس واضح نمایاں تھی۔ بے پناہ خوف تیز ... کی طرح ارشین کے وجود میں اترتا چلا گیا۔ وہ لب بستہ و ساکت کھڑی رہ گئی۔

یہ میرے مالک۔

روح کو ذبح کرنے والا شعلہ فطرت شخص میرے کس کس قصور پر لاوا اگل رہا ہے۔

"ارشین بخاری۔"

بمشکل وہ حلق سے آواز نکال پائی تھی۔

"جسمانی طور پر عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہوتا ہے؟" بہت دھیمے استفسار میں بلا کی چبھن اور ... چپ رہی۔

اس کی دھاڑ کے ساتھ ہی اس کے حواس جواب دینے لگے۔ پولیس آفیسر کا بھرپور ورزشی ہاتھ بے ... کر دیتا ہے۔ وہ تو ایک کمزور سی لڑکی تھی۔

"پاس ڈراموں کے لیے ٹائم نہیں ہے۔ نہ لمبی چوڑی عدالت لگانے کا متحمل ہو سکتا ہوں۔ مختصر ترین ... صفائی بیان کرنا چاہو تو کر سکتی ہو۔ اس کے بعد تمہیں سزا سنا دی جائے گی۔"

"... التیں۔ جو مرضی سزا سنا دیں۔ اب یہ تماشا میرے لیے نیا نہیں رہا۔ پہلے یہ تو فرمائیں، جرم کیا سرزد ... دفعہ لگی ہے اب کے۔" وہ سنبھل کر گویا ہوئی۔

... نے خاکی لفافہ نکال کر اس کے منہ پر دے مارا۔

"کھولو، دیکھو اور اس میں رکھی ہوئی پرچی کو بھی پڑھو۔" ارشین نے کانپتے ہاتھوں سے زمین پر گرا لفافہ

... دل کہہ رہا تھا۔ وہ کسی گھناؤنی مکروہ سازش میں ملوث کر دی گئی ہے۔

... ذہنی طور پر "بدترین" کے لیے تیار ہو چکی تھی مگر پھر بھی جب لفافہ کھول کر تصاویر دیکھیں اور پرچہ پڑھا ... معطل ہو گئے۔

آنکھوں کے آگے گہری تاریکی چھا رہی تھی۔

... پاؤں تلے کی زمین اور سر کا آسمان چھن گیا ہو۔ اس کا وجود خلا میں معلق ہو گیا تھا۔

"میرے سوال کا مطلب سمجھ میں آیا؟" وہ بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"دوبارہ دہراتا ہوں۔ عورت کے دل، روح اور جسم کا مالک کون ہوتا ہے؟ جواب بھی میں تمہیں خود ... شریف اور عفت مآب عورت تو یہ استحقاق فقط اپنے شوہر کو دیتی ہے، البتہ عصمت و ناموس کے ... آشنا عورت کا وجود عوامی گزرگاہ کی مانند ہوتا ہے جسے جو چاہے بقدر ضرورت و استطاعت استعمال کر ... لوں میں سے کس کیٹگری میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ خود کر لو۔"

... الماری کی چابی کی ہول میں گھمانے لگا۔

"... شتہ ہے تمہارا پروفیسر دانیال سے؟" وہ الماری کے خانے کھنگال رہا تھا۔

... پھنکاریں مار رہی تھیں۔

... اور پھر جیسے کسی خواب سے جاگ کر بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔ مہران کے ہاتھ میں وہی ہنٹر لہرا رہا تھا۔ ... اس کا دن ابھی بھولا نہیں تھا۔

"... صاحب پلیز میری بات سنیں۔" وہ پیچھے ہٹتے ہوئے دیوار سے جا لگی۔

"جس کی مرضی قسم لے لیں۔ یہ تصویریں میری نہیں ہیں۔"

"کیا یہ چہرہ تمہارا نہیں ہے؟ یہ نقوش تمہارے نہیں ہیں۔ کیا اپنی پہچان بھی دشوار ہو گئی ہے۔" اس کے میں گہرا طنز تھا۔

"کہو تو آئینہ دکھا دوں!" یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کے وجود کے پرخچے اڑا دے گا۔

"چہرہ بے شک میرا ہے مگر۔" وہ بے بسی سے گویا ہوئی۔ مہران کی موجودگی میں وہ ان تصاویر پر دوسری نظر ڈالنے سے بھی کترا رہی تھی۔

اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ شاک اتنا شدید تھا کہ وہ حواس یکجا کرنے میں ناکام ہو گئی تھی۔

انسان کتنا بھی گر جائے تھوڑا بہت تو انسان رہتا ہے۔ اس میں انسانیت کی کوئی رمق تو باقی رہتی ہے۔

پروفیسر دانیال مہدی۔ آپ اس حد کو بھی پار کر گئے!

اس نے پرچی پر لکھی عبارت پر دوبارہ نگاہ دوڑائی اور بے اختیار جھرجھری لے کر اسے مٹھی میں بھینچ لیا۔ کا چہرہ رنگ پہ رنگ بدل رہا تھا۔ کنپٹی کے پاس کوئی رگ مسلسل پھڑک رہی تھی۔ ہمت کر کے اس نے ان تصاویر کو دوبارہ دیکھا۔

بیڈ روم کا منظر تھا۔ ایک تصویر میں وہ بیڈ پر نیم دراز پروفیسر دانیال کے کندھے پر سر رکھے ہوئے تھی۔ دوسری میں بیڈ کی پائنتی سے سر ٹکائے مسکراتی ہوئی پاس بیٹھے پروفیسر کی طرف لگاوٹ سے دیکھ رہی تھی۔ تیسری میں وہ کھڑکی سے لگ کر کھڑی تھی اور ساتھ میں پروفیسر اس کے کندھوں پر ہاتھوں پھیلائے کھڑے تھے۔ ہر میں اس کا سراپا لباس سے محروم تھا۔ اس کا زندہ زمین میں دفن ہو جانے کو جی چاہنے لگا۔

پھر گویا شعور پر ایک ضرب پڑی۔

اس نے پلکیں جھپکا کر بے یقینی سے تصویر کو دوبارہ دیکھا۔ دائیں پسلی کے پاس چونی کے برابر گول براؤن تھا اور اس نشان کو وہ ہزاروں لاکھوں میں شناخت کر سکتی تھی۔ چار پانچ سال پہلے اس جگہ امبرین کو ایک پھوڑا آیا تھا۔ زخم خراب ہو جانے کی وجہ سے دو ہفتے تک تکلیف ختم نہیں ہوئی تھی۔ اینٹی بائیوٹک گولیوں اور وغیرہ کے استعمال کے بعد کہیں جا کر مرض میں افاقہ ہوا تھا۔ ایک ماہ بعد پھوڑا ٹھیک ہو گیا مگر اپنا نشان چھوڑ گیا۔ نشان اب بھی اس طرح موجود تھا امبرین متعدد بار اس منحوس نشان کو کوس کر اسے مٹانے کی ناکام تدابیر تھی۔

اب کے نئے سرے سے ارشین نے تصویر کے سراپے کو دیکھا اور پھر خود بخود گتھی سلجھ گئی۔ بے شک والا قد و قامت اور جسامت کی مماثلت کے باعث تفریق نہ کر پاتا مگر وہ تو اپنے وجود کے روئیں روئیں سے تھی۔ تصویر میں بائیں ہاتھ میں پہنی ہوئی فیروزے کی انگوٹھی نے رہا سہا شک بھی دور کر دیا۔ ایک دفعہ راشد (سعد کے والد) سوات کے ٹور سے واپسی پر دو انگوٹھیاں تحفتاً لائے تھے۔ ایک سرخ عقیق کی اور فیروزے کی۔ ارشین نے اپنے لیے عقیق جڑی انگوٹھی پسند کی تھی۔ رقیہ آنٹی نے اسے اور امبرین کو اپنے سے دونوں انگوٹھیاں پہنائی تھیں۔

امبرین فیروزے کی یہ انگوٹھی سعد کی امی کے ہاتھوں پہن کر بہت خوش تھی۔ دادو نے تو دبے انداز میں چھیڑا تھا۔

"تو بھئی امبر! تمہاری ساس تمہیں انگوٹھی پہنا گئی ہیں۔"

پھر یہ انگوٹھی کبھی امبرین کے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے جدا نہیں ہوئی۔

کیا لیلیٰ اور پروفیسر دانیال نے گٹھ جوڑ کر کے امبرین کو اس سازش کے لیے تیار کیا ہے یا خود امبرین اس کی میں اتنی آگے چلی گئی کہ شرم و حیا کا ہر لبادہ اتار پھینکا۔

اس کے کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔

تصویریں تمہاری نہیں ہیں تو پھر کس کی ہیں؟" وہ شاید آخری مرتبہ اسے صفائی کا موقع دے رہا تھا۔

کے لب مضبوطی سے آپس میں پیوست ہو گئے۔

تھی اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے بہن کے منہ پر کیچڑ نہیں مل سکتی تھی۔

کہتی یہ سیاہ منظر نامہ اس کی بہن کے تعاون سے پایہ تکمیل کو پہنچا ہے۔ وہ تصدیق کے لیے سیدھا بابا جان اور بی بی جان کو دوسرے صاحبزادی کا کارنامہ پتا چلتا تو گویا نیا بھونچال برپا ہو جاتا۔ امبرین ہوتی اور انکشاف سے جو بدنامی پھیلتی اس کے بعد کوئی اسے بیاہنے نہ آتا۔ کیا خبر بابا جان اشتعال لے لیں۔ یا خود کو کچھ کر ڈالیں۔ انتہا پرست شخص سے کیا بعید۔

مہران کی نظر میں اس کی بہن کی کیا عزت رہتی۔

انجام سے بے نیاز اس فکر میں غلطاں تھی کہ امبرین لیلیٰ شاہ اور پروفیسر تک کیسے پہنچی۔

سی جذباتی لڑکی ان مکار بلاؤں کے ہتھے کس طرح چڑھی۔ اس نے گھر کے تنگ، دبے دبائے گھٹے سے نکل کر باہر کی دنیا تک کیونکر رسائی حاصل کی۔

کس حد تک اس بات سے واقف ہیں۔

خطرناک لوگوں سے میل جول حد درجہ تشویش ناک امر تھا۔ کاش وہ اپنے گھر لوٹ کر ساری سنبھال سکتی۔

ہاتھوں سے لگائے اور سینچے گئے پودے کی جڑ میں کیڑا لگ جائے تو مالی کی پریشانی دیدنی ہوتی ہے۔

بے چین تھی۔ یہ احساس نہیں تھا کہ بہن کے ہاتھوں وہ کس طرح ذلت و رسوائی کے گہرے سراپا غرق ہو چکی ہے۔ اسے تو یہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ امبرین غلط قسم کے لوگوں میں پھنس گئی ان کے چنگل سے نکالنا بہت ضروری ہے ورنہ دوسرا عظیم نقصان ہو جائے گا۔ پہلی زک تو گھر والے اٹھا ہی چکے ہیں "اللہ نہ کرے، جو دوسرا چرکا لگے۔

خاموشی تمہارے جرم کی آئینہ دار ہے۔" مہران نے گہری سانس لے کر بالآخر فیصلہ سنا دیا۔

شرعی رشتے کی بے حرمتی کی ایک ہی سزا ہوتی ہے۔" اس کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔

موت۔" وہ آگے بڑھا یوں جیسے اس کی تکا بوٹی کر ڈالے گا۔

"موت کو سامنے دیکھ کر اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آخر تھی تو انسان۔ چوٹ پڑنے پر درد سب کو اس کا جسم لوہے یا پتھر سے نہیں بنا تھا کہ تکلیف سہہ کر اف نہ کرتا۔ مہران نے اندھا دھند ہنٹر لاشعوری طور پر بچاؤ کے لیے ایک سمت کو ہو گئی تھی اس لیے وار ترچھا پڑا اور اس کے بائیں کی طرح ہو کر دیوار سے ٹکرا کر واپس آ گیا۔ اگر براہ راست قوت سے گھومتا ہوا ہنٹر اس کے جسم پر کھال ادھیڑ کر رکھ دیتا۔ یقیناً" وہ دوبارہ اٹھنے کے قابل نہ رہتی ابھی بھی بازو پر لگتے ہی ارشین کے منہ نکل گئی۔ وہ زمین پر گر پڑی تھی۔

زندہ رہنا انسانیت کے منہ پر طمانچہ ہے۔" وہ دوسرے وار کے لیے پر تولنے لگا جوں ہی اس نے ہاتھ اسی لمحے کسی کمزور نقاہت سے چور بوڑھے ہاتھ نے اس کا بازو تھام لیا۔ وہ تعجب سے پلٹا۔

کوئی کب اندر آئی تھی۔ یقیناً" بڑی دشواری کے بعد صحن سے اٹھ کر یہاں تک پہنچی تھی۔ وہ بول نہیں سکتی تھی مگر دیکھ ضرور سکتی تھی۔ بوڑھی اور ضعیف و لاچار سہی احساسات تو بہرحال ارشین کے ساتھ جو سلوک روا رکھتا تھا اس کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا کون سا مشکل تھا کہ یہ زیادہ آقا اور غلام کا سا ہے۔ پھر ارشین کی نیک دلی، مہربان طبیعت، ہمدردانہ انداز اور اخلاص کے سامنے تھا۔ سچائی کتنے عرصے تک چھپی رہ سکتی ہے۔

سے ہٹ جائیں بوا۔" وہ ناگواری دبا کر بولا "مجھے اپنا حساب کتاب کرنے دیں۔" مگر بوا اس لمحے

چٹان بن گئی۔ غوں غاں کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ہنٹر چھیننے لگی۔ جب ناکامی ہوئی تو آخری چارہ کار کے، وہ ارشین کے آگے آگئی اور اس کے وجود پر اپنے ناتواں بازو پھیلا کر گویا ڈھانپ لیا۔

''اس پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے تمہیں مجھ پر وار کرنا ہوگا۔'' بوا کی آنکھوں میں لکھی تحریر پڑھنا مشکل تھا۔ مہران پر انتہا درجے کی جھنجلاہٹ طاری ہوگئی۔ وہ لاکھ بے رحم سہی، بزرگوں سے ادب لحاظ سے پیش کی بنیادی تربیت فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

''ٹھیک ہے بوا۔ تمہاری جان کے صدقے میں اس کی جان بخشی کر رہا ہوں۔''

اس نے شکست خوردہ انداز میں ہنٹر پھینک دیا۔ بوا ارشین کے بازو کو سہارا دے کر اٹھا رہی تھی۔ اس کے تھپتھپا کر ہوش میں لا رہی تھی۔

''مگر یہ طے شدہ امر ہے کہ اب میرے اور اس کے درمیان کوئی رشتہ نہیں رہے گا۔ میں شہر جاتے ہی طلا کے کاغذات بھجوا دوں گا۔ اس کے فوراً بعد میں دوسری شادی کر رہا ہوں۔'' وہ باہر نکل گیا۔

ارشین زخمی ضرور تھی مگر بے ہوش بہرحال نہیں تھی۔ اس نے اس کے الفاظ سن لیے تھے۔

وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے جاتا دیکھنے لگی۔

بوا اشاروں سے پوچھ رہی تھی۔ ''کیا ہوا تھا؟''

''کچھ نہیں بوا۔'' وہ سسکی دبا کر کراہتی ہوئی اٹھ بیٹھی اور بائیں بازو کی آستین اوپر چڑھا کر زخم کا جائزہ لینے لگی۔ دو انچ چوڑی لمبی سرخ لائن سے خون رسنے لگا تھا۔

''یہ پہلی دفعہ کی بات تو نہیں ہے۔ میں عادی ہوگئی ہوں اب۔ کہتے ہیں پہلی ناکامی، پہلا تھپڑ، پہلی ذلت اور جدائی کا درد بہت شدت سے اٹھتا ہے اس کے بعد بندہ بے حسی لپیٹ لیتا ہے۔ سب کچھ ایک جیسا لگنے لگتا۔ مجھے بار بار اپنی روح اور جسم و جاں کو قتل کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔ اب نیا الزام یا نئی ضرب بھی نئی نہیں لگ ایک دن کا معاملہ تھوڑی ہے۔ الزامات بھی سر لیتے رہے ہیں اور مضروب بھی ہوتے رہے ہیں۔ کبھی ایک لیے کبھی دوسرے کے لیے۔'' اس کی آنکھوں میں پانی گرم ریلے کی طرح اترا ''چلو ایک بار اور سہی۔ یہ ستم۔ یہ سنگ باری خدا دکھ سے بھی تو انہیں ہی نوازتا ہے جو برداشت کے قابل نظر آتے ہیں۔ مجھے تھوڑی ہلدی لا دو باورچی خانے سے۔ اسے لگانے سے شاید آرام آجائے۔ بہت جلن ہو رہی ہے۔'' بے چاری بوا سن کہ سکتی تھی۔ ارشین تو یونہی عادتاً بول رہی تھی۔ ہلدی کے لیے اس نے اشاروں سے زخم پر انگلی لگا کر سمجھایا سمجھ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ ارشین چارپائی کے پائے کا سہارا لے کر بمشکل اٹھی اور چارپائی دراز ہو کر چھت پر نظر جما دی۔

''میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا امبرین۔'' خاموش آنسو اس کی آنکھوں کے کناروں سے نکل کر کنپٹیاں بھگو تکیے پر گر رہے تھے۔ بوا ہلدی اور سرسوں کا تیل ملا کر لے آئی اور ارشین کے منع کرنے کے باوجود اپنے ہاتھ سے اس کے بازو پر لگانے لگی۔

◆ ◆ ◆

نہ تو آئے گی
اور نہ ہی چین آئے گا
میرے آنگن کی ہری بیلوں کا
پتا پتا سوکھتا جائے گا
نہ تو آئے گی

ایف ایم ون ہنڈرڈ سے جنید جمشید کا گیت پورے زور و شور سے نشر ہو رہا تھا اور ایف ایم کے دیوانے بوا

لہک لہک کر گلوکار کے ساتھ تان ملا رہے تھے۔

سفیان ہو سفی! اب کے نہ صرف تمہاری وہ آجائے گی بلکہ تمہارے بھائی صاحب کی اس کو بھی پکڑ لائیں گے فکر نہ کرو۔ آنگن کی بیلوں کے سوکھنے کا کوئی امکان نہیں ہے فی الحال۔''

نینی کے ساتھ گپ شپ کرتی نازش نے کھلکھلاتے ہوئے ہانک لگائی تھی۔ نینی نے اصرار سے رات کے کھانے پر روک لیا تھا۔ پروفیسر دانیال کسی کام کے سلسلے میں کل سے لاہور گئے ہوئے تھے۔ آج لوٹنا نہیں تھا لہٰذا نازش کو بھی واپسی کی خاص جلدی نہیں تھی۔

سفیان کو بھیج کر مہ وش کو اسکول سے چھٹی پر ادھر ہی بلوا لیا تھا۔ اب وہ لوگ مہران کا انتظار کر رہے تھے۔

''ان کو اب تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔'' نینی دو تین بار اپنی بے چینی کا اظہار کر چکی تھیں۔ ''خدا جانے وہ اسے بھی لے کر آئیں گے یا۔ ناظر کیا کہہ کر گئے تھے وہ۔''

''بتا رہے تھے وہ آفس سے وہیں کوٹ جائیں گے۔ میں نے پوچھا۔ بھابھی جان ان کو لینے جا رہے ہیں؟ تو مسکرا کر آگے بڑھ گئے اب اس گھوری کا مطلب ہاں تھا یا ناں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔''

کولڈ ڈرنک کی بوتلیں ٹرے میں سجا کر لایا تھا۔

''رہنے دو بھئی۔ دوپہر سے تین بار پی چکے ہیں۔ ابھی تو اپریل ہے۔ گرمی کا اصل آغاز تو مئی جون میں ہوگا۔'' نینی نے منع کیا۔

''ہائے اپا! ایک بوتل پی لینے سے کیا ہو جاتا ہے۔ یوں بھی بے بی کو پسند ہے۔'' اس نے زرد اور آسمانی جدید تراش کے خوب صورت سے فراک میں ملبوس سرخ پھولے پھولے گالوں والی بچی کو بوتل تھمائی۔ پیاری اور ہنس مکھ بچی تھی۔ ناظر اور سفیان سے خوب بے تکلف تھی۔ دھڑلے سے فرمائشیں منواتی تھی۔ سب اس کے لاڈ اٹھاتے تھے کہ انسانی وجود کی رونقوں کو ترسے ہوئے تھے۔

''ماموں! مجھے چپس لا دیں۔''

اس نے نزاکت سے بوتل تھام کر ڈیک کے بٹنوں سے کھیلتے سفیان کو آرڈر دیا۔ انداز میں حاکمانہ قسم کا تھا۔ سفیان بے ساختہ مسکرا کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''ملکہ عالیہ! ہم تو حکم کے غلام ہیں۔ لائیے نکالیے پیسے۔ ابھی ''پھر'' سے اڑ کر چپس لا دیتے ہیں۔'' اس نے ہتھیلی اس کے سامنے کی اور مسمسی صورت بنا کر بولا۔

''نہیں۔'' وہ چڑ کر ڈپٹنے لگی۔ ''پیسے آپ اپنی جیب سے نکالیں۔ سمجھ آئی۔''

''اپنی جیب سے کیوں؟'' سفیان لڑاکا انداز میں ہاتھ نچانے لگا۔ ''ملکۂ عالیہ تم ہو۔ پیسے بھی تم ہی دو گی۔ ہم تو بے چارے غریب سے عوام ہیں۔ ہمارے پاس پیسے کہاں۔''

''مہ وش بیٹے! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ اتنی پیٹو تو آپ کبھی نہیں تھیں۔'' نازش اس کی خبر لے رہی تھی۔ ''ماموں کو تنگ کر رہی ہو۔ ابھی تھوڑی دیر بعد ڈنر شروع ہو جائے گا۔ یہ کون سا ٹائم ہے چپس کھانے کا۔''

''ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔ آپ پرائے پھڈے میں ٹانگ نہ اڑائیں جی۔ ہم ڈنر کے بعد مارکیٹ کا چکر لگائیں گے اور آئس کریم اور چپس دونوں لیں گے۔'' سفیان مہ وش کے گرد بازو پھیلا کر اسے خوش کرنے کے لیے کہہ رہا تھا۔

''اسی طرح بگاڑو گے اسے۔'' نازش نے مصنوعی خفگی سے سفیان کو دیکھا۔ اس کے پہلے کہ وہ جواباً ''کوئی چلبلی بات'' کہتا جیپ کے مخصوص ہارن نے گویا سارے آفریدی ہاؤس کو دھڑکا کے رکھ دیا۔

''بھابھی جان آگئے ہیں۔'' سفیان جلدی سے مہ وش کو گود سے اتار کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے لہجے میں مسرت آمیز

نینی بھی غیر ارادی طور پر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اتنی طویل جدائی کے بعد لاڈلے بیٹے کی صورت دیکھنے کو
تھی۔ ان کے دل سے ممتا کے سوتے پھوٹ پڑے تھے۔
"ارشین آپا بھی ہوں گی نا۔ ساتھ میں۔" ناظر اشتیاق سے پوچھتا ہوا سفیان کے پیچھے لپکا۔
"عجیب طبیعت پائی ہے اس بچے نے۔ ہر کام خلاف توقع ہی کریں گے۔ اب بھلا بغیر بتائے بہو کو خود جا کر لا
کی کیا تک بنتی ہے۔ جہاں اتنی تاخیر ہوئی' وہاں تھوڑی اور سہی۔ ذرا رنگ ڈھنگ سے 'سلیقے طریقے سے
لاتے۔" نینی قدم آگے بڑھاتے ہوئے قدرے خفا خفا سی نازش سے مخاطب تھیں۔
"بہرحال ناظر سے کہہ کر گیسٹ بیڈ روم سیٹ کرا دیتی ہوں۔"
"مگر نینی! مہران کا بیڈ روم سیٹ ہی ہے اور وہاں اتنی گنجائش ہے کہ دوسرا فرد آسانی سے سیٹ ہو سکے پھر۔
نازش نے حیرانی سے ان کی صورت دیکھتے ہوئے کچھ احساس دلانا چاہا۔ شادی کو سات آٹھ ماہ گزر چکے تھے
میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔ لہٰذا اس تکلف کی کوئی تک نہیں بنتی تھی۔
"وہ تو ٹھیک ہے بیٹے! لیکن ماں ہونے کے ناتے میرے بھی ماں ارمان ہیں۔ میری خواہش ہے اپنے ہاتھوں
بیٹے کے سر پر سہرا سجا کر بجی سجائی دلہن کے ہمراہ اس کے کمرے تک لے کر جاؤں اور چاؤ سے دلہن کو بیٹے
حوالے کروں۔ ابھی نہ تو گھر سجا ہے' نہ مہران کا کمرہ اور نہ گھر کا آنگن مہمانوں سے بھرا ہے۔ ایسے نہیں بھئی۔"
وہ مسکرائیں۔ ان کا چہرہ خواہشوں کی یلغار سے گلنار سا ہو گیا تھا۔ اسی لمحے مہران اندر آ گیا۔
"بھائی جان اکیلے آئے ہیں نینی۔" ناظر اور سفیان اس کے اردگرد تھے۔ نینی نے سنا ہی کہاں۔ وہ تو بیٹے کا
دیکھتے ہی جیسے کسی جادو کے اثر سے اپنی جگہ پر منجمد ہو گئی تھیں۔
"السلام علیکم نینی۔" ایک چور مجرمانہ دھیمی آواز انہیں بہت قریب سے سنائی دی۔ مہران عین ان کے سا
نظر اور سر جھکا کر کھڑا تھا۔ ایک مدت بعد ان کی آنکھوں کا آنگن اولاد کی دید سے سیراب ہو رہا تھا۔ وہ تشنہ نظرو
سے دیکھتی چلی گئیں۔ حتیٰ کہ آنکھوں سے سیلاب بلا شروع ہو گیا۔
"نینی!" مہران اسی طرح سر جھکائے چند قدم اور آگے آیا۔ وہ ان سے جھجک رہا تھا۔ اپنے کیے کی شرمسار
پاؤں میں زنجیر بن کر چھنک رہی تھی۔ پھر نینی کے آنسوؤں نے اس ہچکچاہٹ کا ہالہ توڑ دیا۔ وہ بے ساختہ ان
گلے سے لگ گیا۔
"میرے بچے' میرے بیٹے' میرے چاند۔" نینی پھوٹ پھوٹ کر رو دیں اور پھر اس کے سر کے بوسے لی
لگیں۔ وہ ان کے آنسو پونچھتا ہوا انہیں چپ کرا رہا تھا۔ "کہاں چلے گئے تھے آپ؟"
"کہیں بھی نہیں نینی۔" اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔
"ناظر! پانی لاؤ۔" وہ انہیں لیے صوفے کی طرف بڑھا۔ ناظر نے حکم کی تعمیل کی۔
"لیں نینی! پانی پئیں۔ آپ کے آنسو مجھے کتنی تکلیف دیتے ہیں۔ آپ جانتی تو ہیں۔" وہ انہیں بٹھا کر پا
پلانے لگا۔
"بہو کہاں ہے؟" کافی دیر بعد وہ سنبھلنے میں کامیاب ہوئی تھیں۔
مہران چونکا۔ ان کی صورت دیکھی پھر سوال کی نوعیت سمجھ گیا۔
"وہ تو نینی! آپ لائیں گی اس گھر میں اپنی مرضی سے۔" وہ جان کر تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہا تھا۔
"آپ جب جی چاہے درنایاب کے والد صاحب سے بات فائنل کر لیں۔ میں خود بھی اب یہی چاہتا ہوں کہ
اس گھر کو سنبھالنے اور آپ کی مدد کے لیے ایک خاتون آ جانی چاہیے۔ آپ بے شک اسی ماہ شادی کی تاریخ طے
کر لیں۔" وہ خلاف مزاج بڑے آرام سے اپنی شادی کی بات کر رہا تھا۔
"درنایاب؟" نینی سمیت سب ہی آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اور نازش تو مہران کی رگ رگ
سے واقف تھی۔ اسے دال میں کچھ کالا کالا نظر آنے لگا۔ یہ تو وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ مہران کے دل میں ارشین

چھپا ہوا غبار چھٹا نہیں تھا۔
انہیں نہیں بھائی جان! نینی ارشین آپ سے لیے راضی ہو چکی ہیں۔ وہ انہیں اپنی بہو تسلیم کرنے کے لیے
سمجھا' شاید وہ نینی کی خوشنودی کے لیے کہہ رہا ہے۔
سفیان
میں انہیں بیوی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔" وہ دو ٹوک بولا۔ "دو ایک دن میں فیصلہ
میں کورٹ سے طلاق کے کاغذات تیار کروا رہا ہوں۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔
میں تو ہو مہران۔" نازش غصے سے پھٹ پڑی۔
جبکہ سارے دلدر دور ہو چکے ہیں' راستہ صاف ہو چکا ہے تو تم نے نئی ڈرامے بازی شروع کر دی۔"
اس پر غصہ آ رہا تھا۔ اسی لیے اس کا لہجہ بے مروت ہو گیا تھا۔
نے تو طویل عرصے سے چلنے والی اس ڈرامے بازی کا اختتام کیا ہے مسز دانیال۔" وہ خشک لہجے میں گویا

نے ارشین کو بیوی بنا کر نہیں رکھنا' پہلی بات۔ اور دوسری بات یہ کہ میں درنایاب سے شادی کرنا چاہتا
دیٹس آل۔" اس کے انداز میں حتمی پن تھا۔
رے کی حالت میں سینے پر ہاتھ رکھے اس کی صورت دیکھ رہی تھیں۔
مجھ نہیں آتا۔" وہ دھیرے سے بڑبڑائیں۔
بے رحمی' خونخواری اور سنگدلی میری تربیت کا حصہ تو نہیں تھی۔ کس نے دیا ہے آپ کو یہ وحشیانہ
بخت دکھی تھیں۔
اور ناظر گم صم بیٹھے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ سفیان نے ریڈیو کا بٹن آف کر دیا تھا۔
نینی کے پیش نظر وہ مہہ وش کو ساتھ والے کمرے میں کارٹون فلم لگا کر بٹھا آیا تھا۔
بات کیا ہوئی' کچھ پتا تو چلے۔" نازش نے پریشانی سے کہا۔
کل بھی وہی تھی اور آج بھی وہی ہے۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔ "وہ میرے قابل نہیں ہے۔"
سات آٹھ ماہ پہلے آپ کے قابل تھی' جب آپ نے اس سے شادی کی تھی؟" نینی تلخی سے گویا

اس وقت بھی نہیں تھی۔ محض نازش کی خاطر یہ پھندا گلے میں ڈالا تھا۔" وہ برجستہ بولا۔
سمجھ میں نہیں آ رہا۔ یا تو میں بہت بوڑھی اور کند ذہن ہو گئی ہوں یا پھر میری اولاد نے مجھ پر بھروسا کرنا
ہے۔ اس درجہ بے ترتیبی اور بدنظمی کبھی اس گھر میں دیکھنے کو نہیں آئی اور وہ بھی شادی بیاہ جیسے سنجیدہ
لے۔" وہ روہانسی ہو گئیں۔
ناراض نہ ہوں نینی۔" مہران نے ان کی دلدہی کے لیے بمشکل لہجے میں نرمی اور ملائمت پیدا کی۔ "جو
بھی غلطی سمجھ کر معاف کر دیں اور سب کچھ بھلا کر نئے سرے سے بات کا آغاز کریں۔ اور یوں بھی
اس کی وجہ سے ہی مجھ سے خفا ہوئی تھیں۔ میں آپ کی خفگی دور کرنے کے لیے اس "وجہ" کو اپنی زندگی
کر رہا ہوں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔"
نت تک مجھے آپ کے "کارناموں" کا علم نہیں تھا۔" نینی سختی سے بولیں۔ "اب تک کیا سلوک روا
بیٹے اس کے ساتھ۔ ذرا بتائیں گے مجھے۔"
نٹ کاٹنے لگا۔
نے اپنے باپ دادا کا نام بھی ڈبو دیا۔ میری تربیت تو ایک طرف رہی۔ اتنا تماشا لگانے کے بعد بھی کوئی کسر
تو سیدھے سبھاؤ سرزنش کر رہی تھیں۔
کل جا رہے ہیں اپنی بہو کو لانے۔" انہوں نے فیصلہ سنا دیا۔

"نہیں، آپ لوگ وہاں نہیں جائیں گے۔"
"دماغ خراب ہوگیا ہے۔" نینی اپنا غصہ ضبط نہ کرسکیں۔
"مجھے آرڈر دے رہے ہیں آپ؟ ہم کیوں نہ جائیں۔ ہماری بہو ہمارے خاندان کی عزت ویرانوں میں پڑی رل رہی ہے۔ یہاں رہنا بسنا اس کا حق ہے۔ اور خبردار جو آپ نے طلاق کا لفظ منہ سے نکالا۔"
"نینی! میری بات۔۔۔۔"
"میں نے کہا ناں۔ اگر تم نے ارشین کو طلاق دی یا اس بارے میں سوچا تو میرا مرا منہ دیکھنا۔" وہ جلالی موڈ میں نظر آرہی تھیں۔
"ٹھیک ہے۔ میں اسے طلاق نہیں دیتا۔" وہ بادل نخواستہ کڑوا گھونٹ پی کر بولا۔ "لیکن اس کے لیے میری شرائط ماننا ہوں گی۔ نمبر ایک۔ کوئی اس سے ملنے گاؤں نہیں جائے گا۔ نمبر دو۔ آپ کو درِ نایاب کے ہاں جاکر میری شادی کی بات کرنا ہوگی۔ بیوی میری بہرحال وہی کہلائے گی۔ میں کسی ارشین بخاری کو مسز مہران کے طور پر نہیں جانتا۔ میرا اس عورت سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔"
وہ سرخ چہرے سمیت تیزی سے اٹھ کر سیڑھیاں چڑھ گیا۔
لاؤنج میں بیٹھے حاضرین بت بنے ایک دوسرے کی صورتیں دیکھ رہے تھے۔

◆◆◆

"پروفیسر دانیال مہدی آئے ہیں میڈم۔" تارا کی اطلاع پر لیلیٰ شاہ اپنے باب کٹ سرخی مائل چمکدار بالوں میں انگلیاں گھماتی ڈرائنگ روم میں آگئی۔
"ہیلو پروفیسر! کیسے راستہ بھول پڑے جناب۔ کہاں تھے اتنے دنوں سے۔" اس نے گرمجوشی سے ان سے ہاتھ ملایا۔ وہ اس وقت سفاری سوٹ میں نک سک سے تیار مردانہ وجاہت و متانت کے بہترین ماڈل نظر آرہے تھے۔
"ایک کام کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا تھا۔ ویسے تو جب سے ان تصویروں کو دیکھا ہے 'اپنا کام تمام ہوگیا' سمجھیں کہ کام سے گئے ہم۔" انہوں نے بڑی خوبصورتی سے اپنی بے تابی و تشنہ لبی کا اظہار کیا۔ صوفے کی پشت پر بازو پھیلائے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے وہ بڑے شاہانہ اسٹائل میں بیٹھے ہوئے تھے۔
لیلیٰ شاہ نے ایک چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔
"جی چاہ رہا ہے اس شعلہ بدن' فتنہ ساماں قیامت کو روبرو دیکھیں۔ "وہ" نہ سہی اس کی بہن سہی۔ نسبت بہرحال بہت قریب کی ہے۔"
"وہ" کیوں نہ سہی بھئی۔" وہ خوشگواریت سے گویا تھی۔ "اچھی امید رکھیے۔ "رزلٹ" کا انتظار کیجیے۔ دیکھیے گا محبوب کھٹ سے قدموں میں ہوگا۔" وہ کھل کر ہنسی۔
"ایسی تصویریں دیکھ کر بے غیرت سے بے غیرت شوہر کا بھی میٹر گھوم جاتا ہے۔ وہ تو پھر ٹھہرے پٹھان۔ غیرت مند خون والے ایسی عورت کو گھر میں بسانے کے بجائے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ندی میں غرق کردیتے ہیں۔ بلکہ مجھے خدشہ ہے کہیں سچ مچ وہ اس کا خون نہ کردے۔ مجھے تو بہرحال اس کے اس عمل سے تسکین ہی ہوگی مگر تمہاری مہم ادھوری رہ جائے گی۔"
"اطمینان رکھیں۔ خونریزی تک نوبت نہیں آئے گی۔" وہ مطمئن تھی۔
"قانونی بندہ ہے۔ بلکہ قانون کا رکھوالا۔" وہ طنزیہ ہوئے۔ "تشدد بھلے سے جتنا کرلے' جان سے مارنے کا رسک کبھی نہیں لے گا۔" "اس" کو تو بہرحال ایک نہ ایک دن فتح کرہی لیں گے۔ فی الحال آپ اس کی بہن کا دیدار کرائیے۔ مجھ سے زیادہ خوش قسمت تو میری تصویریں ہیں جو اس کے اتنے قریب ہیں۔"
وہ نیم مزاحیہ انداز میں گویا ہوئے۔ نفرت اس کی ا...
"داد دیجیے میری فن کاری کی۔" وہ بدستور ہلکے پھلکے موڈ میں تھی۔ پروفیسر کی منتقمانہ فطرت اس کی

...گا کھاتی تھی اس لیے وہ دنوں میں ہی ان سے گھل مل گئی تھی۔
...کا "کیمرہ ٹرک" کے ذریعے کیا سے کیا بنا ڈالا۔ تین مختلف لوگوں کی تصویروں کو آپس میں ضم کرکے ...طرح فطری انداز میں سین "ترتیب" دینا آسان کام نہیں تھا۔
...ہیں جناب! آپ کی فن کاری کو۔ کیسے کس طرح داد دلیں گی۔" لیلیٰ شاہ معنی خیز انداز میں مسکرانے

"...آپ اپنے سینٹر کی کچھ تصویریں امریکہ میں ہونے والی بین الاقوامی نمائش میں بھیج رہے ہیں؟"
"...اگلے ہفتے نمائش ہو رہی ہے۔ میں چند دنوں میں روانہ ہو رہا ہوں۔ نمائش کے بعد بھی تقریباً" ایک ماہ ...قیام ہوگا۔ آپ کو کچھ منگوانا ہے؟"
"...نہیں "بھجوانا" ہے۔" وہ برجستہ گویا ہوئی۔

"...پینٹنگز یہاں بھجوا دیجیے۔ ہم خود ان کے اندر سامان "لوڈ" کردیں گے۔"
"...کون سی چیز ہے جو پینٹنگز کے اندر بھری جاسکتی ہے۔" وہ الجھنے لگے۔ ان کی سوالیہ نظریں لیلیٰ کے ...تھیں۔
"...خود سمجھدار ہیں۔" لیلیٰ ان کے چہرے کے تاثرات نوٹ کررہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ نتیجے پر پہنچ گئے۔
...انہوں نے گہری سانس لی۔ "مگر دیکھ لیجیے مروا نہ دیجیے گا۔ میں آپ سے دوستی نبھانے کے لیے یہ ...کر تیار ہوں مگر۔"
"...فکر ہے جناب! ایسا پکا انتظام کریں گے کہ ایئرپورٹ سیکیورٹی والے پینٹنگز کو ادھیڑ بھی ڈالیں تو ...پاؤڈر کی پڑیاں نظر نہیں آئیں گی۔ مہارت سے چھپانا ہمارا ذمہ اور ہاں وطن واپسی پر آمدنی میں سے اپنا ...حصہ لے لیجیے گا۔"
"...کمیشن سے دلچسپی نہیں۔ جس "چیز" سے دلچسپی تھی اس کی آتے ہی ڈیمانڈ کردی تھی۔"
...کچھ سوچ کر سر ہلایا۔
"...ہے۔ آپ کی خاطر کیا ہم "اتنا" سا کام بھی نہ کریں۔ آپ امریکہ سے واپس آجائیں پھر کسی دن اپنا ...باقی کرلیجیے گا۔ آپ سے دوستی بھی ہے' رازداری بھی۔ پھر آپ کی خواہش کیونکر ادھوری ...اس لڑکی کو نشے کی عادی بنا کر اس حد تک کھوکھلا کردیا ہے کہ اب وہ ایک پڑیا کے لیے کچھ بھی ...ہو جائے گی۔"
"...مجھے عورتوں کی کمی نہیں ہے لیکن ارشین کی بہن کی بات ہی کچھ اور ہے۔ اسے پامال کرکے گویا میں ...انتقام لوں گا۔ میں اس عورت کو مکمل طور پر تباہ و برباد کردینا چاہتا ہوں۔ اسے بتا دینا چاہتا ہوں کہ ...ٹھکرانے اور دھوکا دینے والوں کا کیا انجام ہوا کرتا ہے۔"
...آنکھوں میں انگارے سلگ رہے تھے۔ لیلیٰ شاہ کو ان کے جذبات دلی تسکین بخش رہے تھے۔ وہ خود بھی ...سے عبرتناک انتقام لینے کی قائل تھی۔
"سامان" وصول کون کرے گا۔" معاً انہیں خیال آیا۔
"...رہیں۔ جیسے ہی آپ نیویارک ایئرپورٹ پر اتریں گے۔ دو آدمی آپ کو ریسیو کرنے آجائیں گے۔ ...ساتھ گاڑی میں ان کے گھر تک جائیں گے۔ وہاں فقط ایک گھنٹہ انتظار کرنا ہوگا۔ وہ "سامان" نکال ...پینٹنگز کے فریم جوڑ کر پیک کردیں گے اور آپ کو مطلوبہ جگہ پر ڈراپ کردیں گے۔"

◆◆◆

نازش مہ وش کو سلانے کے بعد اپنے کمرے میں آئی تو پروفیسر دانیال کو بستر پر دراز کسی سوچ میں گم پایا۔
"کیا "رپورٹ" ہے ادھر کی؟"
معا" ان کی مخصوص طنزو بیگانگی میں ڈوبی آواز ابھری۔ بہت مدت بعد انہوں نے از خود اسے مخاطب کیا۔
وگرنہ بہت ضروری بات پر بادل نخواستہ ہاں ناں میں جواب دیتے تھے اور وہ بھی زہر میں بجھے ہوئے انداز میں
نینی کی جسمانی و ذہنی کیفیت کے پیش نظر ایمرجنسی میں دو ماہ قبل اسے کراچی سے واپس اسلام آباد تو لے آئے
مگر سلوک ایسا ہی تھا جیسے انتہائی ناپسندیدہ اجنبی شخص کو مجبورا" گھر میں رکھا جائے۔ نازش کی ہر طرح کی
داری' معافی تلافی اور عاجزی و انکساری بھی ان کی بے حسی و بے گانگی کی دیوار میں دراڑ ڈالنے میں کامیاب
ہو سکی تھی۔ وہ یوں اجنبی بنے فاصلوں پر رہتے گویا کبھی تعلق واسطہ ہی نہ رہا ہو۔ ان کے انداز اور لب و لہجے کی
بے مہری و لاتعلقی نازش کے شیشہ سے دل کو چور چور کر دیتی مگر وہ یہ سب سہنے پر مجبور تھی۔
مہران کے بار بار جھلانے اور تلملانے کے باوجود اس کے پاس ایک ہی ٹھنڈا میٹھا اور سیدھا سادا جواب ہوتا تھا۔
"وہ نہ سہی' میں تو انہیں چاہتی ہوں۔ مجھے ان کی ضرورت ہے۔ جو لوگ زندگی کے لیے لازم و ملزوم ہوں اُن
اپنا بنانے اور اپنے سے قریب رکھنے کے لیے انسان ان کے ہر طرح کے نخرے اور ستم اٹھانے کے لیے تیار ہو
ہے۔ ان کے دیے ہوئے زخم پھول کی طرح دامن میں بھر لینا چاہتا ہے۔ مجھے ان کی ذات کی ہر شے عزیز
ایک ایک ادا' ایک ایک انداز' غصہ' پیار' نرمی' سختی' ظلم یا کرم۔ جو دیں ان کے در سے قبول ہے۔"
بندہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو جائے تو اسی طرح خوار ہوتا ہے۔ رلتا اور تڑپتا ہے اور کوشش کے باوجود
ستم ایجاد و ناز پرور کو چاہتے رہنے اور اس کا خیال رکھنے سے خود کو باز نہیں رکھ پاتا۔
نازش بھی ایسی ہی "قلبی مجبوری" کے جال میں پھنسی ہوئی تھی۔
"کدھر کی رپورٹ؟ میں سمجھی نہیں۔" وہ نائٹ بلب جلا کر اپنی جگہ پر آ کر تعجب سے ان کی سمت دیکھنے لگی۔
"جہاں کل رات بتا کر آئی ہو۔ ان ہی تمہارے ہمدردوں کے گھر کی رپورٹ۔" وہ ترشی سے گویا تھے۔
"اوہ۔" اس نے گہری سانس لی اور جیسے اپنے آپ کو جواب دینے کے لیے تیار کیا۔
"نینی ارشین کو بہو تسلیم کرنے پر راضی ہو گئی ہیں۔"
پروفیسر دانیال کو شاک پہنچا۔ وہ نینی کی جانب سے اس درجہ لچک کی امید نہیں کر رہے تھے۔
"مگر۔" وہ رکی۔
"مگر کیا؟" پروفیسر دانیال کو یہ توقف ناگوار گزرا۔
"مگر اب مہران اسے گھر لانے اور بیوی کا درجہ دینے پر تیار نہیں ہے۔" پروفیسر کے قلب میں مسرت کی لہر
گردش کرتی محسوس ہوئیں۔
"کیوں؟" بظاہر وہ سرسری انداز میں پوچھ رہے تھے۔
"خدا جانے کیا وجہ ہے۔" وہ ہاتھ مروڑ رہی تھی۔ "اس کے دماغ کی رو جیسے ایکدم الٹ گئی ہے۔ نینی کے
حد سمجھانے بجھانے کے باوجود اپنی ضد پر قائم ہے۔ وہ ارشین کو چھوڑ کر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔"
"بہت اچھی بات ہے۔ گویا تیر نشانے پر بیٹھا ہے۔" وہ دل ہی دل میں شاد کام ہو کر سوچ رہے تھے
"امریکہ کا چکر لگا آئیں۔ تب تک "منظر نامہ" مزید صاف ہو جائے گا۔ پھر نئی حکمت عملی کا آغاز کریں گے
ایس پی سے چھین کر بس ایک بار اپنے کھونٹے سے باندھ کر اس کا غرور توڑ دوں پھر عمر بھر کے لیے شانتی مل جا
گی۔" اس رات انہیں خوب اچھی طرح ٹوٹ کر نیند آئی۔

◆◆◆

...گزر گیا۔ سختی و دھمکی' خفگی' پیار محبت۔ ہر حربہ اپنا دیکھا مگر وہ مان کر نہ دیا۔
...آپ سے بد تمیزی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ کی حکم عدولی کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے مگر فقط
...مجھے معاف کر دیں۔ آپ جان مانگ لیں یا جان سے پیاری چیز طلب کر لیں۔ کہیں تو میں عمر بھر
...شکل نہ دکھاؤں۔ یہ جگہ' یہ ملک' بلکہ یہ براعظم چھوڑ دوں۔ جو سزا تجویز کریں گی' قبول کر لوں گا مگر فقط
...مجبور نہ کریں۔ میں اس عورت کو گھر میں نہیں بسا سکتا۔ یہ میری آن اور مردانگی کا مسئلہ ہے۔ میں
...غیرت و حمیت اور خودداری کو کچل دوں۔ کس طرح بے غیرتی کا لبادہ اوڑھ کر بے حس ہو جاؤں۔ دل پر
...نے آپ کی بات مانتے ہوئے اسے کاغذات نہیں بھجوائے مگر اس سے میرے احساسات پر کیا فرق
...میرے لیے اس بندھن کا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے۔"
...روٹیاں بنا دوں یا بھائی جان کے آنے تک انتظار کروں۔" ناظر نے لاؤنج میں آ کر پوچھا۔ جہاں وہ اداس
...صوفے پر بیٹھی گہری سوچ میں غلطاں تھیں۔
...بخار ہے۔ بس کرو کچن کا کام۔ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ سفیان بازار سے نان لے آئے گا۔"
...نے چونک کر سر اٹھایا۔ ناظر کو کل سے بخار اور فلو تھا۔
...ہاں گائینی۔" اس نے کمزور سے لہجے میں اصرار کیا۔
...نہیں۔ چلو آپ چل کر لیٹو اور ہاں یخنی پینا نہیں بھولنا۔ میں نے آپ کے لیے بنا کر فریج میں رکھ دی

...نینی۔" وہ جذبۂ تشکر لیے اپنے کمرے میں چلا گیا۔
...بیٹے! بازار سے نان لے آؤ۔ ناظر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اٹھ کر کچن میں گھس گیا اور سبزی
...منع کرتی رہ گئی۔ آج تو یوں بھی سبزی نہیں بنانی تھی۔ میں نے چکن قورمہ بنا لیا تھا۔ دوپہر کے بنے
...چاول بھی فریج میں رکھے ہیں۔ گرمیوں میں زیادہ ڈشز دیکھ کر دل اوب جاتا ہے۔"
...ابھی ابھی سیڑھیاں اترا تھا۔
...لے آتا ہوں نینی۔" وہ سر ہلا کر باہر نکل گیا۔
...مہران بھی آ گیا۔ آفس سے تو سرِ شام ہی آ گیا تھا۔ ایک گھنٹہ پہلے داور کے بلاوے پر اس کے ہمراہ
...کمپلیکس میں لگنے والی صنعتی نمائش کا چکر لگانے نکلا تھا۔ داور کو رپورٹ تیار کرنا تھی اور مہران گھر کے گم
...کے تاثر سے آزاد ہونے کے لیے چل دیا تھا۔
...رہا ہے نینی؟" وہ اخلاقاً" انہیں کمپنی دینے کے لیے صوفے پر ان کے پاس بیٹھ گیا اور ریموٹ کنٹرول
...لے کر چینل بدلنے لگا۔
...طور پر وہ ان سے اس "خاص" موضوع پر بات کرنے سے کترا رہا تھا۔
...سوچ رہی تھی۔ پتا نہیں آپ کو اپنے نام کا مطلب معلوم ہے یا نہیں۔" انہوں نے جیسے پینترا بدل کر
...کے موضوع کا آغاز کیا۔
...کا مطلب ہے مہرو محبت کا دریا۔ میں نے لغت میں پڑھا تھا۔" اس نے جواب تو دے دیا تاہم اس کے
...ہو گئے تھے۔ (یقیناً" یہ اسی موضوع پر بات کرنے والی ہیں۔ گھیر گھار کر اس لائن پہ لانے کا ارادہ کر رہی
...کتا ہو گیا۔
...کے لوگ دریائے سندھ کو مہران کے نام سے پکارتے ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ مہران ایک شہزادے
...نے اس دیس پر برسوں تک راج کیا۔ اور آج تک کوئی اس راجہ جیسا رحم دل' ہمدرد' پیار کرنے والا
...حکمران نہیں گزرا۔ وہ شہزادہ بے تحاشا خوبصورت اور حسین تھا۔ اس کا ایک ایک نقش بولتا تھا۔ گال
...اور تمتماتے ہوئے' آنکھیں ہیروں کی طرح دمکتی ہوئی اور بال سیاہ چمک دار کالی رات ایسے۔ وہ اتنا

شاندار، باوقار اور دلکش تھا کہ شاعر اس کے لاثانی حسن و جمال کی توصیف میں لفظوں کی قلت کی شکایت کرتے تھے۔"

"بھائی جان کا نام کس نے تجویز کیا تھا نینی۔"

سفیان روٹیاں لے کر آگیا تھا۔ وہ بھی قدرے متحیر کا سا ان کے پاس بیٹھ کر انہماک سے بات سننے لگا۔

"یہ بھی ہو بہو اس شہزادے جیسے ہیں۔" اس نے تحسین آمیز نظروں سے اپنے بھائی کے سحر انگیز سراپے کا جائزہ لیا۔

"ان کا نام میں نے تجویز کیا تھا اور بھائی صاحب نے خوشی خوشی قبول کر لیا تھا۔ مگر ابھی میری داستان مکمل نہیں ہوئی۔ آگے بھی تو سنو۔"

"سنائیں نینی۔"

"بزرگ کہتے ہیں۔ شہزادہ مہران ہمیشہ سے ہمدرد و مہربان نہیں تھا۔ اپنی ابتدائی زندگی میں وہ بہت خود سر مغرور اور سرکش ہوا کرتا تھا۔ جوانی اور اقتدار کے نشے، حسن و جمال کے زعم اور طاقت کے گھمنڈ نے اسے ایک جابر، قاہر اور ظالم حکمران بنا دیا تھا۔ اس کی رعایا اس کے ظلم و ستم اور قہر و غضب سے پناہ مانگتی تھی۔ ایک بار وہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ شکار کرنے گیا۔ اس نے ایک بہت خوبصورت ہرن کا شکار کیا۔ جب وہ آخری سانسیں لیتے ہرن کے پاس پہنچ کر اس کے گلے پر خنجر پھیرنے لگا تو اس نے زندگی سے مایوس ہوتے ہرن کی آنکھوں میں موت کے سائے رقصاں دیکھے۔ یکلخت اس کے دل کی دنیا بدل گئی۔ وہ سوچنے لگا جس طرح یہ ہرن مرنے کے قریب ہے، اسی طرح ایک دن میری بھی باری آئے گی۔ چنانچہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے اور دائمی زندگی پانے کے لیے آب حیات کے چشمے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ بالآخر ایک دن اس نے وہ جگہ ڈھونڈ لی۔"

"تو پھر کیا شہزادے نے آب حیات پی لیا؟" سفیان نے تجسس کے عالم میں دریافت کیا۔ نینی کے انداز کلام میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ خود مہران بھی ان کے لہجے کے زیر و بم میں ڈوب گیا تھا۔

"جب وہ چشمے پر پہنچا تو اس نے ایک بے حد خوبصورت سنہری مچھلی کو پانی میں تیرتے دیکھا۔ یہ مچھلی آب حیات پینے کی وجہ سے ہزاروں سالوں سے زندہ تھی۔ وہ شہزادے کی آمد کا مقصد جان گئی تھی۔ اس نے اسے مخاطب کیا اور سمجھایا کہ برے اور ظالمانہ کام کرتے ہوئے طویل اور نہ ختم ہونے والی زندگی گزارنا بذات خود دنیا و آخرت کی خواری ہے۔ اگر تم ہمیشہ کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہو اور اپنا نام امر کرنا چاہتے ہو تو کچھ ایسے کام کر جاؤ جس کی بدولت خلق خدا تمہیں رہتی دنیا تک یاد رکھے۔ اگر تم مخلوق خدا کے ساتھ رحم و انصاف سے پیش آؤ گے، ان کے دکھ درد میں کام آؤ گے، ان کے حقوق کا خیال رکھو گے اور انہیں ہر طرح سے خوش و خرم رکھو گے تو خود بخود تمہاری ذات امر ہو جائے گی۔ تمہاری نیکیاں صدیوں تک لوگوں کو تمہاری یاد دلاتی رہیں گی اور مثال بن کر دوسروں کے سامنے رہیں گی۔ ایسے میں تمہیں آب حیات پینے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"کیا عالم و فاضل مچھلی تھی۔" سفیان کی رگ شرارت پھڑکی۔

"پھر آگے کیا ہوا نینی؟" مہران نے اسے گھور کر نینی سے دریافت کیا۔

"شہزادہ مچھلی کی نصیحت آموز باتیں سن کر آبدیدہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں پشیمانی اور ندامت کے آنسو تھے۔ پھر وہ ایک نئے عزم سے اپنے دیس میں واپس لوٹا اور اپنی رعایا کی بھلائی کے کاموں میں اپنے آپ کو غرق کر لیا۔ حتیٰ کہ اس کا علاقہ خوشی و خوشحال اور امن و امان کا مثالی نمونہ بن گیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ مرا تو ہر طرف سے لوگ اس کا سوگ منانے کے لیے جمع ہو گئے۔ وہ ایسے ہر دلعزیز اور مہربان حکمران کی یاد کو زندہ رکھنے کے لیے کوئی یادگار قائم کرنا چاہتے تھے۔ سوچ بچار کے بعد انہوں نے سندھ کے دریا کو اس کے نام سے موسوم کر دیا تاکہ جب تک یہ دریا بہتا رہے شہزادہ مہران کا نام زندہ رہے۔"

انہوں نے اپنی بات ختم کی تو دونوں بھائی اس سحر سے نکلے۔

...معنی خیز نظروں سے بڑے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔ مہران کوئی تاثر دیے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔

"...کھانا کھاتے ہیں۔ بھوک محسوس ہو رہی ہے۔"

"...نے کیا سوچا؟" نینی نے پر امید نظروں سے اسے ٹٹولا۔

"...نے کسی پر ظلم نہیں کیا۔ بلا وجہ جبر و زیادتی کی فضا قائم نہیں کی۔ نہ کسی کا حق غصب کیا ہے کہ پشیمانی کے طور پر اپنا فیصلہ بدل لوں۔ ظلم تو مجھ پر ہوا ہے۔ کاش میں آپ کو سمجھا سکوں۔ نینی! جب کوئی شخص اپنا آپ استعمال کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کے اندر ایک عظیم توڑ پھوڑ ہوتی ہے۔ وہ اپنے اوپر دیوار کی ...کر تا ہے گویا۔ میں اس اذیت سے گزرا ہوں، اس لیے میں ہی اس دورانیے کی گھٹن آلود بے بسی کو ...کر سکتا ہوں۔ آپ اس مستقل کسک کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔" وہ ڈائننگ روم میں داخل ہو گیا۔

(((

نینی نے سفیان کے مشورے پر داور سے رابطہ کیا تھا۔ "بیٹے! آپ ہی کچھ کہہ دیکھو۔ شاید آپ کی زبان کی ...ہی وہ اپنی ضد سے باز آجائے۔ حاصل نہ وصول۔ محض انتقامی رو میں اتنے سارے لوگوں کو عذاب میں ...ہے۔"

"...ٹھیک ہے نینی! میں شام کو گھر آکر اس سے بات کروں گا۔"

...حسب وعدہ شام کو پہنچ گیا۔ وہ سیدھا مہران کے کمرے میں گیا تھا۔ تا دیر اس سے محو گفتگو رہا۔

...نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

...کسی دلیل کو ماننے پر تیار نہیں تھا۔

...کا اپنا ذہنی فریم ورک تھا۔ وہ اسی حساب سے لائحہ عمل تیار کرتا تھا۔ داور تھک کر باہر آگیا اور سیڑھیاں ...میں بیٹھ گیا۔ وہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھا جب سفیان اندر داخل ہوا۔

"...مجھے اس خوش نصیب کا نام جاننے کا ازحد تجسس ہو رہا ہے جس نے آپ جیسے انسان کو اپنے خیالوں کی ڈور ...رہا ہے۔" سفیان نے بہت سلیقے اور سبھاؤ سے شرارت کا آغاز کیا تھا۔

"...ایک بات تو بتاؤ برخوردار۔" داور بدستور اپنی سوچوں میں مگن تھا۔ "انسان حقیقت پسندی سے کام لینا کب ...؟ آئیڈیلسٹ یا انتہا پرست بن کر ہم کب تک اپنی اور دوسروں کی زندگیاں دوزخ بناتے رہیں گے؟ یہ تو ...آگ سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ کہ شدت مثبت میں ہو یا منفی میں۔ دونوں نقصان دہ ہیں۔"

...جیسے کوئی عظیم سوچ بچار کر رہا تھا۔ آفاقی نوعیت کی۔

"...لڑکیاں ...ہونے کے بعد گھر بس جاتے ہیں۔ بیوہ یا رانڈ کو سفر حیات کا دوسرا ساتھی مل جاتا ہے۔ دل ایک جگہ ...ہو کر دوسرے کے ساتھ لگ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ رانجھے، مجنوں اور ہیریں، لیلائیں بدل جاتی ہیں۔ یہ ایک ایسی ...حقیقی سچائی ہے جو ہزار بار جھٹلانے کے باوجود اپنی جگہ موجود و محسوس کی جا سکتی ہے۔ تمہارا بھائی خدا جانے ...بھول بھلیوں میں گم ہو گیا ہے۔

...دوسری شادی کا ارادہ، نہ صرف ارادہ بلکہ ضد اور پختہ عزم۔ میری عقل جواب دے گئی یار! کچھ تم ہی ...سے پردہ ہٹاؤ۔"

...نے ارشین کی زبان سے سنی داستان کا ایک ایک لفظ دہرا دیا۔ داور کی میٹھی طبیعت میں کچھ تھا کہ اگلا ...سامنے حال دل اگل دیتا تھا۔

"...آپ اسی وقت آگاہ کر دیتے جب شادی کی خبر آپ کے علم میں آئی تھی۔" سفیان نے تاسف سے کہا۔

...نے مسکرا دیا۔ پھر گویا ہوا۔

منیر اب مان بھی لے تو مقدر کی حقیقت کو
جو ہے وہ بھی ضروری ہے، جو گزرا وہ بھی ضروری تھا

"ہر چیز اور سانحہ اپنے وقت پر ہوتا ہے' ہمارے تمہارے واقف حال ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔"

"کیا بھائی جان نہیں مانے؟" سفیان پر مایوسی حاوی ہونے لگی۔

"اس کے ذہن میں جو گرہ پڑ گئی ہے' اسے کھولنا ہمارے تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ میں اس کی طبیعت سے واقف ہوں۔ میرا خیال ہے' خدا کے سوا اب کوئی طاقت اسے اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔" داور نے یقین سے کہا۔

سفیان ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

◆ ◆ ◆

"سر! سب انسپکٹر درنایاب آئی ہیں۔ وہ کہہ رہی ہیں' آپ نے بلوایا تھا۔" سپاہی نے سیلوٹ مارنے کے بعد مودبانہ اطلاع دی۔

"ہاں' بھیج دو اندر۔" مہران نے قلم ہولڈر میں لٹکانے کے بعد فائل اپنے آگے سے کھسکا دی۔

"سر! آئی کم ان۔" وہی گھبرائی بوکھلائی اعتماد سے محروم آواز کان میں پڑی تھی۔

مہران نے کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر بے نیازی سے دروازے کی طرف دیکھا اور سر ہلا دیا۔ درنایاب اس کے اشارے پر مقابل کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ بڑے دنوں کی "خاموشی" کے بعد بلاوا آیا تھا۔ اب پردۂ غیب سے کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔ وہ منتظر تھی۔

"لئیق احمد صاحب کس وقت گھر پر ہوتے ہیں؟" وہ کافی دیر تک پیپر ویٹ گھمانے کے بعد اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا۔

"جی؟" ایک لمحے کو وہ عادت کے مطابق گھبرائی۔

"جی چونکہ وہ ریٹائر ہو چکے ہیں' اس لیے گھر پر ہی ہوتے ہیں۔"

"او کے' میری والدہ اور بہن کچھ روز میں ان سے ملنے آپ کے گھر آئیں گی۔ انہیں مطلع کر دیجیے گا۔" وہ عام سے انداز میں بولا۔

"ان سے ملنے؟" درنایاب کی بڑی بڑی سحر کار آنکھوں میں پہلے تحیر اور پھر شرم کے ڈورے تیرنے لگے۔ اس کی گھنی پلکیں شعلہ فشاں رخساروں پر سایہ فگن ہو گئیں۔

"اپنا فون نمبر لکھ دیں۔ تاکہ آمد سے پہلے آپ کو اطلاع کر دی جائے۔" درنایاب نے لرزتی انگلیوں سے نمبر لکھا۔

"او کے' آپ جا سکتی ہیں۔" مہران نے بائی فوکل گلاسز چڑھا کر فائل دوبارہ اپنے آگے کھسکا لی اور تندہی سے اس میں غرق ہو گیا۔ وہ مکمل طور پر اس کی موجودگی فراموش کر چکا تھا۔ درنایاب دھیرے دھیرے بوجھل قدموں سے باہر نکل گئی۔

"اس کا ساتھ زندگی کا حاصل محسوس ہوتا ہے مگر یہ اتنا سخت "دل" بے نیاز اور پتھر صفت دکھائی دیتا ہے کہ دل اس کی ہمراہی کے خوف سے نیچے بہت نیچے کسی گہرائی میں ڈوبنے لگتا ہے۔"

اسے اپنی بے تکلف دوست عروسہ کی کہی ہوئی بات یاد آ رہی تھی۔

◆ ◆ ◆

"نینی! میں نے ان لوگوں سے کہہ دیا ہے۔ اب زبان دے کر پیچھے ہٹنا مجھے گوارا نہیں۔" مہران نے ناشتے کی میز پر ترشی سے گفتگو کا ٹوٹا ہوا سلسلہ بحال کیا۔ اس کا لہجہ حتمی تھا۔

"مہران بیٹے! کچھ تو سوچو تم۔" نینی بے بسی سے اس کی صورت دیکھنے لگیں۔

"آپ بس مجھے یہ بتایئے آپ اور نازش کب لئیق صاحب کے گھر چل رہی ہیں۔" ارتین میں کس نے کی کیا ہے؟"

نہیں جانتا۔" وہ خشک انداز میں گویا ہوا۔ "میں یہاں ان محترمہ کی شخصیت کی کمی بیشی تولنے نہیں [آیا] ہوں۔ [آ]پ صرف اتنا بتایئے' آپ درنایاب کے والد سے کب مل رہی ہیں۔"

[سف]یان کو بڑے بھائی کا لہجہ بہت گراں گزرا۔

[...] دن وقت گزر رہا تھا مہران کا لب و لہجہ' انداز اور تیور تلخ سے تلخ تر ہوتے جا رہے تھے۔ وہ کمبو ویمائز کرتا' [...]ے کی بات پر ہمدردانہ غور کرتا اور مقابل کے احساسات کا خیال رکھنا بھول چکا تھا۔ اس وقت بھی وہ نینی کے احساسات اور شخصیت کا احترام قطعی فراموش کر بیٹھا تھا۔ اسے شاید خود بھی احساس نہیں رہا تھا کہ وہ [...] کس لب و لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔

[سف]یان نینی کے اندر برپا ہونے والے بھونچال کا اندازہ کر سکتا تھا۔ وہ کمال ضبط سے اپنے جذباتی اتار چڑھاؤ کو [...] ہوئے تھیں مگر ان کے جھکے پڑتے چہرے سے ان کے دل کا حال عیاں تھا۔

[...]کھیے نینی! میں اس مسلسل کشمکش سے تنگ آ چکا ہوں۔ اب سکون سے ٹھہراؤ چاہتا ہوں۔ میں آپ کو [...] لفظوں میں بتا رہا ہوں کہ میں اپنی فیملی لائف بنانا چاہتا ہوں۔ خود کو سیٹ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے میں آپ کو [...]ٹ چوائس بھی بتا چکا ہوں۔ اب اس سے زیادہ اور کیا کہوں۔ ہاں اگر آپ کی طرف سے کسی قسم کی کوئی [...] نہیں نکلتی تو پھر میرا دوسرا آپشن بھی سن لیجیے۔ ایسی صورت میں' میں یہ ملک چھوڑ دوں گا اور ہمیشہ کے [...] انگلینڈ شفٹ ہو جاؤں گا۔ بس میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں۔ میں اس سے زیادہ خود پر جبر نہیں کر سکتا۔ میں اپنی [...] گزارنا چاہتا ہوں۔ کب تک آپ لوگوں کی ڈگڈگی پر ناچتا رہوں گا۔ پہلے نازش کے کہنے پر میں نے خود سے [...] اب آپ کی خواہش پر خود سے دوسری زیادتی کروں۔ کیوں' میری زندگی پر میرا اپنا بھی کچھ حق ہے۔" [...] کی آواز بلند' بے رحم اور کسی قسم کے جذبات و احساسات سے عاری ہو گئی تھی۔

[...] صدمے کی سی کیفیت میں اس کی صورت دیکھتی رہ گئیں۔

"[...]را تمہارے ساتھ زور زبردستی والا رشتہ نہیں ہے۔ میں اپنا مقام پہچانتی ہوں بیٹے! وہ تو بس ایک ماں کا مان [...] کے ناتے تم سے اصرار کر رہی تھی لیکن اگر تم نہیں چاہتے تو میں دوبارہ نہیں کہوں گی۔ میں تم پر ظلم یا جبر [...]رنا چاہتی' نہ اس کا حق رکھتی ہوں۔ ٹھیک ہے' جو تم کہو گے وہی ہو گا۔ میں تمہاری رضا میں راضی ہوں۔" [...]ے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"[سف]یان! تم نازش کا نمبر ملاؤ' میں اس سے آج کی مصروفیات پوچھتی ہوں۔ اگر وہ فارغ ہوئی تو ہم آج شام [...] کی طرف چلے جائیں گے اور اب خالی اقرار نہیں تاریخ لے کر ہی واپس آئیں گے۔" [...] کا انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا۔

[سف]یان نے بے چینی سے ان کی صورت دیکھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر پھر مہران پر نظر ڈال کر لب بھینچ لیے۔ [مہر]ان بڑے اطمینان سے اخبار کی سرخیوں میں گم تھا۔

[...] بے حس' خود پرست شقی۔

[سف]یان پہلی مرتبہ اپنے دل کو بھائی کے خلاف ذہن میں جاگنے والی بدگمانی اور نفرت سے نہ بچا سکا۔ [...] کے چہرے پر اترتا ہوا احساس شکست اور ٹوٹے ہوئے مان کی کرچیاں چھپائے نہیں چھپ رہی تھیں۔

◆ ◆ ◆

[...] ایک مدت بعد پلٹ کر واپس اسلام آباد آیا تھا۔ [...] بیگم اور راشد صاحب نے اول اول ناراضی و برہمی دکھائی۔ مگر کب تک۔ [...] والدین تھے' پگھل ہی گئے۔ [...] جب پگھل گئے تو گویا سارے گلے شکوے بھی دھل گئے۔ نازو نے البتہ جی بھر کر خفگی بھرا موڈ دکھایا۔ بڑی [...] سے من کر دی۔

سب کچھ ہو گیا۔
سارے معاملات طے ہو گئے۔
مگر اک دل تھا کہ جس کی خانہ ویرانی جانے کا نام نہیں لے رہی تھی۔
وہ بخاری لاج نہیں گیا تھا۔ ظاہر ہے اب رشتہ ٹوٹنے کے بعد جانے کی کوئی تک بھی نہیں بنتی تھی۔
مگر وہ جب بھی ادھر نگاہ دوڑاتا' گزرے ہوئے ایام کا ایک ایک نقش نظروں میں پھر جاتا۔
اس ستم گر کی صورت' اس کی باتیں' اس کا انداز' اس سے ملنے ملانے کے سارے مناظر تصور کے پردے پر تھرک تھرک جاتے۔ وہ یاد کے نقوش کو جتنا مٹاتا وہ اتنی ہی قوت سے پھر ابھر آتے۔
"وہ اب پرائی ہو چکی ہے۔ نہ کبھی میری تھی' نہ ہے اور نہ بن سکتی ہے۔ پھر یہ جنون' یہ سودا' یہ خود فراموشی آخر کب تک؟" وہ بارہا خود کو سمجھا کر تھک چکا تھا۔
مگر دل برباد سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔
نازو صبح بھی سر کھپا کر گئی تھی۔
"بھئی ٹھیک ہے' امبرین تمہیں ناپسند تھی۔ چلو معاملہ ختم ہوا مگر دنیا میں اور لڑکیاں بھی تو ہیں۔ اب کیا جوگ بجوگ کے چکر چلاؤ گے تم؟ میں گھر میں بھابھی لانے کے شوق میں مری جا رہی ہوں اور موصوف اکلوتے پن کا فائدہ اٹھا کر میرا صبر آزما رہے ہیں۔"
وہ ایک مبہم مسکراہٹ میں جواب ڈھالتا انجان بنا رہا۔
وہ کیسے سمجھا پاتا۔
کہ ہر صحرا کی پیاس مختلف ہوا کرتی ہے
جیسے ریت کے صحرا کی پیاس بارش سے مٹتی ہے۔
ہجر کے صحرا کی پیاس دید سے بجھتی ہے۔
اسی طرح دل کے صحرا کی پیاس جذبوں سے بجھتی ہے۔

◆ ◆ ◆

ہم وہ بے درد لوگ ہیں' خواب گنوا کر بھی جنہیں نیند آجاتی ہے۔
سوچ سوچ کر بھی جن کے ذہنوں کو کچھ نہیں ہوتا۔
ٹوٹ پھوٹ کر بھی جن کے دل دھڑکنا بھول جاتے ہیں۔
ٹوٹ کر رونے کی کوشش میں جو بات بے بات مسکراتے ہیں۔
شام سے پہلے مرجانے کی خواہش میں جو جیتے ہیں اور جیتے ہی چلے جاتے ہیں۔ سو وہی مثال ارشین کی تھی۔
طبیعت بحال ہوتے ہی اس نے سوشل ڈائجسٹ کے جمیل صاحب کا سب آفس جوائن کر لیا تھا۔ آنے جانے کا انتظام حاکو بابا کے تانگے کے ذریعے ممکن ہوا تھا۔
وہ کام میں گم ہو کر اپنے تکلیف دہ حال کو بھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔
گونگی بوا حتی الامکان اس کا خیال رکھنے کی سعی کر رہی تھیں۔ اس دن مہران کا ہاتھ روکنے کے بعد سے ان کے اندر عجیب سی توانائی دوڑنے لگی تھی۔ وہ جیسے اب ارشین کی محافظ بن گئی تھیں۔ اکثر بساط بھر دلجوئی کرتیں۔
خالہ برکتے نے بڑے دنوں بعد چکر لگایا تھا۔
"اللہ رکھے' لاڈو کی تاریخ طے کر دی ہے بیٹی! تمہیں رسمی دعوت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ خیر سے تمہاری اپنی بہن ہے اور ہمارے ہاں تو شادی سے آدھا آدھا مہینہ پہلے شادی کی رونقیں جاگ جاتی ہیں۔ بس بتا رہی ہوں' روز شام کو چکر لگانا ہو گا۔" انہوں نے مان سے کہا تھا۔
"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے خالہ!" وہ خوش دلی سے گویا ہوئی۔ "آپ بتائیں کچھ خریداری کرنا ہو' بازار

سے میں لے آؤں گی۔ میرا تو روز ہی نکلنا ہوتا ہے۔"
...یا ہو تو جس دن پیدا ہو' مائیں اسی دن سے اس کے لیے جوڑنا شروع کر دیتی ہیں۔ اللہ سلامت رکھے اس کے ...بھائی تو امیر دین اور خیر دین دونوں پیسے ملتے ہی بہن کے لیے کچھ نہ کچھ لے لیتے ہیں۔"
...پھر اکلوتی بھی تو ہے ناں۔"
...تم اتنے عرصے سے یہاں ہو۔ آٹھ نو مہینے کم نہیں ہوتے۔ سارے گاؤں والے تمہیں جانتے ہیں۔ تم یقیناً ...شریف اور نیک ماں باپ کی اولاد ہو۔ تمہارا چال چلن' اٹھنا بیٹھنا' بول چال' اخلاق سب ہمارے سامنے ...تم نے جس طرح اپنی عزت بنا کے اور بچا کے رکھی ہوئی ہے اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ مگر بیٹی! ...میں رہنے سہنے کے جو قاعدے قانون ہوتے ہیں ان سے ہٹ کر کوئی بات سامنے آئے تو حیران ضرور کرتی ...تم اکیلی یہاں پڑی ہوئی ہو' محنت مزدوری کر کے کما رہی ہو۔ نہ کبھی کوئی تمہاری خبر گیری کو آیا' نہ تم گئیں۔ ...والا بابو بھی آئے تو آئے۔ اگر تم اس کی رشتہ دار ہو تو وہ تمہیں یہاں کیوں رکھے ہوئے ہے۔ اپنے ساتھ ...لے جائے۔ جہاں تم پہلے رہتی تھیں۔ دیکھو بیٹی! میری باتوں کو دل پر مت لینا۔ میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ ...گاؤں والوں کو تمہارے یہاں رہنے پر اعتراض ہے۔ بھلا ہم کون ہوتے ہیں اس طرح کا اعتراض کرنے ...اور سچی بات ہے ہمارا حق بھی نہیں بنتا۔ بس جو بات سب کے ذہن میں کھٹک رہی تھی میں نے تمہیں بتا ...۔"
ارشین چند لمحوں کے لیے لب بستہ بیٹھی رہی۔
...میں جانتی تھی خالہ! کہ یہ سوال ایک روز ضرور کوئی نہ کوئی پوچھے گا۔ میں اس کا جواب بھی دوں گی خالہ مگر کبھی ...لن میں۔"
...ان کے چلے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک بیٹھی اپنی ہتھیلیوں کو گھورتی رہی۔
"...نہ جانے ابھی کیا کیا دیکھنا لکھا ہے نصیب میں۔"
...یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ سفیان بتا رہا ہے آپ نے مہران کی بات طے کر دی ہے درنایاب سے۔"
...چند دنوں کے لیے اپنے میکے میں کراچی گئی ہوئی تھی۔ اس دن نینی کے فون کرنے پر نوکرانی نے بتایا تھا' ...بلا محالہ نینی سفیان کے ہمراہ اکیلے ہی درنایاب کے ہاں چلی گئی تھیں۔
...بیٹی! تم ادھر نہیں تھیں اور مجھے جلدی تھی' اس لیے جا کر نپٹا آئی۔ تم دل میں کوئی خیال نہ کرو۔ اصل ...ابھی آگے آنے ہیں۔ تم بہنوں والے سارے مان ارمان پورے کرنا۔" وہ زبردستی مسکرائی تھیں۔
...نے محسوس کیا' ان کی مسکراہٹ کے پس پردہ شکستگی کی ایک عمیق تہہ پوشیدہ تھی۔
"...کہاں ارمان نینی! آپ نے مہران کو سمجھایا ہوتا۔ کیا ضرورت تھی اب یہ نیا کھڑاک پالنے کی۔"
...مجھ سے زیادہ اس سے قریب ہو۔ تمہاری نہیں سنی تو میری کیا سنتا۔ چھوڑو بیٹے! میں نے اپنے دل کو سمجھا ...جب اولاد والدین سے مشورہ طلب کرنے کے بجائے حکم دینے کی پوزیشن میں آجائے تو والدین کو خواہ ...تو تحیص میں پڑ کر اپنا لحاظ نہیں گنوانا چاہیے۔ جب وہ ٹھان ہی چکا ہے تو پھر میرا ضد میں آکر فیصلہ رد کرنا ...بار کھتا ہے۔ اگر میں ایسا کروں بھی تو حاصل وصول کچھ نہیں ہو گا۔ الٹا تلخیاں مزید بڑھ جائیں گی۔ کیا فائدہ ...فاصلے بڑھانے اور دوریاں پیدا کرنے کا۔ ٹھیک ہے زندگی اس کی ہے۔ اسے کس کے ساتھ گزارنا ...اس فیصلے کا اختیار بھی اسی کے پاس ہونا چاہیے۔ مجھے اس سے کوئی گلہ نہیں۔"
...ان کی وسیع القلبی اور اعلا ظرفی کی قائل ہو گئی۔
...میں نے تم کو اس لیے بلایا تھا کہ آج ناظر سے اسٹور روم میں رکھی گئی پیٹی اور دیگر سوٹ کیس کھلوائے ہیں۔ ...میں نے مہران اور سفیان دونوں کی بیویوں کے لیے بری کے کپڑے اور زیور لتا جمع کر رکھا ہے۔ تم ان ...بولو۔ کسی قسم کی کمی بیشی ہو یا نئے ڈیزائن بنوانے ہوں تو بتا دو۔"

"کیا مطلب۔ کیا سفیان کی بھی ساتھ ہی شادی کر رہی ہیں؟" نازش ان کی عجلت پسندی پر چونکی۔
"شادی تو نہیں' البتہ نکاح کا ارادہ ہے۔ اچھا ہے نیک کام ایک ساتھ نپٹ جائیں۔ میں تو شادی کے لیے بھی تیار تھی مگر سفیان نے خود ہی منع کر دیا۔ اس کی نئی نئی جاب شروع ہوئی ہے۔ وہ چاہتا ہے سیٹل ہونے کے بعد دلہن کو گھر لائے۔ سال چھ ماہ بعد رخصتی ہو جائے گی۔ میں نے فاریہ کی والدہ سے سرسری انداز میں فون پر یہ پروگرام ڈسکس کیا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ انہیں اعتراض نہیں ہوگا۔" وہ پرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

نازش نے بظاہر سر ہلا کر تائید کی مگر وہ کچھ اور سوچ رہی تھی۔
"نینی! اگر آپ کہیں تو میں ایک کوشش اور کر دیکھوں۔" کافی دیر بعد وہ ان سے مخاطب ہوئی۔
"کیسی کوشش!" وہ اچنبھے سے بولیں۔
"مہران کو سمجھانے کی۔"
"چھوڑو بیٹے! میں نے کہا ناں۔ اب اس موضوع پر بحث کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ کیوں اپنا مان گنواتی ہو۔"
"کیا آپ نے درنایاب کے والد کو مہران کی پہلی شادی کے متعلق بتا دیا ہے؟" نازش فکرمندی سے گویا ہوئی۔
"نہیں۔ مہران کہہ رہا تھا۔ میں شادی کے بعد خود درنایاب کو اعتماد میں لے کر پوری بات بتا دوں گا۔ فی الحال اس تذکرے کی ضرورت نہیں ہے۔"
"بعد میں معاملہ کھلا تو سو مسئلے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔"
نازش نے سوچتی ہوئی نظروں سے نینی کی طرف دیکھا۔
"میں کیا کہہ سکتی ہوں بیٹے!" انہوں نے ٹھنڈی سانس لی۔
"یہ تو مہران کے سوچنے کی باتیں ہیں۔ اگر اس نے منع کیا ہے تو کچھ سوچ کے ہی کیا ہوگا۔ تم میرے ساتھ آؤ۔ ناظر سوٹ کیس وغیرہ کھول چکا ہوگا۔"
نازش نے بے دلی سے قدم آگے بڑھائے تھے۔

◆ ◆ ◆

"او کمینی ذلیل۔ اب جا کے پھوٹی مری ہے گھنٹہ بھر بکواس کرنے کے بعد۔" عروسہ فون پر چیخ رہی تھی۔
"افوہ' چلاؤ مت۔ بتا تو رہی ہوں ناں۔"
"دو ہفتے بعد نجیب کراچی سے آ رہے ہیں اور آتے ہی واپس دبئی جانے کا پروگرام ہے۔ مجھے غصہ اس لیے آ رہا ہے کہ تیری شادی کی ڈیٹ بھی دو ہفتے بعد کی ہے۔"
"ہاں تو کیا ہے۔ مزید ایک ہفتہ یہاں قیام کر لیتا۔" وہ اس کا چیخنا چلانا نظرانداز کرتے ہوئے آرام سے بولی۔
"چھ ماہ سے میں پاکستان میں تھی جب نہیں رچا سکتی تھی اپنا بیاہ۔" وہ سخت خفا تھی۔
"میں ڈھنگ سے انجوائے تو کرتی۔"
"اچھا چھوڑ ان بے کار باتوں کو۔ بابا جان نے تمہیں تاکید سے بلایا ہے۔ بھئی اب میں اکیلی بازاروں میں اپنی شادی کی شاپنگ کرتی اچھی لگوں گی کیا؟ بابا جان سیدھے سادے آدمی ہیں۔ انہیں ان کاموں سے کیا مطلب بھیا بھابھی کویت میں ہیں۔ انہیں اطلاع دے دی ہے۔ شادی سے تین دن پہلے بمشکل ان کے ٹکٹ کنفرم ہوئے ہیں۔ تم ہی نے کرنا ہے اب جو کرنا ہے۔"
"اچھا بابا' حاضر ہیں' ہم حکم کے غلام۔" اس نے ہنستے ہوئے فون رکھ دیا۔

◆ ◆ ◆

داور کو کسی کام کے سلسلے میں ہنگامی طور پر سوشل ڈائجسٹ کے نارووال کے سب آفس آنا پڑا تھا۔ وہ اس

[...] کا انتظامی ایڈیٹر تھا پھر اسی ناتے دیگر شہروں میں بنے ہوئے دفاتر کا چکر لگاتا رہتا تھا۔ میگزین نکالنا اس کا [...] ڈھائی سال پہلے اس نے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنایا تھا۔ اخبار میں کرائم رپورٹر کی جاب کے ساتھ [...] میگزین کا اجراء اور اس کی باقاعدہ اشاعت نے زندگی کو اتنا مصروف کر دیا تھا کہ ماضی کے زخم کریدنے [...] کی اذیت سے گزرنے کے لیے وقت نہیں ملتا تھا۔ جمیل صاحب حسب معمول اس کی آمد کے [...] منتظر ہو گئے تھے۔ دفتر کے عقب میں ایک چھوٹا سا فلیٹ تھا۔ داور رہائش کے لیے وہیں ٹھہرتا تھا۔
[...] جمیل صاحب! اس مرتبہ میٹر اتنا لیٹ ہو گیا۔ سر! اس طرح تو کام نہیں چلے گا۔"
[...] گھسیٹ کر سامنے رکھی فائلوں کو کھنگال رہا تھا۔
[...] بالکل تیار تھا جناب! اصل مسئلہ تصویروں کا تھا۔ کچھ اسکیچز بنانے تھے اور کوئی آرٹسٹ نہیں مل رہا [...] میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں کہ رضوی صاحب کچھ وجوہات کی بنا پر آرٹسٹ کی جاب چھوڑ چکے ہیں۔ ان کی [...] معقول بندہ نہیں مل رہا تھا۔ اب جا کر کہیں انتظام ہوا ہے۔ ایک خاتون آرٹسٹ ہیں۔ مس بخاری۔ آپ [...] کا کام ہے۔"
[...] بہرحال اب اور زیادہ لیٹ نہیں ہونا چاہیے۔"
[...] ہماری تو یہی کوشش ہوتی ہے کہ یکم تاریخ تک رسالہ مارکیٹ میں آ جایا کرے مگر کبھی کبھار تاخیر ہو جاتی [...] لیجیے وہ خاتون آ گئیں۔"
[...] نے سرسری انداز میں دیکھا۔
[...] سے پرنٹ کا کافی دفعہ کا پہنا ہوا سوٹ۔ پیلاہٹ لیے ہوئے' کمزوری کی آئینہ دار رنگت' دبلا پتلا سراپا [...] آنکھوں میں تیرتی گہری خاموشی۔
[...] اس کی شخصیت میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ بلکہ سرسری نظر کے بعد دوسری نگاہ کی ضرورت محسوس [...] مگر کوئی چیز ضرور تھی جس نے داور کو بغور اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔
[...] کا تو خیر داور سے کسی قسم کا کوئی تعارف یا شناخت کا ذریعہ رہا ہی نہیں تھا کہ وہ چونکتی خود داور کے ذہن [...] کی کوئی مانوس تصویر نہیں ابھری تھی۔
[...] کرائم رپورٹر تھا' اس لیے ادب و تخلیق کے میدان میں کام کرنے والوں سے اس کا براہ راست واسطہ نہیں [...] دوسرے مصنفین اور آرٹسٹوں کی ذاتی شخصیت عموماً گمنام رہتی ہے۔ پبلک ان کے کام سے انہیں [...] ذاتی حوالے سے بہت کم شناخت ہو پاتی ہے۔ ارشین کی شاید ہی کبھی تصویر اخبار میں آئی ہو۔ اگر [...] کے کام کی نمائش کے حوالے سے چند سطروں کی خبر آئی تو وہ بھی اتنی نمایاں یا اہم نہیں تھی کہ یادداشت [...] رہتی۔ لہٰذا داور بحیثیت آرٹسٹ کے اس سے متعارف نہیں تھا۔ اور رہی بات ایس پی مہران کی بیوی [...] کی تو وہ بھی قدرت کی ستم ظریفی تھی کہ داور کو جس ہنگامی صورت حال میں مہران نے گھر بلوا کر بطور [...] شادی میں شریک کیا تھا اور جس طرح ارشین کی بخاری لاج سے رخصتی ہوئی تھی' اس میں کہیں کوئی [...] نہیں آیا تھا کہ وہ ارشین کا چہرہ دیکھ پاتا یا براہ راست متعارف ہونے کی رسم ادا کی جاتی۔ داور غائبانہ فقط [...] تھا کہ مہران کی شادی ایک آرٹسٹ خاتون ارشین سے ہوئی ہے۔
[...] بخاری! یہ ہمارے ادارے کا بنیادی ستون جناب داور صاحب ہیں۔ اس میگزین کو چلانے کا سہرا ان ہی [...]" جمیل صاحب نے تعارف کروایا۔
[...] السلام علیکم۔" ارشین نے رسماً داور کی طرف دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑے کاغذات جمیل صاحب کی طرف [...]

[...] اجازت ہے جمیل صاحب! کام مکمل ہو گیا ہے۔"
[...] آپ تشریف لے جا سکتی ہیں۔ آپ کا کوچوان آ گیا؟"

جمیل صاحب نے کھڑکی کے کھلے پردے سے نیچے سڑک پر جھانک کر دیکھا۔ حاکو بابا کا تانگہ ارشین کے انتظار میں کھڑا تھا۔

"جی!" ارشین خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئی۔

"کوچوان؟" داور نے سوالیہ نظروں سے جمیل صاحب کی طرف دیکھا۔

"یہ گاؤں سے آتی ہیں سر!"

"گاؤں سے؟ کمال ہے 'ٹیلنٹ' کہاں کہاں خزانے کی طرح چھپا ہوتا ہے۔" وہ بڑبڑایا پھر گفتگو کا موضوع کسی اور طرف مڑ گیا۔ داور کو مہران کی شادی میں بھی شرکت کرنا تھی۔ تین چار دن بعد وہ واپس اسلام آباد آ گیا۔

◆ ◆ ◆

سن لے او گوری
تو نے چوری چوری
میرا جیا لے لیا
او او ہو او

اسٹاپ پر اترتے ہی حسب معمول وہ اوباش لڑکا اس کے پیچھے آ گیا تھا۔

شاہین کا ننھا سا چڑیا جیسا دل سینے کے پنجرے میں بری طرح پھڑپھڑا کر رہ گیا۔ اس نے لرزتی ٹانگوں سے قدم آگے بڑھاتے ہوئے سر پر لیے ہوئے دوپٹے کو مزید آگے کیا اور پیشانی پر پھوٹنے والے پسینے کو پونچھا۔

"یا اللہ، کس سے کہوں یہ ماجرا۔" وہ بے بسی سے ہونٹ چبا رہی تھی۔ گزشتہ ایک مہینے سے وہ یہ عذاب اٹھا رہی تھی۔ گھر میں کس سے کہتی۔ ماں تو سنتے ہی حکم جاری کر دیتی۔ "بس ٹھیک ہے گھر بیٹھو۔ کوئی ضرورت نہیں کالج جانے کی۔ میٹرک بہت ہے۔"

اور باپ اس کے منہ سے لڑکے کا ذکر سن کر ویسے ہی غیرت کے مارے کچھ الٹا سیدھا کر گزرتا۔ وہ اپنے گھر کے ماحول سے بہت اچھی طرح واقف تھی۔ بہنیں زندہ مثال سامنے تھیں۔ میٹرک کا رزلٹ آنے کے بعد بڑی منتوں مرادوں سے اسے کالج میں داخلے کی اجازت ملی تھی۔ آنے جانے کے لیے کالج بس لگوائی تھی۔ بس صبح تو گلی کے موڑ سے لے لیتی تھی مگر واپسی پر رش زیادہ ہونے کی وجہ سے روٹ بدل جاتا تھا۔ سوائے دو گلی پیچھے اترنا پڑتا تھا۔ اتفاق ایسا تھا کہ اس کے اسٹاپ پر اور کوئی لڑکی ساتھ نہیں ہوتی تھی۔ ورنہ اتنا مسئلہ نہ ہوتا۔

سن او بھورے نینوں والی
تیری چال بڑی متوالی
لا لا لا لا

وہ ترنگ کے عالم میں ہمراہ چلتا ہوا بدستور گا رہا تھا۔ ساتھ یوں چل رہا تھا کہ دیکھنے والے سمجھتے اکٹھے کہیں سے آ رہے ہیں۔ شاہین یہی سوچ سوچ کر ہولتی رہتی تھی کہ کبھی جو بابا جان نے اسے اس طرح ساتھ چلتے دیکھ لیا تو جان سے مار دیں گے۔ وضاحتیں سننے کے وہ عادی کہاں تھے۔ وہ سطحی نظر کا استعمال کرتے تھے۔ جو دیکھتے اسی کو سچ سمجھتے تھے۔

"سنو، کبھی تو نظر ملا لیا کرو میری جان۔ آئے ہائے۔ بھوری آنکھیں، بھورے بال، سنہری رنگ اور اس پر یہ لچکیلی شاخ کا سا سراپا۔ عاشقاں دے دل لے گئی سینے وچوں کڈ کے۔"

وہ ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہوا کچھ اور قریب ہو کر چلنے لگا۔

شاہین کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

"آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ دیکھیے میں...."

"واللہ۔ سرور آپ کا۔ کیا آواز ہے کیا نغمگی ہے۔ شکر ہے کسی بہانے آپ نے ہمارے کانوں میں رس تو ٹپکایا۔"

...شقانہ انداز میں سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

...میرا نام قیصر ہے۔ آپ کے محلے میں ہی رہتا ہوں۔ جس اسٹاپ پر اترتی ہیں یہاں میرے بڑے بھائی ناصر کی ...بوکی شاپ ہے۔ میں نے انٹر کے بعد تعلیم کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ اب بھائی کے ساتھ شاپ پر بیٹھتا ہوں۔ ...مل میں میرا پیشہ عاشقی ہے۔ حسینوں ماہ جبینوں کی خاطر سیوا..." وہ ڈھٹائی سے ہنسا اور پھر ایکدم اس ...سامنے آ کر راستہ روک لیا۔ "جان من ایک منٹ کو رک کے آنکھ تو ملاؤ مجھ سے۔" شاہین کی سانسیں اوپر کی ...اوپر نیچے کی نیچے رہ گئیں۔ اسے لگا مارے خوف کے اس کا دل بند ہو جائے گا۔

...لمحے ایک بائیک اس کے پیچھے رکی۔ فوجی کٹ بالوں والا ایک لمبا تڑنگا صحت مند لڑکا نیچے اترا۔ وہ وردی میں ...تھا اور کندھوں پر سجے بیج بتاتے تھے کہ وہ لیفٹیننٹ تھا۔ وہ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا قیصر کے قریب آیا۔ سو ...لمحے اس کے منہ پر تھپڑوں کی بوچھاڑ کر دی۔ خالص فوجی ہاتھوں نے اس نام نہاد عاشق کی وہ درگت بنائی ...معافیاں مانگتا لڑکھڑاتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا۔ شاہین اس عرصے میں تھر تھر کانپتی کھڑی تماشا دیکھتی رہی۔

...ڈری شاہین! اب یہ دوبارہ آپ کو تنگ نہیں کرے گا۔" اس نوجوان کے منہ سے اپنا نام سن کر حیران رہ ...غور سے دیکھا اور پہچاننے کی کوشش کی۔ نوجوان کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

...نہیں پہچانیں۔ میں اظہر ہوں۔ فاریہ کا بھائی۔"

☽ ☽ ☽

...فاریہ آپی کا بھائی..." شاہین نے از سر نو اس نوجوان کا جائزہ لیا۔

...صورت پر سجی فطری شوخی سے منور بھرپور آنکھیں، کشادہ پیشانی سے جھلکتی بلند اقبالی اور چہرے کے ...سے نمایاں ہوتی نیک دلی و اخلاص۔ یہ سب عکس اس کے جانے پہچانے تھے۔ ماضی میں بہت مختصر سہی ...ذہن چھوڑ جانے والی ایک ملاقات گھر کے دروازے پر ہوئی تھی۔

...دلچسپی سے اس کے چہرے پر بکھرتی رنگا رنگ کیفیات کا جائزہ لے رہا تھا۔

...ذہن پر اچھی طرح زور دیں۔ شاباش اور کوشش کیجیے۔ شاید کہیں سے یادداشت کی ردی والی ٹوکری میں ...میرا نام نکل آئے۔"

...شرمندہ نہ کیجیے اظہر بھائی۔ مجھے سو فیصد یقین ہو چکا ہے کہ آپ فاریہ آپی کے چھوٹے بھائی ہیں۔" شاہین ...اب تک خود پر قابو پا چکی تھی۔ اس لیے سنبھل کر خوش اخلاقی سے مسکرائی تھی۔

...یہ اچھی بات ہے۔ آئیے میں آپ کو گھر تک چھوڑ دوں۔"

...اس نے ساتھ چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھا۔

...نہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔" شاہین گھبرا گئی۔

...وہ جارحانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

...آپ کو گھر تک چھوڑ دیتا ہوں گو کہ اب ایسا امکان نہیں ہے لیکن ہو سکتا ہے "موصوف" کو پہلا ...سبق اچھی طرح یاد نہ ہوا ہو اور وہ دوبارہ "قسمت آزمائی" کے لئے اگلے موڑ پر آپ کے منتظر ہوں۔"

...نہ جانے کہاں میں چلی جاؤں گی اظہر بھائی۔" شاہین اپنی بات پر اڑی رہی۔

...اگلی گلی میں تو گھر ہے۔"

...میرے ساتھ کیوں نہیں جانا چاہتیں؟" وہ بغور اس کا چہرہ جانچنے لگا۔ "اسی بہانے میں ارشین آپا سے بھی ...مل لوں گا۔"

...ارشین آپا!" شاہین نے چونک کر اس کی صورت دیکھی پھر ایک سایہ سا اس کے چہرے پر آ کر گزر گیا۔ "...وہ اب یہاں نہیں ہوتیں۔" اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

...کہاں ہوتی ہیں آج کل۔ کیا شادی وادی ہو گئی ان کی؟"

وہ فطری سادگی سے پوچھ رہا تھا۔ آرمی ٹریننگ اور پھر شہر سے دور پوسٹنگ کی وجہ سے اسے یہاں کے معاملات کی خبر نہیں تھی۔ یوں بھی ارشین کی مہران کے ساتھ شادی سے سوائے فاریہ کے ان کے گھر کا کوئی فرد آگاہ نہیں تھا۔

"ہاں۔۔۔!" شاہین نے گہری سانس کھینچی۔ پھر اس نے گھڑی کی دوڑتی بھاگتی ہوئی سوئیوں پر نگاہ ڈالی۔

"مجھے اجازت دیجئے اظہر بھائی۔" وہ عجلت کے عالم میں گویا تھی۔

"مجھے گھر سے دیر ہو رہی ہے۔ آپ کی مدد کا بے حد شکریہ۔"

"آپ کا کوئی بھائی نہیں ہے، جو موڑ تک آپ کے ساتھ آیا کرے۔ یا آپ کی امی یہاں تک چھوڑنے اور لینے آجایا کریں۔"

"جی ایسا کوئی انتظام ممکن نہیں ہے۔"

شاہین نے خدا حافظ کہہ کر قدم آگے بڑھا دیئے۔

بھائی یا ماں سے کہتی تو صاف جواب ملتا۔

"ہم سے نہیں ہوتی یہ مزدوری۔ کیا ضرورت ہے پڑھنے کی۔ گھر بیٹھو آرام سے۔"

وہ اس ڈر سے کہ کہیں کالج جانے سے نہ منع کر دیں۔ اپنی پرابلم گھر والوں کو نہیں بتا سکتی تھی۔ چند گز دور جا کر اس نے یونہی پلٹ کر دیکھا۔

اظہر ابھی تک وہیں کھڑا اس کی نگرانی کر رہا تھا۔

شاہین کا دل جذبہ تشکر سے بھر گیا۔

ایسے لوگ بھی دنیا میں ہوتے ہیں کیا! بلا امتیاز خلوص لٹانے والے۔ خیال رکھنے والے۔

وہ بہت اچھے احساسات کے ساتھ گردن واپس موڑ کر سیدھی ہوئی۔ اسی لمحے اس کی نظر سامنے اپنے گھر کے گیٹ سے کچھ فاصلے پر گلی کے کونے میں اپنے دوست سے محو گفتگو بخاری صاحب پر پڑی۔ وہ بہت چبھتی ہوئی گہری نظروں سے بیٹی اور بیٹی کے پیچھے کھڑے نگرانی کرنے والے فوجی جوان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

شاہین کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھا۔

اسی دوران موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

اظہر مطمئن ہو کر واپس ہو رہا تھا۔

بخاری صاحب دوبارہ اپنے دوست سے باتوں میں مصروف ہو گئے۔

شاہین کانپتے قدموں سے سر جھکائے دوپٹہ اچھی طرح لپیٹے ان کے قریب سے گزرتی ہوئی گھر کے گیٹ کے اندر داخل ہو گئی۔ کچھ دیر بعد بخاری صاحب بھی گھر لوٹ آئے۔

دل و دماغ میں محشر برپا تھا۔

بار بار بابا جان کی گہری اور نوکیلی نظر تصور کے پردے پر لہرا رہی تھی۔ وہ کمرے میں آ کر بیگ ایک طرف رکھ کر بیڈ پر گر پڑی۔

"کیا بابا جان نے مجھے اظہر بھائی سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا ہے؟"

مگر نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اب تک قیامت آ چکی ہوتی۔

وہ تقریباً پون گھنٹے تک ایک ہی پوز میں بیڈ پر لیٹی سوچوں کے سمندر میں ڈوبی رہی تاوقتیکہ امبرین باتھ روم کا دروازہ کھول کر باہر نہ آ گئی۔

"آپ اندر تھیں امبر باجی۔ اتنی دیر سے۔" شاہین مارے تحیر کے اٹھ کے بیٹھ گئی۔

ٹوٹے پھوٹے سے بے ربط انداز میں جواب دیتی ہوئی وہ بیڈ کے کونے پر یوں ٹکی جیسے میلوں کی مسافت کے بعد پڑاؤ ڈالنے کو ٹھکانا ملا ہو۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں میں لرزش طاری تھی۔ ایک ایسی کپکپی جو اس کے سیلف

تھی۔ شاہین نے غور سے اس کا سراپا جانچا۔

۔۔۔ باہر ۔۔۔

۔۔۔ توق جسم، زردی کھنڈی صورت۔

۔۔۔ کے نیچے گہرے حلقے اور بے خوابی و بے رونقی کی غماز تھکی ہوئی آنکھیں۔

۔۔۔ کی حالت بزبان خود اپنی داستان سنا رہی تھی۔

۔۔۔ کو بہن پر بیک وقت غصہ اور ترس آیا۔

۔۔۔ واقعات یا افراد سے تنگ آ کر انتقام لینے کے لئے اپنی ہی ذات کو مشق ستم بنا لینا دانش مندی کے ۔۔۔ بہرحال نہیں آتا۔

۔۔۔ کو الکوحل اور منشیات استعمال کرتے ہوئے کافی عرصہ ہو چلا تھا۔ اور تعجب خیز بات تھی کہ ابھی تک ۔۔۔ اس کی اس زہریلی روش سے بے خبر تھے۔ اس کی مختلف وجوہات تھیں۔

۔۔۔ سے گھر کے افراد کی روٹین عجیب سی بن کے رہ گئی تھی۔

۔۔۔ کے ہاتھوں غیرت کا خون ہونے اور امبرین کے سسرال کی طرف سے عین شادی کے موقع پر انکار سے ۔۔۔ تذلیل و رسوائی کے بعد بابا جان گوشہ نشین ہو کر رہ گئے تھے۔ ہر وقت اپنی بنائی ہوئی تجربہ گاہ میں بند ۔۔۔ پر ریسرچ کرتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ کھانا پینا، سونا رہنا بھی اسی تجربہ گاہ تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ باہر ۔۔۔ صورت میں آتے تھے جب کوئی بہت ہی قریبی دوست گھر کے دروازے پر آ جائے۔ یا پھر کسی کیمیاوی ۔۔۔ خریدنے کے لئے بازار تک جانا ناگزیر ہو جائے۔ تیسری کوئی صورت نہیں تھی۔

۔۔۔ نے خود کو گھر کے معاملات سے بالکل الگ تھلگ کر لیا تھا۔ بلکہ گھر کے کسی فرد سے بھی کوئی واسطہ ۔۔۔ بی بی جان سے فقط اتنا ربط تھا کہ وہ تین ٹائم کھانا اور چائے وغیرہ دے جاتی تھیں ورنہ بابا جان ان سے ۔۔۔ کے روادار نہیں رہے تھے۔

۔۔۔ جان کا معاملہ تو وہ سارا دن گھر گرہستی کے دھندوں میں لگی رہتی تھیں۔ ارشین کی عدم موجودگی اتنے ۔۔۔ مسائل کا باعث بنے گی انہیں اس بات کا اندازہ اب ہوا تھا۔ گھر کا سودا سلف لانا، بچوں کی ضروریات کی ۔۔۔ بجلی، پانی اور گیس فون وغیرہ کے بلوں کی ادائیگی دیگر امور خانہ کے معاملات سنبھالنا یہ سب ذمے ۔۔۔ میں ان پر آ پڑی تھیں۔ اس سے پہلے انہیں ان کاموں کے لئے نہیں کہنا پڑتا تھا۔ ارشین خود ۔۔۔ تھی۔ بجٹ کا کافی سے زیادہ بوجھ وہ بنا جتائے فراخدلی سے بانٹ لیتی تھی۔

۔۔۔ طرف سے مسئلے بارش کی طرح موسلا دھار برس رہے تھے۔ سو وہ ان ہی میں گم تھیں، اس لئے امبرین ۔۔۔ پر دھیان دینے کی فرصت میسر نہیں تھی۔ رہا عدنان تو وہ عجیب و غریب روش پر چل نکلا تھا۔ سارا ۔۔۔ دوستوں کے ساتھ ان کے گھر میں انٹرنیٹ پر جڑا رہتا یا پھر کیبل کے ذریعے مختلف چینلز دیکھتا ۔۔۔ گھر میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ وہ صاف کہتا تھا۔ "میں اس بھوت بنگلے میں بیٹھ کر اپنا دماغ خراب ۔۔۔"

۔۔۔ کا یہ تھا کہ دو چار دن ٹھہرنے کے بعد وہ اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر گوٹھ چلے جاتے تھے۔ قیام کے ۔۔۔ وہ امبرین کی روش، صحت یا کیفیت سے متعلق معاملات کو گہرائی سے ناپنے جانچنے سے قاصر تھے۔ ۔۔۔ وہ ابھی تک براہ راست شک و شبہات کی زد میں نہیں آئی تھی۔ یوں تو نشہ کرنے والا فرد اپنا تعارف ۔۔۔

۔۔۔ کے زمانے میں جب تک اسے باقاعدگی سے نشہ ملتا رہتا ہے، عام طور پر اس کی بیماری کی علامات ۔۔۔ افراد پر واضح نہیں ہوتیں کیونکہ جیسے ہی اس کی ہڈیوں اور خون میں منشیات کی طلب جاگتی ہے اسے ۔۔۔ "دوا" ہاتھوں ہاتھ مل جاتی ہے اور طلب پوری کرنے کے بعد جسم و جان میں وہ جو مصنوعی قسم کی ۔۔۔ اور سکون پیدا ہوتا ہے اس کیفیت میں وقتی طور پر مریض اپنے آپ کو بہت چاق و چوبند اور فٹ

محسوس کرتا ہے۔

امبرین کو اب تک طلب اور رسائی کے بیچ کوئی رکاوٹ نہیں آئی تھی۔ لیلیٰ منزل میں ہمہ وقت اس کی تسکین کا سامان موجود رہتا تھا۔ گھر آتے ہوئے وہ وافر مقدار ساتھ لے کر آئی تھی۔ اس لئے اب تک بظاہر وہ نارمل ہی دکھائی دیتی رہی تھی۔ البتہ اب منشیات کے مسلسل استعمال نے اس کے جسم کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی ادراکی اور حسیاتی قوتیں متاثر ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ علاوہ ازیں جسمانی حرکات و سکنات کی چستی بھی ختم ہو کر غیر مربوط ہو گئی تھی۔ منشیات کے باقاعدہ استعمال کے بعد جو ذہنی اور جسمانی توڑ پھوڑ مریض کے اندر واقع ہوتی ہے اس کی علامات جھلکنے لگی تھیں اور کچھ دن جاتے تھے کہ یہ چھپائے نہ چھپنے والی بیماری بن جاتی۔

"شاہین!" بڑی دیر بعد امبرین کی مضمحل آواز کان میں پڑی۔

شاہین نے پلٹ کر دیکھا۔

امبرین سیدھی لیٹی چھت کو تک رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ایک نقطے پر ارتکاز کرنے کی کوشش میں بے قراری سے دائیں بائیں گردش کر رہی تھیں۔ ہاتھ پاؤں ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ میں مر جاؤں۔" امبرین نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔ شاہین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں مر جائیں؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"بس۔ آخر مرتے بھی تو انسان ہی ہیں۔" وہ چڑی۔

"وہ جو لیلیٰ آنٹی ہیں نا......" امبرین کھوئی کھوئی بے ساختہ بول رہی تھی۔ "وہ کہتی ہیں خراب کام کرو۔ ورنہ دوا نہیں ملے گی۔"

"خراب کام....؟" شاہین کھٹک گئی۔

"کس قسم کے خراب کام؟"

"کہتی ہیں، پروفیسر صاحب کے پاس بیٹھو، ان کی بات مانو، ان کا دل بہلاؤ، خدمت خاطر کرو۔" امبرین بچوں کی طرح بسوری۔

"کون سے پروفیسر صاحب؟" شاہین کے اندر بھونچال آگیا۔

"وہ ہیں نا لیلیٰ آنٹی کے جاننے والے۔" امبرین بچوں کی طرح جھلائی۔

"یہ کہاں پھنس گئی ہیں امبر باجی آپ؟"

شاہین سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

اس کا دل دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہ رہا تھا۔

امبرین دوبارہ غنودگی میں چلی گئی تھی۔

وہ فکرمندی و بے چینی کے عالم میں اٹھ کر ٹہلنے لگی۔

اتنا سیریس مسئلہ ہو گیا ہے۔ خدانخواستہ امبرین باجی کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ان واقعات کا علم بابا جان اور بی بی جان کو ہونا بہت ضروری ہے۔

مگر وہ جو کچھ کریں گے اس سے امبرین باجی کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ ظاہر ہے غصے میں آکر انہیں مار پیٹ کے گھر بٹھا دیں گے اور یہ ہیروئن کی طلب میں ایڑیاں رگڑتی جان سے گزر جائیں گی۔

ذہنی طور پر ان کی جو حالت ہو چکی ہے ایسے میں یہ کسی پابندی کو قبول کریں گی بھی یا نہیں۔ الٹا اپنی ذات کو نقصان پہنچائیں گی۔

اف یہ کن عذابوں میں گھر گیا ہے سارا گھر۔

کاش ارشین آپی یہاں ہوتیں۔

وہ کبھی بھی امبرین باجی کو یوں بھٹکنے اور بگڑنے نہ دیتیں۔

بابا جان اور بی بی جان کی بھی ہے۔

امبر باجی نے کورس سیکھنے کے لئے لیلیٰ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں داخلے کی اجازت مانگی تھی تو کم از کم بابا جان لیلیٰ منزل اور اس میں ہونے والے کورسز کے بارے میں معلومات حاصل کر لیتے۔ ارشین آپی ہوتیں تو اپنی نگرانی میں اس کا ایڈمیشن کراتیں۔ امبر باجی کے معمولات پر نظر رکھتیں۔

انہوں نے ارشین آپی کی شادی کے بعد کچھ عرصے تک سب کو کڑے پہرے میں رکھا تھا مگر اب وہ بھی اپنے ... مصروف ہو گئی ہیں۔ ورنہ وہی امبر باجی کی ذہنی و جسمانی صحت کا دھیان کر لیتیں۔

... کہتا تو سچ ہی ہے۔

... زیادہ بھوت بنگلہ لگتا ہے۔

... نے سرد آہ کھینچی تھی۔

◆◆◆

انسپکٹر زوردار سیلوٹ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

... نے قلم ہولڈر میں ڈالتے ہوئے فائل بند کر دی اور انسپکٹر کو ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔

"... نواز حسین۔ چھاپہ مار ٹیم تیار ہے۔"

"یس سر۔" انسپکٹر نواز حسین نے مستعدی سے سر ہلایا۔

"تمام انتظامات مکمل ہیں۔ ہمارے کچھ جوانوں نے سادہ لباس میں لیلیٰ منزل کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ... طریقے سے تین دن سے خفیہ نگرانی ہو رہی ہے۔ لیلیٰ منزل میں داخل ہونے والے ہر شخص پر نظر ... ہے۔ بس آپ کے حکم کی دیر ہے۔ پولیس چھاپہ مارنے کے لئے ریڈی ہے۔ سر! نگرانی کے دوران ... انکشافات ہوئے ہیں۔ یہ لیلیٰ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ اصل میں اپنے مذموم عزائم کو چھپانے کے لئے ... طور پر کام کر رہا ہے۔ اندرون خانہ کہانی اور ہے۔ یہیں سے مختلف کالجوں اور اداروں کی اسٹوڈنٹس کو ... اور الکوحل سپلائی کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں لیلیٰ شاہ نے مختلف لڑکیوں کو اپنی ایجنٹ بنا رکھا ہے جو ... کے روپ میں کالجوں میں پڑھتی ہیں اور دوسری لڑکیوں کو منشیات کے استعمال کی ترغیب دیتی ہیں۔ ... باقاعدہ ایک گینگ کام کر رہا ہے اور لیلیٰ شاہ کو اس سلسلے میں بیرون ملک سے بھی سپورٹ حاصل ہے۔"

... چھٹی پر جا چکی تھی للہٰذا اس کی جگہ مہران نے یہ کیس انسپکٹر نواز حسین کے سپرد کر دیا تھا۔

"... ہے۔ آج کسی وقت ریڈ کرنے کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کل تک ساری کارروائی مکمل ... کیونکہ اس کے بعد کچھ دنوں کے لئے میں نہیں ... ہوں گا۔"

"... " انسپکٹر نواز جھجک کر کچھ کہتے کہتے ہونٹ بھینچ گیا اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی افسر اعلیٰ سے اس کی ... متعلق سوال پوچھنے کی۔

"... کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

... اپنے مخصوص سپاٹ و بے تاثر انداز میں گویا تھا۔

"... نے سنا ہے آپ شادی کر رہے ہیں؟"

... مشکلوں سے نواز سوال زبان پر لاسکا تھا۔

"... " مہران نے فائل کھولتے ہوئے خشک انداز میں جواب دیا۔

"... " نواز افسر کی تیوریاں پہچان گیا تھا۔ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"... ٹائم دعوتی کارڈ تمہاری ٹیبل پر پہنچ جائے گا۔"

... نکل رہا تھا تو اس نے اپنی پشت پر مہران کی آواز سنی تھی۔

◆◆◆

"لیلیٰ آنٹی اور تارا نظر نہیں آرہیں؟۔"
امبرین اتوار کی چھٹی کے بعد لیلیٰ منزل آئی تھی۔ دروازہ تارہ کے بجائے ایک خادمہ نے کھولا تھا۔
"وہ جی ایک ہفتے کے لئے نیویارک گئی ہیں۔"
امبرین اندر آگئی۔ یہ تو اسے معلوم ہی تھا کہ لیلیٰ "ڈوز" کہاں رکھتی تھی۔
"اوپر کی منزل میں کون ہے؟"
اس نے شور کی آواز سن کر خادمہ سے پوچھا۔
"کچھ لڑکیاں ہیں۔ شغل کر رہی ہیں۔"
خادمہ نے بے پروائی سے جواب دیا۔
امبرین اپنے "کام" میں مگن ہوگئی۔
دوز لینے کے بعد وہ یونہی دل بہلانے کو ———— پی رہی تھی' جب اچانک پولیس پارٹی عمارت میں دا
ہوئی۔
تھوڑی سی دیر میں عمارت میں موجود تمام افراد کو حراست میں لے لیا گیا۔ ان میں سے کچھ امیر و کبیر گھرانو
صاحبزادیاں تھیں اور کچھ بدنام زمانہ کال گرلز تھیں۔ اس کے علاوہ متوسط طبقے کی وہ لڑکیاں بھی شامل تھیں
ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لینے کا بہانہ کرکے یہاں اپنی طلب مٹانے آتی تھیں۔
امبرین نشے میں بے سدھ تھی۔ اسے زیادہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔
پولیس نے ان سب کو وین میں ڈالا اور تھانے لے گئی۔

◆ ◆ ◆

رات تک امیر و کبیر گھرانوں کے نمائندگان اپنی لڑکیوں کی ضمانت کرا کے لے جاچکے تھے اور اب پیچھے
کا منتظم و ملازم طبقہ اور امبرین سمیت چند ایسی لڑکیاں رہ گئی تھیں جن کو عرف عام میں آوارہ اور لاوارث ک
ہے۔ ان کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔
"افسوس کہ اصل شکار ہاتھ سے نکل گیا۔"
مہران رات کو بذات خود تھانہ کوہسار آیا تھا۔ آتے ہی اس نے انسپکٹر نواز سے ساری رپورٹ طلب کی۔
لیلیٰ شاہ کے رنگے ہاتھوں نہ پکڑے جانے کا بہت افسوس تھا۔
"جی سر۔ مجھے بھی بہت رنج ہوا۔ اب تو ثبوت بھی مل گئے تھے۔"
"ڈرائنگ روم کے خفیہ خانے سے تقریباً پندرہ کلو گرام ہیروئن' اعلیٰ درجے کی ولایتی شراب کے دس کا
اور ایل ایس ڈی ٹائپ کے انجکشن وغیرہ برآمد ہوئے ہیں۔" انسپکٹر نواز نے رپورٹ دی۔
"خیر بچ کر کہاں جائے گی۔ میں نے ایئرپورٹ پولیس کو انفارم کر دیا ہے۔ ایک ہفتے بعد نیویارک سے آ
فلائٹ کے تمام مسافروں کو چیک کیا جائے گا۔ ملزمہ کی تصویر بھی دے دی گئی ہے۔ انشاء اللہ اسے ایئرپورٹ
گرفتار کرلیا جائے گا۔"
"مشکل ہے۔" مہران کسی گہری سوچ میں گم تھا۔
"جہاں تک میرا اندازہ ہے اس کے کسی خفیہ ایجنٹ نے اب تک اس چھاپے کے متعلق اسے رپورٹ
ہوئی اور گمان غالب ہے کہ وہ نامعلوم مدت کے لئے وطن واپسی کا پروگرام ملتوی کردے۔ میں اس عورت
شیطانی دماغ کی کارکردگی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نیویارک سے کسی دوسرے ملک
ہوجائے۔ اس کے پاس انٹرنیشنل پاسپورٹ ہے۔ وہ کہیں بھی جاسکتی ہے۔ یوں بھی ہیروئن مافیا کے ہر ملک
میں بہت سے اڈے ہیں۔ وہ کہیں بھی پناہ لے سکتی ہے۔"
"جی سر یہ تو ہے۔"

جو خواتین لیلیٰ منزل سے گرفتار کی گئی تھیں ان میں سے کتنی ابھی تک لاک اپ میں ہیں۔" انسپکٹر نواز نے
میں اپنی رپورٹ پیش کی۔
مرایک مشکوک لڑکی کا کوئی اتا پتا معلوم نہیں ہو رہا۔ نہ وہ کچھ بتاتی ہے نہ اپنے والی وارثوں کا ایڈریس بتانے
"
چلو چل کر دیکھتے ہیں۔" مہران اٹھ کھڑا ہوا۔ انسپکٹر نواز اس کے پیچھے تھا۔ سلاخوں کے پیچھے سات آٹھ
موجود تھیں۔ باقی تو آپس میں بول چال رہی تھیں ایک بیس بائیس سالہ لڑکی فرش پر گم صم بیٹھی آنسو بہا
تھی۔
یہ ہے وہ لڑکی۔" مہران نے بغور اس کی صورت دیکھی۔ دل میں ایک نامعلوم سا احساس شناسائی جاگا۔
جیسے انسان کسی مانوس منظر کی جھلک دیکھے۔
اسے کمرے میں لے آؤ۔" وہ کہہ کر پلٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سر جھکائے اس کے سامنے کھڑی تھی۔
بی بی تم کون ہو کہاں رہتی ہو' اپنا ایڈریس اور فون نمبر بتاؤ تاکہ تمہارے ورثاء کو طلب کیا جاسکے۔" وہ خشک
لہجے میں مخاطب ہوا۔
امبرین نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ شناسائی کا احساس اس کے دل میں بھی جاگا تھا۔ مگر اس کی ذہنی
پراگندگی ردی ہو چکی تھی کہ یادداشت کے خانے میں ایس پی مہران آفریدی کو بہن کے خاوند کے طور پر پہچانا
نہیں رہا تھا۔ وہ تو ان دنوں اپنے آپ سے بیگانہ ہوگئی تھی۔
"کیا پوچھ رہے ہیں تم سے۔" انسپکٹر نواز نے سختی سے ڈپٹا۔
"دیکھو بی بی! ابھی رات کے ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔" مہران نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔
"جتنی دیر کرو گی گھر اور معاشرے کی نظروں میں اسی قدر معتوب بنتی جاؤ گی۔ ابھی بہرحال کچھ نہیں بگڑا۔ اگر
نہیں بتاؤ گی تو ہم تمہیں آزاد نہیں کریں گے۔ رات تھانے میں گزارنا ہوگی اور اس رات کی صبح کے بعد
کے لیے تمہارے والدین کے گھر میں کوئی جگہ نہیں رہے گی۔ اپنا نہیں تو ان کی عزت کا خیال ہی کرلو۔ اپنے
تو برباد کر ہی چکی ہو ان کی پگڑی کیوں اچھالنا چاہتی ہو۔"
اس نے تحقیر و تنفر سے لبریز ایک تیز نگاہ اس کے چہرے پر پھینکی۔ امبرین کے سوکھے لبوں پر لرزش طاری ہوگئی۔
کچھ کہنا چاہتی تھی مگر آواز اس کے حلق سے برآمد نہیں ہو پا رہی تھی۔
"میرے گھر والوں کو پتا چل گیا تو وہ مجھے جان سے مار دیں گے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
"ایسی لڑکیوں کے ساتھ اصولاً "تو یہی سلوک کرنا چاہیے۔" مہران تلخی سے بولا۔
"چلو۔ اپنا ایڈریس بتاؤ اور جلدی کرو' ہمیں اور بھی بہت سے کام ہیں۔ اس سے زیادہ وقت ضائع نہیں کر
تمہارے پاس آخری چانس ہے اس کے بعد تمہیں لاک اپ میں بند کرکے صبح عدالت میں چالان پیش کردیا
جائے گا۔ ایک بار چالان پیش ہوگیا تو پولیس جسمانی ریمانڈ لے کر تم سے اصلیت اگلوانے کے لیے وہی ہتھکنڈے
استعمال کرے گی جو ملزموں کے ساتھ روا رکھے جاتے ہیں تم پر مقدمہ چلے گا اور ہیروئن مافیا کی آلہ کار بننے کے
جرم میں عدالت تمہیں کئی سالوں کے لیے جیل بھجوا سکتی ہے۔ سوچ لو کون سا راستہ اختیار کرنا چاہتی ہو۔"
امبرین کے دل میں سزا کی اتنی دہشت طاری ہوگئی کہ بابا جان کا ہوا اس کے مقابلے کم محسوس ہوا۔ بالآخر اس
نے پتہ بتا دیا۔
"گھر کا لاج!"
مہران اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا اور غور سے اس کا آنسوؤں میں بھیگا چہرہ جانچنے لگا۔
"تم نسرین بخاری کی بہن ہو۔"
"ہاں" وہ بمشکل بولی۔ سر مسلسل جھکا ہوا تھا۔ مہران نے ایک گہری سانس لے کر سر جھٹکا۔

اوہ تو یہ تھا احساس شناسائی بیدار ہونے کا سبب اس کے دل میں امبرین کے لیے رہی سہی ہمدردی بھی ختم ہو
گئی۔

''بہت خوب گویا دونوں بہنیں لیلیٰ شاہ کی دست راست بنی ہوئی ہیں۔ تُف ہے ایسی اولاد پر۔ میری بہن یا بیٹی
ایسی ہوتی تو اپنے ہاتھ سے گولی مار دیتا۔ نواز یہ لو نمبر ملاؤ اور اس کے باپ کو بیٹی کے کرتوت بتا کر تھانے طلب کرو۔
ان سے ڈیل تم خود کرو گے میں ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ اور ہاں اس کیس کے باقی معاملات اب تمہارے سپرد
ہیں۔ میں کل سے ایک ہفتے کی لیو پر ہوں۔'' وہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

◆ ◆ ◆

امبرین چار بجے تک گھر پہنچ جاتی تھی مگر آج مزید چار گھنٹے اوپر ہو گئے تھے اور ابھی تک اس کا نام و نشان نہیں
تھا۔ صباحت بیگم کے دل کو پنکھے لگے ہوئے تھے۔

''یا اللہ دوسری بار دوسری بیٹی کے لیے 'اس کڑے امتحان سے نہ گزارنا۔ میری ہڈیاں اب گھس گئی ہیں، مجھ
میں مزید ذلیل ہونے کا دم خم نہیں رہا۔''

وہ بے قراری سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھیں۔

شاہین نے ان کے کہنے پر لیلیٰ انسٹی ٹیوٹ فون کیا تھا مگر وہاں سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔

''حوصلہ رکھیں بی بی جان۔ ایسے ہلکان ہونے سے فائدہ۔'' شاہین لاؤنج میں تخت پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تشویش
سے انہیں ٹہلتے دیکھ رہی تھی۔

''میرے دل میں ہول اٹھ رہے ہیں۔ تمہارے بابا جان اپنے دوست کے بیٹے کی شادی میں گئے ہیں۔ کوئی پل
گزرتا ہے کہ وہ واپس آتے ہوں گے۔ میں اس کی ساری سہیلیوں کے گھر بہانے بہانے سے فون کر کے پوچھ لیا
ہے۔ خدا جانے وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔ اے نمرہ ایک گلاس پانی پلانا۔ حلق خشک ہو رہا ہے۔''

وہ نڈھال ہو کر تخت پر بیٹھ گئیں۔

پریشان تو شاہین بھی کم نہیں تھی مگر اس کی پریشانی کی وجہ دوسری تھی۔ وہ جانتی تھی امبرین کن لوگوں کے جال
میں پھنسی ہوئی ہے۔ اسے رہ رہ کر اس کی گفتگو یاد آ رہی تھی۔

''لیلیٰ آنٹی کہتی ہیں خراب کام کرو۔'' اور ان خراب کاموں کی تفصیل سن کر شاہین کلیجہ تھام کر رہ گئی تھی۔
کیا لیلیٰ نے اسے چارے کے طور پر کسی شخص کے حوالے کر دیا ہے؟ ہو سکتا ہے اسے ہیروئن دے کر بے
سدھ کرنے کے بعد کسی کو پیش کر دیا ہو یہ سوچتے ہی اس کی روح کانپ اٹھی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بابا جان گھر آ
گئے۔

''کیا امبرین گھر نہیں آئی....؟'' بخاری صاحب کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

''کیا نمبر ہے اس انسٹی ٹیوٹ کا۔ ادھر پتا کرو.....'' عزت و حمیت کے اونچے میناروں سے ایک اور کنگرا گرتا
دکھائی دے رہا تھا۔

''پتا کیا ہے وہاں سے 'کوئی اٹھا نہیں رہا۔'' صباحت نے کانپتی آواز میں بتایا۔

''یہ سب تمہاری نحوست اور کم عقلی کا نتیجہ ہے صباحت بیگم۔'' ان کی آنکھیں غیض و غضب سے دہک
اٹھیں۔

''میں ان کورسوں کے حق میں نہیں تھا۔ تم ہی نے سفارش کی تھی کہ بچی کا دل ٹوٹا ہوا ہے۔ کچھ ہنر سیکھ لے گی
تو دل بھی بہل جائے گا اور کام کا سلیقہ بھی آ جائے گا۔ بولو بتاؤ اب کہاں اور کس سے پوچھ گچھ کروں اپنی غیرت کا
جنازہ اٹھانے کے لیے۔'' وہ دانت پیس کر بولے۔

اسی لمحے فون کی بیل بجی۔

بخاری صاحب نے جھپٹ کر اٹھایا۔

''جی ہاں یہی نمبر ہے۔'' وہ جلدی سے بولے۔

''میں تھانے سے انسپکٹر نواز حسین بات کر رہا ہوں۔ میرے پاس آپ کی بیٹی امبرین کے متعلق ایک اہم اطلاع
ہے۔''

''میری بیٹی کے متعلق؟'' الفاظ ان کے حلق میں اٹکنے لگے۔

پاس کھڑی صباحت بیگم نے دہل کر سینے پہ ہاتھ رکھا۔

''خبر یہ ہے کہ آپ کی بیٹی مشہور ہیروئن اسمگلر لیلیٰ شاہ کے اڈے سے ہیروئن پیتے ہوئے پکڑی گئی ہے۔ اس وقت وہ دیگر
ملزمان کے ساتھ بہت تھانہ کوہسار میں بند ہے۔ پتا چلا ہے کہ وہ کچھ ماہ سے لیلیٰ شاہ کی اسسٹنٹ کے طور پر بھی اس کے
ساتھ کام کرتی رہی ہے۔ آپ بہرحال تھانے آ جائیں۔ باقی تفصیلات ملاقات پر گوش گزار کی جائیں گی۔ خدا
حافظ۔'' فون رکھ دیا گیا۔

بخاری صاحب ساکت و صامت ریسیور پکڑے کھڑے رہ گئے۔

''کیا ہوا؟ کون تھا۔ کیا کہہ رہا تھا؟'' جب انہوں نے بہت دیر تک اپنی پوزیشن نہیں بدلی تو صباحت بیگم نے
ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ جواب میں گہری خاموشی طاری رہی۔

''امبرین کے بابا۔'' صباحت بیگم نے گھبرا کر ان کا کندھا ہلایا اور دوسرے لمحے وہ بے جان بت کی طرح فرش پر آ
رہے۔

''ارے پکڑنا۔ سنبھالنا اپنے باپ کو شاہین! عدنان یا میرے اللہ ارے کیا ہو گیا ثمرین کے بابا۔'' صباحت بیگم
کے اوسان خطا ہو گئے۔ سب نے مل کر انہیں لاؤنج کے تخت پر ڈالا پانی کے چھینٹے مارے ہاتھ پاؤں مسلے۔ مگر نتیجہ
ندارد۔

''انہیں ہسپتال لے چلیں بی بی جان۔'' شاہین نے ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے راہ سجھائی۔

عدنان نے ارتین کی ریڈ سوزوکی نکالی۔ جیسے تیسے بابا جان کو پچھلی سیٹ پر ڈالا اور الستفا انٹرنیشنل ہسپتال
لے گئے۔ ساتھ میں بی بی جان بھی تھیں۔

شاہین جلے پیر کی بلی کی طرح لاؤنج میں چکرا رہی تھی۔ ثمرین سہمی سہمی نظروں سے ماحول کا جائزہ لے رہی
تھی۔

''بابا جان ہسپتال میں ہیں تھانے کون جائے گا اور امبر باجی کو کون لائے گا۔''
وہ ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنساتے ہوئے بے قراری سے سوچ رہی تھی گو کہ بابا جان کے منہ سے دو لفظ
نکلے تھے۔

''تھانہ بیٹی؟''

مگر معانی کے لحاظ سے اتنی مکمل تھے کہ سیاق و سباق سے بے خبر بی بی جان اور عدنان بھی معاملے کی تہہ تک
پہنچ کر وہ جان گئے تھے کہ امبرین کسی غلط کام کے سلسلے میں پکڑی گئی ہے اور اب تھانے میں بند ہے۔ یہ فقط
اسے علم تھا کہ وہ ''غلط کام'' کیا ہو سکتا ہے۔ گھڑی کی سوئیاں رینگتی ہوئی سوا دس بجانے لگیں۔

''ثمرین چندا تم کچھ کھا لو اور آرام کرو۔ کب تک بیٹھی رہو گی۔'' اس نے بہتیرا کہا مگر ثمرین نہیں مانی۔
''مجھے آرام نہیں کرنا بابا جان اور امبر باجی گھر کب آئیں گے۔'' بچی کو بھی حالات کی سنگینی نے سراسیمہ کر دیا
تھا۔

''آ جائیں گے۔ تم دعا کرو۔'' شاہین کھوئے کھوئے انداز میں اس کا سر سہلانے لگی۔ تقریباً ''ساڑھے دس کے
قریب وہ لوگ واپس آئے۔ بابا جان کو اپنے قدموں پر چل کر آتے دیکھ کر شاہین کے سینے سے سکون کی سانس
خارج ہوئی۔ وہ بہت نڈھال سے تھے۔ چہرہ سرسوں کی طرح پیلا ہو رہا تھا۔

"گھر میں جو پیسہ زیور اس وقت موجود ہے دے دو۔ خدا جانے چھڑوانے میں کتنے اٹھ جائیں۔" وہ بہت مجے
لہجے میں بی بی جان سے مخاطب تھے۔

"زیور تو ہے مگر پیسے۔" بی بی جان سوچ میں ڈوب گئیں۔ ان کا دل خون ہو رہا تھا۔ ایسی نوبت بھی آنی تھی۔
"چالیس ہزار ارشین کی تنخواہ کا بچا کے الگ رکھا ہوا ہے میں نے اس لیے آج تک نہیں برتا تھا کہ بیٹی کی کمائی
ہے کسی بھلے وقت پر اس کے ہاتھ میں تھما دوں گی۔ یہ وہ پیسے ہیں جو وہ خرچ کے علاوہ ہر ماہ مجھے میری ذاتی ضرورتوں
کے لیے زبردستی پکڑا دیا کرتی تھی میری ذات کی کیا ضرورتیں۔ سو جتنے دیتی تھی رکھ چھوڑتی تھی۔" بابا جان
خاموش رہے۔ بی بی جان ایک لفافے میں پیسے اور سرخ پوٹلی میں بند زیورات لے آئیں۔

بابا جان دونوں چیزیں لے کر اٹھے۔

"عدنان گاڑی نکالو۔" عدنان نے ارشین کی گاڑی اسٹارٹ کی اور باپ بیٹا تھانے روانہ ہو گئے۔ بی بی جان کی
جان سولی پر لٹک گئی۔

ثمرین تھک کر سو گئی تھی، مگر شاہین کی آنکھوں میں نیند کہاں۔ وہ بھی بی بی جان کے پاس لاؤنج میں تخت پر بیٹھی
محو انتظار تھی۔

بی بی جان بیٹیوں کی پیدائش، ان کی تعلیم اور ملازمت کے نقصانات پر ایک طویل لیکچر دے رہی تھیں جس کا
لب لباب یہ تھا کہ خدا بیٹی دے تو نیک اور آبرومند دے وگرنہ صرف بیٹے ہی آسمان سے نازل کرے۔ کیا ضرورت
ہے بیٹیاں پیدا کر کے زمین کے مسائل بڑھانے کی۔

تقریباً ساڑھے بارہ بجے ان لوگوں کی واپسی ہوئی۔

بابا جان اور عدنان کے پیچھے سر جھکائے مجرمانہ قدموں سے داخل ہوتی امبرین کو دیکھ کر شاہین کی سانسیں بحال
ہو گئیں مگر پھر یہ سوچ کر رکنے لگیں کہ اب بابا جان اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

"ذلیل عورت! بیٹی تیری ناک کے نیچے شراب نوشی اور نشہ بازی کے لیے اتنے مہینوں سے اس بدنام زمانہ
لیڈی اسمگلر کے اڈے پر جاتی رہی اور تو بے خبر رہی۔ جی تو چاہتا ہے تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ فساد کی جڑ تو تو
خود ہے۔" وہ دانت پیستے ہوئے صباحت بیگم کی طرف بڑھے۔

"تو نے تو یہ کہہ کر مجھ سے اجازت دلوائی تھی کہ وہ لڑکیوں کو امور خانہ سکھانے کا ادارہ ہے۔ ایک نیک اور
شریف عورت اسے چلا رہی ہے۔" ان کی آنکھوں سے خون چھلک رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ صباحت بیگم پر
جھپٹتے عدنان آگے آگیا۔

"کیا کرتے ہیں بابا جان۔ بی بی جان کا اس میں کیا قصور۔ جو معلومات آپ کی بیٹی نے فراہم کیں انہوں نے آپ
تک پہنچا دیں۔ آپ قصوروار سے حساب لیجیے ہماری عزت کی نیلامی کا۔"

عدنان نے نرمی سے کہتے ہوئے ان کی توپوں کا رخ ماں سے ہٹا کر بہن کی طرف موڑ دیا۔ اس کا اپنا بس نہیں
چل رہا تھا امبرین کی دھنائی کر دیتا۔ غیرت و حمیت کے مظاہرے میں باپ سے کیا کم تھا وہ۔

"میں جانتا تھا تمہیں بڑی کی پشت پناہی حاصل رہی ہے اس لیے ضرور کوئی گل کھلا کر ہی رہو گی۔ مگر اس کمال
کو چھو لو گی۔ اس کا اندازہ بہرحال نہیں تھا۔"

وہ سر تا پا آگ بنے ہوئے تھے۔ شریف اور عزت دار شخص کا تھانے کا بلایا جانا ہی ایک سانحے سے کم نہیں
تھا۔ کجا بیٹی کے معاملے میں، اسے چھڑانے کے لیے جانا۔ احساس ذلت انہیں مارے ڈال رہا تھا۔ گھر کے سب
افراد کو ہی امبرین پر اتنا طیش آرہا تھا کہ جب بابا جان نے ہاتھ اٹھایا تو کوئی رسماً بھی بچانے کو آگے نہ بڑھا۔
یوں بھی کس کی ہمت تھی ان کے جلال کو آواز دینے کی۔ شاہین ایک کونے میں کھڑی کانپتی لرزتی یہ ہنگامہ
دیکھتی رہی۔ امبرین خاموشی سے پٹ رہی تھی۔ بالآخر بابا جان کا بازو تھک گیا۔ (ایک ہی تو بازو تھا دوسرا تو حادثے
کے نتیجے میں برسوں پہلے کٹ چکا تھا)۔

کمرے میں بند کر کے تالا ڈال دو۔ اور شاہین کو نیچے اپنے ساتھ سلاؤ۔ کوئی اس کے کمرے میں نہیں
جائے۔" وہ ہانپتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلے گئے۔

انتظام اور آرڈر ایک دفعہ ارشین کے لیے نازل ہوا تھا۔ شاہین کے دل میں ایک تکلیف دہ احساس کانٹا بن
گیا۔ باپ کے اوپر جاتے ہی وہ نیم جاں فرش پر پڑی امبرین کے پاس آگئی اس کو ہلا جلا کر اٹھایا اور گھسیٹ کر

اس کے لیے۔" آنسو بہاتی بی بی جان اپنی حرماں نصیبی سمیت بیٹی کے سرہانے آکر بیٹھ گئیں۔ ارشین
امبرین کے لیے بہرحال شروع سے ان کے دل میں ایک نرم گوشہ تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد شاہین
نے کھانے کو پوچھا۔

نہیں میرے بیگ میں جو پڑیا ہے وہ لا دو۔ وہی چاہیے مجھے۔" امبرین بچوں کی سی بھیگی بھیگی سادگی لیے

نہیں ہے گی اب تو یہ زہر۔ حالت دیکھی ہے اپنی۔" بی بی جان نے غصے سے ایک دھموکا جڑا۔
قصور تو میرا ہے۔ میں نے کیوں نہ دھیان دیا تیری گری گری، حال سے بے حال حالت پر۔ ذہن میں تو آتا تھا
تمہارا بدن گھن کیوں لگتا جا رہا ہے۔ مگر یہ علم نہیں تھا کہ سبب اتنا زہریلا ہو گا۔"

شاہین بی بی جان کے کہنے پر اسے سہارا دے کر اوپر کمرے میں لے گئی۔ اپنے کپڑے نکالے اور کتابیں وغیرہ
اور بابا جان کے حکم کے بموجب بی بی جان کے پاس آگئی۔

امبرین کے کمرے کو باہر سے تالا لگا دیا گیا۔ وہ اندر سے پکار رہی تھی۔

شاہین! پلیز میرا بیگ دے دو۔ اس کی دوسری جیب میں پڑیا ہے وہ لا کر مجھے دے دو۔ دیکھو میرے جسم میں
درد ہونا شروع ہو گیا ہے۔ میرے ہاتھوں پیروں پر چیونٹیاں رینگ رہی ہیں۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ میں مر
جاؤں گی، دیکھو شاہین بی بی جان پلیز میری بات مان لیں۔"

جوں جوں رات گزرتی گئی اس کی پکار کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ بی بی جان دل پہ جبر کیے اس کا چیخنا چلانا اور
کراہنا سنتی رہیں۔ ساری رات انہوں نے آنکھوں میں کاٹی۔

صبح وہ اس کے لیے ناشتہ لے کر گئیں تو وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں بستر پر نڈھال پڑی اپنے ہی جسم کی بوٹیاں
نوچ رہی تھی۔ اس میں اتنی سکت بھی نہ رہی تھی کہ اٹھ کے بیٹھ سکتی۔
ناشتہ رکھنے کے بعد وہ دوبارہ کمرہ لاک کر کے باہر آئیں اور ہمت کر کے بخاری صاحب کی تجربہ گاہ میں قدم رکھا۔
"آپ اس کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے ثمرین کے بابا۔" انہوں نے دھیمے سے اس کی کیفیت گوش گزار کی۔
"میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ بمشکل اپنا غیض کنٹرول کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ پھر وہ کتاب
بند کر کے کمرے میں ٹہلنے لگے۔

"ایسے کیسز میں یہی طریقہ علاج ہوتا ہے۔ نشہ چھڑانے کے لیے یہ تو کرنا ہو گا۔ کچھ دن تک روئے دھوئے
گی جب نہیں ملے گا تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔ اگر اس کی بہتری چاہتی ہو تو کان لپیٹ کر خاموشی سے ایک
طرف بیٹھ جاؤ۔" اب وہ قدرے نرم انداز میں مخاطب تھے۔

"اس طرح تو وہ مر جائے گی۔"

ان کو بیٹی کے لیے فکر کرتے دیکھ کر بی بی جان کو کچھ حوصلہ ہوا۔

"نہیں مرے گی۔ چند دن تکلیف برداشت کرنا ہو گی پھر ٹھیک ہو جائے گی۔ اب جاؤ یہاں سے میں کچھ سوچنا
چاہتا ہوں۔" بی بی جان باہر آگئیں۔

شاہین کو ان کے خیالات کا پتا چلا تو وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

نشہ چھڑانے کے لیے ایک دم مریض کو اس کی فراہمی بند نہیں کی جاتی بی بی جان۔ اس طرح بچ مریض کے

جان سے گزرنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اسے آہستہ آہستہ مرحلہ وار اس لعنت سے چھٹکارا دلایا جاتا ہے۔ بستر ہوگا
ہم اسے کسی کلینک یا سینٹر میں ایڈمٹ کرادیں۔ وہاں ڈاکٹرز ایسے انجکشن دیتے ہیں جو مریض کے اعصاب کو
سکون بخشیں اور ساتھ ساتھ نشے کی طلب کو بھی کسی حد تک پورا کردیں۔ ان انجکشنز کا پورا کورس ہوتا ہے
جس کے بعد آہستہ آہستہ مریض کے مرض کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔ اگر ایک دم سپلائی روک دینے والا بے رحمانہ
طریقہ اپنایا جائے تو مرض کے بجائے مریض کا خاتمہ بھی ہوسکتا ہے۔"
"ہوجائے گی دو چار دن میں ٹھیک۔ کلینک وغیرہ کے لیے تیرا باپ نہیں مانے گا۔ یہ شکر نہیں کرتیں اللہ کے
تھانے سے اتنی رسوائی ہونے کے باوجود گھر لے آیا اور اس کا خیال کررہا ہے۔ وہیں کہیں مار کے زمین میں گاڑ آتا
تو پھر؟" بی بی جان نے جھڑکا۔

◆◆◆

نازش، مہران اور سفیان کی شادی کے انتظامات کے سلسلے میں نینی کے اصرار پر باقاعدہ آفریدی ہاؤس شفٹ ہو
گئی تھی۔ دانیال یوں بھی ان دنوں بیرون ملک ٹورز پر نکلے ہوئے تھے۔
"ایک ہفتے سے بھی کم وقت رہ گیا ہے اور کام اتنے سارے باقی ہیں۔ نینی کل سے ڈھولک رکھوالیتے ہیں۔"
وہ دوپٹے کو کرن لگاتے ہوئے مصروف انداز میں نینی سے مخاطب ہوئی۔ نینی شادی اور ولیمے کے ڈریسز کے
ڈبے کھولے بیٹھی تھیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اور نازش پنڈی سے خرید کر لائی تھیں۔
"ٹھیک ہے بیٹے! جیسے آپ کہو۔ سفیان سے کہہ کر پشاور موڑ سے کرائے پر ڈھولک منگوالو۔ بیٹے وہ فاریہ کا
نکاح والا ڈریس کدھر رکھا تھا۔ کہیں گاڑی میں تو نہیں رہ گیا۔"
"نہیں۔" نازش ہنسی۔
"وہ ڈبہ موصوف سفیان صاحب اپنے کمرے میں لے گئے ہیں۔ دیکھنے کے لیے۔"
"اچھا۔" نینی کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔
"کہہ رہا تھا میں دھیان سے چیک کرلوں یہ مسز سفیان کے شایان شان بھی ہے یا نہیں بڑی فکر ہورہی ہے
مجھے۔ آخری میری بھی چار بندوں میں کوئی عزت ہے۔ ناظر بھی ساتھ ہی جڑا اوپر گیا ہے۔ دونوں "تجزیہ فرما رہے
ہیں۔ یہ مہران کہاں رہ گیا۔ کب سے پیچھے پڑی ہوں کہ بھیا چھٹی لے لو۔ کیا بارات والے دن درخواست دو
گے۔" نازش نے آخری ٹانکا لگا کر دھاگا توڑا اور دوپٹہ تہہ کرنے لگی۔
"پتا نہیں دلہن کو پسند بھی آئیں گے یہ جوڑے یا نہیں۔" نینی درنایاب کا شادی کا میرون اور فان کلر کے کبی
نیشن والا دبکے اور کورے کے کام سے بوجھل لہنگا دوبارہ ڈبے میں سیٹ کررہی تھیں۔
"میں نے تو بہت کہا تھا ساتھ چل کر اپنی پسند سے لے لیں مگر وہ مانی نہیں۔ بڑی شرمیلی اور سادہ طبیعت کی
ہے۔"
نینی اپنی نیک فطرت کے ہاتھوں مجبور تھیں اس لیے وہ مرضی کے خلاف رشتہ ہونے کے باوجود مہران کے
حوالے سے درنایاب کے لیے دل میں امڈتے پیار اور شفقت کو روک نہ پائی تھیں۔
"پسند کیوں نہیں آئیں گے۔ اے ون چوائس ہے آپ کی۔ یوں بھی وہ بہت سرخ و سفید ہے۔ میرون رنگ
میں ایک دم دمک اٹھے گی۔" اسی لمحے مہران اندر داخل ہوا۔
"بیٹے! آپ چھٹی کب لے رہے ہو۔" نینی نے آتے ہی استفسار کیا۔
کل سے چھٹی پر ہی سمجھیں نینی۔"
اس نے اچٹتی نگاہ میرون و فان کلر کے لہنگے پر ڈالی۔ وہ سمجھ گیا تھا یہ اہتمام کس کے لیے ہے۔
"فی الحال تو ایک گرما گرم خبر سنیے۔ آپ مجھ پر یقین نہیں کرتی تھیں نا۔ بہت تعریف کرتی تھیں ان موصوفہ
کی خاندانی شرافت و نجابت اور نیک دلی کی۔ ان کی بہن کا کارنامہ سنیے۔" وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے طنزیہ گویا
ہوا۔

...ن کی چھوٹی بہن امبرین صاحبہ کل ہیروئن فروشی کے ایک اڈے سے گرفتار کی گئیں۔ آدھی رات کو اس کے
...بیٹی کو چھڑا کر ساتھ لے کر گئے ہیں۔"
...نہیں۔" بے اختیار نینی اور نازش کے منہ سے بیک وقت نکلا۔
...ہاں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
...شکر کیجیے جو میں ایسے خاندان کی بہو کو گھر نہیں لایا۔ ورنہ مفت میں بدنامی گلے پڑتی۔ ابھی تو آپ کو
...کے وہ اوصاف نہیں پتا جن کو زبان پر لاتے ہوئے میری غیرت پہ ضرب پڑتی ہے۔"
...رخ چہرے سمیت اوپر چلا گیا۔

◆◆◆

...بی ڈاکیا آیا تھا نال والے پنڈ کا یہ خط دے گیا ہے تمہارے نام۔"
...دین چوکیدار گاؤں میں ڈاک کی ترسیل کا کام بھی کرتا تھا۔ جوں ہی ارشین نے سوشل ڈائجسٹ کے آفس
...بھی کے بعد گھر میں قدم رکھا وہ مستعدی سے دروازے پر آگیا۔
...شکریہ چاچا......"
...ایک کارڈ تھا۔ مس ارشین بخاری کے نام "یہ ہمیں کس نے یاد کرلیا۔ اس ویرانے میں۔" اس کا پہلا
...بعد کی طرف ہی گیا تھا کیونکہ وہی اس ٹھکانے سے واقف تھا۔
...نے لفافہ چاک کرنے سے پہلے پشت پر نگاہ ڈالی۔ فرام مہران آفریدی۔
...کی طرح چونک اٹھی۔
...بھیجا ہے جناب عالی نے" اس نے الجھن و تجسس کے عالم میں کھولا اندر سے ایک خوب صورت سا شادی کا
...آمد ہوا۔
...بی پی مہران آفریدی ہمراہ سب انسپکٹر درنایاب شادی خانہ آبادی۔" بروز جمعہ بتاریخ 10 مئی ہونا قرار پائی
...آگے مزید تفصیلات بھی تھیں رسم حنا، بارات کی روانگی ڈنر، دعوت ولیمہ وغیرہ وغیرہ مگر ارشین کی آنکھیں
...تک پہنچتے پہنچتے دھندلا گئی تھیں۔

◆◆◆

...مبرین کو کمرے میں بند کیے دوسرا دن گزر چکا تھا۔ شاہین دوپہر کا کھانا لے کر بی بی جان سے چابی مانگ کر اوپر

...کھول کر اندر داخل ہوئی تو ڈبل بیڈ خالی تھا۔
...باتھ روم میں ہوں گی۔" اس نے کھانا بیڈ کی سائیڈ پر رکھا۔ پانچ دس منٹ انتظار کے بعد اس نے باتھ
...دروازہ کھٹکھٹایا۔
...جواب نہ ملنے پر دھکیلا دروازہ کھل گیا۔ دوسرے لمحے اس کا جی دھک سے رہ گیا۔
...باتھ روم خالی تھا اس کی نظر روشندان پر پڑی روشندان کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔
...مبرین کسی طرح فرار ہوگئی تھی۔ خدا جانے اتنی طاقت کس طرح اس میں آگئی تھی یا شاید طلب نے حد درجہ
...دیا تھا۔

◌◌◌

...روشندان کے پاس ایک اسٹول موجود تھا۔ شاہین ہراساں ہوکر روشندان کے پاس آئی۔ اسٹول وہاں تک کیسے
...مبرین کے نیم مردہ وجود میں اتنی طاقت کس شے نے بھردی۔
...شاہین کہاں رہ گئی ہو۔ کھانا دینے گئی تھیں یا کھلانے۔" صباحت کی آواز میں جھنجلاہٹ اور بے چینی کے
...تاثرات تھے۔ وہ بوکھلا کر واپس پلٹی۔
...اسی لمحے بی بی جان کمرے میں داخل ہوچکی تھیں۔

"امبر کہاں ہے؟" خالی بستر اور شاہین کا ہوائیاں اڑتا چہرہ جو داستان سنا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر صباحت کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

وہ جھپٹ کر اندر آئیں' بے کلی کے عالم میں باتھ روم میں جھانکا۔

اسٹول کی موجودگی اور کھلا روشندان واضح اشارے دے رہا تھا۔ انہوں نے دل تھام لیا۔

"اسٹول پر چڑھ کر دیکھو باہر۔" ان کی کانپتی ہوئی سرگوشی شاہین کی سماعتوں کو چونکا گئی۔

وہ ان کا مطلب سمجھ کر آہستہ آہستہ اسٹول کی پھسلواں سطح پر قدم جما کر کھڑی ہو گئی اور روشندان سے جھانک کر ادھر ادھر نظر دوڑانے لگی۔ روشندان کا سانچہ دیوار میں کافی نیچے بنایا گیا تھا۔ ایک طرح سے کھڑکی کا ہی گمان ہوتا تھا۔ اس لیے یہاں سے باہر نکلنا خاصا آسان تھا۔

"بی بی جان۔" اچانک شاہین کے منہ سے دہشت زدہ چیخ نکلی۔

"کیا ہو گیا؟ آہستہ خدا کے واسطے' آہستہ رکھو اپنی آواز۔ کیوں قیامت کو آواز دے رہی ہو۔" وہ ہانپتی کانپتی باتھ روم میں داخل ہوئیں۔

شاہین روشندان سے گردن باہر نکالے نیچے دیکھ رہی تھی۔

روشندان کے عین نیچے کچھ فاصلے پر شیڈ سا بنا ہوا تھا اور امبرین اس شیڈ پر مڑی تڑی اپنے ہی خون میں ڈوبی بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔

"امبر باجی۔ بی بی جان امبر باجی۔" اس نے اسٹول سے اتر کر بے تابی سے انہیں آگے آ کر دیکھنے کا اشارا کیا۔

نشے کی طلب سے بے حال ہو کر امبرین دیوانگی کی کسی انتہائی رو میں۔ بہ کر روشندان کے راستے کو راہ نجات سمجھتے ہوئے بے سوچے سمجھے کود گئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اتنی اونچائی سے براہ راست کودنے کا مطلب موت ہے۔

وہ تو خوش قسمتی سے گرتے ہوئے کسی طرح شیڈ پر اٹک گئی تھی ورنہ فرش پر محض ہڈیوں اور گوشت کا ایک ڈھیر بکھرا ہوتا۔

"عدنان کو بلاؤ۔ عدنان کو بلاؤ شاہین۔ جلدی کرو۔" صباحت لہولہان اور جامد و ساکت بیٹی کو اس حال میں دیکھ کر حواس کھو بیٹھیں۔ وہ بے ساختہ چلا رہی تھیں۔

اکیلا عدنان کس طرح شیڈ تک پہنچ کر اس کے وجود کو گھسیٹ کر بحفاظت نیچے اتارتا۔

بابا جان کی معذوری کوئی مدد کرنے میں حائل تھی۔

ایسے میں ان کے ہمسائے سعد کے والد راشد صاحب نے حق ہمسائیگی اور حق دوستی نبھایا۔

یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ سعد کی امی رقیہ بیگم اپنے گھر کی دوسری منزل کے پچھلے ٹیرس پر لٹکے دھلے ہوئے کپڑے اتارنے باہر آئی تھیں۔ صحن میں سیڑھی لگانے کی کوشش کرتے عدنان' شیڈ پہ پڑی امبرین اور سیڑھی کو تھامے کھڑی صباحت کو دیکھ کر صورت حال سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ انہوں نے فوراً اپنے خاوند کو ساتھ لیا اور ادھر آ گئیں۔

"تم نیچے آ جاؤ بیٹے۔ میں امبرین کو اٹھاتا ہوں۔" راشد صاحب نے آتے ہی عدنان کو سیڑھی کے پائیدان سے ہٹا دیا۔ خود اوپر چڑھے اور بڑی احتیاط سے اسے اٹھا کر نیچے لے آئے۔ نبض چیک کی۔

"اسے فوری طور پر ہسپتال لے جانا ہو گا۔ میں اپنی گاڑی لاتا ہوں۔ ویسے تو ایمبولینس کا انتظام بھی کیا جا سکتا ہے مگر اس میں دیر لگے گی۔ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔" رقیہ بیگم روتی ہوئی نڈھال و بے حال صباحت کو سنبھال رہی تھیں۔

"حوصلہ کریں صباحت بہن انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" راشد صاحب ایک لمحہ ضائع کیے بغیر امبرین کو الشفا انٹرنیشنل لے آئے۔ ان کے ہمراہ عدنان اور بابا جان بھی تھے۔

چار گھنٹے بعد امبرین میں زندگی کے کچھ آثار پیدا ہوئے اور وہ اپنے حواس میں واپس آ گئی۔

...صاحب نے فوراً گھر فون کر کے صباحت کو صورت حال بتا دی۔

"بھابی امبر بیٹی اب ٹھیک ہے۔ غم نہ کریں۔ وہ ہوش میں آ گئی ہے۔"

◆ ◆ ◆

...کا انوکھا دستور ہے۔

...کہیں نغمہ غم ہے تو کہیں شادی ہے۔

...دنوں بخاری لاج کے مکین امبرین والے مسئلے میں الجھے ہوئے تھے' ان ہی دنوں آفریدی ہاؤس میں ...کی بارات اتری ہوئی تھی۔

...ان کی شادی تھی اور سفیان کا نکاح۔

...مہران کے ولیمے والے دن رکھا گیا تھا۔

...ان کی مہندی کا فنکشن دھوم دھام سے ہوا۔ سینکڑوں لوگوں نے شرکت کی۔ گھر کا وسیع و عریض لان ...ئے ہوئے انسانی چہروں سے سج گیا تھا۔

...نیر دانیال مہدی اپنے ٹور کے سلسلے میں امریکہ گئے ہوئے تھے۔ سو نازش مہوش کو لے کر مستقل آفریدی ...میں ڈیرے جمائے ہوئے تھیں۔

...صدمہ اور تکلیف وہ احساس جرم تو بہرحال تھا مگر پھر یہ کہ جب کسی واقعے کا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے تو ...کر لینا مجبوری بن جاتا ہے۔ اور اگر ایک دفعہ سمجھوتا ہو جائے تو پھر دھیان بٹانے کے لیے پیدا شدہ صورت ...دلچسپی لیے بنا چارہ نہیں رہتا۔

...دلچسپی زندگی کی روٹین اور پھر رفتہ رفتہ زندگی کا لازمی جزو بن جاتی ہے۔ ایسی ہی جذباتی کیفیت کچھ ان کی بھی ...ن کے حوالے سے' اس کو حالات کے فریم میں رکھ کر مہران کے درنایاب سے شادی کے فیصلے کو قبول کرنا ...میں شریک ہونا نینی' سفیان اور نازش تینوں کے لیے ایک تکلیف دہ مرحلہ تھا۔

...جب یہ سب کچھ ہونا ناگزیر ہو گیا اور حالات نے کچھ اس طرح رخ بدلا کہ قبول کیے بنا چارہ نہ رہا تو پھر ...ئے ہوئے سارے مان ارمان بھی کروٹ لے کر جاگ اٹھے۔ نینی نے گویا خزانوں کے منہ کھول دیے تھے ...چھوڑ دو بیٹوں کی خوشیاں دیکھنے کی گھڑیاں نصیب ہوئی تھیں۔ ایک خلش کے باوجود وہ پوری طرح ان ...کے لیے دیکھے ہوئے خوابوں کو تعبیر کا روپ دے رہی تھیں۔ ہفتہ بھر سے گھر میں ہر رات ڈھولک بجتی ...شنگ بھی مکمل ہو چکی تھی۔ مہران ان کو خوشی دینے کے خیال سے کوفت و بیزاری کے احساس کے باوجود ...تھا۔ وہ زیادہ تر گھر سے باہر رہتا۔ گھر آتا تو خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیتا۔ مہندی کے فنکشن کے بعد ...کا ساتھ بھی چھوڑنا پڑا۔

"...آپ بھابی کے ساتھ ہی یہاں قدم رکھ سکیں گے بھائی جان۔" ناظر پورے جوش و خروش کے ساتھ ...سامان کے بنڈل اٹھا کر لایا تھا۔ اس کے ہمراہ نینی' سفیان اور اس کے کچھ دوست بھی تھے۔

"...کیا ہے بھئی۔" وہ اپنی فطرت کے مطابق جز بز ہوا۔

"...کیا ہونا ہے بیٹے۔ آپ کل تک کے لیے دوسرے کمرے میں شفٹ ہو جاؤ۔ اس کو دلہن کے لیے تیار ...

"...کی کیا ضرورت ہے نینی۔" وہ الجھ گیا۔ جواب میں سفیان کے دوستوں کی بھرپور ہنسی کمرے میں گونجنے ...

"...کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں تو آپ سفیان کے دل سے پوچھیے۔ شام سے رولا ڈالا ہوا ہے

کہ ہو گا تو میرے ساتھ بھی وہی جو مولوی صاحب اور افراد خانہ بھائی جان کے ساتھ کریں گے پھر میں اور میرا کو اکیلے کیوں۔"

"بکواس نہ کرو۔" بڑے بھائی کے سامنے اپنے بے تکلف دوست کا چلبلا وار اسے بے ساختہ جھینپنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"بیڈ شیٹ اور پردے تو میں نے صبح بدلوا دیے تھے۔ کارپٹ ابھی پچھلے ماہ نیا ڈلوایا ہے۔ فرنیچر بھی سیٹ ہے۔ میرا خیال ہے، چھت اور دیواروں پر آرائشی چیزیں لگانے کے بعد سجاوٹ مکمل ہو جائے گی۔" نینی اطراف کا طائرانہ جائزہ لینے کے بعد سفیان اور اس کے دوستوں کو ہدایات دینے لگیں۔

"نینی آپ نے فلاور شاپ پر پھولوں کا آرڈر دیا تھا۔"

"ہاں بھئی۔ صبح کا پیغام نوٹ کروا رکھا ہے۔ ابھی تک جواب موصول نہیں ہوا۔ حد ہو گئی۔" وہ جھلائیں۔

"یہی تو بتانے آئی ہوں۔ انہوں نے تو پھولوں کا ٹرک بھر کر بھیج دیا ہے۔ میرا مطلب ہے پورا سوزوکی کیری اوپر تک گلاب اور موتیے کے پھولوں سے ٹھنسا ٹھنس بھرا ہوا ہے۔ اتنے منوں ٹنوں پھول کہاں پہ لگائیں گے۔"

"کمرے میں لڑیوں میں پرو کر لٹکانے کے بعد جو بچیں گے، وہ کمرے کے قالین کاریڈور اور سیڑھیوں پر ڈالنے ہیں۔" نینی نے پروگرام بتایا۔

"واؤ۔ زبردست آئیڈیا ہے۔ موڈی بہت اچھی آئے گی۔ رنگ بھری۔" سفیان چہکا۔

"گیٹ کو بھی پھولوں سے ڈھانپنا ہے۔ سفیان یار تم اپنے دوستوں کے ساتھ کمرہ ڈیکوریٹ کرو اور ناظر آپ میرے ساتھ آؤ۔ آپ کو دوسرا کام سونپتی ہوں۔" رات کے دو بج رہے تھے مگر آفریدی ہاؤس میں جیسے دن کا سماں تھا۔ ہر شخص کام میں مصروف تھا۔ دور دراز سے آنے والے مہمان تو کل شادی میں پہننے کے لیے اپنے کپڑے پریس کرنے میں مگن تھے اور گھر کے مکین تازہ تازہ منگوائے ہوئے پھولوں کو ٹھکانے لگانے کی تگ و دو میں تھے۔

"کیا بیکار کی مشقت پال رہے ہیں۔ پھولوں کے بغیر بھی تو گزارا ہو سکتا ہے۔" مہران جھنجلاہٹ کا شکار تھا، تاہم وہ ان کے کام میں رکاوٹ نہیں بنا تھا۔

"اے میاں تمہارے لیے ہو گی مشقت۔ ماؤں کے تو یہی ارمان شگون ہوا کرتے ہیں۔ پہلا پہلا بیٹا۔ پہلی پہلی شادی جب اللہ نے دے رکھا ہو۔ ہر طرح کا کرم ہو، خوشی سنبھالنے کے گن ہوں تو کیوں نہ چاؤ پورے کریں۔" ایک بڑی بی کا تکڑا توڑ جواب اسے چپ کروا گیا تھا۔

رات دیر سے سوئے تو صبح بھی ساڑھے دس سے پہلے کسی میں بستر چھوڑنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یوں بھی ایک ہی شہر کی بات تھی۔ بارات سہ پہر تین بجے روانہ ہونا تھی، اس لیے کسی کو خاص جلدی نہیں تھی۔

"تمہارا دوست داور ابھی تک نہیں آیا۔ مہندی میں بھی شریک نہیں تھا۔"

نازش دولہا کی سفید نفیس سی کلاہ اور گلاب و موتیے کے تازہ ہار لے کر مہران کے کمرے میں آئی تھیں۔

"کل فون آیا تھا اس کا۔ کسی ایمرجنسی معاملے کی فوری رپورٹنگ کے لیے اسے کل صبح گوجرانوالہ بھیجا گیا ہے۔ کہہ رہا تھا ایک دن کا کام ہے۔ بارات کے روانہ ہونے تک لازمی آجائے گا۔ اگر تھوڑی دیر ہو گئی تو براہ راست ہوٹل پہنچ جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" نجانے کیا سوچتے ہوئے نازش کی نگاہ یونہی ایک لمحے کو اس پر ٹک گئی۔ دولہا وہ ایک بار پہلے بھی بنا تھا مگر زبردستی اور جبر کی بندھن نے ان گھڑیوں کو ناقابل برداشت عذاب کا روپ دے دیا تھا۔

اور اب۔

مہران کا چہرہ، آنکھیں، انداز، لب و لہجہ ہر چیز پر سکون اور مطمئن تھی۔

اس نے کچھ پوچھنا، کچھ یاد دلانا چاہا مگر پھر ہونٹ بھینچ لیے۔

...بیوی وہ ہے، جو آسائش و ضروریات سے عاری ایک پسماندہ و تاریک گمنام جگہ پہ غربت و افلاس کے ویران ...میں دن پورے کر رہی ہے۔

...ملعون، ان چاہی اور قابل نفرت کہ جس کے ساتھ بندھا رشتہ معاشرے کا معتبر سرٹیفکیٹ حاصل نہ ...کے باعث اپنی جگہ مشکوک اور تذلیل آمیز ٹھہرا ہے۔

...ایک بیوی وہ بھی ہے جو سینکڑوں گواہوں کے سامنے عزت و وقار اور معتبری کا سنہری لبادہ اوڑھے اس ...ہوئے پر آسائش محل میں اترے گی۔ جس کے لیے اس گھر کا ایک ایک کونہ رنگوں، خوشبوؤں اور ...سے مزین کر دیا گیا ہے۔

...نازک ہے۔

...ایک ہے، حوالہ ایک ہے۔ مگر قسمتیں تضاد کا شکار ہیں۔

...کی مسرتوں کا سورج بھی طلوع ہی نہیں ہوا۔

...سری خوشیوں کے لاتعداد سورج ہمراہ لیے آرہی ہے۔ اک لامحدود یقین اور قوی تر احساس ملکیت کے

...حسین و جمیل ایس پی صاحب یہاں چھپے بیٹھے ہیں۔ غلطی ہو گئی، سنا ہے اب تو لوگ ایس ایس پی بننے ...۔" داور کی سدا بہار ہشاش بشاش آواز نازش کو سوچ کی گہرائیوں سے نکال لائی تھی۔

...ہو۔ شادی ایک بار پھر۔" نازش کو سلام کرنے کے بعد اس نے مہران کو گلے لگایا۔ شرارتی لہجہ آخر ...وری طور پر کٹیلا ہو گیا تھا۔

...نے ناگواری سے اسے دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔

...جان تیار ہو گئے یا نہیں۔ نینی پوچھ رہی ہیں۔" نیچے سے ناظر آوازیں لگا رہا تھا۔

◆◆◆

...لکھ والے

...والیاں دیاں رب عزتاں رکھ والے

...کھواڑے ہی تو تھا۔ اوپر سے کنواری بالیوں کا ارمانوں بھرا جوش۔

...کے کام کاج سے نپٹ کر لاڈو کے آنگن میں جگمگاتا لگا دیا تھا اور اب پوری شدت و جذب کے ...لک لک کر گانوں میں اپنے خوابوں کے رنگ و آہنگ سمو کر مگن و سرشار بیٹھی گا رہی تھیں۔

...بھی گاؤ نا باجی۔" لاڈو کی لاڈلی بھابی رانو بار بار اس سے فرمائش کر رہی تھی۔ لاڈو گوٹا لگے پیلے دوپٹے ...ں کے دائرے میں چھپی بیٹھی تھی۔ گاؤں کی بڑی بوڑھیاں اور عورتیں گھر کے مردوں اور بچوں ...سے فارغ کر کے ایک کے بعد ایک آتی جا رہی تھیں۔

...تھی۔ برکتے کے چہرے پہ چھلکتے سچے خوش کن جذبوں کا عکس ارشین کے دل میں اک ہوک سی ...تھا۔

...کی شادی ہوئی تھی۔ اس وقت کیا سماں تھا۔

...کا غیض و غضب سے دہکتا چہرہ یاد آیا۔

...ٹوٹا، نڈھال، صدمے سے چور چور سراپا۔

...غیرت سے لال آنکھیں۔

...بے چارگی۔

...شکایت سے پر آنکھیں۔

...اور۔

...حیات کا نفرت و حقارت سے لبریز سلوک۔

شادی کی وہ رات اسے بھلائے نہیں بھول سکتی تھی۔
"سہاگ رات۔" بے ساختہ پرانے زخم ادھڑنے لگے۔
اتنی عجیب سہاگ رات روئے زمین پر شاید کسی نے بھی نہ گزاری ہو۔
ابتدا۔ شعلے برساتا بھسم کرتا الزامیہ لہجہ۔
انتہا۔ اپنے ہی خون میں ڈوبا بے یار و مددگار وجود۔
ماحول۔ انتہائی ڈراؤنا، تاریک اور خوفناک۔
استقبال۔ ویرانی، تنہائی اور سناٹے نے کیا۔
شرارتی لڑکیوں کا ٹولہ کیا تانیں اڑا رہا تھا۔
"باجی! گاؤ ناں۔" رانو کی دیکھا دیکھی چند دوسری لڑکیاں بھی اصرار کرنے لگیں۔
"مجھے گانا نہیں آتا۔ تم گاؤ میں سن رہی ہوں۔"
وہ بمشکل لبوں پہ مسکراہٹ لا سکی تھی۔
آج دس مئی ہے۔
بارات دلہن کو لانے جا چکی ہوگی۔
اس دلہن کو جسے وہ سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں اپنا نام دے گا، مقام بخشے گا، پہچان عطا کرے گا۔ آج کی رات اس کے نام کرے گا، اپنی وفا اور تحفظ دان کرے گا۔
کیا مجھے افسردہ ہونا چاہیے؟
کیا مجھے رونا چاہیے؟
اس نے خود کو ٹٹولا۔
مگر کس بات پر روؤں؟ کس چیز کے چھن جانے کا ماتم کروں؟ اس نے خود سے سوال کیا۔
جو چیز کبھی اپنی رہی ہی نہ ہو، نہ اپنائیت کا مان دیا ہو، اس کے لیے کیا رونا۔ وہ کب میرا تھا۔
اول روز سے میرے وجود کا انکاری رہا ہے۔ صاف بتا دیا تھا کہ وہ دوسری لائے گا، جو حقیقت میں پہلی ہوگی۔
اس نے میرے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا۔
پھر کیا اس کو الزام دوں اور کیوں دوں! کیوں کہوں، کیوں چلاؤں کہ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ ظلم کمایا ہے اس نے۔
کیوں واویلا کروں عام عورتوں کی طرح۔
کیا فائدہ۔
خود فراموشی کی جانے وہ کون سی اسٹیج ہوتی ہے جب انسان اپنے سود و زیاں اور اچھے برے کی فکر سے غافل ہو جاتا ہے۔
وہ کوشش کر کے اپنا ذہن برکتے کے آنگن میں بکھری نئی نویلی پربہار مسرتوں کی طرف مبذول کرنے لگی۔
میرے پاس جینے کا سامان ابھی ختم نہیں ہوا۔
سوشل ڈائجسٹ کی نوکری ہے۔
پھر یاسین سینٹر کو تصویریں بنا کر فروخت کرنے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ یہاں بھی دل لگ ہی گیا ہے۔
گزارا ہو رہا ہے۔ زندگی اپنے بہاؤ میں رواں دواں ہے۔
کیوں ناشکری کروں خوامخواہ۔
ہزاروں سے اچھی حالت میں ہوں۔ وہ بھی تو ہیں، جو بدترین حالات میں بھی امید و آس کا دیا روشن رکھتے ہیں، پھر میں کیوں اندھیروں سے دوستی کروں۔

...کے آنگن میں آدھی رات تک ہنگامہ جوان رہا، پھر آہستہ آہستہ روانگی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔
...بھی چلوں۔ اب کل شام کو چکر لگاؤں گی۔"
...خالہ میں بھی چلوں...
...مہربانی بیٹی تم نے آ کر ہمارا مان بڑھایا۔ ٹھہرو ذرا، میں چھوٹے کو تمہارے ساتھ کر دیتی ہوں۔ گھر تک ...
...جاؤں گی خالہ، یہ ساتھ ہی تو گھر ہے۔"
...کو جن بھوت آزاد ہو جاتے ہیں، بدروحیں ڈیرا جما لیتی ہیں، احتیاط کرنی چاہیے، پیر سائیں کہتے ہیں ...گلیوں میں نکلنا خطرے کو دعوت دینا ہے۔"
...ندی نے ارشین کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔
...خالہ بس۔ اچھا پھر خدا حافظ۔"
...گئی۔
...سونا تو نہیں کہلاتا۔
...ہی ہے جب نیند آ جائے، آنکھ لگ جائے۔
...پلک نہ جھپک سکی۔ سخت کوشش کے باوجود بغیر کسی وجہ کے کوئی احساس اپنی چبھن دے کر جگاتا ...
...ڈھائی بج رہے تھے۔
...ایسے میں بیٹھے بیٹھے در نایاب کی ٹانگیں اکڑ گئیں۔ کمر الگ درد کر رہی تھی۔
...اس نے تکلف چھوڑ کر بیڈ کی مرصع پشت سے ٹیک لگا لی۔
...آرائش کا از سر نو جائزہ لیا۔
...بیڈ کور اور پردے گرین کارپٹ، اور لائٹ گرین ٹو پیس صوفہ سیٹ، چھت، دیواریں، سائیڈ ٹیبل اور ...گلاب و موتیے کے پھولوں کی تہیں بچھی ہوئی تھیں خود بیڈ پر پھولوں کی پتیوں کی دبیز و ملائم تہہ نے بیڈ ...نام و نشان ہی مٹا دیا تھا۔
...کتنی خوبصورتی سے سجی پھولوں اور چمکتی پنیوں کی لڑیاں اور ایئر فریشنر کی بھینی بھینی خوشبو کے ہمراہ ملی ...اور عطر کی مہک اور ان سب خوبصورتیوں میں گھری ایک انتہائی حسین و جمیل نئی نویلی دلہن۔ کیا رومان ...جان میں نشہ دوڑا دینے والا دل پسند ماحول تھا اتنا سحر کار کہ زاہد کامل بہک جائے۔
...کہ ایمان قابو میں نہ رہے۔
...کہ جذبات خود بخود ہوش کی لگامیں تڑا کر آندھی کی طرح فضا میں مچل جائیں۔ چھا جائیں اور کہیں رہائی ...
...گا۔ کیا ہو گا؟"
...ہتھیلیوں کو دیکھتے ہوئے وہ بار بار خود سے سوال کر رہی تھی۔
...مہران کا سامنا کرنے پر طاری ہو جانے والی ہمیشہ کی گھبراہٹ و بوکھلاہٹ اس کی ہمتیں پست کر دیتی۔ ...شدت ڈرتی تھی۔ اسے لگتا جیسے وہ زیادہ دیر تک اس کے سامنے کھڑی رہے گی تو اس کی ہیبت کی تپش ...پانی ہو جائے گی۔
...اور ان کی زبان سے ادائیگی کرنا دشوار ترین مرحلہ بن جاتا، اس کی طرف دیکھنا گویا سورج سے نظر ...ممکن عمل بن جاتا۔
...تجربہ اتنا خوف اس نے اس سے پہلے نہ کبھی کسی کا سہا تھا اور نہ کسی کا محسوس کیا تھا۔

غالباً تین بجے ہوں گے جب دروازہ کھلا۔
درنایاب کا پورا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔
جیسی تھی جہاں تھی وہیں برف کی سل کی طرح ساکت و صامت بیٹھی رہ گئی۔ نہ سر جھکا سکی اور نہ اندازِ نشـ
تبدیل کر سکی۔
"السلام علیکم مجھے کچھ تاخیر ہو گئی۔" وہ سیدھا وارڈروب کی طرف بڑھا تھا۔ چہرہ و آواز دونوں معمول کے
انداز میں سنجیدہ تھے۔
"مجھے شیروانی وغیرہ کی عادت نہیں ہے اس لیے سخت ان ایزی فیل کر رہا ہوں چینج کر کے آتا ہوں پھر بات کر
گے۔" وہ سلیقے سے اخلاقیات جتا کر واش روم چلا گیا۔
"ابتدا تو اچھی ہے۔ خدا کرے۔ اخیر بھی ٹھیک رہے۔"
درنایاب کے واہموں میں جکڑے بے قرار دل کو قدرے ٹھہراؤ نصیب ہوا تھا۔ کپڑے بدلنے میں اسے دس مـ
لگے۔
بال بنا کر وہ فرصت سے اس کے پاس پھولوں سے سجی مسہری پر آ بیٹھا "خوبصورت تو آپ قدرتی طور پر ہیں ہی
اس ڈریس میں میک اپ اور جیولری کے ساتھ معمول سے زیادہ حسین لگ رہی ہیں۔"
اس نے اطمینان سے بیٹھنے کے بعد بلا تکلف اس کا چوڑیوں بھرا ہاتھ تھام لیا اور دھیرے دھیرے دبا کر سنگ مـ
جیسے سفید اس گداز و ملائم ہاتھ کی نزاکت محسوس کرنے لگا۔
درنایاب کی شریانوں میں دوڑتے خون میں اک لذت آمیز حدت شامل ہو گئی۔
"آپ گھبرا تو نہیں رہیں؟" مہران نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔
نایاب کا سر جھک گیا اس کا وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ ماتھے پر پسینے کے قطرے موتی بن کر جھلملانے لگے
"کیا بات ہے' کیا گرمی لگ رہی ہے۔" لہجہ نرم اور مہذبانہ تھا۔
"اے سی تو آن ہے' پنکھا بھی چل رہا ہے لگتا ہے یہ گھبراہٹ کا پسینہ ہے۔" اس نے ملائمت سے ار
گلاب سا نرم و ریشمی لمس دیتا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا۔ پھر دوسرے ہاتھ سے آہستگی سے اس کی پیشانی صاف کی
ہمیشہ کے کرخت تیور' سخت لہجہ اور تحکمانہ انداز رکھنے والا آفیسر معمول کے نرم اور گھریلو انداز میں کیا لگ
تھا۔ کیسا لگ رہا تھا یہ کوئی نایاب کے دل سے پوچھتا جو کسی بھی لمحے سینے کی حدود توڑ کر باہر نکلنا چاہتا تھا۔
اتنی توجہ' یہ نظرِ کرم' یہ عنایت' یہ اپنائیت کی گرمی وہ تو خواب میں بھی نہ سوچ سکتی تھی کہ وہ اتنی خوش نصیـ
بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی لانبی پلکیں اضطراری انداز میں گلابی عارضوں پر تھرکنے لگیں۔ مہران کے ہاتھ دھیر
دھیرے اس کے چہرے کے مختلف نقوش چھو رہے تھے۔
"آپ کا انتخاب میں نے اس لیے کیا کہ آپ مجھے خالص لگیں ایک دم مصفا اور شفاف' جس کے نام
ساتھ کسی دوسرے نام کی بازگشت نہیں ہے' کوئی دوسرا حوالہ منسلک نہیں ہے۔ جس کا حوالہ صرف میں ہوا
جس کی زندگی میں آنے والا میں پہلا اور آخری مرد ہوں۔" مہران نشست بدل کر سیدھا ہو کر بیٹھا اور بیڈ کی پشـ
سے ٹیک لگانے کے بعد سہولت سے اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلا کر اپنے قریب کر لیا۔ درنایاب پوری جـ
سے کانپ گئی۔
من چاہے مرد کا لمس کتنا دلآویز اور ہوشربا ہوتا ہے اس کا تجربہ اسے آج ہوا' اس سے پہلے کتنی بار اس کے رشتہ
دار آفاق نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا' کبھی کوئی ضد منوانے کے لیے' کبھی کہیں لے جانے کے لیے اور کبھی اپنے
کے ہاتھوں مجبور ہو کر مگر اسے کبھی یہ دل برباد دینے والی تباہ کن سنسنی خیز لہر بدن میں اٹھتی محسوس نہ ہوئی تھی
آفاق اور اس میں بہت بے تکلفی تھی ہزار بار اس نے اظہارِ محبت کیا تھا اس کی تعریف کی تھی اس کو سراہا تھا
سرور جو مہران کے چند ستائشی کلموں نے اس کے ریشے ریشے میں بھرا تھا۔ اتنی سرشاری آفاق کی وارفتگیوں

ـیں بھی نہیں ملی تھی۔
"میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ چیز باہر سے ہی نہیں اندر سے بھی خالص ہو' انسان کی سوچ بھی اتنی ہی
ـف ہونی چاہیے جتنا کہ اس کا وجود۔ ملمع کاری سے کیا حاصل۔" مہران نے اس کے گرد حلقہ تنگ کر لیا۔
ـیاب کو سانس لینا دشوار محسوس ہونے لگا۔
"مجھے یہ چیز برداشت نہیں ہوتی کہ جو میرا انتخاب ہے اس کو مجھ سے پہلے کوئی اتنے ہی استحقاق اور دلچسپی
ساتھ اپنا محسوس کرتا ہو۔ یہ احساس میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔" اس کی نظروں کی حدت سے وہ
ـسائی اور بے اختیار مہندی بھرے ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔
"اونہوں...۔" مہران نے اس کے دونوں ہاتھ ہٹا دیے۔ پھر بغور اور بھرپور نظر اس کے چہرے پر ڈالی' شرم
ـب اور گھبراہٹ کے رنگ' اس چہرے کے پیچھے شاید کوئی اور چہرہ بھی جھانک رہا تھا۔ اچانک اس نے اس کے
چھوڑ دیے اور اسے ایک طرف ہٹا کر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

(((

اسے اچانک کیا ہو گیا۔ درِنایاب دلہناپے کا حصار توڑ کر گردن اٹھا کر غور سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔
"ایکسکیوزمی...۔" وہ اچانک باہر نکل گیا۔ اس کا رخ ٹیرس کی طرف تھا۔
ٹیرس پر آ کر وہ فضا کے ملگجے اندھیرے میں اپنے اندر ابھرتے اس طوفان کی نوعیت جاننے کی کوشش کرنے لگا
ـہانک قلب پر وارد ہوا تھا۔
ـیا تھا یہ احساسِ جرم یا بے سود جنوں کا پچھتاوا۔
بعض اوقات مرضی کا فیصلہ بھی جان کا پھندا بن جایا کرتا ہے۔ جب وہ کچھ ہو جاتا ہے جو ہم چاہتے ہیں تو اس
ـار خود بخود دل سوال کرنے لگتا ہے۔ بس یہی چاہتے تھے تم؟ کیا مل گیا وہ کچھ پا کر جس کے لیے تم نے زمین
ـان ایک کر چھوڑے تھے۔ کیا یہی تھی تمہاری منزل؟ لو مل گئی منزل۔
ـب کیا کرو گے۔ تمغہ توسج گیا حصولِ مقصد کا۔ اب آنے والے شب و روز کو کس بہلاوے کے تحت گزارو
ـایسے میں اب تک کی گئی ساری جدوجہد اچانک بے معنی لگنے لگتی ہے۔ نیچے لان میں فقط آرائشی روشنیاں
ـرہی تھیں۔ ہر ذی نفس نیند کی گرفت میں تھا۔
ـرات کا تیسرا پہر تھا' آسمان کے ستارے بھی غنودگی اوڑھنے لگے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا گویا ہر شے رات کی
ـکے پھیلے ہوئے بازوؤں کے نیچے خوابیدہ و خاموش ہے۔
ـاس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' کون سا احساس اسے اتنے سحر انگیز ماحول سے کھینچ کر باہر لایا تھا۔
ـکافی دیر تک وہ دونوں ہاتھ پشت پر باندھے ٹہلتا رہا۔ پھر اندر آ گیا۔
دروازہ دوبارہ لاک کرنے کے بعد وہ مڑا تو چونک گیا۔ کمرے کی تیز لائٹس آف تھیں۔ درنایاب ڈریس' میک
ـجیولری اور اندازِ نشست سب کچھ بدل چکی تھی۔
ـآسمانی سادہ کاٹن کے سوٹ میں تکیے سے ٹیک لگائے وہ نیم خوابیدہ تھی۔ لاک کا کھٹکا ہوا تو بمشکل دکھتے سر
ـبوجھل آنکھوں سمیت دروازے کی سمت دیکھا تھا۔ سائیڈ لیمپ کی ہلکی زرد روشنی میں اس کا الجھا ہوا پریشان
ـا تھکا چہرہ پڑھنا ایسا دشوار فعل بھی نہیں تھا۔ مہران اس کے نا آسودہ سراپے پر لکھی تحریر کا حرف حرف پڑھ
ـتی تھی۔
ـدوسری سائیڈ پر دراز ہو گیا' چند لمحے ماحول میں سناٹا اور سانسوں کا ارتعاش بولتا رہا۔ درنایاب اپنی جگہ
ـتی تھی۔
"آپ ابھی تک نہیں سوئیں؟"

معا" وہ اس کی طرف پلٹا اور ہاتھ بڑھا کر اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا درِ نایاب پوری جان سے کانپ کر رہ گئی۔

"میرا انتظار کر رہی تھیں؟" وہ   آن کی آن میں اجنبیت کے سارے فاصلے مٹا گیا۔

"کیا نہیں کرنا چاہیے تھا؟" درِ نایاب کے دل نے سوال داغا تھا' تاہم لب ساکت رہے اس کے دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسے محسوس کر رہا تھا۔ اس کی اہمیت و قدر افزائی کی کا عملی ثبوت دے کر معتبر کر رہا تھا۔ چند ساعت بعد ٹیبل لیمپ آف کر دیا گیا۔

◆◆◆

حالت سنبھلتے ہی اسے گھر واپس لایا جا چکا تھا۔ فی الحال تو وہ سکون آور گولیوں کے زیرِ اثر سو رہی تھی۔ گھر میں ایک وحشت ناک سکوت طاری تھا۔ ہر فرد اپنی جگہ پیش آنے والی اس غیر متوقع صورتِ حال پر ہل کر رہ گیا تھا۔ زخموں کا منہ سلتے ہی طلب انگڑائی لے کر جاگ اٹھی۔

"میں مر جاؤں گی بی بی جان ! آپ کو خدا کا واسطہ' رسول کا واسطہ' مجھے تھوڑی سی لا دیں۔" وہ سر تھام کر رہ گئیں۔

"تجھے بھی اسی خدا کا واسطہ ہے۔ کچھ ہوش کر۔ شرم کر۔ کچھ سوچ۔ کیا مانگ رہی ہے تو۔ کیوں حیا نہیں آتی تجھے۔"

"بس ایک بار بی بی جان! صرف ایک بار۔" وہ ملتجی ہوئی۔

"زہر ایک بار پیا جائے یا دس بار زہر ہی رہتا ہے۔ امرت نہیں بن جاتا۔ نہ میرا کلیجہ جلا۔ خود کو سنبھال۔ کیوں میرے عذابوں کے دن لمبے کرتی جا رہی ہے۔ اب تو خدا سے ایک ہی دعا ہے اے اللہ پردہ کرا دے اس دنیا سے۔ بہت دن جی لیا۔ بڑے کشٹ اٹھا لیے اب معاف کر دے۔"

وہ اس کے سرہانے بیٹھ گئیں ہاتھ میں سیب اور کیلوں کی ٹرے تھی۔

"لے یہ کھا۔ اپنی جان بنا۔ طاقت پکڑ۔ بھول جا اس زہر کو۔" انہوں نے سیب کاٹ کر ایک قاش اس کی طرف بڑھائی۔

"مجھے نہیں کھانا۔ بی بی جان ! آپ کو اس جان کا واسطہ جو آپ کو سب سے زیادہ پیاری ہے۔ بی بی جان پلیز۔" وہ کانپتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"یا اللہ میں کیا کروں۔" بی بی جان نے آسمان کی طرف دیکھ کر آہ بھری۔

"دیکھ امبر! بس کر دے اب۔ نہ لے ہمارے صبر کا امتحان۔ ہماری بے خبری میں تو تو نے جیسے خود کو برباد کیا سو کیا مگر اب اپنی آنکھوں کے سامنے تجھے موت کے منہ میں جاتا دیکھ کر ہم خاموش تماشائی نہیں بنے رہیں گے۔ تیرے بابا جان نے کہا ہے کہ پاؤں سے زنجیر باندھ کر تجھے کمرے میں بند کیا جائے۔ وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اگر پھر بھی تو نے اپنی ہٹ نہ چھوڑی تو ہاتھ پاؤں توڑ کے ڈال دیں گے۔ وہ بہت غصے میں ہیں۔ جانے کس طرح اپنے اندر کی آگ دبائے خاموش بیٹھے ہیں۔ ان کی برداشت مت آزما۔" وہ تلخی سے گویا ہوئیں۔

"آپ جائیں بی بی جان ! میں انہیں کھلاتی ہوں۔"

شاہین الماری میں دھلے ہوئے کپڑے سیٹ کرنے کے بعد خاموشی سے بیڈ کے پاس آ گئی۔ بی بی جان کا ضبط جواب دے گیا تھا' وہ ٹرے پٹخ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اور ہاں تم چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ رہو گی اس کمرے میں۔ اسے اکیلا نہیں چھوڑنا' اس کی دیکھ بھال اب تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"ٹھیک ہے بی بی جان ! یوں بھی مجھے کالج کے بعد اور کوئی مصروفیت نہیں ہوتی۔" وہ امبرین کے سرہانے بیٹھ گئی۔ بی بی جان باہر نکل گئیں۔

...لو شاہین۔"
...امبرین نے ماں کے منظر سے ہٹتے ہی ہزار کا تڑا مڑا نوٹ اپنے گریبان سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔
...کہاں سے آیا تمہارے پاس۔" وہ ہکا بکا رہ گئی۔
...تم مجھے چیک کرنے آیا تھا' اس کی سائیڈ پاکٹ سے نکالا تھا۔ وہ میری طرف سے سائیڈ کیے سرنج' بھر رہا ...ہوا ڈاکٹر نے ...
...ب میں نے اپنے ہاتھ کی صفائی دکھا دی۔" وہ اطمینان سے بولی۔
...آپ نے چوری کی؟" شاہین آنکھیں پھاڑے صدمے کے عالم میں اس کی صورت دیکھنے لگی۔ ادھر کوئی شرمندگی رقم نہیں تھا۔
...ہاں...
...ایک بار لیلیٰ منزل میں ہی کسی نے بتایا تھا کہ اگر یہاں سے خوراک نہ ملے تو اور کس جگہ سے مل سکتی ہے۔ ...ر نہیں ہے۔ کل تم کالج جاؤ گی ناں۔" جوش کے مارے وہ اچانک اٹھ بیٹھی اور شاہین کا کندھا تھام لیا۔
...واپسی پر اس جگہ اتر جانا۔ وہاں......"
...آپ کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے امبر باجی۔" شاہین خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی اور بے ساختہ جھرجھری لی۔
...میری بہن نہیں ہو!" امبرین منت اور آہ و زاری پر اتر آئی مگر شاہین اپنے ارادے پر قائم رہی۔
...بہن ہوں' اسی لیے تو آپ کو صحت مند' با ہوش اور خوش و خرم دیکھنا چاہتی ہوں۔"

◆◆◆

...ے سونے کے باوجود صبح اس کی معمول سے پہلے آنکھ کھل گئی۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ نیند لے ہی نہ سکا تھا۔ منتشر ...نے کچھ اس طرح اس کے دل و دماغ پر حملہ کیا تھا کہ ذہنی دباؤ سے بے چین ہو کر بار بار اس کی آنکھ کھل ...بالآخر تنگ آ کر وہ اٹھ بیٹھا۔ فجر کی اذانیں شروع ہو چکی تھیں۔
...بلب کے ہلکے نیلے غبار میں اس نے گردن موڑ کر اپنے بائیں جانب محوِ خواب اس گلابی گلابی' ریشمی و ملائم ...قیامت کو ایک نظر دیکھا۔ اس کے انداز استراحت اور ملبوس کی بے ترتیبی نے کوئی تیز احساس مہران کے ...اعصاب کو چبھویا تو بے ساختہ اس نے نظریں چرا لیں۔ وہ احساس عجیب سا تھا حالانکہ مرد ذات اس قسم ...احساس سے دوچار نہیں ہوا کرتی۔ کم از کم اس صورت میں تو کبھی نہیں جب استحقاق بھی ہو لیکن پھر بھی وہ ...احساس سے نجات نہ پا سکا۔ اسے لگا جیسے اس کی ذات کی کوئی خاص چیز کھو گئی ہے۔
...ب سے مضمحل خیالوں میں الجھتے ہوئے اس نے شاور لیا اور پھر نماز ادا کرنے کے لیے فیصل مسجد چلا گیا۔ ...نکلنے کے لیے اس نے گیٹ بھی خود کھولا تھا کیونکہ رات کا تھکا ہوا ناظر اس وقت گہری نیند سو رہا تھا۔ نماز ...کے بعد وہ کچھ دیر تک مسجد کے احاطے میں پھرتا رہا پھر باہر آ گیا اور آس پاس کی خاموش و سرسبز سڑکوں پر ...کے سے انداز میں چلنے لگا۔
...ام کو ولیمہ تھا۔ تقریب کے انتظامات میریٹ ہوٹل میں کیے گئے تھے۔ اس نے شادی کے لیے نینی کے اصرار ...ہفتے کی چھٹی لی تھی مگر اب سوچ رہا تھا مزید چار پانچ دن گھر بیٹھ کیا کرے گا۔
...گھر واپس آیا تو اس کا استقبال زور و شور سے بجتے ڈیک نے کیا' سفیان اور ناظر موقع محل کا فائدہ اٹھا کر جی بھر ...حسرتیں پوری کر رہے تھے۔

ایک دن آپ یوں ہم کو مل جائیں گے
پھول ہی پھول راہوں میں کھل جائیں گے
میں نے سوچا نہ تھا' میں نے سوچا نہ تھا
ایک دن زندگی ہو گی اتنی حسین

...لوگ ناشتے پر جمع تھے۔

میرون اور سبز کمبی نیشن کے ہلکے کام والے چوڑی دار پاجامہ فراک میں ملبوس میک اپ سے مبرا تروتاز لیے دِرِنایاب نینی کے حصار میں شرمائی شرمائی سی بیٹھی تھی۔

نازش سفیان' ناظر اور نینی کے علاوہ دِرِنایاب کی عزیز دوست عروسہ بھی اپنے شوہر کے ہمراہ موجود تھی وہ لوگ میکے کی طرف سے ناشتہ لے کر آئے تھے۔

"کیا حسبِ حال گانا لگایا ہے۔ مگر مسٹر دیور! تم کس حساب میں انہیں سنا رہے ہو۔ کہاں ہیں ان جذبات کے حقیقی عکاس محترم جناب ایس پی بلکہ ایس ایس پی مہران آفریدی صاحب۔" عروسہ اپنے مخصوص بے تکلف انداز میں گویا تھی۔

"سمجھ لیجیے پس پردہ وہی اظہار حال کر رہے ہیں۔" سفیان کون سا کسی سے کم تھا۔

"ارے واہ۔ خوامخواہ سمجھ لیں۔"

دل کی ڈالی پہ کلیاں سی کھلنے لگیں
جب نگاہیں نگاہوں سے ملنے لگیں
ایک دن اس طرح ہوش کھو جائیں گے
پاس آئے تو مدہوش ہو جائیں گے
میں نے سوچا نہ تھا

ڈیک مسلسل چل رہا تھا۔

"مہران بھائی! آجائیں تو ہمیں اجازت دیجیے گا آنٹی۔ ہم نایاب کو لینے آئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے بیٹی۔ ہم لوگ شام کو آئیں گے بہو کے لیے پارلر میں ٹائم لے رکھا ہے۔"

"لوگوں کی کل شادی ہوئی' آج ولیمہ ہے اور ایک ہم ہیں۔"

سفیان نے سرد آہ بھری اور پھر جو اس کے جواب میں قہقہے اور چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی تو اسے بات سنبھالنا دشوار ہو گیا۔

مہران خاموشی سے سیڑھیوں کے راستے اوپر کمرے میں چلا گیا۔ بستر پر پڑا ریشمی دوپٹہ' واش روم سے اٹھتی زنانہ وجود کی مہک اور ڈریسنگ ٹیبل پر بکھری میک اپ کی اشیاء ماں سے اعلان کر رہی تھیں کہ اب اس کے وجود کمرے اور پرائیویسی کا بٹوارا ہو چکا ہے۔

وہ عجیب ہارے ہوئے انداز میں بستر پر بیٹھ گیا اور سر ہاتھوں پر گرا لیا۔

◆ ◆ ◆

وہ بہت تھکے تھکے قدموں سے کالج بس سے اتر کر گھر کی طرف جا رہی تھی جب پشت سے آواز آئی۔

"السلام علیکم۔"

اس نے مڑ کر دیکھا۔ نیلی جینز اور ریڈ شرٹ میں سیاہ گاگلز ہاتھ میں پکڑے وہ اپنے بائیک سے ٹیک لگائے گویا منتظر کھڑا تھا۔

شاہین کے ہونٹوں پر مشکور سی مسکراہٹ جھلکی مگر چہرے کے تاثرات میں ایک مستفسرانہ سی الجھن بھی نمایاں ہو گئی تھی۔

"وعلیکم اسلام۔" جواب کا انداز ایسا تھا گویا وہ یہاں آمد اور انتظار کا مقصد معلوم کرنا چاہ رہی ہو۔

"میں اپنا اطمینان کرنا چاہ رہا تھا کہ دوبارہ تو وہ بدتمیز لڑکا آپ کے راستے میں نہیں آیا؟"

"جی کچھ دن سے نظر تو نہیں آ رہا۔" واقعی ایک ہفتہ ہو چلا تھا ابھی تک اس سے ٹاکرا نہیں ہوا تھا۔

"میں شاید پہلے چکر لگاتا مگر فاریہ کے نکاح کی تقریب تھی اس کے انتظامات میں مصروف تھا اس لیے۔"

"فاریہ آپا کا نکاح ہو گیا!" اس نے حیرت سے کہا۔ "مبارک ہو آپ کو۔"

تھا قریبی دوست ہونے کے ناتے فاریہ امبرین اور ان کی فیملی کو ضرور انوائٹ کریں گی۔" وہ کچھ

...الی دیا۔

نہیں کیا وجہ بن گئی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس کے امبرین یا اس کے گھر والوں سے ...ہو چکے ہیں۔ کیا دونوں کی آپس میں کوئی ناراضگی ہو گئی ہے؟" وہ حقیقتاً پریشان تھا۔

...نہیں ہے۔ بس حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے کہ کنارہ کشی موزوں حل دکھائی دینے لگا۔" وہ گہری سانس ...ئی۔ اتنا تو اسے بہت پہلے امبرین بتا چکی تھی کہ فاریہ مہران کے بھائی سفیان سے بیاہی جا رہی ہے۔

...کے جال بسا اوقات کس قدر گنجلک اور گمبھیر ہو جاتے ہیں۔

...؟" اظہر اس کے صبیح تر و تازہ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔ بہت عرصہ پہلے جب وہ ...کی ابتدائی بہاروں سے متعارف ہو رہا تھا' دل کے پردے پر ایک معصوم اور متوالی شبیہہ بڑی بے ...عالم میں جلوہ افروز ہوئی تھی۔

...ر گیا مگر وہ شبیہہ دھندلی ہونے کے بجائے مزید واضح اور شفاف ہوتی چلی گئی۔ تب وہ جونیئر کیڈٹ ہوا ...لیفٹیننٹ اور اب عنقریب کیپٹن کا عہدہ نام کے آغاز میں درج ہونے والا تھا مگر دل کی اسکرین پہ سجی ...کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اس کے برعکس اس شبیہہ کے رنگ اور گہرے اور نمایاں ہوتے چلے گئے ...مجسم اس کی نظروں کے سامنے آ گئی۔

...وہ مل ہی گئی تھی تو "کنارہ کشی" کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ ارشین اور امبرین کے حوالے سے ...کی خاموشی پر متفکر تو تھا مگر معاملے کے اس درجہ سیریس ہونے کا اندازہ نہیں تھا۔

...اجازت دیجیے گا۔ یہاں کھڑے ہونا مناسب نہیں لگتا۔"

...اس کی سوچوں سے بے نیاز اپنی دھن میں گویا تھی۔ وہ بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ کہیں بابا ...پڑ گئی تو بے قصور معتوب ٹھہرائی جاؤں گی۔ آج کل تو یوں بھی امبرین کی وجہ سے پورے گھر پہ ہیبت ...اس نے جھرجھری سی لی۔

...ایم ساری۔ آپ پلیز جائیے۔" اظہر نے فوراً بائیک اسٹارٹ کی اور خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

...ہیں کافر حسینہ۔" وہ چند قدم چلی ہو گی جب چلبلاتی ہوئی شوخ آواز کان پڑی۔

...قاتیں ہو رہی ہیں بھئی۔ ہم سے تو وہی خوش نصیب نکلا...... آہا۔" کھلنڈرے لہجے میں ہلکی سی کاٹ ...کے قدموں میں جیسے چکی کے پاٹ بندھ گئے۔ وہ ہراساں ہو کر مڑی۔ شاید اظہر وہاں کھڑا ہو۔

...ہائے میری ننھی چڑیا۔" ناصر ہنسا۔

...ہمیں بھی تو خدمت کا موقع دو۔ ہم تو تمہارے زیادہ اپنے ہیں۔ یہیں کے رہنے والے ہیں۔"

...راستہ چھوڑو۔" اس نے لہجہ ترش کر لیا۔

...بل بھر دی ہیں اس فوجی جوان نے۔ لہجہ ہے کہ تلوار ہے بھئی۔" وہ صاف مذاق اڑا رہا تھا۔

...جاؤ یہاں سے۔" وہ دانت پیس کر دھیمے لہجے میں غرائی۔

...ہائے اسی ادا پر تو مرتے ہیں میری جان۔"

...ذلت سے مر جانے کو جی چاہا۔ لامحالہ وہ کنی کترا کر آگے بڑھنے لگی۔

ہو سکے تو میرا ایک کام کرو
شام کا اک پہر میرے نام کرو

...گنگناہٹ اس بات کی شاہد تھی کہ وہ مستقل اس کے ساتھ ہم قدم تھا۔

...کسی کی نظر پڑ گئی تو افسانہ بن جائے گا۔

"کیا چاہتے ہو تم۔" وہ زچ ہو کر گردن موڑ کر اس کی صورت دیکھنے لگی۔ جواب میں وہ لاابالی انداز میں ہنسا
"بہت کچھ مثلاً تمہارا یہ حسن' یہ جوانی' یہ ادا و ناز یہ......"
"اوہ۔ بند کرو اپنی بکواس۔" ناچار اس نے دوبارہ قدم آگے بڑھا دیے۔ گھر قریب آتا جا رہا تھا اور فکر سے موئی ہوتی جا رہی تھی۔
"جاؤ۔ اب تو جان چھوڑ دو۔" وہ آواز دبا کر سرگوشیانہ منت گزار ہوئی۔ وہ اسے کسی بھی طرح رام کر کے جانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"ہائے میرے اللہ۔ ایک بار پھر کہو۔ ایسی ہی رس بھری پیار ٹپکاتی آواز میں۔"
ہونی ہو کر رہی۔ موڑ مڑتے ہی بابا جان گھر کے گیٹ کے آگے کھڑے دکھائی دے گئے۔ ایک قدم پیچھے نوجوان کے ملتے ہوئے ہونٹ اور بیٹی کی جوابی گفتگو کو وہ سن نہیں رہے تھے مگر دیکھ تو ضرور سکتے تھے۔
"اوہ مائی گڈنیس۔ وہ' وہ میرے بابا جان کھڑے ہیں۔" دور سے دیکھتے ہی شاہین پر ہیجان طاری ہو گیا۔
"باپ رے۔" تھا تو لونڈا ہی لڑکی کے باپ کو سامنے پا کر ساری بدمعاشی ہوا ہو گئی۔
"چلتا ہوں بھئی۔ چلو آج کی مہم کا اتنا فائدہ تو ہوا کہ آپ کی محل سرا کے بارے میں پتا چل گیا۔ ایک تجسس تھا کہ کہاں رہائش پذیر ہیں شہزادی صاحبہ۔"
وہ اپنے مخصوص لاپروا۔ انداز میں فقرے اچھالتا خدا حافظ کہہ کر روانہ ہو گیا۔ شاہین کا جی چاہا جہاں کھڑی ہے وہیں غرق ہو جائے۔ بابا جان کا سامنا۔
وہ من من بھر کے قدم اٹھاتی گیٹ تک پہنچی تو حیرت انگیز طور پر بابا جان خاموش رہے۔ شاہین نے ان کے پاس سے گزرتے ہوئے چور نظروں سے ان کا چہرہ ملاحظہ کیا۔ وہ سڑک کے پار لگے درخت کے پتوں پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ وہ اندر آ گئی۔ کمرے میں داخل ہوئی تو ایک جھٹکا سا لگا۔
"بی بی جان۔" صدمے اور وحشت سے وہ ساکت رہ گئی۔
"یہ کیا کیا ہے آپ نے۔ امبر باجی کو رسیوں سے کیوں باندھا ہے؟" وہ تیر کی طرح بیڈ کی سمت لپکی۔ کلیجے جیسے کسی نے سینکڑوں بھالے اتار دیے تھے۔
امبرین ترچھے مڑے انداز میں بیڈ پر اوندھی کراہ رہی تھی۔ شاہین نے اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی تو وہ طرح چیخنے لگی۔
"کیا کرتی میں پھر بتاؤ۔" بی بی جان بے بسی سے بولیں۔
"چھوڑ دو اسے اس کے حال پر۔"
"امبر باجی۔ ہوش کریں۔ آنکھیں کھولیں۔" وہ اس کے گال تھپتھپا رہی تھی۔
"مجھے لا دو' مجھے لا دو۔" امبرین ہانپ رہی تھی۔
"کیا لا دیں۔ کیا چاہیے امبر باجی۔" وہ بے قراری سے اس پر جھکی۔ دونوں ہاتھ اور پاؤں رسی سے بندھے۔ مزاحمت کرنے سے رسیاں کلائیوں اور ٹخنوں پر زخم بنا رہی تھیں۔ بہن کی یہ حالت دیکھ کر شاہین کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔
"کیا تجھے نہیں پتا' کیا چاہتی ہے یہ۔" بی بی جان شاہین پر بگڑنے لگیں۔
"چل چھوڑ اسے اور باہر آ۔" انہیں ڈر تھا ہمدردی میں آ کر وہ رسیاں کھول دے گی۔
"بی بی جان! اس کی حالت دیکھیں۔ آپ کو ترس نہیں آتا اس پر۔" شاہین پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"یہ مر جائے گی اس طرح۔"
"نہیں مرے گی۔ اسی طرح تو ٹھیک ہو گی۔ دل پر بھاری پتھر رکھ لے۔ مجھے دیکھ' میں تو ماں ہوں۔ نہ زخم کھول۔ منہ کھول۔ آ جا باہر۔"

"کھانا کھلایا ہے اسے۔" شاہین بے چینی سے امبرین کے بال سہلانے لگی۔
"کچھ نہیں کھا رہی۔" بی بی جان پریشانی سے بولیں۔ اب کے لہجہ دھیما تھا۔
وہ مارے باندھے اس کے پاس سے ہٹ گئی مگر رات کو جب سونے کے لیے اس کے پاس کمرے میں آئی تو اس کی آہ و زاری اور بین سن کر دل پگھل کر پانی ہوتا چلا گیا۔
"میں تیری منت کرتی ہوں' تیرے پاؤں پڑتی ہوں شاہین۔ میری بہن! مجھے بچا لے۔" باتھ روم لے جانے کے لیے شاہین نے اس کے ہاتھ پاؤں کھولے تو امبرین اس کے قدموں میں گر گئی۔
"امبر باجی۔ خدا کے لیے۔" شاہین تڑپ کر جھکی اور اسے اٹھا کر بازوؤں میں لے لیا۔
"میری زندگی بچا لے شاہین! نہیں تو مجھے چھری لا دے کہ میں اپنا نرخرہ کاٹ ڈالوں۔ میں لمحہ لمحہ مر رہی ہوں شاہین! میں مر رہی ہوں۔" وہ دھاڑیں مار مار کر رونے سسکنے لگی۔
"میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں امبر باجی۔ کچھ بھی تو میرے بس میں نہیں ہے۔" وہ امبرین کے آنسوؤں میں چپکے بالوں کو ہٹا رہی تھی۔
"ہے۔ تمہارے بس میں ہے شاہین۔" امبرین نے بلکتے ہوئے اس کا شانہ دبوچنے کی کوشش کی۔
"اچھا بتائیں' کیا کروں میں۔" شاہین سے اس کی حالت دیکھی نہ گئی بالآخر ہار کر گویا ہوئی۔
"وہ ادھر پیرودھائی کے پاس ایک جگہ ہے اس پلازے کے نچلے فلور پر۔ اچھا ٹھہرو' قلم دو۔ میں تمہیں لکھ دیتی ہوں۔ وہاں سے مل جائے گی۔"
"میں اس طرف کبھی نہیں گئی امبر باجی! میں راستہ بھول جاؤں گی۔" اس نے منت کی وہ خوفزدہ بھی تھی اور بہن کی محبت سے مجبور بھی۔
"نہیں بھولے گی۔ میری پیاری بہن۔" وہ جھپٹ کر کاغذ الماری سے نکالنے لگی۔
"مگر میں جاؤں گی کیسے؟" وہ بے بسی سے امبرین کی شکل دیکھنے لگی۔
"کل' کالج کے بعد واپسی پر لے آنا۔"
"لیکن میرا کالج کا روٹ دوسرا ہے اور پھر میں کالج بس سے آتی ہوں۔"
"کل بس سے نہ آنا۔"
"اگر کسی نے دیکھ لیا تو میں گلے گلے پھنس جاؤں گی۔"
"کون دیکھے گا۔" امبرین نے کاغذ پر ایڈریس لکھا۔
"فرض کریں' بابا جان مل گئے انہیں کیا جواز پیش کروں گی۔ کیا کہوں گی کہ یہاں کیا لینے آئی ہوں۔ ظاہر ہے وہ میرے راستے میں نہیں پڑتی۔ اور کبھی اکیلی گھر سے بازار یا مارکیٹ کے لیے بھی نہیں نکلی کبھی کالج پرائیویٹ ٹرانسپورٹ پر نہیں گئی۔ کیا بہانہ کروں گی۔ کیا کہوں گی۔ نہیں امبر باجی!۔ میں ایسا نہیں کروں گی۔" کوئی ان دیکھی طاقت اسے احساس دلا رہی تھی کہ وہ پھنس جائے گی۔
"میری زندگی کے لیے بھی نہیں شاہین۔"
جانے کیا تھا اس ایک جملے میں کہ شاہین کا دل پھر ڈانواں ڈول ہو گیا۔ اس پر مستزاد صبح جب وہ کالج کے لیے نکلی تو امبرین کی ہوش سے بیگانہ کیفیت دیکھ کر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بات ماننے پر تیار ہو گئی۔
کچھ بھی تھا تھی تو وہ سترہ برس کی ایک کم سن اور ناسمجھ لڑکی۔ بہن کی آہ و زاری دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا۔ مگر وہ جو مانگ رہی تھی وہ اسے زندگی سے مزید دور لے جاتا۔ یہ امبرین کی مدد نہیں تھی کہ اسے وقتی تسکین کے لیے زہریلا نشہ فراہم کیا جائے۔
سارا دن کالج میں وہ ذہنی طور پر غیر حاضر رہی۔ بار بار خیال آتا نہ جائے۔ جانے کیوں اس کی نظروں میں طرح طرح کے بھیانک خاکے کھنچ رہے تھے۔

"شاہین! کالج بس نکلنے والی ہے۔ ادھر گیٹ پر کھڑی کیا سوچ رہی ہو۔" چھٹی کے وقت اس کی کلاس فیلو نے ٹھوکا دے کر اسے بیدار کیا۔

"آج میں کالج بس پر نہیں جاؤں گی۔" وہ بتا کر ڈرتے ڈرتے گیٹ سے باہر نکلی پہلی مرتبہ وہ خود سے سفر کرنے جا رہی تھی۔ ہر ہر قدم پہ خوف و ہراس پنجے نکال کے رفتار سست کر دیتا۔

"ایسا کرتی ہوں ٹیکسی کر لیتی ہوں۔" بہت سوچ بچار کے بعد اس نے فیصلہ کیا۔ امبرین کا دیا ہوا ہزار روپے کا نوٹ اس کے بیگ کی جیب میں تھا۔ اسی میں سے کرایہ دیا جا سکتا تھا۔

مطلوبہ مقام پر پہنچتے ہی اسے پھر سے ڈر لگنے لگا۔ سامنے بسوں و ویگنوں کا اڈہ تھا۔ بے تحاشا ٹریفک، بے شمار لوگ اور پلازے کے اطراف بنی رنگ برنگی چیزوں کی دکانیں۔ نیلی وردی میں پولیس کے سپاہی بھی کہیں کہیں دکھائی دے رہے تھے۔

"اگر کسی نے مجھے ہیروئن لاتے ہوئے دیکھ لیا؟ یا پولیس نے پکڑ لیا تو؟" اس کے دل میں آیا واپس ہو لے۔ بار بار کوئی خیال ذہن میں دستک دے کر خبردار کر رہا تھا۔

"اب یہاں تک آ ہی گئی ہو تو مزید ہمت کر لو۔" امبرین کا بلکتا سسکتا سراپا تصور میں آ کر درخواست گزار ہوا تو وہ ہمت کر کے ٹیکسی سے اتر آئی۔

کالج کے یونیفارم میں پھرنا اسے بہت آکورڈ لگ رہا تھا مگر مجبوری تھی۔ پلازے میں داخل ہونے تک اسے ہر ہر قدم پر لوگوں کی نظریں جسم میں سوراخ کرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ مطلوبہ فلور پر پہنچ کر اس نے ماتھے سے پسینہ پونچھا اور امبرین کی ہدایت کے مطابق "رابطے کے کوڈ ورڈز" کاؤنٹر پر بیٹھے مونچھوں والے پٹھان کے آگے دہرائے۔ یہ لوڈ لیلی شاہ کے بندوں کے حلقے میں استعمال ہوتا تھا۔

آدمی ٹھٹکا پھر غور سے اس کی صورت دیکھنے کے بعد پھنکارا۔

"کتنے کا مال چاہیے۔" لہجے میں عجیب سی غراہٹ تھی۔

شاہین نے نو سو روپے نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیے۔ دکان دار نے نیچے جھک کر سفید پاؤڈر کی دو تین تھیلیاں اٹھائیں اور اس کے آگے پھینک دیں۔

"جلدی سے شکل گم کرو۔ آج کل بڑا سختی ہے بی بی۔" وہ دوبارہ لاتعلق بن گیا۔

شاہین نے مال بیگ میں رکھا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتی باہر آ گئی۔ وہ کسی ٹیکسی کی تلاش میں تھی جب بدقسمتی سے ناصر سے ٹکراؤ ہو گیا۔ وہ ابھی ابھی ایک ویگن سے اترا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی تیر کی طرح لپکا۔

"آہا میں صدقے میں واری۔ میری جان ادھر کھڑی ہے میرے انتظار میں۔" شاہین کا خون خشک ہو گیا۔ یا اللہ ایک نیا امتحان۔

"یہاں کیا کر رہی ہو میری سرکار۔" وہ لہک کر بولا۔ نظریں بھرپور انداز میں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

وہ سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کوئی جواب دینے کی کوشش کر رہی تھی کہ دفعتاً نگاہ بائیں طرف ویگن اسٹینڈ کے پاس رکتی ریڈ سوزوکی پر پڑی۔

گاڑی عدنان چلا رہا تھا اور بابا جان ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے تھے، ان کی نظریں براہ راست شاہین اور اس کے ساتھ کھڑے لڑکے پر جمی ہوئی تھیں۔ زمین و آسمان اس کی نظروں میں گھوم کر رہ گئے۔

شاہین کے اندر خوف و دہشت کی پھریری کچھ اس طرح سرتاپا سرایت کر گئی کہ وہ سوچے سمجھے بغیر وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔

"ارے حضور! کیا ہو گیا۔ کیا دیکھ لیا جو ہرنی کی طرح قلانچیں بھر رہی ہیں۔" پیچھے سے ناصر کی آواز سنائی دے رہی تھی مگر اس وقت اسے کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔

بس یہی دھن تھی کہ کسی نہ کسی طرح بابا جان کی نظروں سے چھپ جائے۔ وہ ناصر کے ساتھ دیکھ لی گئی ہے

پہلے بھی یہ لڑکا ان کی نظروں میں آ چکا ہے۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ وہ کالج کے بہانے اس کے ساتھ ڈر اس یقین کے بعد اس کے ساتھ کیا سلوک ہو گا اس کا کیا حشر کیا جائے گا۔ یہ سوچ کر ہی اس کی روح وہ ان کی رسائی سے دور ہونے کے لیے بھاگتی چلی گئی۔ کئی لوگوں نے اسے دیکھ کر پاگل کی بچی کہہ کر نظر گا۔ جانے کس کس سے ٹکرائی، کن کن رستوں سے گزری اور کہاں کہاں سے موڑ مڑی اسے ان نہیں تھا۔ ناصر کی آواز کہیں دور رہ گئی تھی۔

دماغ خراب ہو گیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ لاپروائی سے کندھے اچکا کر اپنی راہ ہو لیا تھا۔

بھاگتے مڑی اور اسی لمحے تیزی سے آتی ہوئی کرولا سے ٹکرا کر گری۔ ڈرائیو کرنے والے نے بڑی بریک لگا کر اسے بچایا تھا ورنہ ٹاپ گیئر پہ سو میل کی رفتار سے دوڑتی بھاگتی گاڑی اس کے نازک وجود کر گزر جاتی۔

کا دماغ خراب ہو گیا ہے مس۔"

چکراتے ہوئے سر کو تھامے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی جب ایک پختہ عمر کا بارعب اور پُروقار نظر آنے سوٹ میں ملبوس سوبر مرد اس کے قریب آ کر جھکا۔ اس کے جھکنے سے ایک سحر انگیز خوشبو نے اس کا

خیریت گزری۔ اٹھیے اب۔" مرد کے جملے ہوئے انداز میں بھرپور نفاست اور متانت تھی۔ یہی جب اس نے سہارے کے لیے دایاں ہاتھ بڑھایا تو شاہین بلا سوچے سمجھے اسے تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

جا رہی تھیں آپ اور کہاں رہتی ہیں۔"

اس کی مدد کرنے میں سنجیدہ تھا۔ یا اپنے فطری مہذب پن سے مجبور تھا کہ چوٹ کھائی ہوئی لڑکی کو پہنچانا فرض خیال کیا تھا۔

نے غور سے اس کا شاندار اور بھرپور سراپا دیکھا۔ مرد کے ایک ایک انداز میں بردباری، وقار اور مردانگی نمایاں تھی کسی حد تک نقوش مانوس سے لگے۔ یوں جیسے کسی شناسائی کی ہلکی سی رمق محسوس ہو۔ ان اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ شاہین کے کم سن و نامراد ذہن نے اسے نجات دہندہ ہی تصور کیا تھا۔

یہاں سے لے چلیں۔ میں کچھ آگے جا کر اتروں گی۔" وہ عجلت سے بولی۔

"اس نے فرنٹ ڈور کھولا اور پھر ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔

تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگی۔ شاہین کا دل بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میں کیا کر رہی ہوں۔ کا ارادہ کیا ہے؟ کیا کروں کہاں جاؤں۔ بہت سے خیالات آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا اڑا اڑا پھر رہا ہے۔ کوئی خیال صحیح سے جم نہیں پا رہا تھا۔

سامنے پلٹتے ہوئے دیکھ ہی لیا تھا کہ عدنان بابا جان کے اشارے پر گاڑی روکنے کے بعد نیچے اترا تھا یقیناً بڑھا تھا کہ وہ بھاگ پڑی۔

کا بھاگنا بابا جان اور عدنان دونوں کی نظر میں تھا۔ وہ کس طرح اپنی صفائی دے سکے گی۔ حالات ہر لحاظ مجرم بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ بابا جان نے دو تین بار ناصر کو اس کے آس پاس دیکھا تھا وہ جانے کس ضبط کیے ہوئے تھے اور کیا سوچ کر کل روک کر پوچھ گچھ نہ کی تھی مگر آج تو حد ہو گئی تھی۔ اسے اس بس میں ہونا چاہیے تھا مگر اس کے برعکس وہ ایک بالکل انجان اور روٹ سے الگ جگہ پر لڑکے کے ساتھ پائی گئی تھی۔ چونکہ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی اسی لیے باپ اور بھائی کو دیکھ کر مجرموں کی طرح ہوئی تھی۔

گہری سانس لی۔

کس منہ سے اپنی برات کا یقین دلائے گی!

کیا ثبوت پیش کرے گی کہ وہ کیا لینے گئی تھی اس جگہ پر غیر ارادی طور پر اس نے گھٹنوں پہ رکھے بیگ کو ٹٹولا
ثبوت تو اندر پڑا تھا۔

"کہاں جانا ہے آپ کو۔" بالآخر وہ صاحب تنگ آکر پوچھنے لگے۔ شاہین نے ہڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ تو ایف
سیون کی طرف آگئے تھے۔

"مم' میرا گھر پیچھے رہ گیا ہے۔" وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں چونک کر بتانے لگی۔

"ادھر انڈسٹریل ایریا کی طرف موڑ لیجیے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ پہلے کیوں نہیں بتایا۔ وہاں سے تو بہت نزدیک تھا۔" وہ جھلاہٹ کی آخری حدوں پر تھے
پیشانی پر لاتعداد شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔ بڑبڑاتے ہوئے لامحالہ گاڑی واپس موڑی۔

"آپ پر افتاد کیا پڑی ہے محترمہ! عجیب پاگلوں کا سا بی ہیو کر رہی ہیں۔" وہ جھنجھلاتے ہوئے انداز میں گویا
ہوئے۔

"جج' جی' جی کچھ نہیں۔" وہ سر جھکا کر بیگ کی زپ کھولتے ہوئے کسی سوچ کے عفریت سے الجھ رہی تھی۔
اسے خبر ہی نہ ہوئی کب بیگ کی زپ کھلنے سے ہیروئن کے دونوں پیکٹ گاڑی کے فرش پر گر پڑے۔ خبر تو تب ہوئی
جب ان صاحب نے اچانک گردن موڑ کر دیکھنے کے بعد جھک کر انہیں اٹھایا۔

"یہ' یہ کیا ہے۔" وہ بے یقینی سے کبھی پیکٹ اور کبھی اس معصوم کمسن نظر آنے والی بے وقوف سی لڑکی کو دیکھ
رہے تھے۔

"یا خدا۔" شاہین کا چہرہ سفید ہو گیا۔

"یہ تو ہیروئن ہے۔" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ شاہین کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

"بتاؤ۔ یہ کہاں سے لیے ہیں تم نے؟" ان کا لہجہ سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا تھا۔ "تو تم اس کیریکٹر کی لڑکی
ہو۔" وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ انہوں نے ایک نسبتاً سنسان جگہ پہ گاڑی روک لی۔

"سچ سچ بتاؤ لڑکی! کون ہو تم اور کیا دھندا کرتی ہو۔ بتاؤ ورنہ میں اگلی پولیس چوکی پر گاڑی روک کر تمہیں پولیس
کے حوالے کردوں گا۔" لہجہ اتنا تند اور سرد و بے رحم تھا کہ اس کا ننھا سا دل تاب نہ لا سکا۔

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ پھر اسی طرح روتے ہوئے بچوں کے سے انداز میں
مختصراً سب کچھ بتاتی چلی گئی۔

"میری بہن ایک بری عورت کے چنگل میں پھنس کر ہیروئن کی عادی ہو گئی تھی جب گھر والوں کو پتا چلا تو اسے
باندھ کر گھر میں قید کر لیا۔ اس کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی ہر وقت اپنا جسم نوچتی رہتی تھی اور نشے کے لیے
گڑگڑاتی تھی' مجھ سے رہا نہیں گیا اس کے کہنے پر اس کی بتائی ہوئی جگہ پر پڑیاں لینے چلی گئی۔"

"کہاں رہتی ہو تم۔" وہ غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ "اپنا' اپنے والد کا نام اور پورا ایڈریس بتاؤ۔ تمہاری
بہن کا کیا نام ہے۔" وہ پوری طرح تفتیش کر رہے تھے جیسے اس کے بیان کی سچائی کا اندازہ لگانا چاہتے ہوں۔ شاہین
نے نجات پانے کے لیے بتا دیا۔ ایڈریس سنتے ہی وہ بری طرح چونک گئے اور اسے یوں گھورنے لگے جیسے پہلی مرتبہ
دیکھ رہے ہوں۔

"کیا تمہاری کسی بہن کا نام ارشین بھی ہے وہی جو کسی زمانے میں ایک مشہور مصورہ رہی ہے؟"

"جی ہاں۔"

"ہوں۔" انہوں نے سرتاپا اسے دیکھا اور گہری سانس لی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی نظروں میں شیطان ناچنے
لگا۔

ارشین بخاری سے انتقام لینے کا اس سے اچھا طریقہ کیا ہو گا کہ اس کی بہن کو برباد کر دیا جائے۔ ایک کو تو لیلیٰ شا
ہیروئن کی لت ڈال کر نشانِ عبرت بنا ہی چکی ہے۔

...ھو مائی سویٹ بے بی۔" دفعتاً ان کا لہجہ بدل گیا۔ گھاگ شکاری مصلحتاً مشفق و خلیق مربی کے لبادے
...پ گیا۔

...م جانتی ہو' آج کل ویسے بھی اس ایریا میں پولیس ناکہ بندی کر کے پرائیویٹ گاڑیوں کو چیک کر رہی ہے۔
...ں اگر چیکنگ ہوئی تو تمہارے ساتھ ساتھ میں بھی پھنسوں گا کہ بہرحال ہیروئن میری گاڑی سے برآمد ہو
...ما

...ہر۔" شاہین نے خوفزدہ ہو کر ان کی صورت دیکھی۔
...بہتر یہ کہ فی الحال آپ میرے ساتھ چلیے میں آپ کو کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دیتا ہوں۔" انہوں نے گاڑی
...بڑھا لی۔

...مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ بے چینی سے گھڑی کی سوئیاں دیکھنے لگی۔ وہ پہلے ہی تقریباً "پون گھنٹے لیٹ ہو چکی

...را مشورہ مانیں تو ایسی صورت حال میں گھر نہ جائیں۔ بقول آپ کے آپ کے والد اور بھائی آپ کو اس
...انہ جگہ پر گھومتے پھرتے دیکھ چکے ہیں۔ دوسرے آپ کو ایک غنڈے سے الجھتے دیکھ کر غلط فہمی کا شکار بھی
...ہے میں عین ممکن ہے کہ آپ گھر پہنچیں تو ان کے شدید غیض و غضب اور تشدد کا نشانہ بنیں آپ کچھ دیر
...رجائیں تو بہتر ہو گا۔"

...شکل پہ تحریر سنجیدگی کی لکیر کو پڑھتے ہوئے شاہین نے یونہی سر ہلا دیا مگر درون دل وہ سخت مضطرب تھی۔
...دیر ہوئی وہ اتنا ہی آگ بگولہ ہوں گے۔
...ائیں کیا کروں۔
...اپنا آپ کسی اندھے کنوئیں میں گرتا محسوس ہو رہا تھا۔

...لر مہدی بہت دیر تک گاڑی ادھر سے ادھر دوڑاتے رہے۔ پھر وہ پنڈی کی طرف ہو لیے اور لاہور جانے
...راہ پر گاڑی ڈال دی۔ وہ سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بے آواز روتی رہی۔

...عالی پونے تین بجے گھر آجاتی تھی۔ پہلے چار بجے اور پھر پانچ پھر اس نے جیسے کسی بھیانک خواب سے جاگ
...ایا۔ ارد گرد شام کے گہرے سائے تھے اور سڑک کے دونوں اطراف پھیلی اونچی نیچی جھاڑیوں سے لدی
...اور ٹیلے۔

...ہم کہاں جا رہے ہیں۔ یہ کون سی جگہ ہے۔ میرے خدایا شام ہو گئی ہے اور اور اب تک میں گھر سے باہر
...بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔

...بس' ریلیکس بھئی۔ ابھی واپس چلتے ہیں۔" ابھی تک ان کے ذہن میں کوئی واضح خاکہ سامنے نہیں آیا
...کسی نتیجے پر پہنچنا چاہ رہے تھے۔

..." شاہین کی آنکھیں پھیل گئیں پھر اس نے جھرجھری سی لے کر ان کی آستین پکڑ لی۔
...بھائی صاحب۔ میں اب واپس نہیں جاؤں گی۔"
...مطلب۔"

...جا ہی نہیں سکتی۔" احساسِ بیچارگی اسے رلائے دے رہی تھی۔
...ابا تو بابا جان مجھے مار ڈالیں گے۔ میرے اتنے سارے گناہ ہیں۔ آخر۔ اگر مجرم نہ ہوتی تو کیوں بھاگتی
...نہیں گے تین گھنٹوں سے کہاں تھی میں کیا کر رہی تھی۔ کس کے ساتھ تھی۔ اف اللہ مجھ سے کتنی
...ہو گئی۔ کیسا پردہ پڑ گیا تھا میری آنکھوں کے آگے۔ کیوں میں نے امبر باجی کی بات مانی۔"

...اندر شدتوں سے روئی کہ روتے روتے بے ہوش ہو گئی۔ پروفیسر دانیال کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ وہ اس
...کے آس پاس تھے۔ قریبی ہسپتال لے جانے اور شاہین کے ہوش میں آنے تک رات کے آٹھ بج

وہ ہوش میں تو آ گئی مگر صدمے کی شدید کیفیت نے عارضی طور پر اس کی ذہنی صلاحیتوں کو مخدوش کر دیا تھا۔ خالی خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ اس دوران پروفیسر صاحب بھی لائحہ عمل ترتیب دے چکے تھے۔

"آؤ چلیں۔" حیرت انگیز طور پر شاہین نے ان سے گھر جانے کے لیے نہیں کہا چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی جیسے اب اسے اپنے انجام کی کوئی فکر نہ رہ گئی ہو۔

پروفیسر صاحب بھی یہی چاہتے تھے۔ واپس چھوڑنے کا کام تو انہوں نے یوں بھی نہیں کرنا تھا' بھلے اس کے لیے انہیں اس سے زبردستی ہی کرنی پڑتی۔ یہ تو قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ شدید خوف و ہراس اور دہشت سے مغلوب ہو کر شاہین کی ذہنی کیفیت ہی کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ وقتی طور پر اس کا خود پر سے اختیار ختم ہو گیا تھا۔

پروفیسر صاحب کا رواں رواں مسرت سے سرشار تھا۔

وہ اسے لاہور لے آئے اور پی سی میں کمرہ بک کرانے کے بعد اسے ہمراہ لیے نشے سے سرشار قدم بڑھاتے لفٹ میں داخل ہو گئے۔ احساسِ فتح مندی سے ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ارشین بخاری کی کم سن بہن کو راستے سے بھٹکا کر بربادی کے اندھیروں میں گھسیٹ لانے کا تصور انتقام کے بہت سے شعلوں پر چھینٹے ڈالنے کا تھا۔

"بھگتو ارشین بخاری۔ بھگتو یہ عذاب۔ اٹھاؤ ذلت و رسوائی کے انبار۔ تمہیں بھی تو پتا چلے کہ پروفیسر دانیال مہدی جیسے شخص کو ٹھکرانے اور دھوکا دینے کی کیا سزا ہوتی ہے۔"

◆◆◆

ولیمہ بخیر و خوبی نپٹ گیا تو نینی نے کسی نہ کسی طرح مہران کو ہنی مون ٹرپ کے لیے شمالی علاقہ جات روانہ ہونے پر آمادہ کر ہی لیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر پھر زندگی معمول پہ آ گئی۔ سفیان کو ایک بہت اچھی جگہ جاب ملی تو نینی کے کہنے پر مٹھائی لے کر فاریہ کی طرف آیا۔

بیل کی آواز پر فاریہ نے دروازہ کھولا۔ گرے شلوار قمیص میں ملبوس سفیان کو سامنے کھڑا دیکھ کر وہ الٹے پاؤں دوڑتی ہوئی اندر آ گئی اور کچھ سوجھا ہی نہیں تھا۔

"ہماری صورت اب اتنی بری بھی نہیں ہے کہ برداشت نہ کی جا سکے۔" وہ کھلے دروازے سے اندر آ گیا اور معنی خیز انداز میں مسکرا کر اس کا سراپا جانچنے لگا۔

"اسی دن کے لیے ہم نے اول روز پوچھ لیا تھا کہ "یس" اوکے ہے یا۔ بائی داوے۔ یہ آپ کے ہاتھ پاؤں کیوں کانپ رہے ہیں؟"

وہ راہداری میں رکھے صوفہ سیٹ پر نشست سنبھالنے کے بعد فراغت و استحقاق سے اس کا معائنہ کر رہا تھا۔ سادہ طبع فاریہ کی جان پر بننے لگی۔

"وہ مما' پاپا گھر پر نہیں ہیں۔" وہ بمشکل بولی۔

"لیکن میں تو ان سے ملنے نہیں آیا۔" وہ اس کی بوکھلاہٹ کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اندازِ نشست ایسا تھا جیسے طویل مدت تک اٹھنے کا ارادہ نہ ہو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ گھبرا کر نظریں اٹھائیں۔ لیکن اس کی سمت دیکھ سکی۔

"گھر پر اس وقت کوئی بھی نہیں ہے۔" لہو گرما دینے والی ان نظروں میں جانے کیا تھا کہ اس کا چہرہ یکلخت دہک اٹھا۔ وہ ہنس پڑا۔

"ترغیب دینا تو اچھی بات نہیں ہے جانم۔ کیوں پٹڑی سے اتارتی ہو۔ مبادا دل آج ہی رخصتی کے لیے مچل جائے۔" اس کی آواز میں شرارت کا خمار تھا۔

"سفیان۔" وہ رونے والی ہو گئی۔ وہ اسے کس قدر ستا رہا تھا۔ وہ پھر آہستگی سے ہنس دیا۔

ارشین کی وجہ سے احساس جرم اس درجہ اعصاب پر حاوی تھا کہ وہ اپنی چھوڑ بھائی کی خوشی کو بھی خوشی کی طرح محسوس کرنے سے قاصر رہا تھا۔ صحیح معنوں میں وہ آج پہلی بار اس سے منکوحہ کی حیثیت سے متعارف ہو رہا تھا۔

سرخ ہلکے پھلکے گھریلو لباس میں چنری کا دوپٹہ غیر ارادی طور پر شانوں پہ درست کرتی حیا و بے بسی کا انداز لیے پیاری سی لڑکی کو وہ بے اختیار بار بار دیکھ رہا تھا۔

نینی کی خواہش کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس کا انتخاب سفیان نے کلی طور پر عقلی بنیادوں پر کیا تھا لیکن اب محسوس ہو رہا تھا' دماغ کے فیصلے نے دل تک بھی سرنگ کھود ڈالی تھی۔ یا شاید نکاح کے بولوں سے منسلک قدرتی اپنائیت و ... کا احساس خود بخود دل میں لطیف جذبات جگا دیتا ہے۔

"کب تک "اٹین شن" حالت میں کھڑی رہو گی۔ بیٹھ جاؤ۔" اس نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر پھینکی۔ فاریہ فاصلے پر رکھی کرسی پر بحالتِ مجبوری ٹک گئی۔ سفیان نچلا ہونٹ دبا کر بے ساختہ مسکرا دیا۔

"دروازے کے قریب رکھی یہ کرسی غالباً "حفاظتی زون" میں شمار ہوتی ہے جو آپ نے اس کا انتخاب کیا ہے۔" وہ شرارت بھرے انداز میں مخاطب ہوا۔ "حالانکہ سوچنے کی بات ہے جو یہاں تک آ سکتا ہے وہ ان فاصلوں کو بھی پاٹ سکتا ہے۔" وہ اس کی سٹپٹائی ہوئی کیفیت سے جی بھر کر حظ اٹھا رہا تھا۔

فاریہ کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو تھا۔ اس کی تو خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی پزل اور کنفیوز کیوں ہو رہی ہے۔ اس نے بے چارگی سے سفیان کی طرف دیکھا۔

"حد کرتی ہو تم بھی یار۔" سفیان کو اپنا قہقہہ روکنا دشوار ہو گیا۔

"ہم کوئی اجنبی تو نہیں ہیں۔ اتنا کیوں گھبراتی ہو۔ عمر بھر کا ساتھ ہے۔ آخری سانس تک مشترکہ رفاقت رہے گی انشاء اللہ بہت سی رازداریاں ہوں گی ہمارے بیچ۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ کچھ بتانا پوچھنا ہے۔"

اس کی سنجیدگی فاریہ کو حواسوں میں لانے کا سبب بن گئی۔ وہ قدرے اعتماد سے اس کی سمت متوجہ ہو گئی۔

"تم ارشین آپا کو جانتی ہو۔ ان کی بہن امبرین تمہاری کلاس فیلو رہی ہے؟"

فاریہ ٹھٹک کر سفیان کی صورت دیکھنے لگی۔

"کیا تم بتا سکتی ہو کہ امبرین مزاج اور کردار کے اعتبار سے کس قسم کی لڑکی تھی؟"

"وہ ارشین آپی کی بہن تھی اور انہیں آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔"

فاریہ اچنبھے سے بولی۔

"کسی کے تعارف کے لیے محض رشتے کا حوالہ کافی نہیں ہوتا۔ ہر شخص فطرتاً" اور مزاجاً" دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ میری اور مہران بھائی کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ بہرحال میں تم سے کچھ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا آئینہ ہونا چاہیے۔ چھپی ہوئی باتیں بدگمانی کو جنم دیتی ہیں۔ پوشیدگی بعض معاملات میں بہت بڑا جرم بن جاتی ہے اور ناقابل تلافی نقصان پہنچاتی ہے۔ گوکہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے مگر پھر بھی میں تمہیں بتانا چاہوں گا۔"

فاریہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"ارشین آپا کا میری زندگی میں ایک خاص مقام رہا ہے۔ جب ان کے حوالے سے ان کی بہن سے اتفاقاً" سامنا ہوا تو وہ مجھے اچھی لگنے لگی۔ میں نے نینی کے پوچھنے پر اپنی پسند بتائی مگر انہوں نے کسی وجہ سے انکار کر دیا۔ اس بات کی خبر امبرین کو ہوئی تو اس نے بڑے سطحی اور گرے ہوئے انداز میں سماج سے بغاوت کر کے شہر سے بھاگ جانے کی تجویز پیش کی۔ اس لمحے مجھے ادراک ہو گیا کہ میں جسے ہیرا سمجھتا تھا وہ عام سا بے قیمت پتھر ہے۔ میں نے اسے دھتکار دیا اور نینی کی پسند پر سر جھکا دیا۔ کچھ عرصے پہلے مہران بھائی نے ایک آپریشن کے بعد انکشاف کیا کہ امبرین کو ایک ہیروئن اسمگلر کے ٹھکانے پر نشے میں دھت گرفتار کر کے تھانے لایا گیا ہے۔ کیا تم بتا سکتی ہو' وہ شروع سے ایسی تھی یا پھر کسی کے جال میں پھنس کر منشیات کے دھندوں میں پڑی۔؟"

فاریہ کے چہرے کا رنگ لحہ بہ لحہ متغیر ہو رہا تھا۔ امبرین سے اظہار پسندیدگی ایک انوکھا انکشاف تھا، تاہم وہ ایک حقیقت پسند لڑکی تھی اور اس بات پر یقین رکھتی تھی کہ پارٹنر شپ میں ماضی کے واقعات کے حوالوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اصل اہمیت آج اور اس سے منسلک سچ کی ہے۔ حالیہ رشتوں اور ان کے خلوص کی ہے، ماضی تو بس ماضی ہے۔

"میں اس کی فیملی کے بارے میں کچھ زیادہ تو نہیں جانتی، تاہم اتنا ضرور علم ہے کہ اس کے والدین روایتی اور دقیانوسی خیالات کے مالک ہیں۔ وہ خواتین کی آزادی کے قائل نہیں ہیں۔ کسی حد تک تنگ نظر اور انتہا پسند بھی کہا جاسکتا ہے البتہ امبرین کو ارشین آپا کی سپورٹ حاصل تھی۔ وہ اپنی فیملی سے بہت مختلف تھیں پھر اچانک ان کی شادی کی خبر سنی گئی۔ امبرین گھر کی سخت اور گھٹن زدہ فضا سے تنگ آکر مناسب رہنمائی و شفقت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے غلط راستوں پر چل نکلی۔ میرا اس سے رابطہ مکمل طور پر منقطع ہو چکا ہے۔ کچھ وجوہات کی بنا پر امبرین نے مجھ سے دوستی ختم کر لی تھی۔"

سفیان خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"ایک بات پوچھوں؟" فاریہ کی آواز نے سناٹا توڑا۔

"ہوں۔" سفیان چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیا مہران بھائی کا دوسری شادی کا اقدام محض انتقامی کارروائی نہیں لگتا؟"

"وہ کس طرح؟"

"اگر وہ درنایاب بھابی کو اتنا ہی پسند کرتے تھے تو وہ ایک عرصے سے ان کے آفس میں کام کر رہی تھیں۔ یہ شادی بہت پہلے ہو جاتی۔ کہاں یہ کہ آنا" فانا" فیصلہ ہوا اور پھر اس پر عمل درآمد بھی ہو لیا۔ اس سے یہ احساس ذہن میں ابھرتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے ارشین آپا کو ذہنی اذیت سے دوچار کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے یہ قدم اٹھایا۔ آپ نے دیکھا ہے، وہ اس شادی سے خوش نظر نہیں آتے۔ اگر یہ محبت کی شادی تھی تو ان کے رویے اور انداز حرکات میں تبدیلی آنا لازمی امر تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ پرسوں وہ اور نایاب بھابی ہمارے ہاں کھانے پر مدعو تھے۔ میں نے غور سے ان کی ایک ایک حرکت اور انداز کا جائزہ لیا تھا۔ مجھے ان کا بھابی کے ساتھ رویہ مشینی اور رسمی سا لگا۔ وہ بے ساختگی اور بشاشت و بے تکلفی نظر نہیں آئی جو من پسند رشتے کا خاصا ہوا کرتی ہے۔"

یہ بات خود سفیان نے بارہا محسوس کی تھی تاہم فاریہ کی زبانی سن کر دلی مسرت ہوئی۔ یہ ذہنی ہم آہنگی ایک خوش آئند مستقبل کی علامت تھی۔

"بے تکلفی و بے ساختگی کا یہ مظاہرہ ہمارے درمیان بھی ہونا چاہیے کہ رشتہ تو وہی ہے۔"

سفیان نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر اس کے قریب آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی یا کہتی، اس نے تیزی سے اس کا دایاں ہاتھ تھاما اور ہونٹوں سے لگا کر اسی سرعت سے چھوڑتے ہوئے خدا حافظ کہہ کر واپس پلٹ گیا۔ یہ بھی نہ دیکھا کہ وہ کس بری طرح حجاب کے دائرے میں بندھ کر رہ گئی تھی۔

◆◆◆

سوشل ڈائجسٹ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر گزشتہ ماہ سے اس کے تقریباً" نصف سے زائد صفحات رنگین کر دیے گئے تھے۔ اسی حساب سے ارشین کا کام بڑھ گیا تھا۔ اب اسے اسکیچز، پینٹنگ اور کیلی گرافی کے ساتھ ساتھ ان میں کلرنگ کمبی نیشن بھی تیار کرنا ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ عرب بدوؤں اور صحارا کے صحرا میں سفر کرنے والے صحرانوردوں کی ایک دلچسپ داستان سے متعلقہ تصویر بنا رہی تھی۔ پوسٹر کلرز کی بہت سی شیشیاں اور برش ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ اونٹوں کا ایک قافلہ صحرا سے گزرتا دکھانا تھا۔ وہ پورے انہماک سے اس کام میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کام کے بعد اسے بچوں کے لیے مخصوص صفحات میں اس ماہ شامل کی جانے والی کہانی کی ایک دو تصویریں بنانا تھیں۔ طنز و مزاح کے صفحے میں کچھ مزاحیہ کارٹون ترتیب دینے تھے۔ یہ کام وہ گھر لے جا کر

سوچ رہی تھی۔

صاحب! کچھ صفحات میری "داستان" کے لیے بھی رکھیے گا۔" داور جمیل کے ساتھ اندر آرہا تھا۔

کی کون سی داستان ہے صاحب!" جمیل صاحب ہنسے۔

ے جناب بڑی ایکس کلوسیو اسٹوری بتانے آیا ہوں اسلام آباد سے۔ باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ پاس منشیات کا ایک بہت بڑا مرکز ہے جہاں سے سرحد پار اسمگلنگ کا کام دن رات جاری ہے۔ میں ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آیا ہوں۔ خاص الخاص اس مقصد کے لیے۔" آواز قریب آتی جارہی تھی۔

گرمی ہے بھئی یہاں۔" وہ آتے ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پنکھا تیز اشارہ کیا۔

گلاس ٹھنڈا پانی بھی پلاؤ برخوردار۔" ملازم لڑکا ظہیر لپک کر پانی کا جگ لے آیا۔

کا آخری ہفتہ جارہا ہے جناب۔ گرمی تو لازم ہوگی۔ بڑے شہروں میں سہولیات کی وجہ سے زیادہ محسوس مگر چھوٹے موٹے قصبوں اور خاص کر پنجاب کے دیہاتوں میں دوزخ کی آگ کا تجربہ خوب کیا جاسکتا جمیل صاحب پان منہ میں رکھتے ہوئے ہنسے۔

کون ہیں؟" تب ہی داور کی نظر کونے میں کرسی اور ڈیسک پر مصروف عمل خاتون پر پڑی۔ ارشین کی اس کی پشت تھی۔

پہلی مرتبہ تعارف تو کروایا تھا عالی جاہ۔ یہ آرٹسٹ ہیں ہمارے رسالے کی۔" ارشین اپنا تذکرہ سن کر مڑی تو داور کو یاد آگیا۔

یاد آیا۔ کیا حال ہیں مس آپ کے۔" نام اس کے ذہن سے نکل گیا تھا، اس لیے یونہی کام چلایا۔

ین نے خاموشی سے سرہلایا اور پھر اپنے کام میں لگ گئی۔

ے دو ٹھنڈے گلاس چڑھانے کے بعد وہ اور جمیل صاحب زور و شور سے میگزین سے متعلق مالی و انتظامی مواد کے انتخاب کے بارے میں بحث میں مشغول ہوگئے۔ وہ رنگوں کی شیشیاں کھنگالتے ہوئے اونٹوں کے نے کے لیے ملتا جلتا رنگ ڈھونڈ رہی تھی۔

پور رنگ نہیں ملتا تو کوئی سے دو رنگوں کو ملالیں، شاید بات بن جائے۔" اچانک پشت سے آواز آئی۔ کر پلٹی۔ اسی اثنا میں وہ ڈیسک کے قریب آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ اپنے کام میں اتنا منہمک تھی کہ بحث ختم اور جمیل صاحب کے کسی کام سے ہال کمرے سے باہر جانے کا پتا نہیں چلا تھا۔

دو رنگ یا دو چیزیں مل کر ایک نئے اور خوبصورت روپ کو جنم دیتی ہیں اور کبھی مل کر اپنی افادیت و بھی کھو بیٹھتی ہیں۔"

ش صاف کرتے ہوئے کسی سوچ میں گم ہو کر بولی۔ اس کے لب و لہجے میں عجیب سی بے دھیانی تھی، تاہم سکون اور ٹھہراؤ واضح محسوس کیا جاسکتا تھا۔ داور چونک کر گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

کوشش کریں تو لکھ بھی سکتی ہیں۔ ادارے کے لیے دہرا فائدہ ہو جائے گا۔ کیا آپ کو لکھنے لکھانے میں ے؟"

اور اگر ہوتی بھی تو میں اپنے پیشے سے غداری نہ کرتی۔" وہ احتیاط سے رنگ جمار ہی تھی۔ "ایک ایک ہی تخلیقی کام سے انصاف کیا جاسکتا ہے۔"

یسے ایک وقت میں ایک ہی بیوی رکھی جاسکتی ہے۔" داور کرسی گھسیٹ کر ڈیسک کے پاس آیا اور جم کر ایک نیام میں دو تلواریں رہ بھی کیسے سکتی ہیں۔" وہ ہلکے سے مسکرایا۔

سے کو ارشین کے چہرے کا رنگ بدلا۔ پھر وہ دوبارہ اپنے کام میں جت گئی۔

زخم کریدنے سے کیا حاصل ہے۔
داور اسے اور اس کے چلتے ہوئے ہاتھوں کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔
"کب سے کر رہی ہیں آپ یہ کام۔" اس کی سنجیدگی اس کی خاموشی' اس کی سادگی اور اس سادگی و سنجیدگی میں جھلکتی پختگی و بے ساختگی نے اس کے عام سے سراپے کو عجیب سا انوکھا وقار اور متانت عطا کر دی تھی۔ داور بے ساختہ اس کی ذات میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا۔ اس میں کچھ تھا جو دوسروں سے مختلف تھا۔ کوئی غیر معمولی چیز۔ کوئی الگ سا انداز۔ شاید اس کی آنکھوں کی سرخیوں میں رچے دکھ کی کیفیت۔ یا پھر بظاہر خاموش چہرے پر لکھی چیختی ہوئی محرومیاں۔ کچھ تو تھا جو اسے اپنی طرف متوجہ کر گیا تھا۔
داور کو وہ ایک ایسے ٹھہرے ہوئے سمندر کی مانند لگی جس کی آغوش میں لاتعداد بپھری ہوئی موجیں چنگھاڑ رہی ہوں۔ وہ ایک ایسا گھنا جنگل تھی جس کے سناٹے میں تند و تیز ہواؤں کا آسیبی شور ٹھاٹھیں مار رہا ہو۔
"ایک مدت گزر گئی۔۔۔" وہ جواب دینے کے ساتھ ساتھ اپنا کام بھی مکمل کر رہی تھی۔ "اب تو یوں محسوس ہوتا ہے بچپن سے کاغذ اور برش کا کھیل کھیل رہی ہوں۔"
اس کے لب و لہجے میں جو نفاست اور سلجھاؤ تھا' وہ مقامی افراد سے میل نہیں کھاتا تھا۔ داور نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی۔

"کیا آپ شروع سے یہاں اس علاقے میں رہتی ہیں؟"
"نہیں جی! کچھ عرصہ ہوا ہے اندازاً" ایک ڈیڑھ سال۔" وہ ایک تصویر کا کام مکمل کر چکی تھی اور دوسری شیٹ پر آؤٹ لائن بنا رہی تھی۔
"گاؤں میں کس کے پاس رہتی ہیں؟" داور کے لیے یہ ایک نیا انکشاف تھا۔ گویا وہ کسی عزیز رشتے دار کے ہاں قیام پذیر تھی۔
"اپنے گھر میں۔" اپنا جواب اسے خود ہی اجنبی لگا۔
"مگر آپ تو کہہ رہی ہیں' یہاں آئے ایک ڈیڑھ برس گزرا ہے۔" داور کھوجنے والے انداز میں دیکھ رہا تھا۔ آخر کرائم رپورٹر تھا۔ اسٹوری کا "اصل مسالہ" جانے بغیر خبر کی بنیاد کیسے کھڑی کر سکتا تھا۔
"اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔" اس نے شائستگی سے معذرت کر لی۔ داور دیکھ کر رہ گیا۔
"پیچھے سے کس علاقے سے تعلق ہے آپ کا؟" وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس موضوع پر بات کرنے سے کترا رہی ہے۔
"اسلام آباد سے۔" اس سے مختصر جواب اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔
"اسلام آباد؟" وہ پہلے متحیر اور پھر پُرجوش ہو گیا۔ "واؤ۔ کیا سرپرائز ہے۔ بھئی' میں بھی وہیں رہتا ہوں۔"
"جی۔ جمیل صاحب نے غائبانہ تعارف کروایا تھا۔" اسے مروتاً" کہنا پڑا۔ "غالباً" کسی اخبار میں کرائم رپورٹنگ کرتے ہیں۔"
"درست۔" پھر وہ دوبارہ اس کی کھوج میں لگ گیا۔ "میں نے آپ کے ڈاکومنٹس نہیں دیکھے۔ وہ جمیل صاحب کے پاس محفوظ ہوں گے اس لیے یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ آپ کی تعلیم کتنی ہے اور کس ادارے سے حاصل کی ہے۔"
ارشین نے آؤٹ لائن بنا کر مطلوبہ اسکیچ ترتیب دیا اور پھر قلم رکھ کر اس کی سمت مڑی۔
"آپ کی مجھ سے دوسری ملاقات ہے اور اب گزشتہ بیس منٹ سے ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ آپ نے اب تک میری ذات اور کارکردگی کے متعلق کوئی نہ کوئی اندازہ ضرور لگایا ہوگا' کیا تعلیمی نوعیت جاننے کے بعد اس قائم شدہ اندازے میں کسی تبدیلی کا امکان ہے؟"

ہیں۔ لیکن تعلیمی خانہ بہرحال انسانی شخصیت کے تعارف کا اہم جزو تصور کیا جاتا ہے۔" داور کے لہجے میں
تھا۔
آپ کا فون ہے اسلام آباد سے۔" ظہیر نے عجلت میں اطلاع دی۔
اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے کام سمیٹا اور تھوڑی دیر بعد واپس چلی گئی۔

◆◆◆

ہوا تمہارے بابا جان کو؟" عدنان نے سہارا دے کر بخاری صاحب کو گاڑی سے نکال کر لاؤنج کے تخت پر صباحت سامنے والے موڑھے پر چاول چن رہی تھیں۔ یہ افتاد دیکھ کر گھبرا کر تھال سمیت کھڑی ہو گئیں۔
گر آئی ہے کیا؟" عدنان کی سرخ آنکھیں' تیوریوں کے خطرناک بل اور بھنچا ہوا دھیما لہجہ کسی ناگہانی آفت ہی کر رہا تھا۔
تو ہے ناں۔" صباحت نے کلیجہ تھام لیا۔ ان کا تیز تیز دھڑکتا دل قابو سے باہر ہو رہا تھا۔
کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟"
شاہین کدھر ہے؟"
شاہین! وہ تو ابھی کالج سے نہیں لوٹی۔" کسی بری اور تکلیف دہ خبر کے پیش نظر قبل از وقت ان کا دل ڈوبنے

لوٹے گی بھی نہیں۔" بابا جان کا سانس پھول رہا تھا۔ "اس گھر کی بیٹیوں کو گھر لوٹنے کی عادت نہیں ہے۔ ے باہر کے رستے اچھے لگتے ہیں۔"
کیا ہو گیا؟" بی بی جان موڑھے پر ڈھے گئیں۔
ت کے چوبارے کا آخری کنگرا بھی گر گیا ہے۔ یہ ہے آج کی خوشخبری۔" وہ سینہ مسلتے ہوئے نڈھال تھے۔
بابا جان! میں سائرہ کے ساتھ گلی میں کھیل لوں؟" دس گیارہ سالہ ثمرین اپنی دھن میں بھاگتی ہوئی آئی تھی پھر اور بھائی کو بیٹھے دیکھ کر ایک دم سہم کر رک گئی۔
ہاں' جاؤ تم بھی۔" بابا جان نے اس کا بازو پکڑ کر باہر کی طرف دھکیلا۔
شاباش! تم کیوں پیچھے رہو۔ تم بھی ان کی پیروی کرو۔ جاؤ سب کی سب جاؤ۔" انہوں نے ہار کر اپنا سر تھام

ن ہراساں ہو کر اندر بھاگ گئی تھی۔
تم سے کہتا تھا ناں' بیٹیاں منحوس ہوتی ہیں۔ عزت و آبرو کی دشمن ہوتی ہیں۔ لاکھ کے آدمی کو راکھ بنا دیتی یں مانتی تھیں تم۔" ان کا لہجہ بہت دھیما تھا۔
شاہین کہاں گئی ہے؟" صباحت کا لہجہ کانپ رہا تھا۔
میں نے دو تین دفعہ اس لڑکے کو اس کے آگے پیچھے دیکھا تھا مگر شک کے یقین میں بدلنے سے پہلے حالات کا ضروری سمجھا۔ وہ بڑی دونوں بہنوں سے مختلف تھی۔ چھوٹی موئی اور گھریلو سی۔ سوچا کہیں اندازے کی غلطی نہ بگاڑ دے۔ اس لیے چپ سادھ لی۔ مگر نہیں عورت وہ بلا ہے جس کو جتنی آزادی دو گے اتنا ہی زیادہ ان مارے گی۔ وہ آج اس کے ساتھ اڈے پر پہنچی ہوئی تھی۔ خدا جانے شہر چھوڑ کر جا رہے تھے یا گھوم رہے تھے۔ عدنان! تم اس بدبخت چھوکرے کا پتا چلاؤ' اسی سے کچھ سراغ مل سکے گا۔ میں ان دونوں کا خون کرنے کے بعد ہی خود کو گولی ماروں گا۔"
کچھ کہے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

باباجان تخت پر گر گئے تھے۔بی بی جان نے ثمرین کو بلا کر تکیہ منگوایا اور ان کے سر کے نیچے رکھ دیا۔

"میری گولیاں لادو۔" وہ میڈیسن لے کر آہستہ آہستہ ہوش و حواس سے غافل ہو گئے۔

ثمرین اندر کسی کونے میں دبک گئی تھی۔امبرین اپنے کمرے میں نشے کے لیے تڑپتی ہوئی رسیوں میں بندھی اپنا آپ نوچ رہی تھی۔عدنان کی برادرانہ غیرت اسے کشاں کشاں شہر کی گلیاں چھاننے کے لیے باہر لے گئی تھی۔ گھر میں سناٹے کا بھوت ناچ رہا تھا۔ایک ایسا سناٹا جو کسی قیامت خیز خبر کا پیش خیمہ بننے والا تھا۔

شام گہری ہوتی گئی اور بخاری لاج کے در و دیوار بد نصیبی کے سیاہ رنگوں میں ڈوبتے چلے گئے۔رات دس بجے عدنان بکھری ہوئی ناکام کیفیات چہرے پر ثبت کیے بالآخر گھر واپس آگیا۔

بی بی جان اس کا چہرہ پڑھ کر بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

ذلت 'بدنامی 'رسوائی۔

ان مرحلوں سے وہ بار بار گزرے تھے۔

پہلی مرتبہ اس وقت جب پروفیسر دانیال نے ارشین کے ہاتھ کا لکھا اقرار نامہ منہ پر مارا تھا۔

دوسری مرتبہ جب امبرین کی بارات شادی سے دو دن پہلے کینسل ہو گئی تھی۔

تیسری مرتبہ اس وقت جب تھانے سے نشے کی لت میں گرفتار جوان بیٹی کو وصول کیا تھا۔

اور چوتھی مرتبہ آج جب شاہین کسی کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی تھی۔

"میں اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹوں گا۔خدا کی قسم میں خود کاٹوں گا اس کے سانس کی ڈوری۔اب تو اس کے بعد ہی چین پڑے گا۔" باباجان ہانپ رہے تھے۔

"دھیان سے 'کہیں سیڑھیوں سے پھسل نہ جائیں۔" ان کا رخ اوپر کی طرف دیکھ کر بی بی جان نے گھبرا کر انہیں تھامنا چاہا۔

"ہاتھ پرے کرو۔" انہوں نے غرا کر ان کا ہاتھ جھٹکا۔"میں آگ بنا ہوا ہوں۔پورا وجود سلگ رہا ہے۔بھانبھڑ جل رہا ہے میرے اندر۔کوئی میرے قریب نہ آئے۔خون سوار ہے میرے اعصاب پر۔ایسا نہ ہو وہی انتقام کا پہلا شکار بن جائے۔" وہ کف اڑا رہے تھے۔

اسی دیوانگی کے عالم میں وہ اوپر چلے گئے۔

بی بی جان دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر گھٹ گھٹ کر رونے لگیں۔

جانے اگلے دن کا سورج کیا رنگ دکھائے گا!!

◆ ◆ ◆

"ارے پروفیسر دانیال مہدی۔واؤ!کیا سرپرائز ہے۔تم کہاں ہو بھئی آج کل۔میں امریکہ میں کئی بار تمہارے ایڈریس پر گیا تھا۔پتا چلا ابھی ادھر کا چکر نہیں لگا۔"

اس سے پہلے کہ لفٹ مقررہ فلور پر پہنچتی۔بٹن دبانے سے پہلے ہی باہر کھڑے سوٹڈ بوٹڈ مرد نے پروفیسر دانیال کو لفٹ باکس سے باہر آنے پر مجبور کر دیا۔وہ ان کی فیلڈ کا بندہ تھا۔

"کیا حال ہیں جناب؟" پروفیسر صاحب گرم جوشی سے اس سے گلے ملے۔

"شاہین!آپ ادھر صوفے پر بیٹھیں 'میں ابھی پانچ منٹ میں واپس آتا ہوں۔" وہ اسے ہال کمرے کے صوفے پر بٹھا کر اس آدمی کے ساتھ دوسری طرف چلے گئے۔

شاہین کے سوئے سوئے خوابیدہ حواس پر پروفیسر دانیال مہدی کا نام کاری ضرب کی طرح پڑا۔وہ جیسے کسی سحر سے جھنجھوڑ کر بیدار کر دی گئی۔

"پروفیسر دانیال مہدی۔" اس کے سوکھے ہوئے ہونٹوں پر یہ نام گردش کرنے لگا۔

ہیں اس کے ساتھ یہاں رات کے اس پہر اپنے گھر اور شہر سے دور کیا کر رہی ہوں۔" اتنا تو وہ دوران سفر جان گئی کہ وہ اسلام آباد کی حدود سے باہر نکل آئے تھے۔

ل کا بڑا سا اسٹائلش کلاک رات کے سوا بارہ بجا رہا تھا۔زمین و آسمان اس کی نظروں میں گھومنے لگے۔اس نے اپنا آپ دیکھا۔

کالج کے سفید یونیفارم میں تھی جس پر سڑک پر گرنے کی وجہ سے کہیں کہیں ہلکی سی مٹی اور سیاہی کے داغ ہوئے تھے۔بازو میں کالج کا بیگ لٹک رہا تھا۔

ل کی چند ایک میزوں پر لوگ بیٹھے تھے۔مجموعی طور پر ماحول خاموش اور پرسکون تھا۔کاؤنٹر پر کمپیوٹرز آپریٹ کرتے تین چار نائٹ ڈیوٹی ریسپشنسٹ اپنے کام میں مگن تھے۔وہ اضطرابی کیفیت میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اس سے پہلے کہ وہ واپس آئے مجھے یہاں سے بھاگ نکل جانا چاہیے۔" وہ چور نظروں سے ریسپشن پر افراد کو دیکھتی ہوئی بیرونی گلاس ڈور کی طرف بڑھی۔وہاں موجود مستعد چوکیدار نے اپنا فرض پورا کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا 'تاہم وہ آدھی رات کو یونیفارم میں ملبوس اس کم سن لڑکی کو ہوٹل سے باہر نکلتے دیکھ کر الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔

"میڈم آپ۔" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"وہ میرا کچھ سامان رہ گیا ہے گاڑی میں۔وہ نکالنا ہے۔" وہ جلدی سے بات بنا کر بولی۔

"آپ چابی اور گاڑی کا نمبر بتا دیجئے میں پارکنگ لاٹ میں جا کر لے آتا ہوں۔آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں۔" وہ مؤدب لہجے میں گویا ہوا۔نظروں میں ابھی تک شکوک اور واہمے چمک رہے تھے۔

"نہیں شکریہ۔وہ چیزیں خفیہ خانے میں رکھی ہیں اور بہت پرسنل ہیں۔" نجانے کس طرح اس کے اندر اتنا حوصلہ آگیا تھا۔

چوکیدار کندھے اچکا کر خاموش ہو گیا۔

شاہین تیز تیز قدموں سے نیم تاریکی میں آگے بڑھتی چلی گئی۔اسے یہ بھی ڈر تھا کہ چوکیدار اسے پارکنگ کے بجائے مین روڈ کی طرف بڑھتے دیکھ کر کہیں مشکوک خیال کرتے ہوئے پیچھے نہ آجائے۔پروفیسر دانیال کا ڈر بدستور سر پر منڈلا رہا تھا۔

مین روڈ پر آتے ہی اس نے اپنی رفتار تیز کر لی اور تقریباً بھاگ کھڑی ہوئی۔وہ سڑک کے ساتھ بنے فٹ پاتھ پر دوڑ رہی تھی۔

وہ چاہتی تھی 'ہوٹل سے کچھ دور پہنچ کر کسی سے راستہ پوچھے۔سڑک پر ٹریفک کا رش نہ ہونے کے برابر تھا۔اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ یہ کون سا شہر تھا اور یہاں سے اسلام آباد واپس جانے کے لیے کتنی رقم درکار ہو گی۔

رقم کے ساتھ ہی اسے یاد آیا۔اس نے نو سو روپے کی ہیروئن کی پڑیاں خرید کر بیگ میں رکھی تھیں 'ابھی تک بیگ میں تھیں۔

"اس سے پہلے کہ ان کی بدولت کسی نئی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں 'مجھے ان سے نجات حاصل کر لینی چاہیے۔"

پھولتے ہوئے سانسوں کو بمشکل قابو میں کرتی ہوئی ایک لمحے کو رکی اور لرزتے ہاتھوں سے زپ کھول کر پڑیاں نکالنے لگی۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔خوش قسمتی سے بائیں طرف ایک کھلے ہوئے گٹر کا منہ نظر آگیا۔اس نے پڑیاں گٹر میں یوں پھینکیں جیسے اپنے جسم سے چمٹی بلاؤں کو دور کیا ہو پھر دوبارہ سرپٹ بھاگ کھڑی ہوئی۔

آگے سڑک تنگ ہو گئی تھی 'اس لیے فٹ پاتھ والی رو سڑک پر آکر ختم ہو گئی تھی۔

وہ جانے کتنا بھاگی۔ کن کن راستوں سے گزری۔
جب پاؤں تھک کر چور ہونے لگے تو وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی ٹوٹتے بکھرتے سانسوں سمیت قریبی عمارت کی سیڑھیوں پر ڈھیر ہو گئی۔
"اے مائی.... ادھر کیا کرتی ہے۔ جا اوپر اندر۔ زنانیوں والے حصے میں چل کر آرام کر۔ او کملی جھلی۔ میں تیرے سے بات کر رہی ہوں۔ اری اٹھ جا نصیبوں کی ماری۔"
شاہین نے دھیرے دھیرے تھکا ہوا دکھتا ہوا سر اٹھایا۔ اس عورت کی عمر پچاس اور پچپن کے درمیان ہوگی۔ گہرے سانولے چہرے پر بے شمار جھریاں وقت کی اس بے رحمانہ گردش کی گواہ تھیں۔ اس نے کالے رنگ کا جھلنگا سا چولا پہن رکھا تھا۔ گلے میں بہت سے منکے لٹک رہے تھے۔
"داتا صاحب کے دربار پر پڑی ہے تو کوئی روگ تو ہوگا جس نے گھر سے باہر کی اور ہڑکایا۔ چل آجا اندر آ کے رمان (آرام) سے بتلا کیا بیتی تیرے ساتھ۔ کیا تیرا عاشق دھوکا دے کر تجھے پھنسا کر خود بھاگ گیا ہے یا خاوند نے مار پیٹ کے گھر سے نکال دیا ہے۔ یا پھر نادانی میں کسی کم ظرف پر بھروسا کر کے عزت لٹا بیٹھی ہے!!"
عورت نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔
"داتا صاحب۔" شاہین نے چکراتے ہوئے سر کو اٹھا کر اوپر دیکھا۔ مینار کے کنگرے اور آس پاس کی تاریخی عمارتیں از خود اس سوال کا جواب بن گئیں کہ وہ کہاں تھی۔
"کیا یہ لاہور ہے؟ میں لاہور میں ہوں؟" وہ تحیر سے ارد گرد دیکھ رہی تھی۔
بڑھیا اس کے انداز کو پاگل پن اور صدمے کی انتہا سمجھ کر افسوس سے سرہلاتی اپنے ساتھ لے گئی۔
شاہین میکانکی انداز میں سیڑھیاں چڑھتی اس احاطے میں داخل ہو گئی جو خواتین کے لیے مخصوص تھا۔ یہاں گویا ایک سرائے کا سا ماحول تھا۔ بے آسرا و بے اماں عورتیں داتا دربار کے اس صحن اور کونوں کھدروں کو اپنا آخری بسیرا سمجھ کر یہیں آباد تھیں۔ اپنے اپنے سامان کی گٹھڑیاں باندھے دائیں بائیں آگے پیچھے کپڑا بچھائے بے فکری سے محو خواب تھیں۔ بوڑھی عورت اس کا ہاتھ پکڑے اندر لے آئی۔
"یہ میری جگہ ہے' تو یہاں آرام کر۔" اس نے قدرے الگ تھلگ بنے اس گوشے میں بچھے کمبل پر شاہین کو بٹھا دیا۔
"ہمارے لیے لنگر کا کھانا آتا ہے۔ میں دیکھتی ہوں دیگ میں کچھ چاول اور روٹیاں بچی ہوں گی۔ پانی پینا ہے تو یہ ساتھ میں کولر اور گلاس رکھا ہے۔"
تھوڑی دیر بعد وہ المونیم کی پلیٹ میں چاول لئے واپس آ گئی۔
"لے کھا لے۔" وہ پلیٹ شاہین کے آگے رکھ کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ شاہین یونہی بیٹھی رہی۔
"کھاتی کیوں نہیں ہے تو۔" پیلے بلب کی روشنی میں شاہین کا چہرہ اور سراپا واضح ہوتا چلا گیا۔ عورت نے جوں جوں اس کا جائزہ لیا اس پر حیرت اور فکرمندی طاری ہوتی گئی۔
"اری کرموں جلی۔ تو تو بہت چھوٹی ہے۔ کچی کلی ہے ابھی تو۔ تیرے کپڑوں سے لگتا ہے' اسکول کالج میں پڑھتی ہے۔ تو گلیوں بازاروں کا مال نہیں لگتی۔ میرے ذہن میں یہ بھی خیال آ رہا تھا کہ کہیں زہرہ بائی کے کوٹھے سے تو بغاوت کر کے نہیں نکلی۔ پچھلے دنوں ایک طوائف آئی تھی بھاگ کر مگر زہرہ بائی بھی کچی گولیاں نہیں کھلی کٹنی نے کھوج لگا لیا اور چونڈے سے پکڑ کر غریب کو واپس لے گئی۔ ری کون ہے تو۔ بتا تو۔"
بڑھیا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا جھنجھوڑا۔
شاہین کو جیسے ہلکی سی ٹھیس درکار تھی۔ اس کے چھوتے ہی آنسوؤں کے سوتے پھوٹ پڑے۔ وہ بلک بلک کر رو دی۔

...لے رونے سے عورت جات کے مسئلے حل ہو جاویں تو وہ نمانی آٹھوں پہر روتی رہے۔ چپ ہو جا۔ شاوا۔"
...رت کے انداز میں ہمدردی کی سچی اور مخلصانہ رمق پا کر اس نے مختصراً "اپنے متعلق بتا دیا۔ ماں باپ کی سختی ...ے ایک بہن کو زبردستی گھر سے رخصت ہونا پڑا۔ دوسری بغاوت کر کے تشنے بازی کا شکار ہو گئی اور بہن کی ...خود اسے لے ڈوبی۔ باپ کے ہاتھوں قتل ہو جانے کا خوف ا۔ سے ایک بالکل غیر اجنبی شخص پر بھروسا کرنے ...رگیا۔ وہ شخص ان کے خاندان کا دیرینہ دشمن تھا۔ موقع دیکھ کر اسے ٹرانس میں لے کر لاہور لے آیا جب ...س کے مکروہ ارادوں کی خبر ہوئی تو وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی اور بھاگتے بھاگتے یہاں تک پہنچ گئی۔
...لے جھلی نہ ہو تو۔" بڑھیا کو سخت افسوس ہوا۔ "بھائی اور باپ نے دیکھ لیا تھا تو وہاں سے بھاگنے کی کیا ...تھی۔ ان کے ساتھ گھر آجاتی' آکر ساری بات بتلا دیتی۔ زیادہ سے زیادہ دو چار چانٹے اور ڈانٹ پھٹکار ہی ...تی۔ آخر کو انہیں تیری سچائی پہ اعتبار آجاتا تو بات ختم ہو جاتی۔ تو نے اپنے لیے کھوہ (کنواں) تو خود ...ے"
...پ نہیں جانتیں' میرے بابا جان کتنے ظالم ہیں۔" وہ جھرجھری لے کر بولی۔ "وہ میرے ٹکڑے ...یہی سمجھتے کہ جس لڑکے سے باتیں کر رہی ہوں' اسی کے ساتھ یہاں تک آئی ہوں۔"
...اور والدین کے درمیان باہمی اعتماد و یگانگت اور ہم آہنگی کی فضا قائم نہ ہو تو عموماً" اسی طرح معمولی ...سنگین نوعیت اختیار کر لیتے ہیں۔ اعتماد کی کمی خوف پیدا کرتی ہے اور خوف سوچنے سمجھنے کی مثبت ...ہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ ایسے میں جو قدم اٹھتا ہے وہ نفع سے زیادہ خسارے کی طرف جاتا ہے۔
...نے خود اپنے اوپر ظلم کمایا۔ مگر تیرا بھی قصور نہیں۔ تیری عمر ہی نادانیوں کی ہے۔" عورت ترحم بھرے انداز ...کا سراپا جانچ رہی تھی۔
...ی چھوٹی موٹی سی چھوری ہے تو۔ اوپر سے انجان اور ناواقف۔ کیسے رہے گی تو۔ پیچھے والوں نے تو تیرے ...ازے بند کر چھوڑے ہوں گے۔ ایک رات باہر بتا دینے کے بعد عورت کے لیے عزت والی زندگی ہمیشہ کے ...ہو جاتی ہے۔ پھر وہ کسی کی بہن' بیٹی یا بیوی نہیں رہتی۔ کوٹھے کی سجاوٹ بن جاتی ہے یا بھوکے بھیڑیوں کی ...ار کسی۔ یا پھر فقیرنی بن کر پیٹ کا دوزخ پالتی ہے۔ تیرا میں کیا کروں۔"
...رت صحیح معنوں میں اس کی ہمدرد اور خیر خواہ ثابت ہو رہی تھی۔
...ب مجھے اپنے پاس رکھ لیں یہاں۔" شاہین اس کے بازو سے لگ کر آنسو بہا رہی تھی۔
...ہاں...؟" عورت کے دیدے پھیلے پھر اس کا سر انکار میں ہلنے لگا۔
...ہاں تو کیسے رہ سکتی ہے۔ یہ کون سا پکا ٹھکانہ ہے۔ یہاں تو وہ بڑی بوڑھیاں آتی ہیں جنہیں اولاد بوجھ سمجھ کر ...ے نکال دیتی ہے یا پھر ایسی عورتیں جن کے خاوند دوسری بیاہ کر گھر سے دربدر کر دیتے ہیں۔ بچے چھین کر ...ننگے آسمان تلے دھکیل دیتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی دو سال پہلے یہی ہوا تھا۔"
...دو سال!" شاہین اس سے الگ ہو کر آنکھیں جھپکتے ہوئے اس کی صورت دیکھنے لگی۔ چہرے مہرے اور ...سے تو وہ پچاس سے اوپر کی لگتی تھی۔ البتہ آواز میں مضبوطی اور ٹھہراؤ عمر سے میل نہیں کھاتا تھا۔
...لہ" ایک طویل گہری سانس لے کر وہ منہ پر بنائی مصنوعی لکیریں اور سیاہی کھرچنے لگی۔ پھر ڈھیلا ڈھالا ...ہا سیاہ لبادہ اتار دیا۔ نیچے وہ سرخ اور سبز پرنٹ کالان کا کرتا شلوار پہنے ہوئے تھی اور جسمانی خدوخال کے ...ے وہ کسی صورت تیس سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔ شاہین کی الجھی ہوئی نظریں اس کے سر کے بے رونق ...ے ہوئے بالوں کی سفیدی پر گئیں۔
...سفیدی اصلی نہیں ہے۔" عورت نے سرگوشی میں بتایا۔ "یہ میلا کچیلا حلیہ' بے ترتیبی اور منکوں کے یہ ...نا کی عورتوں کی طرح لگنے کے لیے اور اپنی جوانی پر پردہ ڈالنے کے لیے ہیں۔ وگرنہ یہاں کی انتظامیہ مجھے

دارالامان بھجوادیتی اور میں کسی صورت وہاں نہیں جانا چاہتی تھی اس لیے یہ بڑھاپا اور بزرگی طاری کرکے یہاں جگہ بنائی۔" اب کے اس کا لہجہ بھی سلجھا ہوا اور صاف تھا۔

شاہین اپنی افتاد بھول کر آنکھیں اور منہ کھولے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عورت نے دوبارہ لبادہ اور منکوں کے ہار فٹ کرلیے۔

"میرا نام نسرین بانو ہے۔ میں لیہ کی رہنے والی ہوں۔ میٹرک پاس ہوں۔ میرے ماں باپ بچپن میں مر گئے تھے۔ چاچی نے پالا پوسا اور اٹھارہ برس کی ہوئی تو اپنے بیٹے سے بیاہ دیا۔ وہ پہلے بھی ماں کی طرح نہ تھی۔ ساس بن کے رسمی مروت سے بھی گئی۔ غریب گھرانہ تھا۔ بیٹا آرام پسند اور کاہل تھا۔ کام کاج اور محنت مزدوری سے جی چراتا تھا۔ پہلے تو چاچے کی دکان سے گھر کا راشن پانی چلتا رہا پھر وہ فوت ہوا تو میرے خاوند نے دنوں میں پیسے اڑا کر ساری دکان ٹھپ کردی۔ اوپر سے بچوں کی بھی ہر سال رحمت رہی۔ چھ بچے تھے اور ساتواں پیٹ میں تھا۔ سسر کے مرنے کے بعد مالی حالات بگڑے تو سب کا موڈ بھی بگڑتا گیا۔ ساس اور خاوند سارا غصہ مجھے دھنک کر نکالتے بچے الگ روٹی کے لیے بلکتے ترستے۔ خاوند ذمہ دار ہونے کے بجائے نشے کی لت میں پڑگیا۔ ساتھ میں جوا بھی شروع ہوگیا۔ ایک دن جوئے میں مجھے ہار آیا۔ میں اس بے غیرتی پر اس پر پل پڑی۔ وہ ہر صورت مجھے اپنے یار کے ہاں بھیجنا چاہتا تھا۔ انکار پر مارا پیٹا۔ ساس بھی مجھے اپنے بیٹے پر حملہ کرتے دیکھ کر پیٹنے لگی۔

عورت کی آنکھوں سے آنسوؤں کی خاموش لڑیاں ٹوٹتی چلی گئیں۔

"گالیاں بکتے اور مار پیٹ کرتے ہوئے میرے خاوند نے مجھے گھر کی دہلیز کے باہر پھینکا اور تین بار طلاق دے کے بعد ہمیشہ کے لیے دربدر کردیا۔ میرے بچے بھی چھین لیے۔ خبر نہیں بعد میں انہیں بھی جوئے میں ہار آیا ہو۔"

"پھر آپ یہاں آگئیں۔" شاہین نے اختتامی جملہ خود ہی ادا کردیا۔

"نہیں۔ میں روتی کراہتی گلیوں میں ٹکریں مارتی پھر رہی تھی کہ ایک لشکارے مارتی گاڑی میرے پاس رکی وہاں امیرزادے تفریح کے موڈ میں رات کو گھر سے باہر نکلے تھے۔ میری یہ حالت تھی کہ نہ پاؤں میں جوتے تھے اور نہ گلے میں دوپٹہ۔ ان کی نظر مجھ پر پڑی تو گویا شکار مل گیا۔ میں نے بہت ہاتھ پاؤں چلائے مگر وہ مجھے قابو کرکے گاڑی میں بٹھا کے لے گئے۔ دو دن اور دو راتیں اس اجاڑ بنگلے میں تینوں دوست میری عزت سے کھیلتے رہے۔ پھر کچھ پیسے دے کر دارالامان چھوڑ گئے۔ میں دو ماہ دارالامان میں رہی۔ ایک رات دارالامان کی مالکہ نے مجھے اچھے کپڑے جوتے اور زیور پہنا کر ایک کوٹھی میں بھیجا۔ وہاں ایک مالدار آسامی میری منتظر تھی۔ میں نے بہت کوشش کی مگر اس کے چنگل سے نہ بچ سکی۔ اس کے بعد دارالامان میں ٹھہرنے کا جواز نہیں بنتا تھا۔ میں وہاں سے بھی نکل آئی اور ٹکریں مارتی داتا دربار آن پڑی۔ یہاں ایک تحفظ کا احساس ہوا مگر یہ بھی ڈر تھا کہ یہاں آنے والوں میں سارے فرشتے نہیں ہوں گے۔ اگر کسی کی میلی نظر پڑگئی تو پھر وہی کھیل شروع ہوجائے گا۔ دوسرے، جوان جہان عورتوں کو دربار میں پناہ لینے کی اجازت دیتے ہوئے انتظامیہ ہچکچاتی ہے کہ اس سے بہت سے مسئلے شروع ہوجاتے ہیں اس لیے میں نے یہ سوانگ بھرلیا۔"

"مجھے بھی اسی سوانگ میں رنگ دیں۔" شاہین نے بے قراری سے اس کا گھٹنا دبایا۔

"تمہارے لیے ابھی بہت لمبی عمر باقی ہے۔ ایک دنیا ہے دیکھنے کو۔"

"میں نے اب کوئی دنیا نہیں دیکھنی۔ تھک گئی ہوں اس چکر سے۔"

"ابھی سے؟" عورت کے ہونٹوں پر بے معنی سی مسکراہٹ جھلکی۔

"ابھی تو بڑا لمبا پھیر باقی ہے عمر کا۔ ابھی دو تین دن رہو میرے ساتھ پھر کچھ سوچتے کرتے ہیں۔ میں تمہیں اپنی بھانجی بتاؤں گی۔ اب تم آرام کرو۔"

شاہین کو اس کا ساتھ اندھیرے میں اچانک نظر آجانے والی روشنی کی لکیر سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

◆◆◆

ہوبائل فون بہت دیر سے بج رہا تھا۔

ہران واش روم سے تولیہ سر پر رگڑتے ہوئے باہر آیا اور بیڈ سائیڈ پر پڑا موبائل اٹھالیا۔ نایاب کمرے میں تھی، غالباً رات کے کھانے کی تیاریوں میں نینی اور ناظر کا ہاتھ بٹانے کے لیے نیچے کچن میں مصروف تھی۔ وہ ابھی آفس سے آیا تھا۔

"ہیلو۔"

"کیا حال ہیں حسین و جمیل ایس ایس پی صاحب۔" داور کی چہکتی ہوئی آواز کان میں پڑی۔

"تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

"دور بہت دور سے۔" وہ گنگنایا۔

"میں نے تمہارے آفس فون کیا تھا۔ پتا چلا کسی اہم "مشن" پر نارووال گئے ہو۔ کیا رہا؟" مہران بیڈ پر نیم دراز

"تفصیلات واپسی پر بتاؤں گا، البتہ امید ہے اپنے مشن میں کامیاب ہوجاؤں گا۔"

"کب تک واپسی کا ارادہ ہے؟"

"اب تو جی چاہتا ہے مستقل یہیں رہ جاؤں۔" داور کی بشاش آواز ابھری۔

"کیوں کیا کسی خزانے کا سراغ مل گیا ہے جس کی کشش تمہیں روک رہی ہے؟"

"کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔" داور شرارتی انداز میں گویا ہوا۔

"اوہو..." مہران خلاف مزاج چھیڑ خانی پر اتر آیا۔

"بھئی ہم نے تو تم سے سبق سیکھا ہے۔ تم نے ایک چھوڑ دو دو گھر بسا لیے تو کیا ہم ایک کے بارے میں بھی نہ

سوچیں۔" داور چہک رہا تھا۔

"کون ہے وہ کوئی دیہاتی دوشیزہ یا قصبے کی الہڑ مٹیار۔"

"دونوں میں سے کوئی نہیں۔"

"پھر کچھ پھر۔" مہران نے مزید تفصیل چاہی۔

"وہ بڑی چیز ہے بھئی۔ بہت عام سی مگر بہت پر اثر، نہایت سادہ مگر نہایت پرکار۔"

"آہا۔ صحافی کے منہ سے ٹوٹی پھوٹی شاعری۔ بھئی اب تو ہمیں بھی اشتیاق ہونے لگا ہے۔"

"تو آجاؤ ناں تم بھی۔ اسی علاقے میں ہے ناں تمہارا آبائی گاؤں۔" داور نے تصدیق چاہی۔

"ہوں۔" مہران کا لہجہ کھنچ گیا۔ ایک مدت کے بھولے بسرے مناظر آنکھوں کی پتلیوں میں عکس بنانے لگے۔

"اوکے۔" اس نے بات ختم کرکے موبائل بند کردیا اور کسی گہری سوچ میں گم ہوگیا۔

◆◆◆

میں حیراں ہوں
کہ لمحے کیسے صدیوں میں بدلتے ہیں
کہ ٹیبل پہ رکھے پھول سے خوشبو بغاوت کرچکی ہے
اور ہاتھوں نے کوئی جنبش نہیں کی ہے
کسی کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بسکٹ کے ٹکڑے کو پھپھوندی لگ چکی ہے
اور آنکھوں میں کوئی رد عمل اب تک نہیں جاگا
کسی کے پاس بیٹھے چند لمحے ہی ہوئے ہیں
اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ صدیوں سے کسی ناراض پتھر کی رفاقت ہے

نجانے کتنی صدیوں سے یہاں پر وقت ٹھہرا ہے
ہوا اپنے پروں کو کھول کر اونچے درختوں پر کھڑی ہے
دھند کی چادر میں لپٹی خاموشی لے بن گئی ہے
سورج کی حرارت کھو گئی ہے
کسی کی چاپ ابھرتی ہے تو فطرت چونک اٹھتی ہے
ہوا کے ایک جھونکے سے بہت سے زاویے غمگین نگاہوں کو تراوت دے رہے ہیں
میں حیراں ہوں کہ لمحے کیسے صدیوں میں بدلتے ہیں۔

ارشین عصر کی نماز پڑھ کر گھر سے نکلی تھی۔ سورج کی کرنوں کی تپش آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ٹہلتی ہوئی کھیتوں سے گزرتی اس علاقے کی طرف نکل آئی تھی جسے بھوتوں کا ڈیرا کہا جاتا تھا اس جگہ کے اسرار کے بارے میں اس نے گاؤں والوں سے اتنا کچھ سنا تھا کہ لامحالہ ایک اشتیاق سا جاگ اٹھا تھا۔ بارہا اس طرف آنے کی ٹھانی مگر حالات کا چکر کچھ اس طرح زنجیر پا کیے رہا کہ ایسے وقت میں مہم جوئی کا یہ شوق تفریح اور عیاشی کی مانند لگتا تھا اس لیے اپنے شوق کو دبائے رہی۔ آج کچھ فراغت نصیب ہوئی تو بے اختیار قدم اس سمت بڑھتے چلے گئے۔

کھیتوں کی حدود ختم ہو جانے کے بعد سامنے خاردار تاروں کے ساتھ کھڑی قد آدم باڑھ کی ایک لمبی قطار دکھائی دی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی جگہ کے گرد باڑھ کے ذریعے چاردیواری بنا دی گئی ہے۔

ارشین نے باڑھ کے پاس جا کر گھنے پتوں کے بیچ اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ دور تک درختوں اور جھاڑیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔

"اگر اندر کچھ بھی نہیں ہے تو تاریں لگا کر چاردیواری کی طرح باڑھ کیوں لگائی گئی ہے۔" وہ حیرت سے سوچنے لگی۔ "ہو سکتا ہے ان درختوں کے آگے کچھ ہو۔"

اسی لمحے اسے کسی جانور کے دھاڑنے کی آواز آئی۔

وہ دہل کر پیچھے ہٹ گئی۔

"کیا محکمہ جنگلات نے جانوروں اور درندوں کے خطرے کے پیش نظر یہ چاردیواری بنوائی ہے؟"

وہ کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اندر سے گھنگھرو چھنکنے اور موسیقی کی تال تیز ہونے کی آواز آئی۔

وہ ہڑبڑا کر کچھ اور پیچھے ہو گئی۔

"یہ کیا چکر ہے بھئی۔" ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ تیز وسل نے اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

"آپ..... یہاں؟" سفید شرٹ اور نیلے ٹراؤزر میں کیمرہ گلے میں لٹکائے دائیں ہاتھ میں نوٹ بک اور موبائل لیئے وہ بے پروائی سے چلتا ہوا اس کے قریب آ کر رک گیا تھا۔ وہ بھی اسے دیکھ کر اتنا ہی حیران ہوا تاہم ظاہر نہیں کیا۔

"کیا بات ہے کیا مصور لوگ جاسوسی بھی کرتے ہیں!!"

"جاسوسی!!" وہ ناسمجھی کے عالم میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ دونوں چاردیواری سے کچھ فاصلے پر الگ ہٹ کر ایک بڑے پتھر کے پاس آ گئے۔

"ہاں۔ میں تو اسی مقصد سے یہاں آیا ہوں۔" اسے بیٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے وہ بھی پتھر کے ایک کونے پر ٹک گیا۔

"مجھے تجسس اور اسرار یہاں تک لایا ہے۔" ارشین نے بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا۔

"میں نے یہاں کے لوگوں سے اس جگہ کی پراسراریت کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔ ان کا خیال ہے یہ جگہ بھوتوں کا ڈیرا ہے۔ یہاں عجیب و غریب درندے اور بلائیں آباد ہیں جو سر شام یہاں رقص و سرود کی محفل آباد

...ہیں۔ یہاں کی تاریخ کے مطابق جس نے بھی اس آسیبی جگہ پر قدم رکھا وہ زندہ واپس نہیں آیا۔"

...موسیقی اور جانوروں کی آواز تو میں نے بھی سنی ہے۔" داور تیز نظروں سے اس چاردیواری کے اردگرد کا ...لے رہا تھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟" اس کی نظریں ارشین کے سادہ چہرے پر جم گئیں۔ سورج ڈوب رہا تھا۔ اس کی ...ہوں کی ٹھنڈی پرسکون لالی اس کے رخ پر بکھر کر انوکھی سی روشنی اور دمک پیدا کر رہی تھی۔ داور بے اختیار ...دیکھنے لگا۔ پھر نامناسب جان کر ایک دم نگاہ ہٹا لی۔

"میرا خیال..." وہ کچھ ہچکچائی۔ "آپ نے فلموں کے لیے سیٹ تیار کرنے والی بات سنی ہو گی۔ جہاں تک میرا ...ہے یہ بھی کوئی ایسا ہی ڈرامہ ہے۔ یہ سیٹ اپ قدرتی نہیں ہو سکتا۔ یقیناً" بنایا گیا ہے۔"

...داور نے بے ساختہ ستائشی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ اس نے جو معلومات مختلف ذرائع سے اکٹھا کی تھیں ان کے ...بارڈر ایریا کے آس پاس منشیات کا ایک خفیہ اڈہ بنایا گیا تھا اور مقامی لوگوں کو اس جگہ سے دور رکھنے کے ...ان کے سیدھے سادے ذہنوں کو آسیبی چکر میں الجھا دیا گیا تھا۔ اس کے لیے یقیناً" ٹیپ ریکارڈر استعمال کیا ...تھا۔

"اگر تھوڑی سی کوشش کی جائے تو اس باؤنڈری کے آس پاس نصب اسپیکر کی تار مل جائے گی۔" ارشین نے ...کہا۔

"وہ تار اور اس سے منسلک آلات میں کل ہی دریافت کر چکا ہوں۔" داور اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "آپ ...لاجواب ہے۔" اس نے سادگی سے تعریف کی۔

"میرا خیال ہے کوئی بھی پڑھا لکھا سوچ رکھنے والا بندہ اس مصنوعی پن کو محسوس کر کے معاملے کی تہہ تک پہنچ ...ہے۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔" ارشین نے کہا۔

"...لیے آپ مائنڈ نہ کریں تو مجھے بتانا پسند کریں گے کہ آپ کس سلسلے میں اس جگہ کا جائزہ لے رہے ہیں؟"

"...ایک مصدقہ اطلاع کے مطابق اس جگہ منشیات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے اور سرحد پار اسمگلنگ کے لیے ...راستہ بھی ہے۔ میں کرائم رپورٹر ہوں اس لیے ان چیزوں میں دلچسپی لینا میری مجبوری ہے۔"

"...فرض کریں آپ نے حقائق معلوم کر لیے پھر۔ میرا مطلب ہے ان حقائق کے پریس تک پہنچتے ہی اسمگلر ...ہو کر جگہ چھوڑ جائیں گے۔ اخبار کے چھپ کر افسران بالا تک پہنچنے کی مدت ان کے فرار کے لیے بہت کافی ..."

"...اس کا پکا بندوبست ہے اپنے پاس۔" داور نے دعوے سے کہا۔ "اسلام آباد کے ایس ایس پی مہران سے ...خصوصی تعلقات ہیں۔ اس تک لمحے لمحے کی رپورٹ پہنچ جائے گی۔ جونہی میری معلومات مکمل ہوں میں ...مقامی ایس ایس پی سے بات کر کے ریڈ کرنے کا سگنل دے دوں گا۔ رپورٹ چھپنے سے پہلے مجرم گرفتار ہو چکے ...گے۔"

...ایک کر کے ارشین کی حسیات سن ہوتی گئیں۔

...حوالہ کہاں سے نکل آیا؟

...اگر یہ "اس" کا جاننے والا ہے تو پھر میرے نام سے بھی واقف ہو گا۔

"...ہوا۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے مس بخاری۔" اس کی اڑتی ہوئی رنگت داور کی نظروں سے چھپ نہ ...

"...نہیں۔" ارشین نے بدقت جواب دیا۔

"...آپ کا ذاتی نام کیا ہے۔ میرا مطلب ہے پورا نام۔"

"...ارشین۔" جواب دے کر ارشین نے گہری نظروں سے اس کا ردعمل نوٹ کیا لیکن داور کے ذہن میں مہران

کے حوالے سے اس نام سے آشنائی نہیں جاگی۔ اس کے لیے یہ ایک خوبصورت نام تھا اور بس۔ یوں بھی عموماً وہی نام یادداشت میں رہتا ہے' جس کو کسی حوالے سے انسان بار بار زبان پر لاتا ہے۔ مخاطب کرتا ہے اور پکارتا ہے۔ مہران کی بیوی کا نام ارشین ضرور تھا مگر داور نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا نہ بات چیت کی تھی کہ کوئی حوالہ یا شناسائی یاد رہتی اس لیے وہ نام سن کر نارمل رہا۔ شاید ذہن اپنے مشن میں نہ الجھا ہوتا تو تانا بانا جوڑنے کا موقع مل جاتا مگر ایسے مصروف حالات میں اس قسم کے اتفاقات کی گہرائیاں ناپنے کی فرصت ناممکن تھی۔

"تعلیم کی عدم دستیابی توہمات کو جنم دینے اور انہیں پختہ کرنے کا سبب بنتی ہے اور بے علم لوگوں کی اس محرومی کا فائدہ اٹھانے والوں کی کسی دور میں کمی نہیں رہی۔" داور نے پلٹ کر ایک نظر چار دیواری کی سمت پھینکی تھی۔

"درست کہتے ہیں آپ۔ ان چالاک اور سازشی لوگوں نے کس خوبصورتی سے گاؤں والوں کے ذہنوں کو قابو کیا ہے۔"

"بہرحال جلد ہی اس ڈھونگ کا پول کھل جائے گا۔ میں دو تین دن کے اندر اندر اپنی معلومات مکمل کرلوں گا۔"

"وہ لوگ جنہوں نے اس باؤنڈری سے آگے جانے کی جرات کی' وہ زندہ واپس نہیں آئے۔ آپ کے ذہن میں اس کی کیا توجیہہ بنتی ہے؟"

"انہیں راز کھل جانے کے ڈر سے گولی مار کر ہلاک کردیا گیا ہوگا۔"

"ایک بات۔" ارشین نے ہاتھ اٹھا کر وضاحت چاہی۔ "گاؤں والوں کے مطابق کچھ ایسی لاشیں بھی ملیں جس میں جسم پر گولی' چاقو چھری یا کسی اور زخم کا نشان تک نہیں تھا۔ اس کے علاوہ بعض لاشوں کے دائیں یا بائیں پاؤں کے گرد پتلی موٹی سی گول چیز کے گہرے نشانات پائے گئے۔"

"یہ بھی کوئی مشکل نہیں۔ شکاری عموماً" بڑے جانوروں اور درندوں کو پکڑنے کے لیے روایتی طریقے استعمال کرتے ہیں جیسے گڑھا کھود کر شکنجہ لگانا یا کڑکی لگا کر شکار کرنا۔ ہوسکتا ہے اس چار دیواری کے آگے ایک خندق کھود کر بظاہر اس کو گھاس پھونس سے چھپا دیا گیا ہو۔ ایسے میں انجان شخص چلتا چلتا سیدھا اس خندق میں گر کر جان گنوا سکتا ہے۔ خندق میں لگے شکنجے میں پھنس کر اس کا پاؤں موٹی زنجیر میں قید ہوجاتا ہوگا۔ یہ لوگ اس کے مرنے کے بعد شکنجہ کاٹ کر اس کی لاش باہر پھینک دیتے ہوں گے۔"

ارشین غور سے اس کا تجزیہ سن رہی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چلتی ہوں۔ مغرب کی اذانیں ہورہی ہیں۔ بوا کو کھانا بنا کر دینا ہے۔"

"کیا میں آپ کے ساتھ آپ کے گھر تک چل سکتا ہوں۔" نجانے کیوں وہ اس کے طرز رہن سہن اور جائے رہائش کے بارے میں متجسس ہورہا تھا۔ اس کے انداز و اطوار ہر لحاظ سے اسے یہاں کے باسیوں سے مختلف ثابت کرتے تھے۔ وہ ایک ایسے درخت کی مانند لگتی تھی جو اپنی جڑ پیچھے بھول آیا ہو۔

ناچار ارشین کو اسے گھر تک لانا پڑا اور مروت میں چائے پانی بھی پوچھنا پڑا وہ مزے سے سرہلا کر صحن میں بچھی چارپائی پر براجمان ہوگیا۔

"خاصا قدیم طرز تعمیر ہے آپ کے گھر کا۔" وہ تنقیدی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ "کافی حصہ غیر آباد پڑا ہے۔ اس پر چھوٹا موٹا باغ بنایا جاسکتا ہے۔"

"میرا ارادہ ہے' فرصت اور سرمایہ ملے تو یہاں دو چار کمرے ڈلوا کر اسکول شروع کروں گی۔"

"یہ کام تو آپ ابھی بھی شروع کرسکتی ہیں۔ میرا مطلب ہے ابھی سے کمروں کی تعمیر کام شروع کرائیں گی تو بات بنے گی۔ ایسے پراجیکٹ بہت وقت مانگتے ہیں۔"

"اس کام کے لیے سرمایہ چاہیے اور سرمائے کے لیے آمدنی کا مستقل ذریعہ۔ آپ کے ہاں جاب کرتے ہوئے مجھے زیادہ دیر نہیں ہوئی اور ابھی تو بس اتنا ہی ہوتا ہے کہ گھر کا خرچہ پورا ہوجاتا ہے۔"

بہادگی ہے بتا کر پھر سے داور کو الجھن میں ڈالنے لگی۔ اسے اس کا بیک گراؤنڈ اور موجودہ صورت حال ہضم ہورہی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ یہاں اس اجاڑ سے ویران گھر میں کام کرتی ہوئی مس فٹ لگ رہی تھی۔

اس نے اس بحث کو کسی اور وقت کے لیے رکھ چھوڑا اور گونگی بوا سے اشارتی گفتگو میں مصروف ہوگیا۔

اجازت دیجیے گا۔" وہ چائے پی کر اٹھ کھڑا ہوا۔

کھانا کھا کر جائیے گا۔" اس نے رسماً" روکا۔

ضرور۔ مگر آج نہیں پھر کسی دن۔ خدا حافظ۔" اللہ آپ کو لمبی عمر دے۔ زندگی اور خوشی نصیب کرے۔"

جاتے جاتے اس نے ارشین پر ایک بھرپور نظر ڈالی تھی۔ لہجے میں شرارت تھی مگر ارشین نے اس چیز کو نہیں کیا۔

اس کا ذہن زندگی اور خوشیوں کے لیے دی جانے والی دعاؤں پر مرتکز تھا۔

اس کے جانے کے بعد آہستہ آہستہ کواڑ بند کرتے ہوئے جانے کس احساس نے اس کے دل کو جکڑ لیا تھا۔

پلٹی تو اس کے لبوں پر مضمحل سی مسکراہٹ تھی۔

زندگی کی دعائیں نہیں دیجیے

نہیں کیجیے' ڈوبنے دیجیے

تشنہ لبی کا تقاضا تھا یہ

کے سفر پر چلیں جس گھڑی

ساحلوں پر کوئی بھی ہمارا نہ ہو

دیس کی ملگجی شام کے

آسمانوں پر کوئی ستارا نہ ہو

آخری دم تک کشتیٔ عمر کو

بادبانوں کا کوئی سہارا نہ ہو

ہمارا تعاقب نہیں کیجیے

ڈوبنے دیجیے.....

بوا! اندر گرمی ہورہی ہے۔ آپ کا بستر بھی باہر صحن میں بچھا دوں؟" کھانا کھانے کے بعد اس نے پوچھا۔

ان کے سرہانے پربان کی دوسری چارپائی باہر نکال کر بچھانے لگی۔ بوا کا بستر تیار کرکے لٹانے کے بعد وہ بھی چارپائی پر لیٹ گئی۔ اس کی نظریں آسمان پر تھیں اور ذہن کہیں دور اڑانیں بھر رہا تھا۔

میں جانتی ہوں' یہ شخص میرے حال اور ماضی کے مابین سفر کرتے اتنے واضح خلا اتنا نمایاں سوالیہ نشان کے میں تجسس رکھتا ہے اور کسی نہ کسی طرح میرا اصل کھوجنا چاہتا ہے لیکن میں اسے کیسے بتا سکتی ہوں کہ ذات کے در پر جا بجا چپکے اندھیروں کا ذمہ دار کون ہے۔ مجھے کس نے شہر بد گمانی کی تاریکی میں دھکیلا ہے۔"

کس نے ان راستوں پر ڈالا ہے جہاں نہ چاند کی دستک ہے نہ روشنی کے قدم! کیسے بتاؤں اسے کہ میری روح نابیں اس کے عزیز دوست نے اکھاڑی ہیں۔ اسی کے سرد تعلق کے بے ثمر لمحوں نے مجھے اس دوراہے پر ہے جہاں اپنی پہچان بھولنے لگتی ہے' جہاں یقین کاغذ کی کشتی کی طرح وسوسوں کی بارش میں بھیگ کر ٹوٹ ہے۔

جہاں دیار ذات کے تاریک بام و در میں خوشی اور خوش قسمتی کی کوئی کرن نہیں جگمگاتی۔

کروٹ بدل کر رات گزرنے کا انتظار کرنے لگی۔ اب تو ہر رات یہی کام رہ گیا تھا کہ انتظار کی گلی میں گم ہوکر گھومتی پھرتی رہے۔

◆◆◆

"جب سے میرا ٹرانسفر لاہور ہوا ہے، اتنی مدت میں آج پہلی مرتبہ یہاں آیا ہوں۔ اتنی مصروف زندگی ہے کہ فرصت نکالنا بھی گویا پہاڑ کھودنے سے کم دشوار نہیں لگتا۔"

سعد اپنے رینک کے فوجی افسر کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا اوپر جا رہا تھا۔ آج چھٹی کا دن تھا۔ دوپہر کو بیٹھے بٹھائے دونوں نے ادھر کا پروگرام بنایا تھا سو ایک گھنٹے میں تیار ہو کر پہنچ گئے۔ دونوں گھریلو لباس میں تھے اور دوسرے لوگوں میں گھل مل کر چل رہے تھے۔

معاً اس کی نگاہ خواتین کے لیے مخصوص جگہ کی سمت اٹھی۔ اور پھر جیسے بے اختیاری سے ادھر ہی چپکی رہ گئی۔

بڑی سی سبز ململی چادر اوڑھے سر جھکائے گلے میں دو تین منکے ڈالے وہ خاتون سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کی گود میں مکھانے اور پھولوں کے دو پیکٹ کوئی آتا جاتا رکھ گیا تھا۔ یوں تو اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن جونہی اس نے چہرے کو آدھے سے زیادہ ڈھانپی ہوئی چادر کو درست کرنے کے لیے ذرا سا منہ اوپر کیا تو اس کی صورت نمایاں ہو گئی۔ گو کہ اس نے دوبارہ چادر آگے کر لی تھی مگر سعد کی بینائی نے اچھی طرح اس کا چہرہ ذہن میں محفوظ کر لیا تھا۔

"شاہین! او مائی گاڈ کیا میرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ وہ یہاں کہاں مگر نہیں یہ سو فیصد شاہین تھی۔" اس کے ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔ پھر وہ نہ رہ سکا۔ اردگرد کے ہجوم کی پرواہ کیے بغیر کسی طرح جگہ بناتا اس کے سامنے گیا اور پوری شدت سے پکارا۔

"شاہین!" اور اس پکار کے ساتھ ہی جھٹکے سے اس کا سر اٹھانا اور اسے سامنے پا کر آنکھوں کا پتھرا جانا از خود اس کے واہمے کی تصدیق کرتا چلا گیا۔

"تم یہاں!" زمین و آسمان سعد کی نظروں میں گھومنے لگے تھے۔ شاہین کو یہاں نسرین بانو کی پناہ میں آج چار دن ہو گئے تھے۔

"سعد بھائی!" اس کا جی چاہا، وہ دھاڑیں مارتی ہوئی اس سے لپٹ جائے مگر موقعہ کی مناسبت سے اس نے ضبط کیا۔

"کیا ہے چھوری؟" نسرین اس فوجی ہیئر کٹ والے بندے کو شاہین سے باتیں کرتا دیکھ کر لپک کر ادھر آگئی تھی۔

"خالہ! یہ میرے رشتے کے بھائی ہیں۔ میرے عزیز ہیں۔" اس کی آواز بھیگ رہی تھی۔ "یہ میری مدد ضرور کریں گے۔" اسے جیسے پورا یقین تھا۔

"اندر جا کر اپنے پرانے کپڑے بدلو اور خاموشی سے اس کے ساتھ نکل جاؤ۔" نسرین نے تیز سرگوشی کی۔ "میرے دل سے ایک بڑا بوجھ سرک گیا۔ جاؤ شاید اس کی انگلی پکڑ کر تم عزت و آبرو کی زندگی کو جانے والا راستہ تلاش کر لو۔ اٹھو دیر نہ کرو۔"

سعد نا سمجھی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔

"میں ابھی آتی ہوں سعد بھائی۔ آپ جائیے گا نہیں۔"

○○○

وہ تھوڑی دیر بعد آئی تو کالج کے یونیفارم میں تھی۔ کاندھے پر بیگ لٹکا ہوا تھا۔ سعد کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔" وہ بڑبڑایا۔ وہ اس حلیے میں لاہور میں کہاں ماری ماری پھر رہی تھی۔ یہاں تک کس وسیلے سے پہنچی۔ وہ اسے بچپن سے جانتا تھا۔ ڈرپوک، کمزور دل والی اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوف سے

ارشین کی گود میں چھپ جانے والی وہ سیدھی سی لڑکی تن تنہا گھر سے سینکڑوں میل دور آنے کی ناقابل یقین کیونکر دکھا سکتی تھی۔

صورت حال کے پیش نظر وہ بولا کچھ نہیں، چپ چاپ اسے لیے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ وہ اتنا شاکڈ تھا ہمراہ آئے میجر تنویر کو مطلع کرنا بھی بھول گیا۔

مجھے کسی محفوظ جگہ لے چلیے سعد بھائی۔" سڑک پر آتے ہی وہ سعد کی آستین پکڑ کر خوفزدہ نظروں سے ادھر دیکھنے لگی۔ پروفیسر دانیال مہدی کا آسیب ان پانچ دنوں میں ہر لحہ اس کا تعاقب کرتا رہا تھا۔

لیتے ہوئے اسے کہاں خبر تھی کہ وہ شیر کی کچھار میں قدم رکھ رہی ہے۔ پروفیسر دانیال مہدی کس قدر سازشی اور کمینی خصلت کے مالک تھے۔ وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھی۔ بابا جان کو بھڑکا کر طرح ارشین آپا سے زیادتی پر آمادہ کیا اور پھر امبرین کو لیلیٰ شاہ کے توسط سے جس طرح برباد کرنے کی کوشش کے بعد ان جیسے شخص کے کردار کے بارے میں مزید توضیح کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی۔ وہ تو شکر تھا طور پر وہ اپنے حواسوں میں پلٹ کر ہوٹل سے فرار ہو گئی تھی۔ وگرنہ اب تک وہ پامال کی جا چکی ہوتی۔ دانیال انسان کے روپ میں ایک شیطان تھے۔ ایک مہذب درندہ جو انسانیت کی بے ضرر کھال میں چھپ کرتا ہے۔

سعد نے جیپ کا فرنٹ ڈور کھولا۔ شاہین لپک کر سوار ہو گئی۔ اس نے دوپٹہ اچھی طرح اپنے چہرے پر لپیٹ لیا کوئی شناخت نہ کر سکے۔ سعد نے یہ بات خصوصی طور پر نوٹ کی اور اپنے طور پر کچھ اخذ بھی کر لیا۔

کتنے دن سے یہاں ہو؟" وہ جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔ وہ اتنا تو جان چکا کچھ غیر معمولی واقعہ ہوا ہو گا جب ہی وہ یہاں دکھائی دے رہی تھی۔

آج کا دن ملا کر پانچ دن ہو گئے ہیں۔" وہ چور لہجے میں سر جھکائے آہستگی سے گویا ہوئی۔

گھر والوں کو پتا ہے تم کہاں ہو؟" سعد کو خود بھی احساس تھا کہ وہ ایک بے مقصد سوال پوچھ رہا ہے۔

نہیں۔" اس نے مجرمانہ انداز میں سر جھکا لیا۔ "وہ مجھے رو پیٹ کر صبر کر چکے ہوں گے۔"

گویا تم پانچ دن سے بغیر بتائے گھر سے غائب ہو۔ مائی گاڈ۔" وہ حیرت و ملامت کے سے انداز میں اس کا چہرہ لگا۔

اتنے دن سے دربار پر ہی پڑی ہو یا کہیں اور بھی ٹھکانا ہے۔"

اتنے میں مین روڈ کے دائیں طرف ایک پبلک پارک نظر آیا تو سعد نے احتیاط سے جیپ سائیڈ پر لگا دی۔ کے نام پر درختوں کی چند قطاریں تھیں اور گاہے گاہے رکھے چار سنگی بینچ۔ ابھی شام ڈھلی نہ تھی اس لیے اور لوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ فی الحال موقوف تھا۔ سعد نے دو درختوں کے بیچ سائے میں لگا بینچ منتخب اسے بیٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے خود بھی جلدی سے ایک کونے میں براجمان ہو گیا۔ وہ پوری بات سننے کو بری بے تاب دکھائی دیتا تھا۔

نہیں۔ اگر کوئی محفوظ ٹھکانا ہوتا تو دربار میں نہ پڑی ہوتی۔"

ساری بات تفصیل سے بتاؤ۔ تم یہاں کیسے پہنچیں؟ کیا کر رہی ہو یہاں! اور کس حادثے نے تمہیں یہاں پہنچایا۔ اگر بالفرض کسی سانحے نے تمہیں اتنی دور پہنچا دیا تھا تو آزادی پا کر اپنے گھر لوٹنا تمہارا فرض نہیں تھا

شاہین نے گہری سانس لی۔ سعد کی تفتیش اس کے دل کو سہار رہی تھی۔

آپ تو ہر بات سے واقف ہیں سعد بھائی۔" وہ ملتجی لہجے میں گویا ہوئی۔ "ہمارے گھر کے حالات، ماحول اور اثرات، ہر چیز آپ کے سامنے رہی ہے۔ آپ سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہے۔ ارشین آپی کے ساتھ اس

شیطان صفت پروفیسر دانیال نے کیا کیا۔ امبرین باجی کس طرح مسلسل ناکامیوں اور گھر والوں کے ناروا سلوک کے ہاتھوں ذہنی مریض بنیں۔ آپ سب جانتے ہیں۔ بس ہوا یہ کہ وہ ان ناکامیوں کا انتقام لینے کے لیے معاشرے کے ساتھ ساتھ خود سے بھی خفا ہو گئیں اور خود اذیتی کے اس جوش کو لیلیٰ شاہ کی چالبازی اور مجرمانہ سازشوں نے مزید بڑھایا۔ انہیں نشے کی لت لگا دی جو اتنی بڑھی کہ امبر باجی اس کے بغیر رہ نہ پاتی تھیں۔ گھر والوں کو پتا چلا تو رسیوں سے باندھ دیا مگر مجھ سے ان کی نشہ ٹوٹنے کے بعد والی خوفناک اور قابل رحم حالت دیکھی نہ گئی۔ ان کی منتوں واسطوں سے میں پگھل گئی اور نشہ لینے چل پڑی۔ واپسی پر بابا جان کی نظر پڑ گئی۔ ان کی دہشت اتنی تھی کہ میں بے سوچے سمجھے ان سے بچنے کے لیے بھاگتی چلی گئی اور کسی طرح پروفیسر دانیال سے ٹکرا گئی۔ پروفیسر مجھے ذہنی طور پر مفلوج پا کر غالباً "ارشین آپی سے انتقام لینے کے لیے یہاں لے آئے۔ شاید وہ کچھ بہت زیادہ برا کرتے میرے ساتھ مگر میرے اعصاب بیدار ہو گئے۔ مجھے جیسے ہی خطرے کا احساس ہوا وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی اور یوں دربار تک پہنچ گئی۔" شاہین کی آواز آنسوؤں میں ڈوب رہی تھی۔ بڑے دن کے رکے ہوئے آنسو موقع پا کر تیز بوچھاڑ کی طرح بہتے چلے گئے۔

"کیا اندازہ کر سکتی ہو، تمہارے پیچھے تمہارے گھر والوں کا کیا حال ہوا ہوگا؟" سعد کا لہجہ بھنچا ہوا تھا۔

شاہین خاموشی سے سر جھکائے روتی رہی۔

"چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔" سعد نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔" شاہین نے خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دونوں بازو اپنے اردگرد سکیڑ کر باندھ لیے۔

سعد کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔

"نادانی کی باتیں مت کرو۔" اس کے لہجے میں سختی تھی۔ "ابھی کم سن ہو، نا سمجھ، آگے کی کٹھنائیاں نظر نہیں آ رہیں۔ جتنی حماقت کر چکی ہو اتنی ہی کافی ہے، مزید نادانی کا ثبوت نہ دو۔"

"بابا جان مجھے مار ڈالیں گے سعد بھائی۔" وہ رو رو کر پاگل ہو رہی تھی۔

"وہ تو ایک ہی دفعہ ماریں گے ناں۔ یونہی کٹی پتنگ کی طرح ڈولتی رہیں تو دنیا پل پل مارے گی۔ روند ڈالے گی تمہیں۔ دنیا انسانوں کا ایک سمندر ہے جس کی ہر موج طوفان بن کے ٹکراتی ہے۔ کہاں کہاں بچو گی ان طوفانوں سے۔ اور کس طرح؟"

سعد کا لہجہ تلخ تھا۔ امبرین کی تباہی کی داستان اس کے دل میں گہرے گھاؤ ڈال رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا بات اس انتہا تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ اتنی گھریلو سی لڑکیاں دقیانوسی اور تنگ نظر ماحول کی پروردہ، دنیاوی چھل فریب سے ناواقف اور کیا کر بیٹھی تھیں۔ کہاں لے آئے انہیں حالات۔

"اگر آپ کو میری ذمہ داری بوجھ لگ رہی ہے تو واپس دربار پہ چھوڑ آئیں مگر یہ طے ہے کہ میں گھر واپس نہیں جاؤں گی۔ آپ کو کیسے سمجھاؤں، وہ لوگ مجھے قبول نہیں کریں گے۔" اس بات کا اندازہ تو سعد کو بھی تھا لیکن پھر بھی وہ اسے اس کے والدین تک پہنچانا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا تھا۔

"ضد نہ کرو۔ شاباش۔" وہ نرمی پر اتر آیا۔ "آؤ۔" اس نے بچوں کی طرح اسے بہلاتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما اور اٹھانے کی کوشش کی۔

"نہیں۔" وہ مچھلی کی طرح تڑپ کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔

"آپ اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دیں یا نہر میں دھکا دے دیں۔ یہ بات طے ہے کہ میں گھر واپس نہیں جاؤں گی۔" وہ جنونی ہو رہی تھی۔ سعد پریشان ہو کر اس کی جذباتی کیفیت پر غور کرنے لگا۔ وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک تھی۔ بخاری صاحب اور صباحت کسی قیمت پر اسے قبول نہ کرتے بلکہ انتہائی حدود پر کھڑے شاید کچھ کر ہی

...رتے

"آپ جانتے تو ہیں سب کچھ۔ پھر بھی مجھے قتل گاہ پر لے جانے کے لیے بضد ہیں۔" سرخ آنکھیں مسلتے وہ بچوں کی طرح بلک رہی تھی۔

"اچھا۔ یہ رونا دھونا تو بند کرو۔ مجھے کچھ سوچنے دو۔" سعد نے ایک ہاتھ سے اس کے گال صاف کیے۔ وہ عجیب ... پر آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ میس میں رہتا تھا ظاہر ہے اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا۔ بہت دیر تک سوچوں کے گھوڑے ادھر ادھر دوڑانے کے بعد بالآخر اسے ایک مناسب حل سوجھ گیا۔

"چلو آؤ۔" وہ جیپ کی چابی جیب سے نکال کر کھڑا ہو گیا۔

"مم۔ میں نہیں جاؤں گی۔" وہ بدک گئی۔

"تمہارا ہی ٹھکانا کرنے جا رہا ہوں احمق۔" وہ جھلا گیا۔ "گھر واپس نہیں جانا تو آخر کہیں تو رہنا ہے نا۔ کیا خلا میں لٹک کر عمر گزارو گی۔" وہ ٹھیک ٹھاک ڈانٹ رہا تھا۔

"آپ... میرے ساتھ دھوکا تو نہیں کر رہے؟" وہ ابھی تک مشکوک تھی۔

"اب چلو گی بھی یا اٹھا کر لے چلوں۔" اس نے دھمکایا۔

"ن... نہیں۔" وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"میں داتا دربار اپنے دوست میجر تنویر کے ساتھ آیا تھا۔ تمہارے چکر میں اس غریب کو وہیں بھٹکتا چھوڑ آیا ہوں۔ وہ وہاں میری شان میں قصیدہ پڑھ رہا ہوگا۔ اس کا گھر یہیں ہے لاہور میں۔ ہر ویک اینڈ پر مجھے زبردستی ساتھ لے جاتا ہے۔ اس کی امی شبانہ خالہ بہت اچھی ہیں۔ تنہا خاتون ہیں، بڑی نیک اور میٹھی طبیعت پائی ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں عارضی ٹھکانے کے لیے ان کے پاس چھوڑ دوں۔ بھروسے کے لوگ ہیں۔ اس صورت حال میں اس سے بہتر جائے پناہ اور کوئی نہیں ملے گی۔"

ناچار شاہین اس کے پیچھے چل پڑی اور جیپ میں بیٹھ گئی۔ راستے میں گاہے گاہے چور نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ اندر سے ابھی تک ڈر رہی تھی کہ کہیں وہ اسے بہلا پھسلا کر اسلام آباد نہ لے جائے۔ یہ ڈر ختم ہوا جب جیپ شہر کی حدود سے قدرے ہٹ کر ایک پرسکون سی سرسبز جگہ پر رکی۔ بیل دینے پر ایک شفیق خاتون سفید کریب کا دوپٹہ سر پر لپیٹے آنکھوں پہ نظر کی عینک لگائے ایک ہاتھ میں اخبار لیے باہر آئی تھیں۔ سعد ... اشارہ کرتے ہوئے نیچے اتر آیا تھا۔

"السلام خالہ جی۔"

"ارے سعد بیٹے! کیسے ہو تم۔" شبانہ خاتون کے چہرے پر خوش خلق مسکراہٹ اور انداز میں گرمجوشی تھی۔ نظریں جیپ کے اندر کچھ تلاش کر رہی تھیں جیسے مزید کسی کے اترنے کی منتظر ہوں۔

"تنویر میرے ساتھ نہیں آیا خالہ۔"

"اوہ اچھا۔ تم اندر تو آؤ ناں۔ یہ بچی کون ہے؟" ان کی نظریں مسلے ہوئے سفید یونیفارم میں ملبوس زرد اور سہمی ہوئی سر جھکائے آنسو روکتی اس کم سن سی دوشیزہ پر سوالیہ انداز میں جم گئی تھیں۔

"یہ میری کزن ہیں۔ اسی کے مسئلے کے حل کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ اندر چلیے ساری بات بتاتا ہوں۔"

شبانہ خاتون انہیں اندر لے آئیں۔

"بیٹا تم تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔ چاہو تو ہاتھ منہ دھو لو۔ شاید دور کے سفر سے آئی ہو۔" جہاندیدہ خاتون تھیں، صورت حال انہیں بہت کچھ سمجھا رہی تھی۔

"کرن! باجی کو میرے کمرے میں لے جاؤ۔" شبانہ کے بلانے پر دس گیارہ سالہ سانولی رنگت کی شوخ سی لڑکی

اچھلتی ہوئی اندر آ گئی۔
"آؤ باجی جی۔" وہ شاہین کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے لگی۔
شاہین نے ہچکچاتی نظروں سے سعد کی طرف دیکھا۔
"جاؤ شاہین۔" سعد نے نرمی سے کہا۔ "منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو لو۔" وہ خود بھی یہی چاہتا تھا تاکہ شبانہ خاتون سے تنہائی میں بات کر سکے۔
ان کے جانے کے بعد وہ سنجیدگی سے شروع ہو گیا۔
"خالہ! یہ بچی مصیبت زدہ ہے اور اسے ایک پناہ گاہ چاہیے۔ میں اسے آپ کے پاس لایا ہوں۔"
"تم پوری بات بتاؤ پہلے۔ کیا بیتی اس ننھی سی چڑیا پر۔ یہ تو بہت چھوٹی ہے۔" سعد نے ان کے انداز میں سچی ہمدردی محسوس کی۔ اس نے بخاری فیملی کے بارے میں بہت مختصر سا تعارف کرانے کے بعد شاہین کے یہاں تک پہنچنے اور بھٹکتے پھرنے کی داستان بتائی۔
"خالہ! فی الحال میں اسے کہیں بھی نہیں لے جا سکتا۔ اگر میرے والدین ان کے پڑوس میں نہ رہتے ہوتے تو ان کے پاس چھوڑ دیتا مگر ایسی صورت حال میں اسے اسلام آباد میں کسی جگہ نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ کوئی محفوظ راستہ نہ پا کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ یہ بہت کم عمر ہے۔ نادانی میں اپنا ناقابل تلافی نقصان کر بیٹھی ہے۔ ایسا نہ ہو جو "بچت" ابھی تک ہے وہ بھی نہ رہے۔ آپ سمجھ رہی ہیں ناں میری بات!!" سعد کی نظر جھک گئی۔
"میں سب سمجھ رہی ہوں بیٹے۔" شبانہ خاتون نے گہری سانس لی۔ "عورت کی عزت اس کی سب سے بڑی بچت ہوتی ہے۔ عمر بھر کی کمائی۔ تم جب تک چاہو گے، یہ بچی میرے پاس رہے گی۔ اللہ کرے اس مسئلے کا کوئی قابل قبول حل نکل آئے۔ ویسے تم اپنے والدین کو آگاہ کر دو۔ تم انہیں اس بچی کے والدین سے بات کر کے صورت حال سمجھانے کے لیے کہہ سکتے ہو۔ ممکن ہے مسئلہ سلجھ جائے۔"
"شاید!" سعد سوچ میں پڑ گیا۔ "لیکن فی الحال یہ مناسب نہیں ہو گا۔ اس کے والد بزرگوار آتش فشاں بنے ہوئے ہوں گے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"میں چلتا ہوں خالہ۔ میں فون کرتا رہوں گا۔ ویک اینڈ پر تنویر کے ساتھ آؤں گا۔ شاہین کو بتا دیجیے گا۔"
"تم فکر نہ کرو۔ میں سب سنبھال لوں گی۔" انہوں نے تسلی دی۔

◆◆◆

"آؤ خالہ! بڑے دنوں بعد چکر لگایا۔ یہ کیا لے آئیں؟"
ارشین ایزل پر جھکی انہماک سے پینٹنگ کو آخری ٹچ دے رہی تھی۔ قدموں کی چاپ پر مڑی تو خالہ برکتے کو اسٹیل کی پلیٹ سرخ کپڑے سے ڈھانپ کر ہاتھ میں تھامے اندر آتے دیکھا۔
"تمہارا منہ میٹھا کرانے آئی ہوں۔ خیر سے میری گھر میں خوشی آئی ہے۔ دادی بن گئی ہوں میں۔ رانو کو اللہ نے بیٹا دیا ہے۔"
"ارے۔۔۔" ارشین کو دلی خوشی ہوئی۔ "بہت بہت مبارک ہو خالہ! یہ تو سچ مچ مٹھائی والی خبر ہے۔ لو جلدی سے منہ میٹھا کراؤ۔ بڑے عرصے سے منہ کا ذائقہ نہیں بدلا۔"
خالہ برکتے نے ایک لڈو اس کے منہ میں ڈال دیا۔ خوشی سے ان کا چہرہ دمک رہا تھا۔
"اور لاڈو کیسی ہے۔ اپنے گھر میں خوش تو ہے ناں۔ اس کو اطلاع پہنچائی آپ نے۔ وہ پھوپھی بن گئی ہے۔"
ارشین کے لہجے میں مخلصانہ سا اشتیاق تھا۔
"ہاں! اس کے سسرال میں بھیجا ہے خیردین کو۔ شام تک آ جائے گی۔"

خالہ برکتے کو مسرتیں بے ٹھکانہ کیے دے رہی تھیں۔ سادہ، بے خبر اور قناعت پسند لوگوں کے لیے زندگی کے چھوٹے چھوٹے احسان کتنے یادگار اور بڑے ہوتے ہیں۔
وہ لبوں پر مسکراہٹ سجائے خالہ برکتے کے محسوسات میں شریک رہی۔
"اچھا بیٹی! میں چلتی ہوں۔ ابھی سارے پنڈ میں لڈو بانٹنا ہیں۔ صدقہ دینا ہے۔ بابا سائیں کو نیاز بھجوانی ہے۔ بڑے کام ہیں ابھی۔"
خالہ برکتے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کے کھڑی ہو گئیں۔
"طیفا بتا رہا تھا، تم بھوتوں کے ڈیرے کے آس پاس بہت جاتی ہو۔ ارے بیٹی ایسی غلطی نہ کرو۔ اللہ نہ کرے کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔ یہ جگہ بہت خطرناک ہے۔ اگر جنوں بھوتوں کی تم پر نگاہ پڑ گئی تو۔۔۔"
"نہیں پڑتی مجھ پر نظر۔" ارشین ایک مدت کے بعد بے اختیار اور کھل کر ہنسی تھی۔ خالہ برکتے کو اس کا مذاق اڑانے کا یہ انداز پسند نہیں آیا۔ افسوس اور ملامت کے ساتھ دیکھتی ہوئی چلی گئیں۔
"اچھا بیٹی! تمہاری مرضی۔" جاتے جاتے ان کی ٹھنڈی سانس ارشین کو گدگدا گئی۔
"تو بوا۔ لڈو کھاؤ۔" وہ باہر صحن میں آم کے درخت کی چھاؤں میں چارپائی پہ منہ پر دوپٹہ ڈالے لیٹی بوا کے پاس پلیٹ لے آئی۔ شام ڈھل چکی تھی۔ گرمی کی شدت کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔ بوا دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آم کی چھاؤں میں پڑ کے سوئی ہوئی تھیں۔ ان کی نیند عموماً بہت گہری ہوتی تھی۔
"تم کیسے اتنا سو لیتی ہو بوا! میں تو کوشش کر کر ہار گئی۔ دن کو چھوڑ رات کو بھی پلکیں آپس میں نہیں جڑتیں۔"
ارشین نے انہیں ہلا جلا کر دیکھا وہ بے خبر سوئی ہوئی تھیں۔
"چلیں۔ نیندیں پوری کریں۔" وہ مسکرا کر اٹھ گئی۔ اسی لمحے باہر کا دروازہ بجا۔ کھولا تو داور کو ہاتھ میں کاغذوں کا پلندہ تھامے کھڑا پایا۔
"آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا۔ ویسے کیا تو ہو گا کہ نوکری کرنے والوں کے لیے چھٹی کا دن سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔" سلام دعا کے بعد وہ بشاش موڈ لیے اندر آ گیا۔
"سونے جیسا قیمتی بھی ہوتا ہے اور سونے کے لیے بھی۔" ارشین نے اضافہ کیا۔
"بوا کہاں ہیں؟ اچھا یہ رہیں۔ غالباً سوئی ہوئی ہیں۔" داور کو آم کے درخت کے نیچے بچھی چارپائی پہ سوئی ہوئی بوا نظر آ گئی تھیں۔
"آپ رکیے گا۔ میں بیٹھنے والے کمرے کی چابی لاتی ہوں۔"
"کیا مطلب!" وہ برآمدے میں دیوار سے لگے بینچ پر ایک پاؤں رکھ کر کھڑا حیرانی سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔
"کیا آپ لوگ اپنے گھر کے کمروں کو تالے لگا کر رکھتے ہیں؟"
"نہیں۔ مگر یہ خاص کمرہ ہے اور عام حالات میں بند رہتا ہے۔" وہ یہ نہ بتا سکی کہ یہ کمرے کے مالک کا حکم ہے۔
"تو پھر بند ہی رہنے دیں۔ مجھے کسی "عام" کمرے میں لے چلیے جو عام حالات میں زیر استعمال رہتا ہے۔"
ارشین کچھ ہچکچا کر اسے سامنے والے چھوٹے سے اسٹور روم میں لے آئی۔
داور نے چونک کر ارد گرد کا جائزہ لیا۔ بان کی چارپائی، دو موڑھے (جو ارشین نے پچھلے ماہ خریدے تھے) اور ایک دیوار گیر الماری۔ سامنے لوہے کی سلاخوں اور لکڑی کے پٹ والی کھڑکی کھلی تھی جہاں سے قبرستان کا منظر نظر آ رہا تھا۔
عجیب بے کیف اور بے چارا سا ماحول تھا۔ داور نے تو سادگی سے کہہ بھی ڈالا۔
"بھئی، مجھے تو یہاں بہت گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔ آپ کیسے رہ لیتی ہیں۔ میرا مطلب ہے آرٹسٹ لوگ تو بڑے نازک خیالات کے مالک ہوتے ہیں۔"

ارشین کے ہونٹوں پر بے معنی سی مسکراہٹ آکر چلی گئی۔
داور نے موڑھا سنبھال لیا تھا اور اب وہ بیٹھا غور سے ایزل پر بنی پینٹنگ دیکھ رہا تھا جسے ارشین آخری ٹچ دے رہی تھی اور غور سے دیکھتے ہی اچانک اسے وہ احساس جاگا تھا۔
اس نے ایک نظر پینٹنگ کو اور پھر اسے دیکھا۔
"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔" ارشین کو وہ گہری الجھن میں گرفتار نظر آیا۔
"یقیناً" آپ کو پینٹنگ کا سبجیکٹ مختلف لگا ہوگا۔ میرا شروع سے یہی اسٹائل ہے۔ اس طرح کالے آؤٹ بنا کر کام کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اندر کسی تہہ میں لپٹے ہوئے پوشیدہ احساسات کاغذ کے سینے پر سمٹ آئے ہیں۔"
وہ اپنے طور پر یہی سمجھی تھی کہ الجھن کا سبب پینٹنگ ہے۔
"میں اس طرح کا آرٹ ورک دیکھ چکا ہوں پہلے۔ مگر کہاں؟" وہ بڑبڑایا۔ "یاد آیا۔ کچھ سال پہلے میں اخبار میں کلچرل رپورٹنگ کے شعبے میں کام کرتا تھا' انہی دنوں ایک نمائش ہوئی تھی اور کسی خاتون مصور کی تصویر کو فرسٹ پرائز ملا تھا۔ اس تصویر کی کیمرہ فوٹوگراف اخبار میں چھپی تھی۔ اس پینٹنگ کا عنوان تھا..... آں....." وہ سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔
"انسان کی تلاش۔" ارشین نے آخری اسٹروک لگاتے ہوئے آہستگی سے جملہ مکمل کیا۔ داور بری طرح چونک پڑا۔
"بالکل یہی تھا۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔ "اور اب اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ تصویر بھی ان ہی ہاتھوں سے تکمیل پائی تھی جو اس وقت برش سنبھالے ہوئے ہیں۔"
اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چلتے ہوئے عین اس کے سامنے آکر رک گیا۔
"آپ کون ہیں؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔
"جو بھی ہوں' آپ کے سامنے ہوں۔" وہ نظریں چرا گئی۔
"نہیں! کم از کم اس درجہ انسان شناسی تو بہرحال آتی ہے مجھے۔ آپ اس خطے کا حصہ نہیں ہیں۔ اتنا تو میں جانتا ہوں بلکہ یہ بات بھی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا اٹھنا بیٹھنا اور رابطہ و واسطہ مہذب اور اعلا قسم کی سوسائٹی کے افراد کے ساتھ رہا ہے۔ کوئی حادثہ آپ کو یہاں تک لایا ہے۔ میں سچ کہہ رہا ہوں ناں؟"
ارشین تردید نہ کر سکی' تاہم مزید وضاحت بھی نہیں کی۔ خاموشی سے اپنا کام مکمل کرتی رہی۔
"مجھے آپ کے بارے میں جاننے کا تجسس ہے۔ کیا آپ میرا تجسس دور کر سکتی ہیں؟ میرا کام مکمل ہو گیا ہے۔ مہران کو رپورٹ بھجوا دی ہے۔ شاید کل تک بھوتوں کے اس ڈیرے کے تمام رازوں سے پردے اٹھ جائیں اور سادہ دل لوگوں کا خوف و ہراس ختم ہو جائے۔ میں پرسوں واپس چلا جاؤں گا۔ میرا خیال ہے' آپ کی ذات سے متعلق سچ کا مجھ تک پہنچنا آپ کے لیے خطرے کا باعث نہیں بنے گا۔"
"یہ سچ آپ تک کیا کسی تک بھی پہنچ جائے' میرے لیے خطرے یا نقصان کا سبب نہیں بنے گا۔ اب مزید نقصان کیا ہوگا؟"
وہ خود کلامی کے سے انداز میں گویا ہوئی۔
"ویسے بہتر ہوگا' یہ سوال آپ اپنے ایس ایس پی دوست مہران آفریدی سے کریں۔ ان کے پاس اس کا مکمل جواب بھی ہے اور جواز بھی۔ یہ گھر ان ہی کا ہے۔" اس نے گویا دھماکا کیا۔
"یہ جگہ مہران کی ہے؟" داور کے سینے میں "کچھ" ڈوبنے لگا۔
"جی ہاں۔ انہوں نے یہ ٹھکانا میرے قیام کے لیے منتخب کیا تھا۔ وہی مجھے ساتھ لائے تھے اسلام آباد سے۔

آپ جان ہی گئے ہوں گے' کوئی غیر آدمی کس رشتے سے' کسی کی بیٹی کو گھر سے وداع کرا کے لاتا ہے۔"
جیسے چھت کی بہت ساری کڑیاں تڑخ سے داور کے سر پر آگری تھیں۔ وہ سلو موشن میں دوبارہ موڑھے پر ٹک گیا۔ کچھ دیر تک یوں سر جھٹکتا رہا جیسے کچھ سمجھ نہ پا رہا ہو پھر آہستہ آہستہ نارمل ہو گیا تاہم چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا اور آنکھوں کی چمک بجھ گئی تھی۔
"تو آپ وہ والی ارشین ہیں۔ ارشین بخاری۔ مصوری کی دنیا کا ایک جانا پہچانا نام۔" چہرے اور آنکھوں کے ساتھ ساتھ لہجے کی بشاشت بھی غائب ہو گئی تھی۔
"کمال ہے۔ اتنا احمق اور کم عقل بھی نہ ہو کوئی۔ سامنے کی بات تھی اور میرے ذہن میں نہ آئی۔" وہ اپنے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔
"مجھے یہ تو پتا تھا کہ مہران کا آبائی گاؤں یہیں کہیں ہے اور وہیں اس نے اپنی بیوی کو رکھا ہوا ہے۔ بیوی اسلام آباد کی مشہور مصورہ' کالج کی لیکچرار اور پڑھی لکھی خاتون ہیں اور اتنی معلومات کے باوجود میں دھوکا کھا گیا۔ ایک مصورہ اور پڑھی لکھی خاتون کو ایک ویرانے میں پڑے دیکھ کر' اس سے مل کر' اسے دوسروں سے مختلف پا کر بلکہ اس بات کا بار بار اظہار کرنے کے باوجود رشتے کا یہ کنکشن نہ ملا سکا۔ تف ہے بھئی میری ذہانت پر۔ میں آج تک خود کو بڑا افلاطون سمجھتا تھا۔ بڑا ناز تھا اپنی سمجھ بوجھ پر۔ چہ چہ۔" وہ خود کو ڈانٹ رہا تھا۔ انداز اتنا بے ساختہ تھا کہ ارشین کو ہنسی آگئی۔
"اللہ آپ کو ہمیشہ ہنسی سے نوازے۔ خاتون یہ تو ارشاد فرمایئے' صبر کا کون سا نشہ آور گھونٹ پی کے ایک سال سے اندھیر نگری کے اس بھوت بنگلے میں بسیرا کیے ہوئے ہیں۔ میں تو بطور مہمان بیٹھتے ہوئے بھی سخت ناگواری اور تکلیف محسوس کر رہا ہوں یہاں۔ داد دیتے ہیں آپ کی ہمت اور بہادری پر۔"
"میں یہاں سکون سے ہوں۔ یا کم از کم عادی ہو گئی ہوں اس طرح رہنے کی۔" وہ مختصراً بولی۔
"لیکن یہ ظلم ہے اور آواز اٹھانا آپ کا حق تھا۔"
"چیخ چلا کر یا رونے دھونے کے علاوہ بھی ظلم کے خلاف احتجاج کیا جا سکتا ہے۔ اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے' آواز اٹھا کر شور برپا کرنے سے بہتر ہے' خاموشی سے عمل کی آنچ تیز کر دو۔ جب تک انسان کا "اندر" زندہ اور بیدار ہے اس کے باہر کا انسان نہیں مر سکتا۔ ہتھیار ڈالنا شکست نہیں کہلاتا کیونکہ ہار جیت تو میدان عمل کا حصہ ہوتی ہے اپنی شکست کو تسلیم کر لینا اصلی شکست ہوتی ہے۔ لڑائی تلوار کی نوک سے نہیں دل کے اندر بھڑکنے والے جوش کے تیر و تلوار سے لڑی جاتی ہے۔ جنگ' انتقام اور دشمنی اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک کہ دل ایسا نہیں چاہتا۔ مجھے شکست نہیں ہوئی اس لیے کہ میں نے ابھی تک کسی موڑ پر شکست تسلیم ہی نہیں کی۔ میرے اندر آج بھی اتنی ہی ہمت' سچائی' بہادری اور خود اعتمادی ہے' جو ہمیشہ سے میری ذات کا حصہ رہی ہے۔"
"اس سچائی اور مضبوطی کو مہران سے کیوں نہ منوا سکیں؟"
داور دونوں ہاتھ سینے پر باندھے دیوار سے ٹیک لگائے موڑھے پر بیٹھا اس کے الفاظ پر غور کر رہا تھا۔
"جو لوگ آپ کی زندگی میں آنے والے کمزور لمحوں کے گواہ ہوتے ہیں ان کے سامنے سر اٹھا کر اعتماد سے بات کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کا تحقیر آمیز اور استہزائیہ انداز آپ کو کم تر اور بے حیثیت ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ آپ کوشش کے باوجود اپنی صفائی یا دلیل نہیں پیش کر سکتے اور یوں بھی میں ایس ایس پی صاحب سے تمغۂ جرأت وصول کرنے کی کوئی تمنا نہیں رکھتی۔"
"میں آپ کے محسوسات کو سمجھ سکتا ہوں۔" داور نے سچائی سے کہا۔ "اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو شاید میں بھی ایسی صورت حال میں ذہنی طور پر معذور ہو کر رہ جاتا۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ شدید ذہنی جھٹکے کے بعد انسان

سرد پتھر کی مانند ہو جاتا ہے۔ اس کے جذبات کا خانہ خالی اور خاموش ہو جاتا ہے۔ وہاں سناٹے بولنے لگتے ہیں۔ لیکن میں ایک بات ضرور کہوں گا کہ آپ نے مہر بہ لب رہ کر خود پر ظلم کیا۔ آپ کو اپنے حق کے لیے بولنا چاہیے تھا۔ اپنی بات زبردستی اس کے گوش گزار کرنی چاہیے تھی کیونکہ غلط فہمیاں اگر دور نہ کی جائیں تو بدگمانیوں کا روپ دھار کر زندگی کی لطافت میں تلخیوں کا زہر گھول دیتی ہیں۔ آپ کسی بھی طرح سہی اصل بات اس تک پہنچا دیتیں تو شاید صورت حال مختلف ہوتی۔"

"نہیں! صورت حال پھر بھی یہی رہتی۔" اس نے یقین سے کہا۔

"جن لوگوں کو شروع سے یہ یقین دہانی کرائی جاتی ہے کہ وہ ہر معاملے میں ہمیشہ حق پر اور درست ہوتے ہیں وہ لوگ کبھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کیا کرتے۔ وہ اپنا ہر عمل جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا ہر فتویٰ اور اندازہ صحیح ہوتا ہے۔ وہ اپنے خیال میں کبھی غلط نہیں ہوتے۔"

"اب آپ نے آگے کے کیا سوچا ہے؟"

داور گہری سوچ میں گم گویا ہوا۔

"اس سے پہلے میں نے ہمیشہ دوسروں کے لیے سوچا۔ اور کیا اب میں اپنے لیے کچھ سوچنا چاہتی ہوں۔ اپنے لیے ایک نئی دنیا آباد کرنا چاہتی ہوں۔ کب تک دوسروں کے حصے کے پتوار چلا کر کشتی کھیتی رہوں۔ اب میری زندگی کا سفینہ اپنی روانی چاہتا ہے۔ میں اپنے ساتھ مزید ظلم نہیں کروں گی۔"

داور سوچتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

◆◆◆

"تم نے تو کمال کر دکھایا۔ میں نے اپنی رپورٹ میں خصوصی طور پر تمہارا تذکرہ کیا ہے۔ حکام بالا تک وہ رپورٹ پہنچا دی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ روز میں تمہیں جی ایچ کیو سے کال آئے۔"

"ہم کو ان تمغوں ستاروں سے کیا غرض۔ حسین و جمیل ایس ایس پی صاحب! جو اپنا فرض تھا بجالائے۔ بس۔" داور نے ہاتھ جھاڑے۔ وہ دو دن پہلے اسلام آباد پہنچا تھا۔ وسن کوٹ کے نواحی گاؤں میں بارڈر کے پاس منشیات کے اس خفیہ ذخیرے کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مہران نے داور کی تحقیقات مکمل ہو جانے کے بعد اس کی تیار کردہ رپورٹ پر فوری ایکشن لیا تھا۔ حکومت کے اعلیٰ حکام سے صلاح و مشورے کے بعد مقامی پولیس آفیسرز کو اعتماد میں لے کر اڈے پر چھاپہ مارا گیا تھا جو کہ مکمل طور پر کامیاب رہا۔ اگلے دن کے اخبارات میں اس واقعے کو تفصیلی طور پر کوریج دی گئی تھی۔

داور اس وقت مہران کے گھر پر موجود تھا۔

"اور کیسی گزر رہی ہے تمہاری "دوسری" ازدواجی زندگی۔" داور نے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس سے سوال کیا۔ لہجے میں لطیف سی چبھن تھی جسے مہران نے بدرجہ اتم محسوس کیا۔

"چوٹ کرنے سے باز نہیں آؤ گے۔" اس کے انداز میں تنبیہ تھی۔

"تم نے بھی تو چوٹ لگانا نہیں چھوڑا۔" وہ برجستگی سے گویا تھا۔

"کیا وہ بھیڑ بکری ہے جسے اپنے نام کے کھونٹے سے باندھ رکھا ہے؟ نہیں بسانا چاہتے تو آزاد کر دو۔ اسے زندگی اپنی خواہش سے گزارنے کا حق دو۔ اس طرح خلا میں کیوں لٹکا رکھا ہے۔ تم اپنی مرضی کا ساتھی منتخب کر کے اس کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کر چکے ہو۔ اپنی جگہ مطمئن ہو۔ انتقام کے الاؤ پر اب تک کافی سے زیادہ چھینٹے پڑ چکے ہوں گے۔ بس کرو بے حسی کا یہ کھیل۔"

مہران داور کو ہتھے سے اکھڑتے دیکھ کر ایک لمحے کو دنگ رہ گیا تھا۔

"وہ" کہاں سے ٹپک پڑی اس سارے قصے میں۔

اس کو کیسے یاد آ گئی۔

کہیں اس سے مل تو نہیں چکا۔

"اس کے وکیل بن کے آئے ہو تو اس کا مطلب ہے 'مل بھی چکے ہو۔'" مہران نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے سپاٹ انداز میں قیافہ لگایا۔

"وہ ہے ہی ایسی' یہی ایک جادو سیکھا ہے اس نے۔ اپنی ادا و انداز اور نام نہاد معصومیت سے دوسروں کو قائل کر لینے کا فن اسے خوب آتا ہے۔ ایک تم ہی کیا جو بھی اس سے ملتا ہے 'اسے اپنی مظلومیت و متانت کے جال میں الجھا کر میرے خلاف کر دیتی ہے۔ نینی' نازش' سفیان' ناظر سب اس کی حمایت میں میرے مخالف بن جاتے ہیں۔"

مہران کا لہجہ کڑوا تھا۔

"میں کیوں چھوڑوں اسے۔ کیوں اس کی زندگی آسان کروں؟ کیوں لینے دوں اسے سکھ کا سانس۔ میرا سکون' قرار چین کے مجھے بھی تو بے سکون کر رکھا ہے اس نے۔"

"تمہارا سکون چین کہاں سے چھن گیا۔ دوسرا بیاہ کر کے کیا زندگی کا لطف نہیں اٹھا رہے۔"

مہران اس کے سوال پر خاموش رہا۔

"یہ زیادتی ہے۔ ناانصافی ہے اس کے ساتھ۔ خدا کے خوف سے ڈرو۔ تم تو بہت پرہیزگار اور مذہبی ہو۔ یقیناً معلوم ہوگا کہ اسلام میں دونوں بیویوں کے ساتھ عدل اور انصاف قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دونوں کے حقوق برابری کی سطح پر تسلیم کرنے اور انہیں ادا کرنے کا قانون لاگو کیا گیا ہے۔ تم قانون کے رکھوالے ہو کر بھی لاقانونیت دکھا رہے ہو۔ یا تو اسے بیوی بنا کر عزت اور مقام دو یا پھر شرافت کے ساتھ چھوڑ دو۔ ورنہ اس معاملے میں یقیناً تمہاری پکڑ ہوگی۔ اگر یہاں نہیں تو خدا کی عدالت میں جواب طلبی اور مواخذہ ہوگا۔ اس عمل سے تم بچ نہیں سکو گے۔"

داور اتنا سنجیدہ کبھی دکھائی نہیں دیا تھا۔

"ناانصافی اور بے ایمانی میرے ساتھ بھی ہوئی ہے۔ میں دھوکا دہی کا کیس کس عدالت میں پیش کروں؟ کھوٹی عورت اور کھوٹے پیسے کی قیمت ایک سی ہوتی ہے۔" وہ زہرخند ہوا۔

"تم نجانے کون سی صدی کی بات کر رہے ہو؟ اتنے غیر حقیقت پسندانہ اور انتہائی قسم کے خیالات آج کے زمانے میں ناقابل عمل تصور کیے جاتے ہیں۔ کہاں سے ایک ایسا بندہ بشر ڈھونڈا جائے جس کے ذہن میں کسی دوسرے کی پرچھائیں بھی نہ پڑی ہو۔ نہیں ملے گا ایسا کوئی صاف شفاف ماڈل۔ یہ دنیا ہے اور یہاں ہر قدم پر اچھے برے لوگ ٹکراتے رہتے ہیں۔ دامن بچا کے گزرنے کے باوجود بسا اوقات راستے کی جھاڑیاں لباس میں الجھ جاتی ہیں۔ مگر ان کانٹوں کو احتیاط سے چن کر الگ بھی تو کیا جا سکتا ہے۔ کیا اتنی سی بات کے لیے سارا لباس ضائع کر دیا جاتا ہے؟"

"نہ تم میرا نقطہ نظر سمجھ سکتے ہو اور نہ میں تمہاری توجیہات مان سکتا ہوں۔ تو لاحاصل بحث سے کیا فائدہ!"

مہران بےزاری سے گویا ہوا۔

داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

◆◆◆

راشد صاحب ہکا بکا "بخاری لاج" کے گیٹ پر کھڑے تھے۔

”یہ کیا۔ بخاری صاحب! آپ مکان چھوڑ کر جا رہے ہیں کیا؟“ سوزوکی کیری پر ضروری سامان لادا جا چکا تھا۔ دیگر چیزیں بیچ دی گئی تھیں‘ البتہ فرنیچر اسی طرح پڑا تھا۔

”ہاں۔“ ان کا لہجہ تھکا ہوا اور دھیما تھا۔ ”ہم شہر چھوڑ کر گوٹھ جا رہے ہیں۔ ویسے تو کوئی خاص چیز باقی نہیں رہ گئی‘ البتہ فرنیچر جوں کا توں رکھا ہے۔ ہو سکے تو گھر کا دھیان رکھیے گا۔ کبھی دوبارہ اسلام آباد آنا ہوا تو اسے بھی بکوا دوں گا۔ ابھی ٹائم نہیں ہے اور نہ اتنا دم ہے۔“

آناً ”فاناً“ اسلام آباد سے سندھ کے پسماندہ سے گوٹھ میں واپس لوٹ جانے کا فیصلہ راشد صاحب کے لیے نہایت حیران کن تھا‘ تاہم بخاری لاج کے مکین گزشتہ کئی مہینوں سے جن مراحل سے گزر رہے تھے۔ اس کے پیش نظر راشد صاحب نے نازک معاملات پر پوچھ گچھ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

”بہتر ہوتا اگر مکان کرایے پر چڑھا دیتے۔ اس طرح بند پڑا رہے گا تو صفائی ستھرائی نہیں رہے گی۔ کرایہ داروں کی موجودگی میں گھر کھلا رہے گا۔“

”نہیں۔ کرایے پر لگانے کا کوئی فائدہ نہیں ہمیں۔“

راشد صاحب نے خاموشی سے سرہلانے پر اکتفا کیا۔

”ایک کام کیجئے گا۔ امبرین کو گاہے بگاہے دیکھنے اور حال چال دریافت کرنے کے لیے بارہ کہو جاتے رہیے گا۔“

”بارہ کہو؟“ وہ ناسمجھی کی کیفیت میں ان کی صورت دیکھنے لگے۔

بخاری صاحب کے کندھے ڈھلک گئے۔ ان کا سر جھکا ہوا تھا۔

”وہ تقریباً تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ ڈاکٹرز جواب دے چکے ہیں۔ انہوں نے یہ تجویز دی تھی کہ وہ نشے کی اس اسٹیج پر ہے جہاں سے واپسی کے لیے کسی اسپیشل ڈرگ کنٹرول کلینک یا سینٹر میں انتہائی نگہداشت کے شعبے میں ایڈمٹ رکھنا ہو گا۔ شاید طویل علاج اور دیکھ بھال کے ذریعے وہ صحت یاب ہو جائے۔ انہی کے صلاح مشورے سے اسے بارہ کہو میں واقع سینٹر میں ایڈمٹ کرایا ہے۔ وہاں ڈاکٹر رضا ہوتے ہیں۔ سنا ہے ان کے ہاتھ میں بہت شفا ہے۔ وہاں اور بھی اس طرح کے بے شمار مریض ہیں ہم نے چھ ماہ کے ڈیوز جمع کرا دیئے ہیں۔ بیچ میں چکر لگا کے عدنان یا میں اسے دیکھنے آتے رہیں گے۔“

ان کا لہجہ بے حد دھیما تھا۔ یوں لگ رہا تھا‘ چند ماہ میں وہ سو سالہ لرزہ براندام اور ضعیف ولاچار‘ رعشہ زدہ بوڑھے کا روپ اختیار کر گئے ہیں۔

راشد صاحب کو بخاری لاج کے در و دیوار پر بہت ترس آ رہا تھا۔ کوئی خوشی بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

سامان رکھنے کے بعد عدنان‘ صباحت اور ثمرین بک کروائی ہوئی ٹیوٹا ہائی ایس میں بیٹھ گئے۔ عدنان نے گیٹ پر موٹا سا تالا لگا دیا تھا۔

رقیہ بیگم بھی چلی آئی تھیں۔

”میری کوئی بیٹی واپس لوٹی تو میری طرف سے تم میکے کا فرض ادا کر دینا۔“

بہت ضبط کے باوجود ان کی سسکیاں نکل گئیں۔

”صبر بہن‘ صبر کرو۔“ رقیہ بیگم نے انہیں گلے سے لگا لیا۔ ان کی اپنی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

”کیا بتاؤں گی گوٹھ والوں کو۔ اپنے جگر کے تین ٹکڑوں کو کہاں چھوڑ آئی۔ کن کے نام کر آئی اولاد کی دولت۔“

”رونے سے کوئی واپس تھوڑی آ جاتا ہے‘ صباحت بہن۔“

”میں کیا کروں۔ کس طرح سمجھاؤں خود کو۔ جانے کہاں چوک ہو گئی اور زندگی نے اس بھول کی اتنی بڑی سزا دی کہ...“ وہ بلک رہی تھیں۔

ہیں کریں..... دیکھیں بچی پریشان ہو رہی ہے۔“

نہوں نے سہارا دے کر صباحت بیگم کو سیٹ پر بٹھایا اور پریشان صورت لیے بیٹھی ثمرین کے گال تھپکے۔

آخر گاڑی روانہ ہو گئی۔ پیچھے تھکا ہارا شکست زدہ اور ویران بخاری لاج چھوڑ کر۔

شاید مکان بھی اپنے مکینوں کا عکس ہوا کرتے ہیں۔

◆◆◆

السلام علیکم سعد بھائی۔ آپ اتنے دنوں بعد آئے ہیں۔“ شاہین اسے ڈرائنگ روم میں بیٹھے دیکھ کر لپک کر اس طرف آئی تھی۔

بھئی‘ ویک اینڈ سے پہلے کس طرح آ سکتا تھا۔“ وہ خوشدلی سے مسکرایا۔

اور تم ٹھیک رہیں‘ دل لگ گیا ہے یہاں؟“

جی بس۔“ وہ ناچار مسکرا دی۔ ”دل لگے نہ لگے رہنا تو یہیں ہے۔ گھر کی طرف واپسی کی تو کوئی راہ نہیں بچی۔ سعد بھائی! میں اس طرح بیکار نہیں بیٹھنا چاہتی۔ میرے پاس اپنے کالج کا بیگ موجود ہے۔ ایک دو کتابیں اور ہوں گی کیوں نہ میں اپنا ایف اے مکمل کر لوں؟ شبانہ آنٹی کا بھی یہی مشورہ ہے بلکہ وہ مجھے اسٹڈیز میں ہیلپ کرادیں گی۔ وہ کہہ رہی تھیں.....“

ٹھیک ہے۔ یہ تو اچھی بات ہے۔“

اسی دوران شبانہ خاتون بھی آ گئیں۔

اور بھئی‘ کیا گپ شپ ہو رہی ہے۔ میری شکایتیں تو نہیں لگ رہیں؟“

شکایتیں اور آپ کی؟“ شاہین نے ان کے پاس بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگا لیا۔

ایک ماہ ہوا ہے آپ کے پاس آئے ہوئے۔ مگر یوں لگتا ہے صدیوں کی آشنائی رہی ہو۔“

بیٹیاں گھروں کی رونق ہوتی ہیں۔ میرا تو گھر سج گیا ہے اس کے وجود سے۔“ انہوں نے پیار سے اس کے ریشمی بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔“ شاہین اٹھ گئی۔

سب سے اچھی بات کہی ہے خاتون آپ نے۔“ تنویر نہا دھو کر فریش ہو کر گنگناتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا ہوا تھا۔

آپ تو چائے پر جیتے ہیں۔ اگر آپ کا بلڈ ٹیسٹ کرایا جائے تو آپ کی شریانوں میں خون سے زیادہ چائے دوڑتی پائی جائے گی۔“

شاہین نے اسے چڑایا۔ وہ اس ایک ماہ کی مدت میں ماں اور بیٹے دونوں سے گھل مل گئی تھی۔ یوں بھی میجر تنویر ایک خوش مزاج اور ملنسار قسم کا بندہ تھا۔ اپنے حال میں مست رہتا تھا۔ اس کی پچھلے سال شبانہ کے جاننے والوں کے ہاں منگنی ہوئی تھی۔ صالحہ فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں تھرڈ ایئر میں پڑھ رہی تھی۔ ان لوگوں کی فیملی لاہور میں رہتی تھی۔ شاہین ایک بار شبانہ آنٹی کے ساتھ صالحہ کے ہاں جا چکی تھی۔ شبانہ نے اسے اپنی دور کی عزیزہ کی بیٹی کے طور پر متعارف کروایا تھا۔

اور بلڈ ٹیسٹ کے لیے زیادہ دور جانے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ گھر کا ڈاکٹر جو موجود ہے۔“ شبانہ آنٹی نے چھیڑ چھاڑ میں شاہین کا ساتھ دیا۔ وہ بڑی زندہ دل اور کھلے دماغ کی خاتون تھیں۔ بچوں کی خوشی میں خوش رہنے والی تھیں۔

آنٹی! کب تک ارادہ ہے موصوف کے سر پر سہرا سجانے کا۔“ سعد نے شرارتی نظروں سے تنویر کو دیکھا۔

"ابھی بچی کا میڈیکل مکمل ہونے میں دو سال باقی ہیں' اس کے بعد ہی شادی ہوگی۔ اس کی بھی یہی مرضی ہے۔"

"میری شادی کی فکر چھوڑو' یہ بتاؤ خود کب گھر آباد کررہے ہو؟ مجھ سے عمر میں دو تین سال بڑے ہو۔ اصولاً پہلے تمہارے ہاتھ پیلے ہونے چاہئیں۔" تنویر نے حساب برابر کیا۔

سعد ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ٹال گیا۔

"جب قسمت میں لکھا ہوگا' ہوجائے گی شادی وادی۔"

"مگر بچے! یہی عمر ہے تمہاری۔ پھر ماشاءاللہ برسرروزگار ہو' اپنے پاؤں پر کھڑے ہو۔ کوئی گھریلو ذمہ داری نہیں ہے۔ ہر طرح سے شادی کے لائق ہو۔ ماں باپ کی خوشیوں پر پانی کیوں پھیرتے ہو۔ شادی نہ کرنے کی ضد قطعی نامناسب ہے۔"

شبانہ آنٹی نے سمجھایا۔ وہ اپنے تئیں اکثر اسے اس نوعیت کے لیکچر دیتی رہتی تھیں۔

"جو مرضی کہہ لیں۔ ادھر کون سا ان کے کان پر جوں رینگنے گی۔" تنویر نے سعد کے کان کی لو ہولے سے مروڑی۔

"اوں ہوں' بدتمیزی نہیں۔"

"کس کے انتظار میں بڈھے ہورہے ہو۔ یہ تو بتادو اللہ کے بندے۔ ہم جاکر اسی کی منت سماجت کریں۔" شبانہ آنٹی کسی کام سے باہر گئیں تو تنویر کی بن آئی۔

"منتوں سے کب کوئی زندگی میں واپس لوٹا کرتا ہے۔" سعد کی آنکھوں میں ایک شبیہہ سلگنے لگی۔

"کہاں رہتی ہے وہ؟" تنویر سنجیدہ ہوگیا۔

"دل میں' دماغ میں' سوچ میں' صبحوں میں' شاموں میں' سانسوں میں۔" وہ بڑبڑایا۔

"تم پاگل ہوگئے ہو کیا؟" تنویر ہکابکا اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ "اتنا آگے جاچکے ہو۔ کیا "اُس" کو خبر ہے۔"

"ساری خبریں ہیں اس کو' مگر بے خبر بن کے رہنا اور خود فریبی و خوش امیدی کا خول چڑھائے رکھنا اس کی عادت ہے۔"

سعد کی نظریں خلا میں نجانے کیا تلاش کررہی تھیں۔

"نام کیا ہے؟" تنویر نے آہستگی سے پوچھا۔

"ارشین!" سعد نام بتا کر چپ ہوگیا۔

"شادی کیوں نہیں ہوسکتی' یا ہوسکی؟۔"

"کیونکہ اس کی شادی ہوچکی ہے۔"

"ویری سیڈ۔ پھر تو تمہیں اس کا خیال چھوڑ دینا چاہیے۔"

"جس کے ساتھ ہوئی ہے' اس نے بسایا نہیں اور میرے ساتھ وہ بسنا نہیں چاہتی۔"

"ناکام شادی۔" تنویر کے ہونٹ سکڑ گئے۔ "گویا تمہارے لیے امید کا دیا روشن ہے۔"

"دیا جلے یا بجھے اس دل کو تو بس اسی ایک رستے پہ چلنا ہے۔ ساری عمر' آخری سانس تک۔"

تنویر' سعد کا پرعزم چہرہ دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا نایاب۔" آفاق کی نظروں میں شکایت اور رنج کی ملی جلی کیفیت تھی۔

"میں تین چار دن پہلے امریکہ سے واپس لوٹا ہوں۔ بابا نے تمہاری شادی کا بتایا مجھے تو یقین نہیں آرہا تھا۔ کراچی سے جو پہلی فلائٹ ملی' لے کر ادھر دوڑا ہوں۔ شکر ہے تم گھر پر مل گئیں ورنہ تمہارے سسرال آنا پڑتا۔ جانے وہاں میں کس طرح ری ایکٹ کرتا۔"

آفاق! پرانی باتوں کو بھول جاؤ۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے نہیں تھے۔ میں شادی کرچکی ہوں تم بھی اپنی زندگی کا آغاز کرو۔" نایاب نے سکون سے سمجھایا۔

"کیسے؟" وہ چیں بہ جبیں ہوا۔ "پہلے مجھے وہ گزرے لمحے واپس لوٹاؤ جو میں نے اور تم نے اکٹھے گزارے ہیں۔ دو سال یہاں رہا ہوں اور ان دو سالوں میں تم سے دل کا سچا اور گہرا رشتہ استوار کرلیا تھا۔ تم میرے جذبوں سے باخبر تھیں۔ یاد کرو' ہم کتنا گھوما کرتے تھے۔ اکٹھے لنچ کرتے تھے۔ ہوٹلنگ کرتے تھے۔ اسلام آباد کے چپے چپے پر ہماری رفاقتوں کے نشان ثبت ہیں۔ پھر یہ ہوا کہ مجھے اسٹڈیز کے لیے امریکہ کی یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل گیا اور تمہیں پولیس میں جاب مل گئی۔ اس طرح عارضی طور پر ہم ایک دوسرے سے دور ہوگئے مگر ہمارے دل ایک دوسرے سے دور نہیں ہوئے تھے۔ میرے کتنے کارڈز اور لیٹرز تمہارے پاس ہیں اور تمہارے بھیجے گئے خطوط اور دیگر وش کارڈز بھی میں نے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تم کس طرح اتنا بدل گئیں۔"

اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"دوستی تھی ہم دونوں میں۔ ہر طرح کی ذہنی ہم آہنگی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم نے کبھی براہِ راست "ہاں" میں جواب نہیں دیا تھا مگر تمہارا ہر ہر انداز تمہاری رضامندی کی غمازی کرتا تھا۔ خود انکل نے اس سلسلے میں میری حوصلہ افزائی کی تھی۔ عنقریب میرے والدین تمہارے ہاں آنے والے تھے' پھر یہ سب کیسے ہوگیا۔ تم نے اس طرح مجھے ہرٹ کیوں کیا۔"

"آفاق! جو گزر چکا وہ گزر چکا۔ خواہ مخواہ بحث سے فائدہ۔ میرے تمہارے ستارے نہیں ملتے تھے۔ ٹھیک ہے دوستی تھی۔ بے تکلفی تھی' بہت سا وقت ہم نے اکٹھے گزارا مگر ساری زندگی اکٹھے گزارنا ممکن نہیں تھا۔"

نایاب کچھ اور بھی کہہ رہی تھی مگر باہر دروازے پر کھڑے اسے میکے سے گھر لانے کے لیے ادھر آئے مہران کے اندر کا شور اتنا بڑھ گیا تھا کہ مزید سننا ممکن نہیں رہا تھا۔

محبت' خالص اور پاکیزہ' ان چھوئی سوچوں کی حامل۔ اس کے اپنے الفاظ اس کا منہ چڑا رہے تھے۔

○○○

"آپ اکیلے ہی آگئے ہو۔ بھول گئے کیا آپ نے کہا تھا' واپسی پر نایاب کو لیتے آئیں گے۔" نینی لان میں گلاب کے پودوں کی نئی قلمیں لگوا رہی تھیں۔ مہران کو اکیلے جیپ سے برآمد ہوتے دیکھ کر وہ حیرت سے گویا ہوئی تھیں۔

"ادھر نہیں گیا۔" مہران کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے' چہرہ انتہائی سرخ آنکھیں بھی لال ہورہی تھیں۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹے۔" وہ انہیں حواس سے باہر لگ رہا تھا۔

"..." وہ اندر کی سمت بڑھ گیا تھا۔ وہ کسی سے نظریں ملانے سے گریز کررہا تھا۔

"نانا جان کا موڈ خراب لگ رہا ہے۔" ناظر نے سرگوشیانہ کہا۔ اس کی نگاہیں جاتے ہوئے مہران کی پشت پر تھیں۔

"...کی تھکن ہوگی۔ آپ ایسا کرو ناظر! ادھر سے سفیان کو بلاؤ اسے کہو گاڑی کی چابی لیتا آئے۔ میں اس کے ساتھ جاکر بہو کو لے آتی ہوں۔ وہ انتظار میں ہوگی۔"

...طرح کھڑی تھیں ویسے ہی چل دیں اور اسے لے آئیں۔

...اب اپنے مخصوص موڈ میں ہلکے پھلکے انداز میں بیڈروم میں داخل ہوئی تھی۔

"السلام علیکم۔" بستر پر آڑے ترچھے لیٹے مہران کو دیکھ کر وہ چونک گئی تھی۔
"ارے! آپ مجھے لئے بغیر گھر آگئے؟ میں انتظار میں تھی کہ آفس سے واپسی میں اس طرف آئیں گے۔"
وہ نارمل انداز میں بات کر رہی تھی، مگر جوں ہی مڑ کر مہران کی طرف دیکھا اس کے اندر خوف کی اک لہر دوڑ گئی۔
وہ بالکل سپاٹ لیٹا تھا۔ چہرہ عجیب پراسراری کیفیت کا اظہار کر رہا تھا اور آنکھیں، آنکھوں میں جیسے الاؤ بھڑک رہے تھے۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اس کے قریب آگئی۔ "آ... آپ..." وہ ہکلا کر کچھ کہنے کی کوشش کر رہی تھی "ٹھیک تو ہیں نا آپ؟"
مہران اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی لہو رنگ نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔
"کیا تمہیں سچ بولنا آتا ہے؟" لہجہ عجیب سی برفیلی کیفیت لیے ہوئے تھا۔
"جی...!" وہ بری طرح گھبرا گئی۔ دل وحشت زدہ انداز میں دھک دھک کرنے لگا۔
"تمہیں یاد ہے، میں نے تمہارے اس گھر میں آنے کے پہلے ہی روز تم سے کیا کہا تھا؟"
نایاب بالکل بھی نہ سمجھ سکی۔
"ساری دنیا کھنگال کر ایک عالم کو پرکھنے کے بعد میں نے تمہارا انتخاب کیا تھا۔
جانتی ہو کیوں؟ صرف ایک خوبی کے پیچھے کہ تم ایک ایسی عورت ہو جو اندر باہر ہر لحاظ سے کھری ہے۔ جس کے ظاہری و باطنی آئینے کسی کی پرچھائیں سے محفوظ ہیں۔ جس کا جسم اور دل دونوں کورے ہیں۔"
درِ نایاب کا جسم ہولے ہولے کانپنے لگا۔
اسے اب کچھ کچھ حقیقت سمجھ میں آتی جا رہی تھی۔
کیا انہیں آفاق کے بارے میں کوئی بھنک پڑی ہے...!
"غلط بیانی دھوکا دہی ہے۔ جان بوجھ کر پردہ پوشی کرنا، جھوٹ کہلاتا ہے۔ تم نے اپنا ماضی مجھ سے کیوں چھپایا؟ تمہاری کسی مرد سے دوستی رہی تھی۔ یہ بات تمہیں مجھ تک پہنچانی چاہئے تھی۔ تم نے چھپایا گویا وہ واقعی چھپانے والی بات تھی۔ اگر تمہارے دل میں چور نہ ہوتا تو تم ایسا کیوں کرتیں۔"
"میری بات سنیے مہران! میں..." وہ لب کاٹ کر کچھ کہنے کو تھی مگر مہران نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔
"لفظوں کو بلاوجہ غلط جگہ پر استعمال کر کے ان کی اہمیت ختم نہ کرو۔ ایک مرد تمہاری زندگی میں رہا تھا جس کے بارے میں تم نے شادی کے لئے سوچا تھا۔ بھلے سے لمحاتی طور پر ہی سہی بلکہ دیکھا جائے تو تم نے اسے جھوٹی آس دلا کر فریب میں مبتلا کر کے اتنے عرصے تک بے وقوف بنایا۔ اگر تمہارے دل میں اس کی جگہ نہ ہوتی تو تم شروع میں انکار کر چکی ہوتیں۔ تم نے کچھ دیر کو ہی سہی اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے بارے میں سوچا اور پھر میری شکل میں بہتر چوائس سامنے آگئی تو اس کو بھول بھال کر میری زندگی میں شامل ہو گئیں۔"
وہ بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں آہستہ آہستہ بات کر رہا تھا مگر اس کا ہر لفظ درِ نایاب پر قیامت گزر رہا تھا۔
"میں معذرت چاہتی ہوں۔ میں نے بہت دفعہ بتانے کی کوشش کی مگر ہمت نہ کر سکی۔" وہ لرز رہی تھی۔
"اگر تم بتا دیتیں تو شاید حالات مختلف ہوتے مگر تم نے مجھ سے اپنا ماضی چھپایا اور اب میں تمہیں اپنے مستقبل سے الگ کر رہا ہوں۔ سامان سمیٹو اور ہمیشہ کے لئے اپنے باپ کے گھر چلی جاؤ۔"
اس کے لہجے میں حتمی پن تھا۔
پلیز میری بات سنیے۔" نایاب کے قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی۔
"جاؤ۔" وہ یک لخت دھاڑا۔ "اس سے پہلے کہ میرے اندر سویا وحشی انسان ایک مرتبہ پھر جاگ جائے یہاں سے چلی جاؤ۔"
جانے اس کے خون آشام لہجے میں کیا بات تھی کہ نایاب کو زمان و مکاں بھول گئے، وہ الٹے پاؤں باہر نکل

...نے اپنا سر تھام لیا۔
...کے کانوں میں ہنٹر کی شڑپ شڑپ گونج رہی تھی۔
...ت پر اس نے کسی نرم و نازک وجود کو بے رحمی سے کوڑوں سے مارا تھا اور لہولہان حالت میں اجنبی و ...ر رات کے اندھیروں میں بے ہوش پڑا چھوڑ کر دور چلا گیا تھا۔
...نے تو کچھ بھی نہیں چھپایا تھا۔ سب کچھ اس کے گوش گزار کیا تھا۔
...نے دوستی کے لئے آفاق کا انتخاب اپنی مرضی اور خوشی سے کیا تھا جبکہ پروفیسر دانیال مہدی نے فریب ...جال بچھا کر ارشین پر عرصہ حیات تنگ کیا تھا۔ وہ تو پروفیسر کی زیادتیوں کا شکار تھی بلکہ وہ کیا اس کا پورا ...فیسر دانیال کے انتقام کی بھینٹ چڑھ گیا۔ وہ اپنی جگہ مظلوم تھی اور ہمدردی کی مستحق تھی۔
...روں کے ساتھ ساتھ میں بھی اس کے خلاف تیز تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔
...نے بارہا سچائی کا اعتراف کرنے اور غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی مگر میں نے اپنے زعم میں توجہ نہ دی۔
...س پر ان الزامات کی بوچھاڑ کرتا رہا جن کی وہ سرے سے مستحق نہ تھی اور جو مستحق تھی اسے بیوی بنا کر ...رو کی چادر ڈال کر فخر سے اپنے ساتھ گھر لے آیا۔
...رشتے نہیں ہیں، انسان ہیں اور غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں فرشتوں سے نہیں۔" داور نے ایک بار ...ایسی عورت تمہیں کہیں بھی نہیں ملے گی جو ہر لحاظ سے کھری ہو۔ بھلے سے ساری زندگی تلاش میں گزار ...پچھتاؤ گے نہیں تم۔" نازش کے الفاظ اسے یاد آئے۔
...سب یونہی ہوتا ہے۔
...ڑھاؤ انسانی فطرت کا حصہ ہیں؟
...ین" کی باتیں ہیں؟
...ے لڑکپن اور جوانی سے بڑھاپے تک کے زمانے میں زندگی میں بے شمار لوگ آتے جاتے ہیں۔ کچھ ...ین پر بس لمحاتی طور پر نظر آتے اور غائب ہو جاتے ہیں، کچھ کے ساتھ تھوڑا سفر کٹ جاتا ہے، کچھ اگلے ...اتر جاتے ہیں اور کچھ سفر کے زیادہ تر حصے میں ساتھ رہتے ہیں۔ ان میں سے بھلا کتنے ہوتے ہیں جو آخر ...ساتھ دیتے ہیں؟ بہت ہی کم...
...ال کا کیا ہے آتا ہے اور گزر جاتا ہے اگر اس پر عمل کرنے کے بارے میں نہ سوچا جائے تو۔
...اعتراف مجھے بھی تو خود سے کرنا ہے۔
...شروع میں جب ارشین ہمارے ہاں سفیان اور زینی سے ملنے آتی تھی تو وہ مجھے اچھی لگی تھی۔ میں نے ...بارے میں کچھ لطیف احساسات اپنے دل میں محسوس کئے تھے، مگر پھر جب پروفیسر دانیال مہدی کے ...ے اس کا تعارف سامنے آیا تو لطیف جذبے خود بخود سرد پڑ گئے اور پھر انتقام اور نفرت کا آتش فشاں پھٹتا ...چلا گیا۔
...کے اس چکر نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا۔ کہاں وہ ایس پی مہران آفریدی جو وطن کی محبت کے جذبے سے ...اپنے حال...تھا اور جس کا جینا مرنا اپنا پیشہ تھا۔ اپنے گھر کے افراد اور اپنے پیشہ ورانہ فرائض کے علاوہ کوئی تیسری ...ں آتی ہی نہ تھی اور کہاں یہ وحشتوں کا مارا، انسانیت کے درجے سے گرا ہوا درندہ نما بے حس مہران ...ایک وقت دو بیویوں کا شوہر ہے، مگر دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی مخلص نہیں ہے۔
...ول۔
...آئینے میں اپنی وحشت زدہ صورت دیکھتے ہوئے جھرجھری سی لی۔
...پنے کریہہ الفاظ یاد آئے جو اس نے ایک دفعہ ارشین سے کہے تھے۔

"میں چاہتا ہوں تمہیں تباہ و برباد کردوں۔ تمہارا یہ حال ہو جائے کہ تم دو وقت کی روٹی کو ترسو۔ تم گلیوں میں ماری ماری پھرو اور بچے تمہیں پتھر ماریں۔ میں تمہیں ذلت و رسوائی کی انتہا پر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

یا اللہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے سر کے بالوں کو مٹھی میں بھینچا۔

میں کس طرح اتنی پستیوں میں اتر گیا تھا۔

"انسان کی شخصیت کی پہچان اس بات سے ہوتی ہے کہ وہ بچے، بوڑھے اور عورت کے ساتھ کس قسم کا رویہ برتتا ہے۔" ننی نے ایک مرتبہ کہا تھا۔

احساسِ جرم کی سوئیاں اس کی رگ رگ میں اتر رہی تھیں۔

اب وہ پہلی فرصت میں وطن لوٹ جانا چاہتا تھا مگر رکاوٹ یہ تھی کہ تین دن تک اسے ایک کیس کے سلسلے میں کورٹ میں پیشی کے لئے شہر میں ہی رہنا تھا۔

کم از کم میں یہ تو معلوم کروں اس کے گھر والے کس حال میں ہیں؟

اسے معاً "ارشین کی نشے کے مرض میں مبتلا بہن امبرین کا خیال آیا۔ اس سلسلے میں اس نے جس بے رحمی و لاتعلقی سے کام لیا تھا اس پر اسے اس سے پہلے بھی بارہا افسوس ہوا تھا۔

وہ بالوں میں برش کرکے گاڑی کی چابی لے کر نیچے آگیا۔

لاؤنج میں ننی پریشان صورت بیٹھی ہوئی تھیں۔

"مہران! بچے ادھر آؤ۔ یہ بہو روتی ہوئی اپنے میکے کیوں روانہ ہوئی ہے۔ کہہ رہی تھی آپ نے گھر سے نکال دیا ہے۔ یہ کیا ڈرامہ کھیل رہے ہو بچے! کیوں ہمارے اعصاب کا امتحان لینے پر تلے ہوئے ہو۔"

وہ ان کے قریب آکر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"ننی! اب میں سارے ڈراموں کا ڈراپ سین کر رہا ہوں۔ بکھری اور بھولی ہوئی چیزیں اپنی جگہ پر واپس لا رہا ہوں۔ آپ فکرمند نہ ہوں۔"

"مگر بہو کو میکے کیوں بھیجا ہے؟"

"کیونکہ اب وہی اس کا مستقل ٹھکانہ ہوگا۔" وہ پُرسکون لہجے میں گویا ہوا۔ ننی کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تو ایک جا رہا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ! میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔"

"دُرِنایاب کو بھول جائیں آپ۔" وہ لاپروائی سے بولا "میں ارشین کو یہاں لا رہا ہوں۔ اسے وہی نام اور عزت دے رہا ہوں جو آپ چاہتی تھیں۔ اب تو آپ خوش ہیں نا۔"

"مہران!" ننی سر تھام کر صوفے پر گر سی گئیں۔ "میری تربیت میں کہاں کمی رہ گئی تھی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ "اپنا اور ہمارا تماشا بنا رکھا ہے۔ جانے کس کس طرح سے کرچیاں سمیٹ کر عزت کا شیشہ جوڑ رہے ہیں۔ اب کیا چوک میں بٹھا دو گے۔ میں کہاں چلی جاؤں۔"

"ننی پلیز!" وہ ان کے پاس بیٹھ کر لجاجت سے بولا "آخری بس آخری بار میری خاطر یہ تبدیلی برداشت کرلیں اس کے بعد کبھی نہیں ستاؤں گا جو کہیں گی کروں گا۔ آپ کو اپنا پرانا بیٹا چاہئے نا وہی مہران جسے آپ نے الوطنی، عالمگیری اخوت و محبت اور امن و آشتی کے سبق پڑھائے تھے۔ وہ بیٹا لوٹ آئے گا انشاء اللہ۔ میرے پر لپٹا وحشی و حیوانی خول چیخ گیا ہے۔ کچھ عرصے میں اندر سے وہی شفاف و پُرجوش مہران نمودار ہو جائے گا۔ آخری بار۔"

وہ انہیں حیران پریشان چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

"بخاری لاج" پر پڑے تالے نے اسے متعجب کر دیا۔ معلومات کے لیے ساتھ والے گیٹ پر بیل دی تو

نے دروازہ کھولا۔ اسے دیکھ کر پہلے تو محض سوالیہ تاثرات ابھرے پھر یکلخت جیسے کسی آشنائی کے احساس نہیں چونکا دیا۔

جناب! یہ بخاری لاج پر تالا کیوں پڑا ہے؟"

اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو میں آپ سے اس سے قبل مل چکا ہوں۔ غالباً "بخاری لاج میں ہی۔" وہ لڑکی کی ے گواہوں میں شامل تھے۔ ظاہر ہے انہوں نے اس کو دیکھا تھا۔ مہران کو بھی یاد آگیا۔

جی! میں ارشین کا شوہر ہوں۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔ بالآخر اس نے اس رشتے کا اعتراف کر لیا تھا۔

! آیئے۔ اندر تشریف لایئے۔" وہ اخلاقاً بولے۔

شکریہ جناب! میرے سوال کا جواب؟"

آپ سے کیا چھپانا صاحبزادے۔ آپ تو یوں بھی ان کے مسائل و معاملات میں انوالو رہے ہیں۔ اس گھر کو نظر بد ڈس گیا جس نے ارشین جیسی غیر معمولی لڑکی کا کیریئر تباہ کیا۔ پہلے امبرین اور پھر شاہین۔"

پروفیسر دانیال مہدی اور شاہین والا معاملہ کچھ روز پہلے ہی ان کے علم میں آیا تھا جب بخاری لاج کے گیٹ کے ڈاک سے آیا۔ ایک خط ان کے ہاتھ لگا تھا۔ وہ رقیہ بیگم کے یاد دلانے پر بخاری لاج کی صفائی کی غرض سے تالا کھول کر اندر گئے تھے۔ اس اثنا میں ڈاکیا خط پھینک گیا تھا۔ انہوں نے کھولا تو پتا چلا پروفیسر دانیال مہدی نے صاحب کے نام دھمکی لکھی تھی۔

امبرین کو تباہ کرنے کے بعد خود بخود ارشین کی دوسری بہن شاہین میرے ہاتھ لگ گئی۔ میں اسے لاہور اڑا لایا تھا، مگر وہاں سے کسی طرح وہ میرے چنگل سے آزاد ہو گئی۔ بہر حال دوبارہ جھپٹ لوں گا جلد ہی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے باحفاظت آپ تک پہنچا دوں تو آپ کو ارشین کا پتا بتانا ہوگا۔ مجھے وہ ایڈریس چاہئے جہاں آفریدی نے اسے چھپا رکھا ہے۔"

راشد صاحب مہران کو ڈرائنگ روم میں لے آئے تھے۔

آپ یہ خط پڑھ لیں بلکہ رکھ سکتے ہیں کہ ایک طرح سے آپ بھی اس معاملے میں فریق ہیں۔" انہوں نے خط اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ انہوں نے مختصراً "بتایا کہ کس طرح بخاری صاحب فیملی سمیت شہر چھوڑ کر گوٹھ میں رہائش پذیر ہوئے۔ امبرین کے بارے میں بھی بتایا۔ بارہ کہو کے ڈرگ کنٹرول سینٹر کا نام سن کر وہ بے چین ہو گیا۔ اس کے عزیز ترین دوست ڈاکٹر رضا اس سینٹر کے انچارج تھے۔ وہ امبرین کے لئے ان سے بات کر سکتا تھا۔

اس نے خط کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے احتیاط سے جیب میں رکھ لیا اور راشد صاحب سے اجازت لے کر باہر آگیا۔

اب اس کا رخ ڈرگ کنٹرول سینٹر کی طرف تھا۔

"ارے ایس پی صاحب! آپ کیا سادہ لباس میں یہاں چھاپہ مارنے آئے ہیں۔" ڈاکٹر رضا چھتیس سینتیس سال کے ہنوز کنوارے اور پختہ مزاج کے نفیس انسان تھے۔ ان سے ملنے والا کبھی مل کر مایوس نہیں ہوتا تھا۔ ان کا اسمارٹ اپارٹمنٹ اور گفتگو کی نرمی مخاطب کو اپنی گرفت میں لے لیتی تھی۔

"آپ سے کچھ انفارمیشن چاہئے تھی۔" وہ رسمی آداب بالائے طاق رکھتا ہوا براہِ راست کہتے ہوئے ان کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"مجھے ہمیشہ کی طرح اعتراض ہے کہ کم از کم چھ برس بڑے ایک انتہائی معزز ڈاکٹر کو "تم" کس حساب میں کہا ہے۔" وہ شگفتگی سے گویا ہوئے۔

"تو پرانا جھگڑا ہے؟" وہ بمشکل مسکرا سکا۔

"دوستی میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا۔ اب یہ بتاؤ، پچھلے ماہ امبرین بخاری نام کی جو مریضہ سینٹر میں ایڈمٹ کرائی

گئی تھی اس کی کنڈیشن اب کیسی ہے۔"
"وہ انیس بیس سال کی کم عمر میں وہ لڑکی ایڈکشن کے باعث تقریباً تقریباً" ختم ہو چکی تھی۔" ڈاکٹر رضا ایک دم چونک پڑے۔
"تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے۔"
"تعلق تو بڑا قریبی ہے۔" مہران نے ماتھے کو دائیں ہاتھ سے مسلا۔
"اگر ایسا ہے تو مجھے اس کی پوری ہسٹری بتاؤ۔ مجھے اس کیس میں خاص دلچسپی ہے۔ یوں بھی مشکل اور تقریباً" ناممکن کاموں میں ہاتھ ڈال کر انہیں ممکن بنانا میری ہابی ہے۔ تم مجھے الف تا یے اس کی ہسٹری بتاؤ۔ شاید میں اسے دوبارہ اس کی زندگی کی طرف لوٹا سکوں۔ ویسے کافی سارے کلیو اس کی ٹوٹی بکھری باتوں سے بھی ملے ہیں۔ وہ اچانک بے ربط ہو کر کوئی قصہ چھیڑ بیٹھتی ہے۔ اپنی کیفیت کا خود ہی اظہار کرنے لگتی ہے اور میں نے محسوس کیا ہے وہ اپنے ماضی کو کھول کر دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہے۔ وہ الجھنوں کی گتھیاں سلجھا کر ذہن کی سلیٹ کو صاف کرنا چاہتی ہے۔ یہ مثبت عمل ہے اور اس عمل کو مہمیز کرنے کے لئے مجھے اس کا تفصیلی فیملی بیک گراؤنڈ درکار ہے۔"
"ٹھیک ہے! میں بتا دیتا ہوں مگر اس سے پہلے میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔" مہران کو کسی قدر اطمینان محسوس ہوا تھا۔

"اس وقت وہ اینٹی ڈپریسنٹ میڈیسنز کے زیر اثر غنودہ کیفیت میں ہے۔ اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"اوکے!" پھر وہ مختصراً" بخاری فیملی کے بارے میں بتانے لگا اس میں وہ تفصیل بھی تھی جو وقتاً" فوقتاً" اسے نینی، سفیان اور نازش وغیرہ سے ارتین کی فیملی کے متعلق ملتی رہتی تھی۔
"ایسے فیملی گراؤنڈ رکھنے والے بچے عموماً" اسی طرح ایبنارمیلٹی کا شکار ہوتے ہیں۔"

ڈاکٹر رضا نے گہری سانس لیتے ہوئے بائی فوکل گلاسز ٹیبل پر رکھ دیے۔ ان کا اشارہ امبرین کی طرف تھا۔
"ایک قسم ہوتی ہے جسے اضطرابی بچے کہا جاتا ہے۔ ان کی ایبنارمیلٹی کی وجہ اس قسم کا بیک گراؤنڈ ہوا کرتا ہے جو امبرین کا ہے۔ گو کہ باقی بہن بھائی بھی والدین کے مابین ناخوشگوار تعلقات، گھریلو پابندی اور والدین کی طرف سے لاتعلق رویوں سے متاثر ہوئے مگر امبرین کے اعصاب اتنے طاقتور نہیں تھے کہ وہ حالات کا بہادری سے مقابلہ کر سکتی۔ نتیجتاً اس نے ردِعمل کے طور پر منفی طرز فکر اپنا لیا۔ وہ لاشعوری طور پر اپنی محرومیوں کا انتقام اپنی ذات سے اور اپنے سے قریب رشتوں سے لینے لگی۔ خود کو تباہ کر لینے کا انتہائی قدم آدمی اس وقت اٹھاتا ہے، جب وہ ہر رشتے اور ہر معاملے میں ٹھکرایا گیا ہو، مایوس اور ناکام رہ جائے اور کہیں سے جذباتی و ذہنی سہارا نہ ملے۔ یہ اسٹیج بہت نازک ہوتی ہے اور خصوصاً" لڑکپن سے جوانی جیسے شوریدہ دور میں داخل ہونے والے نوجوانوں پر تو ایسے حالات کا اثر بہت خطرناک ہوتا ہے۔ نجانے کیوں زندگی کے ایسے دشوار مرحلے پر والدین بچوں سے لاپروا اور غافل ہو جاتے ہیں، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت ان کم عمر نوجوانوں کو والدین کی توجہ و تسلی، محبت اور شفقت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اگر والدین بچوں کے سچے ہمدرد، دوست اور قابلِ اعتماد رازدار بن جائیں تو وہ گھروں سے باہر تاریک راستوں میں نہ بھٹکیں۔"
ڈاکٹر رضا خاموش ہو گئے۔
مہران کسی گہری سوچ میں گم تھا۔
"میں چلتا ہوں پھر آؤں گا۔"
"ضرور آنا اور اب مجھے یقین ہے کہ میں زیادہ اعتماد اور امید کے ساتھ مریضہ کا علاج کر سکوں گا۔"
وہ بہت پُرامید اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔

◆◆◆

ٹی! آپ نے بلایا تھا مجھے؟"
د شبانہ خاتون کو سلام کرنے کے بعد ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔
ہو بیٹے! تنویر بتا رہا تھا تمہارا پھر تبادلہ ہو گیا ہے کراچی کی یونٹ میں۔"
جی آنٹی! کل ہی آرڈرز آئے ہیں۔"
ب جوائن کرنا ہے؟"
ایک ہفتے بعد جا کر رپورٹ کرنی ہے۔"
گویا تم لاہور چھوڑ کر جا رہے ہو ایک ہفتے بعد۔" انہوں نے سوچتی ہوئی نظروں سے اس کا چہرہ جانچا۔
جی ہاں! مجبوری ہے۔" وہ مسکرایا۔ وہ ابھی تک اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہیں۔
ار شاہین؟" ان کی سوالیہ نظریں اس کی نظروں سے الجھیں۔
نٹی! وہ ابھی کچھ عرصہ تک آپ کے پاس رہے گی پھر میں اسلام آباد کا چکر لگاؤں گا اور پھر اس کے والدین ت کر کے ماحول سازگار پاتے ہی اسے اس کے گھر لے جاؤں گا۔"
تنی دیر تک بولتا رہا، شبانہ خاتون چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہیں پھر انہوں نے صوفے کی پشت سے ـاتے ہوئے انداز نشست بدلا تھا۔
یک بات کہوں بیٹے اگر برا نہ مانو تو۔"
نٹی پلیز! میں بھی تنویر کی طرح ہوں آپ کے سامنے۔ آپ حکم کیجیے۔"
بیٹے! اپنے تنویر کی طرح سمجھتے ہوئے میں ایک تجویز دے رہی ہوں نہ تم سے توقع کرتی ہوں کہ جذبات کے عقل سے کام لے کر اس پر عمل کرو گے۔"
جی! ارشاد۔"
ـیاں بوجھ نہیں ہوا کرتیں۔ میں شاہین کو عمر بھر اپنے ساتھ رکھ سکتی ہوں، مگر سوچو تو کس حوالے سے، کس ہے؟ آخر کو اسے ایک مستحکم اور پائیدار مستقبل چاہیے۔ ابھی تو تعلیم مکمل کرنے کی مصروفیت ہے مگر یہ ابھی کب تک...؟ ظاہر ہے اس کے بعد اسے ایک گھر، زندگی کا بااعتماد ساتھی اور معاشرے میں ایک مقام درکار ہوگا اور اسے یہ نام و مقام کون دے گا...؟"
ب کا مطلب ہے اس کی شادی کر دی جائے؟" سعد چونکا "لیکن ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے۔ سترہ برس کی ہوگی حد سے حد اٹھارہ۔"
شادی کے لیے سترہ سال کی عمر ایسی غیر معمولی بھی نہیں ہوتی۔ میں نے اچھے خاصے پڑھے لکھے اونچے ـوں میں اس عمر کی لڑکیاں بیاہنے کا رواج دیکھا ہے۔"
اگر ایسا ہے تو پھر آپ اس کے لئے کوئی مناسب سا رشتہ ڈھونڈ لیں۔" اسے اس بارے میں زیادہ معلومات ـی سیدھا سادہ فوجی بندہ تھا۔
بیٹے! رشتہ لینے والے سارا آگا پیچھا کھنگالتے ہیں۔ لڑکی کے خاندان کی ہسٹری معلوم کرتے ہیں۔ کیا وہ مجھ سے ـا پوچھیں گے کہ اچانک آپ کے جاننے والوں کی بیٹی کہاں سے اُگ آئی...؟ اس کے ماں باپ کہاں کے ـالے ہیں کدھر ہیں؟ سو طرح کی معلومات فراہم کرنا ہوتی ہیں۔"
ـد الجھن کے عالم میں انہیں دیکھنے لگا۔
ـی لئے کہہ رہا تھا آنٹی! کچھ عرصہ آپ اسے اپنے پاس رکھیے۔ میں اسلام آباد کا چکر لگا کے...
ـیا بیوقوفوں والی باتیں کرتے ہو بیٹے۔" شبانہ خاتون نے برہمی سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"شریف والدین اتنے دن تک گمشدہ رہنے والی بیٹیوں کی فوتگی کی اطلاع مشہور کر دیتے ہیں۔ پھر وہ زندہ لاشیں بن کے دوبارہ ان کی دہلیز پر آئیں بھی تو واپس لوٹا دی جاتی ہیں۔ عزتوں کے آگے اولادوں کی زندگیاں قیمت نہیں رکھتی ہیں۔" ان کے لہجے میں تلخی تھی۔

سعد جیسے کسی خواب سے بیدار ہوا۔

شاہین کو گھر سے نکلے ڈھائی ماہ گزر چکے تھے۔ ظاہر ہے اب اس کی واپسی کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی جو بدنامی ہونا تھی سو ہو چکی تھی۔

"کیا اب تم میری بات سمجھ گئے ہو....؟"

انہوں نے مخاطب کیا تو وہ اپنے خیالات سے چونکا۔

"کچھ کچھ۔ آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس کے والدین کے پاس بھیجنے کا اب کچھ فائدہ نہیں اور یہاں رہ کر کسی اچھے گھرانے میں اس کی شادی ہونا مشکل ہے۔"

"ہاں! اور اسے ایک ایسا ہمدرد ساتھی چاہئے جو اس کے حال' ماضی سے واقف ہو اور اس کی معصومیت و پاکیزگی کی قسم کھا سکتا ہو۔ جس کا خلوص اتنا کمال درجے کا ہو کہ وہ اسے کبھی ماضی کے حوالوں کا طعنہ دے کر دکھ نہ دے۔" شبانہ خاتون سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

"اور ایسا ہمدرد شخص ایک ہی ہو سکتا ہے' میجر سعد۔"

سعد کے بہت قریب جیسے کوئی بم پھٹا تھا۔

وہ یوں بدکا جیسے اودبلاؤ دیکھ لیا۔

"خدا کے واسطے آنٹی! خدانخواستہ کیا آپ اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی ہیں؟" وہ نشست سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"ہوش کی دوا تمہیں کرنی چاہئے میاں! تمہاری عزیزہ ہے' برسوں کا ساتھ رہا ہے۔ اس کے خاندان کی ایک ایک بات تمہارے سامنے کھلی ہوئی ہے۔ بچی کی میٹھی اور نرم طبیعت سے بھی واقف ہو' پھر کاہے کو اعتراض ہے۔ دیکھنے میں بھی ماشاءاللہ چاند کا ٹکڑا ہے۔"

"آپ کو کن لفظوں میں سمجھاؤں آنٹی! آپ نہیں سمجھیں گی۔" وہ اضطراب کے عالم میں ٹہلنے لگا۔

"آنٹی! وہ مجھ سے بہت چھوٹی ہے۔ غالباً دس برس یا اس سے بھی کچھ زیادہ کا فرق ہو گا۔"

"اے لو۔ دس گیارہ سال کا بھی کوئی فرق ہوتا ہے۔ بالکل بے کار اعتراض ہے۔" انہوں نے صاف رد کر دیا۔

"میں نے اس کے بارے میں کبھی بھی ایسا نہیں سوچا۔ وہ چھوٹی سی بچی جسے میں زیادہ سے زیادہ چھوٹی بہن کی طرح ٹریٹ کر سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے رشتے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"شادی سے پہلے شریف والدین کے بچوں کے لئے سب بہن بھائی ہی ہوتے ہیں۔ رشتہ تو شادی کے بعد بدلتا ہے۔" انہوں نے یہ دلیل بھی ٹھکرا دی۔

وہ کیسے بتاتا کہ وہ کس ان دیکھی زنجیر سے بندھا ہوا ہے؟

"اسی بہانے تم بھی کسی کھونٹے سے بندھ جاؤ' تم جیسی اولادوں کے ساتھ یہی کرنا چاہیے۔ زبردستی پکڑ کے شادی کر دینی چاہیے۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی مجھے شادی نہیں کرنی۔ یہ نیا فیشن چل نکلا ہے آج کل کے لڑکے لڑکیوں میں۔" وہ ٹھیک ٹھاک خبر لے رہی تھیں۔

سعد سر پیٹ کر رہ گیا۔

"ہاں! ایک واحد معقول اعتراض ہے' جسے زیر غور لایا جا سکتا ہے تمہارے والدین کی رضامندی۔ انہیں اس سلسلے میں اعتماد میں لینا ہو گا۔ یہ بتاؤ تم اسلام آباد جا کر انہیں اس بات کے لیے قائل کر لو گے یا میں خود بات کرلوں۔ بہتر ہو گا انہیں بہانے سے لاہور بلوا لو اور میرے گھر پہ لے آؤ۔ میں خود ہی ساری بات بتا کر انہیں قائل کرلوں گی اور اگر وہ رضامند ہو گئے تو انشاءاللہ شاہین کی ڈولی یہیں سے اٹھے گی۔"

وہ اپنے ارمان سجانے لگیں۔

"اُفوہ۔" سعد نے زور سے پاؤں پٹخا۔ معزز خاتون پاگل ہو گئی ہیں شاید۔ خود ہی سے ساری اسٹوری بناتی چلی جا رہی ہیں۔

"آنٹی پلیز!" اس نے سختی سے انہیں ٹوک دیا۔ "میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ اس چیپٹر کو ہمیشہ کے لئے کلوز کر دیں اور پلیز اس طرح کی کوئی بات شاہین کے کانوں تک نہ پہنچے' خدارا! مجھ پر رحم کیجئے۔"

وہ آندھی طوفان کی طرح تیزی سے سر جھٹکتا باہر نکل گیا تھا۔

کمال بات کرتی ہیں یہ معزز خاتون۔ سارے راستے وہ بڑبڑاتا رہا۔ میں اور شاہین۔ اُفوہ' قطعی ناممکن۔

اور شادی۔

شادی کی گاڑی تو کچھ لو اور دو کے اصول پر اسٹارٹ ہوتی ہے۔ میرے پاس کسی کو دینے کے لئے کیا بچا ہے؟ دل و روح' قلب و جاں' خیالات و احساسات' حتیٰ کی میری آتی جاتی سانسیں سب اس کے نام ہیں۔ وہی دھڑکتی ہے سینے میں دل بن کر۔ وہی بستی ہے سوچوں کی نگری میں' جس کو یاد کئے بنا میں سانس نہیں لیتا' جس کو آنکھوں میں سموئے بنا میں پلکیں نہیں جھپکتا' جس کو سوچے بنا میں کوئی کام نہیں کرتا۔ اس کی جگہ میں کسی اور کو کیسے دے سکتا ہوں....!؟

مجھے محسوس ہوتا ہے۔
محبت کم نہیں ہو گی۔
محبت ایک موسم ہے۔
کہ جس میں خواب اُگتے ہیں۔
تو خوابوں کی ہری شاخیں۔
گلابوں کو بلاتی ہیں۔
انہیں خوشبو بناتی ہیں۔
یہ خوشبو جب ہماری کھڑکیوں پر
دستکیں دے کر گزرتی ہے۔
مجھے محسوس ہوتا ہے۔
محبت کم نہیں ہو گی۔

میں اس کے لئے ساری زندگی انتظار کر سکتا ہوں۔ اس نے عزم سے سوچا تھا۔

◆◆◆

"مہران! ذرا ادھر آؤ۔ تمہاری خبر لوں۔ کیوں پریشان کر رکھا ہے تم نے نینی کو۔" نازش نے بے تکلفی سے اس کے کمرے میں داخل ہو کر لائٹ جلائی تھی۔

"اوہ! آپ۔ آیئے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور بیڈ کے سامنے رکھے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"میں آپ کی طرف آنے کا سوچ رہا تھا۔ مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنا تھی۔"

"پہلے میری بات کا جواب دو۔ پھر اپنے حساب کتاب کے کھاتے کھولنا۔ تم نے نایاب کو گھر سے کیوں نکالا۔ کیا

تم مردوں کے پاس یہی ایک ہتھیار ہوتا ہے عورت کو دبانے کا۔ کبھی لاتعلقی دکھا کے دل سے نکال دیتے ہیں تو کبھی الزام لگا کر گھر سے بے دخل کردیتے ہیں۔ کیا قصور تھا اس سیدھی سادی' دوسی فطرت رکھنے والی لڑکی کا۔"
وہ اچھی طرح اس کی خبر لے رہی تھی۔
"اس کا 'کارنامہ' بھی بتا دیتا ہوں پہلے یہ پڑھ لیں۔" اس کا لہجہ کٹیلا تھا۔
"یہ کیا ہے؟" نازش نے اس کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا۔
"پڑھیں اسے جب تک میں واش روم سے ہو آؤں۔ آکر ان سرخیوں کا اصل "متن" سناتا ہوں۔"
وہ اٹھ کر چپل پہننے لگا۔
تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو نازش کو سفید چہرہ لیے بت کی مانند ساکت بیٹھے پایا۔ کاغذ کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں لرز رہا تھا۔
"یہ سب کیا ہے....!؟" بہت دیر بعد وہ بیٹھی بیٹھی لرزیدہ آواز میں گویا ہوئی تھی۔
"اپنے سرتاج کی ہینڈ رائٹنگ پڑھ اور پہچان سکتی ہیں نا۔" وہ طنزیہ بولا۔
"اب میں آپ کو تفصیلی شناخت کراتا ہوں۔" پھر اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ لیلیٰ شاہ اور اس کے گروہ کے بارے میں پولیس کو جو خفیہ معلومات حاصل ہوئی تھیں ان کے مطابق پروفیسر دانیال اور لیلیٰ شاہ کے درمیان امبرین کے حوالے سے "ڈیل" بھی طے ہو چکی تھی۔
نازش سکتے کے عالم میں بیٹھی انتقام میں پاگل ہوجانے والے اپنے شوہر نامدار کی دیوانگی اور کمینگی کی داستانیں سن رہی تھی۔
جو لوگ محبت، جنون اور دیوانگی کو ایک ہی معنوں میں لیتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں۔
دیوانگی ہوش سے عاری ہوتی ہے۔
جنون اندھا ہوتا ہے۔
محبت تند و تیز ریلا نہیں ایک پُرسکون اور بہتا ہوا دریا ہے۔ آندھی طوفان کی طرح سر پر چڑھ جانے والی پسندیدگی جو دیوانگی میں ڈھل کر تباہی و بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔
محبت تو نرمی ہے' مٹھاس ہے' لطافت ہے' پیار ہے۔
ضد و زبردستی اور انا و انتقام محبت کی نہیں' وحشت کی نشانیاں ہوتی ہیں۔ ہم نے نجانے کیوں اسے محبت جیسے لطیف جذبے کی علامت سمجھ لیا ہے۔
کوئی اگر محبت کی انتہا پر پہنچ کر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ملک و قوم اور اخلاقیات کے نافذ کردہ قوانین و احکامات توڑتا ہے تو وہ قابل تحسین نہیں قابل سزا ٹھہرایا جانا چاہیے۔
محبت غلط اور ناجائز راستوں پر بھٹکنا تو نہیں سکھاتی۔
محبت رشتوں کو توڑنا نہیں' جوڑنا سکھاتی ہے۔
محبت تو توازن کا نام ہے۔
رشتوں کا توازن' احساسات و جذبات کا توازن' معمولات زندگی کا توازن۔
یہ توڑ پھوڑ' انتشار' بربادی' ویرانی یہ تو محبت کی روایت نہیں ہوتی۔
انتہا پرستوں نے اس معاشرے کو کتنا بدصورت اور بے رونق کر رکھا ہے۔
انتہا پرستی کا یہ زہر جانے کب تک ہماری نسلوں کی رگوں میں دوڑتا رہے گا۔؟
نازش نے گہری سانس لی۔
اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اندر سے ختم ہو گئی ہو۔

اس میں ہلنے جلنے کی بھی سکت نہ رہی تھی۔
وہ آئی تو نینی کی کال پر اس کو سمجھانے تھی' مگر اب یہ حالت تھی کہ خود اس کو سنبھلنے اور سمجھنے کے لئے حوصلہ چاہیے تھا۔
"نہیں چلتی ہوں۔ پھر بات ہو گی۔"
وہ بمشکل اپنا وجود گھسیٹتی وہاں سے نکل آئی۔
"اوہ! بی بی جی شکر ہے آپ آ گئیں۔ بے بی مہوش کے آج پھر سینے میں درد اٹھا ہے۔ وہ جی پچھلے دو تین ہفتوں سے ہر دوسرے تیسرے دن بچی تڑپنے لگتی ہے۔"
مہوش کی آیا نے اسے دیکھتے ہی شور مچا دیا۔ پروفیسر دانیال مہدی' امریکہ میں تھے۔ وہ ان دنوں گھر میں اکیلی رہ رہی تھی۔ پہلے تو گھریلو ٹوٹکے کرتی رہی پھر قریبی کلینک میں جنرل چیک اپ کرایا۔ انہوں نے میڈیسن کے ساتھ ساتھ کچھ ٹیسٹ لکھے تھے جو ابھی کرانے تھے کہ اس دوران دوبارہ تکلیف شروع ہو گئی۔
وہ پریشانی کے عالم میں اسے نزدیکی کلینک لائی تھی۔ انہوں نے عارضی طور پر درد کم کرنے کی دوا دے دی اور ٹیسٹ کے لئے زور دیا۔
نازش کو عجب طرح کی پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔
اس نے فون کر کے سفیان کو بلوالیا۔
"میرے ساتھ شفا انٹرنیشنل چلو۔ میں مہوش کے ٹیسٹ کروانا چاہتی ہوں۔ نجانے کیوں مجھے اس کی یہ بیماری بری طرح بدحواس کئے دے رہی ہے۔ میں اپنی تسلی کرانا چاہتی ہوں۔"
"ٹھیک ہے! میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"
چیک اپ' ٹیسٹ' ایکس رے اور اسکیننگ وغیرہ کے مراحل سے گزرنے کے بعد اس کو رپورٹس مل گئیں۔
"نہیں نہیں! یہ میری بچی کی رپورٹ نہیں ہو سکتی۔"
رپورٹس پڑھتے ہی اس کا دماغ الٹ گیا تھا۔ اس نے ہذیانی انداز میں انہیں اسپیشلسٹ کی ٹیبل پر پھینک دیا اور چیخ چیخ کر رونے لگی۔ "میری بیٹی کو لنگز کینسر ہے قطعی ناممکن۔ کینسر تو بڑی عمر کے لوگوں کو ہوتا ہے۔ یہ معصوم سی پھول سی بچی۔ نہیں ہرگز نہیں۔"
"حوصلہ کریں! مسز دانیال۔" ڈاکٹر اس کے شدید رد عمل کو سمجھ رہا تھا۔
"میڈیکل سائنس کینسر کا علاج دریافت کر چکی ہے انشاء اللہ آپ کی بیٹی ایک دن اس موذی مرض سے نجات پالے گی۔ آپ ہمت پکڑیں' بہادر بنیں۔ آپ کے شوہر کہاں ہیں؟"
"ان ہی کے اعمال کا لگایا ہوا بوٹا ہے یہ مرض' ان کے کرتوتوں کا پھل۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔
ڈاکٹر سمجھ نہیں سکا اور نازش اسے سمجھانے کے لئے رکی بھی نہیں تھی۔
گھر آئی تو غیر متوقع طور پر پروفیسر دانیال مہدی کو موجود پایا۔
پچھلے دنوں ان کا فون آیا تھا تو نازش نے مہوش کی بیماری کے متعلق بتایا تھا۔ یہی اطلاع پاکر وہ باقی کام ملتوی کر کے پاکستان واپس آئے۔ انہیں دنیا میں سب سے زیادہ اپنی بیٹی عزیز تھی۔ مہوش میں تو ان کی جان تھی۔
"آیا بتا رہی تھی تم رپورٹس لینے ہاسپٹل گئی ہو۔ کہاں ہیں رپورٹس؟" انہوں نے اس کے سلام کا جواب دے کر بے چینی سے سوال کیا تھا۔ جواب میں نازش کی آنسوؤں سے بھری سرخ آنکھیں ان کے چہرے پر گڑ گئیں۔
"کیا کیا تھا آپ نے ارشین اور اس کی فیملی کے ساتھ' اس کی بہنوں کے ذریعے کس قسم کا انتقام لے رہے تھے آپ۔" اس کا لہجہ بہت آہستہ تھا۔

"کیا کہہ رہی ہو۔ میں کچھ اور پوچھ رہا ہوں تم سے۔"
وہ کچھ ٹھٹھک سے گئے تھے۔
"وہی بتا رہی ہوں میں بھی۔" معاً وہ پلٹی اور دراز میں سنبھال کر رکھا ہوا خط ان کا ہاتھ جھپٹ کر سیدھا کرتے ہوئے ہتھیلی پر پٹخ دیا۔
"اسے پڑھیں غالباً" یہ اعتراف نامہ، دھمکی نامہ آپ نے ہی لکھا تھا ارشین، امبرین اور شاہین کے والد صاحب کو۔"
اتنی معلومات اور ایسی گہری رسائی کہ بھیجا ہوا خط تک ہاتھ لگ گیا۔ پروفیسر دانیال مہدی اندر سے کچھ شرمندہ سے ہو گئے۔
"اور اس کے ساتھ ہی یہ رپورٹس ملاحظہ کریں۔" اس نے ان کے دوسرے ہاتھ میں رپورٹس تھما دیں۔
"یہ... یہ... کیا ہے...؟" رپورٹس پڑھتے ہی وہ سرتاپا کانپ گئے۔
"یہ مکافاتِ عمل ہے پروفیسر صاحب۔" نازش کی آواز بھرا گئی۔ وہ آنسو پینے کے لئے مسلسل ہونٹ کاٹ رہی تھی، پھر ضبط جواب دے گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"جب ہم دوسروں کی بیٹیوں کے سر سے چادریں چھین کر انہیں بے سائبان کرتے ہیں تو اپنے آنگن میں کھیلنے والی بیٹیوں کو کیوں بھول جاتے ہیں۔ آپ کو بیٹی دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے نا۔ بقول آپ کے مہوش آپ کے دل کی دھڑکن اور سانسوں کے آنے جانے کی ضمانت ہے۔ اسی کی خاطر آپ مجبوراً "مجھے برداشت کر رہے ہیں ہے نا۔ قدرت نے آپ کے کئے کی سزا آپ ہی کے سکوں میں واپس لوٹائی ہے۔ دوسروں کی زندگیوں کے درپے تھے ناں سو آج اپنی زندگی کی امان خطرے میں ہے۔ بھلا اس عمر میں کینسر ہوا کرتا ہے اور وہ بھی ایسی پھول سی بچی کو۔" وہ رو رو کر پاگل ہوئی جا رہی تھی۔
پروفیسر دانیال گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھ گئے تھے۔
انداز شکست خوردہ اور ہارا ہوا تھا۔
ان کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔
ارشین اور اس کی ذات سے منسلک شدید جنونی و منتقمانہ جذبات ہر چیز یک لخت دماغ کی اسکرین سے واش آؤٹ ہو گئی تھی۔ یوں جیسے وہ سرے سے اس معاملے سے ناآشنا رہے ہوں۔ یاد رہا تھا تو فقط اتنا کہ ان کے اندر کے برے انسان نے اپنی ہی بیٹی کو داؤ پر لگا دیا تھا۔
ان جیسا جزا و سزا کے عمل سے انکاری رہنے والا شخص خود ہی اپنی بچھائی ہوئی بساط میں مات کھا گیا تھا۔ ویسے تو شاید وہ عمر کی آخری سانس تک ارشین کا پیچھا نہ چھوڑتے لیکن قدرت نے ان کی ہوش مندی اور ضمیر کی بیداری کے لئے خود ہی انتظام کر دیا تھا۔
ایسی ٹھوکر لگی تھی کہ اگلے پچھلے سارے نشے ہرن ہو گئے تھے۔
وہ بے تاب لہر بن کر مہوش کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ سوئی ہوئی تھی۔ پروفیسر دانیال دیوانہ وار اسے چومنے لگے۔
"میری بیٹی، میری چندا، میری جان، میری زندگی۔" وہ اسے چومے جا رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپک کر مہوش کے چہرے اور بازوؤں پر بکھرے جا رہے تھے۔
"مجھ پر سارے دروازے بند ہو چکے ہیں ڈاکٹر صاحب۔ آپ کیوں ہر روز امیدوں کا نقلی سورج اٹھا کے میرے سامنے لے آتے ہیں۔ تنگ آ گئی ہوں میں اس بے کار کی مشقت سے۔"
امبرین روز کی طرح اس وقت بھی انجکشن لیتے ہوئے ڈاکٹر رضا سے جھگڑ رہی تھی۔

"آں ہاں! ہلنا نہیں۔ یہ بندروں کا ناچ نہیں چلے گا۔" انہوں نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔
"آرام سے ٹک کر انجکشن لگواؤ پھر باہر واکنگ کے لئے بھی جانا ہے۔"
"میں نہیں جاؤں گی۔" وہ ضدی پن سے بولی۔ "مجھ سے اونچائی پہ نہیں چڑھا جاتا۔ سانس پھولنے لگتی ہے۔"
"کچھ دن اور گزر جانے دو۔ طاقت پکڑ لی تو نہیں پھولے گی سانس۔ پھر صرف تم پھولو پھلو گی۔ ایک صحت مند، خوش اور بھرپور لڑکی کے روپ میں انشاءاللہ۔"
"آپ اتنے پُرامید کیوں ہیں...؟" امبرین ان کے لہجے کے یقین سے ٹھٹھک کر ان کی صورت دیکھنے لگی۔
"کیونکہ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ زندگی کے بے شمار دروازے ہوتے ہیں۔ اگر کچھ بند بھی ملیں تو بھی عزم بلند رکھتے ہوئے دوسرے دروازوں پر دستک دینی چاہئے اور یہ کہنا تو سرے سے غلط ہے کہ مجھ پر زندگی کے دروازے بند ہو گئے ہیں، کیونکہ ان دروازوں کی تعداد تو بے شمار ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمیں اس وقت وہی چنے راستے نظر آتے ہیں اور جب ان میں ناکامی ہوتی ہے تو ہم سمجھ لیتے ہیں اب امکان کا ہر دروازہ بند ہو گیا حالانکہ ابھی اور بھی بہت سے دروازے ہماری دستکوں کے منتظر ہوتے ہیں۔ ہم ان کو کھوجتے ہی نہیں خود ہی فرض کر کے بیٹھ جاتے ہیں کہ سارے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ پھر قصور تو ہماری سمجھ کا ہوا نا۔ زندگی کا کیا ہے۔"
وہ اسے ہمراہ لے کر سینٹر کے سامنے بنے خوبصورت سے سرسبز احاطے میں آ گئے۔ اکثر مریض یہاں کی سرسبز پگڈنڈی پر ٹہلتے ہوئے گھنے درختوں کی جھاڑی اور جنگلی جڑی بوٹیوں کی مسحور کن خوشبو سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ علاج کے سلسلے میں یہ سیر و تفریح بھی ایک مثبت سرگرمی تھی جو مریضوں کی صحت پر خوشگوار اثر ڈالتی تھی۔
"میں نے بہت سارے غلط کام کئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب۔" وہ ایک سرسبز پگڈنڈی پر چلتے چلتے خود ہی اپنی رو میں شروع ہو گئی۔ ڈاکٹر رضا دھیان سے سن رہے تھے۔
"میں نے اپنی بڑی بہن کے ساتھ بہت دفعہ زیادتی کی۔ وجہ یہ تھی کہ جسے میں پسند کرتی تھی اسے میری بہن پسند تھی۔ اس کے بعد ایک دوسرا شخص میری زندگی میں آیا مگر وہ رشتہ بھی میری بہن کے حوالے کی وجہ سے نہ ہو سکا۔ مجھے اس چیز نے بہن سے اور متنفر کر دیا۔"
"ایسے کیسز میں اکثر اسی طرح کا ردِ عمل سامنے آتا ہے۔" ڈاکٹر رضا کا لہجہ نارمل تھا۔
"اچھی بات یہ ہے کہ تمہیں خود ہی اس خامی کا احساس ہو گیا ہے۔"
"مگر اب بہت دیر ہو چکی ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔
"انگریز کہتے ہیں "لس نیور ٹو لیٹ۔" ان کا انداز حوصلہ افزا تھا۔ "دیر سویر بھی تو انسانوں سے ہی ہوتی ہے۔ ایک بات کو کبھی ذہن میں جگہ نہیں دینی چاہئے کہ میں اس دنیا میں ایک فالتو اور بے کار انسان ہوں، لہٰذا اگر میں نے خود کو کوئی نقصان پہنچا بھی دیا تو کیا فرق پڑتا ہے یہ بات غلط ہے۔ اس اعتماد کے ساتھ جینا چاہئے کہ زندگی کی طلبگار ہے۔ اس کو ہماری ضرورت ہے۔"
"میری اب کس کو ضرورت ہے...؟" وہ اداس ہو گئی۔ "اب تو ماں باپ بھی اپنی دانست میں مجھ پر فاتحہ پڑھ کے مجھے اکیلا چھوڑ کے گوٹھ چلے گئے ہیں۔"
"بہت سے لوگوں کو تمہاری ضرورت ہے۔ وہ تمہیں صحتیاب اور خوش و خرم دیکھنا چاہتے ہیں۔"
انہوں نے اس کا شانہ تھپتھپا کر پُرجوش انداز میں یقین دلایا۔
"مگر میں یہیں رہنا چاہتی ہوں۔ یہاں کا ماحول بہت پُرسکون اور خوشگوار ہے۔"
"خبردار! ہم آپ کو مریض بنا کر ہرگز ہرگز لمبے عرصے کے لئے نہیں رکھنا چاہتے۔ مریض کی صورت میں بالکل

قبول نہیں۔"

"چلیں! یہاں کے مریضوں کی تیمار دار کے طور پر تو رہ سکتی ہوں۔ میرا مطلب ہے اگر میں ٹھیک ہو کر نرسنگ کا کورس کرلوں؟"

"زبردست! یہ کی ہے نا میرے دل کی بات۔ یہی ری ایکشن میں چاہ رہا تھا۔" انہوں نے اس کے کندھے پر تھپکی دے کر مسرت کا اظہار کیا۔

"زندگی کا چیلنج قبول کرنا چاہئے' اس سے دور بھاگنے اور مقابلہ نہ کرنے والے بزدل کہلاتے ہیں۔ کچھ بھی کرلو مگر جامد و ساکت ہو کر نہ بیٹھو۔ یہی زندگی کا درس عمل ہے۔"

بڑے عرصے بعد امبرین کو اپنا آپ ہلکا پھلکا لگا تھا۔

ارشین ابھی ابھی سوشل ڈائجسٹ کے دفتر سے واپس آئی تھی۔ جمیل صاحب نے اسے ایک آفر دی تھی۔

"مس بخاری! آپ کا کام اعلا سطح پر بہت سراہا جارہا ہے اور ہو سکتا ہے کچھ دنوں میں آپ کے مرکزی آفس میں ٹرانسفر ہونے کے آرڈرز آجائیں۔ آپ کی تنخواہ میں خاطر خواہ اضافے کے ساتھ۔"

سوشل ڈائجسٹ کے ساتھ ساتھ اس کا پینٹنگ اور پورٹریٹ بنانے کا کام بھی کافی چل نکلا تھا۔ اب تقریباً ہر ہفتے اسے یاسین سینٹر کے مالک کی طرف سے نیا آرڈر مل جاتا تھا۔

وہ جلدی اس لئے آئی تھی کہ ان دنوں گونگی بوا کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی تھی بلکہ کبھی تو ایسے لگتا جیسے اس بے چاری کا آخری وقت بالکل قریب آگیا ہے۔

وہ گھر میں داخل ہوئی تو مہران کا کمرہ کھلا ملا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی بوجھتی یا کوئی خیال قائم کرسکتی۔ سفید شلوار قمیص میں سر جھکائے' شرمندہ نظریں اور شکست کا تھکا ہوا گہرا تاثر ہمراہ لئے وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"کیسی ہو تم؟" اس نے دوستانہ انداز میں مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" کچھ دیر تک اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھنے کے بعد اس نے آہستگی سے جیسے انگلیاں مس کرکے ہاتھ ملانے کی رسم پوری کرنے کے بعد ہاتھ پیچھے کرلیا تھا۔

"ارشین! تم پیکنگ کرلو' ہم گھر چل رہے ہیں۔" مہران کے لہجے میں اپنائیت تھی۔ "گونگی بوا کو بھی تیار کر ان کی حالت خاصی خراب ہے۔ انہیں تو ہاسپٹلائز کرنا پڑے گا۔"

"کس کے گھر؟"

"اپنے گھر۔" مہران کی نظر جھک گئی۔ "وہ گھر جو صرف تمہارا ہوگا۔" وہ اس سے نظر نہیں ملا رہا تھا تاہم اس گہری سوال کرتی نظریں بخوبی محسوس کررہا تھا۔

"درنایاب اپنے والد صاحب کے گھر واپس بھیج دی گئی ہے۔ آفریدی ہاؤس تمہیں عزت واحترام سے اپنی بہو تسلیم کرنے اور تمہارا استقبال کرنے کو تمہارا منتظر ہے۔ معافی تلافی کے لئے تو مجھے ساری عمر درکار ارشین! لیکن فی الوقت پرانی چیزوں اور باتوں کو ذہن سے فراموش کردو۔ میرے ساتھ چلو۔ پلیز! اسے درخواست سمجھ لو یا خواہش۔" ارشین بہت دیر تک خاموش کھڑی رہی۔

"مجھے آپ کی آمد اور آپ کے الفاظ پر قطعی حیرت نہیں ہوئی۔" اس نے گہری سانس لی۔

"میں جانتی تھی ایک دن ایسا ہوگا۔ آپ آئیں گے اور یہی الفاظ کہیں گے۔"

"خبر نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔ میرا دماغ جانے کس رو میں بہہ نکلا تھا کہ میں وحشت ---- اور بے حس انتہاؤں کو چھوتا چلا گیا۔" اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ دھیرے دھیرے جیسے خود سے اعتراف کررہا تھا۔

"انتہاپسندی کا عمل نیکی کے لئے ہو یا بدی کے لئے' ہر دو لحاظ سے غلط ہے کہ خود ہمارا مذہب ہمیں اعتدال' توازن اور بیچ کی راہ منتخب کرنے کا درس دیتا ہے۔ تمہاری جو غلطیاں ہوں گی' وہ اس طویل سزا یا مشقت کے نیچے مٹ کے صاف ہو چکی ہوں گی۔ مگر مجھے اپنی کوتاہیوں کی خدا سے معافی مانگنے کے لئے طویل ریاضت درکار ہوگی۔"

وہ ہاتھ مل رہا تھا۔

"ایک بات جس کا شاید تم بھی یقین نہ کرو۔" وہ آہستگی سے بول رہا تھا۔ "کیونکہ خود میں بھی اس کا اعتراف نہیں کرتا تھا' وہ بات یہ ہے کہ میرے دل میں شروع سے تمہارے لئے ایک سوفٹ کارنر تھا۔ وہ لطیف جذبات جو شاید بہت طریقے سے محبت میں تبدیل ہوجاتے۔ ان کا اظہار بھی ان ہی وحشتوں کی نذر ہوگیا۔ میں جب پہلے پہل تم سے ملا تھا تو تم مجھے اچھی لگی تھی۔ تمہاری جگہ آج بھی کوئی نہیں لے سکا۔"

اعتراف محبت' اعتراف جرم' اعتراف حقیقت سبھی کچھ تھا آج اس کے لب ولہجے میں۔

"آؤ گھر چلیں۔ ایک نئی اور محبت و عزت کے جذبوں سے بھرپور زندگی شروع کریں۔"

مہران نے قریب آکر اسے بازو سے تھام لیا۔ اس کی سبز روشن آنکھوں میں ارشین کے لئے نرم گرم جذبوں کے ہزاروں چراغ جل رہے تھے۔

OOO

"آپ نے شاید کبھی کسی بزرگ دانشور کا یہ قول سنا ہو' 'انسان معاف تو کرسکتا ہے بھلا نہیں سکتا۔' جہاں تک معافی تلافی کی بات ہے میں نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑا مگر میں کچھ بھی فراموش نہیں کرسکتی۔ ماضی کے تمام واقعات میرے ذہن کی سلیٹ پر نقش ہیں۔ نہ مٹ سکتے ہیں نہ دھل سکتے ہیں۔ میں بھلنے سے لاکھ کوششیں کرتی رہوں۔"

وہ بہت ٹھہرے ہوئے دھیمے لہجے میں سر جھکائے بول رہی تھی۔

"اگر تم کسی طرح کا حساب کتاب کرنا چاہتی ہو یا میری کوتاہیوں کی لسٹ بنا کر مجھے سزاوار ٹھہرانا چاہتی ہو تو تمہیں اس کا پورا حق حاصل ہے۔ میں تمہارے لگائے ہوئے تمام تر الزامات سننے اور ماننے کو تیار ہوں۔ آج میں ہربات ہر شکایت اور اپنا ہر جرم سنوں گا۔ تم باری باری میرا ایک ایک ظلم' ایک ایک زیادتی بتاؤ' مجھ سے اس کا حساب مانگو۔ میرے دیئے ہوئے زخم دکھاؤ اور پھر اس کے مطابق سزا تجویز کرو۔" وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

"نہیں۔ اس طرح کی عدالت لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ اب نہ اس کی کوئی اہمیت ہے اور نہ فائدہ۔ میں آپ سے صرف ایک چیز طلب کروں گی۔"

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"مانگو۔ تم جو کہو میں دینے کو تیار ہوں۔" وہ فوراً بولا۔

"مجھے اس نام نہاد بندھن سے چھٹکارا چاہیے۔" وہ قدرے رخ موڑ کر آہستگی سے بولی۔

"کیا؟" مہران کو جیسے اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ جھٹکا اتنے زور کا تھا کہ وہ سرتاپا ہل کررہ گیا تھا۔

"ہاں ۔۔۔" ارشین کا لہجہ دھیما مگر فیصلہ کن تھا۔

"ان حالات میں اس سے بہتر حکمت عملی اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ ہم ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ آپ کے ہمراہ گزرے لمحوں کی اذیت ناک یادیں ہمیشہ میرے اعصاب پر سوار رہیں گی۔ اس دوران جس طرح میری عزت نفس مجروح ہوتی رہی' جتنا ذہنی و جسمانی عذاب مجھ پر نازل ہوا' اور جس طرح آپ کے جملوں اور ہاتھوں کے حملے مجھے اندر باہر سے ریزہ ریزہ کرتے رہے' اس کے بعد ایک دوسرے کے ساتھ برابری کی سطح پر نگاہ اور قدم ملانا قطعی ناممکن امر ہے۔ آپ خود سوچئے' جس عورت کی گناہ گار اور سرتاپا آلودہ ہستی پر آپ ایک نظر ڈالنا گناہ سمجھتے تھے اسے پاکیزہ و مصفا قرار دے کر کس منہ سے پہلو میں بٹھا کر اپنی توجہ اور پیار سے نوازیں گے اور کیا ایسا کرتے ہوئے

ماضی کے نوکیلے پتھر آپ کو خود پر برستے محسوس نہیں ہوں گے؟"
"شروع میں اسی طرح لگتا ہے ارشین! مگر بعد میں خود بخود تعلق میں روانی آجاتی ہے۔" اس نے سنبھل کر جواز پیش کیا۔
"یہ کوئی جادوئی عمل نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں تلخی سمٹ آئی۔ "اور اگر بالفرض محال ایسا ہوتا بھی ہے تو صرف ان کیسز میں جہاں تعلق کے آغاز میں کوئی لطافت اور اپنائیت رہی ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو گاڑی نہیں چل پاتی، محض آگے پیچھے بھاگتے رہنے سے کیا حاصل۔ سفر تو وہ ہے، جو قدم سے قدم ملا کر طے کیا جائے۔ میرے دل میں آپ کے لیے کوئی جذبہ نہیں ہے۔ میں خود کو اس معاملے میں اپاہج پاتی ہوں۔ آئی ایم سوری۔۔۔۔"
"ساتھ رہنے سے محبتیں خود بخود جاگ اٹھتی ہیں۔ مجھے یقین ہے، ہم بہت اچھی اور خوشگوار زندگی گزاریں گے۔"
ارشین کا ضبط ختم ہو گیا۔ اس کی رگ رگ میں رچا ہوا زہر اس کے جسم و جاں میں تناؤ کی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔
"سنیے ایس ایس پی صاحب! میں آپ کو حقیقت بتاتی ہوں۔" اس کی سانس پھولنے لگی۔ "میں چاہ رہی تھی یہ زہر میں اپنے اندر ہی سموئے رکھتی کہ جن سے واسطہ نہ رکھنا ہو، ان سے دل کی بات کہنے کی کیا ضرورت ہے مگر اب آپ نے مجبور کر ہی دیا ہے تو سنیے۔ میں آپ سے نفرت کرتی ہوں۔ آج سے نہیں اس دن سے جب اس رشتے کے حوالے سے میں آپ کی زندگی میں زبردستی شامل ہوئی۔ میرا بس چلتا تو میں لمحے کے ہزارویں حصے میں اس حصار سے نکل چکی ہوتی۔ میں نے آپ کے ہر ہر عمل سے ردِ عمل کے طور پر نفرت محسوس کی ہے۔ جوں جوں آپ کی شخصیت کی پرتیں کھلتی گئیں اس نفرت میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ کی سوچ، آپ کے جذبات، آپ کا رویہ، غرضیکہ آپ کی شخصیت کا ہر پہلو ایسا ہے کہ اس سے متنفر ہوا جائے۔ آپ سمجھتے تھے میں آپ کے خوف، دہشت سے یا احساسِ جرم کے باعث آپ کے سامنے سر نہیں اٹھاتی تھی؟ غلط۔۔۔۔ میں محض مصلحت نباہ رہی تھی۔ میں کبھی بھی آپ سے خوفزدہ نہیں ہوئی۔ ہاں بدلتے ہوئے وقت کی نئی کروٹوں سے ڈرتی تھی۔ میں نے آپ کے ڈر سے نہیں حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے آپ کو اس گمنام و پسماندہ جگہ پر رولا، وہ کام کیے جو خیال و خواب میں بھی نہ سوچے تھے۔ میرا رواں رواں آپ سے نفرت کرتا تھا اور میں فقط حالات کے ہاتھوں زنجیریں پہن کے منہ پر قفل ڈال کے خاموش ہو جاتی تھی۔ میں اپنے آپ کو، اپنی خفیہ صلاحیتوں کو آزما رہی تھی۔ اپنی برداشت کا امتحان لے رہی تھی۔" وہ بولتے بولتے ہانپنے لگی۔
مہران بہت خاموشی سے اس کی گفتگو سنتا رہا۔ اس کے اعصاب سن ہوتے جا رہے تھے۔ اس کی ذات ہمیشہ دوسروں کے لیے آئیڈیل رہی تھی۔
مثالی۔ قابلِ تقلید، قابلِ فخر، قابلِ احترام۔۔۔۔۔
یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ ایک دن اس طرح اس کی شخصیت کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔
"یہ نفرت عداوت کی بنا پر بیدار نہیں ہوئی تھی مہران صاحب! یہ بے اختیاری جذبہ تھا جو خود بخود عمل کے ردِ عمل کے طور پر ابھرتا اور پھلتا پھولتا گیا۔" وہ تھک کر بولی۔
"اور اب نفرت کا یہ پودا ایک تناور درخت بن گیا ہے۔ اس کی جڑیں کاٹنا اب ممکن نہیں رہا۔ میں کس دل سے آپ کا ساتھ دوں۔ وہ امنگ، وہ جوش، وہ عزم کہاں سے لاؤں جو نئے اور خوش آئند سفر کی ضمانت ہوا کرتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تسلیم کر لیں، ہم ایک دوسرے کے لیے غیر موزوں ہیں۔ ہمارے ستارے آپس میں نہیں ملتے۔"
"اگر میں تمہیں طلاق نہ دوں۔۔۔۔؟" وہ ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں دیکھ کر گویا ہوا۔
ارشین کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ در آئی۔
"اگر آپ ساتھ چلنے اور گھر بسانے کی بات نہ کرتے تو میں یہ مطالبہ یا اپنے دلی جذبات آج بھی آپ کے سامنے نہ رکھتی۔ اسی طرح زندگی کا سفر جاری رہتا۔ اپنے اپنے حصار اور معمولات کے ساتھ۔ ہاں میں آپ کو شوہر

نے کے ناتے آپ کا حق کبھی نہ دیتی۔ اس بات کا عہد میں نے اس دن خود سے باندھا تھا جب آپ کی دوسری شادی کا دعوتی کارڈ موصول ہوا تھا۔ طلاق نہیں دینا چاہتے نہ دیں۔ اسی طرح چلنے دیں۔ ہاں اپنے ساتھ لے جانے کی بات نہ کریں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ میں یہیں خوش ہوں۔"
"ارشین! ایک مرتبہ ٹھنڈے دل سے صورتحال پر غور کرو۔ میں درخواست کرتا ہوں۔" مہران پریشان ہو گیا۔
"ہزار مرتبہ غور کر لوں تو بھی یہ بات طے ہے کہ میں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ آپ بھلے سے ساری عمر میرے نام کے ساتھ باندھے رکھیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بس مجھ سے میرا اپنا آپ نہ مانگیں۔ وہ میں آپ کو نہیں دے سکتی۔ میں اس سلسلے میں خود سے مجبور ہوں۔۔۔۔"
ارشین نے صاف گوئی سے کام لیا۔
"تو تم میرے ساتھ آفریدی ہاؤس نہیں چلو گی۔۔۔۔"
"نہیں۔۔۔۔" ارشین کے لہجے میں سکون تھا۔ "آپ مجھے یہیں رہنے دیں میں خوش ہوں، مصروف ہوں اور اپنے حال سے مطمئن ہوں۔ آپ میرے معمولاتِ کار میں دخل اندازی نہ کریں۔ نوازش ہوگی۔۔۔۔"
مہران کچھ دیر تک اس کا چہرہ پڑھتا رہا جہاں ہمیشہ کی طرح سکون، ٹھہراؤ اور طمانیت تھی پھر وہ آہستگی سے پلٹ گیا۔
ارشین بت کی مانند کھڑی رہ گئی۔
ٹھیک تین دن بعد ارشین کو ڈاک کے ذریعے دو رجسٹریاں موصول ہوئیں۔ ایک میں ون کوٹ کا یہ گھر اور یہاں کی تمام زمین ارشین کے نام کر دی گئی تھیں۔ اسے گھر اور زرعی اراضی کا مالک و مختار بنا دیا گیا تھا۔ وہ جائیداد والی ہو گئی تھی۔ اب اسے کوئی بے گھر نہیں کر سکتا تھا اور دوسری رجسٹری میں طلاق نامہ تھا۔
طلاق کے ساتھ پچاس ہزار حق مہر کی رقم اور تین لاکھ کا نان نفقے کا چیک تھا۔ اسے تمام فرائض اس وقت یاد آئے تھے جب رشتہ ہی ختم ہو گیا تھا۔

اور کیا اہلِ ستم کاٹیں گے
زہر بویا ہے تو سم کاٹیں گے

اپنا غم ختم ہوا شام ہوئی
اب کسی اور کا غم کاٹیں گے

ہم نے کاٹی ہیں طنابیں دن کی
ہم ہی یہ شامِ الم کاٹیں گے

ارشین دھیرے دھیرے روبوٹ کی طرح چلتی ہوئی اپنے اسٹور نما کمرے میں آئی اور الماری سے بیگ نکال کر کھولنے لگی۔ اس نے دراز سے ایک لفافہ نکالا اس میں دو کاغذ تھے۔
اس نے سامنے چارپائی پر دونوں کاغذوں کو کھول کر بچھانے کے بعد ہاتھ میں پکڑی رجسٹری بھی ساتھ رکھ دی۔ شادی کا نکاح نامہ پہلے نمبر پر تھا دوسرے نمبر پر مہران کی دوسری شادی کا دعوت نامہ تھا اور اس کے ساتھ طلاق والا کاغذ پڑا تھا۔
تین ورق مختلف عنوانات کے ساتھ مطالعے و ملاحظے کے لیے تیار رکھے تھے۔
وہ انہیں دیکھتی رہی، دیکھتی رہی۔ پھر اسی گم صم کیفیت میں دھیرے دھیرے ہاتھ بڑھائے اور انہیں پھاڑنے لگی۔ کچھ دیر بعد تینوں کاغذات ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے اور ان ٹکڑوں پر ارشین کے خاموش آنسو موتیوں کی

طرح بکھر رہے تھے۔
"مسٹر کرائم رپورٹر! تم گزشتہ تین ماہ سے کہاں دفن تھے بھئی۔ ہم نے تو کنوؤں میں بانس تک ڈلوا کر دیکھ لیے۔"
نیازی صاحب نے نیوز رپورٹس کھنگال کر ہیڈلائن کے بارے میں سوچتے ہوئے داور کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خوشدلی سے مخاطب کیا تھا۔ وہ اخبار کے چیف ایڈیٹر کے پرانے کرم فرماؤں میں سے تھے اکثر اخبار کے دفتر آتے رہتے تھے۔ داور سے بھی ان کی بڑی اچھی سلام دعا تھی۔
"اخاہ۔ نیازی بھائی۔" داور نے بھی جوابی خوشدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔
"میں یورپ کے "رنگین و سنگین" قسم کے ٹرپ کے مزے لوٹ کے آیا ہوں جناب۔ سرکاری خرچے پر ایک ڈیلی گیشن کے ساتھ گئے تھے۔ ساتھ میں کچھ چنیدہ اخبارات کے صحافی بھائی بھی تھے۔ خوب لطف رہا۔"
داور کی ایک خوبی تھی کہ وہ ہمیشہ اپنے مخاطب کے ذوق' ذہنیت اور اسٹائل کو مدنظر رکھتے ہوئے بات کرتا تھا۔
نیازی صاحب خوب ہنسے۔
"بڑے شیطان ہو بھئی تم۔ اور سناؤ کیا کیا "مزے" کیے۔"
"یہ "پرائیویٹ" باتیں یہاں نہیں کی جاسکتیں۔" داور نے شرارتاً ایک آنکھ دبائی نیازی صاحب کے حلق سے قہقہہ ابل پڑا۔
"تب ہی تو صاحب جس کو دیکھو یورپ بھاگا چلا جارہا ہے۔ لوگ پکی نوکریاں چھوڑ کے باہر سیٹل ہو رہے ہیں اپنے ایس ایس پی صاحب کی مثال سامنے ہے۔ اچھی بھلی معززانہ جاب سے استعفیٰ دے کر فرانس جا پہنچے۔ ابھی تو وزٹ ویزے پر گئے ہیں۔ سنا ہے کچھ ماہ کے اندر اندر وہیں سیٹ ہو رہے ہیں' اپنا کوئی کاروبار شروع کر رہے ہیں وہاں۔"
نیازی صاحب تو اپنی جھونک میں کہتے جارہے تھے اور داور کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جارہا تھا۔
"اور اپنے سردار صاحب کو لے لو وہ بھی آج کل باہر کاروبار سیٹ کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں اور......"
"ایک منٹ نیازی بھائی! کیا آپ ایس ایس پی مہران آفریدی کی بات کر رہے ہیں؟" وہ عجلت میں بات کاٹ اٹھا۔
بولا۔
"ظاہر ہے میرے بھائی۔ اس شہر میں اور کتنے ایس ایس پی ہوا کرتے ہیں......" نیازی صاحب اپنی بات پر خ
ہی محظوظ ہوئے۔
"کیا وہ یہاں نہیں ہیں؟"
"کہاں بھئی۔ فرانس میں بیٹھے ہیں۔ کمال ہے اتنی اہم خبر تم تک نہیں پہنچی تمہارے اخبار نے تو تین ماہ پہلے بڑے چٹ پٹے انداز میں خوب نمک مرچ لگا کے یہ اسٹوری چھاپی تھی۔"
"اس وقت میں یہاں نہیں تھا۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔
اگر مہران فرانس سیٹل ہو رہا ہے تو ارشین؟
وہ کہاں ہوگی۔ اس کے بارے میں کیا انتظام کیا گیا ہے؟
ایسی کیا افتاد ٹوٹ پڑی جو آناً "فاناً" استعفیٰ دے کر منظور کروا کے ملک سے فرار ہو گیا۔ وہ تو بہت محب وطن ہوا کرتا تھا۔ اپنا ملک چھوڑ کر باہر جا کر اپنی ذات بیچنے والوں کے بارے میں ہمیشہ نفرت کا اظہار کرتا تھا۔
وہ نیازی صاحب کو ٹال کر تیزی سے آفس سے باہر نکل گیا۔
اس کا رخ آفریدی ہاؤس کی جانب تھا۔
بیل بجانے پر ناظر باہر آیا تھا۔ گھر پر اور کوئی بھی نہیں تھا۔ ناظر اسے اندر لے آیا تھا اور بیٹھنے کے لیے اصرار
رہا تھا۔
"میں ذرا جلدی میں ہوں۔ مجھے نینی اور سفیان سے بہت ضروری بات کرنا تھی۔"

بے چینی سے نظریں گھما رہا تھا پھر اچانک کچھ یاد آجانے پر وہ ناظر کی طرف متوجہ ہو گیا۔
م گھر کے معاملات میں ہمیشہ انوالو رہے ہو' میرا خیال ہے میرے سوالوں کے جواب تم بھی دے سکتے ہو۔ یہ
مہران پولیس جاب سے استعفیٰ دے کر یورپ چلا گیا ہے؟......"
ں جناب......" ناظر ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔
س گھر کو جانے کس کی نظر لگ گئی ہے۔ سفیان بھیا ہیں تو ان کے ہونٹوں کو جیسے کسی نے آپس میں سی دیا
خاموش' انتہائی سنجیدہ اور الگ تھلگ سے رہتے ہیں۔ نینی کالج کے بعد اپنے کمرے کی ہو کے رہ جاتی
"
ور بھابھی؟" داور نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ "در نایاب بھابھی کہاں ہیں۔ مہران کے ساتھ چلی
گیا......"
نہیں تو بھائی جان کب کے میکے بھیج چکے ہیں۔"
یا؟" داور کو جھٹکا سا لگا۔
ں...... "ناظر نے افسوس سے سر ہلایا۔
نہیں بھائی جان کو کیا ہو گیا تھا۔ نایاب بھابھی کو گھر سے نکال کے ارشین آپا کو لینے گئے تھے مگر واپس آئے تو
نہیں طلاق دے دی ہے۔"
یا؟......" اب کی دفعہ کا جھٹکا گویا چار ہزار وولٹ کے کرنٹ کے برابر تھا' داور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
ابھی......" ناظر کا لہجہ بہت دھیما تھا۔
یا مہران پاگل ہو گیا ہے؟" داور کا بس نہیں چل رہا تھا مہران کا گریبان پکڑ کر اسے بری طرح جھنجھوڑ کر اپنے
ت کے تفصیلی جوابات چاہے۔
پ بیٹھیے تو۔ اٹھ کیوں گئے۔"
چلتا ہوں اب......" وہ بے خیالی میں بڑبڑایا پھر ایک دم کمرے سے نکل گیا۔ وہ فوراً "سے پیشتر وسن کوٹ پہنچنا
کی ارشین بخاری کہاں ہیں۔ ڈیوٹی پر موجود ہیں اس وقت؟"
وسل ڈائجسٹ کے آفس میں پہنچتے ہی جمیل صاحب سے دریافت کرنے لگا۔
رجی! انہیں تو پچھلے مہینے لاہور والے آفس میں ٹرانسفر کر دیا گیا تھا۔"
یل صاحب نے چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
ہور......" داور نے حیرت سے دہرایا۔
ی ہاں۔ آپ نے خود ہی تو سائن کیے تھے ان کی تنخواہ میں اضافے اور لاہور میں ٹرانسفر کے آرڈرز پر۔ آپ
نے کے بعد قائم مقام ایڈیٹر رضوی صاحب نے پچھلے ماہ آرڈر پر عمل درآمد کروا لیا۔ ارشین صاحبہ کی ایک
نگی بوا کا انتقال ہو گیا تھا ان کے سوئم کے بعد وہ لاہور چلی گئیں۔"
وہ۔ میں نے دھیان ہی نہیں دیا تھا سائن کرتے ہوئے۔" داور نے منہ پر ہاتھ پھیرا اور انگلی سے کنپٹی
لگا۔
یا اب وہ لاہور ہوں گی۔" اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے جمیل صاحب کی طرف دیکھا۔ "مگران کی
کا بندوبست اور دیگر انتظامات۔" وہ فکرمند تھا۔
رضوی صاحب نے بتایا تھا مس بخاری نے ورکنگ ویمن ہوسٹل میں کمرہ لے لیا ہے' وہیں رہتی ہیں۔"
مجھے کھانا کھلاؤ۔ شام کو مجھے لاہور روانہ ہونا ہے......"
دوسری کرسی پر پاؤں پھیلا کر ایزی ہوتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

اسلام آباد سے وسن کوٹ۔

پھر وسن کوٹ سے لاہور۔

دوسری دفعہ بے ٹھکانا ہوئی تھی، مگر اب کی بار مالی اور ذہنی اعتبار سے پوزیشن مضبوط تھی۔ مہران کی طرف سے مہر اور نان نفقے کی رقم ملا کر ساڑھے تین لاکھ کا چیک جسے وہ کیش کروا چکی تھی، اس کے بہت سے مسائل حل کرنے کے لیے کافی تھا۔ ہاسٹل کا چھ ماہ کا ایڈوانس کرایہ دینے کے بعد اس نے بقیہ رقم اپنے نام سے اکاؤنٹ کھلوا کر بینک میں جمع کرادی تھی۔ اپنے گزارے کے لیے آفس سے ملنے والی ماہانہ تنخواہ کافی تھی۔

ذہنی لحاظ سے مضبوطی کے لیے وسن کوٹ میں رہنے کا تجربہ ہی بہت تھا۔ وہ جن کٹھن حالات سے گزری تھی اس کے بعد مشکلات کا سامنا کرنا گویا روٹین کا حصہ بن گیا تھا۔

ایک عرصے کے بعد وہ آسودگی سے سوچنے سمجھنے کے قابل ہوئی تھی۔

"اس دن وہ آفس سے جلدی نکل آئی تھی۔ اسے کچھ کپڑے اور جوتے لینے تھے ایک دو اور بھی چھوٹی موٹی چیزیں خریدنا تھیں۔

خریداری کے بعد وہ یوں ہی وقت گزاری کو ایک فاسٹ فوڈ پر کافی پینے بیٹھ گئی۔ شام کو ساڑھے چھ بجے وہ ہاسٹل پہنچی تو پتا چلا کوئی صاحب گزشتہ ایک گھنٹے سے وزیٹنگ روم میں محوِ انتظار ہیں۔ پہلے اس کے آفس گئے تھے۔ وہاں غیر موجود پا کر ادھر آ گئے۔

کون ہو سکتا ہے؟

کہیں سعد تو نہیں....؟ وہ سوچتی ہوئی وزیٹنگ روم میں داخل ہوئی تو سیاہ پینٹ اور خاکی شرٹ میں ملبوس سانولے رنگ کے عینک والے اس چلبلے مگر ذہین و فطین صحافی کو دیکھ کر اچھا خاصا حیران ہوئی۔

"ارے۔ آپ کہاں آ پہنچے میرے پیچھے۔" سلام کرنے کے بعد بے ساختہ وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

"جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں۔

خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں۔

دیکھ لیجئے صاحب۔ ہم نقش پا گنتے گنتے ادھر تک پہنچ گئے۔"

داور کھڑا ہو گیا۔ وہ بڑے بھرپور انداز میں اس کے سراپے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کہاں غائب ہو گئی تھیں وسن کوٹ سے؟ میں پہلے ادھر ہی گیا تھا۔" وہ اس کے اشارے پر بیٹھ گیا۔

"ہمیں آپ حکام کی ہدایت پر دربدر کیا گیا ہے یہاں۔" وہ مبہم سا مسکرائی اور سامنے والی نشست سنبھال لی۔

"میں نے ایک خبر سنی ہے۔ باوثوق ذرائع سے۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد داور دبے لہجے میں گویا ہوا۔

"اسے مہران کی آخری زیادتی سمجھوں یا پہلی مثبت کارروائی۔"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھ رہا تھا۔

ارشین نے نظر چرالی۔

"دوسری بات زیادہ مناسب ہے۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔ داور کے کھنچے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ رگوں کا تناؤ بتدریج کم ہونے لگا۔

"گویا اس کے اس فیصلے میں آپ کی مرضی شامل تھی۔"

"اس میں ہم دونوں کی بہتری پوشیدہ تھی۔" ارشین نے الفاظ پر زور دے کر کہا۔ "جو ہوا اچھا نہیں ہوا، مگر بہت زیادہ برا ہونے سے کچھ اچھا ہو جانا بہرحال بہتر ہوتا ہے۔ مجھے ایس ایس پی صاحب سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ وہ اپنی جگہ ایک اچھے انسان تھے بس ہم دونوں کا ساتھ ایک دوسرے کے لیے اچھا نہیں تھا، اسی لیے زیادہ دیر تک چل بھی نہ سکا۔ فطرتاً ہم شروع دن سے ہی الگ تھے۔"

"اور آئندہ کے لیے سوچا ہے۔" داور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"آنے والا وقت اپنی ترجیحات کا تعین خود کرتا ہے۔ یہ بات مجھے اب سمجھ میں آ گئی ہے۔ انسان کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں بھی زندگی سے بہت کچھ چاہتی تھی، مگر مجھے زندگی سے وہ ملا جس کے بارے میں خواب و خیال بھی نہ تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" داور نے کندھے اچکائے پھر کھڑا ہو گیا کچھ دیر تک ٹھوڑی پہ ہاتھ جما کے کچھ سوچتا رہا پھر الجھن ہچکچاہٹ کے عالم میں اس کی طرف پلٹا۔

"خبر نہیں، مجھے یہ بات اس موقعہ پر کہنی چاہیے یا نہیں۔" وہ جھجک کر بولا۔ "مجھے انسانی رشتوں کی نزاکتوں کی زیادہ سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ میں ان چیزوں سے بہت عرصہ ہوا بچھڑ چکا ہوں۔ بہت سادہ اور بے ترتیب سا بندہ ہوں۔ بظاہر مجھ میں کوئی خوبی و خصوصیت یا کشش بھی نہیں ہے کہ کسی کو متاثر کر سکے۔ تاہم اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میرے اول جلول اور الجھے بکھرے حلیے کے اندر جو ایک دل چھپا بیٹھا ہے، وہ خلوص اور پیار کے چشموں سے لبالب بھرا ہوا ہے۔ میں وہی اپنے لائف پارٹنر کی نذر کر سکوں گا۔ میں نے آپ سے ملنے سے پہلے کبھی شادی شدہ زندگی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ ایسی باتوں پر میں صرف ہنسا کرتا تھا مگر اب احساس ہوا یہ سفر بھی اپنی جگہ بہت سے مثبت اور خوبصورت موڑ دامن میں سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔ میں زندگی کا یہ سفر آپ کے ساتھ شروع کرنا چاہتا ہوں۔" وہ رسانیت سے گویا تھا۔

"ایک مدت بعد میرے اندر اپنے پرانے گھر لوٹنے کی چاہ جاگی ہے۔" وہ بہت دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔ وہیں لاہور میں ہماری بہت بڑی کوٹھی ہے ارشین۔" وہ بچوں کے سے اشتیاق سے بتانے لگا۔ "اب تو شاید کھنڈر ہو چکی ہو گی مگر......"

پھر اس کی آنکھیں کسی احساس سے دمک اٹھیں۔

"مگر......" وہ رکا۔

"اگر آپ ساتھ دیں تو ہم اس کھنڈر کو پھر سے گھر بنا سکتے ہیں۔"

وہ رک رک کر مدعا بیان کر رہا تھا۔

ارشین نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ بظاہر عام سے 'نارمل سے آدمی کے اندر چھپا بہت خوبصورت دل اس کی آنکھوں میں خلوص اور پیار کی چمک بن کر جگمگا رہا تھا۔

ارشین اس کے اندر کی اس خوبصورتی کو دیکھ سکتی تھی۔ محسوس کر سکتی تھی۔

اخلاص و محبت کی یہ چھاؤں اس کی تھکن دور کرنے کے لیے بہت کافی تھی۔

"اس بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔" بہت دیر بعد وہ آہستگی سے بولی۔

"مگر ابھی نہیں۔ مجھے کچھ ٹائم چاہیے......"

"ٹھیک ہے.... جتنا مرضی ٹائم لے لیں۔" داور کا چہرہ کھل اٹھا۔

"لیکن ایک بات یاد رہے۔ امتحان آپ کے ظرف کا ہے۔ کیا آپ اپنے دوست کے حوالہ جات اور میرا ماضی فراموش کرنے کی طاقت رکھتے ہیں؟" وہ اس کا چہرہ پڑھ رہی تھی۔

"ماضی کیا ہوتا ہے ارشین! ختم ہو جانے والا وقت۔ مردہ وقت اور مردہ چیزوں کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ ماضی کے مزاروں پر یادوں کے پھول چڑھانے والے احمق ہوتے ہیں۔ پدرم سلطان بود والا محاورہ اس کمپیوٹر ایج میں نہیں چل سکتا۔ یہاں ہونا نہیں کافی یہاں بننا بھی پڑتا ہے۔ اپنا وجود خود ثابت کرو ماضی کی یادگاریں ہماری ذات کی بقا کی ضامن نہیں بن سکتیں۔ اہمیت حال کی ہے۔ میرے لیے حال اہم ہے۔" وہ سنجیدگی سے گویا تھا۔

ارشین کے سر سے بہت سے بوجھ سرکتے چلے گئے تھے۔

"آؤ نازش! کیسے ہو آپ بیٹے۔ ایک مدت بعد نظر آئی ہو.... اب تو آپ ہی ہو جو بھولے بھٹکے اس گھر کی خاموشی میں کمی کرنے آ جاتی ہو۔"

نینی اسے دیکھ کر پائپ کیاری میں رکھتے ہوئے اٹھ گئی تھیں۔

"میں بھی پاکستان میں اب کچھ دنوں کی مہمان ہوں نینی....." سبز شال میں متورّم سبز آنکھوں اور پھیکی رنگت لیے وہ ملگجے سے لباس میں اپنے حال کی تفسیر نظر آ رہی تھی۔ اس کا لہجہ تھکا ہوا تھا۔

"کیوں خیریت..... کیا مہران کے بعد اب آپ بھی اپنی سرزمین چھوڑ کر باہر آباد ہو جائیں گی۔" نینی کو سخت تاسف ہوا۔

"کچھ عرصے کے لیے وطن چھوڑنا ہی ہو گا۔ مجبوری ہے۔ مہوش کی رپورٹس امریکہ بھجوائی تھیں وہاں سے کچھ امید افزا جواب ملا ہے ڈاکٹرز نے کہا ہے کہ بچی کو لے آئیں۔ عین ممکن ہے سال چھ ماہ کی ٹریٹمنٹ کے بعد بڑی حد تک مرض کا خاتمہ ہو جائے۔ لہٰذا اب ایک آدھ سال ہمیں امریکہ میں رہنا ہو گا۔"

"رہائش کا انتظام کیسے ہو گا۔"

"دانیال کا اپنا فلیٹ ہے امریکہ میں۔"

"چلو پھر تو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا....." نینی سوچ میں گم سر ہلانے لگیں۔ "اللہ تعالیٰ بچی کو شفا عطا فرمائے۔ ننھی سی جان ہے۔ گڑیا سی تو ہے۔" نینی کے لہجے میں حقیقی شفقت تھی۔

نازش کی آنکھیں پانیوں میں ڈوبنے لگیں۔

"دانیال میاں کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہی ہوں گے۔" نازش کے لہجے میں تلخی تھی۔ "بس تعلق کی ڈور ہے نینی۔ مجبوری نے باندھ رکھا ہے ورنہ ان کی شکل دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ بچی کو درد سے تڑپتا دیکھتی ہوں تو جی چاہتا ہے۔ بیٹی کو ساتھ لے کر اس شخص سے ہمیشہ کے لیے دور چلی جاؤں۔ آہ لگی ہے میری بیٹی کو۔" اس کا لہجہ بھرا گیا۔

"سیاہ اعمالی باپ کی ہے اور بھگت بیٹی رہی ہے۔"

"ایسے نہیں کہتے بیٹے۔" نینی نے نرمی سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اپنے کندھے سے لگا لیا۔ نازش اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ سفیان کہاں ہے۔ نظر نہیں آتا آج کل....." وہ بات بدلنے کو بولی۔

"اندر ہی ہو گا۔ جانا کہاں ہے۔ اس نے تو ایسا چولا بدلا ہے کہ اپنے پرائے سب حیران ہیں۔ کم گوئی اور سنجیدگی تو ایک طرف وہ ناظر سے بھی فقط ہوں ہاں میں بات کرتا ہے۔ ایکدم خاموش آفس سے گھر اور گھر سے آفس۔ اس کے علاوہ نہ کہیں آتا ہے نہ جاتا ہے۔ میں تو کہہ کہہ کر تھک گئی۔" نینی ملول ہو کر بولیں۔

"بہتر ہو گا فاریہ کو رخصت کرا کے گھر لے آئیں۔ یوں بھی نکاح ہوئے بہت عرصہ ہو گیا ہے....."

"اب کیا کہوں بیٹے! میرا اپنا دل ہی مر گیا ہے۔ سچ پوچھو تو بھولا نے بیاہنے کے سارے چاؤ ختم ہو گئے ہیں۔ یہ سب رشتے ناتے بے معنی لگنے لگے ہیں۔ مہران کو دیکھ لو خود تو یورپ جا کر بیٹھ گیا ہے اور ادھر درّنایاب کی صورت میں سوالیہ نشان میرے لیے چھوڑ گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں اور کیا نہ کروں۔"

انہوں نے سر تھام لیا۔

"ارشین کو طلاق دے کر مہران نے اچھا نہیں کیا۔" نازش نے افسوس سے سر ہلایا۔ "یہ دوسری حماقت ہے کہ نایاب کو بھی نہیں بسا رہا یہ اس سے بھی بڑی غلطی ہے اور لگی لگائی نوکری چھوڑنے کا فیصلہ۔ اُفوہ! مجھے مہران سے یہ امید نہیں تھی....."

نازش نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائی ہوئی تھیں اور انہیں بار بار جھٹکے دے رہی تھی۔

"جزا و سزا کا اختیار خدا کے پاس ہے لیکن جب بندہ یہ میزان اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے تو اس سے اسی طرح غلط فیصلے سرزد ہوتے ہیں۔" نینی دکھ سے بولیں۔ "ہم کون ہوتے ہیں اپنی مرضی سے کسی کو گنہگار ٹھہرا کر سزا دینے والے! اصل منصف اور قادر تو خدا کی ذات ہے مگر افسوس یہ بات انسان اس وقت سمجھتا ہے جب وہ اپنا بہت

نقصان کر چکا ہوتا ہے۔"

نینی نے سرد آہ بھری۔

"مہران کی انتہا پسندانہ سوچ نے اسے کہیں کا نہیں رکھا۔" نازش نے برملا کہا۔

"آپ اس پر زور دیں۔ وہ نایاب کو عزت کے ساتھ گھر لے آئے اور اپنے ساتھ لے جائے۔ ایک کو اجاڑا ہے دوسری کو تو بسا لے۔ کیوں زمانے بھر میں اپنا تماشا بنا رہا ہے۔"

"اگلے ہفتے آ رہا ہے۔ تم بات کر کے دیکھ لینا۔ کسی طرح بھی سہی معاملہ تو نپٹے۔ نایاب کے والد کئی بار فون کر کے استفسار کر چکے ہیں۔" نینی نے بتایا۔

"ہاں اگر اس کے آنے تک پاکستان میں رہی تو ضرور سمجھاؤں گی۔ آگے اس کی مرضی۔ میں چلتی ہوں نینی۔"

راشد صاحب کافی عرصے بعد بارہ کہو کے ڈرگ کنٹرول سینٹر میں امبرین کی خبر گیری کے لیے آئے تھے یہاں آ کر یہ سن کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ امبرین آٹھ ماہ کی باقاعدہ ٹریٹ منٹ کے بعد نہ صرف یہ کہ صحت یاب ہو چکی تھی بلکہ اس نے نرسنگ کورس کا آغاز بھی کر دیا تھا۔ رہائش کے لیے نرسنگ اسٹاف کے اپارٹمنٹس میں کمرہ دیا گیا تھا۔ اب وہ پوری لگن اور محنت کے ساتھ نرسنگ کا کام سیکھ رہی تھی۔

"یہ تو بالکل مردے کو زندہ کر دینے والی بات ہو گئی ڈاکٹر صاحب....." راشد صاحب نے گرمجوشی سے ڈاکٹر رضا سے ہاتھ ملایا تھا۔

"آپ ان کے لواحقین کو اطلاع کر دیجئے۔ وہ چاہیں تو انہیں اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ مس امبرین اب مکمل طور پر صحت یاب ہو چکی ہیں۔"

ڈاکٹر رضا نے انہیں اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی نشست سنبھالی۔

"اچھی بات ہے۔ میں گوجرانوالہ میں خط لکھ کر بخاری صاحب کو مطلع کر دوں گا۔ ویسے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ امبرین کو اپنا نرسنگ کا کورس مکمل کر لینا چاہیے۔"

"راشد صاحب۔" ڈاکٹر رضا کچھ دیر تک غور کرتے رہے پھر مخاطب ہوئے۔ "آپ بخاری فیملی کے قریبی عزیز ہیں اور ایک طرح سے اس شہر میں مس امبرین کے سرپرست بھی ہیں۔ میرا خیال ہے آپ سے اس سلسلے میں راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔"

"جی ارشاد....."

"میں نے بڑی توجہ اور لگن سے ٹکڑا ٹکڑا جوڑ کر ایک نئی شخصیت تشکیل دی ہے۔ اس کی ذہنی اور جسمانی نشوونما کو مثبت سطح تک پہنچایا ہے۔ میں نہیں چاہتا اتنی مشکل سے زندگی کی روشن راہ پر گامزن ہونے والا وجود کسی ناخوشگوار صورتحال کے نتیجے میں پھر سے اندھیروں میں کھو جائے۔ یوں سمجھئے جیسے مصور کو اپنی تخلیق سے پیار ہو جاتا ہے کچھ اسی طرح میری اس مشکل اور تقریباً ناممکن کیس میں دلچسپی بڑھتی گئی اور میں نے اس مریضہ کو زندگی کی طرف لوٹانے کا چیلنج گویا زندگی اور موت کا مسئلہ بنا لیا اور اب اس اسٹیج پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کا یہاں رہنا ان کے لیے بھی فائدہ مند ہے ادارے کے لیے بھی اور....."

وہ کچھ توقف کے بعد سر جھکا کر میز پر پڑے اسٹیتھواسکوپ سے کھیلنے لگے۔

"اور میرے لیے بھی....." انہوں نے فقرہ مکمل کیا۔

"جی؟....." راشد صاحب کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح کی بات کر سکتے ہیں۔ وہ ہکا بکا ان کی صورت دیکھنے لگے۔

"آپ شاید میری عمر کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں۔ چالیس برس کی عمر کم نہیں ہوتی جبکہ امبرین بمشکل بائیس برس کی ہو گی لیکن مجھے یقین ہے کہ میں پوری ذمہ داری اور اعتماد کے ساتھ امبرین کو خوش رکھ سکتا ہوں۔ میں

اس کی کمزوریوں سے واقف ہوں۔ اس کی شخصیت کے ناتراشیدہ پہلوؤں سے واقف ہوں' سوان خامیوں کو دور کر کے اسے تراش کر ایک مکمل اور بھرپور روپ دے سکتا ہوں۔ آپ یقین کیجئے اس کا اندر بہت معصوم اور سادہ ہے۔ یہ صرف زندگی سے ملنے والی محرومیاں' تلخیاں اور چرکے ہیں جنہوں نے اس کی بیرونی آوٹ لک کو منفی بنا دیا ہے۔ جب یہ فاضل مواد ڈھل جائے گا تو اندر سے سادہ وشفاف مورت خود بخود نمودار ہو جائے گی۔ ہم کیوں ایسے لوگوں کو کوڑے کرکٹ کی طرح معاشرے کے کچرے میں پھینکتے جائیں۔ اگر کوئی اپنے جرم کی سزا بھگتنے کے بعد عزت چاہتا ہے تو یہ اس کا بنیادی حق ہے اور اسے ملنا ہی چاہیے۔"

"میں حیران اس لیے ہوں کہ آپ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے یہ پروپوزل دے رہے ہیں۔ ہر کوئی آپ کی طرح نہیں سوچتا۔ یہ معاشرہ ٹھکرائے ہوئے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو قبول نہیں کرتا۔ پھر آپ کیسے......؟"

راشد صاحب طبیعت کے کھرے بندے تھے جو مناسب سمجھتے تھے منہ پر کہہ دیتے تھے وہ دل کی بات دل میں رکھنے کے قائل نہیں تھے۔ اس وقت بھی وہ اپنے مخصوص انداز میں جو محسوس کیا کہنے سے خود کو باز نہ رکھ سکے۔

"راشد صاحب! کسی کو تو سوچنا ہی ہو گا ناں اس بارے میں۔" وہ ہلکا سا مسکرائے۔ "کوئی تو پہلا قطرہ بنے۔ یوں بھی میں گھاٹے میں نہیں رہوں گا۔ امبرین ایک اچھی لڑکی ہے۔ بس تربیت کی کمی ہے اور کچھ قوتِ ارادی کی کمزوری۔ انشاءاللہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ کمزوریاں بھی دور ہو جائیں گی۔"

"سوچ لیں۔ ایسا نہ ہو ابھی جوش میں آ کر غیر معمولی قدم اٹھا لیں اور پھر کل پچھتاوں کا شکار ہو کر فیصلہ بدل لیں...."

"ایسا نہیں ہو گا۔ اب اس عمر میں آ کر مجھ سے جذباتی فیصلے کی توقع تو نہیں کی جا سکتی۔ مجھے بتائیے اس سلسلے میں کیا کرنا ہو گا۔ مہران کئی ماہ سے ملک سے غائب ہیں۔ امبرین کے والدین یہاں نہیں ہیں۔ یہ معاملہ کس کی عدالت میں پیش کیا جائے۔"

"میں اس بارے میں کچھ سوچتا ہوں۔ اپنی وائف سے مشورہ کر کے آپ کو آگاہ کروں گا۔" راشد صاحب نے جواب دیا تھا۔

"امبرین کہاں ہو گی اس وقت۔" وہ اٹھتے ہوئے بولے۔ "اس سے ملتا چلوں۔"

"ایک منٹ میں آپ کو ان کے روم تک پہنچاتا ہوں۔" ڈاکٹر رضا نے بیل بجا کر وارڈ بوائے کو طلب کیا تھا۔

"بلکہ بہتر ہو گا آپ اس بارے میں ان سے بھی ڈسکس کر لیجئے۔"

کچھ دیر بعد وہ نرسنگ اپارٹمنٹس کے احاطے میں امبرین کے روبرو تھے۔ سفید یونیفارم میں وہ چہرے پر صحت مندی کی سرخیاں لیے انہیں بہت بھلی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ خاصی مطمئن اور خوش نظر آ رہی تھی۔

"آنٹی رقیہ کیسی ہیں انکل۔"

"ٹھیک ہیں بیٹے......"

وہ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر مختصراً ڈاکٹر رضا کے پروپوزل کے متعلق بتایا۔

وہ کتنی ہی دیر ساکت وصامت بیٹھی رہی۔

ایک انتہائی معزز و محترم اور نفیس ہستی اسے شریکِ سفر بنانے کی متمنی تھی۔

وہ لڑکی جسے معاشرہ پستیوں کی انتہا میں ڈبو چکا تھا۔

کہیں قدرت میرے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہی؟

اس نے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"وہ سیریس ہیں بیٹے......" راشد صاحب نے سر ہلایا۔

"تم سوچ لو۔ سوچ کے اپنا جواب بتا دینا۔ میں کوشش کرتا ہوں کسی طرح گوٹھ میں تمہارے والدین سے رابطہ کروں۔"

وہ اس کا سر تھپتھپا کر چلے گئے۔

امبرین ان کے جانے کے بعد دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسک سسک کر رو دی۔

انسان اتنا بے صبرا اور ناشکرا کیوں ہوتا ہے؟

کیوں اس کا دل اتنا تنگ ہو جاتا ہے کہ دوسرے کی خوشی سہار نہیں پاتا۔ الٹا اسے چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔

وہ کیوں یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کی باری میں سارے در بند ہو جائیں گے۔

کیوں کسی کے لبوں کی ہنسی چھین کے اپنے ہونٹوں پر سجانے کی کوشش کرتا ہے!

قدرت نے ہر شخص کے لیے دکھ سکھ کا الگ کوٹہ مخصوص کر رکھا ہے۔ سب کو اپنے اپنے حصے کی خوشیاں مل
اتی ہیں مگر ہم بے صبرے لوگ...... کہ ہم سے صبر نہیں ہوتا۔

ہم سے اچھے وقت کا انتظار نہیں ہوتا۔

ہم سے دوسروں کی خوشی برداشت نہیں ہوتی۔

ہمیں محرومیوں سے لڑنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

میں نے یہ کیوں سمجھ لیا تھا کہ خدا نے میرے نصیب میں کوئی سکھ کی گھڑی نہیں لکھی۔

کاش میں نے مشکل گھڑیاں صبر کے ساتھ کاٹنے کا سبق سیکھا ہوتا۔

کاش میں نے انتظار کرنا سیکھا ہوتا۔

اگر مجھ میں صبر اور انتظار کرنے کی طاقت ہوتی تو راستے سے نہ بھٹکتی' بھٹک کر غلط ہاتھوں میں نہ جاتی اور آج
پنے ماضی سے اس قدر شرمندہ نہ ہوتی۔

اس نے آہ بھری۔ آج اسے اپنی ساری غلطیاں نظر آ رہی تھیں۔

اس کا جی چاہا ڈاکٹر رضا کے سامنے جا کر برملا اعتراف کر لے۔

"میں اس اعزاز کے قابل نہیں ہوں۔ مجھے ابھی کچھ اور سزا ملنی چاہیے تھی۔ یہ عنایت میرے ظرف سے
ت زیادہ ہے۔"

مگر وہ خود کو اس قابل بھی نہیں پا رہی تھی کہ ان کا سامنا کر سکے۔

بعض لمحے بڑے عجیب ہوتے ہیں اس طرح آپ کی زندگی میں آتے ہیں کہ آپ کو ساکن رہنے پر مجبور کر دیتے
ہیں۔

شاہین شبانہ آنٹی کے ساتھ کپڑوں اور جوتوں کی خریداری کے لیے انارکلی کی دکانیں چھان رہی تھی جب
انک ایک بک اسٹال پر اس کی نظر سفید اور براؤن پرنٹ کے سوٹ میں ملبوس اس لڑکی پر پڑی تھی۔

"ارشین آپی......!" استعجاب کی انتہا ایک تیز چیخ کی صورت میں شاہین کے منہ سے برآمد ہوئی تھی۔

وہ سیلز مین سے پوسٹر کلرز کا باکس نکالنے کو کہہ رہی تھی چیخ نما پکار سن کر یک لخت گردن موڑ کر دیکھا اور پھر جیسے
رکی ہو گئی۔

"شاہین!" اس کے خاموش لب بے آواز ہلے تھے۔ "یہاں۔ لاہور میں!"

"ارشین آپی......!" شاہین اب سو فیصد پہچان چکی تھی وہ کسی تند و تیز ریلے کی طرح لپکتی ہوئی اس کی طرف
ئی۔

"آپی......!" دوسرے لمحے وہ اس کی بانہوں میں تھی۔

ارشین نے اسے کسی عزیز ترین شے کی طرح اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ ایک مدت بعد کسی اپنے کا لمس میسر
آیا تھا۔

"آپی! آپ یہاں لاہور میں رہتی ہیں؟" شاہین اس سے الگ ہو کر بچوں کی سی بے قراری سے اس کے بازو اور

ہاتھ ٹٹول رہی تھی جیسے اس کی موجودگی کا یقین چاہ رہی ہو۔

"ہاں۔ مگر تم یہاں کیسے پہنچیں؟" پھر ارشین کی نظر اس کے پیچھے حیران پریشان کھڑی ایک معزز سی خاتون پر پڑی۔ وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگی۔

کیا شاہین کی شادی ہو گئی ہے؟ اس نے الجھن کے عالم میں شاہین کا سراپا دیکھا۔ گو کہ اس کا لباس واندازہ عمدہ اور نفیس نظر آ رہا تھا مگر سونے کی کوئی چیز نہیں پہنی ہوئی تھی جو شادی کی نشانی قرار پائی۔

"شاہین بیٹی! انہیں اپنے ساتھ گھر لے چلو۔ آرام سے بیٹھ کے گپ شپ کرنا۔ بازار میں کھڑے ہو کر بات کرنا مناسب نہیں لگتا۔" وہ رسانیت سے گویا ہوئیں۔

اب ارشین کو مزید یقین ہو گیا۔ ہو نہ ہو یہ شاہین کی ساس ہیں۔ اس نے تصدیق کے لیے شاہین کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آپی! یہ ایک بہت مہربان خاتون ہیں۔ میں ان ہی کے گھر میں رہتی ہوں ان کے ساتھ۔ ان کے بیٹے سعد بھائی کے دوست ہیں.....۔"

ارشین گومگو کی کیفیت میں شاہین کی شکل دیکھنے لگی۔

"آپ میرے ساتھ گھر چلیں۔ بڑی لمبی داستان ہے۔ تفصیل سے سناؤں گی۔ فکر نہ کریں۔ آنٹی ہماری بہت زیادہ اپنی ہیں۔ وہ سب جانتی ہیں۔"

◆◆◆

ٹھیک اسی دن جب ارشین اور شاہین کی ملاقات ہوئی سعد کراچی سے پہنچا تھا۔ اس کا ٹرانسفر کراچی ہو چکا تھا۔ ویک اینڈ پر امی ابو سے ملنے اسلام آباد آیا تھا۔ شاہین کی صورت میں جو ذمہ داری اس کے کاندھوں پر تھی وہ اب اسے کسی دوسرے کے سر ڈالنا چاہتا تھا۔ آیا تو پتا چلا بخاری لاج میں تالا پڑا ہوا ہے۔ راشد صاحب نے مختصراً حالات بتائے۔ امبرین کے متعلق بھی بتایا۔

"اتنے عرصے سے کہاں غائب تھے۔" ساتھ ساتھ حسب معمول خفا بھی ہو رہے تھے۔ "تمہاری ماں نے اور نازو نے میرا ناطقہ بند کر رکھا تھا کہ بیٹے کا کچھ پتا کرائیں۔ کہاں گیا۔"

"میرا ٹرانسفر ہو گیا تھا۔ اتنی جلدی میں جانا پڑا کہ بتا نہیں سکا۔" اسے یہاں کے حالات جان کر سخت دھچکا لگا تھا۔

ان لوگوں کو جھٹکا تب لگا جب اس نے شاہین کے بارے میں بتایا۔

"اتنے عرصے تک تم نے یہ بات ہم سے چھپائے رکھی....." رقیہ بیگم غم و غصے سے لرز رہی تھیں۔ "وہ تمہارے پاس تھی تو خبر کیوں نہ کی؟"

"اس وقت خاموشی ہی بہتر تھی امی!" وہ انہیں ٹھنڈا کر رہا تھا۔

"اگر اسے یہاں لاتا تو ان کے گھر میں زلزلہ آ جاتا۔ اب معاملہ ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ آپ اسے لے آیئے اور اس کے والدین تک پہنچا دیں تاکہ ہماری ذمہ داری ختم ہو۔"

"ہم خود چلیں گے وہاں....." راشد صاحب نے اعلانیہ کہا۔

"خود جا کر اسے لے کے آئیں گے۔" وہ بخاری صاحب کی غیر موجودگی میں قرابت داری کا حق پوری طرح نباہ رہے تھے۔

لیکن جب وہ لوگ لاہور پہنچے تو شاہین کے ساتھ ساتھ ارشین کو بھی موجود پا کر خوشگوار حیرت میں گھر گئے۔

ارشین تمام حالات سے باخبر ہو چکی تھی۔

اس کا جی چاہ رہا تھا پروفیسر دانیال مہدی پر فائر کھول دے۔ بس نہیں چل رہا تھا ان کی بوٹی بوٹی نوچ لیتی۔

شبانہ خاتون نے تو سادگی میں اسے شاہین اور سعد کی آپس میں شادی کرانے کی خواہش کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ بلکہ موقع نکال کر یہ بات انہوں نے رقیہ بیگم اور راشد صاحب کے کانوں میں بھی ڈال دی۔

"لوگوں کو چھوڑیں۔ آپ کی تو دیکھی بھالی ہے۔ سامنے پلی بڑھی ہے۔ بھول تو اس سے ہوئی ہے مگر آپ ڈھک لیں گی تو اس کی زندگی سنور جائے گی۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بہن! مسئلہ میرے بیٹے کی مرضی کا ہے۔ دوسرے بچی بہت چھوٹی ہے ابھی۔" رقیہ بیگم ہچکچا رہی تھیں۔

"چھوٹی کہاں ماشاءاللہ سمجھدار اور سیانی ہے۔" شبانہ خاتون چمک کر بولیں۔ "رہی بیٹے کی مرضی کی بات تو بہن اس کا ایک ہی مسئلہ ہے کہ کھونٹے سے بندھنا منظور نہیں ہے۔ یہ غلط بات ہے۔ اس کی شادی کی عمر ہے اور اب اسے کر ہی لینی چاہیے۔ آپ زور دے کر بات کریں گی تو مان جائے گا۔" وہ گویا ہر صورت تہیہ کئے بیٹھی تھیں۔

ارشین دوسرے کمرے میں شاہین کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی' ایک ایک کے بارے میں تفصیل سے پوچھ رہی تھی۔ مدتوں کی تشنگی تھی اتنی جلدی کیسے سیرابی ہو سکتی تھی۔

◆◆◆

"مہران سے میری فون پر بات ہوئی تھی۔" نازش نے چلتے ہوئے نینی کو مخاطب کیا۔ "ملاقات تو نہیں ہو پائی۔ کہہ رہا تھا اس ہفتے کی فلائٹ نہیں مل سکی۔"

"اچھا۔ اور کیا کہتا ہے اب وہ....."

"وہ فرانس میں اپنا بزنس سیٹ کر رہا ہے۔ کہہ رہا تھا' کچھ عرصے بعد پاکستان آئے گا نایاب کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے۔"

"شکر ہے خدایا! کوئی فیصلہ تو درست کیا۔" بے اختیار نینی کے منہ سے نکلا تھا۔

نینی اور سفیان پروفیسر دانیال' نازش اور مہوش کو خدا حافظ کہنے ایئرپورٹ آئے تھے۔ آج ان کی نیویارک کی فلائٹ تھی۔

"اب وہ بھلے سے فرانس میں سیٹل ہو جائے میری پریشانی میں کچھ تو کمی ہو گی۔ بہو ساتھ ہو گی تو دل کو تسلی رہے گی اس کی طرف سے فکر بھی کم ہو جائے گی۔ یوں بھی نایاب کے ساتھ زیادتی ہو رہی تھی۔"

"کہہ رہا تھا پروفیشن اس لیے چھوڑا تھا کہ اس کے ساتھ انصاف نہیں کر سکا تھا اور ملک بدری خود کو سزا دینے کے لیے منتخب کی تھی۔ نایاب کو فرانس اپنے پاس بلانے کا فیصلہ بھی اسی سزا کا ایک حصہ ہے۔"

اسی لمحے فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہونے لگا تھا۔

"ارے ہاں۔ کل کے نیوز پیپر میں کیوبا کے قریب ایک مسافر بردار طیارے کے گر کر تباہ ہونے کی خبر آئی تھی۔ مسافروں کی لسٹ میں لیلیٰ شاہ کا نام بھی شامل تھا۔ وہ یہاں سے فرار ہو کر بیرون ملک کسی جگہ مفرور ہو گئی تھی۔ اپنے انجام کو پہنچ گئی۔" نینی کو جیسے کچھ یاد آ گیا تھا۔

"نازش آپا۔ آ جایئے۔ دیر ہو رہی ہے....." سفیان تیزی سے چلتا ہوا ان کی طرف آیا تھا۔

نازش نینی سے مل کے آگے بڑھ گئی.....

"دعا کیجیے گا کامیابی کی خبر کے ساتھ دوبارہ اس سرزمین پر قدم رکھیں....." نازش نے چلتے ہوئے چھلکتے آنسوؤں کو صاف کر کے کہا تھا۔

نینی ریلنگ تھامے کھوئے ہوئے شکستہ انداز میں افق کی سمت دیکھ رہی تھیں۔

◆◆◆

"شبانہ خاتون کی تجویز میرے دل کو لگی ہے۔" راشد صاحب پشت پہ ہاتھ باندھے ٹہلتے ہوئے گویا ہوئے۔ وہ

لوگ کل اسلام آباد واپس پہنچے تھے۔ فی الحال شاہین کو لاہور میں شبانہ خاتون کے پاس ہی رہنے دیا تھا یوں بھی اب ارشین بھی وہاں موجود تھی۔ ارشین کی زبانی اس کی طلاق کی افسوسناک خبران تک پہنچ گئی تھی۔

"بخاری صاحب تو اپنے تئیں شاہین کو دفنا چکے ہیں۔ وہ اسے کسی قیمت پر قبول نہیں کریں گے۔ جو کرنا ہے ہمیں ہی کرنا ہوگا میرا خیال ہے ہمیں نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ کیوں نہ سعد کو کراچی سے بلوالیں۔ سادگی سے بچی کو بیاہ کر گھر لے آتے ہیں۔ بس نازو اس کا خاوند اور چند دیگر قریبی عزیزوں کو ہمراہ لے جائیں گے۔"

"وہ سب تو بعد کی بات ہے پہلے سعد سے تو پوچھ لیں۔" رقیہ بیگم تردد سے بولیں۔

"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔" راشد صاحب گرم ہونے لگے۔ "ایک کی دفعہ میں تو تماشا بنوا دیا میں دوسری مرتبہ ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ امبرین کے لیے عین شادی کے دنوں میں انکار بھجوا کر اس نے دونوں گھرانوں کی ذلت و رسوائی کا سامان تو بہرحال جو کیا تھا سو کیا تھا اس انکار کے ردِ عمل نے امبرین کو تباہی کی جس اسٹیج پر پہنچا دیا اس کا بڑی حد تک ذمہ دار وہ خود بھی ہے۔ چنانچہ اب اسے ہی اس کی تلافی بھی کرنا ہوگی۔ شاہین کو اپنا کر۔" راشد صاحب نے فیصلہ صادر کیا۔

"امبرین کی بہن کو ہی اپنانا ہے تو پھر شاہین کیوں ارشین بھی "مستحقین" کی لسٹ میں آسکتی ہے۔ وہ بھی تو طلاق کے بعد "اکیلی" ہے۔"

نازو جل کر بولی۔ اسے صبح رقیہ بیگم نے بلوایا تھا بات چیت کے لیے۔ صورتحال جان کر وہ خاصی ناخوش تھی۔ شادی کے بعد وہ سسرال میں رہ کر بڑی حد تک زمانہ ساز ہو چکی تھی۔ اسے بخاری فیملی کی لڑکی بیاہ کر لانے سے اختلاف تھا۔ وہ تو آتے ہی رقیہ بیگم سے جھگڑی۔

"کمال ہے امی! ڈیڈی کو تو خیر خدا ترسی اور انسانی ہمدردی کا بخار چڑھا رہتا ہے، آپ نے بھی بلا سوچے سمجھے ان کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ سارا زمانہ ان بہنوں پر تھو تھو کرتا ہے اور آپ چلی ہیں انہیں عزت و اعزاز کی چادر اوڑھا کر گھر میں لانے۔"

"ایسے نہیں کہو بیٹی! اس طرح امبرین کو ٹھکرانے کی غلطی کا ازالہ بھی ہو جائے گا۔ ایک نہ سہی دوسری بیٹی کو بہو بنا کر لے آئیں۔ یوں بھی شاہین معصوم اور کم عمر ہے۔ پھر اپنے ہی اپنوں کا عیب ڈھکتے ہیں۔ وہ ہمارے عزیز ہیں۔ برسوں پرانی تعلق داری رہی ہے۔"

"میں تو کہتی ہوں اچھا ہی ہوا جو سعد نے امبرین سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ ورنہ جو گل اب محترمہ نے کھلائے ہیں شادی کے بعد ایسا کرتی تو ہماری خاندانی عزت و عظمت کا جلوس نکل جاتا۔ دیکھ لی ناں اس کی فطرت۔ بری سوسائٹی میں پڑ کے کتنی خراب ہوئی؟ توبہ توبہ۔" نازو نفرت سے بولی۔

"اور دوسری بھی کیا کم نکلی۔ گھر سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ امی کم از کم مجھ سے آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگلی جائے گی۔ میرے سسرالی رشتہ داروں کو اس کے ماضی کی بھنک پڑ گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ ہمارے سعد کو لڑکیوں کی کمی ہے کیا جو آپ اس کے لیے نمبر دو قسم کی بیوی کا انتخاب کر رہی ہیں؟" وہ باقاعدہ ناراض ہو رہی تھی۔

"بری بات ہے نازو! اس طرح نہیں کہتے۔ وہ بچے ہماری آنکھوں کے سامنے پلے بڑھے ہیں۔ جو کچھ بھی ہے وہ فطرتاً "برے نہیں تھے" حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اگر......"

"امی ہم نے ساری دنیا کے ٹھکرائے بھٹکے لوگوں کو آباد کرنے کا ٹھیکہ تو نہیں لے رکھا...." نازو بری طرح جھلا گئی تھی۔

"کون ہاتھ رکھتا ہے ایسی لڑکیوں کے ننگے سروں پر؟ یہ زندگی ہے کوئی ڈرامہ یا فلم نہیں ہے جو مخصوص وقت کے بعد ختم ہو جائے گی۔ عمر بھر کا معاملہ ہے۔ رسوائی کو گلے لگا کر جینا بڑا صبر آزما کام ہوتا ہے اور دیکھ لیجیے گا سعد

...ی راضی نہیں ہوگا۔"

"کیسے نہیں ہوگا۔ شاہین میں کیا برائی ہے اور یوں بھی وہ اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا چشم دید گواہ ہے۔" رقیہ بیگم نے دلیل دی۔

"یوں تو پھر قرعہ فال ارشین کے نام بھی نکل سکتا ہے۔ وہ بھی تو فارغ ہے آج کل۔" وہ طنزیہ بولی تھی۔

اور اب یہی بات وہ باپ کے سامنے دہرا رہی تھی۔

"آں ہاں۔ ارشین بھی اچھی لڑکی ہے۔ مجھے بہت پسند ہے لیکن موجودہ حالت میں شاہین کا انتخاب ہی ...سب ہوگا۔ ارشین سمجھدار اور میچیور ہے اور اس قابل ہے کہ اپنا اور دوسروں کا سہارا بن سکے۔ وہ اپنے ...ں پہ کھڑی ہے کسی کی محتاج نہیں ہے اور زندگی کی اس اسٹیج پر ہے کہ پوری ذمہ داری اور شعور کے ساتھ اپنے ...ے کوئی فیصلہ کر سکے۔ مدد اور ہمدردی کی ضرورت شاہین کو ہے۔ وہ بہت چھوٹی ہے اور عمر کے ایک نازک دور سے ...ر رہی ہے۔"

"ہونہہ! ہم نے تو جیسے "رفاہِ عامہ" کا ادارہ کھول رکھا ہے نا...." نازو دل ہی دل میں تلملا رہی تھی۔ "یہ اچھی ...بت ہے۔ اسے کہتے ہیں نیکی گلے پڑ جانا......"

"سعد سے بھی کانٹیکٹ کر لیجیے گا۔" وہ بمشکل اپنے تیور چھپا رہی تھی۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں اس نے عین شادی کے دنوں میں ارشین کی خاطر امبرین کو ٹھکرا دیا تھا۔ اب اگر ...ارہ یہ ڈرامہ دہرایا گیا تو جی بھر کر جگ ہنسائی ہوگی۔"

وہ جل بھن کر بظاہر نارمل انداز میں کہہ رہی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ارشین کی دوستی اور تعلق ...یکسر فراموش کر چکی تھی۔ جس کی وہ کبھی رازدار اور غمگسار ہوا کرتی تھی اس کے لیے اب نازو کے دل میں ...ائے نفرت اور بیزاری کے کچھ نہیں رہا تھا۔ ظاہر ہے وہ بھی اسی دنیا کی باسی تھی۔ پے در پے بخاری فیملی کے ...تھ پیش آنے والے ذلت آمیز واقعات اور اس کے نتیجے میں آس پاس کے لوگوں کی چہ میگوئیاں، لن ترانیاں ...ن کر وہ مکمل طور پر ان سے متنفر ہو چکی تھی۔

"ایسا کرتے ہیں سعد کو کراچی سے بلوا لیتے ہیں۔ ساری صورتحال سامنے رکھ دیں گے انتخاب کا مسئلہ خود ہی ...ہو جائے گا۔" راشد صاحب نے سوچ کر تجویز پیش کی تھی۔

اگلے روز سعد کو فون کر دیا گیا۔ وہ آیا تو اسے اپنے لاہور جانے اور شاہین کے ساتھ ساتھ ارشین سے ملاقات ...روداد سنائی۔ ارشین کی طلاق کا سنتے ہی وہ پارے کی طرح بے چین ہو کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ راشد صاحب اور رقیہ ...جانے اس سے کیا کیا پوچھتے رہے۔ اس کا ذہن ارشین کے نام کے ساتھ ہی اٹک کے رہ گیا تھا۔

اگلی صبح وہ افراتفری میں لاہور روانہ ہو گیا۔ شبانہ خاتون سے ملنے کے بعد شاہین سے ارشین کے ہاسٹل کا ...یس لے کر وہ شام کو اس کے سامنے موجود تھا۔

"کیسی ہو تم ظالم لڑکی! بے وفا دوست، بے فیض عزیزہ!" وہ اتنی مدت بعد دوبارہ اسے سامنے پا کر جذباتی ...یا تھا۔

"ارے ارے سانس تو لے لو۔ ایک ساتھ اتنے ڈھیر سارے القابات!...." ارشین ایک مدت بعد خوشدلی ...، مسکرائی تھی۔

"ہم لاہور آئے تو تم یہاں سے کوچ فرما گئے۔ کم از کم ویلکم کہنے کے لیے ہی رک جاتے۔" وہ خوش دلی سے ...ب تھی۔

سعد ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اس کے چہرے کا ایک ایک نقش حفظ کر رہا ہو۔

"میں رسماً" بھی یہ نہیں کہوں گا کہ تمہاری طلاق کی خبر سن کر افسوس ہوا۔ کیونکہ ایک درندے اور وحشی نما بے

جس شخص سے چھٹکارا مل جانا میرے نزدیک خوشی کی خبر ہے۔"
"چھوڑ دو پرانے قصے کو۔ میں بیت جانے والے لمحوں کا ماتم کرتے رہنے کی قائل نہیں ہوں۔ تم سناؤ، تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے۔ کراچی میں پوسٹنگ ہوئی ہے ناں۔"
"ہاں۔ اور تم سیٹ ہو گئی ہو یہاں......" وہ اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔
"بالکل۔ اب نئی جگہ جا کر سیٹ ہونے کا مسئلہ پریشان نہیں کرتا مجھے۔ دربدری کی عادت سی ہو گئی ہے۔۔۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی۔

"تم نے شاہین کے معاملے میں جو ذمہ داری نبھائی ہے، اس کے لیے میں تاعمر تمہاری احسان مند رہوں گی۔ اگر تم بروقت اس کی مدد نہ کرتے تو وہ جانے کن کن ہاتھوں میں رلتی۔"
"چھوڑو فضول کی باتوں کو۔ میں نے جو کچھ کیا وہ رشتہ دار ہونے کے ناتے میرا فرض بنتا تھا۔" سعد نے لاپروائی سے سر جھٹکا۔ "تم نے آئندہ کے لیے کیا سوچا ہے؟"
وہ بہت آس سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابھی تو فی الحال شاہین کو اس کے اپنے گھر میں سیٹ کرنا ہے۔ اسلام آباد میں ڈرگ کنٹرول سینٹر جا کر امبرین کی خبر گیری کرنی ہے۔ ایک مرتبہ بخاری لاج کے بند دروازے کھول کر اپنے اسٹوڈیو روم میں بیٹھ کے پرانے وقتوں کو آواز دینی ہے اور۔ اور ہو سکا تو گوٹھ جا کر باباجان اور بی بی جان کے قدموں میں پڑ کے اپنی خطاؤں کی معافی مانگنی ہے۔" وہ کسی غیر مرئی نقطے پہ نظر جمائے بول رہی تھی۔
"اور اس کے بعد......" وہ نجانے اس سے کیا سننا چاہتا تھا۔
"اس کے بعد......" وہ کچھ سوچ کر اچانک مسکرا دی۔
"آں ہاں...... ملواؤں گی میں تمہیں اس سے......" وہ واضح طور پر متبسم ہوئی۔
"کس سے......؟" سعد الجھ کر دیکھنے لگا۔
"اپنے "مستقبل" سے۔" وہ ہولے سے ہنسی۔
"بعض اوقات خشک پتھروں کے دیس میں میٹھے پانیوں کے چشمے مل جاتے ہیں۔ وہ پیشے کے اعتبار سے صحافی ہے۔ یہیں لاہور کا رہنے والا ہے۔ آگے پیچھے کوئی نہیں ہے عارضی رہائش اسلام آباد میں ہے۔ ایس ایس پی مہران کا دوست رہا ہے مگر مزاجاً اس کے چھینٹے بھی نہیں پڑے۔ وہ اس سے بہت مختلف ہے۔ مہربان، اخلاص والا، سادہ اور کشادہ دل۔ داور نام ہے اس کا۔ آج کل تو یہاں نہیں ہے پھر دوبارہ کبھی آیا تو اس سے ملاقات کراؤں گی۔ تمہیں مل کر دلی خوشی ہو گی۔ مجھے یقین ہے۔ بہت جلد تم لوگ ایک دوسرے کے گہرے دوست بن جاؤ گے تم دونوں میں بہت سی عادتیں ایک جیسی ہیں۔"

ارشین کے لہجے میں زندہ دلی در آئی تھی۔
جوں جوں وہ تفصیلات سنا رہی تھی، سعد کا دل کسی اتھاہ گہرائی میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔
وہ دوسری بار بھی ہار گیا تھا۔ پیچھے رہ گیا تھا۔ کیا اس کی قسمت میں ہمیشہ خالی دامن رہنا ہی لکھا ہے۔
"میں تمہاری تہہ دل سے مشکور ہوں کہ تم نے شاہین کے سلسلے میں ہاتھ بڑھا کر میرا بہت بڑا بوجھ بانٹ لیا۔ آنٹی رقیہ اور راشد انکل لاہور آئے تھے۔ شبانہ آنٹی تو بہت بے تاب تھیں رسم کرنے کو مگر میں نے مناسب سمجھا کہ قسط وار منگنی، نکاح کے بجائے ڈائریکٹ شادی کر دی جائے۔ بار بار چھٹی لینا تمہارے لیے بھی آسان نہیں ہو گا۔ رقیہ آنٹی کچھ دنوں میں آ رہی ہیں۔ تم اپنے حساب سے تاریخ وغیرہ کے متعلق بتا دینا جب چھٹی آسانی سے مل سکے۔"
وہ خوشدلی سے گویا تھی پھر اس کی غائب دماغی محسوس کر کے چونکی۔

"کہاں گم ہو بھئی۔ میں تم سے کہہ رہی ہوں۔" اس نے سعد کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔
"کیا تم اپنے فیصلے سے خوش ہو۔ اچھی طرح سوچ لیا ہے۔ کیا وہ تمہیں ایک پرسکون زندگی دے سکے گا؟" وہ گہری سانس لے کر بولا۔
"ہاں......" وہ مطمئن لہجے میں پورے اعتماد سے بولی۔ "پہلی مرتبہ پورے وثوق اور یقین کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔ میرے جیسے مزاج کی حامل لڑکی کے لیے داور ایک پرفیکٹ چوائس ہے۔ میں اس کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتی لیکن میرا دل کہتا ہے اس میں وہ سب اوصاف موجود ہیں جو ایک بااعتماد اور پُرخلوص جیون ساتھی میں ہونے چاہئیں۔ میں اس کے ساتھ خوش رہوں گی۔"
سعد کے کندھے ڈھلک گئے۔

اب کیا ہو سکتا تھا۔ فیصلہ ہو چکا تھا اور دلی رضامندی کے ساتھ کیا گیا تھا۔
"سعد! میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔" وہ قدرے عاجزانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "شاہین کی ماضی کی غلطیوں کو طعنہ بنا کر بہانے بہانے سے اس کی تذلیل نہ کرنا، اسے اپنی ہمراہی کا اعتبار دینا۔ بے اعتباری عورت کا ساری دنیا میں کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا۔ میں اس اسٹیج سے گزر چکی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ جس طرح میں نے وہ عذاب ناک گھڑیاں بتائی ہیں۔ خدا سب کو ان سے بچائے۔ تم نے ہمیشہ میرے اور اپنے بیچ دوستی کے اس ان کہے رشتے کا مان رکھا ہے۔ مشکل لمحوں میں ساتھ نبھایا ہے۔ تم تو میرے ان دکھوں کے بھی رازدار ہو جس کی گواہ صرف میری ذات ہے۔ مجھے تم پر خود سے بھی زیادہ بھروسا ہے۔ میرے بھروسے کو قائم رکھنا۔ شاہین کو کبھی کوئی دکھ نہ دینا......"
"میرے لیے کوئی شے تمہاری خوشی سے بڑھ کر اہم نہیں ہو سکتی۔ تمہاری خواہش سر آنکھوں پر۔" وہ زخمی مسکراہٹ لیے بولا۔

"چلتا ہوں اب......" اب اس کے لیے ٹھہرنا محال ہو رہا تھا......
"امی اور ڈیڈی کل تاریخ لینے آ جائیں گے۔ ایک ہفتے بعد میں شاہین کو بیاہ کر لے جاؤں گا۔"
وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔
اس کے اندر کوئی شے پگھل رہی تھی۔ دل سیال مادہ بن کر آنکھوں سے ٹپکنے کو تھا۔ یوں لگ رہا تھا اندر باہر دھواں ہی دھواں بھر گیا ہو۔ گھٹن ایسی تھی کہ سانس لینا عذاب ہو گیا تھا۔
گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ ایک زبردست ذہنی وجذباتی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اسے کبھی پڑھی ہوئی وہ نظم بے طرح یاد آئی۔

پیار کے سمندر میں
ہر اترنے والے کو
کشتیاں نہیں ملتیں۔
دور دور تک جاناں۔ دھوپ کی مسافت ہے۔
اور کہیں بھی پل بھر کو، دھوپ کے مسافر پر۔ سائباں نہیں کھلتے۔
اس عجب سمندر میں۔ عمر کی ریاضت کے بعد ہم نے جانا ہے
جس طرح فضاؤں میں، اڑنے والے پنچھی پر، برس ہا برس میں بھی۔ آسماں نہیں کھلتا۔
ہجر بیکراں میں بھی، بھید بھید رہتا ہے، رازداں نہیں ملتے
بام و در نہیں کھلتے۔ ہر اترنے والے کو۔ کشتیاں نہیں ملتیں
اور مل بھی جائیں تو بادباں نہیں کھلتے

پیار کے سمندر میں بھید بھید رہتا ہے
بالآخر اس نے ایک ویران سڑک کے کنارے گاڑی روک دی اور ماتھا اسٹیئرنگ سے ٹکا دیا۔
اس کے حوصلے بری طرح بکھر رہے تھے۔

"کس امتحان میں ڈال دیا ہے تم نے؟" اس کا رواں رواں ارشین کا ورد کر رہا تھا۔ "کس طرح سنبھالوں اپنے بے قرار من کو۔ کیسے تمہاری جگہ کسی اور کو دے سکوں گا۔" اس کے دل کی دھڑکنیں احتجاج کر رہی تھیں۔

کافی دیر کے بعد وہ دوبارہ خود کو کمپوز کر کے گاڑی چلانے کے قابل ہوا تھا۔
کچھ بھی تھا ہونی کو کون ٹال سکتا تھا۔
یہ سب تو مقدر کے کھیل ہیں۔
وہ اس کے نصیب میں نہیں لکھی گئی تھی۔
وہ تقدیر کے لکھے کو مٹا نہیں سکتا تھا۔
وہ اس کے لیے نہیں بنی تھی اس حقیقت کو تسلیم کئے بنا چارہ نہیں رہ گیا تھا۔

◆ ◆ ◆

"بڑی مشکل سے گوٹھ پہنچ پایا ہوں۔ راستے ہی سمجھ نہیں آ رہے تھے۔ میرا کبھی اس طرف آنا نہیں ہوا۔ اس لیے۔" راشد صاحب نے پانی کا گلاس خالی کرنے کے بعد گہری سانس لی۔

وہ اس وقت بخاری صاحب اور صباحت بیگم کے روبرو بیٹھے تھے اور تمام تفصیلات وقفے وقفے سے ان کے گوش گزار کر رہے تھے۔

"شاہین ہمارے گھر کی عزت بن گئی ہے۔ ہم اسے بیاہ کر اسلام آباد لے آئے ہیں۔ امبرین مکمل طور پر صحت یاب ہونے کے بعد نرسنگ کی ٹریننگ لے رہی ہے۔ اس کے لیے بڑا اچھا رشتہ آیا ہے۔ آپ اور صباحت بہن چل کر دیکھ لیں۔ ارشین لاہور میں جاب کر رہی ہے مہران نے اسے طلاق دے دی تھی مگر ایک معزز اور شریف گھرانے کا نوجوان اسے اپنانے کا خواہش مند ہے' آپ لوگ بخاری لاج واپس آ جائیں اور اپنی تسلی کرنے کے بعد عزت سے بیٹیوں کو گھر سے رخصت کریں۔"

راشد صاحب بڑی دانش مندی اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے ہوئے دھیرے دھیرے انہیں ان انکشافات کے لیے تیار کر رہے تھے۔

بخاری صاحب کے چہرے پر ایک تشنجی کیفیت نمایاں تھی۔ صباحت بیگم بیٹیوں کے تذکرے پر بری طرح بے قرار ہو گئی تھیں مگر بخاری صاحب کے ڈر سے اپنے تاثرات پر قابو پانے کی سعی کر رہی تھیں۔ ان کا دل ایک نظر بچیوں کو دیکھنے کے لیے بے طرح ترس رہا تھا۔

"ہم نے آپ کو کلی اختیار سونپ دیا ہے۔ آپ ہماری طرف سے انہیں رخصت کر دیجئے گا۔ ہم میں بار بار عزتوں کے جنازے اٹھانے کی سکت نہیں رہی۔" بخاری صاحب تھکے لہجے میں بولے۔

"میرے خیال میں تو یہی مناسب ہو گا کہ آپ شہر واپس چلیں۔" راشد صاحب نے ہمت نہیں ہاری۔

"یہاں گوٹھ میں رہ کر بچوں کی پڑھائی کا بھی حرج ہو رہا ہے۔" انہوں نے عدنان اور ثمرین کی تعلیم و تربیت کا حوالہ دیا۔

"عدنان کو زمین داری میں دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ یہاں خوش ہے۔ ثمرین کو لڑکیوں کے اسکول میں پانچویں کلاس میں داخل کرا دیا ہے۔ یہ اسکول دسویں کلاس تک ہو گیا ہے۔ حکومتی منصوبوں کے تحت گوٹھ میں بہت سی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ رہے ہم تو ہم دنیا کے طعن و تشنیع اور طرح طرح کی باتوں سے دور ایک پر سکون

زندگی گزار رہے ہیں۔ یہاں سب کو یہی بتایا ہے کہ تینوں بیٹیوں کی شادیاں کر دی ہیں۔ وہ اپنے گھروں میں شاد و آباد ہیں۔ پہلے یہ مصلحت آمیز جھوٹ تھا' اب تمہارے بتلانے پر دل کو مزید تسلی ہو گئی ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ پردہ پوشی سچ کا روپ اختیار کر گئی ہے۔ ہم ان سے مل کر کیا کریں گے۔ بیٹیوں کو ایک نہ ایک دن تو خود سے جدا کرنا ہی پڑتا ہے۔ ہم نے بھی یہی سمجھ کے دل پر پتھر رکھ لیا ہے۔ ہم ان کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں۔"

بخاری صاحب بہت آہستہ و دل شکستہ انداز میں دھیرے سے گویا تھے۔ وہ آنسو پینے کی کوشش کر رہے تھے۔ جو کچھ بھی ہوا تھا قصور تو اس میں ان کا بھی برابر کا تھا۔ صباحت بیگم ساری مصلحتیں اور ڈر خوف بالائے طاق رکھ کر بے اختیار پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھیں۔

"لیکن بیٹیوں کا ایک میکہ بھی ہوتا ہے۔ اس کا ایک اپنا مان ہوتا ہے۔" راشد صاحب برابر انہیں اسلام آباد واپس چلنے کے لیے قائل کر رہے تھے۔

"میں بخاری لاج ارشین کے نام کر رہا ہوں۔ وہ اس کی حقدار بھی ہے۔ اس سے کہنا وہ اس گھر کے بند دروازے کھول کر بہنوں کے لیے میکہ آباد کر دے۔"

بخاری صاحب اپنے طور پر تمام پہلوؤں پر غور کر چکے تھے۔

راشد صاحب کو چپ سادھتے ہی بن پڑی۔ کچھ ساعت بعد وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ زیورات اور کچھ کپڑے شاہین اور امبرین کے لیے بنا کر رکھے تھے میں نے۔" صباحت بیگم نے بہتے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے ایک بیگ اندر سے لا کر راشد صاحب کے سپرد کر دیا۔

"ان سے کہیے گا وہ دنیا کے کسی کونے پر بھی رہیں ہماری بیٹیاں ہیں۔ ہمارا خون ہیں۔ خدا نے توفیق دی تو کبھی آئیں گے ان سے ملنے۔ مگر ابھی نہیں' ابھی زخموں پر کھرنڈ نہیں جمی۔ ابھی عزت کے ٹوٹے شیشے کی کرچیاں بدستور پاؤں میں چبھ رہی ہیں۔" بخاری صاحب انہیں رخصت کرتے ہوئے بڑے ضبط سے کہہ رہے تھے۔

راشد صاحب نے پلٹ کر ان کے شدت ضبط سے سرخ پڑتے چہرے اور لال آنکھوں میں اولاد کی دید کی بے تحاشا تڑپ کو محسوس کیا اور پھر ٹھنڈی سانس بھر کر آگے بڑھ گئے۔

خدایا تو کیسے کیسے لمحوں میں آزماتا ہے اپنے بندوں کو!
کبھی یہ شخص تختی و قہر کا مجسمہ ہوا کرتا تھا۔
آج شکست و ریخت اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ایک گرتا ہوا خستہ حال کھنڈر مکان دکھائی دیتا ہے۔ حالات کی آندھیوں کی زد میں آ کر ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتا ہوا بے بس لاچار مکان!

◆ ◆ ◆

"نہیں انکل! میں یہ کاغذات نہیں رکھوں گی۔ اس گھر پر عدنان کا حق ہے۔ بابا جان چاہیں تو اس کے نام کر سکتے ہیں۔ میں اسے لے کر کیا کروں گی۔ یوں بھی یہاں رہ کر میں ماضی کے وقتوں میں بھٹک کر اپنے حال کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتی۔ رہی میکہ آباد کرنے کی بات تو میرا اور داور کا گھر ان کا میکہ ہی ہو گا۔ میں جہاں بھی رہی' ان کے حالات سے بے خبر نہیں رہوں گی۔ امبرین سے میں مل آئی ہوں۔ ڈاکٹر رضا بہت اچھے انسان ہیں وہ اسے مکمل تحفظ دیں گے۔ مجھے یقین ہے۔ شاہین تو آپ کے ہاں آ ہی چکی ہے میں اب لاہور واپس جاؤں گی۔ جاب سے ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آئی تھی۔"

ارشین شاہین کی شادی کے سلسلے میں اسلام آباد میں ہی تھی۔ بخاری لاج کی چابیاں راشد صاحب نے اسے دے دی تھیں۔ وہ ایک ہفتہ یہاں رہی تھی۔ سعد کی شادی میں داور بھی شریک تھا اور راشد صاحب سے مل کر اظہار مدعا کر چکا تھا۔

"ہم تمہیں اس طرح لاہور نہیں بھیجیں گے بیٹی!" رقیہ بیگم نے فیصلہ سنا دیا۔ "بہتر ہوگا تمہارا اور داور کا عقد کر دیا جائے وہ کئی بار درخواست کر چکا ہے۔ زیادہ ہلا گلا نہیں ہوگا۔ وہ چار بندے لے کر آجائے گا۔"

"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔" ارشین نے سر جھکا لیا۔

ایک عجیب خیال و خواب کا سا حیران کن موڑ آیا تھا اس کی زندگی کی پُرپیچ کہانی میں۔ وہ خود حیرت کی تصویر بنی ایک ایک چیز کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے آج ہی بالکل ابھی سے زندگی کا سفر شروع کرنے لگی ہے۔

ہر شے نئی لگ رہی تھی۔

ایک عجیب و غریب تبدیلی آئی تھی۔ اس کے محسوسات کو تحیر سے' تغیر سے روشناس کراتی ہوئی' اسے گنگ کرتی ہوئی۔

جب کوئی احساس سمجھ میں نہ آئے تو باقی صرف حیرانی رہ جاتی ہے۔ وہ بھی حیران تھی۔ جی بھر کر۔ سرتاپا۔ لیکن اس حیرانی کے جلو میں امید اور سرخوشی کے قافلے بھی اتر رہے تھے۔

فاریہ کا بھائی کیپٹن اظہر نیا نیا کراچی ٹرانسفر ہوا تھا' آتے ہی پتا چلا میجر سعد میس میں دعوت ولیمہ دے رہے ہیں۔ وہ تازہ تازہ شادی کی چھٹیاں گزار کر اسلام آباد سے کراچی پہنچے تھے مع مسز کے۔ اظہر میجر سعد سے بخوبی واقف تھا اسے بھی فطری سا اشتیاق ہوا تھا' لیکن مسز سعد کے روپ میں شاہین کو سامنے پا کر اس کے اعصاب پر بجلیاں گر پڑیں۔

یہ تو وہ تھی جو برسوں سے اس کے خوابوں میں ہم سفر رہی تھی۔ جس کی اچانک گمشدگی نے اسے گزشتہ کئی ماہ سے بری طرح بے چین کر رکھا تھا۔ وہ بارہا بخاری لاج کے سامنے سے گزرا تھا مگر وہاں گیٹ پہ پڑے موٹے سے تالے نے اس کی امیدوں پر اوس ڈال دی تھی۔ وہ اس کی طرف سے تقریباً مایوس ہو چلا تھا کہ اچانک وہ نظر آگئی۔

مگر کس روپ میں۔

اپنی نارسائی کے احساس نے اسے اندر تک چھیل کے رکھ دیا تھا۔

مشہور صحافی داور صدیقی اور نامور مصورہ ارشین بخاری کی شادی کی خبر مع تصویر کے اخبار میں بڑے اہتمام سے شائع ہوئی تھی۔ اس اخبار کا یورپی ایڈیشن بھی چھپتا تھا اپنے وطن سے ہزاروں میل کے فاصلے پر بیٹھے مہران آفریدی کی نظروں سے جب یہ تصویر اور خبر گزری تو اس کے اعصاب پر بھی ایسی ہی قیامت ٹوٹی تھی۔

یہ خبر بیٹی کے غم میں نیم پاگل امریکہ میں مقیم پروفیسر دانیال مہدی تک بھی پہنچی تھی مگر اب اس خبر سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ان کے اعصاب تو اسی روز سے ادھڑ کر رہ گئے تھے جب ڈاکٹرز نے اپنی ناکامی کی خبر سنائی تھی۔ مہوش کا آپریشن کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ کینسر جیسے موذی مرض سے نجات کی بجائے وہ زندگی سے ہی نجات پا گئی۔ وہ آپریشن کے دوران انتقال کر گئی تھی۔ نازش اس صدمے کے زیر اثر دو ماہ تک ہوش و حواس سے غافل رہی اس کی حالت کے پیش نظر اس کے والدین کراچی سے امریکہ اس کے پاس پہنچ گئے تھے اور جونہی وہ ہوش کی دنیا میں لوٹی اسے اپنے ساتھ کراچی لے گئے۔ پروفیسر دانیال فی الحال امریکہ میں ہی تھے۔ وہ اپنی جگہ عبرت کا نمونہ بن گئے تھے۔ ایک ہی بیٹی تھی اور وہ زندگی میں سب سے زیادہ اسی سے پیار کرتے تھے۔ اپنے جگر کے ٹکڑے کی فوتگی' غمزار بیوی کی نڈھال و نیم مردہ حالت' اپنے ماضی کے گناہوں کا احساس ندامت اور لاشعوری طور پر بیٹی اور بیوی کو اس نہج تک پہنچانے کی ذمہ داری کا احساسِ جرم۔ ان سب چیزوں نے نفسیاتی طور پر انہیں بکھیر کر رکھ دیا تھا۔

وہ نفسیاتی امراض کے وارڈ میں شفٹ کر دیے گئے تھے' اور ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ طویل سائیکو تھراپک ٹریٹ منٹ

سے گزرنے کے بعد ہی وہ نارمل زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں گے۔

امبرین کا نو ماہ کا ٹریننگ کورس مکمل ہوا تو ڈاکٹر رضا نے شادی کے لیے راشد صاحب سے رابطہ کیا۔ جواباً انہوں نے ارشین اور داور سے رجوع کیا۔ وہ دونوں لاہور میں مقیم تھے۔ داور اپنے والد صاحب کی پرانی کوٹھی کو ازسرِنو آراستہ کر چکا تھا۔ وہیں سے دونوں نے نئی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ ارشین جاب چھوڑ چکی تھی مگر بالواسطہ سوشل ڈائجسٹ کے لیے گھر بیٹھے ضروری تصاویر بنا دیتی تھی' اس نے اپنی پوری توجہ فنِ مصوری پر صرف کر رکھی تھی۔

ڈاکٹر رضا نے شادی پر مہران اور اس کے گھر والوں کو بھی بلایا تھا۔ مہران تو فرانس میں تھا اور نینی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' چنانچہ سفیان فاریہ کو لے کر چلا گیا۔ (فاریہ رخصت ہو کر آفریدی ہاؤس آچکی تھی)

دلہن کے روپ میں امبرین کو دیکھ کر دونوں اپنی اپنی جگہ ٹھٹھک کر رہ گئے۔

دنیا واقعی گول ہے اور کتنی محدود ہے۔

فاریہ نے امبرین کے خوشی سے چمکتے سرشار چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچا اور آگے بڑھ کر خلوص دل سے مبارکباد دی۔ اس کی اور سفیان کی مبارکباد قبول کرتے ہوئے امبرین کے انداز میں کوئی تلخی یا ناراضی نہیں تھی' وہ بہت خوش دلی سے ان سے ملی تھی۔

تقدیر نے اسے اتنا نوازا تھا کہ وہ ماضی کی تمام محرومیاں اور تلخیاں فراموش کر گئی تھی۔ ارشین کو مسز داور کے روپ میں دیکھنا بھی ان کے لیے ایک نیا انکشاف تھا۔

"ہم کیا غیر تھے جو ہمیں اپنی خوشیوں میں شریک نہیں کیا....." سفیان ارشین کو سلام کرنے کے بعد داور سے گلے ملتے ہوئے مصنوعی خفگی سے بولا۔

"ان دنوں حالات ہی کچھ ایسے تھے میرے بھائی! سب کچھ بہت سادگی سے ہوا تھا۔ خیر تم آؤ ناں لاہور۔ ایسا یادگار کھانا کھلائیں گے اپنے ولیمے کا کہ یاد کرو گے۔ کیوں بھئی ننھی سی دلہنیا۔ دولہا میاں سے فرمائش کرو لاہور کی سیر کی۔"

داور نے اپنائیت سے فاریہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ سفیان نے غور کیا وہ ارشین کی معیت میں بے پناہ خوش مطمئن اور آسودہ نظر آرہا تھا۔

یہ خوشی' یہ آسودگی بھائی جان کے نصیب' میں نہیں تھی۔ اس نے گہری سانس لی۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنی خوشیوں کا چمن اجاڑا تھا۔ کسی کو کیا دوش دیں۔

ارشین اس سے اور فاریہ سے اسی پرانی اپنائیت و شفقت سے ملی تھی اور نینی کا حال چال پوچھا تھا۔ ناظر کے متعلق بھی دریافت کیا تھا۔

◆ ◆ ◆

یہ لاہور کے گھر کا ایک خوشگوار منظر تھا۔

"بیگم..... بیگم جانی....." داور اسے پکارتا ہوا اسٹوڈیو میں آرہا تھا۔ ارشین انہماک سے تصویر بنا رہی تھی۔

"کیا آفت ٹوٹ پڑی اب۔ ابھی تو آئی ہوں آپ کے پاس سے....." وہ جھلا گئی تھی۔ داور اس کی ہزار تاکیدوں کے باوجود پھر بیڈ روم سے نکل کر اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔

"کیا کریں۔ ہم آپ کے بغیر ایک منٹ' ایک پل' ایک سیکنڈ نہیں رہ سکتے۔ سچ۔ یقین نہیں آتا تو ہمارے دل پہ ہاتھ رکھ کے معلوم کر لو۔"

وہ اس کے قریب آکر وارفتگی سے اس کے ہاتھ سینے پر رکھ کر بولا تھا۔

"ابھی دو گھنٹے جناب کے روبرو گزار کے آئی ہوں۔" اس نے ہاتھ چھڑا کر جتلایا۔

"صرف دو گھنٹے...." وہ مصنوعی حیرانی سے بولا۔ "میں نے تو اتنی ذرا سی دیر میں ٹھیک طرح سے تمہیں دیکھا بھی نہیں ہے۔"

"ڈیڑھ سال ہو گیا ہے شادی کو۔" وہ ہنس دی۔ "اب تو اس دیوانے پن کو جانے دیں۔"

"ڈیڑھ صدیاں بھی گزر جائیں تو یہ دیوانگی کم نہ ہو گی۔" وہ محبت سے اس کی پیشانی اور لب چھو کر بولا۔ "تم کیا ہو، کتنی پیاری چیز ہو یہ صرف میرا دل جانتا ہے۔ تم تو ٹھہریں زمانے بھر کی بے خبر۔ تمہیں کیا معلوم کتنی قیامتیں پوشیدہ ہیں تمہارے سندر سراپے میں...."

وہ بے خود ہو رہا تھا۔ ہمیشہ اسی طرح وہ اس کے قرب میں ہوش و حواس سے بیگانہ ہو جاتا تھا۔ اس ڈیڑھ برس میں اس نے اس طرح ٹوٹ کر ارشین کو چاہا تھا کہ اس کی بکھری ترسی تشنہ ذات کا گوشہ گوشہ سیراب ہو گیا تھا۔ بظاہر دیکھنے میں ایسا نہیں لگتا تھا کہ اس کے اندر محبتوں کا زور آور ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن ہو گا وہ تو شادی کے بعد ہی اس پہ کھلا تھا کہ وہ کس درجہ جوشیلا، اور گرم جوش واقع ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا ارشین کو اپنے اندر اتار لے۔

"پلیز داور!" وہ منتوں سے اسے من مانیوں سے باز رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ "مجھے یہ تصویر مکمل کر لینے دیں۔ یہ بیرون ملک ایک کمپٹیشن (competition) میں بھجوانی ہے اور کل تک مجھے لازمی تیار کرنی ہے۔" اس نے اس کے بازو پیچھے کرتے ہوئے وضاحت کی۔

"تم ہر بار یہی بہانا بناتی ہو۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"بہانا نہیں ہے۔ بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"اچھا دکھاؤ تو کیا بنا رہی ہو۔" وہ دلچسپی سے ایزل کی طرف جھکا۔ ایک اونچا سا پہاڑ تھا جس کی چوٹی پر ایک درخت اگا ہوا تھا۔ درخت بالکل سیدھا تھا اس پر کوئی پتا یا ٹہنی نہیں تھی ایک ہی شاخ تھی جو تناور درخت بن کر چوٹی پر ایستادہ تھی۔ ظاہر ہے اتنی بلندی پر سبزے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اس لیے درخت بالکل ٹنڈ منڈ تھا۔ اس کے اردگرد کسی دوسرے درخت کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ بہت اوپر جا کر درخت کی ٹہنی ٹیڑھی ہو کر جھکنے لگی تھی اور کچھ اس طرح جھکی تھی جیسے ابھی کسی آن ٹوٹ کے جڑ سمیت نیچے پہاڑ کے دامن کی وسیع گہرائیوں میں جا پڑے گی۔ وادی کی پستیاں اسے نگلنے کو تیار کھڑی تھیں۔ اس کے نیچے عنوان لکھا تھا۔

"خود پسندی اور انتہا پسندی.... دونوں کا انجام پستی اور غرقابی ہے۔"

"بہت خوب...." بے اختیار داور کے منہ سے نکلا۔

"خود پسند شخص دوسروں سے نمایاں تو ہو جاتا ہے مگر ان سے الگ بھی ہوتا چلا جاتا ہے اور اکیلا پن انسان کتنی مدت تک برداشت کر سکتا ہے۔ کس دن اس کی شخصیت کا بت ٹوٹ کے پستیوں میں جا گرتا ہے۔ دوسروں سے ممتاز اور بلند نظر آنے کے لیے اپنی فطرت اور انسانیت ہی کی نفی کر دینا کہاں کا انصاف ہے یہ طرز عمل تباہی کے زمرے میں آتا ہے۔ مجھے یقین ہے تمہیں اس پر کوئی انعام ضرور ملے گا۔ یہ کلر اسکیم بہت سوٹ کر رہی ہے اور بیک گراؤنڈ کا ایفیکٹ بھی اچھا ہے۔"

"شکریہ۔ اب آپ مجھے تقریباً" دو گھنٹوں کے لیے بخش دیجئے تاکہ میں اس کی فنشنگ کر سکوں...." ارشین دوبارہ کام میں لگ گئی۔

"جو حکم سرکار کا۔" داور نے ٹھنڈی آہ بھری۔ "مگر دیکھ لو یہ "ادھار" چکانا ہو گا.... مع سود کے...." وہ اس کی زلفیں بکھیرتے ہوئے شرارتاً" بولا۔

"یہ اخبار والوں کی ہفتہ وار چھٹی نہیں ہونی چاہیے...." ارشین نے مصنوعی خفگی دکھائی۔ "گھر والوں کا جینا حرام کر دیتے ہیں۔"

"تو پھر دے دو ناں کوئی ننھا منا جیتا جاگتا کھلونا۔ جب تک تم مصروف ہوا کرو گی میں اس سے دل بہلاتا رہوں گا۔" وہ جاتے جاتے شوخ ہوا اور پھر اس سے پہلے کہ جواب میں ارشین کا پھینکا ہوا برش اس کے سر پر پڑتا وہ ہنستا ہوا غائب ہو گیا۔

"بدتمیز نہ ہو تو...." خفت اور شرم سے لال چہرہ لیے وہ بڑبڑا رہی تھی۔

یہ خواب سبز ہے یا رت وہی پلٹ آئی
چھتوں پہ گھاس، ہوا میں نمی پلٹ آئی

◆ ◆ ◆

"دنیا کے کسی گوشے میں آرٹ کی نمائش ہو ان کا جانا لازم بنتا ہے۔"

درنایاب چھ ماہ کے شایان کو پرام میں ڈالے آرٹ گیلری میں داخل ہوتی ہوئی دل ہی دل میں جھلا رہی تھی۔ مہران اس سے آگے تھا اس کی گود میں ننھی ردا سوئی ہوئی تھی۔ ردا اور شایان جڑواں بہن بھائی تھے یوں بیک وقت نایاب کی بیٹے اور بیٹی کی خواہش ایک ساتھ پوری ہو گئی تھی۔ اسے فرانس میں مہران کے ساتھ دو سال کا عرصہ بیت چکا تھا اب وہ یہاں کے رہن سہن کی عادی ہو گئی تھی۔ مہران نے اسے پاکستان سے یہاں بلوانے کے بعد مزید کوئی تفتیش یا سرزنش نہیں کی تھی۔ اس کا رویہ ویسا ہی نارمل تھا جیسے شادی کے بعد پہلے ہوتا تھا۔ وہ اس کا اور بچوں کا پورا خیال رکھتا تھا مگر اس کے باوجود بارہا نایاب کو محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اندر سے ایک منہ بند قلعے کی طرح ہے اور اس کے شہر دل کا دروازہ کسی نے مضبوطی سے بند کر رکھا ہے۔ انتہائی کوشش کے باوجود وہ اس قلعے میں داخل ہو کر مہران کے "اندر" کا حال نہیں جان پائی تھی۔ ہار تھک کر اس نے اس کے دل میں اترنے اور اس کی گہرائیاں ناپنے کا خیال ترک کر دیا تھا اور اپنی پوری توجہ بچوں کی طرف لگا دی تھی۔

مہران نے اخبار میں اس نمائش کے بارے میں پڑھا تھا۔ کئی غیر ملکی فن پارے بھی نمائش میں رکھے گئے تھے اور جانے کس کھوج میں وہ کشاں کشاں چلا آیا تھا۔

مختلف فن پاروں کو دیکھتے ہوئے وہ ایک پینٹنگ کے آگے رک گیا۔ سبز و سرمئی پہاڑ جس کی چوٹی پر ایک بھورا ٹنڈ منڈ درخت رکوع کی حالت میں کھڑا تھا۔

اس نے جھک کر عنوان پڑھا۔ پھر ایک اذیت ناک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔

"خود پسندی اور انتہا پسندی.... دونوں کا انجام پستی اور غرقابی ہے......"

"تم نے ٹھیک کہا۔" اس نے گہری سانس لی۔

وہ ہولے ہولے ارشین بخاری کے دستخط پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

اس کے اندر کچھ ٹوٹ رہا تھا اور ٹوٹتا ہی چلا جا رہا تھا۔

یہ ذہنی توڑ پھوڑ اب اس کا مقدر بن چکی تھی۔

○○○○○